جنونِ عشق کی روٹھ رُت

سعدیہ عابد



کتاب گھر قارئین کے لیے خصوصی طور پر لکھا جانے والا سعدیہ عابد کا خوبصورت ناول......

جنونِ عشق کی روٹھی رُت

سعدیہ عابد

انتساب

کچھ لوگ ہماری زندگی میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ایسی ہی دو ہستیاں
جو ہمیشہ میرے لیے مانند شجر وُ دعاؤں کا نگر ثابت ہوئیں، میری بہنوں

فوزیہ سیّد اشرف علی اور زوبیہ شاہ رُخ کے نام!

پیش لفظ

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم کرنے والا ہے۔ شکر ہے اُس رب کائنات کا جس نے مجھے پہچان بخشی اور کامیابیوں سے سرفراز کیا۔

زیر نظر ناول ''جنون عشق کی روٹھی رُت'' میری دوسری بڑی کاوش ہے۔ بند قبا کھلنے لگی جاناں کی کامیابی کے بعد خود کو آپ قارئین کا مقروض پاتی ہوں، آپ سب کی محبت، خلوص و پسندیدگی کا قرض اتارنا تو اختیار سے باہر ہے۔ بس ایک اور اینٹ رکھنے جارہی ہوں اس کی تکمیل و تعمیر آپکی پسند اور آراء کے ذریعے ہی ممکن ہوگی۔ اُمید تو یہی ہے کہ یہ تحریر بھی آپ کے دل کو چھو لے گی کہ اس تحریر کے ذریعے بھی میں نے احساسات و جذبات کے ہی محبت بھرے دیپ جلانے کی کوشش کی ہے۔ نہیں جانتی کہ میری یہ کوشش ''جنون عشق کی روٹھی رُت'' آپکے معیار و پسند پر اترے گی یا نہیں۔ میں نے تو اپنے طور پر محبت کا پنچھی آزاد کر دیا ہے۔ بہت دل سے لکھا ہے اس ناول کے ایک ایک لفظ کو، اور ایک ایک لفظ آپکے بھی دل کی آواز ہے صرف ضرورت محسوس کرنے کی ہے، میرے لفظوں کو اپنے احساسات کی روشنی میں پڑھیے گا۔ میرے لفظ آپ کو خود سے بات کرتے ہوئے محسوس ہوں گے کہ اس کہانی کا ایک کردار بھی خاص نہیں ہے۔ میں ایک عام سی لڑکی، عام سے لوگوں کے درمیان رہتی، عام سی ہی باتیں کرتی ہوں۔ انہیں خاص آپکی محبت بناتی ہے۔ انہیں خاص آپکی محبت بناتی ہے۔ اس ناول کا ہر کردار بھی بہت عام ہونے کے باوجود آپ کو بے حد خاص محسوس ہوگا کہ یہ آپ سے ریلیٹ کرے گا، اور آپ ہرگز بھی عام نہیں ہیں۔

یہ ناول شدتوں کا عکاس ہے، ماضی و حال کے تانے بانے بنتا یہ ناول محبت، نفرت، اچھائی، برائی کا ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہمارے معاشرے میں بستے لوگوں کا چہرہ بھی نظر آئے گا اور تخیل کی جولانی بھی محسوس ہوگی۔

ٹرائینگل اسٹوری اکثر قارئین کو ناپسند ہوتی ہے مگر میں نے اس میں کوشش کی ہے کہ آپ قارئین ٹرائینگل اسٹوریز بھی پڑھنے پر مجبور ہو جائیں کہ شدتِ آس و یاس جب تک نہیں نکھرتی جب تک جدائی درمیان میں نہ آئے۔ یہ ایک ایسے ہی شخص کا فسانہ ہے جس نے قسمت کے لکھے کو تسلیم کیا اور تدبیر کے ذریعے بد قسمتی کے رنگ یوں پھیکے کیے کہ خوش قسمتی کی قوس وقزاح چارسُو پھیل گئی۔

ظلم سہنے والا مل جائے تو ظالم کی عید ہو جاتی ہے اور اس ناول میں آپ کو مظلوم بھی ملیں گے اور ظالم بھی، اور ظالم کتنے ظالم تھے اس کا فیصلہ تو آپ قارئین ہی کریں گے کہ اکثر جو جیسے دکھتا ہے درحقیقت ویسا ہوتا نہیں ہے۔ اس کے لیے پرکھنے والی آنکھ چاہیے ہوتی ہے۔

کچھ فرض ہوتے ہیں تو کچھ قرض، فرائض ادا کرنے والے ہمیشہ مطمئن رہتے ہیں۔ اپنا آپ وار کر بھی افسوس نہیں کرتے مگر ان کا یہ خلوص دوسروں کی جان کا عذاب بن جاتا ہے کہ فرض تو جیسے تیسے ادا ہو ہی جاتا ہے مگر قرض اتارنے کے لیے ایک عمر بھی کم پڑ جاتی ہے۔ یہ ناول ایسی ہی دوشیزہ کا فسانہ ہے جس پر محبتوں کے کئی قرض تھے اور اس کی عمران کی ادائیگی میں کم پڑنے لگی تھی اور وہ فرض نباہنے کی چاہ میں محبتوں کی عادی محبت سے گریزاں، اپنی اولین چاہت سے از خود دست بردار ہو جاتی ہے کہ ہر محبت کے نصیب میں وصل نہیں ہوتا۔

یہ ناول اس ماں کا فسانہء مامتا ہے کہ جس نے اپنی اولاد کی چاہت میں ہر چاہت ہی تیاگ دی، بیٹے کی محبت اس کے ایمان کا جزوِ اول بن گئی تو بیٹے نے بھی چاہت وعقیدت کے دریا بہا دیئے اور رواں دریا میں ماں کے لئے جتنی محبت وعقیدت تھی باقی سب کیلئے اتنی ہی بیگانگی ونفرت۔۔۔! اور اس نفرت سے بھی عقیدت کرنے والے اک بھائی کا عشق بھرا فسانہ ہے یہ ناول! جس نے بھائی کی محبت کے حصول کے لیے زندگی کی بازی لگا دی۔ محبت، عقیدت بن جائے تو بندگی بنتے دیر نہیں لگتی اور ایسی ہی محبت، نفرت، جنون، عشق ور وٹھنے، منانے کی داستان کا نام ہے "جنون عشق کی روٹھی رُت" اور یہ رُت آپ قارئین پر اثر انداز ہونے کو احساسات وجذبات کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر میدان ادب میں اتر رہی ہے اس امید کے ساتھ کہ حوصلہ افزائی کی جائے گی۔۔۔!

اس ناول کی تھیم "شدت" ہے اور شدت جہاں خوبیوں کو جنم دیتی ہے وہیں برائیوں کی تخلیق کا بھی باعث بن کر بڑی تباہیاں پھیلاتی ہے۔ یہ کہانی تو گھوم ہی ایسے شدت پسند لوگوں کے گرد رہی ہے جنہوں نے شدتوں کی راہ پر چلتے ہوئے محبت اور عشق کے لیے اپنا "آپ" "اپنی "میں" ہی دان کر کے جنون کی منزل کو ہی سب کچھ جان لیا۔ روٹھے بھی اور مناتے بھی رہے مگر پھر بھی کتنی رُتیں روٹھے ہی گزر گئیں۔

آخر میں تمام دوست احباب کا بے حد شکریہ جنہوں نے ناول کی ابتداء سے انتہا تک میری حوصلہ افزائی کی اور معاونت کا باعث بنے۔ اس ناول کو آن لائن آپ قارئین تک پہنچانے کا سہرا "کتاب گھر" کے سر جاتا ہے۔ اس کے لیے میں کتاب گھر اور محترم حسن علی صاحب کی بے حد مشکور ہوں کہ مجھے ایک پلیٹ فارم دیا۔ خدا پاک کتاب گھر اور اس کے منتظمین پر خصوصی رحم وکرم والا، بہت سی کامیابیوں سے جڑا معاملہ رکھے۔ آمین۔

آپ سب قارئین کے محبت وخلوص ناموں اور تنقید برائے اصلاح سے مزین قیمتی آراء کا انتظار رہے گا۔

ڈھیر ساری دُعاؤں اور نیک خواہشات کے ساتھ......دُعاؤں کی طالب

سعدیہ عابد

یکم اکتوبر، 2015

☆......☆......☆

نیناں شیرازی گہری نیند سے یکدم چونک کر اٹھیں اور وال کلاک پر نظر پڑتے ہی ساری سستی و نیند اڑن چھو ہو گئی جبکہ ذہن میں اس بات نے حیرانگی سے سر اٹھایا تھا۔

''میں اتنی دیر تک سوتی رہی۔'' کہ وہ نہ صرف خود سحر خیزی کی عادی تھیں بلکہ انکے سبب ان کا پورا گھرانہ بھی اس روٹین کا عادی تھا۔

''جیتے رہو بیٹا، آج یونیورسٹی نہیں گئے۔'' ادیان شیرازی ان کے سامنے جھکا تو وہ اس کا ماتھا چومتیں نرمی سے سلام کا جواب دے کر استفسار کر گئی تھیں۔

''کیسے جاتا بڑی ممی۔ آج اتفاق سے سنڈے ہے۔'' ادیان کی بات انہیں خجل کر گئی تھی۔

''دیر تک سوئی ہوں ناں، اس لئے حواس کام نہیں کر رہے۔'' نک سک سے تیار ادیان کی دل ہی دل میں نظر اتارتیں خجالت مٹانے کو بولی تھیں کہ اسی وقت ایان شیرازی ماں سے آ کر لپٹ گیا تھا۔

''گڈ مارننگ ممی۔'' وہ اپنے مخصوص انداز میں ماں کو صبح بخیر کہہ رہا تھا۔

''گڈ مارننگ۔ کہاں کی تیاری ہے؟'' مسکرا کر اس کی پیشانی چومی تھی اور اپنے خوبرو بیٹے سے نرمی سے سوال کیا تھا۔

''ہم نے کہاں جانا ہے، آپ کے اٹھنے کے منتظر تھے تاکہ پیٹ پوجا کر سکیں۔'' وہ شانِ بے نیازی سے کہہ گیا تھا کہ وہ اپنی ڈریسنگ کا بے حد خیال رکھتا تھا گھر میں بھی اس کا حلیہ ایسا ہوتا جیسے کہیں جا رہا ہو۔

''بڑی ممی! ایان بھیا ناشتہ کر چکے ہیں۔'' ادیان مسکرا کر بولا تھا۔

''تم تو چپ رہو بڑی ممی کے چمچے۔'' اس نے اپنے سے دو سال چھوٹے بھائی کو گھورا تھا۔

''یہ شیریں کہاں ہے؟'' بچوں کی نوک جھونک پر مسکراتے ہوئے انہیں بیٹی کی کمی فوراً محسوس ہوئی تھی۔

''شیریں، ممی کے دل میں ہے۔'' اس نے اپنے مخصوص انداز میں شوخ سی انٹری دی تھی۔ وہ مسکراتی ہوئی بیٹی کو دیکھ کر نہال ہو گئی تھیں اور وہ سب ڈائننگ ہال میں پہنچ گئے تھے۔

''بڑی دیر سے جاگی ہو نیناں، تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' ارمان شیرازی اپنی مخصوص چیئر پر براجمان اخبار پڑھ رہے تھے، بیوی کو دیکھ کر استفسار ہوا تھا۔ ان تینوں کو ہی مصنوعی کھانسی کا دورہ پڑ گیا تھا۔ وہ خجل ہو گئی تھیں اور خجالت مٹانے کو تینوں کو گھورتیں ملازمہ کو ناشتہ لانے کے لئے آوازیں دینے لگی تھیں۔

''رات ابر سے بات کرتے ہوئے وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا تھا اس لیے آج آنکھ نہیں کھلی۔'' وہ شوہر کے سامنے چائے رکھتے ہوئے بولی تھیں اور ان تینوں کی نوک جھونک میں ہی ناشتہ ہو گیا تھا اور وہ اپنے بچوں کو خوش دیکھ کر سرشار سی مسکرا دی تھیں۔

☆......☆......☆

ابران! سکون سے پڑا سوتا رہ، میں جا رہا ہوں۔'' فراز اس کو کافی دیر سے اٹھا رہا تھا آخر جھنجلا کر بولا تھا۔

''ہاں تو چلا جا، میرا موڈ نہیں ہے۔ سر درد کر رہا ہے۔'' وہ بستر پر پڑے پڑے کسلمندی سے بولا تھا۔

''لگتا ہے آج ماما ز بوائے کی گڈ مارننگ کال نہیں آئی؟'' اس نے کمبل کھینچتے ہوئے شرارت سے کہا تھا کہ اگر وہ نہیں جا رہا تھا تو وہ کیوں جاتا؟ مزے سے چھٹی کا ارادہ کرتا اسے چھیڑ گیا تھا کہ وقت بھی تو گزارنا تھا۔

''ہاں، شیریں کی کال آئی تھی، اس نے بتایا کہ ممی سو رہی ہیں۔'' جمائی لیتے ہوئے وہ تھوڑا سا اونچا ہو کر کراؤن سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا تھا۔

''آنٹی تو اتنی دیر تک نہیں سوتیں، ان کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' وہ ایکدم ہی متفکر ہوا تھا۔

''ہاں۔ ڈر تو میں بھی گیا تھا مگر تو پریشان نہ ہو ممی بالکل ٹھیک ہیں۔'' وہ دوست کی فکر پر مسکرایا تھا۔

''اصل میں کل تایا جان کی پانچویں برسی تھی اس لئے سب مصطفیٰ ہاؤس گئے ہوئے تھے وہاں سے آ کر ممی کچھ اپ سیٹ تھیں۔'' وہ جمائی روکتے ہوئے بولا تھا۔

''تو بیٹھا کیوں ہے یونی نہیں جا رہا؟'' اس نے دوست کو مزے سے بیٹھے دیکھ کر پوچھا تھا اور اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔

''تو نہیں جا رہا، تو میرا بھی موڈ نہیں۔ فریش ہو جا تو آج آؤٹنگ پر چلیں گے۔'' اس نے پروگرام ترتیب دیا تھا۔

''اوہوں۔ بٹ ابھی نہیں بعد میں کہ مال بھی چلے جائیں گے کہ، میں نے شہیر کے لیے گفٹ لینا ہے۔'' وہ کہہ کر واپس کمبل تان کر لیٹ گیا تھا۔ فراز اب کے کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گیا تھا کہ اس نے بریک فاسٹ بھی تیار کرنا تھا۔

☆......☆......☆

''سالار، آپ شہیر کو سمجھائیں ناں پلیز۔'' وہ لجاجت سے بول رہی تھیں۔

''سمجھنے کی ضرورت تمہیں ہے، جانتی ہو شہیر بچپن سے ہی پولیس میں جانے کے لیے جنونی رہا ہے کس طرح رات دن محنت کر کے اس نے سی ایس ایس کا ایگزام پاس کیا ہے اور اب تم چاہتی ہو کہ میں اسے اس فیلڈ میں جانے سے روکوں، اس سے کہوں کہ وہ سول سروس جوائن کر لے۔'' وہ برہمی سے بولے تھے۔

''آپ جانتے ہیں یہ کہیں نہ کہیں میری بھی خواہش رہی ہے مگر یہ شعبہ جس طرح کرپٹ ہو کر بدحالی کا شکار ہے اس سبب میں غیر تحفظات کا شکار ہو رہی ہوں۔'' وہ نمناک لہجے میں بولی تھیں تو انہیں اپنے لہجے کی بدصورتی کا احساس ہوا تھا اور وہ نرمی سے انہیں قائل کرتے ان کے خدشات زائل کرنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔

☆......☆......☆

''ممی! پلیز جانے دیجئے ناں۔'' وہ ماں کے شانے پر ٹھوڑی ٹکائے ریکوئسٹ کر رہی تھی۔

''ضد نہیں کرو شیریں۔ منع کر دیا ہے ناں تو بس تم نہیں جاؤ گی۔'' وہ دور ہوتیں قدرے خفگی سے بولی تھیں۔

''ممی۔ میں اکیلے تو نہیں جاؤں گی، میری تمام کلاس فیلوز اور خواہش بھی جائے گی۔'' اس نے جاتی ہوئی ماں کے سامنے آ کر منہ بنا کر کہا تھا۔

''شیریں! بحث پسند نہیں مجھے، ایک دفعہ منع کر دیا تو بس کر دیا۔'' انہوں نے اپنی لاڈلی کو گھورا تھا۔

ماں کا سختی سے انکار اس کی آنکھیں نم کر گیا تھا اور وہ ماں کو قائل کر لینا ہی چاہتی تھی کہ اس کی نظر اپنے ڈیڈی پر پڑی تھی اور وہ لپک کر باپ تک پہنچی اور کاندھے سے لگتی دھواں دھار رونے لگی تو انہوں نے اصل بات جاننے کے لئے بیوی کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

''آپ اپنی لاڈلی سے ہی پوچھ لیجئے۔'' وہ قدرے ناراضگی وغصہ سے بولی تھیں۔

''ہمارا کالج ٹرپ پر جا رہا ہے ڈیڈی۔ میری سب دوست بھی جا رہی ہیں لیکن ممی نے مجھے جانے سے منع کر دیا ہے''...... وہ سسکتے ہوئے بولی تھی اور ان سے کب اپنی لاڈلی کا رونا برداشت ہوتا تھا انہوں نے اسے بازوؤں کے گھیرے میں لیا اور بولے۔

''اس میں رونے والی کون سی بات ہے، اجازت ابھی نہیں دی تو کیا ہوا، بعد میں لے لینا۔'' اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

''آپ وعدہ کرنے سے پہلے سوچ لیجئے گا کہ میں اسے جانے کی کسی قیمت پر اجازت نہیں دوں گی۔'' وہ کہہ کر ٹھہریں نہ تھیں۔

''دیکھا آپ نے۔ ممی کبھی نہیں مانیں گی۔'' وہ سوں سوں کرنے لگی تھی۔

''یار، ممی نے کچھ سوچ کر ہی منع کیا ہوگا۔'' انہوں نے یکدم پینترا بدلا تو وہ باپ کو شاکی نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔

''آپ ممی سے کتنا ڈرتے ہیں۔'' اس نے خفگی سے کہا تھا۔ ''انہیں آپ منانے کی بجائے ہمیشہ ان کی مان لیتے ہیں، میں اب آپ سے بات نہیں کروں گی۔'' وہ مکمل ناراضگی کا اظہار کرتی وہاں سے نکل گئی تھی۔ وہ گہری سانس کھینچتے جس وقت کمرے میں آئے وہ اپنے لختِ جگر سے بات کرنے میں مصروف تھیں۔

''شیریں کے آؤٹنگ جانے میں کیا قباحت ہے۔'' بیوی کے فارغ ہوتے ہی اس کی سرخ آنکھیں ومتورم چہرے کو دیکھتے ہی پوچھا تھا۔

''قباحت نہیں ہے، لیکن میں اسے جانے نہیں دے سکتی۔'' آنسو دوپٹے میں جذب کرتے ہوئے بولی تھیں۔

''کیوں؟'' انہوں نے نگاہ اٹھا کر بیوی کو دیکھا تھا۔

''کیونکہ مجھے نہیں پسند اور جب میں نے کبھی اس طرح ایمان کو کہیں جانے نہیں دیا تو شیریں کو جانے دینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا''...... وہ لفظ لفظ پر زور ڈال کر بولی تھیں۔

''اس سب میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ بچوں پر اس طرح روک ٹوک کرنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ شیریں بہت رو رہی تھی۔ مجھ سے ناراض ہوگئی ہے۔ یار ٹھنڈے دل سے سوچو اور اسے جانے دو کہ باقی بچیاں بھی تو جا رہی ہیں ناں۔'' نرمی سے انہیں قائل کر لینا چاہا تھا۔

''اوکے، جیسے آپ کی مرضی، بس اتنا یاد رکھیئے گا اس سب میں میری مرضی نہیں شامل! مگر آپ کو کہاں فرق پڑے گا، اتنے بڑے بڑے فیصلے جب آپ میری رضا کے بغیر لے سکتے ہیں تو یہ تو فیصلہ ان کے آگے کچھ ہے ہی نہیں۔'' وہ بہت تلخی سے چلی گئی تھیں تو وہ اب بھی لب بھینچ کر دشمن جاں کو دیکھنے لگے جوان سے اتنے برس گزر جانے کے بعد بھی خفا تھیں، بدگمان تھیں اوران پر بھی کیا وقت آیا تھا کہ انہوں نے ماہ وسال کے چلتے انہیں خفا ہی رہنے دیا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ انہیں تکلیف دے کر ان سے زیادہ تکلیف میں تھے۔ ان کے درمیان تکلیف دہ خاموشی ٹھہر گئی تھی کہ اس خاموشی کو موبائل کی رنگ ٹون نے یکدم منتشر کر دیا تھا۔ انہوں نے خود کو کمپوز ڈ کر کے کال ریسیو کی تھی وہ ان کو بغور دیکھ رہے تھے۔ پیچ کلر کے چکن کے سوٹ میں وہ کافی سوبر مگر رنجیدہ لگ رہی تھی، ماہ وسال لگتا تھا انہیں چھوئے بغیر گزر گئے تھے وہ آج بھی بے حد حسین اور جاذب نظر تھیں ان کا متناسب سراپا، ان کے تین بڑے بڑے بچوں کی موجودگی پر فخر سے مسکاتا تھا کہ وہ تین بچوں کی اماں تو لگتی ہی نہ تھیں کہ ان کا سب سے بڑا بیٹا ابران شیرازی لندن یونیورسٹی میں ایم بی اے کے آخری سال میں تھا۔ ایک ماہ قبل ہی تو وہ اپنی جان سے پیارے بیٹے کو اس کی تئیسویں سالگرہ وش کرنے اچانک لندن پہنچ گئی تھیں کہ وہ سات سمندر پار ہو کر بھی ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون تھا۔ ان کا دوسرا انیس سالہ بیٹا ایان شیرازی تھا جو بی ایس سی کے سال اول کا طالب علم تھا جبکہ ان سب کی چہیتی اور ارمان شیرازی کی جان ان کی سب سے چھوٹی بیٹی شیریں شیرازی فرسٹ ائیر کامرس کی طالبہ تھی۔ وہ شباہت ہی نہیں عادت و اطوار بھی ماں کے سے رکھتی تھی۔ وہ اس کی گہری نظروں سے خائف ہوتیں وہاں سے نکلنے کو تھیں کہ وہ ان کا ہاتھ تھام گئے تھے۔

''لگتا ہے ماہ وسال میری نیناں کو چھوئے بغیر گزر گئے۔'' وہ دلکشی سے کہے انہیں کنفیوز کر گئے تھے

''سالار بھیا کا فون تھا، وہ جلد آنے کا کہہ رہے تھے۔'' ہاتھ چھڑا کر بولی تھی گویا اپنی جان چھڑانی چاہی تھی۔

''چلیں جائیں گے تمہارے سالار بھیا کے حکم کی تعمیل کو، فی الوقت تو بندہ آپ کی توجہ کا طلب گار ہے۔'' وہ ان کی گڑبڑاہٹ سے محظوظ ہوتے بھاگنے کو پر تولتیں نینا کی سلیقے سے بندھی دراز چوٹی کو پکڑ کر کھینچتے انہیں سینے سے آن ٹکرانے پر مجبور کر گئے تھے۔ انہوں نے ''سی'' کر کے جھنجھلا کر انہیں دیکھا تھا مگر ان کی گہری آنکھوں کی تاب لانا آج بھی ان کے بس کا روگ نہ تھا اس لیے نظریں چرائی تھیں اور انہوں نے قہقہہ لگا کر انہیں خفت زدہ کر ڈالا تھا۔

''چھوڑیں بھی ناں ارمان! کیا ہو گیا ہے آپ کو۔'' وہ ان کی گرفت میں مچلی تھیں۔

''چھوڑنے والے ہی تو نہ تھے ہم، ورنہ آپ نے تو بڑی رسیاں تڑوانی چاہی تھیں۔'' وہ جسارت پر آمادہ ہوئے تھے وہ جھنجھلا کر رہ گئی تھیں کہ ماہ وسال نے ان کی شدتوں کو بڑھایا ہی تھا اور عمر کے اس دور میں ان کی شدتیں انہیں کیسے مضطرب کرتی تھیں یہ تو بس وہی جانتی تھیں مگر ان کی شدتوں پر ان کی بے باکیوں پر وہ کبھی بند نہیں باندھ سکی تھیں۔ کوئی قدغن نہیں لگا سکی تھیں۔

☆......☆......☆

''بہت بہت مبارک ہو بیٹا!'' نینا نے بوکے اسے تھماتے ہوئے اس کی پیشانی چومی تھی

''سڑے ہوئے بینگن جیسے شہیر بھیا، پر ممی کو بڑا لاڈ آتا ہے۔'' وہ یمانی کے کان میں گھس کر سرگوشی میں بولی تھی اس نے ایک چپت اس کے سر پر لگائی تھی وہ برے برے منہ بناتی ان دونوں کو دیکھنے لگی تھی۔

''بہت شکریہ آنی۔'' وہ دلکشی سے مسکرایا تھا۔

''یہ کھڑوس مسکرائے بھی ہیں۔'' اس نے بھرپور حیرت سے کہا تھا۔

''فضول بکواس نہ کرو اور جا کر شہیر کو اس کی کامیابی کی مبارک باد دو۔'' یمانی نے قدرے ڈپٹ کر کہا تھا مگر وہ سنی ان سنی کرتی اندر آتے سالار مصطفیٰ کو دیکھ کر بے اختیار ان کی طرف لپکی اور جا کر ان سے لپٹ گئی۔

''السلام علیکم ماموں جان۔'' اس کی بلند آواز کے سبب سب ہی اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ سو برسے شہیر سالار نے اس کی بچکانہ حرکت کو ناگواری سے دیکھا اور ارمان شیرازی سے ملنے لگا تھا کہ سالار مصطفیٰ کے سب سے بڑے بیٹے شہیر نے سی ایس ایس کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا اور اسی خوشی میں مصطفیٰ ہاؤس میں ایک گیٹ ٹو گیدر تھی۔

''یہ سڑے ہوئے شہیر بھیا کو کیا ہوا ہے آج بڑا بار بار مسکرا رہے ہیں۔'' اس نے بے حد ڈیشنگ لانبے قد، گوری رنگت اور تیکھے نین نقش والے شہیر سالار کو ایک نظر دیکھ کر خواہش سے کہا تھا۔

''اتنی بڑی کامیابی ملی ہے بھیا کو، سی ایس ایس کا ایگزام پاس کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا اور بھیا نے تو پانچویں پوزیشن لی ہے۔'' خواہش ترنت فخریہ لہجے میں بولی تھی۔

''تم تو ہو ہی اپنے شہیر بھیا کی چمچی۔'' شیریں نے اسے گھورا تھا۔

''خواہش نے کہا تو ٹھیک ہے۔'' یمانی کی حمایت پر وہ کھل اٹھی تھی جبکہ اس کا منہ بن گیا تھا۔

''جلنے کی بو آ رہی ہے۔'' یمانی اور خواہش کورس میں بولی تھیں۔

''میں کیوں جلوں گی، خوش تو شہیر بھیا کی کامیابی پر میں بھی ہوں۔'' منہ بنا کر مگر سچائی سے بولی تھی۔

''ہائے بلی، کیسی ہو؟'' عبیر سالار اس کے سر پر چپت لگا تا عین اس کے سامنے خالی پڑے کاؤچ پر بیٹھ گیا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں عبیر بھیا، آپ کیسے ہیں۔'' وہ مسکرائی تھی اور ان سب نے مصطفیٰ ہاؤس میں ایک یادگار دن گزارا تھا مگر ڈھلتی شام شہیر سالار کے مسکراتے چہرے پر اداسی اور یاسیت بکھرا گئی تھی۔ اسے اپنے ہی نہیں اس کے وجود سے بھی نفرت محسوس ہونے لگی تھی جس کے سبب اس کی ماں اس کی طرف سے شک اور بدگمانی کا شکار ہو گئی تھیں جبکہ اس کا خوشگوار دن اداسی سمیٹ لایا تھا۔

☆......☆......☆

''شیریں، میرے کمرے میں کیا کر رہی ہو؟'' وہ واش روم سے نکلا اور اسے کمرے میں دیکھ کر پہلے متحیر ہوا پھر ناگواری سے سوال کر گیا۔

''وہ میں نے آپ کو وش نہیں کیا تھا ناں تو بس اس لیے۔'' وہ اس کے کڑے لہجے پر گڑبڑا کر رہ گئی تھی۔

''مجھے وش کرنا اتنا ضروری نہیں تھا۔'' وہ اس کو بات کے درمیان ہی ٹوک گیا تھا۔

''مجھے آپ کو وش کرنے کی ضرورت تھی بھی نہیں۔ وہ تو یمانی آپی اور خوشی نے انسسٹ کیا تو آ گئی۔'' وہ اس کے تیز لہجے سے خائف ہوتی نہایت ناگواری سے بولی تھی۔

''اپنے پھول اٹھاؤ اور میرے کمرے سے فوراً چلی جاؤ۔'' اس نے پھینکنے کے سے انداز میں بوکے بیڈ پر رکھا تو اس کا چہرہ ذلت کے احساس سے سرخ پڑ گیا اور اس نے نہایت ناپسندیدگی سے اس کے عمل کو دیکھتے ہوئے ہدایت جاری کر دی۔

''میں اپنی دی ہوئی چیز واپس نہیں لیتی۔'' وہ اس کی خوبصورت آنکھوں میں خود اعتمادی سے دیکھتی بولی اور جانے کو پلٹی تھی کہ اس نے پھولوں کا گلدستہ اٹھایا اور اس کو کلائی سے پکڑ کر روک لیا۔

''میں ہر کسی سے یوں تحفے نہیں لیا کرتا۔ براہ مہربانی اپنا تحفہ لے کر چلی جاؤ اور آئندہ بھول کر بھی میرے کمرے میں قدم نہ دھرنا۔'' وہ کافی غصہ کا تیز تھا اپنے تمام جاہ وجلال کے ساتھ بولا تھا، اہانت کے احساس سے اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ اس نے جھٹکے سے اپنی کلائی آزاد کروائی، اس کے ہاتھ سے پھول جھپٹ کر اچھالے اور باہر کی طرف دوڑ لگائی تھی کہ غصہ اور تیزی میں بند دروازے سے بری طرح ٹکرائی، ماتھے سے بھل بھل خون بہنے لگا اور وہ چکرا کر زمین بوس کیا ہوئی اسے از حد پریشان کر گئی۔ اس نے جھک کر اسے سیدھا کیا، بہتے خون نے اسے تفکرات عطا کر دیئے۔ اس نے اسے اٹھا کر اپنے بیڈ پر ڈالا اور ماں کو بلانے کے ارادے سے اس نے دروازہ کھولا تو ماں کو دیکھ کر گویا اس کی جان میں جان آ گئی تھی۔

''اوہو مما، تھینک گاڈ کہ آپ ہیں، میں آپ کو ہی بلانے جا رہا تھا۔''

انہوں نے بیٹے کے اطمینان کو کہاں محسوس کیا تھا کہ ان کی نگاہ تو بستر پر لیٹی ہوئی شیریں پر حیرت استعجاب سمیٹے ٹھہر گئی تھی اور پیروں تلے سے زمین سرکتی محسوس ہونے لگی تھی۔

''مما! پلیز جلدی سے اندر آ جائیں۔ شیریں بے ہوش ہے۔ اس کے سر پر چوٹ لگ گئی ہے۔'' وہ ماں کو ساکت دیکھ کر ان کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے فکر سے بولا تھا۔

''شیریں کو چوٹ لگی کیسے؟'' آواز گویا گہری کھائی سے نکلی تھی کہ انہوں نے کمرے میں قدم رکھا تھا اور کارپٹ پر بکھرا اس کا فیروزی آنچل، چند ٹوٹی کانچ کی فیروزی چوڑیاں اور بکھرے پھول، انہیں لگا تھا کہ ذہن میں گردش کرتی سچوایشن ان کا دل بند کر دے گی۔

''مما! میں آپ کو سب بتا دوں گا، فی الحال تو آپ اسے ہوش میں لانے کی تدبیر کریں۔'' وہ سنجیدگی سے کہتا فرسٹ ایڈ باکس اٹھانے بڑھ گیا تھا۔ انہوں نے اس کے دوپٹے سے بے نیاز قیامت سے سراپے پر کمبل ڈالا اور کانپتے ہاتھوں سے پانی کے چھینٹے اس کے خون آلود چہرے پر ڈالے۔ اس نے چند پل گزرتے ہی آنکھیں کھولیں اور رابعہ کو دیکھ کر وہ اٹھ کر بیٹھی اور ان سے لپٹ کر رونے کیا لگی ان

کے خدشات بڑھنے لگے، دل، دماغ کی نفی کرنے لگا۔

''بوا! شہیر بھیا نے میرے ساتھ بہت مس بی ہیو کیا۔'' اس کا بلکتے ہوئے کہنا رابعہ سالار کے چودہ طبق روشن کر گیا تھا۔

''میں تو انہیں وش کرنے آئی تھی مگر انہوں نے میرے ساتھ کتنا غلط کیا۔'' وہ اسے دھکیلتی اٹھیں اور فرسٹ ایڈ باکس لیے کھڑے بیٹے کے سامنے رکیں تو وہ ہی نہیں بلکتی ہوئی شیریں بھی حیرت سے منہ کھولے انہیں دیکھنے لگی۔

''تم اتنا کیسے گر سکتے ہو۔ ایسا کچھ کرتے تمہیں شرم نہیں آئی۔'' وہ گال پر ہاتھ رکھے بے یقین نگاہوں سے ماں کو دیکھ رہا تھا۔

''میں بھائی جان کو کیا جواب دوں گی۔'' ان کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے اور اسے ماں کے لفظوں کی بے اعتباری ان کی آنکھوں میں واضح ہو کر سمجھ میں آئی تھی اور وہ ماں کی بے اعتباری پر تڑپ اٹھا تھا۔

''مما! آپ میرے بارے میں ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہیں؟'' اس کا لہجہ بہت ٹوٹا بکھرا تھا۔

''کیسے سوچ سکتی ہوں کیا مطلب۔ ہر چیز سامنے تو ہے۔'' وہ غصہ سے بھڑکی تھیں۔

''مما! کچھ سامنے نہیں ہے مگر آج آپ نے ثابت کر دیا ہے کہ آپ کو مجھ پر کتنا بھروسہ ہے۔ میں مانتا ہوں یہاں میرے کمرے میں شیریں کی اس حالت میں موجودگی سوال کی مانند ہے لیکن یہ سوال کم از کم آپ کی نگاہ میں نہیں ہونا چاہیے تھا کہ آپ کو اپنے بیٹے پر اتنا بھی بھروسہ نہیں، آپ کو لگتا ہے کہ میں نے شیریں کے ساتھ کچھ غلط کرنا چاہا تھا۔'' وہ دکھ سے کہہ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی سطح گیلی ہو رہی تھی اور جیسے وہ بھی ہوش میں آ گئی تھیں۔

''آج آپ نے مجھے اپنی نہیں مما، مجھے میری نظروں سے گرا دیا ہے۔'' وہ وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا اور وہ جلد بازی اور غصہ پر کفِ افسوس ملتی رہ گئی تھیں کہ بینڈیج کرواتے ہوئے اس نے ساری بات انہیں بتا دی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ اس نے سب کچھ شہیر سالار کی شکایت کرنے کو بتایا تھا مگر وہی اس کی گواہی بن گیا تھا کہ وہ جو سوچ بیٹھی تھیں وہ اسے لمحہ کے ہزارویں حصے میں سمجھ گیا تھا وہ نہیں سمجھتی تھیں کہ اس نے توجہ ہی کب دی تھی کہ رابعہ نے اسے تھپڑ مارا تھا تو وہ پہلے تو حیران ہوئی تھی جو بعد میں خوشی میں بدل گئی تھی کہ وہ تو یہی چاہتی تھی کہ اس کی بوا شہیر کو اس کے ساتھ بی ہیو کرنے پر ڈانٹتیں۔

''تم جانتی ہو ناں کہ شہیر کو اس کے کمرے میں کسی کا آنا نہیں پسند، تو تم کیوں آئی تھیں۔'' انہوں نے اسے ڈپٹا تھا۔ وہ روتے ہوئے سوری کر گئی تھی۔ شہیر سالار کافی سنجیدہ مزاج، لیا دیا رہنے والا شخص تھا۔ اسے یہ پسند نہ تھا کہ کوئی اس کی پرائیویسی میں دخل دے، اس لیے اس کے کمرے میں اس کی ماں کے علاوہ گھر کا کوئی فرد نہیں جاتا تھا اکثر وہ صفائی تک خود کر لیتا تھا اور اسی لیے تو وہ شیریں کو اس کے کمرے میں دیکھ کر نہ جانے کیا کچھ سمجھ بیٹھی تھیں اور اس کا اظہار انہیں کیسے بیٹے کی نظروں سے گرا گیا تھا۔ انہوں نے بہت روتے ہوئے پوری تفصیل شوہر کو بتائی تھی وہ سن کر ششدر رہ گئے تھے اور بیوی پر غصہ آ گیا تھا مگر ان کی حالت پہلے ہی اچھی نہ تھی۔ وہ شرمندہ تھیں اور تیر کمان سے نکل گیا تھا اس لئے لکیر پیٹنے سے فائدہ نہ تھا۔ روتی ہوئی بیوی کو چپ کروا کر بیٹے سے بات کرنے کی حامی بھر لی تھی۔ سالار

مصطفیٰ کے دو بیٹے تھے۔شہیر سالار بڑا تھا اور اس سے چھوٹا عبیر سالار تھا جو بیان کا ہم عمر اور اس کا کلاس فیلو تھا جبکہ دونوں بھائیوں سے چھوٹی خواہش، شیریں کی کلاس فیلو تھی۔شہیر سالار باپ کے بلاوے پر اسٹڈی میں آیا تھا اور بیٹے کی سرخ آنکھیں، ستا ہوا چہرہ دیکھ کر ان کے دل کو کچھ ہونے لگا تھا کہ سالار مصطفیٰ نے اپنے بیٹے میں ہمیشہ اپنا عکس محسوس کیا تھا کہ اس میں باپ کی شباہت بھی بہت تھی اور وہ مگر باپ سے بھی کچھ زیادہ ہی سنجیدہ تھا مگر پولیس لائن میں آنے کے لیے جوش باپ کا سا ہی تھا اور آج وہ بیٹے کی کامیابی پر خوش تھے مگر اس کی آنکھوں میں حزن دیکھ کر تڑپ اٹھے تھے۔ہر خوشی بے معنی لگنے لگی تھی۔

''شہیر!'' بیٹے کو نرمی سے پکارا اور وہ باپ کے زانوں پر سر رکھتے ہوئے نیچے کارپٹ پر ان کے قدموں میں ہی بیٹھ گیا تھا۔

''پاپا! مما نے مجھے ایک پل میں بے اعتبار کر دیا، میں اتنا گرا ہوا شخص ہوں کہ مما، شیریں کو میرے روم میں دیکھ کر اس انداز میں سوچنے پر مجبور ہو گئیں۔'' وہ رو رہا تھا۔

''بات بے اعتباری کی نہیں ہے اور تمہاری مما نے تم پر شک نہیں کیا تھا۔شیریں کو ایسے دیکھ کر پریشان ہو کر وہ ظاہر کر گئیں جو کرنا نہیں چاہتی تھیں۔یقین کرو تم پر رابعہ کو ہی نہیں مجھے بھی خود سے زیادہ بھروسہ ہے۔وہ نا اعتباری نہیں تھی بیٹا، بس ڈر تھا۔شیریں کے لیے فکر کا انداز تھا جو خدشہ بن کر ایسے منہ سے نکلا جیسے نہیں تھا۔'' وہ بیٹے کے گھنیرے بالوں پر ہاتھ رکھے نہایت نرمی سے کہہ رہے تھے۔

''مجھے بہلایئے مت، مما کو مجھ پر اعتبار ہوتا تو خدشات ذہن میں آتے ہی کیوں۔'' وہ سر اٹھا کر شکوہ کناں نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔

''بعض دفعہ آنکھوں دیکھی انسان کو یونہی گمراہ کر دیتی ہے اور اسی لیے اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا کہ انسان دیکھتا، سنتا ہے اور عقل سے پرکھ لیتا ہے اور تمہاری ماں اس وقت ایسا نہ کر سکی۔جو ہوا ہونا نہیں چاہیے تھا۔رابعہ تم سے بہت شرمندہ ہے۔جو ہوا تکلیف دہ ہے مگر بھلا دو کہ میں جانتا ہوں کہ تم اپنی ماں کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے کہ ایک لمحے کی بے اعتباری جو اس نے دکھائی وہ اس نے تم پر نہیں اپنے بیٹے، اپنی پرورش پر دکھائی اور جو پہلے ہی دکھی ہے، شرمندہ ہے اسے اور کیا تکلیف دے کر شرمندہ کرتا۔اپنی ماں کو معاف کر دو۔'' ان کا وہی نرم قائل کر لینے والا انداز تھا۔وہ کچھ کہتا کہ اسٹڈی کا دروازہ کھول کر رابعہ چلی آئی تھیں۔وہ وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا کہ بات معمولی نہ تھی کہ اس نے ماں نے اس کے کردار پر شک کیا تھا وہ کیسے چند گھنٹوں میں ہی یہ ذلت فراموش کر دیتا؟ لیکن رابعہ نہ صرف اس کی راہ میں آئی تھیں بلکہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے اور گویا وہ تو تڑپ ہی اٹھا تھا کہ وہ کتنی ہی اذیت سے گزرا ہو، کیسی ہی اہانت محسوس کر رہا ہو، ماں سے بدگمان ہوا ہو، ناراض ہو مگر انہیں شرمندہ ہوتے سوری کرتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔اس نے ماں کے ہاتھ تھامے تھے اور ان پر سر ٹکا کر رونے لگا تھا۔

''مما! پلیز مجھ پر زندگی کے ہر اچھے، برے موڑ پر اعتبار رکھیے گا کہ میں آپ کا بیٹا ہوں۔میں کبھی اتنا نہیں گر سکتا، ایسا کچھ نہیں کر سکتا کہ آپ کی پرورش پر انگلی اٹھے۔میں آج جو کچھ بھی ہوں آپ کی پرورش، پاپا اور آپ کے اعتبار و سہارے کی بدولت ہوں۔اور آپ کبھی مجھ سے اپنی محبت و اعتبار کا سہارا مت چھینئے گا۔''

انہوں نے روتے ہوئے بیٹے کو کسی ننھے بچے کی طرح اپنی آغوش میں سمیٹ لیا تھا۔ بات رفع دفع ہو جانے پر سالار نے سکھ کا سانس لیا تھا کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ بات کسی کے سامنے آئے یا پھیلے کہ انہیں بیٹے کا وقار بہت عزیز تھا اور وہ لڑکی بھی انہیں بہت عزیز تھی کہ وہ اس کی بہت پیاری لاڈلی دوست جیسی بہن کی بیٹی تھی اور بیٹیوں کی عزت، ان کا وقار والدین کے لیے بہت قیمتی ہوتا ہے اور اس وقت رابعہ سالار نے صرف شیریں کے حوالے سے سب کچھ دیکھا۔ وہ یہ بھول گئی تھیں کہ سامنے ان کا بیٹا ہے جس پر انہیں بہت بھروسہ ہے کہ ان سے ایک نا قابلِ تلافی غلطی ہونا تھی جو ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

''مسئلہ کیا ہے، تم سو کیوں نہیں رہیں؟'' ارمان شیرازی نے بیوی کے متورم چہرے کو دیکھ کر سوال کیا تھا کہ آج انہوں نے معمول سے بڑھ کر لمبی نماز پڑھی تھی۔ جائے نماز پر بیٹھے بیٹھے کتنی ہی دیر تک رب سے مناجات کرتی رہی تھیں اور بستر پر لیٹنے کے بعد بھی جو بدستور جاری تھی۔ وہ بار بار وقفہ وقفہ سے ابران کی تصویر پر پھونک مار رہی تھیں۔ گویا اس کے گرد مضبوط حصار کھینچ دینا چاہتی ہوں۔ انہوں نے شوہر کی آواز پر نظر ترچھی کر کے دیکھا۔

''نیند نہیں آ رہی، آپ سو جائیے۔'' مستقل رونے سے ان کی آواز بھاری ہو گئی تھی۔

''کیوں نیند نہیں آ رہی؟ ابران تو ٹھیک ہے ناں۔'' اب کے وہ فکرمندی سے پوچھ رہے تھے۔

''وہ ٹھیک ہے یا نہیں آپ کو کیا فرق پڑتا ہے۔'' وہ اٹھ کر بیٹھتی طنز سے بولی تھیں۔

''فضول بات نہ کرنا کہ اتنے سالوں میں تم نے یہ بات قبول نہیں کی جبکہ ہاسٹل میں ہمارا بیٹا واحد نہیں رہا، دنیا کے کتنے ہی بچے ہاسٹلوں میں رہتے ہیں۔'' وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ناگواری سے بولے تھے۔

''رہنے دیں میں نے کب اس سے انکار کیا؟ مگر ارمان شیرازی صاحب، ہاسٹل میں وہ بچے رہتے ہیں جن کی مائیں مر جاتی ہیں یا جن کی ماؤں کو ان کی پرواہ نہیں ہوتی جبکہ ابر کی ماں زندہ تھی اور اسے اپنے بیٹے کی بہت پرواہ بھی تھی اور اپنے بیٹے کے بغیر اس کی دوری سہتے ہوئے میں نے کیسی اذیت ناک زندگی گزاری ہے، یہ آپ کبھی نہیں سمجھ سکیں گے۔'' آنسوؤں کو بہنے کا راستہ مل گیا تھا۔

''اذیت میں تو میں بھی رہا ہوں مگر تم یہ مت بھولا کرو کہ میں نے کس قدر مجبوری میں یہ قدم اٹھایا تھا۔'' وہ گہرے دکھ میں مبتلا نظر آنے لگے تھے۔

''ابران نے مجھے حالات سے مقابلہ کرنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا، میرے لیے ہر در بند ہو گیا تھا اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے اسے ہاسٹل بھیجا، لیکن یہ بات تم بھی جانتی ہو کہ اس کو ہاسٹل بھیج کر سکھ کا سانس نہیں لیا تھا اس کی خبر گیری کرتا تھا مگر اس نے خود ہی مجھ سے فاصلے بنا لیے جو آج بھی قائم ہیں۔ میری اذیت کا اندازہ ہے تمہیں کہ میرا بیٹا مجھ سے بدگمان ہے۔ فون کروں تو بات نہیں کرتا، ملنے جاؤں تو ایسے ملتا ہے جیسے زبردستی مل رہا ہو جبکہ تم جانتی ہو میں نے اسے صرف چند سالوں کے لیے ہاسٹل بھیجا تھا مستقل طور پر نہیں لیکن اب

تک وہ ہاسٹل میں ہے تو صرف اپنی ضد کے سبب۔'' اس طرح شکوے کرنا ان کی عادت نہ تھی لیکن انسان تھے اور سب سے بڑھ کر وہ بیٹے سے بے حد محبت کرتے تھے۔ان کی محبت پر ان کے بیٹے کو اعتبار نہ تھا اس لیے آج بیوی کا مورد الزام ٹھہرانا ان کے صبر کا پیمانہ لبریز کر گیا تھا۔

''میں آپ کی تکلیف سمجھتی ہوں لیکن یہ تکلیف آپ نے خود اپنا مقدر بنائی ہے۔'' وہ آنسو گرتے ہوئے نرمی سے بول رہی تھیں۔

''میں نے آپ سے کہا تھا ایسا نہ کریں کہ ابران نے آپ کی بہت زیادہ محبت و توجہ سمیٹی ہے۔اگر بٹی تو وہ برداشت نہیں کر پائے گا۔آپ کا یہ قدم اسے ہم سے دور کر دے گا،اس کی شخصیت پر منفی اثر ڈالے گا مگر آپ نے میری ایک نہ سنی،وہ آپ سے دور ہو گیا،میری نگاہ سے اوجھل ہو گیا۔میری شعوری کوشش میری محبت نے اسے مجھ سے دور نہ ہونے دیا مگر آپ کی محبت پر بدگمانی کی تہہ جم گئی لیکن آپ پریشان نہ ہوں،اب تو محض آٹھ،نو ماہ کی بات ہے،کل ابر کا پہلا پیپر ہے۔وہ بس تین ماہ تک واپس آجائے گا اور آپ کی محبت بدگمانی کے چلتے وہ دور رہ کر محسوس نہ کر پایا،قریب آئے گا تو محبت پر لگی بدگمانی کی گرد جھڑ جائے گی۔آپ ہی تو کہتے ہیں ناں کہ ابر بالکل میری طرح ہے تو میں آپ سے بدگمان تھی لیکن آپ کی محبت نے میرا دل جیت ہی لیا تھا۔'' وہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے بول رہی تھیں۔

''تم تو مجھ سے آج بھی بدگمان ہو۔'' بیوی کے بے حد سرخ چہرے کو نگاہوں میں تولا تھا۔

''میں آپ سے نہ بدگمان ہوں،نہ ہی ناراض،مگر جب ابر کو اپنے قریب اپنی نگاہ کے سامنے نہیں پاتی تو مجھے سب کچھ برا لگنے لگتا ہے۔زندگی،آپ اور خود میرا وجود،کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔ہمارے درمیان جو فاصلے در آئے ہیں وہ مجھے آپ سے بدگمان کر دیتے ہیں کہ میری سوچ،میری توقعات کا ہی ہاتھ ہے مجھے کبھی قربتیں بری لگتی ہیں تو کبھی فاصلے اچھے نہیں لگتے۔'' جس طرف انہوں نے نشاندہی کی تھی یکدم ارمان شیرازی نے لب بھینچ لیے تھے اور ان کے درمیان نامحسوس طریقے سے تکلیف دہ خاموشی ٹھہر گئی تھی کہ وہ خاموشی توڑنا نہیں چاہتی تھیں اور وہ توڑ نہیں سکتے تھے۔

☆......☆......☆

شہیر نے نمازِ فجر ادا کی تھی اور تلاوت قرآن پاک سے فراغت کے بعد پولیس اسٹیشن جانے کے لیے تیار ہونے لگا۔آج اس کی ڈیوٹی کا پہلا دن تھا۔پولیس یونیفارم اس کے خوبرو سے سراپے پر خوب جچ رہی تھی۔اس نے عادت کے بعد دل کھول کر خود پر اسپرے کیا تھا اور ٹیبل پر سے کیپ اٹھا کر لگا کر آئینہ میں خود کو دیکھا تھا۔آج اسے اپنا آپ بہت اچھا اور مکمل لگا تھا وہ رب کا شکر ادا کرتا مسکراتا ہوا کمرے سے نکل آیا تھا۔پہلا ٹاکرا اماں سے ہوا تھا۔سلام کر کے دعائیں لی تھیں۔

''مما! آپ مجھ پر خفا تو نہیں ہیں ناں۔'' وہ ماں کا ہاتھ تھامے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں! اور میری دعا ہے تم اس فیلڈ میں خوب ترقی کرو،اپنا،ہمارا اور اپنے ملک کا نام روشن کرو۔'' وہ دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھیں۔

''تمہیں اس فیلڈ میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اور تم نے ہر باطل قوت کا سامنا ایمانداری اور اللہ کی ذات پر بھروسہ

کی طاقت سے کرنا ہے پھر دیکھنا جیت صرف تمہاری ہوگی کہ ایمانداری کی کبھی ہار نہیں ہوتی۔'' انہوں نے جو سبق بچپن میں رٹائے تھے آج اس کے اعادہ کا دن تھا۔ وہ اپنوں کی دعاؤں اور نصیحتوں کے سائے میں نئے عزم وحوصلہ کے ساتھ گھر سے نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

''میری کولڈ ڈرنک واپس کریں ایبان بھیا۔'' ایبان نے ٹن اٹھایا ہی تھا کہ وہ چیخ پڑی تھیں اور اس نے انگوٹھا دکھا کر مزے سے سپ لینا شروع کر دیئے تھے۔

''میں آئندہ آپ کے ساتھ بالکل نہیں آؤں گی۔'' وہ نم ہو جانے والی پلکوں کو جھپکاتی نم لہجے میں بولی تھی۔ لاسٹ ٹیبل پر بیٹھا شخص نگاہ ہٹانا بھول گیا تھا۔

''کتنے چھوٹے دل کی ہو تم شیریں۔'' خواہش نے اسے شرمندہ کرنا چاہا تھا۔

''شٹ اپ۔'' اس نے سامنے بیٹھی خواہش سالار کو گھورا تھا۔ اس کا موڈ آف ہوتے دیکھ کر یمانی نے فوراً اپنی کولڈ ڈرنک اس کے سامنے رکھ دی تھی۔

''آپی، آپ جانتی ہیں میں کسی کا بھی جھوٹا نہیں کھاتی پیتی۔'' یمانی اس کے کہنے پر شرمندہ ہو گئی تھی کہ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اسے ہر بات ہی بھول گئی تھی۔ اس کی پسند بھی ذہن سے نکل گئی تھی۔

''میں تمہارے لیے نئی کولڈ ڈرنک منگوا لیتا ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں چمکتے آنسو اسے ہر شرارت بھلا گئے تھے وہ نہایت نرمی سے بولا تھا۔

''نہیں۔ اب مجھے نہیں پینی اور آئندہ میں آپ کے ساتھ نہیں آؤں گی۔'' خفگی سے بولی تھی اور اس کے اٹھنے کے ارادے کو بھانپتے ہوئے ادیان نے اس کا بازو تھام لیا تھا۔

''ایبان بھیا! مذاق کر رہے تھے۔'' ادیان نہایت دھیمے سے بولا تھا۔

''ادیان بھیا۔ پہلے ایبان بھیا نے میرا پزا کھا لیا اور پھر کولڈ ڈرنک بھی لے لی۔ میں آئندہ نہیں آؤں گی اور گھر جا کر بھیا کی ڈیڈی سے شکایت کروں گی۔'' آنسو گلابی مژگالوں کو نم کرنے لگے تھے۔

''ناؤ چیئر اپ یار! موڈ آف نہ کرو۔ تمہیں پزا بہت پسند ہے نہ میں تمہارے لیے پورا ایک پزا ہٹ کھلوا دوں گا تم صبح وشام پزا کھا کر خوش ہوتی رہنا۔'' اس کے آنسو گرنے کی دیر تھی وہ اپنی کرسی سے اٹھ کر اس تک پہنچا تھا اور اس کے آنسو پونچھتے ہوئے اسے پچکارا تھا۔

''انسان کو اتنی لمبی لمبی بھی نہیں پھینکنی چاہیے۔'' یمانی نے بھائی کو چھیڑا تھا۔

''اچھا یہ زیادہ ہو گیا ہے تو پروگرام چینج۔'' وہ اس کو مسکراتے دیکھ کر اپنی جگہ پر بیٹھا تھا۔ یمانی کی شرارت پر یکدم وہ پھر سے شرارت پر آمادہ ہو گیا تھا۔

''پزاہٹ کھلوانے کی بجائے پزاہٹ کے کسی ویٹر سے شیریں کی شادی کر دیں گے، تب بھی یہ آرام سے صبح وشام پزا کھالیا کرے گی۔'' وہ بہن کو دلچسپی سے دیکھتا بظاہر سنجیدہ تھا مگر شرارت اس کی آنکھوں سے عیاں ہو رہی تھی۔

''واٹ! میری شیریں ارمان شیرازی کی شادی اور ایک ویٹر سے۔'' وہ صدمے سے چیخ پڑی تھی۔

''شیریں، آہستہ بولو۔'' لوگوں کو متوجہ ہوتے دیکھ کر یمانی نے ناگواری سے کہا تھا۔

''میں اب آپ سے بالکل بات نہیں کروں گی۔'' منہ پھلا کر بولی تھی اور اس کے بعد ادیان کی کوشش سے اس کا موڈ تو بحال ہو گیا تھا مگر اس نے ایان سے بالکل بات نہیں کی تھی۔ وہ اپنا موبائل ٹیبل پر ہی بھول گئی تھی۔ جیسے ہی لینے کو پلٹی تھی ویٹر اس کے سامنے آن رکا تھا اور اس کی طرف ایک وزیٹنگ کارڈ بڑھایا تھا اور وہ اس سے کچھ پوچھتی کہ وہ اس کے سامنے سے ہٹ گیا تھا۔ اس نے حیرانگی سے کارڈ پر نظر دوڑائی تھی۔ ''زعیزی خان!'' اس نے صرف نام پڑھ کر کارڈ دینے والے ویٹر کو دیکھا مگر وہ کچھ کہے بنا وہاں سے نکل گیا تو اس نے کچھ دیر کے تحیر کے بعد کارڈ دور اچھال دیا اور ٹیبل سے موبائل اٹھا کر وال ڈور دھکیلتی باہر نکلی تھی کہ وہی ویٹر پارکنگ میں اس کے سامنے دوبارہ آ گیا تھا۔ اس نے اس کے ہاتھ سے ٹشو پیپر لیتے ہوئے سوال بھی کیا تھا مگر وہ کچھ بنا بتائے واپس چلا گیا تو اس نے حیرت کے سبب ٹشو پیپر پر نگاہ دوڑائی جس پر درج تھا۔

''آئی ایم بزنس مین، شادی کرتے وقت یاد کر لیجئے گا۔''

اس کی آنکھیں حیرت سے کھل گئی تھیں۔ اس نے الفاظ دوبارہ پڑھ کر اب کے نظر ادھر ادھر دوڑائی تھی، سامنے ہی بلیک کرولا سے ٹیک لگائے بلیک تھری پیس سوٹ میں دراز قد، شہابی رنگت والا بے حد ہینڈسم شخص اس کے دیکھنے پر مسکرایا تھا اور اسے ساری صورتحال سمجھنے میں ایک لمحہ لگا تھا کہ اندر اس نے بارہا خود پر اس شخص کی نگاہ کا ارتکاز محسوس کیا تھا مگر وہ نظر انداز کر گئی تھی۔ اس کا چہرہ یکدم ہی سرخ ہو گیا تھا۔ اس کے ذہن میں اپنی ہی کہی بات گردش کرنے لگی تھی۔ ''میں تو کسی بزنس مین سے شادی کروں گی جو بالکل ڈیڈی جیسا ہو گا۔'' خواہش کے شرارت سے پوچھنے پر کہ ویٹر سے نہیں تو وہ کس سے شادی کرے گی تب وہ مزے سے بولی تھی مگر اسے کیا معلوم تھا کہ ان سے دو ٹیبل چھوڑ تیسری پر بیٹھا شخص نہ صرف سن لے گا اور اس طرح کی کوئی حرکت بھی کر جائے گا، اس نے ٹشو پیپر گول مول کر کے دور اچھال دیا تھا اور اس پر ایک کڑی نگاہ ڈالتی بہت تیزی سے ادیان کی گاڑی کی طرف بڑھی تھی مگر اس کا موڈ آف ہو گیا تھا کہ اسے اس شخص پر رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا جبکہ وہ دلکشی سے مسکراتا کسی کو کال ملانے لگا تھا کہ اس کی ایک اہم میٹنگ تھی مگر اس ساحرہ کو دیکھنے کے بعد وہ سب کچھ ہی فراموش کر گیا تھا لیکن اب سب جیسے یاد آنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

''کیسے ہو ممی کی جان!'' وہ روم میں داخل ہوتے ہی اس کے لہجے میں تڑپ و بے کلی سی محسوس کرتے بے چین ہو گئے تھے۔

''آپ کی جان آپ بن اداس ہے ممی۔'' بیٹے کے لہجے میں نمی محسوس کرتیں وہ بے کل ہو گئی تھیں مگر لہجے میں بشاشت سی سموتی

بولی تھیں۔

''ممی! تو اداس نہیں ہیں تو ممی کی جان کیوں اداس ہے؟'' ماں کا مصنوعی بشاش لہجہ اس کے اندر سناٹے کو بڑھا گیا تھا۔

''ممی! آئی مس یو۔'' اس کے آنسو بہہ نکلے تھے۔

''مس یو ٹو مائی سن۔'' آنسو رخساروں پر لڑھکنے لگے تھے۔

''ممی! آئی نیڈ یو، پلیز میرے پاس آجایئے۔'' اس کا لہجہ گلوگیر تھا۔

''ابر! تم ٹھیک ہو، طبیعت کیسی ہے تمہاری۔'' وہ فکرمندی سے پوچھ رہی تھیں تب اس نے بتایا کہ اسے بخار ہے کہ وہ جیسے ماں کے بغیر رہنے کا عادی ہو گیا تھا مگر ذرا ذرا سی خوشی اور تکلیف میں عادت کا ''عین'' بھی اس کے قریب نہیں رہتا تھا اور بیماری میں تو بس چاہتا تھا کہ اس کی ماں اس کے پاس ہو اور یہ ایسی خواہش تھی جو کسی زمانے میں پوری ہو جاتی تھی مگر آج کل نہیں۔ نیناں نے بیٹے کو بھرپور نرمی سے تسلی دی تھی۔ تب ہی ان کی نگاہ خاموش کھڑے شوہر پر پڑی تھی۔ وہ کھڑکی کے سامنے سے ہٹتیں صوفے پر جا کر بیٹھ گئی تھیں مگر آنسوؤں میں روانی آگئی تھی۔ ارمان نے بیوی کے برابر بیٹھتے ہوئے سیل فون دینے کا کہا تھا۔

''ابر، ڈیڈی بات کریں گے تم سے۔'' اس کے چہرے کے دلکش نقوش تن گئے تھے۔

''مجھے ان سے بات نہیں کرنی ہے۔'' اس کا صاف انکار نیناں کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

''ابر، بس کر دو چندا، ختم کر دو ناراضگی، سارے گلے شکوے۔'' وہ لب بھینچے اس کو روتا دیکھ رہے تھے۔

''ممی! آپ کے کہے پر ایک ایک لفظ پر میرا روم روم قربان لیکن میں ارمان شیرازی سے ناراضگی کیسے ختم کروں کہ اس شخص سے میرا جب کوئی رشتہ ہی نہیں تو ناراضگی کیا معنی رکھتی ہے۔'' وہ یکدم ہی تلخ ہو گیا تھا۔

''ایسے نہ کہو ابر، وہ ڈیڈی ہیں تمہارے۔ تم سے بہت محبت کرتے ہیں۔'' بیٹے کی تلخی ان کے اندر تک اتر گئی تھی۔

''آپ کی ہر بات پر یقین ہے ممی لیکن اس شخص کی محبت پر یقین نہیں کر پاتا کہ آپ ہی بتایئے جس شخص کی پہلی اولاد ہونے کے باوجود میرا محبت، اہمیت میں دوسرا نمبر ہے اس باپ کی محبت پر یقین کیسے کروں؟'' اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔

''تم نہ کرنا کبھی یقین، تمہاری ممی تمہیں یقین دلاتے دلاتے ہی مر جائے گی۔'' وہ سسکی تھیں اور ان کے پہلو میں بیٹھا شخص ہی نہیں میلوں دور اس کا لختِ جگر بھی تڑپ اٹھے تھے۔۔

☆......☆......☆

''ممی!'' ماں کو گویا اس نے کچھ غلط کہنے سے ٹوکنے کی سعی کی تھی۔

''تم باپ بیٹے کی سرد جنگ مجھے مار کر ہی دم لے گی کہ تم دونوں کی ناراضگیاں تو میرے دل پر رقم ہیں، بتاؤ مجھے کیا کروں میں تمہارے بیٹے کے لیے شوہر کو چھوڑ دوں یا شوہر کے لیے بیٹا چھوڑ دوں؟'' اسے سانپ سونگھ گیا تھا کہ وہ اب تک اسے سمجھاتی رہی تھی۔ یوں

صبر کا دامن تو آج ہی چھوڑا تھا۔

''تم دونوں کو میری پرواہ رہتی ہے مگر خود بتاؤ ابر کہ باپ بیٹے میں حائل دوریوں میں راستہ بنی میں کیسے خوش رہوں؟ چھوڑ دو میری پرواہ کرنا، کرو اپنے باپ سے نفرت، رکھو رشتہ ضد و نفرت کا تم باپ بیٹا، میں چاہے سسک سسک کر مر جاؤں۔'' انہوں نے بلکتے ہوئے یکدم ہی سیل فون دیوار پر دے مارا تھا۔ جانے کو اٹھی تھیں اور انہوں نے یہ جاننے کے بعد بھی کہ وہ واش روم میں رونے جا رہی ہیں، انہیں نہیں روکا تھا کہ انہیں اتنی ہمت ہی نہیں رہی تھی۔

☆......☆......☆

''سوری!'' وہ دونوں لائبریری سے نکلی تھیں کسی کلاس فیلو سے بات کرنے کے لیے وہ رکی تھی اور بات مکمل کر کے وہ پلٹی تھی اور وہ جو سمجھ رہی تھی کہ اس کے پیچھے عالیہ کھڑی ہے اس کی جگہ شہباز کو دیکھ کر وہ خفت و حیا سے سرخ پڑتی اس کے بازو سے اپنا ہاتھ کھینچتی بے اختیار پیچھے ہو کر معذرت کر گئی تھی۔

''اٹس او کے۔'' اس نے نظر اٹھا کر اس بے حد حسین لڑکی کو دیکھا تھا جس کی شہابی رنگت دہک رہی تھی اور اس کی ساحرانہ پلکوں میں ارتعاش سا تھا اس کی نظر ہمیشہ کی طرح ٹھہرے رہنے پر بضد تھی مگر وہ نظر چراتا سائیڈ سے نکلتا چلا گیا تھا جبکہ وہ اپنی حرکت پر شرمندہ اپنی داہنی ہتھیلی کو دوپٹہ سے مسل رہی تھی۔

''چھوڑو بھی یار، ہو جاتا ہے، اتنا ڈسٹرب ہونے کی کیا ضرورت ہے۔'' اس کی پریشانی کم کرنے کو عالیہ ہلکے پھلکے انداز میں کہہ گئی تھی لیکن وہ حقیقتاً شرمندہ تھی اس لیے کچھ نہیں بولی تھی اور اس کے ساتھ کلاس لینے چلی گئی تھی۔

☆......☆......☆

''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟'' چائے بناتے ہوئے ان کا تھکا تھکا سا انداز محسوس کر کے پوچھا تھا۔

''اوہوں، آج کام کچھ زیادہ تھا اس لیے تھک گیا ہوں۔'' وہ سستی سے بولے تھے اور انہوں نے شوہر کو چائے کا کپ تھما دیا تھا۔

''ڈیڈی مجھے کچھ پیسے چاہئیں۔'' ادیان باپ کے برابر بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔

''یمنیٰ، آپ ادیان کو یہ جتنے پیسے کہے دے دیجئے۔'' وہ صوفے سے اٹھ گئے تھے۔ تب ہی لاؤنج میں شیریں روتی ہوئی داخل ہوئی تھی۔

''شیریں، کیا ہوا ہے؟ تم رو کیوں رہی ہو۔'' ارمان شیرازی کے اٹھتے قدم رکے تھے مگر وہ کچھ نہ بولی جبکہ اس کے رونے میں اضافہ ہو گیا تھا۔

''نیناں سے ڈانٹ پڑی ہے۔'' اس نے دکھتے سر کے ساتھ اندازہ ظاہر کیا تھا اور اس نے لمحہ ضائع کیے بغیر اس کے اندازے کی تصدیق کر دی تھی۔

''شیریں، ضد کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ نیناں کسی صورت نہیں مانے گی۔'' اپنی لاڈلی کو روتے دیکھنا ان کے بس میں ہی کہاں تھا۔ اسے نہایت پیار سے خود سے لگائے پرشفقت لہجے میں بولے تھے۔

''آپ میری خاطر بھی ممی کو نہیں منا سکے۔'' وہ سسکی تھی۔

''تمہیں ٹور پر ہی جانا ہے ناں تو ہم سب چلتے ہیں۔'' یمنیٰ شیرازی نے ایک حل پیش کیا تھا۔ وہ حیرانگی سے جبکہ وہ رونا بھول کر یمنیٰ کو دیکھنے لگی تھی۔ وہ مسکرائیں تو ارمان شیرازی بھی کچھ سوچ کر مطمئن ہو گئے تھے مگر اس نے صاف منع کر دیا تھا۔

''ٹور پر تو ہم سب جاتے ہی رہتے ہیں، میں نے اپنے کالج کے ساتھ ہی جانا ہے۔'' وہ باپ سے دور ہو گئی تھی۔ ارمان شیرازی کے دل کو اس کی سرخ ناک و آنکھوں کو دیکھ کر کچھ ہوا تھا۔

''اور آپ نے ڈیڈی، ممی کو نہیں منایا تو میں آپ سے بات نہیں کروں گی۔ آپ سے بھی نہیں بڑی امی، کہ آپ ہمیشہ ممی کی سائیڈ لیتی ہیں۔'' وہ سوں سوں کرتی نکلتی چلی گئی تھی۔

''آپ پریشان نہ ہوں کہ سالار بھیا نے خواہش کو جانے سے منع کر دیا ہے اور وہ خواہش کے بغیر نہیں جائے گی۔'' یمنیٰ شوہر کا سر دباتے ہوئے نرمی سے بولی تھیں تو وہ بھی اطمینان محسوس کرنے لگے تھے کہ وہ ایک دنیا کو قائل کر سکتے تھے مگر نیناں شیرازی کو نہیں کہ انہیں قائل کرتے وہ خود قائل ہو جاتے تھے۔

☆......☆......☆

''بھائی، آپ کی چائے۔'' لیکچر تیار کرتے شہباز نے چونک کر سر اٹھایا تھا اور مسکرا کر بہن کے ہاتھ سے کپ لے لیا تھا۔

''امی سو گئی ہیں؟'' نرمی سے استفسار کیا تو اس نے اثبات میں جواب دے کر اسے مطمئن کر دیا تھا۔

''تم بھی جا کر سو جاؤ۔'' وہ پیار سے بولا تھا۔ ثانیہ اثبات میں سر ہلاتی اس کے روم سے نکل گئی تھی۔ اس نے چائے ختم کرتے ہی لیکچر فائنل کیا تھا اور بستر پر دراز ہو گیا تھا۔ آنکھیں بند کرتے ہی گلابی چہرہ آنکھوں کے سامنے لہرایا تو وہ آنکھیں کھول گیا۔

''تم نہ جانے ایسے کب تک اجنبی رہو گی؟'' اس نے پتلیوں پر ٹھہرے عکس کو مخاطب کیا تھا اور بازو پر میٹھا میٹھا لمس جاگ اٹھا تھا۔

''ہمارے درمیان اتنا قریبی رشتہ ہے مگر تم مجھ سے یوں بھاگتی ہو جیسے میں تمہارا کچھ لگتا ہی نہیں۔'' اس کا گھبرانا اور کترا کر گزرنا یاد آیا تو دل اداس ہونے لگا۔

''قلبی رشتہ تو میں تم سے جانے انجانے میں جوڑ بیٹھا، تم زیادہ ہی نہیں کم از کم رشتے داری کا ہی خیال کر کے چند باتیں ہی کر لیا کرو کہ تمہارا کترا کر گزرنا دل اداس کر دیتا ہے۔'' اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور خیالوں ہی خیالوں میں وہ اپنی محبت سے باتیں کرتا ہمیشہ کی طرح نیند کی وادی میں اترتا گیا تھا کہ خیال حسین بھی ہو تو نیند آ ہی جاتی ہے۔

☆......☆......☆

''ابران سکون سے بیٹھ کیوں نہیں جاتا۔'' ابران شیرازی کو جلے پیر کی بلی کی مانند چکراتے دیکھنا مزید برداشت نہ ہوا تو وہ بالآخر اسے ٹوک ہی گیا۔

''ممی کا ابھی تک فون نہیں آیا۔'' اس کے لہجے کی نمی محسوس کر کے فراز اسے دیکھنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ وہ اپنی ماں کے لیے اتنا ہی حساس تھا۔

''آنٹی مجھے روز فون کرتی ہیں، آج بھی آجائے گا۔'' دھیمے سے بولا تھا۔

''ماماز بوائے، ڈونٹ یو وری۔'' اس کا موڈ ٹھیک کرنے کو شرارت سے بولا تھا۔

''ممی کا فون اس وقت تک آجاتا ہے لیکن آج نہ وہ فون کر رہی ہیں نہ میری کال ریسیو کر رہی ہیں۔'' اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔ فراز اسے عجیب نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا وہ اس کو پچھلے آٹھ سالوں سے جانتا تھا اور اس سے یہ بات پوشیدہ نہ تھی کہ وہ چوبیس سال کا خوبرو نوجوان اپنی ماں کے عشق میں گرفتار تھا ان سے ایک دن بات نہ ہو تو ایسی ہی حالت ہوتی تھی جیسی اس وقت ہو رہی تھی۔

''ممی مجھ سے ناراض ہو گئی ہیں۔'' اس کا کہنا تھا وہ دوست کو بے یقینی سے دیکھنے لگا تھا۔

''ناممکن، آنٹی اور تجھ سے ناراض ہو جائیں میں مان ہی نہیں سکتا۔'' اس کی نگاہ کے سامنے نیناں شیرازی کا پروقار بیٹے پر نثار ہوتا سراپا لہرایا تو وہ یقین سے کہہ گیا اور اس نے آنسو گرتے ہوئے ماں سے ہوئی بات کا لبِ لباب کہہ سنایا تھا۔

''میں ممی کے لیے بھی ڈیڈی کو اپنے دل کے قریب نہیں پاتا۔'' وہ ہارے ہوئے انداز میں صوفہ پر گرتا کہہ گیا تھا۔

''ڈیڈی نے ہی تو مجھے کسی اور کے لیے در بدر کر کے ہاسٹل کی بے رنگ زندگی عطا کی ہے۔ ان کو کیسے معاف کر دوں جنہوں نے ایک وعدہ ایفاء کرنے کو مجھ سے میری ماں کو دور کر دیا، میرے باپ کو چھین لیا۔''

فراز اٹھ کر اس تک آ گیا تھا کہ وہ اس کا جگری یار اس کے رازوں کا امین تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ابران شیرازی ماں کے عشق میں مبتلا تھا تو کم محبت باپ سے بھی نہیں کرتا تھا بس بات اتنی تھی کہ ماں سے محبت کا ہر رنگ صاف نمایاں ہوتا ہے اور باپ کی چاہتوں کے رنگ بدگمانی سے اٹے اپنے رنگ چھپا گئے تھے۔

''آنٹی سے تو بہت محبت کرتا ہے مگر وہ غلط نہیں کہتیں کہ انہیں تو نے منجدھار میں پھنسا دیا ہے۔'' وہ دوست کے دکھ پر دکھی ہوتا کہہ رہا تھا۔

''اور میرے یار آنٹی کے لیے ہی سب کچھ فراموش کر دے۔'' اس کے انداز میں نرمی تھی۔

''اذیتیں کیسے فراموش کر دوں؟'' وہ اسے ٹوکتا چیخا تھا۔

''اپنا بچپن کیسے بھلا دوں فراز کہ اپنی ماں کی گود کے لیے کتنا ترسا ہوں، بہن بھائیوں کے ساتھ کے لیے کیسے کیسے رویا ہوں اور اس وقت میری ماں رو رہی تھی اور میں ان کے آنسو تک نہیں پونچھ سکتا تھا۔'' وہ اپنی بے بسی پر آزردہ تھا۔

''نفرتیں صرف شر پھیلاتی ہیں اور میری ممی بہت کمزور دل ہیں وہ نفرت کی تباہی سہہ نہیں پائیں گی۔'' اس کو سمجھانے میں ناکام ہوتا کہہ گیا تھا کہ اس کا تعلق بروکن فیملی سے تھا۔ اس کی ماں نے فکر کرنا تو دور سالوں میں بھی کبھی اسے فون نہ کیا تھا اس لیے اس کے اندر کا ترسا ہوا بچہ نہ جانے کب اپنے یار کی ماں کی محبت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ نیناں شیرازی کی فون کال کا اسے بھی انتظار رہتا تھا کہ ان سے بات کر کے اسے لگتا تھا جیسے اس نے اپنی ماں سے بات کی ہو۔ نیناں شیرازی کا میٹھا لہجہ اس کے دل میں اتر جاتا تھا اور اس کی محبت ہی تھی کہ وہ ان کے خیال سے اسے سمجھا رہا تھا۔

''سب جانتا ہوں، اسی لیے کچھ نفرتیں تو صرف اپنے تک ہی محدود رکھی ہیں۔'' اس کی نگاہ کے سامنے ایک گلابی چہرہ لہرایا تھا اور وہ نفرت سی دل میں بھرتی محسوس کرنے لگا تھا اور اسی وقت اس کا سیل گنگنانے لگا تھا۔ اس کی ماں کا فون تھا۔ فراز اس کو دیکھ رہا تھا وہ خوبصورت شخص ماں سے بات کرتے ہوئے اندرونی سچی خوشی کے احساس سے خوبصورت ترین ہو جاتا تھا۔ وہ ماں سے اپنے ایسے رویے کی معذرت کر رہا تھا جس کو وہ چاہ کر بھی بدل نہیں پاتا تھا اور وہ اسے یقین دلا رہی تھیں کہ وہ اس سے خفا نہیں ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کے قہقہے گونجنے لگے تھے اور کم مائیگی کے احساس میں گھرتا فراز لغاری آنکھوں میں آئی نمی پور پر چنتا کمرے سے نکل ہی گیا تھا کہ اسے اپنی ماں شدت سے یاد آنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

''سالار، آپ آخر کب شہیر سے بات کریں گے۔'' وہ مطالعہ کرتے سالار مصطفیٰ کے سامنے چائے کا مگ رکھتے ہوئے بولی تھیں۔

''رابی، اتنی بھی جلدی کیا ہے؟'' کتاب بند کرتے ہوئے بیوی کو دیکھا تھا۔

''جلدی تو نہیں ہے لیکن مما بھی یہی چاہتی ہیں اس لیے آپ شہیر سے بات کریں۔'' وہ دھیمے سے بولی تھیں اور اسی وقت ایک کیس کو ڈسکس کرنے کے ارادے سے وہ اسٹڈی میں داخل ہوا تھا۔ انہوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور شوہر کو اشارہ کر دیا اور انہوں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے سب کی خواہش اس کے سامنے رکھ دی جسے سن کر وہ فوراً ہی منکر ہو گیا تھا۔

''شہیر، ہم تمہاری شادی فوراً نہیں کر رہے۔'' برسر روزگار ہوتے ہی رابعہ سالار کو بیٹے کی شادی کی فکر پڑ گئی تھی۔ اس نے ماں کی بات پر بے بسی سے باپ کو دیکھا تھا۔

''مما، بٹ میں تین، چار سال تک شادی نہیں کرنا چاہتا، نئی جاب ہے اس میں سیٹ تو ہو جانے دیں۔'' وہ صاف انکاری تھا۔

''فی الوقت میں میریڈ لائف افورڈ کرنا تو دور ایک منگنی بھی افورڈ نہیں کر سکتا۔'' وہ ماں کے اشارے کو سمجھ کر منگنی کے لیے بھی راضی نہ تھا۔

''یہ کیا بات ہوئی بیٹا، شادی تو نہیں کم از کم منگنی کے لیے ہی مان جاؤ۔'' وہ قدرے ناراضگی سے بولی تھیں۔

''پاپا، آپ مما کو سمجھائیے ناں کہ ابھی مجھے اپنی فیلڈ میں قدم جمانا ہیں، بہت آگے جانا ہے، میں اپنے کیرئیر کے آغاز میں ہی نئے رشتوں کے چکر میں الجھنا نہیں چاہتا۔'' وہ بے چارگی سی محسوس کرتا باپ کو مدد طلب نگاہوں سے دیکھ رہا تھا کہ وہ باپ کے بہت قریب تھا۔ اپنی ہر بات ان سے آرام سے کر لیتا تھا۔

''تم اپنی جگہ ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن ہم چاہتے ہیں تم کم از کم شادی کے لیے رضامندی دے دو کہ لڑکی دیکھیں گے، بات چلائیں گے تو اس سب میں بھی وقت لگے گا۔'' وہ بیٹے کی اتری صورت دیکھ کر بیوی کو تاسف سے دیکھنے لگے تھے۔

''مما، آپ جس سے کہیں گی میں شادی کرلوں گا بس ابھی مجھے دو تین سال اپنی فیلڈ میں سیٹ ہو جانے دیں۔'' وہ ماں کے سامنے ٹکتا نرمی و عاجزی سے بولا تھا اور وہ بیٹے کی خواہش کا خیال کرتے ہوئے نہ چاہتے ہوئے بھی خاموش ہو گئی تھیں۔

☆......☆......☆

''تم اس وقت کہاں سے آ رہے ہو؟'' ارمان شیرازی نے اپنے ویل ڈریسڈ بیٹے کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو وہ گڑبڑا گیا۔

''دوست کی طرف چلا گیا تھا۔'' وہ یمنٰی شیرازی کے ساتھ بیٹھتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

''تم دوستوں کی طرف زیادہ ہی نہیں جانے لگے؟''

ایان جو خود کو سنبھال چکا تھا پھر سے گڑبڑا گیا کہ باپ کی عادت سے واقف تھا کہ وہ یوں تفتیش نہیں کرتے تھے اور وہی نہیں وہ دونوں بھی حیرانگی سے ارمان شیرازی کو دیکھنے لگی تھیں۔

''ڈیڈی، میں عبیر کے ساتھ مونس کی طرف چلا گیا تھا۔'' دھیمے سے لہجے میں بتایا تھا۔

''جبکہ تمہاری ممی کو یہ سب پسند نہیں ہے، دس دفعہ کہا ہے کہ یونی سے ادھر ادھر مت جایا کرو۔'' ایان آج برا پھنسا تھا۔

''ایان نے مجھے کال کر کے بتا......'' نیناں شیرازی نے حیرت سے نکلتے ہوئے کہنا چاہا تھا۔

''نیناں، درمیان میں کچھ نہ کہو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔''

شوہر کے لہجے سے وہ خائف ہوگئی تھیں کہ وہ اس طرح بات کرنے کے عادی ہی نہ تھے۔

''جب ایک دفعہ کہہ دیا کہ گھر سیدھا آنا ہے تو دوست کے گھر جانے کا کیا مقصد نکلتا ہے؟'' وہ بیٹے کو گھور رہے تھے اور وہ آئندہ اس طرح کرنے سے معذرت کر گیا تو وہ اسے وارننگ دیتے ہوئے وہاں سے نکل گئے تھے۔

''ارمان، پلیز میری بات تو سنیئے۔'' انہوں نے ارمان شیرازی کو روکنے کے لیے ان کا بازو جکڑا تھا۔

''پلیز، مجھے اب کوئی بات نہیں کرنی۔ تم نے فیصلہ کرلیا ہے صرف اس پر عمل کرو۔'' وہ نہایت درشتگی سے کہتے ان کا ہاتھ جھٹک کر آگے بڑھے تھے اور وہ ان کے تیز لہجے اور سرد انداز پر خفیف ہوتیں آگے بڑھی تھیں اور گملے سے ٹھوکر لگی تو کچھ یوں گریں کہ ماتھا منڈیر سے ٹکرا گیا اور ہتھیلی میں کھا پڑا کھرپا آر پار ہوگیا۔ ان کی چیخ فضا میں آزاد ہوئی تھی مگر ان کی صدا ارمان شیرازی کے کانوں تک نہ پہنچ سکی تھی کہ انہوں نے بڑی تیزی سے گیٹ پار کیا تھا اور ایک لمحہ میں گاڑی دوڑا لے گئے تھے۔ انہیں گرتے اسی طرف آتے ادیان نے دیکھا تھا وہ لپک کر ان تک پہنچا انہیں سیدھا کیا۔

''بڑی ممی! آپ کے کتنا خون نکل رہا ہے۔'' وہ اس کا لہو تک چہرہ دیکھ کر روہانسا ہوگیا تھا مگر جیسے ہی انہیں سہارا دیتے ہوئے اس کی نگاہ لہولہان ہتھیلی پر پڑی تھی وہ تڑپ اٹھا تھا۔

''ایبان بھیا۔''اس نے بڑے بھائی کو روتے ہوئے آوازیں دینا شروع کر دی تھیں جبکہ وہ بے ہوش ہو گئی تھیں۔ادیان کی چیخوں پر سب نہ صرف جمع ہوئے تھے ان کی حالت دیکھ کر مضطرب اور پریشان بھی ہو گئے تھے۔سائرہ بیگم نے اپنے حواس قابو میں کرتے ہوئے خون روکنے کے لیے پوتے کو اپنا دوپٹہ اتار کر دیا تھا جو ایبان نے ماں کے خون اگلے ہاتھ پر باندھ دیا تھا اور وہ نیناں شیرازی کو لے کر ہاسپٹل دوڑے تھے۔شیریں نے یمانی کے کاندھے سے لگ کر بے تحاشہ رونا شروع کر دیا تھا کہ سائرہ بیگم ان دونوں کو ساتھ نہیں لے گئی تھیں۔

''شیریں، رو نہیں۔''اس نے شیریں کو روتے ہوئے چپ کروانا چاہا تھا۔

''آپی! ممی کے بہت خون نکل رہا تھا۔''وہ سسکی تھی۔

''اوہوں۔میں ڈیڈی کو فون کرتی ہوں۔''روتے ہوئے یمانی کو خیال آیا تھا مگر بیل جاتی رہی ارمان شیرازی نے کوئی کال ریسیو نہیں کی۔

''ڈیڈی، کال ریسیو کیوں نہیں کر رہے۔''یمانی کے رونے میں اضافہ ہو گیا تھا اور اسی وقت گھر کا لینڈ لائن نمبر رنگ کرنے لگا۔

شیریں تقریباً بھاگتے ہوئے فون سیٹ تک پہنچی اور نمبر دیکھے بغیر کال ریسیو کر لی۔

''ہیلو، ایبان بھیا، ممی کیسی ہیں۔''شیریں کی نم فکر میں ڈوبی آواز اسے چوکنا کر گئی۔

''ممی کو کیا ہوا ہے؟''وہ جو ایبان کا فون سمجھ رہی تھی ابران کی آواز پر اس کے آنسوؤں میں روانی آ گئی۔

''ابران بھیا۔''وہ سسکی تھی۔

''پلیز شیریں، بتاؤ مجھے۔تم کیوں رو رہی ہو، ممی کو کیا ہوا ہے۔''وہ پریشانی میں گھرا نہایت تڑپ کر پوچھ رہا تھا اور اس نے بتانے کو منہ کھولا ہی تھا کہ یمانی نے اس کے ہاتھ سے ریسیور جھپٹ لیا تھا۔

''ابران! بڑی ممی کو کچھ نہیں ہوا ہے۔وہ بالکل ٹھیک ہیں۔''وہ خود کو کمپوز کر کے بولی تھی۔لہجہ نارمل رکھا تھا مگر آنسو گلابی رخساروں پر لڑھکتے جا رہے تھے۔

''ممی ٹھیک ہیں تو یہ شیریں کیوں اتنا رو رہی تھی۔''وہ حد درجہ پریشانی میں اس کی آواز سن کر غصہ سے چیخا تھا۔وہ اس کے غصہ سے خائف ہوتی لب کچلنے لگی تھی۔

''بات کراؤ میری ممی سے۔''اس کا اگلا مطالبہ اس کے ہوش ٹھکانے لگا گیا تھا۔

''کچھ بکواس کر رہا ہوں میں یمانی، میری ممی سے بات کرواؤ۔''وہ غصہ میں آ چکا تھا مگر اس کے غصہ میں بھی اپنی ماں کے لیے فکر صاف جھلکی تھی اور اس نے ناچار اسے بتایا تھا جسے سن کر ریسیور اس کے ہاتھ میں لرز کر رہ گیا تھا۔اس کی خاموشی محسوس کرتی وہ دل سے مجبور ہوتی اسے تسلی دینے لگی تھی۔

''ابران! آپ پریشان نہ ہوں بڑی ممی ٹھیک ہیں۔''اس کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔

''شٹ اپ یمانی، میری ماں تکلیف میں ہیں اور تم مجھے پریشان نہ ہونے کے سبق پڑھا رہی ہو۔'' اس کا لہجہ بھیگ گیا تھا اسے اپنی بے بسی کا شدت سے احساس ہوا تھا کہ نیناں شیرازی کی ذرا سی تکلیف اسے بے کل کر دیتی تھی اور ان سے دوری کا احساس سوا ہو جاتا تھا۔

''تم مجھے ہاسپٹل کا نمبر دو۔'' وہ اس کی تکلیف کے احساس سے ہی بے کل ہوئی تھی کہ اس کی نئی فرمائش پر اس کے متوقع اشتعال کا سوچ کر ہی مضطرب ہو گئی تھی کہ انہیں نہیں پتہ تھا کہ وہ نیناں شیرازی کو کون سے ہاسپٹل لے گئے تھے کہ ان میں سے کوئی بھی عجلت اور پریشانی کے سبب موبائل تک نہیں لے گیا تھا اور اس کا یہ بتانا تھا کہ سدا کا جذباتی ابران شیرازی ماں کی محبت میں جو فیصلہ لے گیا تھا اسے اپنے پیروں تلے سے زمین نکلتی محسوس ہو رہی تھی مگر اس کی سنے بغیر ابران نے رابطہ منقطع کر دیا تھا اور وہ شیریں کو ڈانٹنے لگی تھی۔

''تمہیں ضرورت کیا تھی ابران پر کچھ بھی ظاہر کرنے کی؟'' وہ اس کو ڈانٹنے کے ساتھ ساتھ ارمان شیرازی کا نمبر بھی ڈائل کر رہی تھی کہ ان سے رابطہ ہونا سخت ضروری تھا۔

''ڈیڈی، وہ بڑی ممی۔'' ارمان کے کال ریسیو کرتے ہی وہ سسکی تھی اور جو کچھ اس نے بتایا ارمان شیرازی کو پریشان کرنے کے لیے کافی تھا۔

''ان سب کو ہاسپٹل گئے اب گھنٹہ ہونے والا ہے ڈیڈی مگر انہوں نے رابطہ نہیں کیا اور تو اور ابران وہ پاکستان آ رہے ہیں۔'' ان کا پیر بریک پر جا پڑا تھا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو اسے سب کس نے بتا دیا؟'' وہ بیٹے کی جذباتیت سے واقف تھے۔ اسی لحاظ سے لمحہ میں ساری بات سمجھ کر پریشانی سے بولے تھے۔ اس نے ساری تفصیل ان کے گوش گزار کی تھی۔

''مجھے اندازہ ہے۔ ابیان، ماں کو کس ہاسپٹل لے گیا ہوگا۔ تم پریشان نہ ہو میں سب سنبھال لوں گا۔''

لائن کاٹ کر انہوں نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھائی اور ابران کا نمبر ڈائل کیا۔ طویل سالوں میں پہلی دفعہ ہوا تھا کہ اس نے باپ کی کال پہلی ہی بیل پر ریسیو کر لی تھی۔ ماں کے لیے پریشان وہ رو رہا تھا۔

''ابران۔ تمہاری ماں ٹھیک ہے بیٹا۔'' انہوں نے نرمی سے بیٹے کو تسلی دینا چاہی تھی۔

''جھوٹ مت بولیں، ممی ٹھیک ہیں تو کروائیے میری بات۔'' وہ سسک رہا تھا۔

''بیٹا! نیناں کا ٹریٹمنٹ چل رہا ہے، یو ڈونٹ وری۔'' بیٹے کا رونا ان سے کہاں برداشت ہو رہا تھا۔

''میری ماں ہاسپٹل میں ہیں اور میں پریشان نہ ہوں، آپ کی طرح بے حس ہو جاؤں اور ان کو تکلیف میں دیکھ کر راحت محسوس کروں۔'' وہ تلخ ہوا تو انہوں نے لب بھینچ لیے تھے کہ ان کے بیٹے کی بدگمانی کا انہیں لگتا تھا کوئی انت ہی نہ تھا جبکہ وہ نیناں شیرازی کے لیے پریشان ہوتے فل اسپیڈ میں گاڑی چلاتے ہاسپٹل پہنچے تھے۔

''مگر میں ایسا نہیں کر سکتا ڈیڈی، صرف آپ کی وجہ سے تکلیف کے وقت میں اپنی ماں کے پاس نہیں ہوں لیکن میں آ رہا ہوں۔''

فراز اس کی جذباتیت کو محض دیکھ کر رہ گیا تھا کہ اس نے فراز کی بھی نہیں مانی تھی اور یمانی سے بات کرنے کے ساتھ ہی اس نے اپنی سیٹ کنفرم کروالی تھی کہ یہ نہ جانے اس کی خوش قسمتی تھی کہ بدقسمتی کہ اس کی سیٹ ایک گھنٹے بعد ہی کنفرم ہو گئی تھی۔

''واٹ ربش! ابران تم یہ بے وقوفی نہیں کرو کہ کل تمہارا لاسٹ پیپر ہے۔'' بیٹے کی جذباتیت پر انہیں کچھ غصہ آ گیا تھا۔

''جانتا ہوں مگر پیپر میرا کیرئیر مجھے میری ماں سے بڑھ کر عزیز نہیں ہے۔'' اس نے کہتے ساتھ ہی لائن کاٹ دی تھی اور فراز کے بہت سمجھانے پر بھی اس نے کان نہ دھرے۔ ایک بیگ میں ضروری سامان عجلت میں ٹھونسا اور ائیر پورٹ کے لیے نکل گیا۔ اس نے باپ کی اب کوئی کال ریسیو نہیں کی تھی ارمان شیرازی نے بے بسی اور کچھ غصہ سے کھولتے ہوئے کچھ سوچ کر فراز کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ مگر اس نے یہ بتا کر وہ ائیر پورٹ کے لیے نکل گیا ہے ارمان شیرازی کی فکر میں اضافہ کر ڈالا تھا۔

''مما! نیناں، کہاں ہے وہ ٹھیک ہے؟'' وہ پریشان سی بیٹھی ماں کے پاس پہنچے تھے۔

''اوہوں۔ ڈاکٹرز نے پرائیویٹ روم میں شفٹ کر دیا ہے۔ کچھ دیر میں ہم مل سکتے ہیں۔'' سائرہ بیگم نرمی سے بولی تھیں اور انہوں نے قدرے اطمینان محسوس کرتے ہوئے ابران کا فیصلہ بتاتے ہوئے اس سے رابطہ کرنے کو کہا تھا۔ انہوں نے پوتے کو ہاسپٹل کے نمبر سے کال کی تھی اس نے جو ریسیو تو کر لی تھی مگر دادی کے سمجھانے پر بھی اپنے فیصلہ پر ڈٹا رہا تھا۔ انہوں نے کچھ سوچ کر یمانی کو کال کی تھی۔

''یمانی، تم جتنی جلدی ہو سکے بیٹا، نیناں کا موبائل لے کر ہاسپٹل آ جاؤ۔'' نیناں شیرازی کو وہ فی الوقت بھول گئے تھے کہ ان کے حواسوں پر ابران سوار ہو گیا تھا۔ اس وقت نرس نے آ کر کہا تھا کہ وہ سب مریضہ سے مل سکتے ہیں وہ سب آگے پیچھے پرائیویٹ روم میں داخل ہوئے تھے۔

''میں ٹھیک ہوں آپ سب پریشان نہ ہوں۔'' وہ نقاہت زدہ لہجے میں بولی تھیں کہ خون بہت بہہ گیا تھا۔ ان کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ یمنیٰ شوہر کے اشارے پر آگے بڑھی تھیں اور انہیں تکیوں کے سہارے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھا دیا تھا۔

''نیناں! ابران کو تمہارے ایکسیڈنٹ کا پتہ چل گیا ہے۔'' وہ اسٹول کھینچتے ان کے سامنے بیٹھ کر بولے کیا تھے انہیں مضطرب کر گئے۔

''اسے کیوں بتا دیا۔ اس کی جذباتیت سے تو آپ سب واقف ہی ہیں۔'' وہ بیٹے کی پریشانی کا سوچ کر ہی پریشان ہو گئی تھیں کہ انہوں نے باقی کی تفصیل سے انہیں آگاہ کرتے ہوئے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔

''واٹ! ابر پاگل ہو گیا ہے۔ ایسے کیسے پاکستان آ سکتا ہے وہ، کل اس کا فائنل پیپر ہے۔'' وہ جھٹکے سے سیدھی ہوئی تھیں، سر چکرا کر رہ گیا تھا، ہاتھ سے اٹھتی درد کی ٹیسیں ان کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر وہ تڑپ اٹھے تھے۔

''نیناں، تم ٹھیک ہو؟'' ان کے لہجے میں نیناں شیرازی کے لیے فکر تھی۔

''مم، میں ٹھیک ہوں ارمان۔'' وہ بمشکل بولی تھیں۔ ''آپ مجھے ابر کا نمبر ملا دیں۔'' آنسو ان کا چہرہ بھگونے لگے تھے۔ انہوں نے نرمی سے دلاسہ دے کر اندر آتی یمانی سے سیل فون لے کر ابران کا نمبر ڈائل کر کے انہیں سیل فون تھما دیا تھا۔

''ابر۔'' پہلی ہی بیل پر کال ریسیو ہوئی تھی اور وہ بیٹے سے زیادہ عجلت میں بولی تھیں۔

''ممی، آپ ٹھیک ہیں؟'' اس کے رکے آنسو پھر بہنے لگے تھے۔

''آئی ایم فائن مائی چائلڈ۔'' تکلیفوں سے گزرتے ہوئے انہوں نے بیٹے کے لیے لہجے کو نم ہونے نہیں دیا تھا۔ ''یہ بتاؤ پیپر کی تیاری کیسی ہے؟''

''ممی، آپ میری توجہ اپنی طرف سے ہٹانے کے لیے ایسا کوئی سوال نہیں کریں گی جس کا میں چاہ کر بھی آپ کو جواب نہیں دوں گا۔'' اس نے قدرے ناراضگی سے کہا تھا۔ وہ اپنے لیے بیٹے کی فکر پر تکلیف کے باوجود مسکرا دی تھیں۔

''جواب تو دینا پڑے گا ابر! تم کیا بے وقوفی کر رہے ہو؟'' ان کے آنسوؤں میں روانی آنے لگی تو ارمان شیرازی نے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنے ساتھ کا یقین دلایا تھا۔

''ممی، آپ مجھے یاد آ رہی ہیں میں آپ کے پاس آ رہا ہوں۔'' وہ کیب سے اترا تھا اس کے قدم ایئر پورٹ کی جانب اٹھنے لگے تھے۔

''مس یو ٹو جانو۔ بٹ اس طرح تم نہیں آؤ گے۔ میں خود بہت جلد تمہارے پاس آؤں گی۔'' اس کے لہجے میں نقاہت و آزردگی سی رچی تھی۔

''آپ نے کچھ دن پہلے بھی یہی کہا تھا مگر میں اب آپ کی طبیعت کا سن کر نہیں رہ سکتا۔'' وہ بچوں کی طرح ضدی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''کچھ نہیں ہوا ہے مجھے، ٹھیک ہوں میں۔ تم میرے لیے اپنا کیریئر داؤ پر نہیں لگاؤ گے۔'' وہ اس کے لہجے میں ضد محسوس کر کے چیخ پڑی تھیں۔

''میں آپ کے لیے خود کو داؤ پر لگا سکتا ہوں ممی، کیریئر کیا معنی رکھتا ہے۔'' اس نے ماں کے غصہ میں رچی اپنے لیے فکر کی بو پا کر روتے ہوئے کہا تھا۔

''میرے لیے مجھ سے زیادہ تم اہم ہو ابر، پلیز ضد نہ کرو جان، مان لو ممی کی بات آج نہ آؤ، پیپر دے کر آ جانا۔'' اس کا رونا کہاں ان سے برداشت ہوا تھا۔ بے بسی سے رو پڑی تھیں کہ ان کا لختِ جگر ان کی تکلیف کے خیال سے تکلیف میں تھا اور وہ اسے سینے سے لگا کر دلاسہ تک نہیں دے سکتی تھیں۔ وہ سب بھیگی پلکوں سے نیناں شیرازی کو دیکھ رہے تھے جو بیٹے کے مستقبل کے لیے تکلیف کا ہر احساس بھلائے اسے راضی کرنے میں جتی ہوئی تھیں۔

''ممی، آپ مجھے میرے خیال سے روک رہی ہیں تو مجھے بھی آپ کا خیال ہے۔'' وہ ماں کے لہجے میں تکلیف کے آثار پا کر دھیما پڑ گیا تھا۔

''اور مجھے اس وقت صرف تمہارا خیال ہے ابر، کہ میں اپنے بیٹے کو بہت کامیاب دیکھنا چاہتی ہوں۔ جانتے ہو ناں۔ ایم بی اے کرنا میرا خواب تھا جس کی تعبیر میں نے اب تمہارے روپ میں، تمہاری ڈگریوں کے سہارے دیکھنی ہے۔ میرے لیے میرے دیکھے خواب پورے نہیں ہوئے مگر چاہتی ہوں تمہارے لیے دیکھا ہر خواب پورا ہو اس لیے میری جان یوں واپس نہ آؤ۔''

ابران کے اٹھتے قدم تھم گئے تھے جبکہ وہ آنسوؤں سے روتیں نمناک لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

''میں اب ٹھیک ہوں، سر پر چوٹ آئی ہے اور ہاتھ ذرا سا زخمی ہو گیا ہے۔ کچھ دن تک زخم بھر جائیں گے۔ ڈونٹ یو وری مائی سَن۔'' بیٹے کی خاموشی محسوس کر کے نرمی سے اسے تسلی کروائی تھی۔

''اور یہ شیریں، گھر جا کر سب سے پہلے اس کے کان کھینچوں گی بدتمیز لڑکی نے میری جان کو اتنا پریشان کر دیا۔'' وہ بیٹے کی خاموشی توڑنے کو بشاش لہجے میں کہہ گئی تھیں۔

''شیریں نے مجھے کم از کم بتا تو دیا ورنہ آپ تو مجھے بھنک بھی نہ پڑنے دیتیں۔'' واپسی کے لیے قدم اٹھاتا ناراضی سے بولا تھا۔

''اور میں آپ کے کہنے پر آج نہیں آ رہا بٹ آپ نے اپنا خیال رکھنا ہے۔ وقت پر میڈیسن لینی ہیں۔'' اس نے کیب کو ہاتھ دیا اور اس میں سوار ہو گیا۔ وہ ہی نہیں باقی سب بھی مطمئن ہو گئے تھے۔

''میں اپنے بیٹے کے لیے اپنا خیال رکھوں گی اور تم نے پیپرز بہت اچھے دینے ہیں، خراب رزلٹ برداشت نہیں کروں گی۔'' بیٹے کی محبت پر تفاخر سے آنسو قطرہ قطرہ ان کی آنکھوں سے گر رہے تھے۔

''میرا ارادہ تو اچھے پیپر دینے کا ہی تھا بٹ آپ کو ہی نہ جانے کیا سوجھی جو مجھے پریشان کرنے کو ہاسپٹل کا رخ کر بیٹھیں۔'' وہ شرارت سے بولا تو وہ دھیمے سے ہنس دیں۔ ارمان شیرازی جو صرف دل و جان سے ان کی جانب متوجہ تھے بھیگی سی ہنسی سے روشن ہو جانے والے چہرے کو دیکھ کر وہ یکدم نظر چرا گئے تھے کہ وہ یہ خوشی ہر لمحہ ان کے چہرے پر دیکھنا چاہتے تھے مگر یہ جیسے ممکن نہ تھا کہ بیٹے سے دوری کا خیال نیناں شیرازی کو خوشی کے پیکر ان لمحات میں بھی اداس کر جاتا تھا اور ان کی اداسی کا ہر سبب وہ خود کو سمجھتے کبھی ان کی خوشی سے نظر چراتے تو کبھی اداسی سے نگاہ چرا لیا کرتے تھے۔

''سوری۔ ابر کی جذباتی بے وقوفی کے سبب آپ سب اتنا پریشان ہوئے۔'' رابطہ منقطع کر کے نہایت آہستگی سے بولی تھیں۔

سائرہ بیگم بہو کے دیکھنے پر مسکرا دی تھیں اور کچھ دیر میں ارمان شیرازی ان کا ڈسچارج کروا کے انہیں سب کے ساتھ ہی گھر لے گئے تھے۔

☆......☆......☆

''ممی، تھینک گاڈ، آپ ٹھیک ہیں ورنہ میں تو بہت ڈر گئی تھی۔'' شیریں ماں کے کاندھے سے لگی بیٹھی تھی۔

''ڈرنے والی کیا بات تھی بیٹا، معمولی سی چوٹ ہی تو لگی تھی۔'' وہ بیٹی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر نرمی سے بولی تھیں اور اس کے آنسو پونچھ ڈالے تھے۔ تب ہی ان کی نگاہ قدرے فاصلے پر کھڑی یمانی پر پڑی تھی ان کے اشارے پر وہ ان تک پہنچی اور ان کے کاندھے سے لگ کر رونے لگی۔

''میں ٹھیک ہوں یمانی بیٹا۔'' وہ ان سب کی تسلی کے لیے اپنی تکلیف بھلائے خود کو پرسکون ظاہر کر رہی تھیں۔ بے خیالی میں یمانی کے کاندھے پر داہنا ہاتھ رکھنے لگی تھیں اور ایسا کرتے لگا تھا جیسے جان نکل گئی ہو کہ ہاتھ بری طرح متاثر ہوا تھا۔ تکلیف اسی لحاظ سے تھی انہوں نے لب پر لب جما کر درد کی شدت کو اپنے اندر اتارا تھا مگر ان کی تکلیف اور زرد چہرہ کمرے میں داخل ہوتے ارمان شیرازی کی نگاہ سے چھپا نہیں رہ سکا تھا مگر وہ بچوں اور سالے صاحب کی موجودگی میں کچھ نہیں بولے تھے۔

''بچپن سے بڑھاپا آ گیا مگر آگے پیچھے دیکھے بغیر اندھا دھند بھاگنے کی عادت نہیں گئی۔'' سالار مصطفیٰ نے نرمی سے بہن کو ڈپٹا تھا۔

''سالار بھیا، کبھی تو مجھے بخش دیا کریں۔'' انسان کتنا ہی بڑا ہو جائے کچھ رشتوں کے لیے ان کے احساسات کبھی بڑے نہیں ہوتے وہ اپنے بھائی کے کاندھے سے لگیں اب تک جو آنسو اپنے بچوں کے لیے چھپاتی رہی تھیں وہ بہانے لگی تھیں اور سالار مصطفیٰ کا حال پوچھنا نرمی سے تسلی، دلاسہ دینا ان کی ہر تکلیف کم ہوتی چلی گئی تھی کہ کچھ تسلیاں جاں کے لیے راحت فزا ہوتی ہیں۔

☆......☆......☆

''عالی، نہ جانے کیوں ابران مجھ سے اتنی نفرت کرتے ہیں۔''

وہ دونوں کینٹین میں بیٹھیں تھی ان کے یاسیت سے بھیگی پلکوں کے ساتھ کہنے پر عالیہ آزردہ ہو گئی تھی کہ وہ دوست کے رازوں کی امین تھی۔

''وہ تم سے نفرت نہیں کرتے، بس مجھے لگتا ہے کہ ہاسٹل کی بے رنگ زندگی نے انہیں چڑ چڑا بنا دیا ہے اس لیے وہ تم پر غصہ ہو جاتے ہیں کہ ان کے ہاسٹل جانے کی کہیں نہ کہیں وجہ تم ہی ہو۔'' ہزار بار کی دی تسلی نرمی سے دی تھی۔

''ہاں وجہ میں ہی ہوں اسی لیے وہ مجھ سے نفرت کرتے ہیں مگر ان کی نفرت مجھے بہت تکلیف دیتی ہے کہ ان کی تمام تر نفرتوں کے باوجود میں خود کو ابران سے محبت کرنے سے روک نہیں پاتی۔'' یمانی کی خوبصورت آنکھیں برسنے لگی تھیں۔

''تم دل چھوٹا نہ کرو، جب وہ تعلیم مکمل کر کے لوٹیں گے تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا کہ تمہاری محبت ان کی نفرت کے تمام اثرات کو زائل کر دے گی۔'' عالیہ نے نرمی سے دوست کے نرم و ملائم ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا مگر وہ آگے سے اب کچھ نہیں بولی تھی کہ وہ بھی تو اسی آس میں ہی جی رہی تھی۔

☆......☆......☆

''میڈیسن لے لیں بڑی ممی!'' یمانی نے اس بیماری میں ان کا بہت خیال رکھا تھا وہ نرمی سے مسکراتیں اس کے ہاتھ سے ٹیبلٹ لے گئی تھیں۔

''تمہارے ڈیڈی آفس چلے گئے؟'' گلاس لیتے ہوئے نہ چاہتے ہوئے بھی انہوں نے پوچھ ہی لیا تھا۔

''ڈیڈی تو آج معمول سے پہلے ہی چلے گئے تھے، رات آئے بھی دیر سے تھے۔'' وہ بتا کر اس کے روم سے نکل گئی تھی اور وہ ان کی پریشانی سے انجان ان سے بدگمان ہونے لگی تھی کہ ان کی شادی شدہ زندگی میں پہلی دفعہ ہوا تھا کہ وہ آفس ان سے ملے بغیر گئے تھے اور ایک فون تک نہیں کیا تھا۔

''یونیفارم کیوں نہیں چینج کیا۔'' وہ کافی دیر تک لایعنی سوچوں میں ڈوبی رہی تھیں جن سے ان کی لاڈلی نے آ کر باہر نکالا تھا۔

''موڈ نہیں ہو رہا تھا۔'' وہ لاپرواہی سے کہتی ماں کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی تھی اور وہ بیٹی کے سر میں انگلیاں چلاتیں اس کی اوٹ پٹانگ باتوں کے جواب دیتیں، اس کے جوکز پر ہنستیں اپنی ٹینشن کو وقتی طور پر ہی بھول گئی تھیں۔ ارمان شیرازی عجلت میں روم میں داخل ہوئے اور انہیں دیکھ کر چونک گئے۔ چند دنوں کی بیماری میں وہ بالکل ہی نچڑ کر رہ گئی تھیں، چہرہ زرد ہو رہا تھا اور چہرے پر آنسوؤں کے نشانات ان کے روتے ہوئے سونے کے گواہ تھے۔ ان کے دل کو کچھ ہوا تھا کہ ان کی بیماری تک کا انہوں نے اس بار خیال نہیں کیا تھا اور انہیں نظر انداز کر رہے تھے۔

''آپ کچھ ڈھونڈ رہے ہیں۔'' وہ شرمندگی سی محسوس کرتے نظر چرا کر مطلوبہ فائل ڈھونڈنے لگے تھے جسے لینے وہ عجلت میں گھر آئے تھے اور آہٹ پر انہوں نے آنکھیں کھولی تھیں اور انہیں کچھ تلاشتے دیکھ کر لیٹے لیٹے ہی پوچھ گئی تھیں کہ شیریں ان کے بازو پر سر رکھے ان سے لپٹ کر سو رہی تھی اس لیے وہ اٹھ نہیں سکتی تھیں۔

''فائلز تو اسٹڈی میں ہوتی ہیں۔'' ان کا جواب سن کر بولی تھیں اور بیٹی کو آواز دینے لگی تھیں۔

''شیریں کو کیوں اٹھا رہی ہو، سونے دو، فائل میں ڈھونڈ لوں گا۔'' فوراً ٹوک گئے تھے اور انہوں نے اسے سائیڈ میں کرنا چاہا تھا تو درد کی لہر اپنے ہاتھ سے اٹھتی پورے جسم میں دوڑ گئی تھی چہرے پر تکلیف کے اثرات بکھرے تھے انہوں نے آگے بڑھ کر نہایت نرمی سے بیٹی کو ان سے الگ کر کے اس کا سر تکیہ پر رکھ دیا تھا۔ وہ نہایت گہری نیند سونے کی عادی تھی ہلکا سا کسمسا کر کروٹ بدل گئی تھی۔

''ایک فائل الماری پر رکھی ہے، اسے دیکھ لیں ہو سکتا ہے آپ کو وہی فائل چاہیے ہو۔'' اٹھ کر بیٹھتے ہوئے خیال آیا تو کہہ گئیں اور وہ واقعی وہی فائل تھی جسے وہ پچھلے ایک گھنٹہ سے تلاش کر رہے تھے۔

''حد کرتی ہو نیناں، فائل یہاں رکھنے کی کیا ضرورت تھی، کب سے ڈھونڈ رہا ہوں۔'' وہ کوفت سے بولے تھے اور کمرے سے ہی نکل گئے تھے۔ ان کی اس قدر بے رخی پر ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ دروازہ بے خیالی و عجلت میں بند کیا تھا جس کی آواز اتنی تیز تھی کہ بے خبر سوئی شیریں ڈر کر اٹھ بیٹھی تھی اور اس کی نگاہ زمین بوس ہوتی ماں پر پڑی تھی وہ بے ساختہ چیختی عجلت میں دوڑ کر ان تک پہنچی تھی

اور چیخ چیخ کر پورا گھر سر پر اٹھا لیا تھا۔

''ڈیڈی، ممی کو دیکھیں ناں، انہیں کیا ہو گیا ہے؟'' وہ کھلے دروازے سے اندر جیسے ہی داخل ہوئے شیریں روتے ہوئے بولی تھی۔ انہوں نے بیوی کو بیڈ پر ڈالا اور ڈاکٹر شاہدہ کو فون کر کے گھر پر ہی بلا لیا۔

''ڈاکٹر صاحبہ! آپ بتاتی کیوں نہیں ہیں، نیناں کو کیا ہوا ہے۔'' وہ امپورٹنٹ میٹنگ کو یکسر فراموش کر گئے تھے۔

''وقت پر میڈیسن نہیں لیں گی اور اپنی ڈائٹ کا خیال نہیں رکھیں گی تو یہی سب ہو گا کہ انہیں 104 بخار ہے اور اس وقت اتنے اسٹریس میں ہیں کہ ان کے دماغ کی نس بھی پھٹ سکتی ہے۔ آپ انہیں فوراً ہاسپٹل میں ایڈمٹ کروا دیں۔'' ڈاکٹر شاہدہ بھی جیسے پھٹ پڑی تھیں۔ وہ ساکت رہ گئے تھے۔ شیریں نے رونا شروع کر دیا تو سائرہ بیگم نے پوتی کو خود سے لگا لیا تھا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے تسلی دینے لگی تھیں۔

''میں بھی ساتھ جاؤں گی۔'' وہ ان کے ساتھ ہاسپٹل جانے کو مچلی تھی۔

''سب ہاسپٹل میں نہیں جاسکتے بیٹا، تم یمانی کے ساتھ گھر پر رہ کر اپنی ممی کے لیے دعا کرنا۔'' سائرہ بیگم نے پوتی کو پچکارا تھا۔

''کل کی طرح سب کچھ ابران کو مت بتا دینا۔'' وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے ہدایت دے رہے تھے۔ وہ ابھی ابھی باہر سے آئے پریشان ہوتے ادیان کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی اور وہ اپنی پریشانی بھلائے نم آنکھوں سے اسے چپ کروانے لگا تھا اس کا روم روم نیناں شیرازی کی صحت یابی کے لیے دعا گو تھا کہ وہ ان سب کے لیے بہت زیادہ اہم تھیں۔

☆......☆......☆

''آپ کو تو بخار ہے ارمان'' یمنی شیرازی کی سونے سے آنکھ کھلی، لائٹ جلانے پر وہ ارمان شیرازی کو کھڑکی میں پریشان سا کھڑا دیکھ کر ان تک آئی تھی اور ہاتھ کیا پکڑا تھا لگا تھا انہوں نے انگارہ تھام لیا ہو۔ اسی لحاظ سے وہ فکر مند ہوئی تھیں۔

''اوہوں، آپ جا کر سو جائیں۔'' انہوں نے یوں ہنکارا بھرا تھا جیسے پہلے سے جانتے تھے کہ انہیں بخار ہے۔ ان کے عجیب سے انداز کو انہوں نے حیرانگی سے دیکھا اور پلٹ کر ٹیبلٹ لے آئیں انہوں نے کچھ کہے بغیر گولیاں پانی کے ساتھ پھانک لی تھیں۔

''آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟'' نرمی سے استفسار کیا تھا مگر وہ ٹال گئے لیکن وہ بھی جیسے پیچھے ہی پڑ گئی تھیں۔

''بزنس کا مسئلہ ہے؟'' چند لفظی جواب دے کر وہ بستر کی جانب بڑھ گئے تھے۔

''آپ مجھے بتایئے شاید میں آپ کی کوئی مدد کر سکوں۔'' وہ ان کے برابر دراز ہوتیں ان کی گرم پیشانی پر ہاتھ رکھتیں دھیرے دھیرے سر دبانے لگی تھیں۔

''مختلف کمپنیوں سے لون لے کر ایک پراجیکٹ شروع کیا تھا مگر کنٹریکٹ نہیں مل سکا۔ پراجیکٹ جہاں فیل ہوا وہیں کمپنیوں کا لون کی واپسی کا مطالبہ شروع ہو گیا۔'' وہ دھیمے دھیمے بول رہے تھے اور انہیں سمجھ آیا تھا کہ پچھلے ہفتے جو انہوں نے نیناں شیرازی اور ابیان پر

جو غصہ نکلا اس کا کیا سبب تھا۔

''مگر میرے پاس فی الحال کچھ ایسا نہیں ہے کہ میں سب کے منہ بند کردوں۔'' پریشانی ان کے چہرے سے ہویدا تھی۔

''کم از کم کتنا لون لیا تھا آپ نے؟'' سوال کیا تھا۔

''کم از کم 4 کروڑ۔'' انہیں اپنے قدموں سے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

''آپ ایسا کیجئے میرا زیور۔'' سکوت ٹوٹا تھا تو حل سامنے رکھا تھا۔

''آپ کے بتانے سے پہلے بھی جانتا ہوں کہ آپ کے پاس زیورات ہیں جو میں فروخت کرسکتا ہوں مگر ایسا کسی قیمت پر نہیں کروں گا اس لیے بہتر ہوگا کہ آپ فضول مشوروں سے مجھے نہ نوازیں۔'' تلخی سے بہت کچھ باور کروایا تھا وہ خائف سی ہوگئی تھیں۔

''اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔'' نرمی سے سمجھانا چاہا تھا کہ انہیں اور کوئی حل نظر ہی نہیں آرہا تھا۔

''میں بہت اچھے طریقے سے جانتا ہوں کہ کس میں حرج ہے اور کس میں نہیں، اسی لئے آپ لوگوں سے ذکر نہیں کیا تھا کہ کوئی پرابلم ہوئی نہیں کہ زیورات بیچنے پر تل جاتی ہیں۔'' وہ ان پر برہم ہورہے تھے اور وہ جو اتنی بڑی پرابلم کا سن کر شاکڈ تھیں بے آواز آنسو بہا رہی تھیں ان کے ڈانٹنے پر بے اختیار رو پڑی تھیں۔

''فار گاڈ سیک۔ رونا تو بند کریں آپ۔'' وہ ٹینشن بھلائے کوفت میں مبتلا ہوگئے تھے۔ نرمی سے انہیں اپنے قریب کرتے کہہ رہے تھے۔

''آپ عورتوں کو سوائے رونے کے کچھ نہیں آتا اسی لیے خود ہی پریشان ہوتا رہا، آپ سے ذکر نہیں کیا کہ حوصلہ و ہمت بڑھانے کے بجائے چاہتی ہیں کہ میں صرف آپ کے آنسو ہی صاف کرتا رہوں۔'' ان کے ڈپٹنے، جھنجلاہٹ ظاہر کرنے پر وہ خفیف سی ہوگئی تھیں۔

''سوری، میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ آپ کی مدد کردوں۔'' اشارہ زیورات کی طرف تھا۔

''آئی نو، بٹ یہ مجھے مناسب نہیں لگتا میں کچھ نہ کچھ کرلوں گا اور آپ کو جو بتایا ہے وہ گھر میں کسی سے نہ کہیے گا۔'' وہ واپس لیٹ گئے تھے۔

''میں تو کچھ نہیں کہوں گی بٹ آپ کے انداز بہت کچھ کہہ رہے ہیں۔'' چونک کر گردن موڑ کر انہیں دیکھا۔

''ایبان پر آپ جس طرح غصہ ہوئے اور نیناں۔''

''بزنس کی ٹینشن میں نے کسی پر نہیں نکالی، آپ بے فکر ہوکر سو جائیے۔'' انہوں نے ان کی بات مکمل نہ ہونے دی اپنی کہہ کر کروٹ بدلی اور لیمپ بجھا دیا اور وہ یہ سوچتے سوچتے ہی کہ پھر کیا بات ہوسکتی ہے سوگئی تھیں اور وہ بھی اپنے رویے کو سوچتے سو ہی گئے تھے کہ جس دن نیناں شیرازی نے بیٹے سے برہمی سے بات کی تھی، اپنا ٹیمپر لوز کیا تھا وہ اسی دن سے شوہر سے خفا تھیں، بات نہیں کررہی تھیں اسی لیے وہ ڈپریسڈ تھے اور نیناں شیرازی سے جھگڑا کر بیٹھے تھے کہ اتنے سالوں بعد وہ بھی ایک ہی لکیر کو پیٹ رہی تھیں تو وہ اس لکیر پر چلنے

کے لیے چاہتے نہ چاہتے ہوئے بھی مجبور تھے اوران کی مجبوری، غصہ میں ڈھلی تو وہ نیناں شیرازی سے جھگڑا کر بیٹھے جبکہ وہ کہاں ان کے تیز لہجوں کی عادی تھیں اور وہ بھی سب کے سامنے، یوں بدحواس ہوئیں کہ انہیں روکتے خود ہاسپٹل پہنچیں کہ وہ چاہے کسی بھی سبب ارمان شیرازی پر اتنا غصہ نکالتی رہیں، ہر بات کا انہیں موردِ الزام ٹھہراتی رہیں، ان کی بہت پرواہ کرتی تھیں اوران کی پرواہ کی عادی تھیں۔ انہیں ذرا سی کمی ہوئی تو مضطرب ہوگئی تھیں۔

☆......☆......☆

''تمہاری منحوس آواز سننے کے لیے فون نہیں کیا تھا مگر اب فون اٹھا چکی ہو تو سن لو کہ میں پاکستان آرہا ہوں۔'' نیناں شیرازی نے اس کی کال ریسیو نہ کی تو اس نے ماں کے خیال سے کہ وہ سو نہ رہی ہوں گھر کے نمبر پر فون کیا تھا تاکہ خیریت معلوم ہوجائے اور ماں سے بات نہ ہو پانے کی کوفت یمانی کی آواز سن کر غصہ میں ڈھل گئی تھی۔

''بڑی ممی نے بتایا تھا۔'' اپنے لیے اس کے لہجے میں نفرت محسوس کر کے اس کے اندر بہت کچھ ٹوٹا تھا اور چند الفاظ اس نے روتے دل کے ساتھ نارمل لب و لہجے میں ادا کردیئے تھے۔

''میرے آنے سے پہلے ہی اپنے حقیقی باپ کے رشتہ داروں کے گھر چلی جانا (پھپھو کے گھر) میں اپنے گھر میں تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔'' نرم خو سادہ فطرت انسان اس کے لیے بہت سنگدل ہوجاتا تھا اوراس کی سنگدلی اس کی آنکھیں نم کرگئی تھیں۔

''بڑی ممی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ایسے میں، میں کہیں کیسے جاسکتی ہوں؟'' آنسو رخساروں پر لڑھکتے چلے گئے۔

''تم کون سا میری ماں کی خدمت میں ہلکان ہورہی ہوگی جو یوں کہہ رہی ہو۔'' طنز سے ہنکارا بھرا تھا وہ لب کچلنے لگی تھی۔

''تمہیں علی ہاؤس جانا ہی ہوگا یمانی کہ ویسے بھی تمہیں تو اصولاً رہنا ہی وہیں چاہئے تھا۔ تمہارے فادر کی ڈیتھ ہوئی تھی، دادا، دادی تو تھے ناں ان کے پاس رہتیں۔'' وہ سخت لہجے میں کہہ رہا تھا۔ فراز نے اس پیارے سے شخص کو دیکھا تھا جس کا شائستہ لہجہ شائستگی بھولا ہوا تھا۔ آنکھوں کا نرم تاثر ناپسندیدگی کے زیراثر تھا۔ چہرے سے ناپسندیدگی صاف عیاں تھی۔

''لیکن تمہاری ممی کو تو کوئی اور ملا ہی نہیں، تم ماں بیٹی نے مل کر ہماری زندگی اور خوشیاں برباد کردیں۔'' نہ جانے کون کون سی کمی کا احساس اس کی آنکھوں میں بھر گیا تھا اور وہ تو روتی رہی تھی۔ اس نے آہٹ پر آنسو پونچھے اور ٹوں ٹوں کرتا ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

''ڈیڈی، ابران کا فون تھا بڑی ممی کی خیریت معلوم کررہے تھے۔'' اس نے سوال بنے کھڑے ارمان شیرازی کو جواب دیا اور وہاں سے نکلتی چلی گئی۔ ابران کو مضمحل سا کھڑے دیکھ کر فراز نے اس کا موڈ تبدیل کرنے کو سوال کیا تھا۔

''تم جا تو رہے ہو، واپسی کا کب تک ارادہ ہے کہ تمہارے بغیر تو مجھے چین ہی نہیں پڑتا۔'' فراز اس کے جانے سے اداس تھا مگر اسے روک نہیں سکتا تھا کہ وہ تو ہمیشہ ہی چھٹیاں ماں کے ساتھ گزارا کرتا تھا اور وہ احساس کم مائیگی کا شکار ہوجاتا تھا۔

''تو کہہ تو ایسے رہا ہے جیسے میں تیری محبوبہ ہوں۔'' اس نے فراز کو چھیڑا تھا وہ مگر مسکرا تک نہ سکا۔

''میں جب تک ممی کی طرف سے مطمئن نہیں ہو جاؤں گا واپس نہیں آؤں گا کہ یہ بہتر نہیں کہ تو بھی میرے ساتھ ہی پاکستان چلے۔'' اسے ارادہ ظاہر کرتے ہوئے آئیڈیا آیا تھا جو اس نے ارادے کے ساتھ ہی جوڑ کر کہتے ہوئے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔

''میں جا کر کیا کروں گا کہ مام تو آؤٹ آف کنٹری ہیں اور ڈیڈی کا بھی کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ کب کہاں چلے جائیں۔'' وہ گہری یاسیت سے بولا تھا۔ اس کے پیرنٹس میں علیحدگی ہو گئی تھی۔ اس وقت وہ آٹھ سال کا تھا اس کی مدر امریکہ میں مقیم تھیں اور فادر دوسری شادی کر چکے تھے اور ایک بہت بڑے صنعتکار تھے۔ جس کلاس سے اس کا تعلق تھا وہاں کے بچے خود فراموشی اختیار کرتے ہوئے ماحول میں سیٹ ہو جاتے تھے وہ بھی ہو جاتا اگر ابران شیرازی سے دوستی نہ ہوتی کہ اس کے گرد لپٹی چاہتیں اسے رشک و حسد ہی نہیں احساسِ محرومی میں مبتلا کر دیتی تھیں۔

''تو میرے گھر چل، ممی تجھے دیکھ کر، تجھ سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔'' وہ دوست کی آنکھوں میں اداسی نہ دیکھ پاتے ہوئے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر نہایت نرمی سے بولا تھا۔ اس کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں مگر وہ تعامل کا شکار تھا جس کا اس نے اظہار بھی کیا۔

''میرے گھر والوں کو اعتراض نہیں ہوگا اور ممی ان کے لیے تو صرف میں اہم ہوں۔ مجھ سے جڑی ہر شے اہم ہے اور تو میرا دوست ہے اس لیے تو میری ممی کے لیے غیر اہم ہو ہی نہیں سکتا۔ ممی تیرا مجھ سے بڑھ کر خیال رکھیں گی۔'' وہ بہت یقین سے کہہ رہا تھا ماں کے ذکر پر انگ انگ مسرت و احترام سے مسکرا اٹھا تھا اور اس نے مسکرا کر حامی بھر لی تھی کہ اس نے کہا اس کا اسے پورا یقین تھا مگر اس نے یہ ظاہر نہیں کیا تھا نہ ہی اپنی جذباتیت و احساس محرومی میں گھر کر کی جانے والی چھوٹی چھوٹی چوریوں کا ذکر کیا تھا کہ نیناں شیرازی کی کال آنے کے وقت وہ کبھی کبھی ابران کا سیل فون اس سے کسی نہ کسی بہانے سے لے لیتا تھا اور ان کی کال آتی تو فوراً ریسیو کر لیتا اور ان سے بات کرنے لگتا۔ بہانہ کر دیتا کہ وہ کچن میں ہے یا واش روم میں ہے تھوڑی دیر تک آ جائے گا اور اس تھوڑی دیر میں اسے لگتا کہ اسے ہفتِ اقلیم کی دولت مل گئی ہے۔ نیناں شیرازی کا ''فراز بیٹا'' کہنا اس کے بچپن کی ہر محرومی کو دور کر دیتا وہ چند لمحوں میں ایک پوری زندگی جی لیتا تھا اور وہ لمحات اب اس کی قید میں آنے والے تھے۔ وہ پاکستان جاتے ہوئے ابران شیرازی جتنا ہی مسرور تھا وہ اپنی ماں سے ملنے ان کے قریب رہنے کے احساس سے بے پناہ خوش تھا اور وہ ماں کا احساس قریب سے دیکھنے اسے محسوس کرنے کے خیال سے خوش تھا۔ ان دونوں کی خوشی کا محور ایک ہی ذات تھی وہ ذات جو ابران شیرازی کا سب کچھ تھی اور جسے فراز لغاری کسی رشتے ناطے کے بغیر اپنا سب کچھ مان گیا تھا۔

☆......☆......☆

''مجھے گھر جانا ہے، ابرو واپس آنے والا ہے۔ مجھے ہاسپٹل میں دیکھ کر پریشان ہوگا۔'' ڈاکٹرز ڈسچارج دینے پر راضی نہ تھے اور وہ ہاسٹل میں ایڈمٹ رہنے سے گریزاں تھیں۔

''بیٹا! ابھی تم صرف اپنا خیال رکھو، تمہیں پراپر علاج کی ضرورت ہے۔'' سائرہ بیگم بہو سے نہایت نرمی سے بولی تھیں۔

''یہاں میرا دم گھٹتا ہے، مجھے گھر جانا ہے۔'' وہ بے بسی سے بولی تھیں اور بیٹے کو آتے دیکھ کر وہ کمرے سے نکل گئیں۔

''ہر بات میں ضد کیوں پکڑ لیتی ہو، کچھ تو سوچ کر ضرورت محسوس کرتے ہوئے ہی ڈاکٹر نے تمہیں ایڈمٹ کیا ہے۔'' اسٹول کھینچ کر اس پر بیٹھتے ہوئے بولے تھے۔ لفظوں کی نسبت لہجہ انتہائی نرم تھا۔

''ضد میں نہیں آپ کر رہے ہیں۔ جانتے ہیں کہ ابر آنے والا ہے۔ میں یہاں نہیں رہ سکتی تو کیوں آپ ڈسچارج نہیں کروا لیتے۔'' نقاہت زدہ لہجے میں بھی ضد وہٹ دھرمی نمایاں تھی۔

''ابران کے لئے خود کو تکلیف دینا چھوڑ دو۔'' ان کے آنسو گرنے لگے تو وہ زچ ہو گئے تھے۔

''آپ کر سکتے ہوں گے ایسا میں نہیں کر سکتی، میرا بیٹا میری جان ہے۔ اس کے دور جانے کے بعد تل تل کر کے مری ہوں، مر مر کے جیا ہے میں نے، وہ آ جائے بت سو جان میں جان آئے گی۔'' انہوں نے آنکھیں موند لی تھیں اور ناچار انہوں نے ڈاکٹرز سے بات کر کے ڈسچارج کروالیا تھا۔

''تم نے اگر مر مر کر جیا ہے تو میں بھی جی جی کر مرا ہوں۔ ایک تمہاری نہیں بیٹے کی بھی ناراضگی ہی ہے۔ تم اتنا وقت گزر جانے کے بعد بھی مجھے معاف نہ کر سکیں، میری مجبوری کو قبول نہ کر سکیں۔'' وہ جہاں بات چھوڑ گئے تھے لوٹ کر وہیں سے شروع کر گئے۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا وہ شخص اگر جوانی سے بڑھاپے تک عشق کی راہ پر چلتے مقامِ جنون تک آ پہنچا تھا تو ان کے عشق نے بھی کمالات دکھائے بہت تھے۔ یہ اور بات تھی کہ اظہار نہ کر سکی تھیں کہ عشق زندگی کے چھوٹے چھوٹے مسائل کی طرح حل نہیں ہوتا عشق کی تکمیل کے لیے برہنہ پا سفر کرنا پڑتا ہے اور یہ جنون خیزی پھر بھی نامراد رہتی ہے کہ عشق مکمل ہو کر بھی نامکمل ہی رہتا ہے۔

''میں کر بھی نہیں پاتی کہ میرا دل یہ سب مجھے قبول کرنے نہیں دیتا۔'' آنسو قطرہ قطرہ زرد رخساروں پر لڑھکتے جا رہے تھے۔

''کیوں نہیں کرنے دیتا کہ اس ایک خطا کے علاوہ وہ بالکل بے خطا ہوں نینا کہ پہلی نظر کی محبت کی تھی جو طویل سالوں بعد بھی یوں میرے اندر اپنی جڑیں پھیلائے ہوئے ہے کہ ایک شاخ بھی گر کھینچی تو اپنے پورے وجود سے مٹی میں مل جاؤں گا کہ میرا دل صرف تمہارے لیے دھڑکتا ہے اور تمہاری بے رخی، بے اعتنائی پر ٹھہر ٹھہر جاتا ہے۔ تم مجھ سے ناراض ہو۔ میں خود سے ناراض ہوں، یہ ناراضگی کے سلسلے بہت طویل ہو گئے ہیں بھلا دو سب کچھ، ورنہ کسی دن میرا قلب تمہارے لئے دھڑکتا تمہارے لیے ہی دھڑکنا بند کر دے گا۔'' لہجہ جنون خیز تھا، وہ تڑپ اٹھی تھیں۔

''شٹ اپ ارمان شیرازی، یوں نہیں مر رہی تو اب لفظوں کی مار مارنا چاہتے ہیں۔'' شدتوں سے رو رہی تھیں۔

''مرنے تو تمہیں نہیں دوں گا۔'' چپ کراتے ہوئے دھیمے سے بولے تھے۔

''تم جو اتنے برسوں سے دل میں ناراضگیاں لیے دل کو دردِ دل میں مبتلا کر چکی ہو ناراضگی مٹانا اور سب کچھ قبول کر لینا اتنا مشکل نہ تھا جتنا تم نے بنا دیا۔'' انہیں خود سے لگائے بے بسی سے بولے تھے۔

''میرے لیے تھا، ہے اور رہے گا ارمان شیرازی۔'' وہ ان سے الگ ہو گئی تھیں۔

''آپ پر صرف میرا حق تھا جسے آپ نے تقسیم کر دیا اور کہتے ہیں کہ وہ سب قبول کر لینا مشکل نہ تھا۔'' وہ سسکی تھیں اور ان کے چہرے پر پھیلا کرب وہ اپنے اندر اترتا محسوس کرنے لگے تھے۔

''ایک صرف جسم ہی تو تقسیم ہوا تھا میری محبت، میرے دل، میری روح پر تو تم بلاشرکت غیرے قابض ہو۔'' ان کے لہجے میں ان کی محبت کا احساس بول رہا تھا۔

''سب جانتی ہوں، مانتی بھی ہوں لیکن مجھے میرے سارے حق مکمل چاہئیں تھے اور اس حق کو آپ نے بانٹ دیا۔''

وہ اس موضوع کو لے کر کتنا ہی لڑ جھگڑ چکی تھیں مگر اب بھی یوں لڑ رہی تھیں جیسے کوئی نئی بات ہو کہ کچھ احساس کبھی پرائے نہیں ہوتے وقت بدل جاتا ہے مگر احساس وہی رہتا ہے جس کو جب محسوس کرو، درد کا رنگ اور شدت الگ ہی ہوتی ہے اور عمریں بیت جانے کے بعد بھی اسی احساس تلے دبیں اذیتوں سے دوچار تھیں۔

''میں اپنے مدار میں چلتے بھی راستہ کھونے لگتی ہوں کہ آپ کے عشق نے مجھے جنوں کی راہ پر ڈال کر ہونے نہ ہونے کی کشمکش میں ڈال دیا ہے۔ آپ میرے پاس نہیں ہوتے تو بے چینی رہتی ہوں اور پاس ہوتے ہیں تو بھی بے چین رہتی ہوں۔ ٹھیک کہتے ہیں آپ کہ آپ کا چھونا مجھے اچھا نہیں لگتا۔'' ان کی آنکھوں میں سرخی تھی۔ آنسو ٹھہر گئے تھے چہرے کی پژمردگی پر ملال کا رنگ غالب آ گیا تھا۔

''کہ یہ احساس کہ آپ اسے بھی یوں چھوتے ہوں گے، مجھے آپ سے گریزاں کر دیتا ہے، آپ کی دیوانگی نے میرے اندر تشنگیاں سی بھر دی ہیں۔ بہت بے بس کر دیا ہے، نہ چھوڑنے کا حوصلہ، نہ پانے کی ہمت۔'' وہ ان کے بھیگے چہرے کو دیکھ رہے تھے اور ہاتھ بے جان ہو گئے تھے، ہاتھ بڑھا کر آنسو پونچھ لینے کی چاہ جاگ اٹھی تھی مگر صرف کروٹیں ہی بدل کر رہ گئی تھی۔ ان کے درمیان خاموشی ٹھہر گئی تھی کہ ان کے لبوں کے قفل ٹوٹے تھے۔ خاموشی پر صدا غالب آ گئی تھی۔

''میں تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا، تمہیں اذیت دے کر اذیت میں ہوں، مجھے اس اذیت سے آزاد کر دو نیناں، قسمت کے لکھے کو تسلیم کر لو۔'' عجب عاجزانہ انداز تھا ان کا دل ٹھہر ٹھہر کر چلنے لگا تھا۔

''میں نہیں مان سکتی کہ ماں لینے کا حوصلہ ہی نہیں، آپ کی نیناں بہت کم ہمت ہے ارمان شیرازی، اس لیے جو جیسا ہے ویسا چلنے دیں۔'' انہوں نے دشمنِ جاں کو دیکھا تھا ان کے چہرے کی خوبصورتی ماند تھی اور چہرے پر پھیلی بے بسی و یاسیت وہ اپنا کاسہ سمیٹتے اپنی مجبوری کو کاندھے پر ڈالے ایک گہری سانس کھینچتے انہیں ہاسپٹل سے ڈسچارج کروائے گھر لے گئے تھے۔

☆......☆......☆

''تنہا ہی انجوائے کر رہا ہوں کیونکہ تم جو میرے پاس نہیں ہو۔'' زوئلہ کی کال اس نے پہلی ہی بیل پر ریسو کی تھی اور اس کے کیا کر رہے ہو؟ کے جواب میں دلکشی سے بولا تھا۔

''کہو تو تمہارے پاس آ جاؤں؟'' وہ ڈرائیو کرتے ہوئے مسکرائی تھی۔

''کیوں مذاق کر کے میرے جذبات سے کھیل رہی ہو۔'' وہ ناراض ہوا تھا۔

''مذاق نہیں کر رہی، راستے میں ہوں، کہو تو آجاؤں تمہارے گھر؟'' اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔

''پوچھنے کی کیا ضرورت ہے، آجاؤ، میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔'' کش لیتے ہوئے بولا تھا جبکہ وہ گڑبڑا گئی تھی کہ دو ماہ کے ساتھ میں اس کے کہنے پر بھی وہ کبھی اسے اپنے گھر نہیں لے گیا تھا اور کہاں وہ رات کے ساڑھے گیارہ بجے اس کے مذاق سے کہنے پر راضی ہو گیا تھا۔

''رات بہت زیادہ ہوگئی ہے، پھر کبھی سہی۔'' اس نے ہنستے ہوئے اسے ٹالا تھا۔

''یہ کہو ناں مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔'' وہ غصہ کو قابو میں رکھے بولا تھا کہ وہ اس پر اپنا کافی وقت اور پیسہ برباد کر چکا تھا مگر رزلٹ اب تک اس کی مرضی و پسند کا نہیں آیا تھا۔

''بات اعتبار کی نہیں ہے زعیز عہ۔'' وہ گڑبڑا گئی تھی کہ وہ دل بن کر اس کے سینے میں دھڑکنے لگا تھا وہ اسے ناراض کرنا تو دور ناراض کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

''یہی بات نہیں ہے تو میں تمہیں اپنے اپارٹمنٹ کا ایڈریس سینڈ کر رہا ہوں، آجاؤ کہ میں آج آفس سے گھر نہیں گیا تھا، اپارٹمنٹ پر آ گیا تھا کہ آفس سے نزدیک ہے۔'' وہ بڑی مہارت سے جھوٹ بول رہا تھا کہ وہ اپارٹمنٹ پر صرف جب ہی جاتا تھا جب اس کی طبیعت رنگینی کی جانب مائل ہوتی تھی۔

''لیکن زعیز۔'' اس نے کہنا چاہا تھا۔

''لیکن ویکن کچھ نہیں، صاف کہو تم نے آنا ہے یا نہیں۔'' اس نے دوٹوک انداز میں پوچھا تھا اور اس نے گویا ہار مان لی تھی۔ اس نے سامنے صوفے پر بیٹھے راحیل کو دیکھ کر وکٹری کا نشان بنایا تھا اور آنکھ دبائی تھی۔

''دوسرے روم میں لیلیٰ موجود ہے اس کا کیا کرنا ہے۔'' ہنستے ہوئے پوچھا تھا۔

''میں اس کے ساتھ بہت وقت گزار چکا، اسے پیسے دے کر تو فارغ کر دے۔ اور تو بھی یہاں سے زوئیلہ کے آنے سے پہلے ہی نکل جا۔'' وہ اپنے مخصوص عامیانہ انداز میں بولا تھا۔ راحیل بڑی خاموشی سے حکم کی تعمیل کو چل پڑا تھا۔

''تمہارا بیڈ روم بہت حسین ہے۔'' وہ کمرے کی ایک ایک قیمتی چیز کو دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''لیکن تم سے کم۔'' وہ دلکشی سے ہنسا تھا۔ ''اس کمرے کی ہر شے پر مجھ سمیت تمہارا حق ہے۔'' وہ زیڈ ٹاپ اور بلیک جینز میں دلکش لگتی گوری رنگت کی بے حد حسین زوئیلہ کو بھرپور نظروں سے دیکھتا ہوا بولا تھا۔

''حق زبانی کلامی تو نہیں سونپے جاتے، کچھ عملی مظاہرے بھی کرنا پڑتے ہیں۔'' وہ دلکشی سے مسکرائی تھی۔

''تمہیں کیسے عملی مظاہرے کی خواہش ہے۔'' وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتا ذو معنی لہجے میں نہ صرف بولا تھا بلکہ اس کو بازو سے تھام کر اپنے مقابل کھڑا کر دیا تھا اور اس کی انگلی اس کے خوبصورت چہرے پر داستان لکھنے لگی تھی کہ وہ سرخ پڑتی فاصلہ قائم کرنے لگی تھی کہ

وہ اسے خود سے مزید نزدیک کر گیا تھا اور جسارتوں پر آمادہ ہوا تھا کہ وہ اب کے فاصلہ قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

''مجھ سے شادی کر لو زعیز عہ۔'' یہ حق تمہیں خود بخود حاصل ہو جائے گا۔'' وہ سرخ چہرے کے ساتھ بولی تھی اور وہ بے ساختہ قہقہہ لگا گیا تھا۔

''واٹ ربش۔'' وہ اس کو تمسخر اڑاتی نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا۔

''میں اور تم سے شادی کروں گا، واٹ آ گڈ جوک۔'' وہ مسلسل اس کی تذلیل کر رہا تھا۔ اس کا نرم لہجہ کہیں نہیں تھا اور وہ حیرانگی سے اسے اپنا تمسخر اڑاتے دیکھ کر بولی تھی۔

''حق دینے کی بات کرتے ہو، استحقاق جتاتے ہو اور شادی پر اس طرح کاری ایکشن!'' اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

''میں استحقاق تو نہ جانے کتنی لڑکیوں پر جتا چکا ہوں تو کیا سب سے شادی ہوگئی میری؟ یا ان سب سے اب شادی کر لوں؟'' وہ بدلحاظی سے چیخا تھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت در آئی تھی۔

''میں نے تمہیں دوست سمجھا کہ میں ہر لڑکی کو صرف دوست ہی سمجھتا ہوں، اپنی قربت عطا کر دیتا ہوں تو اس کا یہ مطلب نہ کہ میں ان سے شادی بھی کروں گا۔'' وہ سگریٹ سلگاتے ہوئے اپنی گھٹیا ذہنیت و کردار اس پر کھول رہا تھا۔

''میں نے تمہیں کیا سمجھا اور تم کیا نکلے، میں تو تمہارے ساتھ فیئر تھی، محبت کرتی ہوں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں اور تم مجھے کیا سمجھ رہے ہو۔ صرف وقت رنگین بنانے کا ذریعہ۔'' وہ شدتوں سے رو رہی تھی کہ وہ امریکہ جیسے آزاد ملک سے آئی تھی یہاں پاکستان صرف شادی کرنے کے لیے۔ یہ نہیں جانتی تھی کہ نفس کی گندگی کا تعلق مشرق و مغرب سے نہیں ہوتا، مغرب میں اگر بھیڑیئے منہ کھولے پھرتے تھے تو مشرق میں بھیڑیئے نقاب چڑھا کر بھیس بدل کر ملتے ہیں اور نقاب اترتا ہے تو اصل صورت سامنے آتی ہے جیسے زعیز عہ خان کی مکروہ سوچ اس کے سامنے عیاں ہوگئی تھی۔

''دیر سے ہی سہی لیکن سمجھ گئی تو آؤ اس وقت کو حسین بنا دیتے ہیں۔'' وہ اس کو روتے دیکھ کر ہرگز متاثر نہیں ہوا تھا بلکہ عامیانہ انداز میں اس کے حسین سراپے پر نظر دوڑاتے ہوئے اسے آفر کر ڈالی تھی جسے سن کر وہ بھڑک اٹھی تھی۔

''شٹ اپ، مجھے ایسا ہی کچھ کرنا ہوتا تو امریکہ سے یہاں نہ آتی۔'' وہ چیخی تھی اور وہ ہنس دیا تھا۔

''تم بہت پچھتاؤ گے، تم نے میرا دل توڑا ہے، میری محبت کی توہین کی ہے، محبت کو ترسو گے تم۔'' اس کی ہنسی اس کے اعصاب چٹخانے لگی تو وہ بے بسی سے روتی بددعاؤں پر اتر آئی تھی کہ ایک ٹوٹا ہوا دل صرف آہ و زاری کر سکتا تھا۔

''اف! تم ساری لڑکیاں ایک جیسی ہوتی ہو، پہلے خود شکار کے منہ تک آتی ہو اور پھر بھاگنے کی راہ نہ پا کر بددعائیں دینے لگتی ہو، بٹ سویٹ ہارٹ، تم میرا بہت وقت ضائع کر چکیں، تم پر لٹایا پیسہ حلال کر لوں پھر یہاں سے جا کر چاہے بقیہ زندگی مجھے بددعائیں دیتے گزارنا، ابھی تو میرے پاس آ کر میری تنہائیاں مٹا دو۔'' زعیز عہ خان نے اس کی فرار کی ہر راہ مسدود کر دی تھی اور وہ محبت کے نام پر اپنا

سب کچھ قربان کر گئی تھی کہ کچھ غلطیاں ایسی ہوتی ہیں جن کی سزا ضرور ملتی ہے جیسے اس نے زعیزعہ خان پر اعتبار کر کے غلطی کی اور اس کا بھیانک انجام بھی دیکھ لیا تھا۔

''اے محبت تیرے انجام پر رونا آیا۔''

☆......☆......☆

''ڈونٹ وری نینو، آجائے گا ابھی کچھ ہی دیر میں تمہارا لاڈلا۔'' وہ بہن کی بے چینی محسوس کرتے ہوئے دھیمے سے بولے تھے اور اسی وقت قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی تھی۔ انہوں نے بڑی بے تابی سے نگاہ اٹھائی تھی اور لختِ جگر کو دیکھ کر صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''ابر، میرا بیٹا، میری جان۔'' وہ پورے توجہ سے اسے دیکھتیں والہانہ انداز میں بولی تھیں اور وہ لپک کر ماں سے لپٹ گیا تھا۔

''ممی! پلیز، ڈونٹ کرائے، آ گیا ہوں نہ میں۔'' اسے ائیر پوٹ سے ایان وادیان لے کر آئے تھے جبکہ ہال میں اس وقت ان کی ہی نہیں سالار مصطفیٰ کی بھی پوری فیملی موجود تھی مگر وہ صرف اپنی ماں کی طرف لپکا تھا۔ اتنے لوگ وہاں تھے مگر اس کے لیے ماں سے بڑھ کر کوئی نہ تھا۔

''میں نے تمہیں بہت مس کیا تھا بیٹا۔'' وہ روتے ہوئے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتیں والہانہ انداز میں اس کی آنکھیں، اس کی پیشانی چوم گئی تھیں۔

''میں نے بھی آپ کو بہت مس کیا تھا۔'' اس نے ماں کو اپنے بازوؤں کے حصار میں لے لیا تھا اور آنسو پونچھے تھے۔

''آپ کتنی کمزور ہو گئی ہیں، آپ نے میرے لیے بھی اپنا خیال نہیں رکھا۔'' وہ ماں کے متورم چہرے کو پیار سے دیکھتے ہوئے بھیگے لہجے میں شکوہ سا کر بیٹھا تھا۔

''اب چھوٹی موٹی بیماریاں تو عمر کا تقاضہ ہیں، یو ڈونٹ وری۔'' وہ خود کو بہت مکمل سا محسوس کر رہی تھیں۔

''کیا ہوا ہے آپ کی عمر کو؟ یار ممی، آپ تو اتنی ینگ ہیں میرے فرینڈز تو آپ کو میری بڑی بہن سمجھتے ہیں۔'' وہ بھیگے لہجے میں کہہ کر مسکرایا تھا وہ روتے سے ہنس دی تھیں اور اس کا مقصد بھی یہی تھا۔

''بہت بدتمیز ہو گئے ہو، ماں کو بہن بنا رہے ہو۔'' ہنستے ہوئے اس کے خوبرو چہرے کو دیکھا تھا۔

''ممی! ماں ہوں آپ یا بہن، ہر رشتے میں ہر صورت میرے لئے قابل احترام ہوں گی اور ممی لگتی نہیں ہیں تو کیا ہوا، ہیں تو میری لونگ اینڈ کیرنگ ممی۔''

شیریں سے رہا نہیں گیا تھا تو وہ ماں اور بھائی کے پاس آ رکی تھی اور شیریں کو دیکھ کر اس نے نرم مسکراہٹ اچھالی تھی اور نرمی سے کہہ گیا تھا۔ وہ بیٹے کی سوچ پر تفاخر سے مسکرائی تھیں۔ شیریں بھائی سے آ کر لپٹ گئی تھی اور وہ ایک ایک سے ملنے لگا تھا۔ ارمان شیرازی کے کاندھے سے لگا تھا مگر ماں جیسی بے اختیاری نہیں دکھا سکا تھا کہ اس کا یہ رشتہ اس کے لیے بہت اہم تھا مگر اس پر گرد پڑی ہوئی تھی۔ یمنی

شیرازی اور یمانی سے بھی نارملی ملا تھا اور سب سے مل کر ماں سے لگ کر بیٹھ گیا تھا اس کی وہ حالت تھی کہ میلے میں جیسے چلتے چلتے اس کی ماں گم ہوگئی تھی اور ملی تھی تو اس کو کھونہ دے کے ڈر کے احساس سے اس کے قریب گھس گیا تھا تا کہ اس کی ماں راہ میں چلتے چلتے پھر سے کھونہ جائے جبکہ فراز اس کا تو روم روم ان کی ہی جانب متوجہ تھا۔ نیناں شیرازی نے بہت نرمی سے اس کے سلام کا جواب دے کر اس کی خیریت معلوم کی تھی اور اس کے دل نے عجیب خواہش کی تھی کہ وہ اس کے لیے بھی بے تابی دکھائیں، نرمی سے پیشانی پر ممتا سے بھرپور بوسہ دیں مگر اس کی خواہش، خواہش ہی رہتی تھی کہ کچھ خواہشات ہوتی ہی ادھوری رہ جانے کے لیے ہیں۔

''ممی! یہ فراز آپ سے بہت امپریس ہے۔''

وہ سب چونکے تھے۔

''ارے، مجھ سے کیوں امپریس ہے تمہارا دوست؟'' وہ حیران ہوئی تھیں۔ ایک نظر سنجیدہ بے حد ڈیشنگ پرسینلٹی کے مالک فراز لغاری کو دیکھا تھا اور اپنی توجہ کے تمام ارتکاز اپنے لخت جگر کی جانب لگا دیئے تھے اور وہ مسکرا کر بتانے لگا تھا۔ تب ہی ملازمہ نے کھانا لگ جانے کا بتایا تھا وہ سب ڈائننگ ہال میں چلے گئے تھے۔

☆......☆......☆

''یو آر سولکی ابران کہ آنٹی جیسی لونگ مدر تمہاری مدر ہیں۔'' وہ دھیمے سے بولا تو وہ فخر سے مسکا دیا۔

''اس کے لیے میں اللہ کا شکر گزار ہوں۔'' سچائی سے بولا تھا۔

''ڈائننگ ٹیبل پر تو مجھے لگا تھا کہ وہ صرف تمہاری طرف ہی متوجہ رہیں گی لیکن جس طرح انہوں نے تمہیں اہمیت دیتے ہوئے بھی کسی کو بھی نظرانداز نہیں کیا یہ بہت بڑی بات ہے۔'' وہ نیناں شیرازی کی تعریفوں میں رطب اللسان ہو چکا تھا۔

''یار! ممی ایسی ہی ہیں کسی کو بھی نظرانداز کر ہی نہیں سکتیں سب کی بہت کیئر کرتی ہیں۔'' وہ تو تھا ہی ماں کا دیوانہ شروع ہو چکا تھا۔

''لیکن مجھے یہ سمجھ نہیں آیا کہ جب تمہاری ممی ایک کمپلیٹ لیڈی ہیں تو پھر کیوں تمہارے ڈیڈی نے دوسری شادی کی؟'' اس کے مسکراتے لب فراز کی بات پر سکڑ گئے تھے۔

''اور اس کے باوجود بھی تم کہتے ہو کہ تمہارے ڈیڈی، تمہاری ممی کو بہت چاہتے ہیں، یہ ان کی کیسی محبت ہے۔'' وہ ہر بات سے واقف تھا مگر سامنے سے دیکھ برداشت نہیں کر پایا تھا ارمان شیرازی کے لیے اس کے دل میں منفی سوچیں اور خیالات سر اٹھانے لگے تھے۔

''ڈیڈی نے ممی سے ون سائیڈڈ لو میرج کی تھی، ڈیڈی کو ممی سے بہت محبت تھی ہی نہیں آج بھی ہے۔ بٹ انہوں نے جو کیا وہ صرف دوست سے وعدہ ایفاء کرنے کے لیے کیا۔'' وہ سرخ ہوتی آنکھوں سے اسے تفصیل سے آگاہ کرتا چلا گیا تھا۔

''جب تم سب جانتے ہو اپنے ڈیڈی کی مجبوری کو سمجھتے ہو تو پھر ان سے ناراض و بدگمان کیوں ہو؟'' تفصیل سننے کے بعد بولا تھا۔

''کیوں ڈیڈی نے اپنے دوست ایسا وعدہ کیا جس نے ہماری زندگی برباد کر دی تھی، ممی کو اتنا بڑا صدمہ پہنچایا اسی لئے ممی بھی

ڈیڈی سے ناراض ہیں کہ انہوں نے شادی کی اور پھر ممی کے خلاف جا کر مجھے ہاسٹل بھیجا، دوست کے لیے دوست کی بیوی کو اہمیت دی اور اس کی بیٹی کے لیے بیٹے کو غیر اہم کر دیا اور میں یہ بات نہیں بھول پاتا فراز کہ ڈیڈی نے مجھ پر کسی اور کو فوقیت دی۔ ڈیڈی کو ممی سے مجھ سے محبت تھی مگر ہماری محبت پر دوست کی محبت اور وعدے کا رنگ ایسا چڑھا کہ انہوں نے ممی اور میری محبت قربان کر دی۔'' اس کی آنکھیں بہہ رہی تھیں۔

''لیکن تجھے انکل کی مجبوریوں کو سمجھنا چاہیے اور ان سے خود ساختہ فاصلے ختم کر لینے چاہئیں۔'' وہ دوست کو ہمدردانہ مشورہ دے رہا تھا۔ اس نے سرخ آنکھوں سے فراز کو دیکھا تھا۔

''یہ سب اتنا آسان ہے تو تُو کیوں انکل، آنٹی سے اپنے خود ساختہ فاصلے دور نہیں کر لیتا۔'' وہ ابران کو حیرت سے دیکھنے لگا تھا۔

''جانتا ہوں تُو اپنے والدین سے بہت محبت کرتا ہے اور ان کی بے اعتنا ہی تجھے خون کے آنسو رلاتی ہے کبھی زندگی میں وہ تیری طرف پلٹ آئے تو جانتا ہوں تو انہیں معاف کر دے گا، دل سے انہیں گلے لگائے گا لیکن تیرا مرحوم بچپن، وہ ساری محرومیاں تیرے اندر ہی بین کرتی رہ جائیں گی کہ گرد جھاڑ بھی دی جائے تو وہ مکمل جھڑتی نہیں، کبھی جسم تو کبھی روح سے چمٹ جاتی ہے اور گرد آلود لباس اچھا نہیں لگتا رشتے کہاں اچھے لگیں گے۔'' وہ نہایت آزردگی سے کہہ رہا تھا کہ ہر بات وقت پر ہی اچھی لگتی ہے وہ آگے سے کچھ نہیں کہہ سکا تھا چپ کا چپ رہ گیا تھا کہ قائل نہیں ہوا تھا مگر اسے قائل بھی نہیں کر سکتا اس لئے اسے خاموشی ہی بہتر لگی تھی۔

☆......☆......☆

''آپ مجھے کچھ مہینوں سے ڈسٹرب لگ رہے ہیں اظہار کا موقع نہیں ملا اور میں نے سوچا کوئی بات ہوگی تو خود سے کہہ دیں گے۔ اس لیے بتایئے ناں، کیا بات ہے؟'' ارمان شیرازی ایک گہری سانس کھینچ کر رہ گئے تھے کہ انہیں اندازہ تھا وہ اتنی انجان نہ رہی ہوں گی اور اب تو یقین ہو گیا تھا کہ اپنوں کی پریشانی اپنوں سے پوشیدہ رہ ہی نہیں سکتی اور وہ جانتے تھے کہ اب انہیں ٹال نہیں سکیں گے اس لیے اصل بات کہہ سنائی تھی۔ اور انہوں نے یمنیٰ شیرازی والا حل ان کے سامنے رکھ دیا تھا یہ اور بات تھی کہ ان کا ردعمل بالکل الگ تھا۔

''آپ ایسا کریں میری جیولری۔''

''نہیں نیناں! ہر ایک چیز میں نے تمہارے لیے بہت دل سے لی تھی ان سے ہماری حسین یادیں جڑی ہیں، میں انہیں سیل کرنے کا تصور تک نہیں کر سکتا۔'' وہ پیار سے ان کا ہاتھ تھامے کہہ رہے تھے۔

''آپ ایسا کیجیے اس گھر کو گروی رکھ دیں۔'' دھیمے سے نیا حل پیش کیا تھا۔

''واٹ ربش نیناں۔'' وہ انہیں نہایت ناپسندیدگی سے دیکھنے لگے تھے۔

''یہ ضروری ہے ورنہ کروڑوں کے قرضہ سے کیسے نجات ملے گی۔'' ان کے اطمینان میں فرق آیا تھا۔

''کیا، کیسے کرنا ہے میں خود دیکھ لوں گا۔ تم اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔'' وہ قدرے غصہ سے کہتے ان کے پہلو سے اٹھنے لگے

تھے کہ انہوں نے ہاتھ پکڑ لیا۔

''میرے لیے آپ کی دی ہر ایک چیز بہت اہم ہے اس لیے نہیں کہ وہ سونے چاندی کی ہیں صرف اس لیے کہ وہ آپ نے دی تھیں، ان سے ہماری اچھی، بری یادیں وابستہ ہیں۔'' وہ نرم لہجے میں بول رہی تھیں انہوں نے کچھ کہنا چاہا مگر وہ اشارے سے روکتیں مزید گویا ہوئی تھیں۔

''یادیں ہماری ہیں، ہمارے دل میں ہمیشہ رہیں گی کہ ان چیزوں کو دیکھ کر یادیں تازہ ہو جاتی ہیں مگر یادوں کو تازہ کرنے کے لیے ان چیزوں کا نہیں ہمارا ہونا، ہمارے دل میں ان کا زندہ ہونا ضروری ہے اور ہمارے دل میں ہماری یادیں تاحیات زندہ رہیں گی۔'' ان کی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی تھی۔

''تمہارا ہر لفظ حقیقت پر مبنی ضرور ہے نیناں لیکن تم مجھے ان دلائل کے ذریعے راضی نہیں کر سکتیں کہ میں نہ تمہاری جیولری فروخت کر سکتا ہوں اور نہ ہی اس گھر کو گروی رکھ سکتا ہوں کہ یہ گھر میں نے تمہارے لیے بنوایا تھا جس گھر میں ہماری اچھی بری یادیں ہوں ان کی کمان میں کسی اور ہاتھ میں نہیں دے سکتا۔'' وہ دھیمے پڑ گئے تھے اور نہایت آہستگی سے سنجیدہ لہجے میں کہتے چلے گئے تھے۔

''یادیں تو نئی جگہ، نئے گھر میں بھی بنائی جا سکتی ہیں کہ مصطفیٰ ہاؤس میں یادیں چھوڑ کر میں شیرازی ولاز آئی تھی اور وہاں یادیں بکھیر کر ہم نے ''نیناں ولاز'' میں یادیں بنائیں، جہاں جائیں گے وہاں ہر لمحہ یادگار بن جائے گا کہ گھر اہم نہیں بہت اہم ہوتے ہیں لیکن بدلتی ہوئی روایات اور اسٹینڈرڈ کے لیے بھی تو گھر ہی نہیں طرزِ زندگی میں بھی تبدیلی لانی پڑتی ہے کہ زندگی بہتے ہوئے پانی کی طرح ہوتی ہے، جمود کا شکار ہو تو موت کا بھی شکار بن جاتی ہے۔'' وہ ایک دم ہی ان کے برابر سے اٹھ گئے کہ آج انہوں نے قائل نہیں ہونا تھا۔

''نیناں! میں منع کر چکا اور امید کرتا ہوں کہ تم اس موضوع پر اپنے دل پر اب دوبارہ بات نہیں کرو گی۔'' ان کے سخت انداز پر ان کے آنسو ٹھٹھر گئے تھے لب کھولنے کی چاہ میں لب کچل کر رہ گئی تھیں کہ اور کرتیں بھی کیا کہ وہ کمرے سے ہی نکل گئے تھے۔

☆......☆......☆

''ممی! گھر میں کسی کو بھی فراز کی آمد، اس کا ہمارے گھر رہنا برا تو نہیں لگا۔'' ناشتہ کرتے ہوئے اسے خیال آیا تو پوچھ بیٹھا تھا۔

''نہیں، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ تمہارا دوست ہے اور جب تم پر بھروسہ ہے تو تمہارے دوست پر بھروسہ نہ کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔'' وہ بیٹے کے لیے مخصوص چاہت بھرے لہجے میں بولی تھیں۔

''آپ سے فراز امپریس ہے بلکہ میں یہ کہوں کہ وہ آپ سے محبت کرتا ہے تو غلط نہیں ہوگا۔'' اس نے چائے کا کپ ماں کے سامنے رکھا تھا اور اپنے لیے چائے بنانے لگا تھا۔ وہ حیرانگی سے بیٹے کو دیکھنے لگی تھیں اس نے دوست کی محرومیاں ماں سے نہ چھپائیں۔

''وہ یہاں صرف آپ کے لیے آیا ہے۔ اسے لگتا ہے میں اس بات سے انجان ہوں کہ آپ کی فون کال کے مقرر وقت سے پہلے وہ مجھ سے بہانہ کر کے فون صرف آپ سے بات کرنے کے لیے لیتا تھا جبکہ میں اس کی کسی بھی پیار بھری چوری سے انجان نہیں ہوں۔''

دوست کے لیے اس کی آنکھوں میں پیار تھا۔

''وہ بہت اچھا بچہ ہے، مجھے بھی کبھی اس سے اجنبیت محسوس نہیں ہوئی کہ وہ کافی سلجھا ہوا نوجوان ہے۔'' وہ بھیگی آنکھوں سے فراز کی تعریف کرنے لگی تھیں جبھی اس کی نگاہ اندر آتے دوست پر پڑی تھی۔

''ممی! اب فراز اتنا بھی سلجھا ہوا بچہ نہیں ہے۔'' اس نے شرارت سے کہہ کر دوست کو دیکھا تھا۔

''تمہارا دوست ہے تم بہت جانتے ہوئے بٹ مجھے تو یہی لگتا ہے کہ فراز ایک اچھا لڑکا ہے۔'' وہ فراز کی آمد اور بیٹے کی شرارت سے انجان کہہ گئی تھیں کہ فراز کی آواز پر چونک کر اسے دیکھنے لگی تھیں۔

''تعریف کا بہت بہت شکریہ آنٹی ورنہ تو دوست دشمن بنے ہوئے تھے۔'' اس کی آنکھوں میں ان کے لیے احترام تھا وہ اس کے ہلکے سے طنز پر دھیمے سے ہنس دی تھیں کہ بیٹے کو دوست کو گھورتے ہوئے دیکھ چکی تھیں اور ان دونوں کی نوک جھونک سے محظوظ ہونے لگی تھیں۔

''گڈ مارننگ!'' یہ شیریں تھی جس کی صبح دن کے گیارہ بجے ہوتی تھی اور انہوں نے اسے کچھ نہیں کہا تھا کہ وہ بھائی کی جانب متوجہ تھی۔

''بلی، کتنا سوتی ہو تم۔'' وہ بہن کو چھیڑ رہا تھا مگر وہ فراز کی موجودگی کی وجہ سے محض مسکرا دی تھی۔ نیناں شیرازی نے بیٹی کو دیکھا تھا۔ پنک کاٹن کے سوٹ پر بالوں کی پونی ٹیل بنائے دوپٹہ کاندھے پر سلیقہ سے رکھے وہ خوبصورت چہرے اور آنکھوں میں نیند کا خمار لیے دھیمے دھیمے لہجے میں بھائی سے الجھ رہی تھی۔ بیٹی کا محتاط انداز ان کے لیے اطمینان کا باعث تھا جب ہی ان کی نگاہ فراز پر پڑی تھی۔ اس کی نگاہیں ہنستی ہوئی شیریں پر ٹکی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی اور ایک حسرت سی تھی ان کے ذہن میں بیٹے کی باتیں گردش کرنے لگی تھیں۔

''ابر۔'' نیناں شیرازی کی آواز پر وہ تینوں ہی چونک کر انہیں دیکھنے لگے تھے۔

''تم لگتا ہے اس دفعہ شیریں کے لیے کوئی گفٹ نہیں لائے؟'' وہ ماں کی بات نہیں سمجھا تھا کہ کچھ دیر پہلے ہی تو انہیں بتایا تھا کہ وہ ہی نہیں فراز بھی ان سب کے لیے گفٹس لے کر آیا ہے۔

''کیا، ابران بھیا، آپ گفٹ نہیں لائے، میں آپ سے بات نہیں کروں گی۔'' وہ بھائی کو ناراضگی سے دیکھتی روہانسی ہو رہی تھی۔

''نہیں شیریں، میں لے کر آیا ہوں اور فراز بھی تمہارے لیے گفٹ لایا ہے۔ میں نے ممی آپ کو بتایا۔'' وہ بہن کو پچکارتے ہوئے خیال آنے پر ماں کو یاد دلانے لگا تھا مگر انہوں نے اس کی بات پوری نہ ہونے دی۔

''اچھا، تو پھر سب کے گفٹ ان کو دے دو کہ آج تم اپنے نانا جان کے گھر بھی تو جاؤ گے۔ ان سب کے گفٹ آج ہی لے جانا''۔ وہ مسکرائی تھیں اور اس نے ملازموں کو آواز لگا کر اپنے روم سے بیگز منگوا لیے تھے۔ سنڈے تھا گھر میں سب ہی موجود تھے۔ سب ہال کمرے میں جمع ہو گئے تھے اس نے سب کو گفٹ دیئے تھے۔

''تم کیا سوچ رہے ہو، بیگ کھولو اور سب کے گفٹس ان کو دے دو۔'' اس نے فراز کو گومگو کی سی کیفیت میں پا کر کہا تھا۔

''بیٹا، تم ہم سب کے لیے جو کچھ بھی لائے ہو بلا جھجک دے سکتے ہو کہ جیسے ابران اس گھر کا بیٹا ہے تو تم اس کے دوست ہونے کے ناطے اس گھر کے بیٹے ہی ہو اور جیسے مجھے ابران سے تحفہ لینا اچھا لگا ہے تم سے لینا بھی بہت اچھا لگے گا۔'' وہ خود پر فراز کی نگاہیں محسوس کرتیں نرمی و شفقت سے بولی تھیں اس کی آنکھیں اتنے مان پر جھلملا گئی تھیں۔ وہ دھیمے سے مسکراتا بیگ کھولنے لگا تھا۔

''تھینک یو ممی۔'' اس نے سرگوشی کی تھی کہ وہ اب ساری بات سمجھا تھا اور وہ کچھ کہے بنا فراز کی جانب متوجہ ہو گئی تھیں۔ انہوں نے دعائیں دیتے ہوئے گفٹ پیک لے لیا تھا جب اس نے ایک گفٹ پیک شیریں کی طرف بڑھایا تو وہ جھجک کر ماں کو دیکھنے لگی تھی۔

''لے لو بیٹا، فراز بھی ابران اور ادیان کی طرح تمہارے بھیا ہیں۔'' وہ خوشی خوشی پیکٹ تھام گئی تھی۔ فراز نے سب کو ہی گفٹ دیئے تھے وہ بے حد خوش تھا وہ لوگ نیناں شیرازی کے رویے سے شروع میں ہوئے تھے مگر حیرانگی دھیرے دھیرے ختم ہو گئی تھی کہ وہ سب جانتے تھے کہ ابران ان کے لیے بہت اہم تھا اور اس سے وابستہ ہر چیز بہت ہی زیادہ اہم۔

☆......☆......☆

''تمہاری اسٹڈی کیسی چل رہی ہے؟'' وہ ننیا جان سے بیٹھا سر میں تیل لگوا رہا تھا۔ جب سالار مصطفیٰ نے بھانجے سے پوچھا تھا۔

''بہت اچھی ماموں جان کہ اب تو بس ایک لاسٹ سیمسٹر ہی رہ گیا ہے۔'' وہ دھیمے سے بولا تھا۔

''چلو، یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ نیناں، تمہارے لیے بہت فکر مند رہتی ہے۔'' جواب ننیا جان نے دیا تھا۔

''مجھے آئے چار دن ہو گئے ہیں اور سر میں تیل آج لگا ہے۔'' وہ مسکراتا ہوا ماموں سے جا لگا۔

''کیسے ہو ابران بیٹا؟'' وہ جھلملائی آنکھوں سے بھانجے کو دیکھ رہی تھیں۔

''آپ کے سامنے ہی ہوں، دیکھ کر بتا دیں کہ کیسا ہوں۔'' اس کے لہجے میں شرارت تھی۔

''ہینڈسم، چارمنگ مائی لولی سن۔'' وہ مسکرا کر اس کی پیشانی چوم گئی تھیں۔ وہ ان کے انداز پر ہنس دیا تھا۔

''آفی، کبھی آپ نے مجھ سے تو اتنی والہانہ محبت کا اظہار نہیں کیا۔'' عبیر نے اندر داخل ہوتے ہوئے خفگی دکھائی تھی اور اس کے ساتھ ہی آیا ابیان اس کا ہمنوا بن گیا تھا۔

''یہ بہت خاص ہے۔'' انہوں نے بھانجے کا چہرہ ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔ ان کا کوئی بیٹا نہیں تھا وہ شادی کے تقریباً بارہ سال بے اولاد رہی تھیں اس لیے ابران اور شہیر سے انہیں بے حد انسیت و محبت تھی جو ابران کے ہاسٹل جانے کے بعد مزید بڑھ گئی تھی۔

''ابران بھیا کے آگے تو مما مجھے بھول جاتی ہیں، آپ سب کس گنتی میں آتے ہیں۔'' کب سے خاموشی سے ماں کو ابران پر محبت لٹاتے دیکھتی رویحا میثم شرارت سے بولی تھی۔ وہ سب ہی ہنسنے لگے تھے۔

''آفی، دیکھ رہی ہیں آپ، آپ کے ہینڈسم بیٹے سے کتنے لوگ جیلس ہوتے ہیں۔'' اس نے مسکرا کر ان سب کو دیکھا تھا اور نرمی سے مسکراتی رویحا سے ہائے ہیلو کرنے لگا تھا۔ ان سب کے جمع ہوتے ہی ایک ہنگامہ سا برپا ہو گیا تھا اور اس سب کو فراز لغاری بہت

انجوائے کر رہا تھا۔

''ادیان بھیا کی کمی محسوس ہو رہی ہے۔'' عبیر کی کسی بات پر ہنستے ہوئے خیال آیا تو کہہ گئی۔اس نے سر اٹھا کر دیکھا فراز نے اس کے چہرے پر ناگواری صاف محسوس کی تھی۔

''ہاں، سب ہی ہیں ادیان اور شہیر بھیا ہی نہیں ہے۔'' ایبان کی بات پر شریں کے منہ کے زاویے بگڑ گئے تھے کہ اسے شہیر بہت برا لگتا تھا۔

''ابران بھیا، آپ ذرا ادیان کو فون ملا کر آنے کو تو کہیں۔'' ابران نے بھائی کی بات پر نہ چاہتے ہوئے بھی ادیان کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

''اس وقت کہاں ہو ادیان؟'' ابران کا نمبر دیکھ کر ہی نہیں سنبھلا تھا کہ اس کے سوال پر حیرانگی بڑھ گئی تھی۔

''فواد کے ساتھ ہوں، آج اس کی برتھ ڈے ہے۔'' ادیان نے اپنے اکلوتے دوست کا نام لیا تھا۔

''اگر آ سکتے ہو تو مصطفیٰ ہاؤس آ جاؤ کہ ہم سب یہاں جمع ہیں ایک تمہاری کمی ہے۔'' ابران کا ٹھہرا ہوا لہجہ اس پر شادیٔ مرگ طاری کر گیا۔اس کے کانوں میں ایک ہی جملے کی بازگشت ہونے لگی تھی۔

''ایک تمہاری کمی ہے۔'' اس نے لمحہ کے ہزارویں حصے میں پہنچنے کا کہا اور ابران نے مزید بات کیے بناء رابطہ منقطع کر دیا۔اس نے جیسے ہی اپنے جانے کا فواد کو بتایا وہ اس پر خفا ہونے لگا۔

''پارٹی چھوڑ کر جانے کا مجھے بھی افسوس ہے مگر تو جانتا ہے فواد کہ ابران بھیا کی کوئی بے دلی سے کہی بات بھی نہیں ٹال سکتا۔'' ادیان نے دوست کا ہاتھ تھام لیا تھا۔فواد جانتا تھا کہ اسے ابران شیرازی سے محبت نہیں عشق ہے اس لیے وہ خاموش ہو گیا اور وہ تو جیسے ہوا کے رتھ پر سوار ہو کر مصطفیٰ ہاؤس پہنچا تھا۔

''آئی ایم سوری۔'' شیریں منمنائی تھی۔

''شٹ اپ۔'' شہیر سالار کا اس دن کا غصہ آج نکلا تھا۔

وہ ساکت نگاہوں سے رخسار پر ہاتھ رکھے اسے دیکھ رہی تھی کہ وہ اس پر غصہ ہو رہا تھا مگر اسے امید نہ تھی کہ وہ اس پر ہاتھ اٹھا لے گا۔خود اندازہ تو اسے بھی نہ تھا مگر تیر کمان سے نکلا تھا تو احساس ہوا تھا۔اس کی حیرت سے کھلی آنکھیں دیکھ کر اس نے نظر چرائی تھی کہ حیرت کی زیادتی سے آنسو اس کی ساحرانہ آنکھوں میں ٹھہر سے گئے تھے۔قدموں کی چاپ پر اس نے گردن موڑی، ادیان کو دیکھ کر اس کا بھی سکتہ ٹوٹا اور وہ اس کے کاندھے سے لگی سسکنے لگی۔

''شیریں، کیا ہوا ہے، بتاؤ مجھے۔'' اس نے اسے اپنے حصار میں لیتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے شہیر سالار کو دیکھا تھا مگر وہ ایک لفظ نہیں بولا تھا کہ جو غصہ میں کر بیٹھا تھا کیسے کہتا؟

''ادیان بھیا، میں تو خواہش پر پانی پھینک رہی تھی جو شہیر بھیا کو بھگو گیا۔'' وہ سسکتے ہوئے اسے تفصیل بتانے لگی تھی کہ کیسے وہ

شرارت میں ایک دوسرے پر پانی پھینک رہی تھیں اور اپنا بچاؤ کرتی خواہش اندر بھاگ گئی تھی اور سارا پانی باہر سے آتے شہیر سالار پر چلا گیا تھا اور وہ تو غصہ سے ہی بھڑک اٹھا تھا۔ بے نقط سنانے کے ساتھ ساتھ وہ اس پر ہاتھ بھی اٹھا گیا تھا اور یہ سن کر ادیان کا خوبصورت چہرہ سرخ ہو گیا تھا کہ شیریں کے گلابی رخسار پر انگلیوں کے نشان بے حد واضح تھے۔

''مجھے ابھی اسی وقت گھر جانا ہے میں آئندہ نانا جان کے گھر نہیں آؤں گی، شہیر بھیا ہمیشہ میری انسلٹ کرتے ہیں اور آج تو انہوں نے مجھے مارا۔'' وہ ادیان کے کاندھے سے لگی بلک رہی تھی اور وہ لب بھینچے کھڑے شہیر کو دیکھنے لگا تھا۔

''جو بھی ہوا نادانستگی میں ہوا تھا، دانستہ بھی ہوا ہوتا تو آپ شہیر بھیا، شیریں پر ہاتھ اٹھانے کا حق نہیں رکھتے تھے۔'' اس کا لہجہ نرم تھا کہ وہ اپنے سے بڑوں کی بے حد عزت کیا کرتا تھا۔ اس نے شیریں کو چپ کروانا چاہا تھا جس میں ناکام ہوا تھا اور وہ اس کے روکنے پر بھی لان عبور کرتی اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔ وہ بھی حیران پریشان اس کی جانب بڑھا تھا۔

''پلیز، شیریں جو ہوا بھول جاؤ۔'' اس نے بے حد روتی ہوئی بہن کو بازو سے پکڑ کر روکا اور کچھ بھی کسی کو بتانے سے منع کرنے لگا مگر اس کا روتے ہوئے اندر آنا وہ سب خوش گپیاں بھول کر کھڑے ہو گئے تھے۔ سب ہی اس کے رونے سے پریشان تھے۔ سب سے پہلے سالار مصطفیٰ اس تک پہنچے تھے۔

''شیریں، کیا ہوا ہے۔ اس طرح کیوں رو رہی ہو؟'' ان کا پوچھنا تھا کہ وہ ان سے لپٹ کر اور بری طرح رونے لگی تھی۔

''کچھ نہیں ہوا ہے ماموں جان۔'' وہ کچھ کہہ نہ دے اس لیے ادیان نے عجلت میں بہانہ بنانا چاہا تھا مگر جس کا ابران نے اسے موقع نہیں دیا۔

''کچھ نہیں ہوا ہے تو یہ شیریں اتنا کیوں رو رہی ہے؟'' ابران اسے گھور رہا تھا۔ وہ اس کے لہجے سے خائف ہوتا گڑبڑا کر رہ گیا تھا۔ وہ سب کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہے تھے سالار مصطفیٰ کے نرمی سے استفسار پر وہ سسکی تھی۔

''مجھے اتنی زور سے تھپڑ مارا۔'' کسی کو بھی امید نہ تھی کہ اس کے رونے کے پیچھے ایسی کوئی وجہ ہو گی۔ ننیا جان نے آگے بڑھ کر پوچھا تھا کہ کس نے تھپڑ مارا اور وہ شہیر کا نام لیتی اس سے قبل ہی ادیان سارا الزام اپنے سر لیتا شہیر کو متحیر جبکہ ان سب کو ازحد متحیر کر گیا اور رہ گیا ابران تو وہ تو غصہ سے بے قابو ہو گیا تھا۔

''شیریں پر ہاتھ اٹھانے کی تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی؟'' ابران غصہ پر کنٹرول نہ کر پاتے ہوئے ادیان پر ہاتھ اٹھا گیا تھا۔

شیریں رونا بھول کر کچھ سہم کر ابران کو دیکھ رہی تھی کہ اس نے زندگی میں صرف شہیر سالار کو غصہ ہوتے دیکھا تھا۔ ابران کا انداز اس کے لیے نیا تھا اور وہ اس پر بھی حیران تھی کہ ادیان نے کیوں جھوٹ بولا؟ مگر وہ ابران کے غصہ سے اس قدر خائف ہوئی تھی کہ سچائی تک بتانے کی ہمت نہیں رہی تھی اور وہ غیر متوقع بات کے بعد ابران کا ری ایکشن دیکھ کر حیران ہی نہیں پریشان بھی ہو گئے تھے۔

''بھائی سے بات کرنے کا یہ کیا طریقہ ہے ابران؟'' حیرانگی سے نکل کر ماموں جان نے کہا تھا۔

''بہن سے بات کرنے کا ادیان کا طریقہ ٹھیک تھا؟ اس نے شیریں پر ہاتھ اٹھایا تو کیسے؟'' اس کا لہجہ ماموں جان کے احترام میں دھیما ہوا تھا مگر اس کی آنکھوں سے ادیان کے لیے شعلے نکل رہے تھے۔

''ادیان، شیریں کا بھائی ہے، ہوسکتا ہے شیریں نے ایسا کچھ کر دیا ہو کہ ادیان۔'' آمنہ نرمی سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگی تھیں تا کہ اس کا غصہ کچھ کم ہو جائے۔

''شیریں کی کتنی ہی بڑی غلطی ہو، ادیان کو اس پر ہاتھ اٹھانے کا کوئی حق نہیں ہے اور تم نے آئندہ اس طرح کا کچھ کیا تو میں تمہیں جان سے ماردوں گا۔'' اس کا لہجہ ان سب کے لیے اجنبی تھا مگر فراز کے لیے نہیں کہ وہ جانتا تھا کہ بہت ساری محبتوں کے باوجود وہ کچھ لوگوں سے نفرت کرتا تھا اور نفرت ہو یا محبت ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتی اور اس کے چہرے سے ہی ادیان کے لیے نفرت ظاہر ہو رہی تھی اور یہ ان سب کے لیے ہی تکلیف دہ تھا۔ اس نے ایک قہر بھری نگاہ ساکت کھڑے ادیان شیرازی پر ڈالی جس کا خوبصورت چہرہ دہک رہا تھا اور آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ کسی کو بھی دیکھے بغیر بہن کا ہاتھ تھامے وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ سالار مصطفیٰ نے ادیان کو روکا تھا مگر وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں بہت کچھ کہتا وہاں سے نکل گیا تھا۔ کچھ دیر قبل وہ کس قدر خوش تھا اور اب جیسے اس نے زندگی ہی ہار دی تھی۔ گاڑی چلاتے ہوئے کچھ دیر قبل مسرت تھی اور اب اس کی آنکھوں سے سیل رواں جاری تھا کہ وہ جانتا تھا کہ جو ہوا وہ ختم نہیں ہوا ابھی اسے باقی سب کے سامنے بھی پیش ہونا پڑے گا اور وہ اتنے لوگوں سے جھوٹ بول سکتا ہے مگر ایک ہستی سے نہیں اسی لیے وہ بے چین تھا۔

☆......☆......☆

''آپ پوچھیں ادیان سے کہ اس نے کس حق سے شیریں پر ہاتھ اٹھایا۔'' وہ دونوں میاں بیوی روتی ہوئی شیریں کو دیکھ کر ہی مضطرب ہو گئے تھے مگر کچھ پوچھ نہیں پائے تھے کہ اپنے پیچھے ہی داخل ہوتے ادیان کو غصہ سے دیکھ کر اس نے باپ کو دیکھتے ہوئے اپنی بات کہی تھی۔ وہ تینوں ساس بہوئیں اور ارمان شیرازی بے یقین رہ گئے تھے کہ ان میں سے کسی کو امید ہی نہ تھی کہ ادیان کبھی شیریں پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے۔

''ادیان بھائی ہے شیریں کا۔'' اسے باپ کا لہجہ بہت کچھ جتاتا ہوا لگا تھا جبکہ انہوں نے ایک سادہ سی بات ہی کہی تھی۔

''ہاں بیٹا، ادیان نے ایسا کسی وجہ سے ہی کیا ہو گا جبکہ ادیان بڑا بھائی ہونے کے ناطے بغیر کسی وجہ کے بھی شیریں کو ڈانٹنے مارنے کا

حق رکھتا ہے۔'' وہ بیٹے کے لیے مخصوص نرمی سے بولی تھیں۔ اس نے ماں کو دیکھا تھا آگے سے کچھ کہہ نہیں پایا تھا کہ ایان بول پڑا تھا۔

''ادیان کے ساتھ نانا جان کے گھر ابران بھیا بہت بری طرح سے پیش آئے، یہاں تک کہ غصہ میں ہاتھ بھی اٹھا لیا۔'' یمنیٰ نے بے حد خاموشی سے کھڑے بیٹے کو دیکھا تھا مگر وہ کچھ نہیں بولی تھیں۔ ایان کے بعد شیریں بھی ساری تفصیل بتا گئی تھی۔

''تم نے صرف ادیان کو اس لیے مارا کیونکہ اس نے شیریں کو مارا تھا جبکہ جس طرح تم اپنی بہن کی فکر کرنے کا حق رکھتے ہو ادیان بھی رکھتا ہے۔ بھائی پر اتنے لوگوں کے درمیان ہاتھ اٹھاتے تمہیں شرم نہیں آئی۔'' ارمان شیرازی ناگواری سے بولے تھے کہ انہیں ابران کی آنکھوں میں کئی برس پہلے جیسے تاثرات نظر آئے تھے وہی احساس جو یمانی کو پریشان کرنے اسے اپنے درمیان سے نکال دینے کے خیال سے اس کی ننھی آنکھوں میں کشمکش کی لہر دوڑاتے تھے آج وہی احساس وہ ادیان کے لیے محسوس کر رہے تھے کہ وہ کیسے بھی ادیان کو اپنے درمیان سے نکال دینا چاہتا تھا۔

''نہیں ہے یہ میرا بھائی۔'' وہ حلق کے بل چیخا تھا۔ ''نفرت ہے مجھے ادیان شیرازی اور اس کی ماں اور بہن سے جنہوں نے مل کر ہماری زندگی تباہ کر دی۔'' وہ سب منہ کھولے اسے دیکھ رہے تھے جو اپنے حواس میں ہی نہیں لگ رہا تھا۔ نیناں شیرازی کی آنکھیں بہنے لگی تھیں کہ اس کے بہت قریب ہو کر بھی وہ نہیں جان پائی تھیں کہ اس کی شخصیت میں کس قدر بڑا خلا آ چکا ہے وہ اس اذیت میں ایسی گھری تھیں کہ بیٹے کا چہرہ دھندلانے لگا تھا۔

''شٹ اپ۔'' ارمان شیرازی غصے سے چیخے تھے۔

''رک کیوں گئے، ماریئے ناں ڈیڈی۔'' وہ اس پر ہاتھ اٹھا چکے تھے جو ہوا میں ہی مگر معلق رہ گیا تھا۔ وہ سب محض تماشائی بن گئے تھے۔ ابران نے بھیگی آنکھوں سے نہایت بدگمانی سے انہیں دیکھا تھا۔

''رکیئے نہیں کہ زندگی کا پہلا تھپڑ آپ نے ہی لوگوں کی محبت مجھے مارا تھا۔ آج بھی مار لیں گے تو کون سی بڑی بات ہو گی۔'' اس کا لہجہ لڑکھڑا گیا تھا۔ ''یا ایسا کیجئے ان لوگوں کی وجہ سے پہلے ہاسٹل بھیجا تھا، اب گھر سے ہی ہمیشہ کے لیے نکال دیجئے۔''

اتنے لوگوں کی موجودگی میں صرف ابران کی آواز گونج رہی تھی۔

''پہلے آپ نے ڈیڈی اپنی دوسری بیوی کی اولاد کے لیے مجھے ہاسٹل بھیجا تھا آج ان کی اولاد کے لیے مجھ سے ہر ناطہ توڑ لیں۔''

کوئی کچھ نہیں کہہ رہا تھا اور وہ چپ چاپ سن رہا تھا۔

''ابران بیٹا۔'' ان میں ہمت نہیں اور یمنیٰ کا اسے مخاطب کرنا تھا کہ وہ مزید بھڑک اٹھا تھا۔ دکھ کی جگہ بدلحاظی نے لے لی تھی۔

''نہ کہیں مجھے بیٹا، کہ میں آپ کے بیٹا تو کیا کچھ بھی نہیں لگتا۔'' اس نے یمنیٰ شیرازی کا ہاتھ بری طرح اپنے کاندھے سے جھٹک دیا تھا۔

''میری ماں زندہ ہیں اور مجھے ہر ایری غیری عورت سے اپنے لیے لفظ بیٹا نہیں سننا ہے۔'' اتنی دیر سے اس کے صرف الفاظ تیکھے

تھے مگر لہجہ احترام دیتا ہوا ہی تھا مگر اب نہ اس کے الفاظ نرم تھے نہ ہی اس کا لہجہ، وہ نہایت بدتمیزی سے یمنیٰ شیرازی سے مخاطب تھا۔ ان کے مردہ وجود میں جان سی پڑی تھی بیس سے تیس قدموں کی دوری طے کرتے ہوئے وہ بیٹے کے سامنے رکی تھیں۔

''تڑاخ! مجھے یقین نہیں آ رہا کہ اس انداز میں میرا بیٹا، میرا غرور، میرا ابر بات کر سکتا ہے۔'' ان کے لہجے میں ٹوٹے کانچ کی کرچیوں کی چبھن سی تھی۔ ابران ماں کو بے یقینی سے دیکھ رہا تھا کہ اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا کہ کبھی اس کی ماں اس پر ہاتھ اٹھا سکتی ہیں۔ اس نے ماں کی تکلیف دہ اثرات سے سجے چہرے سے نگاہ ہٹائی تھی جو جھکتی چلی گئی تھی۔ اس کی ماں کے قدموں میں کتنے ہی آنسو گرے تھے۔ اس کی ماں کا وجود اور اس کے آنسو باہم ملنے لگے تھے جس کا اسے احساس نہیں تھا کہ اس کی توجہ اس وقت کہیں نہیں تھی وہ اس لمحہ میں اٹک گیا تھا جب اس کی ماں نے اسے تھپڑ مارا تھا۔ وہ رخسار جو کل تک ان کے بوسوں سے مہکتا تھا انگلیوں کے نشانات سے مزین تھا۔ ابیان کی نظر ماں کے ہاتھ پر پڑی تھی سفید بینڈ یج لہو رنگ ہو رہی تھی اور خون تیزی سے نیچے گر رہا تھا۔

''ممی، آپ کے ہاتھ سے خون نکل رہا ہے۔'' اس کے احساسات زندہ ہوئے تھے اس نے ماں کو نظر اٹھا کر دیکھا تھا۔ ''مجھے سزا دیجئے کہ آپ نے خود کو تکلیف کیوں پہنچائی۔'' وہ ماں کے ہاتھ تھامتے ہوئے سسکا تھا۔

''کیونکہ تم اور میں الگ نہیں ہیں، تم میرے ہی وجود کا حصہ ہو، تمہاری کامیابیوں پر فخر سے مسکراتی رہی ہوں تو تمہاری نفرت کی آگ میں بھی، میں ہی تو سلگ سلگ کر جیوں گی۔'' ان کا سسکنا تھا کہ وہ ان سے لپٹ گیا تھا۔

''نہیں ممی۔ ایسے نہ کہیں، میں کسی سے نفرت نہیں کرتا، کسی سے بھی نہیں، میں صرف آپ سے محبت کرتا ہوں۔'' وہ بچوں کی طرح رو رہا تھا اسے لگا تھا کہ کسی نے اس کی روح کھینچ لی ہو وہ ماں کے ایک آنسو کو دیکھ کر اپنی ہر نفرت، تمام غصہ ہی بھول گیا تھا۔ سائرہ بیگم نے انہیں الگ کیا تھا۔ بہو کو منہ کھولتے دیکھ کر چپ رہنے کا اشارہ دیا تھا اور ابیان سے کہا تھا کہ ڈاکٹر کو فون کرے کہ ان کے ہاتھ سے بہت خون نکل رہا تھا پوری جان سے تھپڑ مارنے کے سبب ہتھیلی پر لگے مندمل ہوئے زخم کھل گئے تھے۔ کچھ ہفتوں میں جو ریکوری ہوگئی تھی وہ سب اس کی نذر ہوگئی تھی۔

☆......☆......☆

مصطفیٰ صاحب کی تین اولادیں سالار، آمنہ اور نیناں تھیں۔ سالار مصطفیٰ کی تین اولادیں شہیر، عبیر اور خواہش تھیں۔ آمنہ کی ایک ہی بیٹی رویحا تھی جبکہ نیناں کی تین اولادیں ابران، ابیان اور شیریں تھیں۔ سالار مصطفیٰ پولیس میں تھے اور کمشنر کے عہدے پر فائز تھے۔ ان کے تین دوست ارمان، بلال اور مشہود تھے۔ چاروں کی دوستی مثالی تھی۔ مشہود کی شادی اس کی کزن یمنیٰ سے ہوئی تھی اور مشہود کی شادی میں ارمان شیرازی اپنے جگری یار سالار کی بہن نیناں مصطفیٰ سے محبت کر بیٹھے تھے ان کے جذبے صادق تھے اس لیے نیناں کے ہزار واویلوں کہ آگے پڑھنا ہے کی رٹ کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے ارمان شیرازی کو ان کا جیون ساتھی بنا دیا گیا تھا۔ نیناں کافی ریزرو نیچر کی ایک پریکٹیکل لڑکی تھی جبکہ ارمان شیرازی کافی رومانوی فطرت کا زندگی انجوائے کرنے والا انسان تھا۔ دونوں کی پسند ناپسند، فطرت و

عادت کے اختلاف کے باوجود دونوں نے ایک اچھی اور خوشگوار ازدواجی زندگی بسر کی تھی۔ سالار مصطفیٰ کی شادی ارمان شیرازی کی اکلوتی بہن رابعہ سے ہوئی تھی جس میں ان دونوں کی ہی رضا شامل تھی۔ مشہود خان اور یمنیٰ کی ایک ہی بیٹی یمانی تھی اور جس وقت یمانی تین سال کی تھی مشہود خان ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں زندگی کی بازی ہار گئے تھے دوست کی موت کا صدمہ سالار اور ارمان شیرازی دونوں کے لیے ہی تکلیف دہ اور اذیت ناک تھا۔ ان سب کا جگری یار انہیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ گیا تھا جبکہ بلال احمد ان دنوں امریکہ میں تھا اور وہ ناگزیر وجوہات کے سبب پاکستان دوست کی موت پر بھی نہیں آسکا تھا۔ ان چار دوستوں کا گروپ قسمت نے توڑ دیا تھا۔ مشہود رہا نہیں تھا، بلال امریکہ میں ہی بس گیا تھا۔ سالار اور ارمان، مشہود کی کمی کو محسوس کرتے اپنی گیدر نگز کم کر کے زندگی کے جھمیلوں میں پھنس کر رہ گئے تھے کہ کسی کے ہونے نہ ہونے سے وقت کی گردش کو فرق نہیں پڑتا۔

☆......☆......☆

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے، آخر کیا سوچ کر تم نے شیریں پر ہاتھ اٹھایا۔“ اصل بات چھپی نہیں رہی تھی اور سامنے جیسے ہی آئی تھی سالار مصطفیٰ بیٹے پر برس اٹھے تھے اور وہ نرم مزاج باپ کا آتشی روپ دیکھ کر شرمندگی سے معذرت کر بیٹھا تھا۔

”سوری کر لینے سے کیا ہوگا، تم نے اس پر ہاتھ اٹھا کیسے لیا جسے پھولوں کی چھڑی سے چھونا تو دور کبھی ڈانٹا تک نہیں گیا۔“ بیٹے کی معذرت نظر انداز کر گئے تھے اس نے یکدم لب بھینچ لیے تھے۔

”سالار، ہو گئی غلطی، غصہ میں اکثر ایسا ہو جاتا ہے، اب بس ختم کر دو بات۔“ فاطمہ بیگم نے بیٹے کو کول ڈاؤن کرنا چاہا تھا۔

”مما! بات ایسے کیسے ختم کر دوں۔ اس وقت جب ابران غصہ ہو رہا تھا تب شیریں کتنا ڈر گئی تھی کہ وہ تیز لہجوں کی عادی نہیں ہے اور اس نے اس پر ہاتھ اٹھالیا اور اتنی کم ظرفی کا مظاہرہ کیا اس نے کہ اس کی خاطر ادیان بھائی سے پٹتا رہا مگر اس نے ایک لفظ اس کی صفائی میں کہہ کر اپنی غلطی اکسپیٹ نہیں کی۔“ وہ بیٹے سے سخت ناراض تھے کہ شیریں ان سب کے لیے بہت اہم تھی۔

”ادیان کی میں نیکی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مجھے سب کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔“ اس نے دھیمے سے بتایا تھا کہ ادیان بہت رکھ رکھاؤ والا بہت حساس لڑکا تھا۔ وہ شہیر کی بہت عزت کرتا تھا اس لئے نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بے عزتی ہو۔

”جب کہ میں نے جو غصہ میں کیا اس کے لیے شرمندہ ہوں کہ مجھے شیریں پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔“ وہ کچھ کہتے کہ انہوں نے شرمندہ سے کھڑے پوتے کو وہاں سے جانے کا کہہ دیا تھا۔

”جو ہو گیا سو ہو گیا، بات بڑھانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔“ وہ نرمی سے بولی تھیں۔

”مگر آپ شہیر کو سمجھا دیجیے کہ وہ آئندہ شیریں کے ساتھ مس بی ہیو نہ کرے کہ میں بالکل برداشت نہیں کروں گا۔“ شیریں انہیں بہن کے حوالے سے بے حد عزیز تھی کہ وہ نیناں شیرازی کے بچوں سے خصوصی انسیت رکھتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ تینوں ہی بچے بھی ان سے بے حد اٹیچ تھے۔ سالار مصطفیٰ سے ان کا دوہرا رشتہ تھا مگر وہ باپ کے رشتے سے زیادہ ماں کے رشتے سے ان کے قریب تھے کہ انہیں بہن بہت

عزیز تھی اسی لیے بچے انہیں ماموں جان اور رابعہ کو بوا (پھپھو) کہتے تھے۔ان کا سختی سے کہہ کر جانا رابعہ کو مزید پریشان کر گیا تھا کہ وہ بیٹے کا ردعمل کچھ سمجھ گئی تھیں کہ انہیں صاف لگا تھا کہ اس دن کی فرسٹریشن یوں نکلی تھی کہ حقیقت بھی یہی تھی کہ اب اسے شیریں سے مزید چڑ ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

''نیناں! کیا سوچ رہی ہو۔'' وہ جاننے کے باوجود پوچھ بیٹھے تھے کہ انہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے تھے۔

''ابر، اتنا منفی کیسے سوچ سکتا ہے؟ اس نے کیسے اتنا برا سوچ لیا اور میں بھی جان ہی نہیں سکی کہ وہ رشتوں کو کس طرح سے دیکھ اور پرکھ رہا ہے۔'' ان کا انداز کھویا کھویا سا تھا۔

''وہ صرف ہاسٹل بھیجے جانے کی وجہ سے مجھ سے ناراض ہے اور یہی ناراضگی وہ مجھ پر نکالتا رہا تھا جو باقی سب کے سامنے بدگمانی ونفرت کی صورت باہر آ گئی۔'' وہ ان کا ہاتھ تھامے تسلی دیتے ہوئے آزردگی سے بولے تھے۔

''وہ صرف بدگمان ہے، آپ سے ناراض ہے لیکن وہ کسی سے نفرت نہیں کرتا، میں جانتی ہوں ابر کو وہ نفرت نہیں کر سکتا وہ صرف بدگمان ہے۔'' انہوں نے بھیگی آنکھوں سے انہیں دیکھا تھا۔

''بلیومی، وہ کسی سے نفرت نہیں کرتا، بس اسے لگتا ہے کہ یمانی اپنی ممی کے ساتھ اس کے گھر نہ آتی، آپ یمانی کے لیے اسے ہاسٹل نہ بھیجتے تو وہ مجھ سے، آپ سے، ہم سب سے اتنا دور نہ ہوتا۔'' وہ ان کی خاموشی پر یقین دلانے والے انداز میں کہہ اٹھی تھی۔''یہ میں جانتی ہوں کہ بچپن سے اس نے یمانی کو ناپسند کیا ہے، اس کی ممی اسے اچھی نہیں لگتیں بٹ وہ کسی سے بھی نفرت نہیں کرتا، میرا بیٹا نفرت نہیں کر سکتا کہ جن رشتوں سے میں نے بہت چاہ کر نفرت نہیں کی، میں نفرت کر ہی نہیں پائی تو وہ میرے وجود کا حصہ ہے، غصہ ہو سکتا ہے، بدگمانی، ناپسندیدگی کو نفرت کا نام دے کر سب کے سامنے پیش کر سکتا ہے مگر نفرت نہیں کر سکتا۔'' وہ ان کے سینے پر سر رکھے سسک رہی تھیں۔

''کچھ مہینوں بعد جب وہ ہمیشہ کے لیے میرے پاس آ جائے گا نہ تو ہر پرانی بات کو بھول جائے گا۔'' ان کی خاموشی انہیں الزام کی طرح لگ رہی تھی اور وہ بیٹے پر الزام برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ اس کو صحیح ثابت کرنے کے لیے بلا تکان کہتی رہی تھیں۔

''بھول جانا تکلیف دہ باتوں کو قبول کر لینا اتنا آسان ہوتا ہے تو تم کیوں سب نہیں بھول جاتیں، کیوں سب کچھ قبول نہیں کر لیتیں۔'' انہوں نے خود سے لگی سسکتی ہوئی بیوی کو دیکھا تھا اور وہ تڑپ کر ان سے الگ ہو گئی تھیں۔

''اتنا آسان نہیں ہوتا نیناں، اور میں جانتا ہوں کہ تم نے نفرت نہیں کی مگر محبت بھی تو نہیں کی صرف رواداری ورشتے بنا لیے اور ابران تمہارا بیٹا ہے، چاہے وہ دکھتا میرے جیسا ہے مگر اس کی فطرت کا ہر رنگ تمہاری فطرت سے ملتا ہے، نفرت نہیں کر سکتا مگر تمہاری طرح رواداری اور رشتے نبھاتا رہا اتنے عرصے ہم نہ جان سکے کہ اسے ادیان سے بھی مسئلے ہیں اور جب اس کا صبر ٹوٹا تو سب کے سامنے آ گیا۔ یہ اور بات ہے کہ تمہارا صبر کبھی میرے علاوہ کہیں کسی کے سامنے نہیں بکھرا، ابران بکھر گیا اور ایسے بکھرا کہ ہمیں بھی تنکا تنکا کر کے توڑ گیا ہے اور اسی لیے میں چاہتا تھا کہ تم سب کچھ قبول کر لو مگر نہیں کر سکیں کہ تمہارے اختیار میں نہیں تھا، ابران کے اختیار میں بھی نہیں ہے کہ وہ تم سے عشق

کرتا ہے اور کوئی تمہیں ذرا سی بھی تکلیف پہنچائے تو وہ ابران کی گڈ بکس سے نکل جاتا ہے، غلط نہ تم تھیں، نہ ابران ہے اور نہ ہی میں غلط ہوں۔ہم سب اپنے اپنے جنوں کے آگے مجبور ہیں۔ ہماری اپنی اپنی بے بسی ہے کہ تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہی تھی مگر دی تکلیف۔ابران تمہیں تکلیف نہیں پہنچا سکتا مگر اس نے بھی تمہیں تکلیف پہنچائی۔ میں دوست سے وعدے کے آگے بے بس تھا اور ابران دل کے ہاتھوں مجبور ہے۔اور تم اپنی فطرت کے آگے بے بس، قسمت کے آگے مجبور۔ہم سب ایک کڑی سے جڑے ہیں، جڑے رہیں گے بس یہ سب تو چلتا رہے گا کہ کڑیاں بہت مضبوطی سے جڑی ہوں تو ان میں کھنچاؤ ضرور ہوتا ہے۔'' وہ آزردگی سے بہت کچھ کہتے چلے گئے تھے اور اب ان کے پاس ہمیشہ کی طرح کچھ بھی کہنے کو نہیں بچا تھا اس لئے خاموشی ٹھہر گئی تھی۔

☆......☆......☆

''ممی! کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟'' وہ ماں کی خاموشی محسوس کرتے ہوئے بھیگے لہجے میں بولا تھا۔

''نہیں، تم سے نہیں ابر، میں خود سے ناراض ہوں۔'' ان کا لہجہ بھی بھیگ گیا تھا۔

''ممی! آئی ایم سوری، میں آپ کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا۔'' وہ شرمندگی سے بولا تھا۔

''لیکن تم نے مجھے ہرٹ کیا ہے ابر، میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا کہ میرا بیٹا اتنی منفی بھی سوچ سکتا ہے۔'' ان کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''آئی ایم سوری ممی، بٹ میں کچھ لوگوں کے لیے مثبت سوچ ہی نہیں پاتا۔'' ان کے آنسو پونچھتا بے بسی سے بولا تھا۔ ''میں آپ سے محبت کرتا ہوں ممی، اور آپ کو اپنے لیے خوش دیکھنا ہی نہیں پریشان دیکھنا بھی اچھا لگتا ہے کہ جب آپ کی پرواہ میرے لیے ظاہر ہوتی ہے تو میرے اندر تک طمانیت اتر جاتی ہے۔'' وہ ان کے ہاتھ تھامے کہہ رہا تھا۔ ''مگر میں آپ کو اپنے لیے پریشان دیکھنا چاہتا ہوں، اپنی وجہ سے پریشان نہیں دیکھ سکتا اس لیے جو ہوا اس کے لیے مجھے معاف کردیں کہ میں خود کو بہت مجبور پاتا ہوں۔'' اس کے لہجے میں نمی گھل گئی تھی۔

''ابر، میری جان۔'' انہوں نے تڑپ کر اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں بھر لیا تھا۔

''پلیز ممی، کچھ بھی نہ کہیں کہ آپ کے منہ سے نکلے ادنیٰ سے لفظ کی بھی میری نگاہ میں کسی اعلیٰ صحیفے کی مانند قدر و منزلت ہے اور میں اگر آپ کے ایک لفظی حکم کی بھی تعمیل نہ کرسکا تو تمام عمر خود کو معاف نہیں کر پاؤں گا۔'' اس نے ماں کے ہاتھ احترام سے تھام لیے تھے۔ وہ بیٹے کو بھیگی نگاہوں سے دیکھنے لگی تھیں۔

''مجھے کچھ وقت دے دیں کہ ابھی میں مثبت نہیں سوچ سکتا کہ شاید وقت کے ساتھ سوچنے لگوں کہ میرے اندر جو کمیاں، خامیاں رہ گئی ہیں وہ آپ سے دوری کا شاخسانہ ہیں، میں جب مکمل آپ کے پاس لوٹ آؤں گا تو میری ہر کمی، ہر خامی دور ہوجائے گی۔'' ان کے ہاتھ پر اس کے آنسو گرے تھے اور سفید پٹی میں جذب ہوگئے تھے۔

''میں اتنے عرصے انجان رہی کہ میرا ابر کس کمی کا شکار ہوچکا ہے، کسی خامی میں مبتلا ہوچکا ہے مگر اب نہیں کہ میں اپنے بیٹے کی ہر کمی ہر خامی کو دور کردوں گی۔'' وہ اس کو سینے سے لگائے روتے ہوئے سوچ رہی تھیں اور اسی سوچ کے ساتھ ایک نیا آئیڈیا ان کے ذہن و دل پر

دستک دینے لگا تھا۔انہوں نے ایک نظر بیٹے کے خوبرو چہرے کو دیکھا اور مطمئن سی اپنے فیصلے پر عمل درآمد کے لیے آج ہی ارمان شیرازی سے بات کرنے کا سوچنے لگی تھیں جبکہ وہ ماں کے نئے فیصلے سے انجان انہیں اب یونیورسٹی کے قصے سنا رہا تھا جسے وہ توجہ سے سن رہی تھیں۔

☆......☆......☆

''ممی! ایان لالہ مجھے نہیں لے جا رہے۔'' وہ روتی صورت بنائے ماں کے سامنے کھڑی تھی۔ نک سک سے تیار ایان عجلت میں لاؤنج میں داخل ہوا تھا اس کے اٹھتے قدم ماں کی آواز پر تھم گئے تھے۔

''ایان، شیریں کو مصطفیٰ ہاؤس ڈراپ کرتے ہوئے دوستوں کی طرف چلے جانا۔'' دھیمے سے کہا تھا کہ وہ بیٹے کے پروگرام سے آگاہ تھیں۔

''سوری ممی، مجھے دیر ہو رہی ہے ورنہ میں شیریں کو ڈراپ کر دیتا۔ آپ اسے ڈرائیور کے ساتھ بھیج دیں۔'' اس کے انداز میں عجلت تھی۔

''شٹ اپ ایان۔ آج سے پہلے کبھی شیریں کو ڈرائیور کے ساتھ بھیجا ہے جو آج ایسا کریں گے۔'' بیٹے کی بات سن لینے کے سبب وہ ناگواری سے اسے ڈپٹ گئے تھے کہ شیریں کے معاملے میں وہ سب محتاط رہے تھے۔

''سوری ڈیڈی۔'' اس کا خوبصورت چہرہ لمحہ بھر کو تاریک ہوا تھا اور وہ شرمندگی سے معافی طلب کر گیا تھا۔

''ادیان لالہ کے پیپرز نہ ہو رہے ہوتے تو میں ان کے ساتھ چلی جاتی، وہ مجھے کبھی کسی بات کے لیے انکار نہیں کرتے جبکہ ایان بھیا، مجھے کبھی نہیں لے جاتے۔'' وہ باقاعدہ سوں سوں کرنے لگی تھی اور اس نے مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق اس کو ساتھ چلنے کا کہہ دیا تھا مگر اب وہ اینٹھ گئی تھی۔

''میں ایان بھیا کے ساتھ نہیں جا رہی کہ یہ راستے میں مجھے آئسکریم نہیں کھلائیں گے۔'' اس کی نئی فرمائش ایان کو بہت کھلی تھی کہ وہ جانتا تھا کہ اس کے منہ سے نکل گیا تو بس اسے پورا کرنا ہی پڑے گا جبکہ اسے دیر ہو رہی تھی کہ اسے کہیں ارجنٹلی پہنچنا تھا۔

''چلنا ہے تو چلو میرا وقت ضائع نہ کرو کہ تمہاری وجہ سے میں آل ریڈی لیٹ ہو چکا ہوں۔'' اس کا موڈ آف ہو چکا تھا اس لیے قدرے ناراضگی سے بولا تھا۔

''شیریں، بھائی کو پریشان نہ کرو۔ اسے کہیں جانا ہے ورنہ وہ آپ کو آئسکریم کھلا دیتا، ابھی آپ صرف ساتھ چلی جاؤ آئسکریم واپسی پر کھا لینا۔'' وہ بضد ہوئی تھی کہ نیناں شیرازی نے بیٹے کی جھنجلاہٹ محسوس کرتے ہوئے بیٹی کو نرمی سے سمجھایا تھا اور وہ خاموشی سے عجلت میں باہر کی جانب بڑھتے ایان کے پیچھے چل دی تھی۔

☆......☆......☆

''ابران بیٹا۔'' ابران کے اٹھتے قدم یمنیٰ شیرازی کی آواز پر تھم گئے تھے اوراس نے حیرانگی سے ان کی طرف دیکھا تھا جو اسے یمانی کی پھپھو کے گھر سے یمانی کو لے کرآنے کا کہہ رہی تھیں۔

''آپ ادیان سے کہہ دیں کہ میں شیریں کو لینے مصطفیٰ ہاؤس جارہا ہوں اور دونوں گھر بالکل اپوزٹ سائیڈ پر ہیں تو مجھے پرابلم ہوگی۔'' وہ یمنیٰ سے کبھی خود بات نہیں کرتا تھا اگر وہ کچھ کہیں تو جواب مگر شائستگی سے ہی دیتا تھا۔ اس نے انکار بے شک نرمی سے کیا تھا لیکن انہیں برالگا تھا کہ اس کا لیا دیا اجنبی سا رویہ انہیں بہت تکلیف دیتا تھا ان کے چہرے پر پھیلی تکلیف اسے شرمندہ کرگئی تھی۔

''ٹھیک ہے بیٹا تم جاؤ۔ مجھے خیال نہیں رہا تھا ورنہ میں تم سے نہ کہتی۔'' اس کی شرمندگی یکدم بڑھی تھی۔

''آپ ادیان سے مت کہیے گا میں واپسی پر یمانی کو بھی لیتا ہوا آؤں گا۔'' وہ کہہ کر ٹھہرا نہ تھا جبکہ وہ حیران کھڑی رہ گئی تھیں اور نیناں شیرازی مطمئن سی پلٹ گئی تھیں کہ بیٹے کے صاف انکار نے انہیں خائف کرڈالا تھا مگر اس کا اقرار انہیں یقین دلا گیا تھا کہ ان کا بیٹا بہت دور تک نہیں گیا اس کا پلٹنا آسان ہے۔

☆......☆......☆

''دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا، تم ایسا کوئی پلان ترتیب دے بھی کیسے سکتی ہو؟'' بچے آمنہ کی طرف گئے ہوئے تھے اس وقت لان میں وہ دونوں ہی تھے باتوں کے درمیان نیناں شیرازی کی بات پر وہ انہیں ناگواری سے دیکھنے لگے تھے۔

''مجبوری ہے کہ ابر آج کل بہت ٹینس ہے اور اس طرح وہ واپس گیا تو مجھے ایک پل کے لیے سکون نہیں ہوگا۔'' وہ ان کے متوقع ردعمل کے بعد رسانیت سے بولی تھیں۔

''میں ابران کی پریشانی سمجھتا ہوں مگر جو حل تم نکال رہی ہو وہ ٹھیک نہیں ہے کہ اتنے سال گزر گئے، سات، آٹھ ماہ مزید گزر جائیں گے اس لیے اسے اکیلے ہی جانے دو۔'' وہ ان سے بڑھ کر سنجیدگی سے بولے تھے۔

''وہ چلا گیا تو میں اس کے لیے پریشان ہی ہوتی رہوں گی اس لیے پلیز آپ میرے جانے کے انتظامات کروادیں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے گویا فیصلہ سنا گئی تھیں۔

''یہ سب اتنا آسان نہیں ہے کہ ابران ہاسٹل میں رہتا ہے، تم کہاں رہوگی؟'' وہ قدرے غصہ سے پوچھ رہے تھے۔

''گھر رینٹ پر لے سکتے ہیں یا پھر آپ میرے لیے اپارٹمنٹ لے دیں۔'' وہ انہیں دیکھنے لگے برسوں پہلے بھی ان کی یہی ضد تھی اس لیے ہی تو انہوں نے اسلام آباد میں ان کے لیے اپارٹمنٹ لیا تھا جہاں وہ ابران سے جب ملنے جاتی تھیں تو ٹھہرتی تھیں۔

''یہ سب اتنا آسان نہیں کیوں نہیں سمجھ رہی ہو تم؟'' وہ زچ سے ہوگئے تھے۔

''آپ کو میرے لیے سب کچھ مینج کرنا ہوگا۔'' ان کے لہجے میں ضد سی تھی۔

''واٹ ربش، فضول سی ضد لے کر کیوں بیٹھ گئی ہو جبکہ جانتی ہو کہ میں تمہیں اتنے ماہ کے لیے خود سے دور نہیں جانے دوں گا۔''

غصہ و جھنجھلاہٹ سے ان کا برا حال تھا۔

''اور آپ بھی جانتے ہیں کہ اب میں نے فیصلہ کرلیا ہے تو بدلوں گی نہیں، مجھے ابر کے ساتھ جانا ہے تو بس جانا ہے۔'' ان کے غصے سے خائف ہوتی کرسی کھسکا کر بہت کچھ باور کراتیں اٹھ گئی تھیں۔

''آپ اگر مجھے میرے خیال سے روک رہے ہیں تو آپ بے شک ساتھ چل سکتے ہیں کہ یہ تو طے ہے کہ میں ابر کے ساتھ جا رہی ہوں۔''

☆......☆......☆

انہوں نے ہاتھ تھام کر روکا تھا اور ان کے مقابلے آتے نرمی سے سمجھانے لگے تھے تو وہ آنکھوں میں آنسو لیے کہہ گئی تھیں۔

''سمجھ کیوں نہیں رہی ہو، میں کیسے جا سکتا ہوں؟ بزنس کون دیکھے گا کہ جانتی ہو ناں آج کل بزنس کن کرائسس سے گزر رہا ہے مجھے جذباتی سہارے کی ضرورت ہے۔'' فراز کی آنکھوں میں حیرانگی تھی کہ وہ کافی دیر سے ان دونوں کو الجھتے دیکھ رہا تھا۔ تھی تو غیر اخلاقی حرکت مگر اس کے قدم جم سے گئے تھے اور ان ارمان شیرازی جو اس عمر میں بھی کافی ہینڈسم اور ڈیشنگ پرسنیلٹی کے حامل تھے ان کی شخصیت میں ایک وقار، ایک سحر سا تھا اور اس وقت اپنی خوبصورت آنکھوں میں بیوی کے لیے چاہت و پرواہ لیے اسے حیران کر رہے تھے کہ اس نے اتنی سچی محبت اتنے قریب سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

''آپ کے پاس بہت سارے لوگ ہیں مگر ابر......''

''تمہاری جگہ کوئی نہیں لے سکتا کہ تم، تم ہو ناں۔'' انہوں نے محبت سے کہہ کر آنسو پونچھے تھے۔

''پلیز ارمان شیرازی، آپ بھی تو رومینس و محبت کے فیز سے نکل کر عقل و دماغ سے بھی سوچ لیا کریں۔'' ان کی لگاوٹ انہیں بری طرح کھلتی تھی۔

''میں جس فیز میں رہنا چاہتا ہوں رہنے دو۔ مجھ پر اپنی مرضی تھوپنے کی کوشش بھی نہ کرنا کہ یہ تو طے ہے کہ میں تمہیں جانے کی اجازت نہیں دوں گا۔'' وہ انہیں ناگواری سے دیکھتے لان عبور کر گئے تھے۔ فراز کا دل نہ جانے کیوں ایکدم ہی بجھ سا گیا تھا۔

☆......☆......☆

''ہنستی رہا کرو بہت اچھی لگتی ہو۔'' وہ ابیان کی کسی بات پر ہنسی تھی تو ابران بے ساختہ کہہ گیا تھا کہ وہ سادگی سے من کی سچائی سے نقرئی ہنسی ہنستی بڑی ہی دلکش لگ رہی تھی۔

''تھینک یو ابران بھیا۔'' وہ جھینپ کر بولی تو وہ مسکرا دیا۔

''ممی کو تو بٹ میرے ہنسنے پر بھی اعتراض ہوتا ہے۔ ایسے کیوں ہنسی، اتنے زور سے کیوں ہنسی۔'' اس نے کچھ دیر قبل ہی کالج سے آ کر یونیفارم تبدیل نہ کرنے کی وجہ سے ڈانٹ کھائی تھی اسی کا خیال آیا تھا تو منہ بنا کر شکایت کر گئی تھی۔

''ممی کو اعتراض نہیں ہوتا چندا۔'' اس کی حمایت کا تو اسے خیال ہی نہیں رہا تھا کہ وہ بھول گئی تھی کہ وہ کبھی اپنی ماں کی کسی بھی بات سے اختلاف نہیں کرتا۔

''آپ بہت برے ہیں بھیا، ہمیشہ ممی کی حمایت کرتے ہیں۔ آپ سے اچھے تو ادیان بھیا ہیں جو میری خاطر ممی سے ڈانٹ کھا لیں گے مگر میری حمایت کیے بغیر نہیں رہیں گے۔'' اس کے من موہنے چہرے پر ابران کے لیے ناراضگی اور ادیان کے لیے بے حد محبت بھرے جذبات محسوس کیے جاسکتے تھے ابران کے لیے ادیان کا ذکر تکلیف دہ تھا مگر اس نے ظاہر نہ کیا۔

''ممی، تم سے بہت محبت کرتی ہیں اور تمہاری ہنسی بہت اچھی ہے اس لیے ممی چاہتی ہیں کہ کسی کی نظر نہ لگے۔'' اس نے نرمی سے بہن کو خود سے قریب کیا تھا اور اس کا گلہ اپنے ہی انداز میں مٹانے کی کوشش کی تھی۔

''وہی تو میری تمام فرینڈز بھی یہی کہتی ہیں اور میری ٹیچر ہیں مس عمارہ، وہ تو کہتی ہیں کہ میری آواز کوئل کی طرح سریلی ہے بٹ ایان لالہ کہتے ہیں میری ٹیچر میرا دل رکھتی ہیں۔ کیا ایسا ہے بھیا؟'' وہ مسکرا کر جوش سے پوچھ رہی تھی۔

مس عمارہ ایونٹ آرگنائزر تھیں۔ اس نے کالج کے کتنے ہی پروگرامز میں شرکت کی تھی۔ اسمبلی میں نعت وہی پڑھا کرتی تھیں۔ اکثر شوز میں کوئی گیت بھی گا لیتی تھی کہ یہ ایک بہت بڑی حقیقت تھی کہ اس کی آواز نو ڈاؤٹ بہت اچھی تھی۔ ایان تو بس اس کو تنگ کرنے کو مذاق کرتا رہتا تھا۔

''تمہاری ٹیچر جو کہتی ہیں بالکل صحیح کہتی ہیں۔'' وہ مسکرایا تھا اور اس نے صوفے پر بیٹھے ایان کو فوراً زبان چڑھاتے ہوئے انگوٹھا دکھایا تھا۔ ابران کمرے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اس کی آواز پر رکا تھا کہ وہ لڈو کھیلنے کی فرمائش کر رہی تھی جسے وہ ٹال نہیں سکا تھا نہ ہی جب وہ ادیان کو بلانے بھاگی تھی تو اسے روک پایا تھا۔

''نہیں، شرط لگا کر نہیں کھیلیں گے کیونکہ بھیا، یہ شیریں بہت بے ایمان ہے، جیت جائے تو شرط کی رقم لینے کے لیے اور ہار جائے تو نہ دینے کے لیے پورا گھر سر پر اٹھا لیتی ہے۔'' ایان منہ بنا کر بولا تھا کہ وہ جیسے ہی ہارنے لگتی تھی تو اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگتے تھے اور یہ کہاں ان سے برداشت ہوتا تھا وہ جان کر ہار جاتے تھے مگر ایان کو اپنی نٹ کھٹ سی بہن کو تنگ کرنے میں مزہ آتا تھا جیسے ابھی اس کے منہ بن گیا تھا اس کی خوبصورت آنکھوں میں خفگی سی در آئی تھی۔

''ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے ابران بھیا۔''

''ایسی ہی بات ہے، بھول گئیں ایک مہینے پہلے میں نے تمہیں کیرم کی بازی ہرائی تھی اور تم نے مجھے آئسکریم کھلانے کے بجائے پورا گھر سر پر اٹھا لیا تھا اور تمہارے رونے کی وجہ سے بڑی ممی سے مجھے ڈانٹ پڑی تھی۔'' وہ ایان کے جتانے پر شرمندہ نظر آنے لگی تھی کہ وہ صحیح کہہ رہا تھا۔

''اب دونوں لڑتے رہو گے یا گیم بھی اسٹارٹ کرو گے۔'' ابران ان کی نوک جھونک سے محظوظ ہوتا دھیمے سے بولا تھا اور اس کی وہی رٹ تھی کہ بیٹ لگا کر کھیلیں گے۔

''شرط لگانے کا بڑا شوق ہو رہا ہے ناں تو ایک ہزار روپے نکالو پھر گیم اسٹارٹ ہوگا۔'' ایبان تو آج اس کے پیچھے ہی پڑ گیا تھا اس کی گڑبڑاہٹ پر ابران بے ساختہ ہنس دیا تھا۔

''میں پہلے سے کیوں دوں، آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔'' اس کے لہجے میں خفگی سی در آئی تھی۔

''اعتبار ہے مگر یہی گیم کا رول ہے۔'' اس نے رعب ڈالنے کو ہزار کا نوٹ جیب سے نکال کر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

''میں اپنی پاکٹ منی خرچ کر چکی ہوں بٹ پکا پرامس ایبان بھیا، جیت نہ سکی تو ڈیڈی سے لے کر دے دوں گی۔'' وہ معصوم بنی تھی۔

''دیکھا آپ نے یہ ہمیشہ ہی ایسا کرتی ہے، میں نہیں کھیلوں گا اس کے ساتھ کہ یہ ڈیڈی سے پیسے لے گی ضرور مگر ہمیں نہیں دے گی۔'' اس نے منہ بناتی شیریں کو گھورا تھا۔

''ایسے کیسے نہیں کھیلیں گے، کھیلنا تو پڑے گا اور اب میں ہاری بھی تو کچھ نہیں دوں گی اور شرط کے پیسے جیتوں یا ہاروں مجھے ہی ملیں گے ورنہ میں آپ سے بات نہیں کروں گی۔'' وہ دھونس دے کر بولی تھی۔ اس کے شاہانہ انداز پر وہ تینوں بھائی ہی نہیں ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھیں سائرہ بیگم اور نیناں شیرازی بھی ہنس دی تھیں۔

''تم دونوں لڑنا بند کرو دونوں کی طرف سے میں شرط کے پیسے دے دوں گا۔'' ابران جانتا تھا کہ اس کے مان کے کہنے کے بعد ایبان اب کچھ نہیں بولے گا اس لیے اس نے دونوں کا ہی مان رکھ لیا تھا اور کافی دیر کی بحث کے بعد وہ لڈو کھیلنے لگے تھے وہ ادیان کی پارٹنر بن گئی تھی وہ ہمیشہ کی طرح کھیل کم رہی تھی شور زیادہ مچا رہی تھی۔ پانسہ شیریں نے پھینکنا تھا اور اس نے آنکھیں بند کر کے پانسہ پھینکا تھا اسے دو چاہیے تھا مگر چار آیا تھا اس کی آنکھیں بند تھیں ابران نے نمبر بدل دیا تھا اور وہ آنکھیں کھلتے ہی خوشی سے چلانے لگی تھی۔

''میں جیت گئی، میں نے آپ سب کو ہرا دیا، آئی ایم ونر۔'' اس کا خوبصورت چہرہ خوشی و جوش سے دہکنے لگا تھا اور وہ تینوں اپنی چھوٹی سی بے ایمانی پر مطمئن تھے کہ ان کی بہن خوش تھی، نیناں شیرازی نے آنکھوں میں آئی نمی صاف کرتے ہوئے اپنے بچوں کے ساتھ اور پیار کی دعا کی تھی اور مسکرا دی تھیں۔

☆......☆......☆

''یار، ہمیں اتنی بڑی بات گھر والوں سے نہیں چھپانی چاہیے۔'' عبیر نے اسے قائل کرنے کی کوشش کی تھی۔

''مجبوری ہے یار، کہ اگر ڈیڈی کو بھنک بھی پڑ گئی تو وہ کبھی اجازت نہیں دیں گے اور ممی کو تو تم جانتے ہو ان سے کچھ ان کی مرضی و پسند کے خلاف منوانا ناممکنات میں سے ہے۔'' وہ اپنے فیصلہ پر ہی ڈٹا ہوا تھا۔

''ایک دفعہ پھر سوچ لو ایبان کہ بات معمولی نہیں ہے ہم دونوں کے لیے ہی مسئلے کھڑے ہو جائیں گے۔'' عبیر کسی سے کچھ چھپانے کو راضی نہ تھا اور ایبان کچھ بتانے سے گریزاں تھا۔

''وہ بعد کی بات ہے کہ آج کل ڈیڈی کچھ پریشان ہیں وہ میری بات نہیں سمجھیں گے اور میں یہ جانتے ہوئے کہ ممی مخالفت کریں

گی ڈیڈی سے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ممی کی کسی بات سے ڈیڈی اختلاف کم ہی کرتے ہیں اس لیے میں بعد میں ممی کو اموشنلی بلیک میلنگ کے ذریعے راضی کرلوں گا۔'' وہ اس کی سنے سمجھے بغیر اپنی ہی کہے جا رہا تھا۔

''وہ تو تم ابھی بھی کر سکتے ہو کہ آج تو ابران بھیا بھی آئے ہوئے ہیں، تم ان کے ذریعے اپنی ضد بواء سے منوالو کہ بواء ابران بھیا کی معمولی سی فرمائش بھی رد نہیں کرتیں اس لئے تم انہیں اپنا سپورٹر بنالو۔'' اس نے نیا آئیڈیا اس کے سامنے رکھا تھا۔

''ابران بھیا، ممی کے خلاف جا کر کچھ نہیں کرتے یہ جانتے ہوئے بھی تمہیں لگتا ہے کہ وہ مجھے سپورٹ کریں گے تو یہ تمہاری بے وقوفی ہے۔'' اس نے دانت پیستے ہوئے گویا عبیر کا مذاق اڑایا تھا۔

''تم سب کچھ خود سے کیوں فرض کیے جا رہے ہو، کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔'' وہ بری طرح تپ کر بولا تھا۔

''حرج ہے اسی لیے تجھ سے اس موضوع پر ہزار بار بحث کر چکا ہوں۔'' وہ بھی ناگواری سے بولا تھا۔

''ٹھیک ہے تجھے سب سے چھپانا ہے تو تُو چھپا میں اپنے گھر میں سب کو بتا رہا ہوں کہ پاپا ابھی مان جائیں گے انہیں بعد میں ایک کام ہونے کے بعد منانا بہت مشکل ہو جائے گا کہ وہ بواء کی طرح جذباتی بلیک میلنگ میں نہیں آتے۔'' اس نے بھی صاف بات کی تھی جو اسے پسند نہیں آئی تھی اور ان کے درمیان نئی بحث چھڑ گئی تھی جس سے تنگ آ کر نہ چاہتے ہوئے بھی عبیر نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

☆......☆......☆

''ضرورت سے زیادہ چمک رہی ہو۔ کیا کوئی خاص ایونٹ ہے؟'' پنک اسٹائلش سے سوٹ میں نیچرل میک اپ کیے بہت پیاری لگتی شیریں کو عبیر نے چھیڑا تھا۔

''ہم تو درخشاں ستارے ہیں چمکتے دمکتے ہی رہتے ہیں یہ اور بات ہے کہ شیریں ارمان شیرازی کی برتھ ڈے کسی ایونٹ سے کم نہیں ہے۔'' اس نے بے نیازی سے کہا تھا اس کے جواب پر سب ہی مسکرا دیئے تھے۔

''انسان کو اتنا خوش فہم نہیں ہونا چاہیے۔'' لاجواب ہو جانے کے باوجود عبیر اسے چھیڑنے سے باز نہیں آیا تھا۔

آج شیریں کی برتھ ڈے تھی اور اتفاق سے آج سنڈے تھا سب اس کا گفٹ لے کر صبح سے پہنچنا شروع ہو گئے تھے اور ان سب کے پرزور اصرار پر اس نے لاثانیہ میں انہیں ٹریٹ دینے کی حامی بھرلی تھی اسی لئے ساری ینگ پارٹی لنچ کے لیے لاثانیہ میں جمع ہو گئی تھی۔

''تم نے شہیر کو انوائٹ نہیں کیا تھا؟'' وہ سب کیک کاٹنے کا کہنے لگے تو یمانی نے شیریں سے پوچھا کہ عبیر تو ان کے ساتھ ہی آیا تھا جبکہ شہیر سالار کا کہیں اتا پتہ نہیں تھا۔

''نہیں، اور میں ان کو انوائٹ کیوں کرتی، جب انہوں نے مجھے وش تک نہیں کیا۔'' وہ اسکی تیز نظروں سے خائف ہوتی وضاحت دے گئی تھی اور وہ غصہ کا اظہار کرنے کو تھی کہ قدموں کی چاپ پر چونکی اور یمانی ہی نہیں شیریں بھی شہیر سالار کو دیکھ کر متحیر رہ گئی تھی۔

''ہیپی برتھ ڈے شیریں۔'' اس نے شیریں کی خوبصورت آنکھوں میں حیرت دیکھ کر نرمی سے اسے وش کیا تھا۔

''تھینکس!'' وہ اسی حیرت کے ساتھ کہتی اس کے ہاتھ سے بوکے لے گئی تھی۔

''میں اپنے اس دن کے رویے کے لیے تم سے معذرت خواہ ہوں۔'' اس کے دھیمے سے کہنے پر وہ مزید حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی تھی کہ اسے اول تو اس کے یہاں آنے کی ہی توقع نہ تھی مگر وہ غیر متوقع طور پر بن بلائے آیا تھا اور سوری بھی کر رہا تھا۔

''بٹ میں اٹس او کے نہیں کہہ سکتی کہ آپ نے ہمیشہ میری انسلٹ کی، اپنی برتھ ڈے کی شام میرا گفٹ اٹھا کر پھینک دیا اس دن مجھے تھپڑ۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہو گئے تھے آواز بھرا گئی تھی تو اس نے لب بھینچ لئے۔

''میں ایکسکیوز کر تو رہا ہوں ناں، اور شیریں کوئی شرمندہ ہو تو ہمیں اس کا ایکسکیوز قبول کر لینا چاہیے۔'' وہ آج یہاں صرف اس لیے آیا تھا کہ سالار مصطفیٰ اس سے ناراض تھے اور وہ باپ کی ناراضگی دور کر دینے کے لیے پہلے اس کی ناراضگی دور کرنا چاہتا کہ اسے تکلیف دے کر تو اس نے اپنے باپ کو تکلیف پہنچائی تھی اور وہ اسی کے ازالے کے لیے آج یہاں اس کے بنا بلائے آیا تھا اور اس کی نم پلکیں دیکھ کر نہ جانے اس کے دل کو کیا ہوا تھا کہ وہ اس کے لفظوں سے ابھرنے والے غصہ کو دبا تا نرمی سے کہہ گیا تھا۔ شیریں نے اسے دیکھا تھا اس کا خوبصورت چہرے کا ایک ایک نقش نرمی کا تاثر دے رہا تھا کہ اس نے اب تک تو اسے خاص اپنے لیے انگارے چباتے ہی دیکھا تھا۔

''آپ سوری نہ کریں کہ آپ مجھ سے بڑے ہیں۔ مجھے آپ کا سوری کرنا اچھا نہیں لگ رہا۔'' آنسو آنکھوں سے نکل کر رخساروں پر لڑھکنے لگے تھے۔ اس کی آنکھوں میں کچھ انوکھے سے جذبے جاگ اٹھے تھے۔ اندر داخل ہو کر اپنی ریزروسیٹ کی جانب بڑھتے زعیزعہ خان کے قدم ٹھٹک گئے تھے اس کی نظر شیریں پر تھی جو پہلی ملاقات کے مقابلے میں آج نک سک سے تیار اس کے ہوش خطا کر دینے پر تلی تھی کہ اس کی آنکھوں سے گرتے آنسو اس کے عنابی رخساروں کو عجب سی رعنائی بخش گئے تھے۔

''بس آپ پرامس کر لیں کہ آئندہ مجھے بالکل نہیں ڈانٹیں گے۔'' اس نے اپنے مومی ہاتھ کی گلابی ہتھیلی اس کے سامنے کر دی تھی وہ جھجک گیا تھا اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھنے سے کہ اس کے دل کی دھڑکن کا ساز بھی عجب تھا جو اسے پریشان کرنے کو کافی تھا۔

''آپ وعدہ نہیں کر رہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کا مجھے ڈانٹتے رہنے کا ارادہ ہے۔'' اس نے آنسو رگڑتے خفگی سے کہا تھا اس کے لب مسکرا اٹھے تھے۔

''پرامس، اب تمہیں بالکل نہیں ڈانٹوں گا۔'' اس کی نگاہ شیریں کے کھل جانے والے چہرے پر تھی۔ دو نگاہیں زعیزعہ خان کی بھی اس چہرے پر جمی تھیں جسے اس نے ایک اچانک سی ملاقات کے بعد پہروں سوچا تھا۔

''گوڈ پرامس۔'' اس نے ہتھیلی بھر کر اس کے سامنے کی تھی۔ اب کے اس نے مسکرا کر اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ وہ سرشاری سے پلٹ گئی تھی جبکہ وہ اس کے ذرا سے لمس پر اندر تک کھل اٹھا تھا جبکہ وہ اب خوشی خوشی ساری تفصیل خواہش وغیرہ کو بتا رہی تھی۔ زعیزعہ خان نے اپنی چیئر سنبھال لی تھی اس کے سامنے اس کی بہت خوبصورت گرل فرینڈ بیٹھی تھی مگر اس پر اس کی توجہ نہیں تھی کہ اس کی توجہ کے تمام سرے کچھ فاصلے پر بیٹھی ہوئی شیریں پر تھے جو سب کی تالیوں میں کیک کاٹ رہی تھی۔ لنچ کرتے ہوئے بھی اس کی توجہ مہرین پر نہیں تھی جو

اس نے محسوس کرلیا تھا اور اظہار بھی کر بیٹھی تھی۔

''میرے سر میں درد ہو رہا ہے بس اس لئے، تم کہو میں سن رہا ہوں۔'' اس نے مہرین کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اسے ٹالا تھا اور اس کی جانب متوجہ ہوگیا تھا کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اسے کسی قسم کا شک ہو اور اسے جیسے ہی لگا وہ سب جانے کی تیاریوں میں ہیں اس نے مہرین کو گاڑی میں جا کر بیٹھنے کو کہا اور خود جان کر چھوڑے گئے وائلٹ کو اٹھانے کے بہانے سے واپس ریسٹورنٹ میں آ گیا کہ اس نے شیریں کو ایک لڑکی کے ساتھ ریسٹورنٹ سے نکلتے دیکھ لیا تھا مگر وہ اس سے کچھ کہہ نہیں سکتا تھا کہ وہ اکیلی نہیں تھی اور وہ واپس بھی نہیں پلٹ سکتا تھا کہ اس نے اپنا وائلٹ لینا تھا، وائلٹ اٹھا کو وہ پلٹا اور عجلت میں اندر آتی شیریں سے ٹکرا گیا۔ وہ توازن کھوتی گرتی کہ وہ اس کا گداز بازو تھام گیا تھا۔ دونوں کی نگاہیں ٹکرائی تھیں اسے دیکھ کر اسے ناگواری کا احساس ہوا تھا کہ اسے دیکھتے ہی اس دن کی حرکت جو یاد آ گئی تھی جبکہ وہ اس حسن کے پیکر کو بہت نزدیک سے دیکھتا سرشار ہی تو ہوگیا تھا کہ اس دن کے بعد اسے اس نے بہت سوچا تھا اس سے ٹاکرا نہیں ہو پا رہا تھا اور آج سامنا ہوا تھا تو کوئی بات نہیں ہو پائی تھی وہ جو مایوس ہو کر غصہ کا شکار ہونے لگا تھا۔ اس کے سامنے آ جانے پر کھل اٹھا تھا جو اپنا بازو چھڑاتی ڈھلک جانے والے آنچل کو دونوں شانوں پر برابر کرنے لگی تھی اور اس کی توجہ کے تمام سرے اس سے جا ملے تھے جو ایک گھوری اس پر ڈالتی جلدی سے ٹیبل کی جانب بڑھی تھی اور سیل فون اٹھا لیا تھا مگر وہ اس وقت ساکت رہ گئی جب زعیزعہ خان نے اس کے ہاتھ سے سیل فون جھپٹا تھا اور اس کے کچھ سمجھنے سے پہلے اس نے شیریں کے نمبر پر اپنے نمبر پر مس کال دی تھی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے، میرا موبائل واپس کریں۔'' وہ حیرانگی سے نکلتی غصہ سے بولی تھی۔

''ابھی چلتا ہوں، بہت جلد ملیں گے برتھ ڈے گرل!'' وہ ہرگز بھی اس کے غصہ سے متاثر نہیں ہوا تھا اور اس کا ہاتھ تمام کر سیل فون اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا تھا۔ اس نے ہاتھ جھٹکے سے چھڑا لیا تھا مگر اس کی اتنی ہمت پر اس کے لب جیسے سل سے گئے تھے۔

''تم یوں ڈری سہمی، ایک معصوم ہرنی کی مانند دلکش لگ رہی ہو۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا تھا وہ بے اختیار دو قدم پیچھے ہوگئی تھی۔

''کاش، کہ اس وقت میرے پاس آئینہ ہوتا اور میں تمہیں تمہارا سہا ہوا دلکش روپ دکھاتا۔'' وہ اس کے قریب آ کر دلکشی سے کہتا اس کو مزید ہراساں کر گیا تھا۔

''مگر افسوس میرے پاس آئینہ نہیں ہے اور میری آنکھوں میں تم دیکھ نہیں پاؤں گی، سو گڈ بائے ہرنی۔'' وہ شیریں کے بے حد حسین چہرے کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھتا اس کی سرمگیں آنکھوں میں جھانکتا کہہ کر رکا نہیں تھا جبکہ اس کے آنسو رخساروں پر لڑھکنے لگے تھے۔

''شیریں۔'' ابران کی آواز پر اس نے سر اٹھایا اور وہ اسے روتے دیکھ کر پریشانی سے اس کے نزدیک آ گیا۔

''کیا ہوا ہے شیریں، کیوں رو رہی ہو؟'' اس کے لہجے میں بہن کے لیے فکر تھی۔

''سیل فون مل نہیں رہا تھا۔'' وہ اس کے کاندھے پر سر رکھتے ہوئے سسکی تھی۔

''اتنے سے سیل فون کے لیے اتنے قیمتی آنسو بہا ڈالے، یار نہیں مل رہا تھا تو نہ ڈھونڈتیں میں تمہیں نیا سیل فون گفٹ کر دیتا۔'' وہ پیار سے بولا تھا کہ آج ہی تو اس نے شیریں کو یہ مہنگا ترین موبائل گفٹ کیا تھا وہ بھائی کی بات پر روتے سے مسکرا دی تھی کہ اس نے بھائی کو تو مطمئن کر دیا تھا مگر اس کا اطمینان رخصت ہو گیا تھا کہ رہ رہ کر اس کی گفتگو اور بے باک نظریں یاد آ رہی تھیں۔

☆......☆......☆

''ہیلو!'' وہ بے خبر سو رہی تھی کہ زور و شور سے بجتے موبائل کی آواز پر اس کی نیند ٹوٹی تھی اور اس نے ہاتھ مار کر سیل فون تلاشا تھا اور نمبر دیکھے بغیر کال ریسیو کر لی تھی۔

''میرا گفٹ کیسا لگا تمہیں ہرنی۔'' اس کی نیند کے خمار میں ڈوبے ''ہیلو'' کے جواب میں وہ دلکشی سے پوچھ رہا تھا اور لفظ ہرنی پر اس کی نیند اڑن چھو ہو گئی تھی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''آ......آپ۔'' لہجہ کانپ رہا تھا اور وہ کوئی معقول جملہ تک لبوں سے ادا نہیں کر سکی کہ دوپہر میں اس کا موڈ آف اور اطمینان رخصت ہو گیا تھا کہ کسی لڑکے نے پہلی دفعہ اس کی راہ روک کر جملے بازی کی تھی اسی لئے وہ اتنی ڈسٹرب ہوئی تھی کہ اس کی برتھ ڈے کی وجہ سے سب ہی نیناں ولاز میں جمع تھے مگر وہ بہت خاموش تھی اس کی غائب دماغی کو سب ہی نے محسوس کیا تھا مگر وہ تھکن کا بہانہ کر گئی تھی اور بہت مشکل سے سوئی تھی کہ اس کی فون کال نے اسے جگا دیا تھا۔

''مجھے زعیزعہ خان کہتے ہیں۔'' اس کی گڑبڑاہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے تعارف کروایا تھا۔

''آپ کوئی بھی ہوں اتنی رات کو پریشان کرنے کا مقصد؟'' وہ اس پر بگڑی تھی کہ وہ اس وقت تو کچھ کہہ اور کر ہی نہیں پائی تھی جب اس نے اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے نمبر سے اپنے نمبر پر مسڈ بیل دے کر اس کا نمبر حاصل کیا تھا۔

''کیوں، تمہیں کیا رات کو ڈسٹرب کرنے پر پابندی ہے؟'' وہ ذومعنی لہجے میں پوچھ رہا تھا اور وہ اس کے بے باک جملے پر کانوں کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی تھی اور دوسرے ہی لمحے لائن کاٹ دی تھی لیکن سیل پھر بجنے لگا تھا مگر اس نے توجہ نہ دی تو میسج ٹون بج اٹھی۔

''تم نگاہ کے راستے دل میں اتر گئی ہو ہرنی! بات کرو مجھ سے۔ میں تمہاری آواز کی نرمی، لہجے کا ترنم اپنے دل پر محسوس کرنا چاہتا ہوں۔ پلیز پک مائی کال۔'' اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑنے لگے تھے کہ دوسرا میسج آیا تھا۔

''تم نے میری کال ریسو کر کے مجھ سے بات نہ کی تو میں تمہارے گھر کا نمبر ڈھونڈ نکالوں گا اور یقیناً میرا لینڈ لائن نمبر پر کال کرنا تمہیں اچھا نہیں لگے گا۔'' اس کی دھمکی پڑھ کر وہ باقاعدہ کانپنے لگی تھی اور وہ اس کی بات سے اتنا ڈری کہ بے سوچے سمجھے اس کی کال ریسیو کر گئی۔

''آپ مجھے کیوں پریشان کر رہے ہیں؟ مجھے آپ سے بات نہیں کرنی ہے۔''

اس کے لہجے میں کپکپاہٹ و نمی محسوس کر کے اسے عجیب سی راحت ملی تھی۔

''تمہیں مجھ سے بات نہیں کرنی نہ کرو میں تم سے بات کر لیتا ہوں مائی ڈیئر ہرنی۔'' وہ دلربائی سے بولا تو اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔

''بتادو یار، میرا گفٹ کیسا لگا؟'' وہ اس کی خاموشی محسوس کر کے سگریٹ سلگاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''بہت برا، میں نے اسے اپنی وارڈروب کے سب سے نچلے خانے میں ڈال دیا تھا۔ یہ پتہ ہوتا کہ آپ نے دیا ہے تو ڈسٹ بن میں ڈال دیتی۔'' وہ ناگواری سے بولی تھی اور وہ قہقہہ لگا گیا تھا۔

''تمہیں گیارہ لاکھ کا بریسلیٹ پسند نہیں آیا ہرنی؟ خیر قیمتی لوگوں کو اتنے حقیر تحفے پسند بھی نہیں آتے کہ وہ کتنا ہی قیمتی سہی تمہارے آگے تو بے مول ہی ہے ہرنی۔'' وہ دلکشی سے کہتا کش لگانے لگا تھا اس نے اتنا قیمتی تحفہ اپنی ایک گرل فرینڈ جو کہ اس کی کزن بھی تھی کو دینے کے لیے خریدا تھا اور اتفاق سے اس کے کوٹ کی جیب میں موجود تھا اس لئے اس نے شیریں کو وہ بریسلیٹ برتھ ڈے گفٹ کے طور پر دے دیا تھا۔ اس نے جب گھر آکر سب کے کہنے پر سب کے گفٹ کھولے تھے تو اتنا قیمتی تحفہ کس نے دیا یہ بات معمہ بنی رہی تھی کہ سب ہی موجود تھے مگر کسی نے بھی اقرار نہیں کیا تھا کہ یہ بریسلیٹ اس نے شیریں کو گفٹ کیا ہے تب اس کے ذہن میں کچھ کھٹکنے لگا تھا اس لیے اس نے بے دلی سے وہ گفٹ پیک الماری میں ڈال دیا تھا مگر اس کے کھٹکے کی اس نے تصدیق کر دی تھی وہ آگے کچھ اور بھی کہہ رہا تھا مگر اب اس نے نہ صرف کال ڈسکنیکٹ کی تھی موبائل بھی آف کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

شہیر سالار جس دن سے شیریں کی برتھ ڈے پارٹی سے آیا تھا شیریں کو اپنے آس پاس اور دل کے بہت نزدیک محسوس کر رہا تھا اور اپنے دل کی حالت خود اس کے لیے ہی پریشانی کا باعث تھی کہ وہ یہ بات تسلیم کرنے کو راضی نہ تھا کہ کچھ دن پہلے تک جو لڑکی اسے بہت بری لگتی تھی، جس کی حرکتیں، جس کے انداز اس کو غصہ دلاتے تھے وہی لڑکی دل کا قرار بن گئی تھی اسے چاہتے نہ چاہتے ہوئے بھی سوچ رہا تھا اور اس کو سوچنا اسے بہت اچھا بھی لگ رہا تھا۔

''میرے دل کو آخر کیا ہو گیا ہے، محبت کرنے لگا بھی ہے تو شیریں سے، جس کو میں سخت ناپسند کرتا تھا اور مما کی بے اعتباری کے بعد شاید نفرت کرنے لگا تھا اور اب ایکدم سے اس کے لیے محبت کا احساس کیسے جاگ اٹھا؟ وہ الجھا سا بیٹھا خود سے ہی سوال کر رہا تھا (تم نے شہیر سالار کبھی شیریں شیرازی سے نفرت نہیں کی کہ تم اس سے نفرت کر ہی نہیں سکتے کہ تم نہ جانے کب سے اس کی محبت میں مبتلا تھے بس احساس اب ہوا ہے) وہ اپنے وجدان اور اندر کی آواز پر ساکت بیٹھا رہ گیا تھا کہ وہ اپنے وجدان کو جھٹلا نہیں پا رہا تھا۔

☆......☆......☆

''آپ کچھ بول کیوں نہیں رہے، میں جانتی ہوں آپ سو نہیں رہے۔''

''پلیز نیناں، چپ کر کے سو جاؤ۔'' وہ غصہ سے کہتے لائٹس آف کر گئے تھے۔

''آپ مجھ سے خفا ہو گئے ہیں بٹ آپ کے انکار کے باوجود میں نے اتنا بڑا قدم اس لیے اٹھایا کہ مجھے آپ پر یقین و مان تھا کہ آپ میری بات رکھ لیں گے۔'' وہ لائٹس آن کرتیں ان کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی تھیں۔

''یہ مان مجھے بھی تھا کہ تم میری بات مان کر فیصلہ بدل دوگی۔'' آنکھیں وا کیں اور بھرپور ناراضگی سے کہتے اونچا ہو کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا گئے تھے۔

''آئی ایم سوری، بٹ آپ ہمیشہ میری بات مان لیتے ہیں ناں تو اس لیے......''

''اس لیے تمہیں احساس نہیں ہوتا کہ تمہیں بھی میری کوئی بات مان لینی چاہیے۔'' بات اچک کر من مرضی کا جملہ جوڑا تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔'' انہوں نے شوہر کو دیکھا جو اس وقت غصہ میں بھی تھے اور کچھ خفا بھی تھے۔

''ایسی ہی بات ہے، اگر تمہاری نگاہ میں میرے انکار کی اہمیت ہوتی تو تم اتنا بڑا اقدم خود سے نہ اٹھاتیں۔'' وہ چبا چبا کر بولے تھے اور وہ کچھ نہیں کہہ سکی تھیں کہ انہوں نے جو کیا تھا صرف بیٹے کی محبت میں کیا تھا ان کے بار بار انکار پر انہوں نے سالار مصطفیٰ کی مدد سے اپنی سیٹ کنفرم کروالی تھی اور رہائش کا مسئلہ فراز نے حل کر دیا تھا کہ یہ بھی اتفاق تھا کہ جب وہ بھائی سے بات کر رہی تھیں فراز نے ان کی باتیں سن لی تھی وہ رہائش کو لے کر پریشان تھیں اور اس نے اپنی خدمات پیش کر کے ان کا مسئلہ حل کر دیا تھا کہ لندن میں اس کا ذاتی اپارٹمنٹ تھا وہ صرف ابران کی وجہ سے ہاسٹل میں رہ رہا تھا کہ ابران کا کہنا تھا کہ ہاسٹل میں کھانے پینے کا مسئلہ نہیں ہوتا، اکیلے رہیں گے تو سب کام خود کرنا ہوں گے اس لیے وہ اس کے اپارٹمنٹ میں رہنے کو راضی نہیں ہوا تھا اور اس نے دوست کے لیے ہاسٹل میں رہنے کو ترجیح دی تھی کہ ابران کی بات تھی بھی صحیح۔ اس لیے وہ اکثر ویشتر ڈے نائٹ پر فلیٹ پر چلے جاتے تھے۔ آج ارمان شیرازی کے ہاتھ ان کا پاسپورٹ لگ گیا تھا اور جب سے ہی وہ غصہ ہو رہے تھے اور وہ انہیں منا نہیں پا رہی تھیں کہ زندگی کے طویل سالوں میں بھی وہ اس ادا سے نابلد رہی تھیں کیونکہ ارمان شیرازی نے ان کی بات مان کر، ان کی کج ادائیاں سہہ سہہ کر انہیں اپنی طرف سے لاپرواہ بنا دیا تھا کہ وہ ان سے روٹھ نہیں پائے تھے ان کی آنکھوں میں شرمندگی دیکھ کر ہی نرم پڑ جاتے تھے یہی وجہ تھی کہ آج وہ جو کچھ بھی تھیں صرف ارمان شیرازی کے سبب تھیں اور نہیں تھیں اس کا کریڈٹ بھی انہیں ہی جاتا تھا۔

''سوری، بٹ یقین کریں کہ جو کیا صرف ابر کے لیے، کہ جب سے اس کا منفی رویہ سامنے آیا ہے میں بہت ڈر گئی ہوں۔'' وہ رونے لگی تھیں اور وہ ناراضگی بھولنے لگے تھے کہ وہ انہیں کتنا ہی ہرٹ کر جاتی تھیں ان کا غصہ، دکھ سب ان کے آنسوؤں میں بہہ جاتا تھا۔

''اس لیے میں ابر کے ساتھ سائے کی طرح رہنا چاہتی ہوں تاکہ وہ کچھ منفی سوچ لے تو مجھے پتہ چلنے میں اتنی دیر نہ لگے اور میں وہاں اس کے ساتھ ہوں گی وہاں ایسا کوئی شخص نہیں ہوگا جو اسے ناپسند ہے تب میں اسے آسانی سے سمجھا سکوں گی، میرا میرے بیٹے کے ساتھ جانا اس کی شخصیت سازی کے لیے بہت ضروری ہے کہ اس کے منفی جذبوں کو مثبت ڈائریکشن دینے کے لیے میں جانتی ہوں مجھے ہی کچھ کرنا ہوگا اور اس کے لیے سب سے پہلے ضروری ہے کہ اسے میں بتاؤں کہ اس کی ماں اس سے دور نہیں ہے اسی لیے تو میں چاہتی ہوں کہ آپ بھی ساتھ چلیں مگر آپ مجبور ہیں اور مجھے پلیز مجبور نہ کریں۔'' وہ ان کے کاندھے پر سر رکھے سسکتے ہوئے بول رہی تھیں۔

''میں اسی لیے تمہیں نہیں جانے دینا چاہتا کہ اگر تم وہاں گئیں اور اس کی سوچ نہ بدل سکی تو تم خود کو غلط ٹھہراؤ گی جبکہ میں جانتا ہوں

کہ جب ابران یہاں آئے گا، ہر رشتے کو بہت قریب سے لمحہ لمحہ دیکھے گا تو خود اس کی سوچ بدل جائے گی۔ رشتوں کو محسوس کرے گا تو وہی رشتے جو برے لگتے ہیں اچھے لگنے لگیں گے اس لیے جہاں گیارہ بارہ سال انتظار کر لیا ہے ساتھ آٹھ ماہ مزید انتظار سہی۔'' وہ ان کے نفس آشنا تھے بن کہے پر سب سمجھ گئے تھے اس لیے پھر نرمی سے قائل کرنا چاہ رہے تھے مگر وہ قائل تو ہو گئی تھیں مگر فیصلہ برقرار تھا اس لئے ہمیشہ کی طرح چاہتے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ان کی ضد مان گئے تھے اور جب ابران کو ماں کے نئے فیصلے کا پتہ چلا تھا اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔

''ممی! آپ سچ میں میرے ساتھ جا رہی ہیں'' خوشی سے تمتماتے چہرے کے ساتھ وہ بڑی آس سے پوچھ رہا تھا اور ان کا مثبت جواب سن کر اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے تھے۔

''لڑکے روتے ہوئے بہت برے لگتے ہیں مائی سن۔'' اس کی بے کراں خوشی محسوس کرتے ہوئے وہ نرمی سے بولی تھیں اور اس کے آنسو صاف کرنے لگیں تو وہ مسکرا دیا۔ شیریں نے جیسے ہی سنا وہ ساتھ جانے پر بضد ہو گئی مگر اس کی پڑھائی کا حرج ہوتا اس لیے اسے ساتھ نہ جانے پر انہوں نے نرمی سے قائل کر لیا تھا کہ انہیں قائل کر لینا بہت اچھے سے آتا تھا۔

☆......☆......☆

''آ جاؤ شیریں، میں چھوڑ دوں گا۔'' آج ان کا کیمسٹری کا لاسٹ پریکٹیکل تھا روبیجا وین سے جاتی تھی اس لیے وہ کب کی چلی گئی تھی اور خواہش کو خلاف توقع عبیر کی جگہ شہیر لینے آ گیا تھا اور اسے بھی ساتھ چلنے کی آفر کی تھی۔

''نہیں شہیر بھیا! ایبان لالہ راستے میں ہیں وہ آ رہے ہیں مجھے لینے، آپ چلے جائیں۔'' اس کی میٹنگ تھی اس لیے وہ اسے اکیلے چھوڑ جانے پر مجبور ہو گیا کہ اسے تسلی بھی تھی کہ ایبان کچھ دیر میں اسے لینے پہنچ جائے گا مگر جیسے آدھا گھنٹہ پہلے گزرا تھا آدھا گھنٹہ مزید گزر گیا اور سوئے اتفاق اس کے سیل کی بیٹری لو ہو گئی تھی اس لئے وہ کسی سے رابطہ بھی نہیں کر سکی تھی اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے تھے کہ اگر اس کی کلاس رومیٹ فروا اسکندر کا ساتھ نہ ہوتا تو وہ اکیلے سنسان سڑک پر کبھی کھڑی نہ رہ پاتی کہ فروا کو اس کے کزن نے لینے آنا تھا دونوں کسی نہ کسی کا انتظار کرتے ہوئے ایک دوسرے کو کمپنی دے رہی تھیں یہ اور بات تھی کہ فروا کو اس کے ہونے نہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا تھا جبکہ اس کے لیے فی الوقت فروا سب سے بڑا اسہارا تھی۔

''میں اس لیے خود سے آتی جاتی ہوں کہ دوسروں کے آسرے پر رہو تو یونہی کوفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔'' فروا اس کو دیکھتے ہوئے بولی تھی کہ انتظار کرنا اس کی فطرت میں ہی نہ تھا۔ وہ جلد باز قسم کی لڑکی تھی مگر جب زعیزعہ خان نے خود سے لینے کی آفر کی تو وہ انکار نہ کر سکی اور ڈرائیور کو فون کر دیا تھا جو آ کر گاڑی لے گیا تھا اس لیے اب وہ زعیزعہ خان کا انتظار کرنے پر مجبور تھی۔

''تمہیں اکیلے ڈر نہیں لگتا؟'' شیریں کی بات پر وہ بے ساختہ ہنس دی تھی۔

''نہیں، لیکن یقیناً تمہیں ڈر لگتا ہے اسی لیے روز اپنے بھائیوں کے ساتھ آتی جاتی ہو۔'' اس نے شیریں کا گویا تمسخر اڑایا تھا وہ اسے تقریباً دو سال سے جانتی تھی کہ فرسٹ ائیر سے وہ شیریں کی کلاس فیلو تھی اس کی مگر ان تینوں سے صرف ہیلو ہائے تھی کہ وہ الگ نیچر اور الگ قسم کی گیدرنگ رکھتی اس کے گروپ میں لڑکے بھی تھے جبکہ وہ صرف تینوں ہی ایک دوسرے کی دوست تھیں۔

''مجھے ڈر نہیں لگتا مگر میں اپنوں کے ساتھ میں خود کو سیکیور فیل کرتی ہوں۔'' وہ اپنے مخصوص نرم لہجے میں بولی تھی اور اسی وقت بلیک مرسیڈیز آ کر رکی تھی وہ فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھتی کہ شیریں کو دیکھ کر وہ گاڑی سے اتر آیا تھا کہ وہ خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو چکا تھا کہ اسے ایک فیصد بھی امید نہیں تھی کہ فروا سکندر کو لینے آئے گا تو سامنا اس سے ہو جائے گا۔ اس کو دیکھ کر تو اس کی سٹی گم ہو گئی تھی کہ جس طرح کی گفتگو اس نے فون پر کی تھی اس کے بعد تو اس نے اپنا سیل اس کے بعد رات کے وقت آن ہی نہیں کیا تھا جبکہ اس بات کو اب پندرہ دن ہونے والے تھے۔

''فروا! اپنی دوست سے میرا تعارف نہیں کرواؤ گی۔'' وہ اس کو اترتے دیکھ کر رک گئی تھی اور اس نے دلکشی سے فروا کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''شی از مائی کلاس فیلو شیریں ارمان شیرازی، اور شیریں یہ میرے کزن زعیزعہ خان ہیں۔'' اس نے بلا جھجک تعارف کروایا تھا۔

''ہیلو نائس ٹو میٹ یو شیریں۔'' اس نے شگفتگی سے کہہ کر ہاتھ اس کی جانب بڑھایا تھا جو وائٹ یونیفارم پر کاسنی رنگ کا اسٹائلش اسکارف سر پر اچھی طرح لپیٹے وائٹ، ریڈ ربن لگا کر دوپٹہ سلیقے سے اوڑھے نہایت سادگی میں بھی اسے بے حد خاص لگی تھی کہ سامنے کھڑی لڑکی میں انوکھی جاذبیت اور چہرے پر بھولپن تھا جو اسے کتنی ہی لڑکیوں میں ممتاز کرتا تھا۔

''آ جاؤ یار زعیزعہ، یہ ہاتھ نہیں ملائے گی اپنا اور میرا وقت ضائع نہ کرو۔'' وہ شیریں کے سرخ چہرے کو دیکھ کر کہتی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

''تم مجھ سے ہاتھ کیوں نہیں ملاؤ گی کیا میں اتنا برا ہوں؟'' وہ شائستگی سے پوچھ رہا تھا۔ اس نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا وہ دراز قد، گوری رنگت اور تیکھے نین نقش کا حامل مردانہ وجاہت کا شاہکار تھا مگر اس کی سیاہ آنکھوں میں دوڑتے سرخ ڈورے وہ عجیب سے احساس میں مبتلا ہوتی چند قدم پیچھے ہوئی تھی کہ اس نے اتنی سرخ آنکھیں کسی کی نہیں دیکھی تھیں کہ اپنی فیملی کے مردوں کے علاوہ کبھی کسی غیر مرد سے اس کا واسطہ نہیں پڑا تھا اسی لیے وہ زعیزعہ خان سے خائف ہو گئی تھی۔

''یار ترس گیا ہوں تمہاری سریلی آواز سننے کو اچھا نہ سہی، کچھ برا ہی کہو مگر چپ نہ رہو۔'' وہ اسے بولنے کو اکسا رہا تھا مگر وہ کچھ بولے بغیر ابیان کے جلدی سے آ جانے کی دعا کرنے لگی تھی۔

''تم اپنا سیل فون اکثر آف کیوں رکھتی ہو؟ تم کیا سمجھتی ہو میں تمہارا لینڈ لائن نمبر حاصل نہیں کر سکتا؟'' اس کی خاموشی بری طرح کھلی تھی تو دبے دبے غصہ سے کہہ اٹھا تھا۔

''پلیز آپ یہاں سے جائیے۔''

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہراساں ہو چکی تھی۔ اس کے لہجے میں واضح کپکپاہٹ تھی۔

''اتنے پیار سے کہو گی تو جانا مشکل ہو جائے گا ہرنی!'' وہ اس کے نقوش ازبر کرتا مخمور لہجے میں بولا تھا۔ اس نے نظر اٹھائیں ضرور مگر اسے ایک لمحہ بھی نہیں دیکھ سکی وہ اس کی اٹھتی اور پھر جھکتی نظر کے منظر پر دل تھام کر رہ گیا تھا کہ اس کی تو اسے ہر ادا ہی دلفریب و قاتلانہ لگتی تھی اور اپنی بے بسی پر اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔

''افسوس، کہ آج بھی میرے پاس آئینہ نہیں ہے، اور نہ ہی میری آنکھوں میں دیکھنے کی تم میں ہمت ہے۔'' وہ اس کے معصوم چہرے پر پھیلے ہراس کو دیکھ کر دلکشی سے کہتا اسے سخت برا لگا تھا مگر وہ اظہار نہیں کر پائی تھی۔

''کبھی تمہیں اپنی آنکھوں سے دکھاؤں گا کہ تم کتنی حسین ہو اور ہراساں ہو کر ہرنی لگتی ہو تو اور حسین ہو جاتی ہو۔ ابھی چلتا ہوں کہ فروا میرا ویٹ کر رہی ہے۔'' وہ ایک بھرپور نظر اس پر ڈالتا اس کا نم رخسار دھیرے سے تھپکتا گاڑی کی طرف بڑھ گیا تھا اور وہ اس کی ہمت پر ساکت رہ گئی تھی اس کا سکوت گاڑی کی آواز پر بھی نہیں ٹوٹا تھا۔ ایان نے گاڑی سے اتر کر اسے آواز دی تھی اور کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا کہ وہ چیخ مار کر دور ہو گئی تھی۔ ایان اس کے ردعمل پر پریشان ہوا تھا اظہار کرتا کہ وہ ایان کو دیکھ کر اس سے لپٹ گئی تھی جبکہ وہ زیرِ لب مسکراتا زن سے گاڑی بھگا لے گیا تھا کہ ایان کو اس نے دونوں دفعہ شیریں کے ساتھ دیکھا تھا۔ وہ اس نوجوان کو پہچان گیا تھا جبکہ ایان اس کے یوں رونے پر بے حد پریشان ہو گیا تھا مگر اس کے بار بار پوچھنے پر بھی وہ کچھ نہیں بولی تھی اور اس کا رونا بدستور جاری تھا وہ گھر میں روتے ہوئے داخل ہوئی تھی۔ آج رات ابران کے ساتھ نیناں شیرازی کی بھی لندن کی فلائٹ تھی اس لیے ارمان شیرازی آفس سے لنچ ٹائم میں ہی آ گئے تھے۔ ان دونوں کا ہی انتظار ہو رہا تھا اسے روتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ برق رفتاری سے بیٹی تک پہنچے تھے اور انہوں نے رونے کی وجہ دریافت کی تھی۔

''میں آئندہ کبھی ایان بھیا کے ساتھ نہیں آؤں گی۔ یہ مجھے لینے آنے میں ہمیشہ دیر کر دیتے ہیں، میں وہاں دھوپ میں اکیلی پاگلوں کی طرح کھڑی تھی۔'' وہ باپ کے کاندھے سے لگی بلک رہی تھی اور وہ بیٹے کو خشمگیں نگاہوں سے گھورنے لگے تھے۔

''میری گاڑی خراب ہو گئی تھی۔'' وہ منمنایا تھا۔

''گاڑی خراب ہو گئی تھی تو گھر پر انفارم کر سکتے تھے، میں لینے چلا جاتا شیریں کو، تم وہاں کھڑے گاڑی ٹھیک کرتے رہے اور وہاں شیریں اکیلی ڈرتی، پریشان ہوتی رہی، آخر کب تمہیں عقل آئے گی؟'' ارمان شیرازی بیٹے پر برس اٹھے تھے۔

''آئی ایم سوری ڈیڈی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ شیریں دیر ہو جانے کے سبب اتنا ڈر جائے گی اور میرے سیل فون کی بیٹری لو تھی ورنہ میں ادیان سے کہہ دیتا کہ وہ شیریں کو پک کر لے۔'' وہ نہایت شرمندہ تھا۔ سائرہ بیگم نے پوتی کو پچکار کر اسے فریش ہونے بھیج دیا تھا۔

''اور میں تو ریلکس اس لیے بھی تھا کہ شیریں نے کہا تھا کہ خواہش کے ساتھ ہے، مگر مجھے شہیر بھیا سے ایسی امید نہیں تھی کہ وہ شیریں کو اکیلے چھوڑ کر چلے گئے۔'' وہ پریشان ہو گیا کہ شیریں ان سب کو بہت عزیز تھی اور اسی لیے اسے شہیر سالار پر بھی غصہ آ گیا تھا۔

''شیریں بہن، تمہاری ذمہ داری ہے اور اپنی ذمہ داری کو کسی اور کے کاندھے پر ڈال کر اطمینان محسوس کرنا غیر دانشمندی ہوتا ہے اس لیے آئندہ خیال رکھنا۔'' سائرہ بیگم نہایت نرمی سے بولی تھیں اور وہ فریش ہونے چلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

''یلو کلر تم پر بہت سوٹ کر رہا ہے۔'' وہ سب انہیں ائیر پورٹ تک سی آف کرنے آئے تھے۔ وہ ابران سے بات کر رہی تھی جب

اس کے موبائل پر میسج ٹون بجی تھی۔اس نے میسج اوپن کر کے پڑھا تھا کہ دوسرا میسج آ گیا تھا۔

''اتنا حیران نہ ہو، سچ کہہ رہا ہوں، منہ بند کلی کی مانند حسین لگ رہی ہو۔'' اس نے پریشانی سے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تھی کہ اسی پل ابران نے اسے پکارا تھا وہ چونک کر ابران کی جانب متوجہ ہو گئی تھی۔

''ممی، آئی ول مس یو۔'' وہ نیناں شیرازی کے کاندھے سے لگ کر رو پڑی تھی۔

''آئی ول مس یو ٹو مائی چائلڈ۔'' انہوں نے دل گرفتگی سے کہہ کر اس کی پیشانی چومی تھی۔

''تم اپنے ڈیڈی اور بڑی ممی کو بالکل تنگ نہیں کرو گی اور ابیان سے تو بالکل جھگڑا نہیں کرو گی۔'' وہ بیٹی کو پچکارتے ہوئے ہدایات دے رہی تھیں۔

''ابیان بھیا سے میں نہیں وہ مجھ سے جھگڑتے ہیں۔'' سوں سوں کرتے ہوئے بولی تھی۔

''رونے سے اور حسین ہو گئی ہو، گلابی خمار آلود آنکھیں مزید قاتل ہو گئی ہیں لیکن ہرنی! اتنا سارا رونے کی کیوں ضرورت تھی کچھ تو اپنی حسین آنکھوں کا خیال کیا ہوتا۔'' اس کے رونے کا پروگرام لمبا ہوتے دیکھ کر ارمان شیرازی نے اسے شانوں سے تھام کر اپنے قریب کر لیا تھا اور نرمی سے اسے آنسو پونچھتے ہوئے گاڑی میں جا کر بیٹھنے کی ہدایت کی تھی۔ وہ خواہش کے ساتھ چند قدم ہی آگے بڑھی تھی کہ نیا میسج آ گیا تھا اور اس میسج کے ذریعے اس کا شک یقین میں بدل گیا تھا کہ میسج بھیجنے والا کون ہے؟ اس کے متورم چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ وہ اس کے ہی ساتھ ہی پارکنگ کی جانب بڑھنے لگا تھا کہ وہ آفس کے کام سے آج شام ہی ارجنٹلی اسلام آباد گیا تھا اور ساڑھے نو بجے اس کی واپسی بھی ہو گئی تھی مگر اس سے سامنے کی ایک فیصد بھی امید نہ تھی لیکن اچانک سامنا ہوا تھا تو وہ اسے میسج کر کے پریشان کرنے لگا تھا کہ آج دوپہر ہی تو اس نے کچھ سوچ کر فروا کی کونٹیکٹس لسٹ میں سے شیریں کا نمبر نکالا تھا کہ یہ شیریں کا اصل نمبر تھا۔ جب وہ میٹرک میں تھی جب ارمان شیرازی نے اسے جو فرسٹ موبائل گفٹ کیا تھا اس میں یہی سم کارڈ لگا ہوا تھا۔ ابران نے اس کی برتھ ڈے پر موبائل ہی نہیں اس میں نیا سم کارڈ ایکٹو کر کے دیا تھا جسے اس نے فرسٹ ڈے ہی آف کر دیا تھا مگر اس کے جتانے پر بھی اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اس کا نمبر پھر اتنی آسانی سے حاصل کر لے گا اسی لیے وہ حد درجہ مضطرب ہو گئی تھی اور ہراساں ہو کر اس نے نظریں ادھر سے ادھر گھمائی تھیں کہ وہ اسے بلیک مرسیڈیز سے ٹیک لگائے کھڑا نظر آ گیا تھا۔ اس نے بڑی دلفریب مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی تھی وہ گڑبڑاتی، سہم کر چلتی خواہش کا بازو تھام گئی تھی اس کا قیمتی موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا کہ وہ بے خیالی میں موبائل چھوڑ کر خواہش کا بازو تھام گئی تھی اس کے بے حد حسین روئے روئے سے چہرے پر ہراس دیکھ کر اسے عجب سی تقویت ملی تھی اور وہ دلفریب انداز میں مسکرا دیا تھا۔

''شیریں، کیا ہوا ہے؟'' خواہش نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا اور اس کے زرد چہرے کو دیکھ کر متفکر ہو گئی تھی۔

''وہ، وہ خواہش، وہ وہاں۔'' وہ خوف کے مارے کوئی معقول جملہ نہیں بول سکی تھی اور اس کے اشارے پر اس نے دیکھا تھا مگر اب وہاں کوئی نہیں تھا کہ زعیزعہ خان بڑی تیزی میں گاڑی نکال لے گیا تھا۔

''نہ جانے کیا ہوا ہے تمہیں، اپنا موبائل بھی پھینک دیا۔اب نہ جانے چلے گا بھی یا نہیں۔'' خواہش اس کی سمجھے بغیر اپنی کہتی جھک کر موبائل اٹھانے لگی تھی جبکہ اس کی بولتی ہی بند ہوگئی تھی جبکہ اس کی خاموشی کو سب نے ماں سے دوری کا سبب سمجھ کر کسی قسم کی تشویش کا اظہار نہیں کیا تھا۔

''مجھے نہیں بننا کوئی انارکلی۔'' وہ صاف انکاری ہوگئی تھی۔

''تم نے مزید انکار کیا تو ہم تمہیں انارکلی بننے سے قبل ہی دیواروں میں چنوا دیں گے۔'' خواہش بگڑ کر بولی تھی اس کے انداز پر شیریں اسے گھورنے لگی تھی جبکہ رویحا مسکرادی تھی۔

''تم دونوں ایک دوسرے کی حمایت کرتیں سخت بری لگ رہی ہو۔'' اس نے ان دونوں کو ناپسندیدگی سے دیکھا اور بڑی خاموشی سے کتاب پڑھتی یمانی سے مدد چاہی تھی۔

''یہ تم تینوں دوستوں کا آپسی معاملہ ہے مجھے تو دور ہی رکھو۔'' یمانی صاف پہلو بچاگئی تھی کیونکہ تینوں میں سے جس کی حمایت نہ کرتی اس نے ناراض ہوجانا تھا۔

''ممی مجھے بالکل بھی پرمیشن نہیں دیں گی۔'' وہ دونوں آج اس کی ضد پر ٹھہر گئی تھیں ناراض ہو کر جانے لگیں تو وہ بے بسی سے منمنائی تھی۔

''آنی سے اجازت میں لے لوں گی۔'' رویحا ترنت سے بولی تھی۔

اسی وقت لاؤنج میں ابیان وادیان داخل ہوئے تھے وہ فوراً ادیان کی جانب لپکی تھی اور وہ کچھ کہتا کہ رویحا بول پڑی تھی۔

''ادیان بھیا، آپ اس معاملے میں کچھ نہیں بولیں گے کہ آپ نے اگر شیریں کی حمایت کی تو میں اور خواہش آپ سے ناراض ہو جائیں گے۔''

ادیان محض مسکرا کر رہ گیا تھا جبکہ ابیان کافی دن بعد اس دشمن جاں کو دیکھ کر اندر تک سرشار ہوگیا تھا۔

''تم دونوں کچھ بھی کرلو میں نے نہیں بننا انارکلی، تم دونوں کو زیادہ ہی شوق چڑھا ہوا ہے تو ایک انارکلی بن جائے اور دوسری شہزادی سلیم۔'' ادیان یکدم گومگو کی سی کیفیت میں گھر گیا تھا کہ وہ نہایت تپے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

''دیٹس آ گریٹ آئیڈیا۔'' خواہش جوش سے بولی تھی اور اس نے آگے سے جو کہا تھا وہ سب ہی اسے حیرانگی سے دیکھنے لگے تھے۔

''آپ سب ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں۔ میں سچ کہہ رہی ہوں مجھے شہزادے کا رول پلے کرنا بہت شوق ہے کیونکہ مجھے شہزادے بہت اچھے لگتے ہیں، کتنا گریس ہوتا ہے ان کی شخصیت میں۔'' وہ نرمی سے بول رہی تھی اس کے خوبصورت چہرے پر جوش سا بکھرا تھا۔ ابیان کے لب مسکرانے لگے تھے۔

''محترمہ کی زندگی میں ایک شہزادہ آئے گا اور کہاں یہ خود شہزادہ بننے کے خواب دیکھ رہی ہیں۔'' یمنیٰ شیرازی کی بات پر وہ بری

طرح جھینپ گئی تھی۔انہوں نے شرماسی کھڑی خواہش کو خود سے لپٹا لیا تھا کہ خواہش ان سب کو بہت عزیز تھی کہ خواہش، ایان کے دل کی سب سے بڑی خواہش تھی انہوں نے کن اکھیوں سے ایان کے مسکراتے چہرے کو دیکھا تھا اور چونکی تو تب تھیں جب رویحا ان کے برابر آکر بیٹھی تھی اور ساری بات ان کے سامنے رکھی تھی انہوں نے شیریں کے اترے ہوئے چہرے کی جانب دیکھا تھا۔

''شیریں اگر پلے کرنا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' اس نے یمنیٰ کو حیرانگی سے دیکھا تھا۔

''اس طرح کی ایکٹیویٹیز میں تم ہمیشہ ہی پارٹی سپیٹ کرتی رہی ہو اس بار انکار کیوں؟'' اس کی حیرت کو دیکھ کر مسکرا کر سوال کیا تھا۔

''بڑی ممی، ٹیبلو میں پارٹی سپیٹ کرنا یا کمپیئرنگ کر لینا مشکل نہیں ہوتا بٹ ڈرامے میں، میں کام نہیں کر سکتی کہ ہماری کلاس کا کوئی لڑکا شہزادہ سلیم بنے گا اس لیے مجھے نہیں بننا انارکلی۔'' اس کا موڈ بری طرح آف ہو چکا تھا کہ آج سب ہی ان دونوں کی حمایت کر رہے تھے۔

''شہزادہ سلیم اگر خواہش بن جائے تب تو تمہیں اعتراض نہیں ہوگا ناں؟'' رویحا جلدی سے بولی تھی اور وہ گومگو کی سی کیفیت میں پھنس گئی تھی۔

''اگر شیریں کا دل نہیں چاہ رہا تو بیٹا اسے فورس نہ کرو۔'' وہ شیریں کی اتری صورت دیکھ کر بولی تھیں کہ ان دونوں کی شکلیں اتر گئی تھیں۔

''میں تمہارے لیے شہزادہ سلیم بن سکتی ہوں تو کیا تم میرے لیے انارکلی نہیں بن سکتیں؟'' خواہش کے لہجے میں ناراضی تھی۔وہ سب ایک ایک کر کے اٹھ گئے تھے۔

''یہ تم تینوں کا آپسی معاملہ ہے لڑ جھگڑ کر پیار سے جیسے چاہو نمٹو۔'' یکدم ہی یمنیٰ صاف پہلو بچا گئی تھیں کہ کسی کو بھی ناراض نہیں کر سکتی تھیں مگر وہ دونوں ہی شیریں سے ناراض ہو گئی تھیں اور ان دونوں کی ناراضگی سے خائف ہوتی وہ ہتھیار ڈال گئی تھی اور وہ دونوں خوشی سے آکر اس سے لپٹ گئی تھیں کہ ان تینوں کی دوستی ایسی ہی تھی ایک دوسرے کے لیے اپنی ضد اپنی پسند سے دستبردار ہو جانے والیں۔

☆......☆......☆

''اُف، ابر تم کتنا تنگ کرتے ہو بیٹا۔'' ابران کے مزے تھے روز نئی فرمائش کرتا اپنی پسند کی ڈشز بنواتا اور سو نخرے کر کے ماں کے زبردستی کھلانے پر کھاتا وہ جیسے ننھا بچہ بنا ہوا تھا جیسے وہ ابھی چائنیز رائس بنوا لینے کے بعد اب کھانے میں نخرے کرتا انہیں گویا زچ کر گیا تھا۔

''ممی، آپ مجھ سے تنگ آ گئی ہیں۔'' اس نے فوراً منہ بنایا تھا۔

''تم سے تو نہیں البتہ تمہارے نخروں سے تنگ آ گئی ہوں۔'' انہوں نے مسکرا کر بیٹے کو چھیڑا تھا اور اس نے منہ پھلا لیا تھا۔

''تمہارے پھولے غبارے جیسے منہ کو دیکھ کر مجھے خیال آ رہا ہے کہ تم اگر موٹے ہو جاؤ گے تو اتنے برے نہیں لگو گے۔'' انہوں نے کن اکھیوں سے اس کے خوبرو چہرے پر خفگی کی لکیریں سی دیکھ کر بھرپور شرارت سے کہا تھا۔

''میں موٹا ہو کر بہت اچھا بھی لگوں گا تو مجھے موٹا نہیں ہونا۔'' وہ ہنوز خفگی سے بولا تھا اور وہ اس کے نروٹھے انداز پر مسکرا دی تھیں کہ بیٹے کی پسند سے واقف ہی تھیں کہ ان کا بیٹا اپنی صحت کو لے کر ہمیشہ ہی کانشس رہتا تھا کہ اسے نہ جانے کیوں نہ موٹے لوگ پسند تھے اور

نہ ہی موٹا ہونا پسند تھا اسی لیے وہ اپنی ڈائیٹ کا بے حد خیال رکھتا تھا۔

''میرا ابر ہر حال میں ہی اچھا لگتا ہے۔'' مسکرا کر چمچہ اس کے منہ کی طرف بڑھایا تھا۔

''مجھے بھوک نہیں لگ رہی۔'' اس نے مصنوعی خفگی دکھائی تھی۔

''چلو ٹھیک ہے جب بھوک لگے تب کھا لینا، مجھے تو بہت بھوک لگی ہے۔'' انہوں نے سنجیدگی سے کہہ کر ہاتھ قدرے پیچھے کیا تھا اور خود کھانے لگیں۔

''ممی۔'' وہ ماں کو سنجیدگی سے کھاتے دیکھ کر سچ میں خفا ہوا تھا اور وہ اسے یکدم مسکرا کر دیکھتیں دوبارہ اس کی جانب چاولوں سے بھرا چمچہ بڑھا گئی تھیں۔

''کھانا کھانے کے بعد فراز کو فون کر کے پوچھ لینا، دوست کی طرف جانے کا کہہ کر گیا تھا اب تک تو آ جانا چاہیے تھا۔''

فراز کے دوست کی طبیعت خراب تھی وہ جانے سے پہلے انہیں بتا کر گیا تھا۔ ابران کو مگر کال کرنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی کہ وہ خود ہی آ گیا تھا۔

''جلدی سے بیٹا ہاتھ منہ دھو کر آ جاؤ میں تمہارے لیے کھانا نکال رہی ہوں۔'' وہ کچھ ہی دیر میں فریش ہو کر آ گیا تھا اور اس نے ان کے ہاتھ میں مزیدار چائنیز رائس بڑی رغبت سے کھائے تھے جبکہ اسے چاول کچھ خاص پسند نہ تھے مگر کچھ لوگ اتنے اہم ہوتے ہیں ان کے لیے انسان خود کو بدلنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

☆......☆......☆

''نیناں، صاف صاف بتاؤ مجھے کہ آخر ارمان کے ساتھ مسئلہ کیا ہے وہ کیوں لان لیتا پھر رہا ہے؟'' سالار مصطفیٰ نے لگی لپٹی کے بغیر پوچھا تھا اور وہ انہیں ٹال نہیں پائی تھیں کہ بھائی سے کبھی بھی کچھ چھپا ہی نہیں پائی تھیں اس وقت بھی ساری تفصیل ان کے گوش گزار کر دی تھی۔

''اگر رقم کی ضرورت تھی تو ارمان نہیں تو کم از کم تم ہی مجھ سے کچھ کہتیں۔'' وہ تفصیل سن کر ہر بات کی تصدیق ہو جانے پر بہن پر بگڑے تھے۔

''آپ تو جانتے ہیں بھیا کہ شیرازی کبھی بھی آفس کے مسئلے مجھ سے ڈسکس نہیں کرتے۔ انہوں نے کب، کیوں قرضہ لیا میں نہیں جانتی تھی کہ یہ سب تقریباً سال بھر پہلے کی بات ہے پروجیکٹ ناکام ہوا تو ان کی پریشانی ان کے نہ چاہتے ہوئے بھی عیاں ہوتی تو انہوں نے مجھے یہ بتا دیا لیکن کسی سے بھی ذکر کرنے سے بھی ساتھ ہی منع کر دیا تو میں آپ سے کچھ بھی کیسے کہتی؟'' ارمان شیرازی کی ہر بات اتنے معمولی انداز میں بتائی تھی کہ انہیں اصل مسئلہ کا ادراک بھی نہیں ہو پایا تھا کہ صحیح معنوں میں تو تفصیل سالار مصطفیٰ نے انہیں بتا کر انہیں مضطرب کر ڈالا تھا۔

''مسئلہ تمہاری سوچ سے بڑھ کر گھمبیر ہے نیناں، اس لیے تم نے پریشان ہونے کے بجائے ہمت سے کام لینا ہے۔'' ان کا

اضطراب کچھ اور بڑھا تھا۔

''میں تمہیں پریشان نہ کرتا کہ تمہاری عادت وفطرت جانتا ہوں مگر مجبوری ہے کہ میں ارمان سے بات نہیں کرسکتا کہ جانتی ہوناں وہ کس قدر انا پسند ہے میری مدد نہیں لے گا۔'' وہ بہن کو پریشان نہ ہونے کی تاکید کرتے رسانیت سے بولے تھے۔

''ارمان نے جن کمپنیوں اور بینک سے قرضے لیے ہیں ان میں ایک کمپنی کرپٹ ہے اور اسی کمپنی سے ریلیشن شپ کی وجہ سے ارمان کا کونٹریکٹ کینسل ہوا ہے۔'' وہ انہیں ساری تفصیل بتا رہے تھے۔

''آپ کیا کہہ رہے ہیں مجھے نہیں سمجھ آرہا کچھ بھی کہ میں اس سارے معاملے میں کیا کرسکتی ہوں؟'' وہ بے حد پریشانی سے بولی تھیں۔

''وہی تو سمجھا رہا ہوں کہ فی الحال ارمان اس کمپنی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا، میں نے جو تمہیں انفارمیشن دی ہے یہ بہت اندر کی خبر ہے۔تم ولید کو تو جانتی ہوناں؟''

ذرا سا ذہن پر زور ڈالنے سے انہیں یاد آگیا تھا کہ ولید عثمانی ان کے پڑوس میں رہتے تھے اور سی بی آئی میں تھے۔ سالار مصطفیٰ سے ان کی کافی دوستی تھی۔

''ولید سے کچھ دنوں پہلے ملا تھا۔اس نے بتایا یہ سب کہ ارمان کو تو وہ بھی جانتا ہے اور ارمان کی ایمانداری سے بھی واقف ہے اسی لیے اس نے مجھے کہا کہ میں اس معاملے کو اندر ہی اندر خاموشی سے ہینڈل کرلوں اور اس کے لیے تمہیں سب سے پہلے ارمان کو یو ایس اے جانے سے روکنا ہوگا۔'' سالار مصطفیٰ کافی تفصیل سے انہیں ہر بات سے آگاہ کررہے تھے۔

''میرے علم میں نہیں ہے کہ شیرازی یو ایس اے جارہے ہیں۔'' دھیمے سے کہا تھا۔

''میں نے بتایا ہے ناں تم بات کرو اس سے اور اسے روکو کہ وہ اسی زی کمپنی سے کانٹریکٹ سائن کرنے جارہا ہے کہ جس پر کرپشن کے کتنے ہی چارجز ہیں، ارمان پہلے ہی اپنی کمپنی امپورٹڈ مشینری لون لینے کے عوض گروی رکھ چکا ہے۔اس نے مزید اس کمپنی سے قرضہ لیا ہے یا کسی قسم کا کانٹریکٹ کیا تو وہ بری طرح پھنس جائے گا کہ لاکھوں کی مشینری وہ پہلے ہی باؤنڈ کرچکا ہے مزید ایسا کیا تو رہا سہا بزنس بھی ختم ہوجائے گا۔ارمان کے بزنس کا دیوالیہ نکل چکا ہے۔بات نیلامی تک پہنچنے والی ہے اور اس ساری سچوایشن کے باوجود ارمان کی فطرت جانتا ہوں اس لیے خود سے آگے بڑھ کر اس کی مدد نہیں کرسکتا کہ وہ میری مدد کبھی نہیں لے گا اس لیے ساری بات تمہیں بتائی ہے۔تم کیسے بھی اسے راضی کرو، لون کی واپسی کے لیے اپنا سارا زیور یہاں تک کہ گھر بھی گروی رکھنا پڑے تو رکھ دو کہ جیولری تمہارے پاس ہوگی اور گھر کے کاغذات بھی۔'' ساری تفصیل ہوش اڑا دینے والی تھی مگر اب اسے سمجھ آیا تھا کہ سالار مصطفیٰ نے ان سے سب کچھ کیوں کہا تھا۔

''جیولری اور گھر کی بات تو میں نے بھی کی تھی مگر وہ راضی نہیں ہوئے۔'' وہ باقاعدہ رو رہی تھیں۔

''وہ راضی ہوگا بھی نہیں اس لیے تم نے اسے راضی کرنا ہے کہ میں دینے کو تمہیں مصطفیٰ ہاؤس کے کاغذات بھی دے سکتا ہوں، ہم جسے گروی رکھ سکتے ہیں، فروخت بھی کرسکتے ہیں مگر مسئلہ ارمان کا ہے کہ اس سے میرا دوہرا رشتہ ہے۔وہ سالے کی حیثیت سے اور نہ ہی

بہنوئی کی حیثیت سے مدد لے سکتا ہے اس لیے جو کرنا ہے تم نے کرنا ہے کہ اپنے گھر اور شوہر کی عزت اور ترقی کے لیے عورت کو ہی قربانی دینی پڑتی ہے۔'' وہ ہر معاملے پر سنجیدگی سے غور کر لینے کے بعد بہن سے بات کر رہے تھے اس لیے ان کا ہر انداز قائل کر لینے والا تھا۔

''بھیا، شیرازی کسی بھی قیمت پر جیولری بیچنے اور گھر گروی رکھنے کو راضی نہیں ہوں گے۔'' ان کے پاس بھی یہی حل تھا مگر وہ پریشان تھیں کہ کوشش کر کے دیکھ چکی تھیں مگر ناکام ہوئی تھیں کہ ان کے لیے ارمان شیرازی نے شادی کے بعد سے اب تک جو کچھ بھی لیا تھا وہ ان دونوں کے لیے ہی بہت معنی رکھتا تھا کہ ارمان شیرازی کو یہ تک پسند نہیں تھا کہ ان کی چیزیں کوئی اور استعمال کرے۔ ایک دفعہ انہوں نے رابطہ کو اپنی بندیا دے دی تھی تو انہوں نے ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا اور شیریں تو اب باقاعدہ شکوے کرتی تھی کہ اس کی ممی اسے اپنی کوئی چیز پہننے کیلیے نہیں دیتیں کہ جب فیورل پارٹی میں خواہش نے سکول کی پرنسپل کا رول کیا تھا اور رابعہ کی ساڑھی پہنی تھی تو شیریں اس کے کتنا پیچھے پڑی تھی کہ نیناں اسے اپنی ساڑھی دے دیں مگر وہ بیٹی کے ناراض ہونے، رونے کے باوجود ایسا نہیں کر سکی تھی کہ انہوں نے سختی سے منع کر دیا تھا اس لیے وہ بیٹی کی ناراضگی کو لے کر ان سے ہی ناراض ہو گئی تھیں۔ کچھ دن بعد سب سیٹ ہو گیا تھا مگر ماں کی چیزیں استعمال کرنے کی خواہش اس کے دل میں جنم لے چکی تھی جس کا وقتاً فوقتاً اظہار کرتی رہتی تھی مگر وہ سن کر ان سنی کر دیتی تھیں کہ شوہر کے آگے مجبور تھیں۔

''کیا بچوں جیسی باتیں کر رہی ہو، راضی نہیں ہوں گے، راضی نہیں ہو گے۔ کہہ رہا ہوں ناں کہ راضی کرنا ہے، ہر حال میں کہ ایسا نہیں کیا تو آفس کو تالے لگ جائیں گے۔ معاملے کی گھمبیرتا سمجھ کیوں نہیں رہی ہو۔'' وہ اس کی ایک ہی رٹ سے تنگ آئے غصے سے کہتے چلے گئے تھے مگر جیسے ہی اپنے رویے کی بدصورتی کا احساس ہوا تھا وہ دھیمے پڑ گئے تھے اور نرمی سے سمجھانے لگے تھے۔

''میں آج ہی شیرازی سے بات کرتی ہوں اور انکا جیسا جواب ہوگا آپ کو کال بیک کر کے بتا دوں گی۔'' آنسو گراتے ہوئے بولی تھیں۔

''تم پریشان نہ ہونا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، جذباتی، مالی جس طرح کی سپورٹ کی ضرورت ہو گی میں حاضر ہوں۔ بس تم نے ہمت سے کام لے کر اس معاملے سے نبٹنا ہے۔'' سالار مصطفیٰ کے لہجے کی نرمی اور ڈھارس دیتا انداز وہ قدرے سکون محسوس کرنے لگی تھیں کہ جانتی تھیں کہ وہ انہیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑیں گے کہ ہمیشہ سے ان کا بہت بڑا سہارا رہے تھے۔

''آپ میرے ساتھ ہیں ناں تو بس میں اس معاملے کو اچھے سے انشاء اللہ ہینڈل کر لوں گی۔'' وہ روتے سے مسکرائی تھیں۔ فون بند ہو گیا تھا مگر وہ اسی حالت میں بیٹھی تھیں کہ ان کا ذہن کام نہیں کر رہا تھا کہ وہ کیسے ارمان شیرازی سے بات کریں کہ وہ ان سے تھیں بھی بہت دور کہ فون پر اتنی بڑی بات منوانا انہیں مشکل لگ رہا تھا کہ وہ پہلے ہی انکار کر چکے تھے مگر انہوں نے ایسا کرنا ہی تھا اس لیے ارمان شیرازی کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ بیل جاتی رہی مگر انہوں نے کال ریسیو نہیں کی اور وہ پریشانی کے ساتھ سر درد بھی بڑھتا ہوا محسوس کرنے لگیں تو چائے بنانے کے ارادے سے کچن میں چلی گئیں کہ یقین تھا کہ وہ ان کی مسڈ بیل دیکھ کر خود کال بیک کر لیں گے۔

☆......☆......☆

''تمہیں کس نے بتایا کہ میں یو ایس اے جا رہا ہوں۔'' میٹنگ سے فارغ ہوتے ہی انہوں نے کال بیک کی تھی۔

''شیریں کا فون آیا تھا، کچھ ڈسٹرب لگ رہی تھی۔ کہہ رہی تھی کہ آپ گھر پر آج کل کم ہی ہوتے ہیں۔'' کچھ دیر پہلے ہی انہوں نے وہاں کی خبر لینے کو بیٹی کو کال ملائی تھی اور وہ ان کے کچھ پوچھے بغیر بہت کچھ بتا گئی تھی۔

''ہاں، آج کل بزی بہت ہوں، اصل مسئلہ تم جانتی ہو اسی لیے بس کچھ کمپنیوں سے رابطے میں ہوں اور اسی سلسلے میں یو ایس اے جا رہا ہوں۔ دو دن بعد کی فلائٹ ہے۔'' وہ تھکے ہوئے انداز میں بولے تھے۔

''آپ اپنی فلائٹ کینسل کر دیں۔''

وہ بیوی کی غیر متوقع بات پر چونک اٹھے تھے۔

''ایسے کیوں کہہ رہی ہو؟'' سوال کیا تھا۔

''کل رات میں نے ایک بڑا ہی عجیب خواب دیکھا تھا، شیریں نے جب آپ کے یو ایس اے جانے کا بتایا جب سے ہی عجیب وہم ستا رہے ہیں، اس لیے آپ پلیز یہ وزٹ کینسل کر دیں۔'' جھوٹ بولتے ہوئے ان کے لہجے میں لڑکھڑاہٹ سی تھی کہ انہوں نے کبھی ارمان شیرازی سے معمولی سا بھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔

''فضول بات نہ کرو، فرسٹ ٹائم اتنے دنوں سے دور ہو نہ تو مجھے مس کر رہی ہو گی۔'' ہلکے سے ڈپٹ کر باقی جملے شرارت سے پر لہجے میں ادا کیے تھے۔

''مس تو میں آپ سب کو بہت کر رہی ہوں۔'' ان کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''اب رونے کیوں لگیں۔'' وہ ان سے بہت دور ہونے کے باوجود ان کا رونا محسوس کر گئے تھے۔

''میں کچھ فضول نہیں بول رہی، میں واقعی بہت پریشان ہوں، وزٹ بہت ضروری بھی ہے ناں، تو صرف میری خاطر کینسل کر دیں۔'' ان کے لہجے میں انہوں نے نمی صاف محسوس کی تھی۔

''کچھ نہیں ہوتا مجھے، ڈوٹ وری یار، یہ وزٹ بہت ضروری ہے اس لیے کینسل نہیں کر سکتا۔'' وہ آزردگی سے کہہ گئے تھے کہ وہ حقیقی معنوں میں بہت پریشان تھے۔ برسوں سے جمایا باپ دادا کا بزنس ان کی رات دن کی محبت پانی ہونے کو تھی اور ایسے میں وہ بھی ان کے پاس نہ تھیں کہ ان کے ساتھ کے وہ اتنے عادی تھے کہ ان کی صورت دیکھ کر اپنی ہر مشکل، پریشانی بھول جاتے تھے۔

''آپ سمجھ کیوں نہیں رہے، کہا ناں میں نے کہ سب کینسل کر دیں۔''

وہ ان کے تیز لہجے پر ناگواری سی محسوس کرنے لگے تھے کہ انہوں نے بیوی کو بزنس سے ہمیشہ دور رکھا تھا اور اب لامحالہ مجبور ہو کر بتا گئے تھے تو وہ مشورے دینے پر تلی تھی اور ان کے مشورے ان پر گراں گزر رہے تھے کہ وہ ان کی سوچ سے زیادہ مشکلات میں پھنسے تھے۔

''پلیز نیناں! بزنس سے دور رہو اور اپنی کوئی بات کرنی ہے تو ٹھیک ورنہ میں فون بند کر رہا ہوں کہ ابھی آفس میں ہی ہوں۔ کچھ

دیر بعد میری ایک میٹنگ ہے۔'' وہ کافی کنٹرول کرتے ہوئے بھی غصہ کر ہی گئے تھے کہ وہ صبح نو بجے آفس گئے تھے اور اب رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ کام اور میٹنگز کے لوڈ سے وہ بری طرح تھکے ہوئے تھے۔

''او کے جو چاہیں آپ کریں، بٹ یاد رکھیئے گا کہ آپ کو کچھ ہوا تو میں آپ کو معاف نہیں کروں گی۔'' ان کی تھکن اور پریشانی محسوس کرنے کے باوجود بنا کسی تسلی کے الٹی دھمکی لگائی اور فون ہی بند کر دیا۔ انہوں نے غصہ سے موبائل کو گھورا اور دیوار پر دے مارا۔

''یہ عورت کبھی مجھے نہیں سمجھ سکی۔'' انہوں نے دکھتے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے دل گرفتگی و بے بسی سے سوچا تھا اور بڑی مشکل سے میٹنگ بھگتا کر وہ تقریباً ساڑھے دس بجے گھر میں داخل ہوئے تھے کہ یمانی ان کے سامنے آ گئی تھی۔

''بیٹا، اس میں پریشان ہونے والی کون سی بات تھی، بتایا تو تھا کہ دیر سے آؤں گا۔'' وہ نرمی سے بولے تھے۔

''آپ کال ریسیو نہیں کر رہے تھے ناں، اس لیے ہم سب ہی نہیں ابران بھی بہت پریشان ہو گئے تھے۔''

وہ سوالیہ نگاہوں سے یمانی کو دیکھنے لگے تھے۔

''یمانی، خیراں سے کہہ کر ڈیڈی کے لیے کھانا لگواؤ۔'' وہ شوہر کا تھکا ہوا چہرہ دیکھ کر بیٹی کو ناگواری سے دیکھتے ہوئے بولی تھیں۔ وہ قدرے شرمندہ ہوتی وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

''ابران مجھے کیوں فون کر رہا تھا، سب خیریت تو ہے؟'' وہ پریشانی سے ان سے پوچھ رہے تھے۔ انہوں نے لامحالہ بتا دیا تھا۔

''نیناں کی کچھ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ابران پریشان ہو گیا تھا اس لیے آپ کو کال کر رہا تھا بٹ آپ سے رابطہ نہیں ہو سکا تو گھر پر فون کیا تھا۔'' وہ سنجیدگی سے ساری بات بتا گئی تھیں۔

''نیناں سے میری تین گھنٹے پہلے ہی بات ہوئی تھی۔ اچانک اسے کیا ہو گیا۔'' وہ پریشانی سے لینڈ لائن سیٹ کی طرف بڑھے اور نیناں شیرازی کا نمبر ڈائل کر گئے۔

''ہیلو نیناں!'' بے تابی سے بولے تھے۔

''ڈیڈی، میں ابران ہوں۔'' وہ دھیمے سے بولا تھا۔

''ابران، تمہاری ممی کہاں ہیں، کیا ہوا ہے انہیں؟'' عجلت و پریشانی سے پوچھا گیا تھا۔

''پتہ نہیں ڈیڈی، میں اور فراز یونیورسٹی سے آئے تو ممی بہت رو رہی تھیں اور ایکدم ہی ان کا بی پی شوٹ کر گیا بٹ اب وہ ٹھیک ہیں۔'' وہ ماں کی ہدایت پر جیسے یمنیٰ سے جھوٹ بول گیا تھا باپ سے بھی وہی سب کہہ رہا تھا جو ماں نے کہنے کو کہا تھا مگر باپ کی پریشانی پر اسے اپنے جھوٹ بولنے پر قدرے افسوس ہونے لگا تھا مگر وہ مجبور تھا۔

''ممی کہہ رہی ہیں انہیں آپ سے بات نہیں کرنی۔'' انہوں نے بات کروانے کو کہا تھا تب وہ ماں کے اشارے پر ایک اور جھوٹ بول گیا تھا۔

''واٹ ربش! فون دواسے۔'' اس نے غصہ میں آ کر بیٹے کو بری طرح ڈپٹ کر رکھ دیا تھا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا کہ اس نے پھر وہی پہلے والا ہی جواب دیا تھا۔ ارمان شیرازی اشتعال کی زد میں آ گئے تھے اور ریسیور پٹختے ہوئے نکلتے چلے گئے تھے۔ یمنیٰ شیرازی کی حیران وہ پریشان نگاہوں نے دور تک ان کا تعاقب کیا تھا۔

☆......☆......☆

''ممی! بات کیا ہوگئی ہے؟ آپ کی طبیعت کا سن کر ڈیڈی کتنا پریشان ہو گئے تھے۔ آپ نے جھوٹ بولنے کو کیوں کہا؟'' ابران ذہن میں اٹڈتے سوال بالآخر ماں سے کر ہی گیا تھا۔

''ابر، کچھ نہ پوچھو کہ تمہاری ممی اس وقت بہت پریشان ہیں جو کرنے کو کہا وہ بہت ضروری تھا۔'' ان کی آنکھوں میں نمی تھی اور وہ تڑپ کر ماں کے قریب آیا تھا اور ان کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''پلیز بتایئے ناں ممی کہ کیا بات ہے کہ میں ہمیشہ آپ سے آپ کی تکلیفوں سے دور رہا، جب تک مجھے خبر نہیں ہوئی نہ ہوئی تو بھی فرق نہ پڑتا مگر اب جب آپ میرے پاس ہیں، کہیں مجھ سے اپنی پریشانی، میں آپ کا سہارا بننا چاہتا ہوں۔'' ماں کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اس کی آنکھیں بھی نم ہوگئی تھیں۔ انہوں نے بیٹے کو دیکھا اور کچھ سوچ کر ساری بات بتاتی چلی گئی تھیں۔

''سالار بھیا کا کہنا ہے کہ میں تمہارے ڈیڈی کو کیسے بھی بزنس ٹرپ پر جانے سے روکنا ہے اور انہیں گھر گروی رکھنے کے لیے راضی کرنا ہے کہ ابھی وقت ہاتھ میں ہے وقت نکل گیا تو پھر کچھ نہیں بچے گا۔'' سالار مصطفیٰ سے فون پر بات ہوئی تھی انہیں کسی جذباتی سہارے کی ضرورت تھی جو میسر آیا تھا تو وہ رو پڑی تھیں۔

''بٹ، ممی نیناں ولاز کو ہم گروی رکھنے کا سوچ بھی نہیں سکتے، اس گھر سے آپ کی، ہماری سب کی یادیں جڑی ہیں۔'' وہ پریشانی کے باوجود باپ کی طرح صاف انکاری ہو گیا تھا۔

''یادوں کا کیا ہے ہر جگہ بن جاتی ہیں، اب میں اور تم یہاں بھی تو ہیں مگر یہاں سے ہمیں جانا ہی ہوگا ناں کہ ہر چیز ہر جگہ ہمارے لیے نہیں ہوتی ہم یادیں بنا کر آگے بڑھ جاتے ہیں یہی زندگی کا اصول ہے کہ کبھی ٹھہرتی نہیں ہے۔'' مجبوری انسان سے بہت کچھ کرواتی ہے جیسے وہ شوہر اور بیٹے کو ایسی بات کے لیے قائل کرنا چاہتی تھیں جس کے لیے خود ان کا دل نہیں مانتا تھا۔

''ممی! آپ کچھ بھی کہیں وہ گھر اس لیے اہم نہیں ہے کہ وہاں ہماری یادیں ہیں، باقی سب کا مجھے نہیں پتہ مگر میرے لیے وہ اس لیے اہم ہے کہ اس گھر پر آپ کا نام کندہ ہے۔ وہ گھر آپ کے نام ہے ممی اور میں کبھی اسے گروی نہیں رکھنا چاہوں گا، نیناں ولاز آپ کا ہے ممی، اور نیناں ولاز ایک عمارت نہیں اپنے نام کی وجہ سے میرے لیے اتنا ہی قابل احترام ہے جتنی کہ آپ۔'' اس کا انداز صاف اور بے لچک تھا وہ اسے دیکھنے لگی تھیں کہ وہ باپ کی سی شباہت ہی نہیں رکھتا تھا ان ہی کی طرح جذباتی بھی تھا۔ وہ باپ بیٹے دل کی سن کر اس پر عمل کرتے تھے جبکہ وہ دماغ کو زیادہ اہمیت دیتی تھیں اور عقل کا تقاضہ یہی تھا کہ قرضے پورے کرنے کو ''نیناں ولاز'' فروخت کر دیا جائے نہیں تو

کم از کم گروی ہی رکھ دیا جائے کہ زندگی جذبات کے سہارے ہی گزرتی ہے مگر زندگی کی ضروریات جذبات کے سہارے پورے نہیں ہوتیں، انسان کو کچھ پریکٹیکل بننا پڑتا ہے جیسے وہ اموشنز رکھتے ہوئے ان کو سائیڈ پر کرتیں صرف وہ چاہ رہی تھیں جو وقت کی ضرورت تھا۔

''آپ رہنے دیں، میں خود ڈیڈی سے بات کروں گا کہ تمام اثاثوں سے ہاتھ دھو کر بھی نیناں ولاز کو بچانا پڑا تو ہم مل کر بچائیں گے۔'' وہ اسے سمجھانے لگی تھیں کہ وہ نرمی سے کہتا انہیں مزید کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔ وہ سر تھامے بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی تھیں۔ ایسے ہی بیٹھے نہ جانے کتنا وقت گزرا تھا کہ ادیان کا فون آ گیا تھا اور ان کے آنسو بہنے لگے تھے کہ ادیان سے ارمان شیرازی نے فون کروا کر ان سے یہ کہلوایا تھا کہ وہ پریشان نہ ہوں کہ وہ اپنا بزنس ٹرپ کینسل کر دیں گے اس شخص کی محبت پر تو کبھی کوئی شبہ رہا ہی نہیں تھا کہ آج کچھ اور فخر اور احساس تشکر کا احساس ان سے آ لپٹا تھا انہوں نے خود سے ارمان شیرازی کو کال کی تھی کہ وہ شیریں کے موبائل میں اپنی سم ایکٹو کر چکے تھے اور انہوں نے ارمان شیرازی کو قائل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی مگر ان کا وہی جواب تھا۔ ''ناں'' ان کی ہر قسم، ہر جذباتی دباؤ بے اثر ثابت ہوا تھا اور انہوں نے شکستگی سے رابطہ خود ہی منقطع کر دیا تھا۔

''تمہاری بے جا ضدیں مان لیتا ہوں اس لیے تمہارے کہنے پر ٹرپ کینسل کر رہا ہوں لیکن اس کے لیے میں کسی قیمت پر راضی نہیں ہوں گا اس لیے بہتر ہوگا کہ اس موضوع پر بات کر کے اپنا اور میرا موڈ خراب نہ کرنا۔'' کانوں میں رہ رہ کر ارمان شیرازی کے سخت دوٹوک لہجے میں کہے الفاظ گونج رہے تھے۔ انہوں نے بھائی سے رابطہ کر کے تمام صورت حال سے آگاہ کیا تھا۔ پریشانی جوں کی توں تھی وہ مالی امداد کرنے کو بہ خوشی راضی تھے مگر وہ شوہر کا مزاج بھی جانتی تھیں اس لیے انہوں نے ایک کے بعد ایک کال کرنے کے کافی دیر بعد ایک اور نمبر ڈائل کیا تھا۔ فون کے دوسری جانب موجود وجود نے بھی سمجھانے کی حتی المقدور کوشش کی تھی مگر وہ فیصلہ کر چکی تھیں اس لیے چند ہدایات دے کر رابطہ منقطع کر دیا تھا مگر عجیب سی بے چینی ان کا حصار کرنے لگی تھی کہ انہیں ارمان شیرازی کی ناراضگی اور اشتعال کی فکر تھی کہ وہ جانتی تھیں کہ وہ نہ ناراض ہوتے ہیں نا غصہ مگر ہو جائیں تو سب سنبھالنا ان کے لیے مشکل ہی نہیں تکلیف دہ بھی ہوتا تھا مگر اس سب کے باوجود وہ فیصلہ لے چکی تھیں۔

''انارکلی! آپ کی جدائی کا خوف ہماری جان لے لے گا۔'' خواہش شہزادہ سلیم کا گیٹ اپ کیے نہ صرف بہت اچھی لگ رہی تھی بلکہ پہچانی تک نہیں جا رہی تھی۔ اس نے ڈائیلاگ بہت خوبصورتی سے ادا کیے تھے۔ ہال کی جانب ابھی تک انارکلی رخ موڑے کھڑی تھی۔

''ہم تو مر ہی گئے ہیں شہزادے۔'' شیریں ایک ادا سے کہتے ہوئے دایاں ہاتھ موڑ کر کلائی سر پر رکھ گئی تھی اس پر اٹھنے والی ہر نگاہ ساکت ہو گئی تھی۔

''کہ آپ بن تو جینے کا تصور ہی ہمارے لیے محال ہے۔''

اس نے ذرا کی ذرا پلکیں اٹھا کر شہزادے کو دیکھا تھا جبکہ ہال میں موجود ہر نگاہ اس پر ٹھہری تھی کہ اس نے سیاہ رنگ کی دیدہ زیب انارکلی فراک پہنی ہوئی تھی اور سیاہ رنگ کے سوٹ میں اس کا چاندنی سا سراپا الگ ہی چھب دکھا رہا تھا۔ زندگی میں پہلی دفعہ کیا ہیوی میک اپ، اور ہیوی جیولری پہنے وہ سوگوار سے ایکسپریشن دیتی کتنے ہی دل دھڑکا گئی تھی اور ان میں سر فہرست زعیز عہ خان کا دل تھا۔ ہزاروں لڑکیوں کے ساتھ وقت گزارنے والے زعیز عہ خان کو پہلی دفعہ سینے میں دل نامی چیز کا احساس ہوا تھا اور یک ٹک اس ساحرہ کو دیکھ رہا تھا۔

''ایسے مت کہیں انارکلی! ورنہ ہماری روح ہمارے جسم سے پرواز کر جائے گی۔'' شہزادے سلیم نے آگے بڑھ کر انارکلی کے ادھ کھلے سرخ لپ اسٹک سے سجے پنکھڑی سے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ انارکلی نے شہزادے سلیم کو نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا اور ہاتھ اپنی ہتھیلی میں قید کر لیا تھا۔

''کیا کہیں، کیا نہ کہیں، کچھ سمجھ نہیں آ رہا شہزادے کہ جو ہم کہنا چاہتے ہیں کہہ نہیں سکتے کیونکہ حاکمِ وقت نے ہمیں پابند سلاسل کر دیا ہے۔'' آنسو پلکوں کی باڑھ توڑ کر عنابی رخساروں پر لڑھکنے لگے تھے۔ ہال تالیوں سے گونج اٹھا تھا۔

''ظلِ الٰہی کے ہر حکم کو بھول جائیے، فراموش کر دیجیے اس بات کو کہ ہمیں جدا ہونا ہے کہ ہمارا دل جو ایک دوسرے کے لیے محسوس کر رہا ہے وہ گواہ ہے اس بات کا کہ ہم نے کبھی جدا نہیں ہونا۔'' شہزادے نے ہاتھ انارکلی کی گرفت سے نکال کر اس کے آنسو صاف کیے تھے اور یقین دلاتی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

''لیکن ہم جدائی کے بنتے ناگوں کی لکیریں اپنے وجود میں اترتا محسوس کر رہے ہیں، کیسے بتائیں آپ کو شہزادے کہ موت کی آہٹیں ہمارے کانوں میں گونج رہی ہیں۔''

انارکلی نے چند قدم پیچھے لیے تھے اور کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے سر کو دائیں بائیں جنبش دی تھی۔

''مگر ہمیں موت سے نہیں آپ سے جدا ہونے سے ڈر لگتا ہے۔''

انارکلی بھاگ کر آئی تھی اور سوگوار کھڑے شہزادے کے عین سامنے رک گئی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑے تھے۔ ہال تالیوں اور سیٹیوں کی گونج کے گرداب میں پھنسا تھا اور سین بدل گیا تھا۔ شہنشاہ اکبر شان و شوکت سے شاہی تخت پر براجمان ہوئے تھے۔

''ہمیں موت سے ڈر نہیں لگتا ظلِ الٰہی، چاہیں تو سر قلم کر دیں یا کہیں تو ہم خود اپنا دل نکال کر آپ کے خنجر کی نوک تلے رکھ دیں۔''
شاہی حکم جاری ہوتے ہی وہ خود اعتمادی کے ساتھ آنسو گرتی ان کے سامنے آ گئی تھی۔

''حدِ ادب لڑکی!''

''ظلِ الٰہی جان لے لیں آپ ہماری کہ اس طرح تو صرف ایک انارکلی جان سے جائے گی لیکن محبت زندہ رہے گی کہ مقبرے تو زندگی سے موت کا سفر کرنے والوں کے بنے ہیں، ایک انارکلی کا وجود بھی مقبرے کی نذر ہو جائے گا۔'' انارکلی کی گستاخی پر شہنشاہ شاہی کرسی سے کھڑے ہوتے نیام سے تلوار نکال گئے تھے جس کی نوک انارکلی اپنی مومی ہتھیلی میں قید کرتے ہوئے بے خوفی سے حاکمِ وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی تھی۔

''لیکن محبت کا مقبرہ آپ جیسے محبت کے دشمن کیونکر بنا پائیں گے کہ محبت وجود نہیں اک احساس کا نام ہے اور یہ محبت کا حسین احساس ایک دل سے دوسرے دل تک ازل سے سفر کر رہا ہے اور ابد تک کرتا رہے گا۔''

اس کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا اور ہتھیلی سے قطرہ قطرہ خون! اس کے امپریشن اتنے پرفیکٹ تھے کہ ہال پر سکوت طاری تھا اور زعیزعہ خان پر بے خودی! کہ اس نے اب تک پلک نہیں جھپکی تھی۔ اس کی نگاہ صرف اور صرف شیریں پر جمی تھی باقی کون تھا، کیا کر رہا تھا اس خبر تک نہ تھی۔ شہنشاہ وقت کو انارکلی پر طیش آیا تھا اور ان کا ہاتھ اس کے رخسار پر پوری گرج کے ساتھ پڑا تھا وہ لڑکھڑا کر دور جا گری تھی۔ نگاہ اٹھائی تھی سامنے ہی جواہرات سے بھرا ترازو تھا اور ایک پلڑا جس کا خالی تھا وہ اس بات کی علامت تھا کہ وہ محبت لے کر خالی ہاتھ رہ جائے گی اور شہزادے سے بے وفائی کرنے پر سونے جواہرات سے لا دی جائے گی۔

''ظلِ الٰہی! خالی ترازو میں ہمیں شہزادہ سلیم دکھائی دے رہے ہیں تو ہم کیسے جواہرات سے لدے پلڑے کو چن لیں۔'' وہ نیچے زمین پر بیٹھی تھی اور اس کی ہتھیلیاں تخت پر جمی تھیں اور آنسوں سے بھری سرمگیں نگاہیں شہنشاہ وقت پر اٹھی تھیں جنہوں نے حاکمِ وقت کی بات نہ ماننے کی سزا کے طور پر انارکلی کو دیواروں میں چنوا دینے کا شاہی حکم نامہ جاری کیا تھا۔ دو دربان آ کر اسے جکڑ گئے تھے اس نے حیران پریشان ہو کر شہزادے کی تلاش میں نگاہ دوڑائی تھی اور ہال میں بیٹھے زعیزعہ خان کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں حیرانگی بڑھی تھی وہ تو تھا ہی دل و جان سے اس کی جانب متوجہ۔ اس نے ایک بڑی گہری مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی تھی جس پر وہ گڑبڑاتی ہراس میں مبتلا ہو گئی تھی اور اسی پل دربانوں نے اسے کھینچنا شروع کر دیا تھا۔ زعیزعہ خان کو دیکھ کر اس کے چہرے اور آنکھوں میں در آنے والا خوف اس کی اداکاری کے لیے سودمند ثابت ہوا تھا مگر وہ اپنے آگے کے ڈائیلاگز بھول گئی تھی بیک اسٹیج سے اسے بولنے کے لیے پیش کیا جانے لگا تھا اور جیسے وہ ہوش میں آئی تھی اور لڑکھڑاتے لہجے میں بولی تھی۔

''آپ سمجھتے ہیں ظلِ الٰہی، ہم آپ سے رحم کی بھیک مانگیں گے تو ایسا نہیں ہو گا چنوا دیں آپ ہمیں دیواروں میں لیکن ہماری روح کو آپ کا کوئی شاہی حکم نامہ کسی پنجرے میں کسی دیوار میں مقید نہیں کر سکتا، ہم مر جائیں گے، ہمارا وجود شہزادے کی آنکھوں سے اوجھل

ہو جائے گا لیکن ہماری روح شہزادے کی محبت کا دم بھرتی رہے گی۔'' اس کے لہجے کی لڑکھڑاہٹ آنکھوں میں پھیلا ہراس سب اتنا حقیقی تھا کہ پورا ہال اختتام سے قبل ہی تالیاں بجاتا کھڑا ہو گیا تھا۔ کتنے ہی لوگوں کی آنکھوں میں اس کی زبردست پرفارمنس نے آنسو بھر دیئے تھے۔ خود اس کے آنسو رخساروں سے ہوتے گردن تک جا رہے تھے۔

''حکم کی تعمیل کی جائے۔'' ظلِ الٰہی نے تالی بجا کر حکم نامہ پر تصدیق کی مہر لگائی تھی اس کے ہاتھ پیچھے لے جا کر زنجیروں سے جکڑ دیئے گئے تھے اور اسٹیج کی داہنی طرف ذرا سائیڈ میں پہلے سے بنائی گئی دیوار سے پردہ ہٹا دیا گیا تھا اور اس میں لے جا کر اسے کھڑا کر دیا گیا تھا۔ چند بلاک رکھے جانے باقی تھے اس کا چہرہ نظر آ رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے ساون کی جھڑی لگی تھی، لبوں سے فریاد جاری ہو گئی تھی۔

زندگی ہاتھوں سے جا رہی ہے
شام سے پہلے رات آ رہی ہے
صاحبِ عالم کہاں رکے ہو؟
کلی تمہاری مرجھا رہی ہے۔
جاتے جاتے بھی گا رہی ہے
عشق...... محبت...... اپنا پن
بس! عشق، محبت، اپنا پن

اس کی آواز میں سحر بھی تھا اور سرور بھی، لرزاہٹ تھی، دلکشی بھی تھی، خوف و خوبصورتی بھی تھی، آخری بلاک کیا رکھا گیا ہال میں بیٹھا واحد شخص زعیز عہ خان بھی تالیاں بجاتا کھڑا ہو گیا۔ بیک اسٹیج اس کے کلاس فیلوز اور ٹیچرز اسے سراہ رہے تھے اس کی تعریفوں میں رطب اللسان ہو رہے تھے اور وہ خواہش وریحا کو ڈھونڈ رہی تھی۔

''شیریں! امیزنگ، کیا غضب کی اداکاری کی ہے تم نے۔'' رویحا نے اسے جوش سے گلے لگاتے ہوئے کہا تھا۔

''لاسٹ کے سین میں تمہارے ایکسپریشن اتنے رئیل تھے یار، تم تو چھپی رستم نکلیں۔'' خواہش نے اس کے بھیگے رخسار پر چٹکی لی تھی اور وہ رو پڑی تھی۔

''مجھے فوراً گھر جانا ہے۔'' وہ دونوں اس کے رونے پر پریشان ہو گئی تھیں تب وہ سوں سوں کرتی بولی تھی اور ان دونوں نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی تھی مگر اس نے ارمان شیرازی کو فون کر دیا تھا اور وہ وہاں سے نکلتی کہ اسے جونیئر اسٹوڈنٹس نے روک لیا تھا اور وہ سب کے انسسٹ کرنے پر لامحالہ رک گئی تھی کہ سب یہی چاہتے تھے کہ وہ ٹائٹل لیے بغیر نہ جائے۔ وہ رک تو گئی مگر ہال میں جا کر بیٹھنے کو تیار نہ ہوئی اور ایوننگ کا لاسٹ ٹائٹل دینے کے لیے اس کا نام اناؤنس ہوا۔ وہ اسٹیج پر چڑھی اور زعیز عہ خان کو دیکھ کر اس کے قدم جہاں کے تہاں رک گئے کہ اسے کیا پتہ تھا کہ اسٹوڈنٹس کو ٹائٹل وہی دے رہا ہے کہ اس کے فادر کالج کے ٹرسٹی تھے اور آج کے مہمان خصوصی بھی، انہیں

میٹنگ کے لیے جانا پڑ گیا تو اسے ان کے مجبور کرنے پر آنا پڑا تھا مگر وہ آیا جتنی بے دلی سے تھا اب اتنا ہی سرشار تھا اس لئے رک جانے پر اس کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔

''آپ رک کیوں گئیں، آیئے آ کر اپنا ٹائٹل ریسیو کیجئے مس شیریں شیرازی۔'' اس نے نگاہ اٹھا کر اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھا مگر وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں تو وہ خود چل کر اس کے سامنے آن رکا۔ اس نے ایک قدم پیچھے لے کر اس کی جانب دیکھا جو نرم سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے بوکے اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس نے ہال کی طرف دیکھا تھا رویحا و خواہش نے مسکرا کر اسے وکٹری کا نشان دکھا کر اس کی حوصلہ افزائی کی تھی اور اس نے اپنی تمام ہمتیں مجتمع کر کے اس کے ہاتھ سے بوکے لے لیا تھا۔

''شیریں! ہم چاہیں گے کہ آپ اپنا ٹائٹل سب کے ساتھ شیئر کریں اور کچھ کہیں تاکہ جونیئرز آپ کے کامیاب تعلیمی کیرئیر کو ماڈل بنا کر کامیابی حاصل کر سکیں۔'' کمپیئر نے کہا تھا اور وہ خود کو سنبھالتی ڈائس کی جانب بڑھی تھی۔

''میں آج جہاں کھڑی ہوں، جتنی میری کامیابیاں ہیں اس کا سارا کریڈٹ میرے ٹیچرز اور میرے پیرنٹس کو جاتا ہے، میں اپنے ٹیچرز اور پیرنٹس کی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے قدم قدم پر میری رہنمائی کی اور مجھے اس قابل بنایا۔'' وہ مائیک ہاتھ میں لیے نہایت اعتماد کے ساتھ بولی تھی اور جیسے ہی اس نے بوکے پر لگا کارڈ نکال کر پڑھا تھا اس کی آنکھیں حیرت سے بے اختیار اس کی طرف اٹھی تھیں جو بلیک ڈنر سوٹ میں ہاتھ باندھے اپنی ڈیشنگ پرسنیلٹی کے ساتھ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کے دیکھنے پر مسکرایا تو وہ اپنے اندر غصہ و ناگواری کی لہر سی اٹھی محسوس کرنے لگی۔

''شیریں! ٹائٹل پڑھیئے پلیز، سب ویٹ کر رہے ہیں۔'' کمپیئر نے اس کی خاموشی نوٹ کر کے کہا تھا مگر وہ اپنا ٹائٹل پڑھ نہیں سکتی تھی اور یہ بات زعیزعہ خان جانتا تھا اس لئے ڈائس پر اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا تھا وہ بے اختیار فاصلے پر ہو گئی تھی۔

''مس شیریں کو ٹائٹل پڑھتے میں دیر لگ رہی ہے اس لیے ان کی ہیلپ میں کر دیتا ہوں کہ میں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا۔ ایک آفیشل ٹرپ کے لیے کچھ گھنٹوں بعد ہی مجھے نکلنا ہے۔'' اس نے اپنی بات کہہ کر اجازت طلب نگاہوں سے کمپیئر کی جانب دیکھا تھا۔

''شیور سر، وائے ناٹ۔'' کمپیئر نے فوراً ہی اجازت دی تھی کہ ماریہ اسے کافی اچھی طرح جانتی تھی اس کے عجیب و غریب رویے پر حیران تھی کہ پہلے اسٹیج کے بیچوں بیچ ٹھہر جانا اور اب ٹائٹل پڑھنے میں آنا کانی سے کام لینا۔ زعیزعہ خان نے اس طرح سے ان کی مدد ہی کر ڈالی تھی۔ اس نے مسکرا کر اس سے کارڈ طلب کیا تھا جسے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کانپتے ہاتھوں سے اس کی جانب بڑھا گئی تھی جسے تمام کر اس نے کھولا تھا۔ کارڈ پر جلی حروف میں ''معصوم خوفزدہ ہرنی'' درج تھا۔ اس نے لب کچلتی شیریں کو دیکھا تھا جو سیاہ رنگ کی انارکلی فراک میں تھی مگر بالوں کی پونی ٹیل بنائی تھی اور زیور و میک اپ اتار دیا تھا۔ وہ گلابی متورم چہرے کے ساتھ اس سے تھوڑے فاصلے پر کھڑی تھی۔

''بریلینٹ اسٹوڈنٹ۔'' اس کے کہتے ساتھ ہی ہال میں تالیاں بجنے لگی تھیں۔ اس نے حیرانگی سے اسے دیکھا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

''افسوس کہ میرے پاس آج بھی آئینہ نہیں ہے ہرنی۔'' اس نے بہت دھیمے سے کہا تھا اور اس نے لب بھینچ لئے تھے کہ ٹائٹل اس نے

ہی بدلا تھا کہ مقصد صرف اس کو تنگ کرنا تھا جس میں کامیاب رہا تھا اس لیے ہی اس نے آگے بڑھ کر اپنی خدمات پیش کی تھیں کہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ سب کے سامنے تبدیل شدہ ٹائٹل پڑھے کہ مقصد صرف اس کو پڑھانا، ستانا تھا اور اسے تنگ کرنے کا اسے نیا آئیڈیا سوجھ گیا تھا۔

''میرا خیال ہے اتنی خوبصورت شام کا انجام بھی بہت خوبصورت ہونا چاہیے۔'' آڈینس نے تالیاں بجا کر گویا اس کے خیال کو قبول کرنے کا شرف بخشا تھا۔

''تھینکس! جس طرح مس شیریں شیرازی نے انارکلی کا رول پلے کیا۔ تعریف کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں، اس لیے میں چاہوں گا کہ جس طرح انہوں نے اپنی اداکاری سے ڈرامہ کو کامیاب بنایا اپنی خوبصورت آواز میں کچھ گا کر اس محفل کا خوبصورت سا اختتام کر دیں۔'' اس کا کہنا تھا کہ وہ گڑبڑا گئی تھی۔ ہال میں پھر تالیوں کی گونج تھی۔ کمپیئر نے بھی اس کی بات کی حمایت کی تھی اور گانا گانے کی فرمائش کی تھی اور اس کے انکار کو جیسے اہمیت ہی نہیں دی جا رہی تھی۔ ہال تالیوں سے گونج رہا تھا اور ماریہ نے باقاعدہ اپنا مائیک چند الوداعی الفاظ ادا کر کے اس کے انکار کے باوجود زبردستی پکڑا دیا تھا۔ وہ تو روہانسی ہی ہو گئی تھی مگر ماریہ کے اشارے پر خواہش و رویحا اس کی دائیں بائیں آن کھڑی ہوئیں تو وہ کچھ سیکیورسی فیل کرتی ہال کی جانب دیکھنے لگی۔ اسی پل وہ اپنی جگہ آ کر بیٹھ گیا تھا وہ نگاہ چرا گئی تھی وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگا تھا جو گانا شروع کر چکی تھی۔

زندگی کو گزارنے کے لیے، ساتھ چلنا بہت ضروری ہے
سنگ میرے صنم یونہی تجھ کو ساتھ چلنا بہت ضروری ہے

اس کی آواز تو تھی ہی بہت سریلی جو کانوں میں رس گھول رہی تھی اور یہ سونگ اس کا فیورٹ تھا کیونکہ یہ سونگ اس کے پیرینٹس کا فیورٹ تھا اس نے ارمان شیرازی کے منہ سے ہی تو یہ گانا سنا تھا کہ اوریجنل سونگ تو اس نے کبھی سنا ہی نہ تھا سنگر تک کا پتہ نہ تھا۔

یہ میری جان یہ میرا دعویٰ ہے
میں فقط ہوں تیری وفا کے لیے
مانگ کر رب سے تیری چاہت کو
ہاتھ اٹھتے ہیں دعا کے لیے
اب نہ تجھ کو میں اداس دیکھوں
تیرا ہنسنا بہت ضروری ہے
سنگ میرے صنم یونہی تجھ کو
ساتھ چلنا بہت ضروری ہے

گانا ختم کیا ہوا تھا سرور کا موسم ڈھل گیا تھا اور وہ اس ساحرہ کے لیے کیا کچھ نہیں سوچ چکا تھا۔ وہ اسٹیج سے اتری تھی اور وہ اسے

اس کی کلاس فیلوز کے جمگھٹے میں چھوڑ کر کالج کے پرنسپل کے ساتھ بات کرنے لگا تھا کہ آج وہ اس سے بات کیے بغیر نہیں جانا چاہتا تھا کہ وہ کئی بار اسے اتفاقیہ مل چکی تھی لیکن ہمیشہ اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی ہوتا تھا اس لیے اس سے بات کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ وہ کوئی ترکیب نکالنے کی سوچ ہی رہا تھا کہ ہال سے نکلتے ہوئے اس کا مسئلہ خود بہ خود حل ہو گیا تھا اور وہ قیمتی موبائل سے تصویریں اپنے موبائل پر ایم ایم ایس کرتا دلکشی سے مسکراتا اسے ڈھونڈتا باہر نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

''انارکلی۔'' خواہش کے ساتھ اٹھتے اس کے قدم تھمے تھے اور ماریہ مسکرا کر اس کے سامنے آ گئی تھی اور اس کا موبائل اس کی جانب بڑھایا تھا جو اسے زعیزعہ خان نے دیا تھا کہ وہ ڈائریکٹ شیریں کو نہیں دینا چاہتا تھا۔

''اُف! ایک تو تم شیریں، کبھی اپنا موبائل نہیں سنبھال سکتیں۔'' خواہش چڑ کر بولی تھی کہ اس کی اس عادت سے سب ہی پریشان تھے جبکہ وہ مسکرا دی تھی۔ ماریہ ان کی پرفارمنس پر ان دونوں کو ہی سراہ رہی تھی۔

''نہیں تم چلی جاؤ ماریہ ہے ناں، کوئی مسئلہ نہیں ہو گا کہ ڈیڈی بھی بس آنے ہی والے ہوں گے۔''

رویحا اپنے پاپا کے ساتھ چلی گئی تھی اور خواہش کو عبیر لینے آ گیا تھا اس لیے وہ اطمینان سے بولی تھی کہ اسے سو فیصدی یقین تھا کہ اس کے ڈیڈی لیٹ نہیں ہو سکتے مگر اس کا یقین کچھ دیر میں ہی منہ چڑانے لگا تھا۔

''میں ڈیڈی کو کال کرتی ہوں۔'' وہ روہانسی ہو رہی تھی کہ شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے اور ماریہ کی سب فرینڈز آ گئی تھیں اس لئے اسے جانا پڑا تھا وہاں کھڑے ہوئے بیس منٹ ہو گئے تھے اور اس نے ارمان شیرازی کا نمبر ڈائل کرنا چاہا تھا کہ سامنے آ جانے والے شخص کو دیکھ کر موبائل اس کے ہاتھ سے ہی چھوٹ گیا تھا جسے اس نے مسکرا کر بڑی سہولت سے کیچ کر لیا تھا اور اس کی جانب نظر کی تھی۔ اس کا کاجل آنکھوں کے کنارے سے پھیلا ہوا تھا اور ان میں در آنے والا ہراس اس کی آنکھوں کو بہت بھلا لگا تھا۔

''تمہاری بھولنے کی عادت سے آج مجھے بہت فائدہ ہو گیا ہے۔'' وہ مسکرایا تھا جبکہ وہ اسے ناسمجھی سے دیکھنے لگی تھی اور وہ اسے اپنا کارنامہ بتانے لگا تھا کہ اسے جاتے ہوئے ہال کی سیٹ پر رکھے موبائل کی رنگ ٹون نے روکا تھا اور نہ جانے کیوں اس نے فون اٹھایا تھا اور اسکرین پر نظر آتی اس کی تصویر اور بلنک ہوتا ''ڈیڈی کالنگ'' اس کے تو دل کی کلی کھلا گیا تھا اور رنگ ٹون جیسے ہی بجنا بند ہوئی تھی اس نے ایک ٹیکسٹ کیا تھا۔

''ڈیڈی، میں خواہش کے ساتھ گھر آ جاؤں گی، آپ لینے نہ آئیں۔'' اس نے یہ ٹیکسٹ اس لیے کیا تھا کہ کچھ دیر قبل اس نے شیریں کو خواہش کو کہتے سنا تھا کہ ''میں ڈیڈی کو کال کر دیتی ہوں کہ وہ مجھے لینے آ جائیں۔''

اس نے ایسا میسج اس لیے کیا تا کہ اب وہ نہ آئیں اور وہ اپنے منصوبہ میں کامیاب ہو گیا تھا کہ ارمان شیرازی بیٹی کو جانتے تھے اکثر وہ ہی نہیں خواہش بھی یہی کرتی تھی اور ایک دوسرے کے گھر چلی جاتی تھیں اس لیے وہ آفس سے نکل کر اپنے گھر چلے گئے تھے کہ انہوں

نے اسے کال بھی کی تھی جو زعیزہ خان نے پہلی کال کی طرح ریسیو نہیں کی تھی۔

''آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں۔ میں اب گھر کیسے جاؤں گی کہ خواہش تو عبیر بھیا کے ساتھ کب کی گھر چلی گئی۔'' ساری بات سن کر وہ حیرت سے نکل کر غصہ سے بولی تھی۔

''میں ہوں ناں، میں چھوڑ دوں گا۔ اسی بہانے راستے میں کچھ باتیں بھی ہو جائیں گی۔'' خواہش کے چلے جانے کا سن کر تو اسے حقیقتاً بہت اچھا لگا تھا جبکہ وہ نہایت اطمینان سے کہتا اسے سخت برا لگا تھا۔

''شٹ اپ! میں آپ کے ساتھ کیوں جاؤں گی؟'' ناگواری اس کے حسین چہرے پر بکھر گئی تھی۔

''کیونکہ میں ایسا چاہتا ہوں۔'' وہ ہنوز اطمینان سے بولا تھا۔

''دیکھیں آپ فضول میں مجھے پریشان نہ کریں اور مجھے میرا سیل واپس کریں، مجھے اپنے ڈیڈی کو بلانا ہے۔'' وہ ناگواری و خود اعتمادی سے بولی تھی۔

''وقت ضائع نہ کرو ہرنی کہ ابھی تمہیں ہیلپ کی ضرورت ہے، اور میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں، تم میری ہیلپ لے لو تمہارا بھی فائدہ اور میرا بھی۔'' وہ مسکرایا تھا کہ پہلی ہی ملاقات میں وہ اس کی خوبصورت آنکھوں میں خود اعتمادی کے تمام رنگ بھانپ گیا تھا کہ وہ خود اعتماد تھی مگر بولڈ نہ تھی اور نہ ہی اس طرح کی سچوایشن سے پالا پڑا تھا اس لیے فطری طور پر ہراساں ہو جاتی تھی جیسے ابھی اس نے پریشانی سے ادھر ادھر نظر دوڑائی تھی۔ کچھ لوگ آ جا رہے تھے مگر اتنے چہروں میں کوئی شناسا نہ تھا اور وہ کسی اپنے کو بلا نہیں سکتی تھی کہ موبائل وہ قبضے میں لیے ہوئے تھا۔

''مجھے آپ کی ہیلپ کی نیڈ نہیں ہے اس لیے بہتر ہوگا آپ کے لیے کہ آپ میرا سیل فون مجھے واپس کر دیں۔'' وہ روہانسی ہو رہی تھی اس کی مقناطیسی آنکھوں میں نمی ہلکورے لینے لگی تھی جبکہ وہ ایک نظر اس پر ڈالتا پارکنگ کی طرف بڑھا تھا۔

''آپ پلیز میرا موبائل تو دے دیں۔ میں اکیلے گھر نہیں جا سکتی، مجھے اپنے ڈیڈی کو بلانا ہے۔'' اس کے جانے پر وہ حیران پریشان سی آواز لگا گئی تھی اس نے اس کا قیمتی موبائل اپنی گاڑی کی چھت پر رکھا تھا اور مڑ کر اسے دیکھا وہ اس کی چال سے انجان بڑی پھرتی میں گاڑی تک پہنچی اور اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اس کے بازو کو جکڑا اور کھلے فرنٹ ڈور سے اسے گاڑی کے اندر دھکیل دیا۔

''شور کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا کہ میری گاڑی ساؤنڈ پروف ہے۔'' ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے اس کے ہراساں چہرے کو دیکھ کر اطمینان سے بولا تھا جبکہ مارے خوف کے وہ رونا اور احتجاج کرنا ہی بھول گئی تھی۔

''میں تمہیں کہیں لے جا نہیں رہا کہ تمہیں بھگا کر لے جانے کو ابھی ایک زندگی باقی ہے۔ آج تو صرف کچھ باتیں کرنی ہیں، کچھ تمہارے بارے میں جاننا ہے، کچھ اپنے بارے میں بتانا ہے۔ پھر اس کے بعد میں تمہیں تمہارے گھر ہی ڈراپ کر دوں گا۔ ڈونٹ وری۔'' اس کا نم گلابی رخسار تھپکا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی اور اس کے ساکت ہو جانے والے تمام احساسات جاگ اٹھے مگر اس نے اس کے کسی بھی

احتجاج پر کان نہیں دھرے بلکہ کچھ دور جا کر گاڑی ہی روک دی۔

''تمہاری چیخ وپکار کی وجہ سے میں اپنی بات نہیں کہہ سکا اس لیے تم رولو جتنا رونا ہے، جتنی چیخ وپکار کرنی ہے کرلو، جب مجھے لگے گا کہ تم مجھے توجہ سے سن رہی ہو، محسوس کر رہی ہو تب میں اپنی کہوں گا کہ مجھے تو تمہیں اس طرح دیکھنا بھی بہت اچھا لگ رہا ہے۔'' وہ اس کا اوپر سے نیچے تک جائزہ لیتے ہوئے ایسے بولا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو جبکہ اس کی تو پوری ہستی زلزلوں کی زد پر تھی اس کی نگاہوں میں کچھ ایسا تھا جو اس کے لیے نیا اور غیر تحفظات کا باعث تھا اس نے سسکیاں بھرتے ہوئے میکانکی انداز میں بے ترتیب ہوئے آنچل کو شانوں پر برابر کیا تھا۔ اس کی احتیاط وغیر تحفظات پر لمحہ بھر کو سگریٹ سلگاتے اس کے ہاتھ تھمے تھے اور دوسرے ہی پل وہ زیرلب مسکراتا سگریٹ سلگا گیا تھا جبکہ بلند ہوتا شعلہ دیکھ کر اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہونے لگے تھے۔ وہ ڈور سے جا چپکی تھی۔

''آج تو تم نے میری پوری ہستی ہی ہلا ڈالی ہے ہرنی۔'' کش لگاتے ہوئے اس کے ہراساں چہرے کو دیکھا تھا۔ اس کا گلابی معصوم چہرہ ہراس سمیٹے کچھ اور دلکش ہو گیا تھا۔

''یہ وقت تمہارے حسن کو عقیدت پیش کرنے کا نہیں ہے ورنہ تمہارا ہراس، تمام ناگواریاں ایک طرف رہ جائیں گی جب میں دوریاں مٹانے پر آؤں گا۔'' وہ یکدم اس کو بازو سے تھام کر اپنی طرف کھینچتا بہکے بہکے سے مخمور لہجے میں بولا تھا۔ اس کا گلابی چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ وہ کانپنے لگی تھی اس کے ہراس کا مگر سبب اس کا بازو تھامنا یا بکواس کرنا نہیں تھا کہ اسوقت اس کے ہراس کا سبب جلتی ہوئی سگریٹ تھی جو اس کے تنفس کے بگاڑ کا سبب بننے لگی تھی۔ گاڑی میں بھرتا دھواں وہ بے تحاشا کھانس رہی تھی اس نے اس کا بازو آزاد کیا تھا وہ اب کے ڈور سے جا کر ایسے چپکی تھی کہ اس نے پیر بھی سیٹ پر رکھ لیے تھے اور اس کی تشویشناک حالت اس کو بھی پریشان کر گئی تھی جبکہ وہ اب آنکھیں میچے بگڑتے تنفس کے ساتھ بمشکل چیخ رہی تھی۔

''ڈیڈی! مجھے بچالیں، پلیز ڈیڈی، مجھے جل کر نہیں مرنا۔'' اس کے الفاظ اس کی حالت، وہ کوئی کم عقل شخص نہ تھا جو اس کی بگڑتی حالت سمجھ نہ پاتا اس نے ونڈو گلاس نیچے کیے تھے اور سگریٹ گاڑی سے باہر اچھال دی تھی اور اس کی جانب متوجہ ہوا تھا جو گاڑی کے فرنٹ ڈور سے ٹیک لگائے سانس لینے کی کوشش میں بری طرح ناکام ہو رہی تھی اس کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا اس نے بہت غور سے اس کے نیم جاں حسین وجود کو دیکھا تھا اور اس کی نشیلی قدرے سرخ مائل آنکھیں اس کے نیلے پڑتے پنکھڑی لبوں پر ٹھہر گئی تھیں۔ اس نے شیریں کا یخ بستہ ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا اور بہت کچھ سوچتے ہوئے اس کے نیم وا ہونٹوں پر اپنے لب جما دیئے تھے۔ اس کا مصنوعی سانس دینے کا فیصلہ کارگر ثابت ہوا تھا۔ اس کے نیم جاں وجود میں زندگی کی لہر دوڑنے لگی تھی۔ اس نے نیم وا آنکھیں کھولی تھیں مگر اس کے حواس پوری طرح نہ لوٹے تھے اسے اپنا وجود کسی شکنجے میں محسوس ہوا تھا وہ خود پر کسی کو جھکا ہوا اب محسوس کر پا رہی تھی، وہ مچلی تھی آنکھوں سے پانی تیزی سے بہنے لگا تھا اس کے وجود میں ہوتی ہلچل محسوس کر کے اس نے اس پر جھکے جھکے ہی ذرا کی ذرا پلکیں اٹھائی تھیں اور اس کی حسین آنکھوں میں پھیلا ہراس اس کو مزید بہک جانے کو اکسانے لگا تھا مگر اس نے اس کی آنکھوں میں ناچتی ہراس کے ساتھ بے بسی اور کسی مسیحا کے آنے

کی خواہش محسوس کرتے ہوئے فاصلہ قائم کر دیا تھا کہ وہ اس کی سوچ سے زیادہ برا تھا مگر وہ بے ایمانی بھی بڑے ایمان سے کرتا تھا اور اس وقت اس نے جو کیا ضرورت کے تحت نفس کے بہکاوے میں آ کر نہیں، اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی دور ہو گیا تھا وہ گھٹنوں میں سر دیئے بری طرح سسکنے لگی تھی۔

''مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم اتنی نازک ہو، میرے سگریٹ سلگانے سے تمہاری حالت انتہائی تشویشناک ہو جائے گی۔'' وہ اس کو سسکتے دیکھ کر عجیب سے انداز میں بڑبڑایا تھا جبکہ وہ سسکتے ہوئے ہی ہوش گنوا بیٹھی تھی۔ اس نے ایک نظر اسے دیکھا تھا اور گاڑی ہاسپٹل کی جانب ڈال دی تھی کہ وہ اس کے لیے حقیقتاً پریشان ہو گیا تھا اور اس سے بڑھ کر تو پریشان نیناں ولاز کے مکین ہوئے تھے۔ بھاگم بھاگ ہاسپٹل پہنچے تھے اور راہزن کو مسیحا سمجھ کر اس کا شکریہ ادا کر رہے تھے کہ اس میں کوئی شک نہ تھا کہ راہزن ہی رہبر بھی ثابت ہوا تھا۔

☆......☆......☆

''مم، میں نہیں جانتی ڈیڈی کہ آپ کو ٹیکسٹ کس نے کیا تھا کہ میں تو آپ کا انتظار کر رہی تھی۔'' تقریباً دو گھنٹے بعد وہ ہاسپٹل سے گھر آ گئے تھے۔ ان کا یہ پوچھنا تھا کہ وہ خواہش کے ساتھ جانے کا کہہ کر کیوں نہیں گئی؟ تو وہ سب کچھ جانتے ہوئے ڈر و خوف کے حصار میں بند بھی کچھ نہ بتانے کی ہمت کے سبب جھوٹ بول گئی تھی کہ ویسے بھی ٹیکسٹ ہو جانے کے بعد ہی اس کے علم میں آیا تھا کہ اس لحاظ سے اس نے جھوٹ نہ بولا تھا۔

''انکل، یہ اپنا سیل فون ہال میں بھول آئی تھی تب کسی نے شرارت کی ہو گی۔'' باپ کے ساتھ آتی خواہش بولی تھی۔

''لیکن تم بے ہوش کیسے ہو گئی تھیں؟'' یمنیٰ کے پوچھنے پر وہ بہت ڈر گئی تھی اور اس کا ڈر محسوس کر کے وہ سب ہی پریشان ہو گئے تھے۔

''وہ، وہاں......وہ سگریٹ۔'' اس کے بے ربط سے چند لفظ بھی انہیں ساری کہانی سمجھا گئے تھے کہ اس خوف میں تو وہ بچپن سے مبتلا تھی اسی لیے تو وہ کبھی اسے کہیں بھی اکیلے نہیں جانے دیتے تھے۔ ہمیشہ کوئی نہ کوئی اس کے ساتھ ہوتا تھا کہ اس نے شعلوں تو کیا ماچس کی ایک تیلی بھی جلتے دیکھی نہیں کہ اس کی حالت بگڑی نہیں۔

''ریلکس میری جان!'' ارمان شیرازی نے اسے کاندھے سے لگایا تھا اور وہ بری طرح بلکنے لگی تھی۔ اتنے اپنوں میں بھی اس وقت اسے ماں کی کمی شدت سے محسوس ہوئی تھی کہ جو وہ کسی کے سامنے کہہ نہیں پا رہی تھی وہ شاید ماں سے کہہ دیتی۔

''ڈیڈی، مجھے ممی کے پاس جانا ہے۔ پلیز مجھے ممی کے پاس لے جائیں۔'' وہ بری طرح سسک رہی تھی۔

''بیٹا، ممی بہت دور ہیں وہ ابھی فوراً نہیں آ سکتیں، آپ رونا بند کرو پھر میں ممی سے فون پر تمہاری بات کرواؤں گا۔'' اس کی حالت ان سب کے لیے تکلیف کا باعث تھی۔ وہ بہت پریشان ہوئے نرمی سے اسے پچکار رہے تھے۔

''وہ کیوں گئی ہیں مجھ سے دور، مجھے وہ یاد آ رہی ہیں، پلیز بلائیں انہیں میرے پاس۔'' اس کے رونے میں شدت آ گئی تھی۔

''واٹ ربش! بچی نہیں ہو جو ممی، ممی کر کے رو رہی ہو۔ کچھ ماہ تک آ جائیں گی تمہاری ممی، پریشان ہونے اور کرنے کی بالکل

ضرورت نہیں ہے۔" اس کی ضد اور ایک ہی تکرار سے تنگ آ کر وہ شاؤٹ ہوئے تھے جبکہ وہ ان کے تیز لہجے پر سہم کر ساتھ بیٹھی یمنیٰ سے لپٹ گئی تھی۔

"ارمان، کیا ہو گیا ہے تمہیں، شیریں پہلے ہی ڈری ہوئی ہے۔" سالار مصطفیٰ ناگواری سے دوست کو دیکھتے ہوئے بولے تھے۔

"آئی نو، اس لڑکی نے میری جان نکال دی ہے، اس سے کہو پلیز نہ روئے۔ اسے روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔" ارمان شیرازی کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی۔

"سنبھالو یار خود کو، شیریں ٹھیک ہے۔" انہوں نے ارمان شیرازی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا تھا اور ان کے اشارے پر ابیان انہیں کمرے سے باہر لے گیا تھا۔

"شیریں! چندا بالکل چپ ہو جا، ڈیڈی ڈانٹ نہیں رہے تھے۔" یمنیٰ نے نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں کہا تھا۔

"میں نیناں کا نمبر ڈائل کر رہا ہوں، رونا بالکل نہیں ورنہ تمہاری ممی پریشان ہو جائیں گی۔" سالار مصطفیٰ نے اسے شفقت سے اپنے قریب کر کے اس کو چپ کروایا تھا اور وہ ذرا بہل گئی تھی تب اس کی ضد سے مجبور ہو کر بولے تھے مگر ماں کی آواز سن کر ہی وہ ان کی ہر ہدایت بھول گئی تھی۔

"ممی، آئی مس یو! پلیز واپس آ جائیں۔" وہ سسکتے ہوئے کہتی ماں کو پریشان کر گئی تھی۔

"سالار بھیا، بتایئے ناں شیریں کو کیا ہوا ہے، کیوں اتنا رو رہی ہے؟" انہوں نے بھانجی سے سیل فون لے لیا تھا اور وہ بھائی سے بہت پریشانی سے استفسار کرنے لگی تھیں اور انہوں نے ساری تفصیل بتا دی تھی۔

"اب تم پریشان نہ ہو اور شیریں سے بات کرو تاکہ اس کا ڈر ختم ہو کہ وہ اس وقت تمہیں بہت مس کر رہی ہے۔" انہوں نے بہن کو نرمی سے دلاسہ دے کر سمجھایا تھا اور فون شیریں کو دے دیا تھا اور وہ بہت کچھ بتانے کی چاہ میں ایک لفظ بھی بتانے کی ہمت نہیں کر پائی تھی۔ یہ ایک بات تھی کہ ماں سے بات کر کے کافی حد تک پرسکون ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

"کیا بات ہے، آج موڈ کافی خوشگوار لگ رہا ہے۔" راحیل کی بات پر اس کے گنگناتے لب سکڑ گئے تھے۔

"اوہوں، ہے ایک حسین وجہ۔" چاندنی سا سراپا کیا آنکھوں کے سامنے لہرایا لب خود بہ خود مسکرانے لگے تھے۔

"یعنی میرے یار کو، کوئی نئی حسینہ ٹکرا گئی ہے۔" وہ معنی خیزی سے بولا تھا وہ بے ساختہ قہقہہ لگا گیا تھا۔

"یار، میں نے زندگی میں کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ کوئی کالے لباس میں انتہائی حسین بھی لگ سکتا ہے۔" اس کا انداز کھویا کھویا سا تھا جبکہ راحیل بے ساختہ قہقہہ لگا گیا تھا۔

''ہر نئی لڑکی جسے تو ٹائم دینا چاہتا ہے اس کے لیے ایسے ہی کہتا ہے۔'' وہ معنی خیزی سے بولا تھا۔

''اوہوں، مگر میں اس وقت بہت سچائی سے بولا ہوں۔ اس سچائی سے جس سے کبھی کام نہیں لیا۔'' اس نے سگریٹ نکالی تھی جبکہ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا تھا کہ اس کے لہجے میں کچھ نیا پن تھا۔

''مطلب کیا ہے تیری بات کا؟'' متحیر سا سوال کر بیٹھا تھا۔

''آج پہلی دفعہ مجھے احساس ہوا کہ میرے سینے میں بھی دل ہے۔'' اس کی آنکھوں میں چمک تھی وہ پھر ہنسنے لگا تھا۔

''لگتا ہے لڑکیاں تیرے قابو میں نہیں آ رہیں اسی لیے پینترا بدل ڈالا ہے۔'' اس نے ریک سے وائن کی بوتل اٹھاتے ہوئے گل افشانی کی تھی۔

''تو میری سنے گا؟'' اس نے دوست کو گھورا تھا وہ کچھ دیر اپنی ہی سناتا رہا تھا مگر زعیز عہ خان کے یکدم غصہ کرنے پر چپ ہو گیا تھا۔

''سیاہ لبادے میں چاندنی سا اس کا سراپا میری آنکھوں میں ٹھہر سا گیا ہے، جہاں دیکھتا ہوں صرف وہی ہے، کسی اور کو دیکھنے کا دل ہی نہیں کرتا کہ پہلی دفعہ کسی نے زعیز عہ خان کے دل کے تار چھیڑ ڈالے ہیں۔'' وہ آنکھیں بند کیے اس کے متناسب سراپے کو خیالوں میں بسائے مسکرا رہا تھا۔

''میں اس کے حسن کو اسی وقت خراج عقیدت پیش کرتا جب میرا دل سینے سے نکل کر اس کے حسن کی چاندنی سے لپٹ گیا تھا کہ اس وقت میرا دل کر رہا تھا کہ اسے میرے سوا کوئی نہ دیکھے اسے میں اپنے دل کے نہاں خانوں میں چھپا کر اسے ہر دیکھنے والی آنکھ کے سامنے سے اوجھل کر دوں مگر میں ایسا نہیں کر پایا اور موقع ملا بھی تو اس کے حسن کو خراج عقیدت پیش نہ کیا کہ اس کانچ سی لڑکی میں ایسا کچھ ہے کہ میں اسے کرچی کرچی نہیں کرنا چاہتا تھا۔'' اس کا نظر چرانے کا منظر آنکھوں میں لہرایا تھا اور وہ آنکھیں کھول گیا تھا اور نگاہ حیرانگی سے خود کو تکتے راحیل پر پڑی تھی اور وہ عجیب سی ہنسی ہنس دیا تھا۔

''آر یو سیریئس؟'' اس کا سوال حیرانگی لیے ہوئے تھا۔

''آئی ڈونٹ نو! بٹ اس میں ایسا کچھ ضرور ہے کہ اس نے زعیز عہ خان کا چین و قرار اپنے بس میں کر لیا ہے۔'' سگریٹ ایش ٹرے میں بجھائی تھی اور بستر سے نکل کر کھڑکی میں جا کھڑا ہوا تھا۔

''تو جانتا ہے ایک سے بڑھ کر ایک حسین لڑکی میری خلوت کا حصہ رہی ہے اور مگر جب سے اسے دیکھا ہے جیسے ہر عورت کو خود پر حرام کر لیا ہے کسی کی قربت اچھی نہیں لگ رہی۔'' اس کے انداز میں عجیب سی بے چینی تھی جسے راحیل نے صاف محسوس کر لیا تھا کہ وہ کچھ دنوں سے حیران تھا کہ اس نے ڈرنک نہیں کی تھی اور نہ ہی کوئی لڑکی اس کی خواب گاہ کا حصہ بنی تھی اس کے پوچھنے پر وہ اب تک ٹالتا رہا تھا اور آج ایک الگ ہی داستان سنا رہا تھا۔

''میری خلوتوں کی یہ جھتیں کئی بار سج کے اجڑ گئیں، مجھے بارہا یہ گماں ہوا کہ تم آ رہے ہو کشاں کشاں۔''

وہ شیریں کے عکس کو نگاہوں کی پتلیوں پر سجائے زیرِ لب کہہ رہا تھا۔

''مسئلہ کیا ہے اگر وہ لڑکی تجھے بھا گئی ہے تو بتا کچھ دیر میں تیرے پاس آ جائے گی۔'' راحیل نے اپنے مخصوص انداز میں کہہ کر آنکھ دبائی تھی۔

''وہ مجھے بھا گئی ہے یہ بات مسئلہ نہیں ہے کہ جیسے تو نے کہا میں بھی کر سکتا ہوں اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ میں بھی اسے بھا جاؤں جیسے وہ مجھے بھا گئی ہے۔'' اس کے انداز میں بے خودی بھی تھی اور ایک خواہش بھی۔ اس کی بے خودی اس کے لیے نئی نہ تھی ہاں خواہش نئی تھی جس کا اس نے اظہار بھی کر ڈالا تھا اور ساتھ ہی مشورہ بھی دیا تھا۔

''تو ایسے اچھا نہیں لگ رہا، فضول کی بکواس نہ ہی کر تو بہتر ہے اور یہ لے ایک گلاس چڑھا تا کہ تیرا دماغ ٹھکانے آئے کہ لوگ پی کر بہکتے ہیں اور تو پیئے بغیر ہی بہک چکا ہے۔'' اس کا انداز سراسر مذاق اڑانے والا تھا۔

''ٹھیک کہا تو نے! جب سے اسے دیکھا ہے بن پیئے ہی بہک رہا ہوں۔ اس جام کی اب ضرورت ہی محسوس نہیں ہو رہی۔'' اس نے کہتے ہوئے اپنی سرخ آنکھیں اس پر گاڑ دی تھیں اور اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر دیوار پر دے مارا تھا۔

''تو پاگل ہو گیا ہے۔'' راحیل حیرانگی سے کہہ اٹھا تھا۔

''ہاں، اس کی ایک جھلک نے مجھے پاگل ہی تو کر ڈالا ہے۔'' اس نے بیڈ پر پڑا موبائل اٹھا کر میسجز اوپن کیے تھے۔ انارکلی کے گیٹ اپ میں وہ اپسراؤں کو مات دے رہی تھی اس پر بے خودی سی طاری ہونے لگی تھی اور اسی پل راحیل نے اس کے ہاتھ سے سیل فون جھپٹنے کی کوشش کی تھی مگر ناکام ہو گیا تھا۔

''میں بھی تو دیکھوں آخر ایسی بھی کیا کمال چیز ہے جس کو دیکھ کر ہی تو بہک گیا ہے۔'' اس نے ہاتھ نیچے کرتے ہوئے دوست کو ناگواری سے دیکھا تھا۔

''اس خواہش کو خواہش ہی بنے رہنے دینا کبھی اسے پورا کرنے کے لیے کوشش کرنا تو دور سوچنا بھی مت۔'' وہ بہت سختی سے کہتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا نکلتا چلا گیا تھا جبکہ راحیل کے اندر فطری تجسس کی لہریں اس کی آخری بات نے تیز تر کر دیں تھیں اور وہ پھر کبھی پرٹا لتا اس کے پیچھے ہی کمرے سے نکلا تھا کہ اسے ناراض نہیں کر سکتا تھا کہ اس کی زندگی میں جتنی سہولیات تھیں، جتنی وہ عیاشیاں کیا کرتا تھا سب اس کے توسط سے تھا اس لیے وہ اس دنیا میں اگر کسی سے ڈرتا تھا یا پرواہ کرتا تھا اپنے مفادات کے لیے تو وہ زعیزعہ خان ہی تھا اس لیے وہ اس کے پیچھے فوراً دوڑا تھا۔

☆......☆......☆

''واؤ، بیوٹی فل۔'' یمانی کی آنکھوں میں واضح ستائش تھی۔ شانیہ نرمی سے مسکرا دی تھی۔

''آپ کو اچھی لگی ہے تو یہ پینٹنگ آپ لے سکتی ہیں۔'' اس نے اپنے مخصوص نرم میٹھے لہجے میں آفر کی تھی۔

''تم نے یہ تصویر بلاشبہ بہت اچھی بنائی ہے، مجھے اچھی لگی ہے مگر میں لے نہیں سکتی۔'' وہ دھیمے سے بولی تھی۔

''میں تم سے خود کچھ پینٹنگز بنواؤں گی۔'' وہ مزے سے بولی تھی۔

''کیوں نہیں آپی، آپ جب کہیں۔'' وہ فوراً راضی ہوگئی تھی۔ وہ اسے دیکھنے لگی تھی۔ وہ بہت زیادہ حسین تھی مگر اس کے اندر کی سچائی اور معصومیت اسے حسین تر بناتی تھی۔

''بھائی آگئے۔'' ڈور بیل کی آواز پر وہ کہتی کمرے سے نکلی تھی اور اس کے پیچھے ہی وہ بھی باہر آگئی تھی۔ اسے کافی دن بعد اپنے گھر پر دیکھ کر شہباز کو خوشگوار سی حیرت ہوئی تھی اور وہ یونیورسٹی کی نسبت قدرے اپنائیت اور شائستگی سے سلام کرتی اس کی خیریت دریافت کرنے لگی تھی۔ شہباز نے نرمی سے جواب دے کر چند رسمی سی باتیں کیں اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ مشہود علی دو بھائی بہن تھے۔ شہناز بڑی تھیں ان کے شوہر یونیورسٹی میں پروفیسر تھے۔ ان کے مالی حالات کچھ زیادہ اچھے نہ تھے لیکن وہ اپنی زندگی سے مطمئن تھیں کہ عباس صاحب ایک اچھے خیال رکھنے والے جیون ساتھی ثابت ہوئے تھے۔ ان کے دو بچے شہباز اور شانیہ تھے۔ شہباز نے کیمسٹری میں ماسٹرز کیا تھا اور اب پی ایچ ڈی کرنے کے ساتھ اسی یونیورسٹی میں بطور لیکچرار تعینات تھے جبکہ اس کی چھوٹی بہن شانیہ فائن آرٹس کی اسٹوڈنٹ تھی کہ مصوری کرنا اس کا شوق تھا اور قدرتی طور پر وہ اس صلاحیت سے مالا مال تھی اور اس کی صلاحیتیں تعلیم کے ذریعے مزید پالش ہونے لگی تھیں۔ عباس صاحب کی وفات کو تین سال ہوگئے تھے اس کے بعد تمام ذمہ داری شہباز پر ہی تھی اس لیے وہ پڑھائی کے ساتھ جاب بھی کر رہا تھا۔ یمانی اس کے سگے ماموں کی بیٹی تھی اس کی شانیہ سے بھی کافی بے تکلفی تھی مگر اس سے محض سلام دعا ہی ہوا کرتی تھی کہ یمانی ہی نہیں خود وہ بھی کافی ریزرو نیچر کا حامل شخص تھا۔ اسی لیے یونیورسٹی میں یہ بات کسی کے علم میں نہ تھی کہ سر شہباز، یمانی مشہود کے فرسٹ کزن ہیں یہاں تک کہ یہ بات یمانی کی بیسٹ فرینڈ عالیہ بھی نہیں جانتی تھی۔

☆......☆......☆

''کوئی بات ہے تو مجھے بتاؤ شیریں کہ ہم سب کو ہی لگ رہا ہے جیسے کہ تم ہم سب سے کچھ چھپا رہی ہو۔'' وہ یمنیٰ کے بازو پر سر رکھے لیٹی تھی کہ ان کی بات پر اٹھ بیٹھی تھی اور اس کا یکدم زرد پڑ جانے والا چہرہ ان کے شک کو قدرے تقویت سی دے گیا تھا۔

''سچ بڑی ممی! کوئی بات نہیں ہے۔ بس میں ڈر گئی تھی۔'' وہ منمنائی تھی اور ان کے کمرے سے ہی نکل گئی تھی۔

''کیا سوچ رہی ہیں آپ؟'' وہ اپنی سوچوں میں اتنی مستغرق تھیں کہ ارمان شیرازی کے آجانے کا بھی پتہ نہیں چلا تھا۔

''آپ کب آئے؟'' ان کو قدرے حیرت سے دیکھا تھا وہ کچھ پریشان لگی تھیں اور وہ کوٹ اتارتے ان کے پہلو میں آ ٹکے تھے۔

''کیوں پریشان ہیں؟'' نرمی سے پوچھا تھا۔

''مجھے لگتا ہے کہ کچھ ایسا ہے جو شیریں ہم سب سے چھپا رہی ہے۔'' وہ بلاتوقف کہہ گئی تھیں۔

''مجھے بھی لگا تھا بٹ ہم سب اس کے ڈر سے واقف ہی ہیں اس لیے آپ پریشان نہ ہوں کہ وہ ویسے بھی نیناں کو مس کر رہی ہے کہ نیناں فرسٹ ٹائم اس سے اتنے دن کے لیے دور ہوگئی ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولے تھے۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں، وجہ یہ بھی ہے مگر کچھ اور بھی ہے جو ہم سب سمجھ نہیں پا رہے۔'' وہ دھیمے سے کہتیں ارمان شیرازی کو بھی پریشان کرگئی تھیں۔

''آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟'' وہ غیر معمولی سنجیدہ ہو چکے تھے۔

''شیریں کی طبیعت سے اس کے ڈر سے ہم سب واقف ہیں مگر اس ڈر میں مجھے کچھ نیا کچھ عجیب سا ڈر بھی محسوس ہوا ہے کہ وہ مجھ سے ہی نہیں کل نیناں سے بھی کچھ کہنا چاہتی تھی، میں نے اس کا اضطراب محسوس کیا تھا مگر وہ کچھ بھی نہیں بولی اور آپ جانتے ہیں کہ شیریں، بالکل نیناں کی طرح ہے جیسے نیناں اکثر بہت کچھ غلط کر ہی جاتی ہے مگر وہ جھوٹ بول ہی نہیں سکتی ایسے ہی شیریں بھی جھوٹ نہیں بول پا رہی کہ وہ جھوٹ بول ہی نہیں سکتی۔'' وہ صاف گوئی سے کہہ رہی تھیں مگر شیریں کے لیے ان کی فکر ان کے چہرے سے عیاں تھی۔

''ایسی بات ہے تو آپ یا پھر یمانی سے کہیں کہ وہ شیریں سے پوچھے کہ بات کیا ہے۔'' انہوں نے متفکر سے انداز میں ایک آپشن سامنے رکھا تھا۔

''جی میں بات کروں گی، آپ پریشان نہ ہوں۔'' وہ اپنی پریشانی بانٹتے ہوئے انہیں پریشان کرنے کے بعد پریشان نہ ہونے کا کہہ رہی تھیں جبکہ اب وہ شیریں کی طرف سے متفکر ہو چکے تھے۔

☆......☆......☆

''سچ میں آپی، ایسا کچھ بھی نہیں ہے جو مجھے پریشان کرے۔'' یمانی کے پوچھنے پر اس کے دل میں آئی تھی کہ وہ اسے سب کچھ بتا دے لیکن جھجک تھی یا زعیزعہ خان کی طرف سے اسے کوئی خوف لاحق تھا کہ جھوٹ نہ بولنے والی، سچ بولنے سے ہی گریزاں، فضول من گھڑت کہانی سنا رہی تھی۔

''آپ تو جانتی ہیں ناں کہ دھوئیں اور سگریٹ کی اسمیل سے مجھے خوف آتا ہے اس لیے میں ڈر گئی تھی اور اب میں کچھ بھی نہیں بھول پا رہی۔'' پھر وہی سب دہرایا تھا جو سب کو کتنی ہی بار کہہ چکی تھی۔

''میری جان! بھول جاؤ سب کچھ۔'' اس نے نرمی سے شیریں کو اپنے نزدیک کرلیا تھا اور اسے بہلانے کو اس سے چھوٹی چھوٹی باتیں کرنے لگی تھی مگر وہ محض وقتی طور پر بہل گئی تھی کہ زعیزعہ خان اس کے ذہن سے آسیب بن کر چمٹ گیا تھا۔

☆......☆......☆

''سالار بھائی، آپ سمجھائیں نیناں کو وہ ارمان کے علم میں لائے بغیر اتنا بڑا فیصلہ نہ لے۔'' وہ نیناں ولاز کے پیپرز نیناں شیرازی کے روم میں موجود لاکر سے نکال کر لے آئی تھیں مگر وہ اتنا بڑا فیصلہ لینے کے حق میں نہ تھیں نیناں شیرازی کو سمجھانے میں ناکام ہو گئی تھیں مگر سالار مصطفیٰ سے کہے بغیر بھی نہیں رہ پائی تھیں۔

''یہ میں نے بھی نیناں کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ میں خود نہیں چاہتا کہ نیناں ولاز گروی رکھا جائے اس لیے میں نے مصطفیٰ

ہاؤس گروی رکھنے کی بات کی تھی مگر وہ کسی قیمت پر نہیں مانی اور نہ ہی ارمان کچھ مان رہا ہے مگر مسئلہ بہت بڑا ہے اور یہ قدم بے شک ارمان کی مرضی و علم میں لائے بغیر اٹھایا جا رہا ہے مگر اس میں ارمان کی سب بھلائی ہے اور آنٹی اس سب کے لیے تیار ہیں وہ ہی ارمان کو سمجھائیں گی۔'' اس نے دھیمے سے ہر بات انہیں بتائی تھی۔

''جیسا آپ سب کو بہتر لگے مگر میں تو یہی چاہوں گی کہ ارمان کو بتا دیا جائے۔'' انہیں جو مناسب لگ رہا تھا صاف کہہ گئی تھیں۔

''ابھی وہ مان نہیں رہا مگر جب ایک کام ہو جائے گا تو غصہ کر کے ہی سہی خاموش ہو جائے گا۔'' سائرہ بیگم اندر آتے ہوئے بولی تھیں۔

''مما! ضروری نہیں ہے کیونکہ نیناں ولاز، ارمان کے لیے خود ان سے بڑھ کر اہم ہے وہ خود کو داؤ پر لگا سکتے ہیں مگر نیناں ولاز کو نہیں اس لیے یہ قدم سوچ سمجھ کر اٹھائیں کہ اگر گھر گروی رکھ کر رقم مل بھی گئی تو کیا گارنٹی ہو گی کہ ارمان اس رقم کو قرضہ خواہوں کو دے دیں گے؟'' وہ نہایت سنجیدگی سے کہتی سوال کر گئی تھیں۔ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کو پریشانی سے دیکھنے کے بعد انہیں دیکھنے لگے تھے۔

''ارمان کو راضی کرنے کے بعد ایسا کیا جائے گا کہ وہ مینٹلی طور پر اس سب کے لیے تیار ہوں گے اگر اچانک ایسا کچھ ان کے علم میں آئے گا تو انہیں گہرا صدمہ پہنچے گا کہ نیناں سے جڑی ہر ایک شے ارمان کے لیے بہت اہم ہے، آپ لوگ ضرورت اور وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے فیصلہ لے رہے ہیں مگر جو غلط ہے آگے آپ سب کی مرضی۔'' وہ اٹھ کر چلی گئی تھیں کہ انہوں نے ارمان شیرازی کے ساتھ ایک طویل وقت گزارا تھا مگر وہ اس کے ساتھ میں اپنے لیے صرف احساس محبت کے سوا ہر احساس کو پا گئی تھیں کہ وہ ارمان شیرازی کی صرف بیوی تھیں اور نیناں شیرازی ان کا پہلا و آخری عشق، اس لیے انہوں نے اگر یمنیٰ سے شادی کی تھی تو اس رشتے کو قلبی و ذہنی آمادگی سے نبھایا تھا، ان کے رشتے کے لیے تو ان کے دل میں بہت جگہ تھی مگر ایک بے اختیار سی محبت، عشق کا احساس ان کے لیے نہیں تھا کہ رشتے بہت سے بن جاتے ہیں، محبت بھی ایک نہیں سہہ بار ہو جاتی ہے مگر عشق صرف ایک بار ایک ہی ذات سے ہوتا ہے اور ان کا عشق نیناں شیرازی تھیں۔

وہ دونوں کیا کریں کیا نہیں کی الجھن میں تھے کہ ارمان شیرازی چلے آئے تھے۔ سلام کرتے صوفے پر بیٹھے تھے کہ نگاہ ٹیبل پر رکھی فائل پر پڑی تھی اور وہ جھٹکے سے اٹھتے لمحہ کے ہزارویں حصے میں وہ فائل اٹھاتے یکدم شیر کی طرح دھاڑ اٹھے تھے۔

''یمنیٰ!'' ایک نہیں سہہ بار انہوں نے بیوی کو پکارا تھا۔ ان کے تیور دیکھ کر وہ دونوں پریشان ہو گئے تھے۔ وہ ہانپتی کانپتی آئی تھیں کہ وہ سالار مصطفیٰ کی کچھ سنے بغیر ان تک پہنچے تھے۔

''تڑاخ!'' تھپڑ کی گونج میں وقت جیسے ٹھہر سا گیا تھا۔

''آپ نے صبح مجھ سے جھوٹ کیوں کہا کہ آپ کمرے میں نیناں کا کچھ سامان لینے آئی تھیں۔'' وہ بولے نہیں تھے دھاڑے تھے اور ہاتھ ایک دفعہ پھر اٹھا تھا مگر سالار نے ہاتھ تھام لیا تھا۔

''بی ہیو یور سیلف ارمان۔'' سالار قدرے غصہ سے ان کے درمیان آیا تھا۔

''ول یو شٹ اپ مسٹر سالار مصطفیٰ! درمیان میں آنے کی کوشش کی تو جان سے مار دوں گا۔'' جھٹکے سے ہاتھ چھڑاتے خونخوار لہجے میں کہتے روتی ہوئی بیوی کی جانب بڑھے تھے۔

''جواب دیجیے یمنیٰ کہ آپ نے کس کی اجازت سے نیناں ولاز کے پیپر میرے کمرے سے نکال کر سالار مصطفیٰ کو دیئے؟'' ان کا بازو آہنی گرفت میں لیتے ہوئے پوچھ نہیں رہتے تھے ان کی گویا جان نکال رہے تھے کہ وہ ان کے غصہ سے خائف ہوتیں باقاعدہ لرز رہی تھیں کہ ارمان شیرازی نے شادی کے طویل سالوں میں پہلی دفعہ ان پر ہاتھ اٹھایا تھا۔

''وہ نیناں۔'' وہ سسکی تھیں کہ وہ اس سب سے ہی خوفزدہ تھیں اس لیے ان سب کو ہی سمجھا رہی تھیں مگر وہ مجبور تھیں کہ صرف سمجھا سکتی تھیں جیسے نیناں کو سمجھایا تھا مگر وہ بضد تھیں تو وہ ان کے روم میں فائل لینے گئی تھیں سوئے اتفاق وہ سیل فون بھول گئے تھے کچھ دور جا کر وہی واپس لینے آئے تھے یمنیٰ کو اپنے اور نیناں کے روم میں دیکھ کر متحیر ہوئے تھے جبکہ وہ گڑبڑا گئی تھیں مگر کچھ تو کہنا تھا اس لیے بہانہ کیا تھا کہ نیناں شیرازی نے فون کر کے کہا تھا کہ وہ شیریں کو ان کے کبڈ سے جیولری نکال کر دے دیں وہ کچھ بھی سوچے یا برا منائے بغیر او کے کہتے موبائل لے کر چلے گئے تھے کہ ان کے وہم وگماں میں بھی نہ تھا کہ وہ ان کے روم میں پہلی دفعہ صرف وصرف نیناں ولاز کے پیپرز لینے آئی تھیں۔ ان کے منہ سے نام نکلنا تھا کہ انہوں نے ایک جھٹکے سے ان کا بازو آزاد کرتے ہوئے جیب سے موبائل نکالا تھا۔

''آج کوئی پرواز لندن جا رہی ہے؟'' وہ روتے ہوئے وہاں سے نکل گئی تھیں جبکہ وہ دونوں ان کے اشتعال کے سبب حیران پریشان سے کھڑے تھے کہ وہ ان کی کچھ سن بھی تو نہیں رہے تھے۔

''او کے، آپ ایک سیٹ ریزرو کر دیں۔'' مثبت جواب پا کر بولے تھے۔

''سر، آپ سمجھ نہیں رہے کہ سیٹز آل ریڈی بک ہیں، جو کینسل نہیں کی جا سکتیں، ایک سیٹ بھی ہوتی تو ہم ضرور آپ کی ہیلپ کر کے دلی خوشی محسوس کرتے ہیں۔'' ارمان شیرازی کا نام سن کر ہی وہ مؤدب ہوئی تھی اور ان کے صاف آرڈر دینے پر بھی پیشہ ورانہ نرمی سے ہی کہہ رہی تھی۔

''محترمہ مجھے ہر حال میں آج ہی لندن پہنچنا ہے آپ کیسے بھی مینج کریں اور مجھے اس فلائٹ میں سیٹ مہیا کر دیں۔ میں آپ کو پانچ منٹ بعد کال بیک کرتا ہوں اور یاد رہے مجھے پازیٹو آنسر ہی چاہیے۔ از دیٹ کلیئر۔'' وہ ٹریول ایجنٹ کی سنے بغیر آرڈر دیتے رابطہ منقطع کرتے ہوئے ملازمہ کو آواز دینے لگے تھے اس کے آتے ہی سامان پیک کرنے کی ہدایت دی تھی اور سالار مصطفیٰ کی برداشت جواب دے گئی تھی۔ انہوں نے وہاں سے نکلتے ارمان شیرازی کا بازو جکڑ کر روکتے ہوئے ان کے سامنے آ کر نہایت درشتگی سے کہا تھا۔

''فضول میں بات جانے بغیر کیوں اس طرح ری ایکٹ کر رہے ہو؟ تسلی سے میری بات......''

''او جسٹ شٹ اپ، میں صرف رابعہ کا خیال کرتے ہوئے تم سے کسی قسم کی بات نہیں کرنا چاہتا اس لیے بہتر ہوگا کہ تم خاموشی سے یہاں سے چلے جاؤ۔'' وہ سالار مصطفیٰ کو خونخوار نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولے تھے۔

''اگر نہیں جاتا تو کیا کرو گے۔ بیوی کی طرح ہاتھ اٹھاؤ گے مجھ پر۔'' وہ بھی کنٹرول کھوئے چیخے تھے یہ تو بہت اچھی بات تھی کہ چاروں بچے علی ہاؤس گئے ہوئے تھے کہ آج عبیر کی برتھ ڈے تھی۔

''جو کارنامہ تم اپنی بہن کے ساتھ مل کر انجام دینے جا رہے تھے اس کے لیے تو تمہیں سات توپوں کی سلامی دینی چاہیے اور با خدا تم رابعہ کے شوہر نہ ہوتے تو آج میرے ہاتھوں ضائع ہو جاتے۔'' ان کے تیور ہنوز بگڑے ہوئے تھے۔

''ارمان، بس بہت ہو گیا فضول میں چیخنے چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' سائرہ بیگم آخر کب تک تماشائی بنی رہتیں بالآخر مداخلت کر گئی تھیں۔

''نیناں کے فیصلے میں، میری بھی رضا شامل تھی اور یمنیٰ بے چاری کا تو کوئی قصور ہی نہ تھا۔'' وہ کہہ رہی تھیں مگر وہ ٹھہرے نہیں وہ سر تھام کر بیٹھ گئی تھیں جبکہ وہ بھی حد درجے متفکر تھے کہ وہ انہیں بچپن سے جانتے تھے اور غصہ سے واقف تھے جو اشتعال سامنے آیا وہ کچھ بھی نہ تھا۔ یمنیٰ کے ساتھ کیے جانے والے سلوک کے بعد انہیں بہن کی فکر ہونے لگی تھی مگر وہ کسی کی بھی سنے بغیر یمنیٰ شیرازی کو نئی ہدایت دیتے لندن پرواز کر گئے تھے جبکہ وہ بہن کو انفارم کرنے کا سوچنے لگے تھے مگر سائرہ بیگم کے منع کرنے پر ارادہ بدل گئے تھے۔

☆......☆......☆

''شیرازی!'' وہ اچانک ارمان شیرازی کو دیکھ کر حیران سی اپنی جگہ سے اٹھی تھیں جبکہ انہوں نے گیٹ کھولنے والے فراز کی طرح ابران کے بھی سلام کا جواب تک دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

''نیناں ولاز کے پیپرز کہاں ہیں نیناں؟'' سوال کیا تھا کوئی انگارہ تھا وہ ان کی آنکھوں و چہرے کے تاثرات سے ہی سمجھ گئی تھیں کہ کچھ غلط ہے مگر ان کے بے لچک لہجے سے اندازہ ہوا تھا کہ کچھ نہیں بہت کچھ غلط ہے۔

''بڑے بڑے کارنامے انجام دیتے ہوئے جب ہچکچاہٹ نہیں ہوئی تو بتاتے ہوئے ہچکچاہٹ کس لیے؟'' سرد آنکھوں سے ان کے ہوائیاں اڑاتے چہرے کو دیکھا تھا اور بازو آہنی گرفت میں لے لیا تھا اور ان کے تیور دیکھنے کے بعد تو وہ ایک لفظ نہیں کہہ سکتی تھیں۔

''خاموش مت رہو نیناں، مجھے میرے سوال کا جواب دو۔'' ان کی خاموشی بری طرح کھلی تھی اور وہ دھاڑ اٹھے تھے۔ فراز و ابران حیران پریشان کھڑے ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔

''جب جانتے ہیں تو پوچھتے کیوں ہیں۔'' بازو آزاد کروانے کی کوشش کرتے ہوئے ناگواری سے بولی تھیں کہ سامنے ہی تو وہ دونوں کھڑے تھے اور ان دونوں کا خیال کیے بغیر ان کا غصہ ہونا انہیں بری طرح کھلا تھا مگر وہ حواسوں میں ہوتے تو یوں آناً فاناً ایک لمبا سفر طے کر کے صرف جواب طلبی کے لیے نہ آتے انہوں نے بازو پر گرفت مزید سخت کرتے ہوئے انہیں اپنے مقابل کھڑا کیا تھا اور ان کا اٹھایہ قدم ابران کا خون کھول اٹھا تھا جبکہ وہ نرم خو، نرم فطرت ارمان شیرازی کا آتشی روپ دیکھ کر ساکت سی گال پر ہاتھ رکھے بے یقینی سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

☆......☆......☆

''ڈیڈی، میری ممی سے آپ اس طرح کا سلوک کیسے کر سکتے ہیں؟'' وہ برداشت نہ کر پاتے ہوئے سرخ آنکھوں سے باپ کے مقابل آ گیا تھا۔

''یہ تمہاری ماں بعد میں، میری بیوی پہلے ہے اس لیے میری مرضی میں اس کے ساتھ چاہے جیسا سلوک کروں۔تم کون ہوتے ہو اس معاملے میں بولنے والے؟''انہوں نے جب دوست اور ماں کی نہیں رکھی تھی تو اس کی کہاں سن سکتے تھے۔

''بیٹا ہوں ان کا اور اپنی ماں کی بے عزتی ان کے شوہر کے ہاتھوں بھی برداشت نہیں کر سکتا۔''اس کے انداز میں ناگواری لہجے میں ماں کے لیے محبت واحترام تھا۔

''او یو شٹ اپ، بکواس بند کر کے یہاں سے دفع ہو جاؤ۔''انہوں نے اشتعال کی حدوں کو چھوتے ہوئے سامنے کھڑے بیٹے کو پرے دھکیل دیا تھا اور بیوی کا بازو جکڑا تھا۔ان کی چیخ بڑی بے ساختہ تھی کہ وہ تو جیسے گال پر پڑنے والے تھپڑ کے بعد حواس میں نہیں رہی تھیں انہوں نے شعلے اگلتی ان کی نگاہوں میں دیکھا تھا۔

''جواب دو مجھے نیناں، کہ جب میں تمہیں منع کر چکا تھا تو پھر تم نے کیسے نیناں ولاز کو گروی رکھنے کا سوچا؟ کیوں اور کس کی اجازت سے تم نے نیناں ولاز کے پیپرز سالار مصطفیٰ کے حوالے کیے؟''ان کے لہجے میں چٹانوں کی سی سختی اور طوفانوں کی سی گونج گرج تھی وہ جو لڑکھڑا کر سنبھلا تھا بے یقین ہی تو رہ گیا تھا۔اس کی نگاہ ماں پر اٹھی تھی مگر وہ تو ارمان شیرازی کے چہرے پر بے رحمی اور طیش دیکھ رہی تھیں سب کچھ اتنا نیا تھا کہ وہ رونا تک بھول گئی تھیں۔

''تم پر کتنا بھروسہ تھا نیناں! مگر تم اپنی ضد اور من مانیوں کے لیے میرا بھروسہ ہر بار توڑتی گئیں، پاگلوں کی طرح تمہیں چاہا، تمہاری جائز تو کیا ہر بے جا و ناجائز ضد بھی پورے دل کی سچائی سے پوری کی جس کا تم نے یہ صلہ دیا۔''ان کے بازو پر گرفت ڈھیلی ہوئی تھی وہ دو قدم پیچھے ہوئے تھے اس نے باپ کے چہرے کی جانب دیکھا تھا ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''آج تم نے نیناں ولاز کو نہیں ارمان شیرازی کو گروی رکھ دیا۔''آنسو گال پر لڑھکے تھے وہ چند قدم آگے بڑھی تھیں اور وہ پیچھے ہوتے چلے گئے تھے۔

''آج تم نے اپنی جیولری نہیں ارمان شیرازی کو فروخت کر دیا۔''ان کے لہجے میں نمی گھل گئی تھی۔

''نہیں ارمان۔''وہ تڑپ کر ان تک پہنچی تھیں۔ان کے لبوں نے کتنے برس بعد ان کے نام کو چھوا تھا مگر ان کے دل میں کوئی احساس نہیں جاگا تھا۔وہ کاندھے پر ہاتھ رکھتیں کہ وہ میکانکی انداز میں پیچھے ہو گئے تھے۔

''رابعہ کو ایک دفعہ تم نے اپنی بندیا دے دی تھی تب مجھے بہت غصہ آیا تھا کہ یہ بات مجھے گوارا نہ تھی کہ جو چیز تمہارے لیے لی گئی تھی، جو تمہارے وجود کی زینت بنی تھی وہ کسی اور کی آرائش کا سامان بنتی جبکہ وہ بندیا رابعہ سے بڑھ کر نہ تھی میں نے اس سے بڑھ کر قیمتی بندیا رابعہ کے لیے لی تھی کہ میں وہ کچھ میرے جذبات، میرے محسوسات تھے مگر جن کا تم پاس نہ رکھ سکیں۔''

وہ ان کو دیکھ رہے تھے جو رو رہی تھیں مگر آج وہ خود رو رہے تھے اس لیے دھندلا ہی آنکھوں میں ان کا چہرہ دھندلا گیا تھا۔

''جب میں تمہاری کوئی چیز اپنی بہن، اپنی بیٹی کو دینا گوارا نہیں کرتا تو تم نے کیسے میری بناء اجازت تمام جیولری فروخت کر دینے

کا فیصلہ کرلیا؟ کیسے تم نے نیناں ولاز کے پیپر گروی رکھنے کا سوچ لیا جبکہ تم جانتی تھیں نیناں کہ تمہارا نام کسی کے لبوں سے ادا ہو یہ بھی مجھے گوارا نہیں ہوتا۔اسی لیے تمہارے لیے لئے جانے والا گھر میں تمہارے نام کی تختی سے نہیں سجانا چاہتا تھا لیکن میں نے تو کبھی تمہاری کوئی بات ٹالی ہی نہ تھی اس لیے یہ بات بھی مان لی تھی کہ اس میں تمہاری خوشی تھی اور تم میری خوشی تو کیا میری عزت، میری غیرت کا بھی پاس نہ رکھ سکیں۔'' وہ بولتے بولتے نڈھال سے صوفے پر گر سے گئے تھے۔

''سرِ عام نیلام کرنے چلی تھیں مجھے، مجھے میری نظروں سے ہی گرا دیا کہ میں اس قدر بے غیرت انسان ہوں کہ بزنس میں ناکام ہوگیا تو بیوی کا زیور اس کے نام پر بنا گھر تک بیچ ڈالا۔'' وہ بول نہیں رہے تھے اپنے عشق کی ایک جھلک دکھا گئے تھے اور زندگی میں پہلی بار ابران شیرازی آنکھوں میں ماں کو روتے دیکھ نہیں باپ کو روتے دیکھ آنسو تھے۔ان کے لیے آنسو تھے، باپ سے برگشتہ رہنے والا باپ کے ساتھ باپ کے لیے رو رہا تھا۔

''ارمان! میں جانتی ہوں میرا فیصلہ غلط ہے مگر میں نے جو بھی کرنا چاہا صرف آپ کے لیے کرنا چاہا کہ وہ زیور آپ کے لیے اس لیے اہم ہیں کہ وہ میرے تن کی زینت بنے تھے اور میرے لیے وہ اس لیے اہم ہیں کہ وہ آپ نے مجھے دیئے تھے، اور میرے لیے آپ سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہے۔'' وہ ہارے ہوئے انداز میں ان کے پیروں کے پاس گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بیٹھتے ہوئے سسکنے لگی تھیں۔

''سالار بھیا نے جب یہ کہا کہ آپ جیل بھی جا سکتے ہیں تب میں بہت ڈر گئی تھی، آپ کو کھونے سے ڈر گئی تھی اس لیے صرف آپ کے لیے آپ کے خلاف جا کر فیصلہ لیا۔'' وہ ان کے گھٹنے پر سر ٹکا گئی تھیں اور وہ لب بھینچے بیٹھے تھے۔

''میرے پاس تو میرا کچھ بھی نہیں ہے ارمان، میرے پاس صرف وہی کچھ ہے جو آپ نے مجھے دیا، وہ جیولری، وہ گھر اور آپ مشکل میں تھے، مشکل میں آسکتے تھے اور میں پھر بھی اپنی جیولری کو سنبھالے رکھتی تو کیوں؟ کہ میرا سنگھار ان زیورات سے نہیں آپ کے دم سے ہے اور آپ نہ رہے تو وہ مٹی گارے سے بنا گھر اس کا میں کیا کرتی؟'' ان کے حواس لوٹنے لگے تھے۔وہ ہمیشہ کی طرح انہیں تکلیف میں پا کر اپنی تکلیف بھولنے لگے تھے ان کا ہاتھ اٹھا تھا اور اپنے آنسو پونچھ گیا تھا۔

''مجھے وہ زیور و گھر نہیں چاہئیں ارمان، مجھے صرف آپ کا ساتھ چاہیے کہ میری زینت آپ ہیں، میرا سایہ وہ سائبان آپ ہیں، آپ میرے لیے مجھ سے زیادہ اہم ہیں اور آپ کی خاطر جیولری و گھر تو کیا مجھے خود کو بھی گروی رکھنا پڑتا تو میں......'' وہ ان کے لبوں پر ہاتھ رکھ گئے تھے۔ابران وہاں سے کیا گیا تھا فراز بھی بھیگی پلکوں سے پلٹ گیا تھا۔

''آپ نے کچھ دیر پہلے کہا تھا کہ میں نے آپ کو ہرٹ کیا ہے۔'' انہوں نے ارمان شیرازی کی طرح ان کے سینے پر دل کی جگہ پر انگلی ٹکا کر کہا تھا۔

''ہاں یہاں آپ کی نیناں آپ کو ہرٹ کرسکتی ہے کہ یہاں وہ خود رہتی ہے۔''
ان کی انگلی بدستور ان کے سینے پر بائیں جانب نہیں گویا ان کے دل پر رکھی تھی۔

''یہاں (ان کا ہاتھ تھامگر اپنے دھڑکتے دل پر رکھا تھا) آپ کی نیناں کبھی آپ کو ہرٹ نہیں کر سکتی کہ یہاں اس کے ارمان شیرازی، اپنے پورے وجود، عشق کی شدتوں کے ساتھ رہتے ہیں۔'' وہ شدتوں سے روتے ہوئے اپنی عادت وفطرت کے خلاف اظہار کی منزلیں طے کررہی تھیں جبکہ وہ ان کو روتے پاکر مسکرا تک نہیں سکے تھے، گناہ ان کے چہرے پر جمی تھی دائیں گال پر انگلیوں کے بڑے واضح نشانات تھے اشتعال کی حدود سے نکل کر اپنے احساسات کے خول میں سمٹے تھے تو صرف ان کی تکلیف کا احساس باقی تھا اور اس تکلیف کے مداوے کے لیے وہ کوشاں ہو گئے تھے فراموش کر گئے تھے کہ وہ کیا کر چکی تھیں، وہ غصہ میں تھے کہ ان کا عشق ان کے سامنے براجمان تھا اور وہ تمام غصے واشتعال اس عشق کی راہ پر چلتے اسے محسوس کرتے فراموش کر گئے تھے کہ ایک عشق ہی ہے جو ہر خطا کو یوں بھلا دیتا ہے جیسے خطا ہی نہ ہوئی ہو اور جب عشق سے خطا نہ ہو تو سارے قصور اپنے لگتے ہیں جیسے وہ کر چکے تھے اس پر ندامت محسوس کرتے خود کو قصوروار مان رہے تھے کہ نیناں شیرازی کو ان کے جنون خیز عشق بے قصور ٹھہرا چکا تھا۔

☆......☆......☆

''آج جو کچھ ہوا بہت تکلیف دہ ہے۔ ممی نے ڈیڈی کے خلاف جا کر اتنا بڑا فیصلہ کیسے لے لیا۔'' فراز سے وہ اپنے دل کی بات اور الجھن کہے بغیر نہیں رہ پایا تھا۔

''آنٹی نے جو فیصلہ لیا اس میں ہی انکل اور تم سب کی بھلائی تھی۔'' وہ نیناں شیرازی کی حمایت میں بولا تھا۔

''میں مانتا ہوں کہ جانتا ہوں کہ ممی کبھی کوئی غلط فیصلہ لے ہی نہیں سکتیں مجھے تو بس اس بات کا افسوس ہے کہ ممی اتنا بڑا اقدم ڈیڈی کو راضی کیے بغیر نہ لیتیں کہ ممی کی سوچ ان کا فیصلہ غلط نہ تھا لیکن ڈیڈی ان سے بدگمان ہو گئے کہ کچھ بھی ہے ''نیناں ولاز'' ہمارے لیے بہت اہم ہے۔'' وہ ماں کے فیصلے کے نہیں ان کے طریقے سے خائف تھا کہ ردعمل کے طور پر کچھ ارمان شیرازی نے کیا تھا وہ بھی قبول کرنا اس کے لیے مشکل تھا۔

''ہاں تم نے ٹھیک کہا کہ اگر آنٹی، انکل کو اس سب کے لیے راضی کر لیتیں تو جو آج ہوا وہ نہ ہوتا مگر یار ٹینشن میں کسی اپنے کو مشکل میں دیکھ کر اکثر انسان ایسے اقدام اٹھا لیتا ہے جو نہیں اٹھانے چاہئیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا تھا اور وہ فراز کی بات کا قائل ہو گیا تھا۔

''ایک بات ہے کہ آج مجھے پہلی دفعہ لگا کہ تو آنٹی سے ہی نہیں انکل سے بھی محبت کرتا ہے۔'' اس نے جو محسوس کیا تھا کہہ گیا تھا اور اس نے بھی گویا اس کے محسوسات پر تصدیق کی مہر لگا دی تھی۔

''میں اپنے باپ سے بہت محبت کرتا ہوں لیکن یمانی کے باپ سے شدید نفرت اسی لیے جب تک بات میری اور ڈیڈی کی ہوتی ہے تو میں ان کی خوشی کا خیال رکھتا ہوں مگر جب بات یمانی اور اس کے ڈیڈ کی آتی ہے تو میں ان کی خوشی کا خیال نہیں رکھ پاتا کہ وہ میرے ڈیڈی سے زیادہ یمانی کے ڈیڈی لگتے ہیں۔'' وہ عجب مشکلات میں گھرا تھا کہ وہ ہزار رنجشوں کے باوجود ارمان شیرازی سے محبت کرتا تھا انہیں تکلیف میں خاص اپنی وجہ سے تکلیف میں نہیں دیکھ پاتا تھا لیکن انہیں تکلیف نہ چاہتے ہوئے بھی دے ہی جاتا تھا۔

''اور آج وہ مجھے صرف میرے ڈیڈی لگے تو ان کی تکلیف کے احساس سے ہی میری آنکھیں نم ہو گئیں۔'' وہ یکدم ہی بہت آزردہ نظر آنے لگا تھا جبکہ وہ اس کے کمرے کے باہر کھڑے مزید غور سے اندر سے آتیں باتوں کو سننے لگے تھے۔

''اکثر جب ہماری امید، ہمارا یقین ٹوٹتا ہے تو ہماری حالت بنا پروں کے پنچھی سی ہو جاتی ہے۔'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

''ڈیڈی، ممی سے بہت محبت کرتے ہیں اور ان کی محبت کی شدت ہی تھی کہ ممی نے ایک فیصلہ ان کے خلاف لیا تو وہ تڑپ اٹھے اور اس عورت پر ہاتھ تک اٹھا گئے جس سے کبھی اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی کہ ڈیڈی کا مان ٹوٹ گیا تھا لیکن جو کچھ ڈیڈی نے کیا وہ غصہ نہیں تھا ان کی محبت، وہ یقین تھا جو انہیں ممی پر تھا کہ اگر غصہ ہوتا تو ممی کے ایک آنسو پر وہ پگھل نہ جاتے کہ کچھ محبتیں ہمارے اندر یوں اتر جاتی ہیں کہ ہماری اپنی ذات کا عکس اس کے اندر دھندلا جاتا ہے۔'' وہ بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں بول رہا تھا اور اسے وہ قدرے حیرانگی سے دیکھ رہا تھا۔

''مجھے ڈیڈی پر بہت مان تھا، جو انہوں نے یمانی کی محبت میں بکھیر کر رکھ دیا۔ میں ڈیڈی کی شدید محبت اور توجہ کا عادی تھا وہ تقسیم ہوئی تو میری ذات میں خلاء آ گیا جسے ممی کی بے پناہ چاہت بھی بھر نہیں سکی کہ ممی، ڈیڈی کی جگہ نہیں لے سکتیں اور میں نے جو ڈیڈی کے ہوتے ڈیڈی کی کمی کا درد سہا ہے وہ درد اب مجھے ڈیڈی کے نزدیک نہیں ہونے دیتا کہ چاہتیں ہوں یا تکلیفیں اگر مستقل ملیں تو انسان عادی ہو جاتا ہے اور میں بھی جیسے ممی کی چاہتوں اور ڈیڈی کی دی تکلیفوں کا عادی ہو گیا ہوں۔'' وہ چپ ہو گیا تھا اور وہ نم پلکوں سے وہاں سے پلٹ گئے تھے۔

☆......☆......☆

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
وہ مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا

آواز پر ادیان کے اٹھتے قدم ہی نہیں دل کی دھڑکن بھی رک سی گئی تھی کہ یہ آواز تو وہ لاکھوں میں بھی پہچان سکتا تھا۔ نعت کب کی ختم ہو چکی تھی، میلاد اختتام کی طرف بڑھ رہا تھا اور 'سلام' پڑھنے میں بھی اس کی آواز سب سے نمایاں تھی۔ وہ احترام اور دل کے ہاتھوں مجبور تقریباً پندرہ منٹ سے وہیں کھڑا تھا اور سوئے اتفاق وہاں سے کوئی گزرا بھی نہ تھا جو اسے احساس دلاتا کہ اچانک بڑی عجلت میں ابران وہاں سے نکلتا باہر کی جانب بڑھا تھا۔ اس کی محویت بکھری سی گئی تھی اور وہ ایک سرد آہ بھرتا اندر کی طرف بڑھا تھا مگر اب دل نے دید کی خواہش کی جوت جگا سی لی تھی لیکن تقریب خواتین کی تھی اس لیے اسے موقع نہیں مل سکا تھا کہ نیناں شیرازی لندن سے آ گئی تھیں اور بیٹے کے لوٹ آنے کی خوشی میں انہوں نے گھر میں میلاد شریف کا اہتمام کر لیا تھا۔

''ادیان!'' ماں کی پکار پر وہ ٹھہر کر انہیں دیکھنے لگا تھا۔

''اپنی پھپھو کو گھر چھوڑ آؤ۔'' ماں نے گویا اس کے دل کی خواہش پوری کر ڈالی تھی تقریباً تین سے چار ماہ بعد اسے سامنے دیکھ کر اس کے دل کو قرار آنے لگا تھا۔ سفید کاٹن، ایمبرائیڈڈ سوٹ میں اس کا من موہنا چہرہ انتہائی پاکیزہ لگ رہا تھا اور ادیان کو سامنے دیکھ کر اس کا چہرہ کھلا ہی نہ تھا اپنے اندر سرخیاں سمیٹ لایا تھا کہ اگر اس کے دل میں صرف شانیہ بستی تھی تو اس نے بھی ادیان کے بارے میں ہی سوچا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اظہار دونوں میں سے کسی نے بھی نہیں کیا تھا اور اپنی محبت کو یکطرفہ سمجھے اس کی اگن میں جل رہے تھے۔

''ابران سے آج نہ مل سکنے کا افسوس ہے مگر انشاء اللہ پھر کبھی ملاقات ہو جائے گی۔'' شہناز، نیناں شیرازی سے اجازت لیتے ہوئے بولی تھیں۔

''ابر کے دوست کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے اس لیے وہ وہاں چلا گیا، آپ کچھ دیر اور ٹھہرتیں تو آج ہی ملاقات ہو جاتی۔'' وہ قدرے شرمندگی سے بولی تھیں کہ خاندان کی سب ہی خواتین آئی ہوئی تھیں اور ابران سے ملنا چاہتی تھیں اور ابران، فراز کے بخار کا سن کر ٹھہرا ہی نہ تھا ماں سے ریکوئسٹ کر کے چلا گیا تھا اور دو گھنٹے گزرنے کے باوجود واپس نہیں آیا تھا اس لیے وہ شرمندگی سی محسوس کر رہی تھیں کہ دھیرے دھیرے سب ہی چلے گئے تھے۔ ڈرائیونگ کے دوران وہ بہت مسرور تھا اور وہ پلکیں جھکائے ماں کے برابر بیٹھی تھی جبکہ وہ اپنی پھپھو سے بات کرتا گاہے بگاہے اس پر بھی نظر ڈال رہا تھا جو سرخ چہرے کے ساتھ بالکل خاموش بیٹھی تھی۔ واپسی کا راستہ اس نے اس دشمنِ جاں کے تصور میں ڈوب کر طے کیا تھا اس کے لبوں پر مسکان کھیل رہی تھی وہ آج بہت خوش تھا۔

☆......☆......☆

''آئی ایم سوری ممی۔'' وہ ماں کا موڈ آف دیکھ کر منمنایا تھا۔

''سوری کی ضرورت نہیں ہے لیکن آج تم نے غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے کہ آج تقریب تمہارے آنے کے اعزاز میں منعقد ہوئی تھی اور تم ہی نہیں تھے۔'' وہ اس پر خفا ہو رہی تھیں۔

''فراز کے گھر سے اس کی میڈ کا فون آیا تو مجھ سے رہا نہیں گیا اس لیے آپ سے جلد آنے کا کہہ کر گیا مگر فراز کو بہت تیز بخار تھا اسے اس حالت میں چھوڑ کر آ نہیں سکا۔'' وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''اچھا بابا، اب جا کر فریش ہو کر آؤ تب تک میں کھانا لگواتی ہوں۔'' انہوں نے نرمی سے کہا تھا۔

''ہو گئے بری ممی کی عدالت سے۔'' سالار مصطفیٰ نے اسے نرمی سے چھیڑا تھا، وہ جھینپ سا گیا تھا۔

کھانے پر اسی کا انتظار ہو رہا تھا کہ آمنہ، میثم اور سالار مصطفیٰ کی فیملیز ہی رہ گئی تھیں اس کے آتے ہی سب ڈائننگ ہال میں پہنچ گئے تھے اور کھانا بہت خوشگوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔

''آگے کا کیا پروگرام ہے۔ اب کیا کرنا ہے؟'' سالار مصطفیٰ نے بھانجے سے پوچھا تھا۔

''یہ تو ممی طے کریں گی۔'' اس نے ماں کو دیکھا تھا اور سب دبی دبی ہنسی ہنسنے لگے تھے کہ وہ ماں کا اتنا ہی فرمانبردار تھا۔

''کیا بات ہے ماما زبوائے۔'' آمنہ شرارت سے ہنسی تھیں اور خالہ کی شرارت پر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''ممی سے تو پوچھو گے بٹ خود تم نے بھی تو سوچا ہو گا کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد کیا کرو گے؟'' رابعہ نے پیار سے بھتیجے کو دیکھا تھا۔

''جب ممی کہیں گی ڈیڈی کا بزنس جوائن کرلوں گا کہ ڈیڈی کب سے اکیلے ہی محنت کر رہے ہیں، میں نے اب ان کا ہاتھ بٹانا ہے۔'' وہ دھیمے سے بولا تھا ارمان شیرازی پر گویا شادیٔ مرگ طاری کر گیا تھا کہ انہیں ایسی امید نہ تھی کہ ان کا بیٹا جوان سے خفا ہے اپنی ناراضگی کے باوجود ان کا ہاتھ بٹانے، بازو بننے کا خود سے کہے گا۔ نیناں شیرازی اپنے خوبرو لخت جگر کو دیکھ کر مطمئن سی مسکرا دی تھیں۔

''تم تو اپنے ڈیڈی سے خفا ہو تو مجھے نہیں لگتا کہ تم ارمان کا بزنس جوائن کرو گے کہ مجھے لگتا تھا کہ تم الگ سے کچھ کرو گے۔'' سالار مصطفیٰ سے اتنی صاف گوئی کی کسی کو امید نہ تھی، سب ان کو حیرانگی سے دیکھ رہے تھے کہ ابران کے الفاظ ان سب کو ہی اس کی جانب متوجہ کرنے کا سبب بن گئے تھے۔

''میں ڈیڈی سے خفا آج بھی ہوں کہ ناراضگی کی وجہ آج بھی زندہ ہے مگر جب میں نے اپنی ناراضگی کے چلتے اپنے تمام حقوق حاصل کیے ڈیڈی کبھی اپنے فرائض سے نہیں چونکے تو اب جب میرا وقت ہے کہ میں اپنے فرائض اور ڈیڈی کے حقوق پورے کروں تو میں اپنی ناراضگی کی وجہ نہیں بنا سکتا۔'' وہ نرمی سے مگر صاف گوئی سے بول رہا تھا ارمان شیرازی بھیگی پلکوں سے اپنے بیٹے کو دیکھنے لگے تھے جبکہ سالار مصطفیٰ نے جس مقصد سے بات کہی تھی اس کے پورا ہو جانے پر مطمئن سے بہن کو دیکھ کر مسکرا دیئے تھے۔

''ہم سب کو تم سے یہی امید تھی اور اب تم ہمیشہ کے لیے اپنے وطن، اپنے گھر لوٹ آئے ہو تو ساری ناراضگیاں بھی ختم ہو جائیں گی۔'' سالار نرمی سے بولے تھے اور وہ ماں باپ کے مطمئن آسودہ چہرے دیکھ کر اپنے اندر اطمینان سا اترتا محسوس کرنے لگا تھا کہ دادی کی بات پر از حد چونک کر انہیں دیکھنے لگا تھا کہ انہوں نے خلافِ توقع بہت اچانک ہی اس کی شادی کی بات چھیڑ دی تھی اور وہ پریشانی سے ماں کو دیکھنے لگا تھا۔

''ہم سب تمہاری شادی جلدی کرنا چاہتے ہیں اسی لیے آج تمہاری دادی نے یہ ذکر کیا ہے۔'' وہ بیٹے کے پریشان چہرے کو دیکھ کر نرمی سے بولی تھیں۔

''کوئی لڑکی پسند ہے تو کہو یا ماما زبوائے کی ممی سے پوچھ لیں۔'' آمنہ نے بھانجے کو پھر نرمی سے چھیڑا تھا۔

''میرے لیے ہر چیز کا انتخاب ہمیشہ ممی نے کیا ہے اور اس انتخاب کا حق بھی صرف ممی کو حاصل ہے۔'' وہ کہہ کر ٹھہرا نہ تھا مگر جب بعد میں اسے نیناں شیرازی نے بتایا کہ اس کی شادی بچپن سے یمانی کے ساتھ طے ہے تو گویا اس پر ساتوں آسمان ٹوٹ پڑے تھے۔

''ممی! آپ نے اتنی بڑی بات مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی؟ اور آپ میرے ساتھ اس لڑکی کا نام کیسے جوڑ سکتی ہیں جس کے وجود سے ہی مجھے سخت نفرت ہے۔'' وہ دکھ سے سوچ رہا تھا کہ چونک اٹھا تھا۔

''یہ بات تمہیں ہم پہلے بتانا چاہتے تھے لیکن یمانی کے لیے تمہاری ناپسندیدگی دیکھ کر چپ رہے کہ ہمیں انتظار تھا تو تمہارے

لوٹ آنے کا تا کہ تم ہر بات کو سمجھنے کے قابل ہو جاؤ کہ ناپسندیدگی اور غصہ تو بچپن کی ضد اور بچپنے و ناسمجھی کے سبب تھا۔'' دادی کی بات پر وہ انہیں محض دیکھ کر رہ گیا تھا جبکہ وہ اس سے اکیلے میں بات کرنا چاہتی تھیں لیکن ساس نے جس طرح کل رات اچانک ذکر کیا تھا ناشتہ کی ٹیبل پر بھی غیر متوقع طور پر ذکر کر دیا تھا کہ انہوں نے اس کے لیے یمانی کو منتخب کیا ہے اور بیٹے کی پریشانی و حیرت بھانپتے ہوئے لامحالہ نیناں شیرازی نے اسے تمام بات بتا دی تھی اور اس کے دھواں دھواں چہرے کو دیکھ کر انہیں احساس ہونے لگا تھا کہ ان کا اندازہ غلط نہیں بچپن کی کدورت اس کے دل میں اب بھی ہے کہ ایسا نہ ہوتا تو وہ اب تک باپ سے ناراضگی ختم کر چکا ہوتا۔

''جو آپ لوگ مناسب سمجھیں۔'' وہ ایک ناراض نظر ماں پر ڈالتا وہاں سے نکل گیا جبکہ وہ اپنے اندر بے اطمینانی و اضطراب کی لہریں سی اٹھتی محسوس کرنے لگی تھیں۔

☆......☆......☆

''نیناں! کیا بات ہے میں رات سے نوٹ کر رہا ہوں کہ تم کچھ پریشان ہو۔'' انہیں خاموشی سے ساکت لیٹے کافی دیر ہو گئی تھی اس لیے بالآخر وہ پوچھ ہی گئے تھے۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' بے تاثر لہجے میں بولی تھیں۔

''مجھے اندازہ ہے کہ تمہیں مما کا ابران سے شادی کی بات کرنا پسند نہیں آیا۔'' وہ صاف گوئی سے کہہ گئے تھے۔

''ایسی بات نہیں ہے کہ ابر، مما کا پوتا ہے حق رکھتی ہیں وہ، میں بے چین ہوں تو صرف اس کی فطرت و مزاج کے سبب کے میں ابر سے اس کے مزاج کے مطابق بات کرنا چاہتی تھی۔'' وہ اٹھ کر بیٹھتی انہیں دیکھے بغیر بولی تھیں۔

''تم سے ابران نے کچھ کہا؟'' ان کے ضبط سے پڑتے سرخ چہرے کو دیکھا تھا۔

''نہیں، کہ مجھے...... مجھے لگتا ہے کہ ابر مجھ سے خفا ہو گیا ہے۔'' وہ سسکنے لگی تھیں اور وہ پریشان ہو اٹھے تھے۔

''ابر، آج تک یمانی کو ایکسیپٹ نہیں کر سکا اسی لیے میں اسے بچپن میں ہی بتا دینا چاہتی تھی کہ اس کی اور یمانی کی بات طے ہے مگر مما نے روک دیا اور ان کی بات کا مان رکھنے کے لیے میں نے ابر سے کچھ نہیں کہا اور اب جب میں چاہتی تھی کہ ابر سے یمانی کے بارے میں رائے لے لوں پھر اسے سچائی بتاؤں مما نے پہلے ہی سب کچھ اس پر ظاہر کر دیا اور وہ آپ سب سے کچھ نہیں کہے گا خفا تو مجھ سے ہوا ہے نہ کہ اس کی سوچ کسی حد تک جاننے کے باوجود میں نے اتنی بڑی بات ہو جانے دی اور اس نے اقرار کر لیا ہے کہ وہ مما کو انکار نہیں کر سکتا تھا مگر وہ دل سے راضی نہیں ہے اسی لیے میں چاہتی تھی کہ آپ پرانی باتیں بھول جائیں، یمانی اور ابران کی نسبت ختم کر دیں۔'' انہوں نے نمناک لہجے میں دل کی بات کہہ کر انہیں دیکھا تھا۔

''یہ ممکن نہیں ہے کہ میں نے مشہود سے وعدہ کیا تھا اور میں دوست سے کیا عہد توڑ نہیں سکتا۔'' وہ اٹل لہجے میں بولے تھے۔

''ابران اور یمانی اللہ نہ کرے خوش نہ ہوئے تو سبب آپ سب ہوں گے۔'' درشتگی سے کہہ کر تکیہ درست کرتی لیٹ گئی تھیں۔

’’تم اپنی سوچ اپنے لاڈلے سے نہ کہنا کہ اسے ایک فیصد بھی لگا کہ اس رشتے میں تمہاری سو فیصد رضا شامل نہیں تو وہ ہرگز اس کے لیے راضی نہیں ہوگا جبکہ میں اور باقی سب ہی نہیں یمانی بھی ایسا چاہتی ہے اس لیے تم نے اسے قائل کرنا ہے۔‘‘

وہ واپس اٹھ کر بیٹھ گئی تھیں اور حیرت سے انہیں دیکھنے لگی تھیں۔

’’یعنی آپ چاہتے ہیں کہ میں اپنے بیٹے کی پسند اس کی خوشی کا خیال نہ کروں اور اسے بلیک میل کروں۔‘‘

ان کا چہرہ غصے سے تمتمانے لگا تھا۔

’’ہاں، شاید ایسا ہی ہے اور میں اس لیے مجبور ہوں کہ میں نے مرے ہوئے دوست سے عہد کیا تھا کہ اس کی بیٹی کو اپنی بہو بناؤں گا اور یمانی کی خواہش کے سبب میں خود کو زیادہ مجبور پاتا ہوں۔‘‘ وہ لگی لپٹی کے بغیر سچائی سے بولے تھے۔

’’اور ابران کو ایک تم ہی اس کی ناپسندیدگی کے باوجود راضی کر سکتی ہو اور رہ گئی بات خوشی کی تو ابران تمہاری خوشی کے لیے یمانی کو خوش رکھے گا اور تمہاری ہی خوشی کے لیے خود بھی خوش رہے گا اس لیے ٹینشن نہ لو صرف اسے پیار و نرمی سے اس سب کے لیے راضی کر لو۔‘‘

وہ تاسف سے شوہر کو دیکھنے لگی تھیں۔

’’آج آپ نے ثابت کر دیا ہے کہ آپ کی نظر میں کون زیادہ اہم ہے۔ یمانی کی خوشی کے لیے آپ کتنی آسانی سے ابران کی خوشیاں چھین رہے ہیں۔‘‘ وہ اس سے بدگمان ہونے لگی تھیں۔

’’تم دونوں ماں بیٹے کی ٹانگ ایک اسی بات پر ٹوٹتی ہے مگر تم دونوں کچھ بھی سوچو ابران میرا بیٹا ہے مجھے عزیز ہے اور میں اس کے لیے نہ کبھی برا سوچ سکا ہوں نہ آئندہ اس کا برا چاہوں گا۔‘‘

انہیں یقین نہیں آیا تھا مگر کچھ کہے بنا سونے کے لیے لیٹ گئی تھیں اور بہت سوچنے کے بعد بھی انہوں نے بیٹے سے بات کرنے کا لائحہ عمل تیار نہیں کیا تھا کہ ان میں ہمت نہ تھی کہ بیٹے کی پسند جاننے کے باوجود اس سے کچھ کہیں اور سائرہ نے ڈائریکٹ نکاح کی قریبی تاریخ طے کر دی تھی اور وہ بیٹے کی ناراضگی محسوس کرتے ہوئے اس کی خوشیوں کی دعا کرتیں تیاریوں میں لگ گئی تھیں جبکہ ماں سے ناراضگی ظاہر کرتا وہ ہونے والی تیاریوں سے بے چین تھا کہ وہ منتظر تھا کہ وہ کوئی بات کریں گی اس کی پسند پوچھیں گی اور وہ انکار کر دے گا مگر ایسی نوبت نہیں آسکی تھی۔

☆......☆......☆

’’آج آپ آفس سے جلدی آجایئے گا۔‘‘ نیناں شیرازی کا ارادہ آج نکاح کا جوڑا لینے جانے کا تھا اس لیے آفس جانے کے لیے تیار ہوتے شوہر سے بولی تھیں۔

’’تم کہو تو جانِ حیات میں آفس ہی نہیں جاتا۔‘‘ وہ غیر معمولی سنجیدہ نظر آتی بیوی کو دیکھ کر اپنے مخصوص نثار ہونے والے انداز میں بولے تھے وہ جز بز ہو کر رہ گئی تھیں۔

''میری عقل آپ کی عقل کی طرح گھاس چرنے نہیں گی، صبح ہی صبح کون سے شاپنگ مال کھلے ہوں گے جو آپ کی فضول آفر پر لبیک کہتی چل پڑوں۔'' سخت برہمی سے بولی تھیں اور انہوں نے قہقہہ لگاتے ہوئے انہیں روکا تھا اور ہاتھ میں پکڑی ٹائی ان کے گلے میں ڈال کر ناٹ بناتے ہوئے شرارت سے ان کے سرخ چہرے کو دیکھا تھا۔

''آپ کبھی نہیں سدھر سکتے۔'' مصنوعی خفگی سے بولی تھیں۔

''میں تو سدھرا ہوا ہی تھا تم نے ہی مجھے دن بہ دن بگاڑنے کا سامان کیا ہے۔'' آنکھ دباتے ہوئے وہ راہِ فرار کی ہر کوشش ہمیشہ کی طرح وہ استحقاق سے ناکام بناتے چلے گئے تھے

''اُف! جان سے مارنے کا ارادہ ہے؟'' ان کو جانے سے روکنے کو انہوں نے ٹائی کو یوں جھٹکا دیا تھا کہ وہ تکلیف محسوس کرتیں ان کے انگ آ لگی تھیں۔

''ہاں کہ اب تم مجھے بے ارادہ کبھی اپنے انداز سے تو کبھی اپنے حسن سے قتل کرتی آئی ہو تو سوچ رہا ہوں اس محبت کو تمہارے گلے کا پھندا بنا کر تمہیں محبت کے شہیدوں میں شامل کر دوں۔'' ایک لفظی اقرار کے بعد وہ تھے اور ان کی برجستگیاں تھیں وہ بے وقت ان کو پیچھے لگا لینے پر ڈھنگ سے پچھتا بھی نہیں پا رہی تھیں کہ وہ فل موڈ میں تھے ان کے لیے کوئی جائے فرار نہ تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں ان سے فاصلے پر ہو گئی تھیں اور عجلت میں دستک دینے والے کو اندر آنے کی اجازت دی تھی۔ آنے والا ادیان تھا جو ارمان شیرازی کو دیکھ کر گڑبڑا گیا تھا کہ وہ تو یہی سوچ کر آیا تھا کہ وہ آفس چلے گئے ہوں گے۔

''ادیان، یونیورسٹی نہیں گئے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' وہ پریشانی کا اظہار کرتیں اس تک پہنچی تھیں اور اس کی سرد پیشانی انہیں مطمئن کر گئی تھی۔

''ڈیڈی! مجھے کچھ روپے چاہئیں۔'' اس نے دیر سے جانے کا کہہ کر نا چار آنے کا مقصد باپ سے کہا تھا۔

''کتنے اور کیوں؟'' نرمی سے مگر دوٹوک انداز میں پوچھا تھا۔

''دس ہزار۔'' جھجک کر مطلوبہ رقم تو بتا دی تھی لیکن وجہ اب بھی نہیں بتائی تھی جبکہ وہ وجہ جاننے کے لیے بضد ہوئے تھے کہ نیناں شیرازی نے ان کے والٹ سے اس کی مطلوبہ رقم نکال کر اس کی جانب بڑھا دی تھی۔ انہیں ایک لمحہ لگا تھا ادیان کے یہاں آنے کا مقصد جانتے ہیں کیونکہ ایک نیناں شیرازی ہی تھیں گھر بھر میں جو پیسہ پانی کی طرح بہانے والوں میں سے تھی، کبھی بچوں سے وجہ نہیں پوچھتی تھیں جبکہ ان کے لیے پیسے نہیں مگر بچوں کی تربیت کے پیش نظر وجہ اہم رہی تھی۔ اس نے اب تک ان پر دھیان نہیں دیا تھا پیسے لیتے ہوئے جیسے ہی نظر ان کے گلے میں لٹکتی سیاہ سیلف لائننگ والی ٹائی پر پڑی تھی وہ بے ساختہ قہقہہ لگا گیا تھا اور وہ دونوں ہی حیران ہوئے تھے اور اس کی آنکھیں دیکھ کر وہ لمحہ میں ساری بات سمجھتیں خفیف ہو کر ٹائی گلے سے نکالنے کی کوشش کرنے لگی تھیں۔

''اُف بڑی ممی، آپ کو ٹائی تک نکالنی نہیں آتی۔'' اس نے کہہ کر پیسے ڈریسنگ ٹیبل پر ڈالے تھے اور احتیاط سے ٹائی ان کے گلے

سے نکالی تھی مگر شرارت سے یہ کہتے ہوئے ''پہنی ہی کیوں آپ نے۔''

وہ مسکرا رہا تھا۔

''اب ایسی بھی بات نہیں ہے مجھے ٹائی باندھنا بھی آتی ہے اور نکالنا بھی۔'' خفت مٹانے کو برہمی سے بولی تھیں۔

''سفید جھوٹ، تمہاری بڑی ممی اس کام سے نابلد ہی ہیں۔'' ارمان شیرازی نے بیٹے کو مخاطب کر کے بیوی کو چھیڑا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا کمرے سے نکل گیا تھا جاتے ہوئے پیسے لے جانا نہیں بھولا تھا کہ اس نے نیناں شیرازی کا انتخاب اس لیے کیا تھا کہ ماں اور باپ کے ہزار سوالوں کے جواب دینا پڑے اسی لیے ارمان شیرازی کو دیکھ کر گڑبڑا گیا تھا مگر کچھ بھی تھا اس کا کام آسانی سے بن گیا تھا۔

''ہاں تو کیا کہہ رہی تھیں تم کہ تمہیں ٹائی باندھنا آتی ہے جو کام تم گزرے پچیس سالوں میں نہ کر سکیں وہ آیا کب تمہیں۔'' وہ ان کے گھورنے کی پرواہ کیئے بغیر چھیڑ رہے تھے۔

''باندھی نہیں ہے تو کیا ہوا باندھ تو سکتی ہوں۔'' خفت مٹانے کو جلدی سے بولی تھیں۔

''اچھا لو پھر باندھ کر دکھاؤ، یہ چیلنج ہے تمہیں کہ تم باندھ ہی نہیں سکتی ہو۔'' شوخی سے ٹائی ان کی آنکھوں کے سامنے لہرائی تھی ان کا چیلنج کرنا تھا انہیں بھی جیسے ضد لا گیا تھا انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ٹائی جھپٹی اور کرنے لگیں کوشش مگر وہ اس کام میں اناڑی ہی تھیں کہ ارمان شیرازی نے شادی کے شروع دنوں میں انہیں ٹائی باندھنا سکھانے کی کتنی کوشش کی تھی مگر انہوں نے انٹرسٹ ہی نہیں لیا تھا اس لئے وہ لامحالہ خود ہی یہ کام انجام دیا کرتے تھے اور اسی کا غصہ نکالنے کو انہیں چیلنج کر بیٹھے تھے مگر وہ پندرہ منٹ بعد ہی جھنجلا گئی تھیں اور انہوں نے ٹائی درمیان سے ان کے گلے میں لٹکا کر دونوں سرے پکڑے اور کھینچ کر ایک گانٹھ لگا دی تھی۔

''آپ اپنے چیلنج رکھیں اپنے پاس، مجھے نہ یہ فضول کام آتے ہیں اور نہ ہی مجھے سیکھنے ہیں۔'' قدرے غصہ سے بولی تھیں کہ اپنی ہار تسلیم کر ہی نہیں سکتی تھیں جبکہ وہ ان کے انداز پر ہنس دیئے تھے۔

''اب آپ شرافت سے آفس چلے جائیں کہ شاپنگ پر آپ کا ساتھ جانا اتنا بھی ضروری نہیں کہ آپ ہر دوسرا کام چھوڑ دیں۔'' چہرے پر خجالت کی سرخی لیے خفگی سے بولی تھیں۔

''محترمہ عشق سے ضروری بھی کوئی کام ہو سکتا ہے۔'' وہ شوخی و برجستگی سے باز نہیں آئے تھے وہ غصہ کا اظہار کرتیں روم سے ہی نکل گئی تھیں جبکہ وہ آفس جانے کی تیاری کرنے لگے تھے۔

☆......☆......☆

''تم لوگ کتنی بدتمیز ہو، مجھے چھوڑ کر شاپنگ کرنے جا رہی ہو۔'' ابران کے نکاح کا سن کر ایان نے بھی ماں سے اپنی دلی خواہش کا اظہار کر دیا تھا اور کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا آناً فاناً پرپوزل نہ صرف گیا بلکہ منظور ہوتے ہی ایان اور خواہش کے نکاح کی تیاری بھی ساتھ ہی شروع ہو گئی تھی اور اسے جیسے ہی شیریں اور رویحا کے شاپنگ پر جانے کا پتہ چلا تھا اس نے پہلی ہی فرصت میں شیریں کو فون کھڑکا دیا تھا۔

''تم بھی تو اکیلے اکیلے ہی نکاح کر رہی ہو۔'' اس نے چھیڑا تھا وہ بلش کر گئی تھی۔

''بکواس مت کو میں نے بھی تم سب کے ساتھ شاپنگ پر جانا ہے۔'' جھینپ کر فرمائش کی تھی اور شہیر کو دیکھ کر تو وہ گڑبڑا ہی گئی تھی۔ شہیر سالار نے خود سے پانچ سال چھوٹی بہن کو پیار سے دیکھا تھا جو شیریں کو اللہ حافظ کہتی لائن کاٹ کر اس کی جانب بڑھی تھی اور اس کی بات پر وہ تو جیسے خوشی سے کھل اٹھی تھی کہ وہ عبیر کے ساتھ تو کتنی ہی مرتبہ شاپنگ پر جا چکی تھی اس کے ساتھ جانے کا یہ پہلا تجربہ تھا مگر اس نے ڈرتے ڈرتے ایک نئی فرمائش کی تھی جو اس نے بلاجھجک مان لی تھی کہ بہن کی خوشی اس کے لیے بہت معنی رکھتی تھی کہ ویسے بھی مصطفیٰ ہاؤس میں جو اس نے تھپڑ مارا تھا اور جو بعد میں بدمزگی ہوئی تھی اس کے بعد تو ان دونوں کا سامنا ہی نہیں ہوا تھا۔ وہ آدھے گھنٹے میں تیار ہونے کا کہتا وہاں سے نکل گیا تھا جبکہ وہ شیریں کو کال بیک کرنے کا ارادہ ملتوی کرتی اسے سرپرائز دینے کا سوچتی اپنے کمرے کی جانب بھاگی تھی۔ شیریں اسے دیکھ کر جتنی خوش ہوئی تھی شہیر سالار کو دیکھ کر اس سے کہیں زیادہ بدمزہ ہوئی تھی لیکن ماں کی متوقع ڈانٹ کے ڈر سے ان کے ایک ہی اشارے پر سلام کرتی باپ کے برابر صوفے پر آکر بیٹھ گئی تھی اسے دیکھ کر تو شہیر سالار کو بھی کوئی خاص خوشی نہ ہوئی تھی جسٹ فارمیلیٹی نبھانے کو بولا تھا۔

''کیسی ہو شیریں؟''

''آپ سے تو اچھی ہی ہوں۔''

بیٹی کی بڑبڑاہٹ سن کر وہ زیرلب مسکرا دیئے تھے۔

''تم چائے لو گے یا کافی؟'' نیناں شیرازی کافی عرصے بعد اسے نیناں ولاز میں دیکھ کر حقیقتاً خوش تھیں کہ سنجیدہ، خوبرو شہیر سالار انہیں بے حد عزیز تھا۔

''آپ کے ہاتھ کی مزے دار کافی۔'' وہ بے تکلفی سے بولا تھا کہ اسے اپنی پھپھو سے بے حد محبت تھی اور وہ ان سے کافی قریب بھی تھا۔

''خواہش کو یہاں آنے کے لیے کوئی اور نہیں ملا تھا۔'' اس بڑبڑاہٹ پر انہوں نے نرمی سے اس کے شانے پر بازو پھیلا دیئے تھے وہ خفیف سی ہوگئی تھی۔

''پہلے تو شہیر بھیا صرف برے لگتے تھے مگر اب بہت زیادہ برے لگتے ہیں کہ انہوں نے نہ صرف مجھے ہرٹ کیا بلکہ ان کی وجہ سے کتنا بڑا مسئلہ ہو گیا ادیان بھیا کے ساتھ ابران بھیا کتنی بری طرح سے پیش آئے تھے۔'' وہ دھیمے سے منہ بنا کر باپ سے شکوے کر رہی تھی۔ وہ بیٹی کو کچھ کہتے یا سمجھاتے خواہش کے آنے کا مقصد بتایا تھا اور وہ تو شہیر سالار کے ساتھ جانے کا سن کر ہی صاف انکاری ہو گئی تھی مگر اس کے انکار کو نیناں شیرازی نے قطعاً اہمیت نہیں دی تھی۔

''جا کر تیار ہو جاؤ، ایان کے ساتھ جاؤ یا شہیر کے ساتھ بات ایک ہی ہے اس لیے بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

وہ منہ بنائی اٹھ گئی تھی۔

''رویحا، یمانی کے کمرے میں سو رہی ہے جا کر اسے بھی اٹھا دو۔'' کہا شیریں سے تھا مگر اٹھ وہ گئی تھی۔

''تم تیار ہو، جا کر میں رویحا کو اٹھا دیتی ہوں۔'' خواہش مسکرا کر اٹھی تھی اور اپنی عجلت میں اس نے ابیان کو نہیں دیکھا تھا اس سے بری طرح سے ٹکرائی تھی۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا فیروزی کاٹن کے سوٹ میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

''ابیان! پلیز ہاتھ چھوڑیں میرا۔'' وہ حیا سے سرخ پڑتی اس کا حصار توڑ کر بھاگنے کو پَر تولنے لگی تھی کہ اس نے ہاتھ تھام لیا تھا اس کی رنگت مزید دہک اٹھی تھی۔

''مجھے تم سے بات کرنی ہے ذرا آؤ میرے ساتھ۔'' پیار سے کہہ کر وہ اس کا ہاتھ تھامے اپنے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔

''مجھے آپ سے بات نہیں کرنی۔'' وہ منمنائی تھی اس نے رک کر اس کے حسین چہرے کو دیکھا۔

''خود سے چل رہی ہو یا اٹھا کر لے جاؤں۔'' اس کی معنی خیزی پر خواہش کی پلکیں لرز اٹھی تھیں کہ ان کا تو بچپن کا ساتھ تھا اس نے یوں معنی خیز باتیں نہ کی تھیں اور نہ ہی ایسی کوئی حرکت کی تھی اسی لیے وہ حیران وہ پریشان سی اس کے ساتھ اس کے کمرے تک آ گئی تھی۔

''یوں خفا خفا چہرے پر حیا کی لالی سجائے بہت دلکش لگ رہی ہو۔'' وہ اس کی حالت سے محظوظ ہوتا اسے چھیڑ رہا تھا۔

''آپ فضول باتیں کریں گے تو میں چلی جاؤں گی۔'' گڑبڑائی سی دھمکی پر اس کا قہقہہ بڑا بے ساختہ تھا۔

''تم خوش ہو خواہش؟'' یکدم نرمی سے پوچھتا اس کے دل کے تار چھیڑ گیا تھا۔

''آپ خوش ہیں؟'' جواب تو اس کے چہرے پر لکھا تھا مگر لبوں پر سوال آ ٹھہرا تھا۔

''میں نے کبھی تم سے نہیں کہا خواہش مگر تم میرے دل کی سب سے بڑی خواہش ہو۔ یہ نکاح میری مرضی میری خوشی سے ہو رہا ہے اس سب کو لے کر میں بہت خوش ہوں۔'' وہ آنچ دیتے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''میں بھی بہت خوش ہوں۔'' وہ اس کے سمجھنے یا روکنے سے پہلے بھاگی تھی اور دروازے پر رک کر سرشاری سے کہتی جھپاک سے نکل گئی تھی وہ دلکشی سے مسکرا دیا تھا۔

☆......☆......☆

''میں کہاں بیٹھوں گی؟''

رویحا و خواہش کی ضد پر یمانی بھی ان کے ساتھ آ گئی تھی اور وہ تینوں بیک سیٹ پر بیٹھی تھیں اسی لیے اس نے منہ بنایا تھا کہ ڈرائیونگ سیٹ پر ناپسندیدہ ہستی بیٹھی وگرنہ وہ بنا سوچ بچار کے اب تک فرنٹ سیٹ پر بیٹھ چکی ہوتی۔ اس کے منہ کے بگڑتے زاویے دیکھ کر اس نے لب بھینچ کر بہن کو آگے آ جانے کا کہا تھا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی اور مزے سے شیریں کو آگے بیٹھ جانے کا کہہ دیا۔ وہ منہ پھلا کر آگے بیٹھ گئی اور خفگی سے بولی۔

''تم لوگ ہمیشہ یہی کرتی ہو، ساتھ گھس کر بیٹھ جاتی ہو اور مجھے آگے اکیلے ہی پھنسا دیتی ہو۔'' وہ گردن موڑ کر بھرپور ناراضگی سے بولی تھی۔

''تو اور سستی دکھایا کرو کہ جگہ انسان کو پہلے آیئے پہلے پایئے کی بنیاد پر ملتی ہے۔'' رویحا اس کے پھولے منہ کو دیکھ کر شرارت سے مسکرائی تھی۔

''یہ تو شکر کرو کہ ہم تمہیں ہوٹ سیٹ دے دیتے ہیں وگرنہ کبھی جو زیادہ دیر کی تو گاڑی کی ڈگی میں ہی بٹھا کر لے جائیں گے۔'' خواہش کے شرارت سے کہنے پر وہ دونوں ہی نہیں شہیر سالار بھی اپنی بے ساختہ مسکراہٹ نہیں روک سکا تھا جبکہ وہ دوست کو ناراضگی سے دیکھ کر سیدھی ہوتی حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''یہ سڑے ہوئے شہیر بھیا مسکرا بھی سکتے ہیں، ان پاسیبل۔'' اس نے زیر لب کہا تھا۔ اس کی بڑبڑاہٹ سن کر وہ اسے دیکھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ گلابی من موہنا چہرہ، سرمگیں آنکھوں میں ناچتی بے یقینی، ادھ کھلے پنکھڑی سے لب، ماتھے پر جھولتی چند سیاہ لٹیں اس کی نگاہ اٹھی تھی تو ٹھہر گئی تھی۔

''شہیر بھیا، سامنے دیکھیں۔'' شیریں سامنے سے آتی بائیک کو دیکھ کر چلائی تھی۔ وہ چونکا تھا، نگاہ سامنے کی تھی اور حادثہ ہونے سے بچا لیا تھا۔

''اُف، آپ کتنی فارغ ڈرائیونگ کرتے ہیں۔ ابھی لمحوں میں اوپر کا ٹکٹ کٹ جاتا۔'' وہ اسے ناپسندیدگی سے دیکھ رہی تھی جو اپنی بے اختیاری پر شرمندہ تھا یکدم لب بھینچ گیا تھا۔

''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے متوقع حادثے سے محفوظ رکھا۔''

ڈر تو وہ دونوں بھی گئی تھیں مگر یمانی نہایت دھیمے سے لہجے میں بولی تھی۔

''وہی تو، ورنہ ہم جا تو شاپنگ پر رہے تھے مگر لوگ ہمارے پُرسے کو آ رہے ہوتے کہ شہیر بھیا نے بھری جوانی میں اوپر پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔'' حواس قابو میں آتے تھے تو اپنے مخصوص شرارتی انداز میں نان اسٹاپ شروع ہو گئی تھی۔

''اسٹاپ اٹ شیریں۔'' موڑ کاٹتے ہوئے ناگواری سے اسے ٹوکا تھا۔ اس کا لہجہ دھیما مگر سخت تھا اس کی سرمگیں آنکھیں پانی سے بھر گئی تھیں مگر اب کے اس نے اس کی جانب دیکھنے کی غلطی نہیں کی تھی اور اس کی خاموشی محسوس کرتے ہی رویحا نے نیا چٹکلہ چھوڑا تھا۔

''تمہیں مرنے سے ڈر لگا یا بھری جوانی میں مرنے سے؟''

''اویو سیلی، بھری جوانی میں مرنے سے کہ ابھی تو میری شادی بھی نہیں ہوئی۔'' اس کا جواب ایسا تھا کہ وہ تینوں ہنسنے لگی تھیں جبکہ وہ اسے دیکھنے پر مجبور ہو گیا تھا جو پیچھے دیکھنے کی وجہ سے ترچھی ہو کر بیٹھی تھی اور اسی لحاظ سے وہ اس کے بہت قریب ہو گئی تھی اس کے من موہنے چہرے پر شرارت رقصاں تھی، بھیگی آنکھیں الگ متبسم تھیں۔ اس نے بے خودی کے لمحے کو طویل نہیں ہونے دیا اور اپنی توجہ

ڈرائیونگ کی جانب مبذول کردی۔

''تمہیں شادی کا کچھ زیادہ ہی شوق نہیں ہے۔'' خواہش اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرائی تھی۔

''مجھے شادی کا نہیں، پڑھائی سے فرار کا شوق ہے۔'' وہ سیدھی ہو کر ڈرائیونگ سیٹ پر جبکہ الٹا ہاتھ فرنٹ سیٹ کے اوپر حصے پر جمائے بولی تھی جبکہ وہ دونوں ''او، او'' کرنے لگی تھیں۔

''شادی ہو گی تو پڑھائی سے جان چھوٹ جائے گی۔'' اس کی آنکھیں شرارت سے مسکرا رہی تھیں۔ یمانی نے اسے سیدھے ہو کر بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا مگر وہ اس کا اشارہ ایک بار پھر نظر انداز کر گئی تھی۔

''اور اگر جو تمہارے ''وہ'' شادی کے بعد تمہیں پڑھانے پر بضد ہو گئے تو کیا کرو گی۔'' رویحا مسکرائی تھی۔ یمانی نے اپنا سر پیٹ لیا تھا کہ وہ تینوں ہمیشہ کی طرح آگے پیچھے دیکھے بغیر اپنی ہی ہانکے جا رہی تھیں جبکہ اسے شہیر کی موجودگی میں ان کی ساری باتیں بکواس لگ رہی تھیں مگر وہ اس کے ٹوکنے کی پرواہ کب کر رہی تھیں۔

''کیا کروں گی، کیا مطلب، صاف میکے جانے کی دھمکی دوں گی، سو فیصد جھاگ کی طرح بیٹھ جائیں گے۔'' وہ متبسم لہجے میں کہتی ان دونوں کی ہنسی کے ساتھ ہی اپنی ہنسی کی جلترنگ بھی شامل کر گئی تھی جبکہ اس کی نگاہ بھٹکی تھی اور اس نے ایک گہرا سانس لے کر پارکنگ ایریا میں گاڑی پارک کر دی تھی۔

''تم تینوں بس اب چپ کر جاؤ، فضول بکواس کرنے میں تینوں ہی اول نمبر ہو۔'' یمانی اپنی مسکراہٹ پر قابو پاتی جھنجھلا کر بولی تھی۔

''سوری آپی، بٹ میں ایسا ہی کیا کروں گی۔'' وہ یمانی کو دیکھ کر شرارت سے کہہ رہی تھی۔ وہ سنجیدہ تھی یا نہیں ان میں سے کوئی نہیں سمجھ سکا تھا بٹ اس نے ایسا کہا اس لیے تھا کہ اس نے بچپن سے ایک بات نوٹ کی تھی کہ اس کے ڈیڈی، اس کی ممی کی کوئی بات نہیں ٹالتے اور جہاں انہوں نے آنا کانی سے کام لیا ممی کی میکے جانے کی دھمکی جو کارگر ہی ثابت ہوئی تھی، شہیر سالار نے اس کے سرخ چہرے کو دیکھا اور ڈور اوپن کر کے گاڑی سے اتر گیا کہ ابھی تو ان کے ساتھ مل کر اس نے شاپنگ بھی کرنی تھی اور ان تینوں کی شرارت سے محظوظ ہوتے تو کبھی جھنجلاتے اس نے بالآخر ان سب کو گھنٹوں کی خواری کے بعد شاپنگ کروا دی تھی اور بل بھی ان چاروں کا اس نے ہی پے کیا تھا۔ اس کا سر چاہے کتنا ہی دکھ رہا تھا مگر بہن کو خوش دیکھ کر وہ مطمئن تھا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی آنے کا فیصلہ اس کے لیے ہی تھا اور وہ خوش تھی تو وہ بھی خوش تھا کہ بہن کی خوشی اسے اپنے آرام سے بڑھ کر تھی۔

☆......☆......☆

''عالی، پلیز کوشش کر کے آ جاؤ ناں کہ میں اپنی زندگی کے اتنے اہم دن پر تمہاری کمی شدت سے محسوس کر رہی ہوں۔'' لاؤنج میں داخل ہوتا ابران چونک اٹھا تھا۔ آواز کی جانب نگاہ کی تھی سامنے ہی یمانی سولہ سنگھار کیے حسین روپ میں کھڑی تھی مگر دوسرے ہی پل وہ نگاہ کا زاویہ بدلتا سر جھٹکتا آگے بڑھا تھا کہ جیسے زمین نے اس کے قدم جکڑ لیے تھے اور اس کا ہر عضو کان بن گیا تھا۔

''میں بہت خوش ہوں آج میرے دل کی خواہش پوری ہو رہی ہے۔ مجھے میری محبت، میرے ابران مل رہے ہیں۔ آج میں ہمیشہ کے لیے صرف ان کی ہو جاؤں گی۔''

خوشی سے اس کا لہجہ کانپ رہا تھا اور وہ ساکت سا کھڑا اس کی جانب دیکھ رہا تھا جو حسین تھی اور سنگھار کیے حسین تر لگ رہی تھی مگر اس کے چہرے اور آنکھوں میں پھیلا سچی خوشی کا احساس اس کو بہت دلکش بنا رہا تھا۔

''جس طرح ابران مجھ سے بات کرتے تھے مجھے لگتا تھا کہ وہ مجھ سے کبھی شادی نہیں کریں گے مگر انہوں نے ہار کر کے میری محبت کے نصیب میں وصل لکھ دیا ہے۔'' خوشی کے بیکراں احساس میں ڈوبی وہ نیر بہا رہی تھی کہ اس کا انگ انگ اسے مسرور ظاہر کر رہا تھا۔

''میں جانتی ہوں عالی! مجھے پورا یقین ہے کہ ابران نے صرف بڑی ممی کے کہنے پر ہی مجھ سے شادی کے لیے ہاں کہی ہو گی کہ وہ انہیں انکار نہیں کر سکتے مگر سب کچھ جانتے ہوئے بھی کہ ان کے دل میں میرے لیے فی الوقت کوئی جگہ نہیں ہے میں بہت خوش ہوں کہ میں اپنی محبت اور ایثار سے ابران کا دل جیت لوں گی انہیں بتاؤں گی کہ میں انہیں کتنا چاہتی ہوں۔''

وہ نمناک جذباتی لہجے میں آگے بھی کچھ کہہ رہی تھی مگر وہ ایک نظر اس کے سرخ چہرے پر ڈالتا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ اس کا سر درد سے پھٹنے لگا تھا۔

''آپ نے بھی ممی، ڈیڈی کی طرح صرف یمانی کے بارے میں سوچا، میری پسند جانتے ہوئے، میرے جذبات سمجھتے ہوئے بھی اس کام کو ہو جانے دیا۔'' وہ بے چینی سے سوچ رہا تھا۔

''آپ جانتی تھیں کہ آپ مجھ سے بات کریں گی تو میں اپنا دل کھول کر آپ کے سامنے رکھ دوں گا اور اسی لیے آپ زندگی میں پہلی دفعہ مجھ سے کترا رہی تھیں، چاہتی تھیں کہ میں آپ سے کوئی بات نہ کروں آپ کی بے بس سی خواہش کا بھی میں نے احترام کیا اور آپ نے میرا نہیں سوچا، صرف یمانی کی خواہش کو پیش نظر رکھا مگر میں آپ کی خوشی کے لیے تو جان بھی قربان کر سکتا ہوں مگر اس لڑکی کی خوشی کے لیے اپنی رضا قربان نہیں کر سکتا جس کے سبب میں آپ سے دور رہا، اپنے باپ سے دور ہو گیا۔''

وہ آنسو رگڑتا اٹھا اور رائٹنگ پیڈ پر کچھ لکھ کر وہ بڑی خاموشی سے گھر سے نکل آیا۔ کچھ دور ہی گیا تھا کہ فراز کی کال آنے لگی تھی اس نے فراز کو بتا دیا تھا کہ وہ عین نکاح سے پہلے گھر چھوڑ آیا ہے وہ اس پر خفا ہونے لگا تھا۔

''یمانی مجھ سے محبت کرتی ہے اور میں اس کی وجہ سے اپنے باپ کی محبت سے دور ہوا اس لیے اس سے اس کی محبت چھین لوں گا۔'' اس نے غصہ سے کہہ کر لائن کاٹی تھی مگر فراز کی کال پھر آنے لگی تھی جسے اس نے کافی دیر بعد ریسیو کر لیا تھا۔

☆......☆......☆

''میں یمانی سے شادی نہیں کر سکتا کیونکہ میں یمانی سے شدید نفرت کرتا ہوں اور اسی لیے میں اس وقت گھر سے جا رہا ہوں۔''

شیریں کے قدموں تلے سے زمین ہی نکل گئی تھی کہ وہ سب کے کہنے پر ابران کو بلانے آئی تھی وہ کمرے میں نہیں تھا اور اس کی نگاہ رائٹنگ

پیڈ پر پڑی تھی جسے پڑھتی وہ رو پڑی تھی جب وہ کافی دیر تک واپس نہیں لوٹی تو ادیان اور شہیر آگے پیچھے ابران کے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔شیریں کو روتے دیکھ کر وہ دونوں ہی پریشان ہو گئے تھے اور تحریر پڑھ کر رہی سہی کسر بھی نکل گئی تھی۔

''اب کیا ہوگا، باہر مہمان ہی نہیں نکاح خواں بھی آ گئے ہیں۔''شہیر کے لبوں سے چند جملے بڑے سرسراتے ہوئے نکلے تھے۔

''ایسی کوئی بات تھی تو ابران بھیا نے پہلے کیوں نہیں کی تھی کہ یہ سب ان کی ایما پر ہی تو ہونے جا رہا تھا۔''ادیان متفکر سا بولا تھا اور وہ تینوں آگے پیچھے باہر نکل آئے تھے۔

''ابران کہاں ہے؟''سائرہ بیگم نے چھوٹتے ہی پوتے کا پوچھا تھا اور ادیان نے سب کے مسکراتے چہرے دیکھے تھے اور کانپتے ہاتھوں سے وہ کاغذ باپ کی جانب بڑھایا تھا۔تحریر پر نگاہ پھسلی تھی اور وہ پورے قد سے ڈھے گئے تھے۔لاؤنج میں یکدم سکوت چھا گیا تھا۔ سالار مصطفیٰ نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے ابران کا نمبر ڈائل کرنا چاہا تھا کہ شہیر بول پڑا تھا۔

''پاپا، ابران بھیا نے اپنا سیل فون سوئچ آف کر دیا ہے۔''

تفکر کے سائے گہرے ہو گئے تھے۔انہوں نے ابران کا نمبر ڈائل کیا تھا جو مستقل بزی آ رہا تھا۔تبھی کمرے میں یمنیٰ کچھ کہتے ہوئے داخل ہوئی تھیں۔

''آپ سب ابران کو لینے آئے تھے یہیں کے ہو کر رہ گئے اور باہر ابران کا ہی نہیں آپ سب کا بھی انتظار ہو رہا ہے۔''

سب نے ہی یمنیٰ کے مطمئن چہرے کو دیکھا تھا۔ارمان شیرازی کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں اور ہاتھ کپکپانے لگا تھا۔

''کیا ہوا ہے؟ آپ سب اتنے خاموش و پریشان کیوں ہیں؟''وہ غیر معمولی سکوت محسوس کر کے پریشانی سے بولی تھیں۔کچھ سوچ کر سالار مصطفیٰ نے وہ کاغذ ارمان شیرازی کے کانپتے ہاتھ سے لے کر ان کی طرف بڑھا دیا تھا کہ بات معمولی نہ تھی جو چھپائی جاتی اور وہ تحریر کیا تھی ان کی موت کا سندیسہ تھا۔وہ پوری جان سے کانپ اٹھی تھیں اور بلکتے ہوئے وہ کھڑے کھڑے ماضی میں جا پہنچی تھیں۔

''جب سے بیٹی کا باپ بنا ہوں تو اندازہ ہوتا ہے کہ لوگ بیٹی جیسی رحمت سے گھبراتے کیوں ہیں کہ ان کی پیدائش کے دن سے ہی ان کو رخصت کر دینے کا خوف کنڈلی مار کر والدین کے دل میں بیٹھ جاتا ہے۔''کتنی حیرت تھی مشہود محسن کے لب و لہجے میں۔

''اور اسے کسی اور کو سونپنے کا خیال ہی میری سانسیں روکنے لگتا ہے اس لیے یمنیٰ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میری یمانی صرف و صرف ارمان کی بہو بنے گی کہ ایسا ہوگا کہ میں مطمئن رہوں گا کہ ارمان پر تو خود سے زیادہ بھروسہ ہے اور میری یمانی ایک باپ کے سائے سے نکل کر دوسرے باپ کی سائبانی میں چلی جائے گی اس طرف سے بے فکر رہوں گا میں اور اسی لیے میں نے ارمان سے بات بھی کر لی ہے وہ اس رشتے کے لیے راضی تھے اور یمنیٰ جب سے ارمان نے رضا مندی ظاہر کی ہے خود کو بہت پر سکون محسوس کر رہا ہوں کہ آج کل تو ہر لحظہ ہی لگتا ہے جیسے مجھے کچھ ہونے والا ہے مگر یمانی کی فکر......!مگر اب میں مطمئن ہوں کہ مجھے یمانی کی کوئی فکر نہیں اس کی فکر کرنے کو ارمان ہے ناں، وہ میری بیٹی پر آنچ بھی نہیں آنے دے گا۔''ماضی کیا یاد آیا تھا ان کی سسکیاں بلند ہونے لگی تھیں۔اندر آتی نیناں شیرازی ساکت

رہ گئی تھیں۔ انہوں نے سوالیہ نظروں سے بھائی کو دیکھا تھا کہ ایک وہی ان کی جانب دیکھ رہے تھے اور وہ دونوں تو جیسے اپنے ہی حواسوں میں نہ تھے مگر انہیں کچھ کہنے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی کیونکہ بلکتی ہوئیں یمنیٰ ارمان شیرازی کے سامنے رکی تھیں اور ان کا گریبان مٹھیوں میں دبوچے ہذیانی انداز میں کہہ اٹھی تھیں۔

''ابران کو لے کر آئیں ارمان، کہ آپ نے مشہود سے وعدہ کیا تھا کہ یمانی پر آنچ بھی نہیں آنے دیں گے، آج مشہود کی بیٹی یمانی دلہن بنی آپ کے بیٹے کی منتظر ہے اسے کہیں سے بھی لائیں کہ آپ نے مشہود سے یمانی کو محبت و عزت دینے کا وعدہ کیا تھا، وہ آپ کے حوالے کر گئے تھے، اپنی بیٹی اور ان کی بیٹی کی خوشیاں، اس کی عزت آپ کے بیٹے کی وجہ سے داؤ پر لگی ہے۔ اسے لے کر آئیں ارمان، کیسے بھی اپنا وعدہ پورا کریں۔'' وہ ساکت سرخ بھیگی آنکھوں سے کھڑے ارمان شیرازی کو جھنجوڑتیں بے طرح چیخ رہی تھیں اور نیناں شیرازی کے قدموں تلے سے زمین سرکتی جا رہی تھی۔ وہ لڑکھڑائی تھیں مگر ادیان نے انہیں گرنے نہیں دیا تھا وہ اس کے سرخ چہرے کو دھندلائی آنکھوں سے دیکھنے لگی تھیں۔

''حوصلہ رکھیں بڑی ممی، کچھ غلط نہیں ہوگا۔ ابران بھیا عین وقت پر آ جائیں گے کہ وہ آپ کو ہرٹ نہیں کر سکتے۔'' وہ بھیگی آنکھوں سے انہیں تسلی دے رہا تھا۔ ان کے آنسو بے اختیار ہو گئے تھے وہ کہہ نہیں سکی تھیں کہ ہرٹ نہ کر سکنے والے نے انہیں ہرٹ ہی نہیں کیا آسمان سے زمین پر بالکل اپنے باپ کی طرح پٹخ ڈالا ہے۔

''میں آپ سے، مشہود سے بہت شرمندہ ہوں، مجھے معاف کر دیں یمنیٰ کہ میں یمانی کی حفاظت نہیں کر سکا، اسے خوشیاں نہ دے سکا۔'' وہ ایک قدم پیچھے ہوتے باقاعدہ بلکتی یمنیٰ کے سامنے ہاتھ جوڑ گئے تھے۔ نیناں شیرازی نے ان کے جڑے ہاتھ، برستی آنکھیں دیکھیں تو شدتِ کرب سے آنکھیں چرا گئی تھیں۔

''میں نے اور مشہود نے مل کر جو فیصلہ لیا تھا، جس رشتے کی بنیاد اپنائیت و خلوص پر رکھی تھی میرے بیٹے نے نفرت کی دھار اپر بہتے ہوئے مسمار کر دی، آج ہر رشتہ ختم ہو گیا، اس سب کے لیے مجھے معاف کر دیں یمنیٰ۔'' کڑے سے کڑے وقت میں مضبوط رہنے والے، ہمت نہ چھوڑنے والے ارمان شیرازی اپنے پورے قد سے ڈھے گئے تھے اور ان کی شکست ان کے لفظوں سے ہی نہیں ان کی بہتی آنکھوں سے بھی عیاں تھی۔

''ایسا کچھ نہیں کہیں ارمان کہ میں خود سے نظر نہ ملا سکوں کہ ابران کے فیصلہ، اس کے اٹھائے اقدام کے آپ ذمہ دار نہیں ہیں اس لیے آپ شرمندہ نہ ہوں کہ زندگی ایک ابران شیرازی پر ختم نہیں ہوتی۔'' وہ ان کے ہاتھ تھام کر غیر معمولی سنجیدگی سے بولی تھیں۔ وہ ان کو دیکھنے لگے تھے۔

''ابران نہیں کرے گا تو کیا میری یمانی کی شادی کسی اور سے نہیں ہوگی، غلط فہمی ہے ابران کی، میری بیٹی کا نکاح آج ہی ہوگا۔'' وہ بہت مضبوط لہجے میں بولتیں ان سب کو ہی حیران کر گئی تھیں۔

''آپ نے ٹھیک کہا یمانی کا نکاح آج ہی ایبان سے ہوگا۔'' ان کا فیصلہ پریشان کھڑے ایبان شیرازی کی سماعتوں پر بم کی طرح پھٹا تھا۔ کمرے میں موجود ہر ذی نفس بہت پریشانی کے عالم میں ان کو دیکھ رہا تھا۔

''میں کیسے یہ نکاح کرسکتا ہوں، میں نہیں کرسکتا ڈیڈی......'' ایبان کے لبوں سے چند لڑکھڑاتے لفظ آزاد ہوئے تھے۔

''میں فیصلہ لے چکا ہوں اور جس کو اعتراض ہے وہ اس گھر سے جاسکتا ہے۔'' وہ چٹانوں سے سخت لہجے میں کہہ گئے تھے۔

''یہ فیصلہ غلط ہے ارمان کہ میں یہ کبھی نہیں چاہوں گی کہ میری یمانی کی وجہ سے خواہش کی خوشیاں داؤ پر لگ جائیں۔'' وہ آنسو رگڑتے ہوئے سنجیدگی سے بولی تھیں۔

''ارمان کو اگر یہ صحیح لگتا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' سالار مصطفیٰ نے بہت کڑا فیصلہ لے لیا تھا کہ بیٹی کی خواہش اس کی خوشی سے واقف تھے۔ ان کا ہاتھ ارمان شیرازی کے کاندھے پر ٹھہرا تھا ان کی آنکھیں جھلملا گئی تھیں۔ کوئی کچھ کہتا کہ یمانی کی اکلوتی پھپھو بول اٹھی تھیں اور ان کی بات پر یمنیٰ پر شادیٔ مرگ طاری ہوگیا تھا۔ ایبان نے کسی امید کے تحت پھر نمبر ملایا تھا مگر نمبر اب بھی بزی ہی تھا۔

''یہ فیصلہ میں نے لیا آج ضرور ہے یمنیٰ مگر یہ میری برسوں پرانی خواہش تھی لیکن مشہود کی خواہش جانتی تھی اس لیے اپنی دلی خواہش پر قفل لگا دیئے تھے، حالات نے پلٹا کھایا تو کہہ دیا تم اور ارمان بھائی سوچ سمجھ کر فیصلہ کرلو کہ یہ میری دلی خواہش ضرور ہے لیکن تم میرے حالات سے بھی واقف ہو، میرے گھر بہت زیادہ خوشحالی نہیں ہے، شہباز ایک معمولی سی جاب پر فائز ہے اس گھر جیسا سکون اور آسائش اسے میرے گھر نہیں مل سکتی مگر اس گھر جیسی چاہت اور مان ضرور مل سکتا ہے۔'' شہناز بیگم بھیگی آنکھوں سے سچائی سے پر لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ یمنیٰ ان کے سینے سے لگ کر رو پڑی تھی۔ سائرہ بیگم اور ارمان شیرازی کے اقرار کے بعد ماحول کی کشیدگی قدرے کم ہوگئی تھی اور جس کی زندگی میں اتنا بڑا طوفان آیا تھا وہ اس سب سے انجان دوست کی کسی بات پر دل سے مسکرائی تھی۔ نکاح خواں نے ایجاب و قبول کے مراحل طے کروانا شروع کیے تھے اور ابران کی جگہ شہباز کا نام سن کر اس کے مسکراتے لب جمود کا شکار ہوگئے تھے۔

''جو ہو رہا ہے اسے قسمت کا فیصلہ سمجھ کر قبول کرلو یمانی، کہ انسان کو وہی ملتا ہے جو اس کے نصیب میں ہوتا ہے اور ابران شیرازی تمہارا نصیب نہیں ہے۔'' یمنیٰ نے بہتی آنکھوں سے بیٹی کو دیکھ کر دھیمے سے کہا تھا وہ تڑپ اٹھی تھی قلم اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا جسے ادیان نے اٹھا کر اس کے سامنے نکاح نامہ پر رکھ دیا تھا۔ اس نے جھلملاتی آنکھوں سے ارمان شیرازی کو دیکھا تھا انہوں نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

''ابران کے کیے کی میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔''

اس کے آنسو بہنے لگے تھے اور یمنیٰ نے قلم اس کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔ اس نے بلکتے دل اور کانپتے ہاتھوں سے نکاح نامے پر سائن کر کے ایک ایسے شخص کو اپنا جیون ساتھی بنا لیا تھا جس کے لیے اس کے ذہن و دل میں کسی قسم کے جذبات نہ تھے اور جس کے لیے تھے اس کا نام آہ بن کر دل سے نکلا تھا۔

''ابران۔''

اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی کہ وہ قسمت سے نہیں لڑ سکتی تھی۔

☆......☆......☆

''تیرا کچھ بھی کہنا، سمجھانا بے سود رہے گا فراز کہ میں بہت سوچ سمجھ کر گھر سے آیا ہوں۔'' وہ فراز کی کسی بات پر بھی قائل ہونے کو تیار نہ تھا اور سختی سے بولا تھا۔

''خاک سوچ سمجھ کر آیا ہے، یمانی سے نفرت کا اظہار کرنے، اپنی تمام تکلیفوں کا اس سے بدلہ لینے کے لیے تو عین نکاح کی شام گھر سے بھاگ تو آیا ہے مگر کسی اور کے نہیں اپنی ممی کے بارے میں بھی سوچنا بھول گیا۔ کیا وہ اتنا بڑا صدمہ جھیل پائیں گی؟''

یکدم اسٹیئرنگ پر اس کی گرفت کمزور ہوئی تھی اس کا ذہن ماں کی طرف چلا گیا تھا۔ فراز کی آواز آنا بند ہو گئی تھی اور اس نے بڑی عجلت میں گاڑی ٹرن کی تھی کہ فضا میں اس کی چیخیں بلند ہوئی تھیں۔

☆......☆......☆

''ڈیڈی، وہ ابران بھیا کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔'' لینڈ لائن پر فراز کی کال اس نے ہی ریسیو کی تھی اور پریشانی سے ریسیور چھوڑتا تقریباً دوڑ کر باپ تک آتا روتے ہوئے روح فرسا خبر سنا گیا تھا۔ پنڈال میں پہلے ہی خوشی کا سماں نہ تھا کہ جو کچھ ہوا جس طرح ابران کی جگہ یمانی کا نکاح شہباز سے ہوا تھا یہ اتنی بڑی تبدیلی تھی کہ خوشی سے جگمگاتے چہرے اداسی سمیٹ لائے تھے اور رہی سہی کسر ادیان کی دی خبر نے پوری کر دی تھی۔ نیناں شیرازی تو بیٹے کی حرکت پر ساکت تھیں اور ان کو ایسے نازک وقت پر ارمان شیرازی نے سہارا نہیں دیا تھا کہ خود انہیں سہارے کی ضرورت تھی اور اس وقت یمنیٰ شیرازی اور وہ ایک دوسرے کا سہارا بنے ہوئے تھے اور بہن کی حالت کے پیش نظر سالار مصطفیٰ نے ان کی ہمت بندھانے کے لیے محض ان تک پیش رفت ہی کی تھی کہ ادیان نے ان کے پیروں تلے سے زمین ہی کھینچ لی تھی۔ انہوں نے بہت تڑپ کر ادیان کی جانب دیکھا تھا۔

''فراز بھائی کا فون آیا تھا، ابران بھیا کا بہت برا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ ان کی حالت بہت خراب ہے۔'' ادیان سسکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ابران شیرازی جیئے یا مرے اس گھر سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔'' ارمان شیرازی دل پر پتھر رکھے جو کہہ گئے تھے وہ سب کو

منجمد کر گیا تھا مگر ایک وہ واحد تھیں جن کے منجمد احساسات بیدار ہوئے تھے اور انہوں نے باہر کی جانب تیزی سے بڑھنا چاہا تھا۔

''رک جاؤ نیناں۔'' ان کے بڑھتے قدم سرد آواز پر تھمے تھے۔

''تم کیا گھر کا کوئی بھی فرد ہاسپٹل نہیں جائے گا۔'' ان کے سرد حکم نامے پر انہوں نے پلٹ کر ارمان شیرازی کو دیکھا تھا۔

''میں مانتی ہوں ابران نے بہت غلط کیا مگر یہ وقت ان باتوں کو دہرانے کا نہیں ہے۔ ہمارا بیٹا تکلیف میں ہے۔ اسے ضرورت ہے ہماری۔'' وہ نہایت دھیمے لہجے میں بیٹے کی غلطی کا اعتراف کرتیں اعلیٰ ظرفی دکھانے کو کہہ رہی تھیں۔

''کچھ دیر پہلے مجھے بھی اس کی ضرورت تھی مگر جیسے میری ضرورت پوری ہوگئی اس کی بھی ہو جائے گی مگر اس کی وجہ سے جو ذلت میں نے، میرے خاندان نے سہی ہے اس کے لیے کوئی معافی، کوئی درگزر کا گزر بھی نہیں ہے میرے پاس، اس سے ہر تعلق ختم ہو گیا ہے۔ وہ مر بھی جائے گا تو کم از کم مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' وہ چٹان بنے ایک سنگدلانہ فیصلہ لے گئے تھے مگر وہ تڑپ اٹھی تھیں۔

''آپ کو نہیں پڑتا مگر ابران کی ماں کو پڑتا ہے، میرے بیٹے کی ضرورت چاہے پوری ہو جائے مگر میں پیچھے نہیں ہٹ سکتی کہ میرا بیٹا میرے لیے ضرورت ہے۔ میرے لئے پوری کائنات ہے۔'' وہ رو رہی تھیں ان کے چہرے پر ابران کے لیے ممتا اور ان کے کہے الفاظ کے سبب ان کے لیے ناپسندیدگی و ناگواری تھی۔

''آپ کو نہیں آنا تو نہیں آیئے مگر میں ٹھہر نہیں سکتی کہ میرا ابر مجھے بلا رہا ہے۔ وہ تکلیف میں ہے اور آپ مجھے نہ روکیں کہ میں اس تک پہنچنے کے لیے ہر رشتہ تو کیا موت کو بھی جھٹلا سکتی ہوں۔'' آنسو رگڑے تھے اور باہر کی جانب بڑھی تھیں۔

''میں نے بھی ابران بھیا کے پاس جانا ہے۔'' شیریں سسکی تھی اور پریشانی سے رونی صورت بنالی۔ ایان وادیان ماں کے پیچھے لپکے تھے۔

''وہیں رک جاؤ دونوں۔'' آہٹ پر وہ مڑیں اور نہایت سختی سے بولیں تو وہ اچنبھے سے ان کے بے حد سرخ اور گیلے چہرے کو دیکھنے لگے۔

''تم دونوں پر اپنے باپ کے فیصلے کی لاج رکھنے کا قرض عائد ہوتا ہے اور جب ارمان نہیں چاہتے کہ تم میں سے کوئی بھی ہاسپٹل آئے تو اس لیے تم سب وہی کرو گے جو تمہارے ڈیڈی چاہتے ہیں اور کوئی بھی ہاسپٹل نہیں آئے گا۔'' وہ کہہ کر نکلتی چلی گئی تھیں اور سالار مصطفیٰ اس نازک وقت میں بہن کو اکیلا نہیں کر سکتے تھے۔ ایک تاسف بھری نگاہ ارمان پر ڈالتے بہن کے پیچھے ہی وہاں سے نکل گئے تھے جہاں صرف گھر کے افراد ہی تھے مگر اتنے لوگوں کی موجودگی میں موت کا سا سکوت چھایا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

''پیشنٹ کا خون کافی بہہ گیا ہے، فوری بلڈ کا انتظام کریں ورنہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔'' وہ لپک کر ڈاکٹر تک پہنچی تھیں اور وہ اپنے مخصوص پیشہ ورانہ انداز میں خون کا انتظام کرنے کا کہہ کر واپس آئی سی یو کی جانب بڑھ گیا تھا۔

''نیناں، پریشان نہ ہو ابران کو کچھ نہیں ہوگا، میں کرتا ہوں خون کا انتظام۔'' انہوں نے بہن کو خود سے لگا کر نرمی سے دلاسہ دیا تھا۔

''آپ کہاں سے کریں گے؟، آپ جانتے ہیں ناں او نیگٹو خون کا ملنا کسی قدر دشوار کن مرحلہ ہے۔'' وہ خوف سے باقاعدہ لرز رہی تھیں۔

''کچھ دشوار نہیں ہے میں ارمان کو فون کرتا ہوں وہ آ کر خون دے دے گا۔'' انہوں نے محض بہن کو تسلی دینے کو کہا تھا وگرنہ دوست کی فطرت سے بہتر طور پر واقف تھے۔

''نہیں سالار بھیا، وہ نہیں دیں گے۔ وہ ضد اور غصہ میں اپنی کہی بات پوری کرنے کو کسی بھی حد تک چلے جاتے ہیں اور آج وہ جس دکھ اور تذلیل سے صرف ابر کی وجہ سے گزرے وہ اسے خون نہیں دیں گے۔'' وہ کہتے ہوئے بلکنے لگی تھیں کہ ارمان شیرازی کی شدت پسندی سے تاعمر یونہی خائف و ہراساں نہیں رہی تھیں کہ وہ محبت اور نفرت، نرم خوئی اور غصہ ہر ایک معاملے میں انتہا کے شدت پسند تھے اور ان کی شدت پسندی نے جہاں انہیں راحتیں پہنچائی تھیں وہیں دکھوں کے اتھاہ سمندر میں بھی اتار دیا تھا جہاں وہ ابھرنے کی خواہش میں ڈوب ڈوب کر ابھرتیں جان کنی کے مرحلے سے گزرتی رہی تھیں جیسے اس وقت گزر رہی تھیں۔

''وہ غصہ میں ضرور ہے لیکن ابران سے بہت محبت کرتا ہے۔ اس کا بیٹا ہے ابران، اس کی جان بچانے کے لیے وہ خون ضرور دے گا تم حوصلہ کرو میں بات کرتا ہوں اس سے۔'' انہوں نے نمبر ڈائل کیا تھا، بیل جا رہی تھی مگر وہ ریسیو نہیں کر رہے تھے۔

''پیشنٹ کی حالت بے حد نازک ہے۔ ذرا سی بھی دیر مریض کی جان لے سکتی ہے اس لیے خون کا انتظام کرنے میں دیر نہ کریں۔'' نرس کی آواز پر ان کے ہاتھ کانپے تھے۔

''نیناں، کہاں جا رہی ہو؟'' انہیں قدم بڑھاتے دیکھ کر وہ لپک کر ان کی راہ میں آئے تھے۔

''ایک باپ سے اس کے بیٹے کی زندگی مانگنے جا رہی ہوں۔'' آواز میں نمی گھلی ہوئی تھی۔

''آپ یہیں ٹھہریئے، کسی چیز کی ضرورت ہوئی تو مسئلہ ہوگا بس آپ دعا کیجیے گا کہ میں اگر زندہ لوٹوں تو اپنے بیٹے کی زندگی کی نوید کے ساتھ ورنہ مجھے واپس آنا نصیب نہ ہو۔'' وہ بہت تیزی میں وہاں سے نکلی تھیں کہ بہن اور بہنوئی کو دیکھ کر رکی تھیں اور آمنہ وہیں ٹھہر گئی تھیں اور وہ میثم کے ساتھ نیناں ولاز تک کا سفر کرنے لگی تھیں۔

☆......☆......☆

''ارمان! تم اس وقت غصہ و ضد میں آ کر انتہائی غلط فیصلہ لے رہے ہو؟ کہ بیٹا یہ وقت گزری باتوں کو دہرانے کا نہیں ہے۔ ہمارے ابران کو اس وقت ہم سب کے ساتھ کی ضرورت ہے۔'' بہو کے جاتے ہی انہوں نے نرمی سے بیٹے کو سمجھانا چاہا تھا۔

''جو جانا چاہے بالکل نیناں کی طرح چلا جائے لیکن میں کسی قیمت پر نہیں جاؤں گا۔'' وہ سنگدلی کی انتہا پر تھے۔

''ابران یہاں اگر کسی کے مجرم ہیں تو وہ میں ہوں کہ وہ مجھے دھتکار گئے۔'' خاموش تماشائی بنی یمانی کے لب ہلے تھے۔

''میری تذلیل کی، اور جب میں نے ابران کو معاف کر دیا ہے تو وہ اب کسی کے مجرم نہیں رہے۔ میرے مجرم کو جب میں سزا نہیں دینا چاہتی، سزا نہیں دے رہی تو آپ سب کیوں انہیں سزا دینا چاہتے ہیں۔'' وہ ارمان شیرازی کے سامنے آن ٹھہری تھی۔ انہوں نے اسے دیکھا تھا سولہ سنگھار کیے دلہن بنی یمانی بے حد حسین لگ رہی تھی مگر دکھ کی پرچھائیاں گویا اس کے حسن کو گہن لگا گئی تھیں۔ اس کی خوبصورت آنکھوں میں بچھی اذیت کی بساط، انہوں نے لب بھینچ لیے تھے۔

''پلیز ڈیڈی، جو ہوا بھول جائیے۔ معاف کر دیں ابران کو اور ہاسپٹل چلیں۔'' اس نے یکدم روتے ہوئے ان کے بازو کو پکڑا تھا۔

''بھول جانا اتنا آسان نہیں ہوتا، میں نہیں بھول سکتا اپنی تذلیل، نہیں بھول سکتا کہ آج تم پرائی ہو گئی ہو، میں ہار گیا ہوں، اپنے دوست سے کیے وعدے کو صرف ابران کے سبب توڑ گیا ہوں۔'' وہ اس کا ہاتھ جھٹکتے غصے سے دھاڑے تھے۔

''آج صرف ابران کے ایک فرار نے مجھے سب کی نظروں سے گرا دیا ہے۔ دو دوستوں کی خواہش، ان کا مان بھرا فیصلہ آج شکست کھا گیا ہے۔'' ان کی آنکھوں میں سرخی بڑھنے لگی تھی۔ سائرہ بیگم نے بیٹے کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''میں ابران کی ناپسندیدگی اس کی نفرت سے انجان نہ تھا مگر میں نے لب سیئے رکھے کہ مجھے اس پر مان تھا کہ وہ جو چاہے مجھ سے، مجھ سے وابستہ رشتوں سے کتنا ہی بدگمان کیوں نہ رہے مگر کبھی ایسا کچھ نہیں کرے گا کہ مجھے بہت زیادہ تکلیف سے گزرنا پڑے اور اسی مان کے سبب میں نے اپنی اور مشہود کی خواہش کے پیش نظر یمانی اور اس کی شادی کی بات کی اور جب وہ راضی ہوا تو میرا سر فخر سے تن گیا تھا، اپنی سوچ اپنے مان کی جیت پر مسرور تھا مگر کیا ہوا، میرا بیٹا بھرے مجمعے میں میرے منہ پر طمانچہ مار گیا، سارے بھرم، سارے مان توڑ ڈالے۔'' وہ ماں کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں سے گرم سیال بہہ رہا تھا۔

''میں اپنی نظروں سے تو گر ہی گیا ہوں، کسی سے بھی نظر ملانے کے قابل نہیں رہا۔ کیسے روز محشر مشہود کا سامنا کروں گا؟ اسے مجھ پر بھروسہ تھا کہ میں اس کی بیٹی کی حفاظت کروں گا، چاہت و عزت دوں گا اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں آنے دوں گا مگر دوست سے کیا ایک وعدہ بھی پورا نہ کر سکا۔ میرے یار کی بیٹی کی میرے بیٹے نے توہین کی، سرخ جوڑے میں اسے چھوڑ گیا اور آپ سب چاہتے ہیں کہ میں ابران کو معاف کر دوں، کیسے کروں اپنی بیٹی کے مجرم کو معاف؟ کیسے کروں اپنے یار کے ارمانوں اور اطمینان کے قاتل کو معاف؟ کیسے کروں اس بیٹے کو معاف جس نے باپ کا سر جھکا دیا؟'' ان کی آنکھوں سے موتی نکلتے ہی جا رہے تھے۔ سائرہ بیگم نے انہیں اتنا دکھی زندگی میں تیسری دفعہ دیکھا تھا۔ پہلی دفعہ جب، جب مشہود مر گیا تھا۔ دوسری دفعہ جب، جب ان کی دوسری شادی کا سن کر نیناں نے سوسائیڈ کرنے کی کوشش کی تھی اور انہیں عارضی جدائی دے کر میکے چلی گئی تھیں اور تیسری دفعہ آج، وہ پورے قد سے ڈھے گئے تھے۔

''آپ اس طرح نہ سوچیں آپ نہ ہی یمانی کے مجرم ہیں نہ ہی روز محشر مشہود آپ کو کوئی الزام دیں گے کیونکہ آپ نے یمانی کا ایک باپ کی طرح خیال رکھا ہے جو ہوا وہ یمانی کی قسمت ہے کہ اس نے ابران کی دلہن نہیں بننا تھا اس لیے ابران چلا گیا۔ آپ نے یمانی کے لیے اپنے تمام فرائض پورے کیے ہیں اور آپ یمانی کے لیے ابران کے ساتھ زیادتی نہ کریں۔'' وہ ان کے سامنے آن ٹھہری تھیں۔

انہوں نے سرخ بھیگی آنکھیں بیوی کے متورم چہرے پر ڈالی تھیں۔

''ابران کے رویے کے سبب آپ نے پہلے بھی یمانی کی سائیڈ لے کر ابران کو خود سے بہت دور کر دیا۔ ابران نے غلط کیا ہے مگر اتنا بھی نہیں کہ آپ اس سے یوں رشتے ناطے توڑ لیں کہ خون کے رشتے ایسے کہہ دینے سے نہیں ٹوٹتے، رنجشیں آجاتی ہیں مگر انہیں رشتوں کی بقا کے لیے دور کرنا ہی پڑتا ہے۔ آپ نے یمانی کے باپ کی حیثیت سے بہت غصہ دکھا لیا۔ اب آپ صرف ابران کے باپ بن کر ہاسپٹل چلیں کہ آپ کے بیٹے کو آپ کی ضرورت ہے اور اولاد چاہے والدین کے لیے کیسی بھی ثابت ہو والدین اولاد کے حق میں اچھے ہی ثابت ہوتے ہیں اس لیے ہر بات بھول جائیں۔'' یمنیٰ کا وہی ازلی نرم انداز تھا ان کے لہجے میں ٹھہراؤ اور الفاظ سے رشتوں کو جوڑے رکھنے کی بُو صاف محسوس کی جاسکتی تھی۔

''مشہود ہوتے تو وہ بھی ایسے وقت میں ابران کو معاف کر دیتے۔ آپ مگر مشہود کے لیے اپنی شفقت کا گلا گھونٹ چکے ہیں، بس کر دیں۔ اب اور اس وقت صرف ابران، اپنے بیٹے کے بارے میں سوچیں کہ آپ نے دوستی کے لیے بہت کچھ قربان کیا ہے مگر اب دوستی صرف اتنی نبا ہیے کہ باپ کی شفقت پیچھے نہ رہ جائے، دوست کے لیے بیٹے کو قربان نہ کریں۔'' سائرہ بیگم غیر محسوس طریقے سے پیچھے ہٹ گئی تھیں اور وہ اپنی بات مکمل کر کے دھیمے سے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ گئی تھیں۔ اپنے ساتھ کا یقین دلانے کو دھیمے سے مسکرائی تھیں۔

''مجھے آج کوئی دلیل قائل نہ کر سکے گی کہ میں آج صرف یمانی کا باپ بن کر ہر چیز کو دیکھ رہا ہوں اور جو میری بیٹی کی خوشیوں کا قاتل ہے اور میں اپنی بیٹی کے مجرم کے لیے ایک حرفِ دعا اپنے لب سے آزاد نہیں کر سکتا کہ میں جانتا ہوں اس نے اس بے مہر شخص سے محبت کی ہے آج اس کی زندگی میں ایک خلا آ گیا ہے کہ یہ کتنی ہی خوش کیوں نہ رہے آج کی اذیت، محبت کھونے کا دکھ جو اس کی ذات کے ساتھ سفر کرے گا وہ مجھے ہر رشتہ فراموش کرنے پر مجبور کر رہا ہے اور آپ جانتی ہیں زندگی میں، میں صرف دو بار مجبور ہوا ہوں اور ان مجبوریوں کے ساتھ میں نے کیسے زندگی بسر کر لی یہ آپ سب جانتے ہیں مگر وہ کرب کی شدت محسوس نہیں کر سکتے اس لیے مجھے اب عمر کے اس دور میں تیسری مجبوری کو گلے لگانے پر مجبور نہ کریں، میں کسی کو نہیں روکتا سب جائیں مگر کوئی مجھے جانے کو نہ کہے۔'' وہ ان کا ہاتھ ہٹاتے بے لچک انداز میں بہت کچھ نہ صرف کہہ گئے تھے اپنے فیصلے پر ڈٹے رہنے کا بھی عندیہ دے دیا تھا۔ ان کی اولادیں قدرے حیرانگی سے انہیں دیکھ رہی تھیں کہ انہوں نے اب تک باپ کا نرم انداز ہی دیکھا تھا۔ یہ سنگدلانہ کٹھور فیصلے لیتا شخص انہیں اپنے باپ کی پرچھائیں بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ نرم چھاؤں میں رہنے والے دھوپ کی تمازت کو کیا جانیں؟

''ارمان!'' بھیگی کرب میں ڈوبی پکار پر ان کے اٹھتے قدم رکے اور وہ جنہوں نے گفتگو کا محض آخری حصہ سنا تھا لرزتے ہوئے ان کے نہ صرف سامنے آئی تھیں بلکہ ان کے سامنے ہاتھ ہی جوڑ گئی تھی۔ ان کا کرب کچھ اور بڑھا تھا کہ اس عورت کو انہوں نے دیوانوں کی طرح چاہا تھا اور کسی کے لیے تو کیا کبھی اپنے سامنے بھی جھکنے نہیں دیا تھا مگر آج وہ اس قدر سنگدل بنے ہوئے تھے کہ حق سے ہر بات کہنے، منوانے والی آج ان کے سامنے ہاتھ جوڑے فریاد کناں تھیں۔

''ارمان! آپ کی نیناں مر رہی ہے، پلیز ابر کو خون دے کر مجھے مرنے سے بچالیں۔'' وہ سسک رہی تھیں۔

''ممتا پر سہاگ قربان کر کے تم کچھ دیر قبل جا چکی تھیں۔ میں نے تم پر فاتحہ پڑھ لی، اب تم کس نیناں کی زندگی کی بھیک مانگ رہی ہو کہ میری نیناں مر گئی۔''

اپنے دل کو کند چھری سے ذبح کرنے، اپنے ہی احساسات کو اپنے ہی قدموں تلے روندتے احساس اور جذبوں سے عاری نہایت سرد لہجے میں اپنی بات کہہ کر ساتھ ہی سوال بھی کر گئے تھے۔ وہ رونا بھول کر انہیں پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگی تھیں کہ وہ ایک سچے مہربان، خیال رکھنے والے ساتھی ثابت ہوئے تھے اور سامنے تو کوئی بیگانہ شخص کھڑا تھا ان کے قدم لڑکھڑائے تھے، ہاتھ میکانکی انداز میں گرتے چلے گئے تھے۔

''ارمان! آپ کہتے تھے کہ میں آپ کی جان مانگوں گی تو آپ ہنستے ہنستے میرے لیے جان تک دے دیں گے، میں آپ سے آپ کی زندگی نہیں صرف اپنے بیٹے کی زندگی مانگتی ہوں۔ اپنے بیٹے کو خون دے کر اسے مرنے سے بچالیں پلیز۔'' ان کی ہمت ٹوٹ گئی تھی لیکن آج وہ ہمت ہار نہیں سکتی تھیں کہ بات ان کے بیٹے کی زندگی کی تھی اس لیے تمام ہمتیں مجتمع کر کے نہ صرف بولی تھیں بلکہ زور ڈالنے کو ان کے قول ان کے وعدے یاد دلائے تھے۔

''نیناں! جان تو آج بھی مانگو گی تو ابھی اسی وقت دے دوں گا۔ مانگ کر تو دیکھو لیکن جو تم مانگ رہی ہو میرے اختیار میں ہو کر بھی میرے اختیار سے باہر ہے۔'' ان کا وہی سرد انداز تھا وہ یکدم اشتعال میں آئیں چیخ پڑی تھیں۔

''کیا ہو گیا ہے آپ کو، کیسی باتیں کر رہے ہیں، وہاں ہمارا بیٹا زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے اور آپ نہ جانے کون سی نفرتیں نبھا رہے ہیں۔ بس کر دیں مشہود بھیا کے لیے ہم سب کو اذیت دینا، کہ یاد رکھیں کہ آج میرے بیٹے کو کچھ ہو گیا تو آپ ساری عمر کے لیے مجھے بھی کھو دیں گے۔'' وہ شوہر کے بے تاثر چہرے کو ناگواری سے دیکھ رہی تھیں۔

''زندگی میں بس یہی ایک غم نہیں ملا تو یہ بھی سہی۔'' وہ سنجیدگی سے ایسے کہہ گئے تھے جیسے ان کے مرنے سے ان کی زندگی سے چلے جانے سے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔

''مشہود بھیا کی محبت میں جو آپ غصہ و نفرت دکھا رہے ہیں ناں ارمان! تو یاد رکھیں وہاں ہاسپٹل میں اکیلا میرا بیٹا خون کی کمی کا شکار ہو کر نہیں مرے گا میں یہاں آپ کے سامنے جان دے کر آپ کو بتاؤں گی کہ موت کا عمل کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے۔'' وہ ان کا گریبان مٹھیوں میں جکڑ کر سرد انداز میں بولی تھیں اور ایک جھٹکے سے گریبان آزاد کرتیں وہاں سے اندر کی طرف بڑھی تھیں، لوٹی تھیں تو ان کے ہاتھ میں تیز دھار چھری تھی انہوں نے جس کی نوک (اپنا ہاتھ ان کے سامنے کر کے) سے اپنے ہاتھ پر ایک لکیر سی کھینچی تھی، خون کا فوارہ اور شیریں و یمانی کی چیخیں قریب قریب ہی گونجی تھیں۔ ایان لپک کر ماں تک پہنچا تھا مگر انہوں نے اسے جنونی انداز میں پیچھے دھکیل دیا تھا۔

''کوئی درمیان میں نہیں آئے گا۔'' حلق کے بل چلائی تھیں اور وہ انہیں دیکھ رہے تھے۔ ایسے ہی جنونی انداز میں وہ پہلے بھی خود کو حد درجے تکلیف سے دوچار کر گئی تھی مگر آج کے جنون میں پہلے کے جنون سے کئی گنا زیادہ شدت تھی۔

''تم پاگل ہوگئی ہو نیناں!'' ان کا خول کچھ چٹخا تھا، ہاتھ تھامنا چاہا تھا مگر وہ برق رفتاری سے پیچھے ہوتیں ہاتھ پر دوسری لکیر کھینچ گئی تھیں۔

''ابھی مجھے درد نہیں ہو رہا ارمان لیکن اپنے بیٹے کو آئی سی یو میں تڑپتے دیکھا تو بہت درد ہوا تھا وہ تکلیف میں ہے یہ خیال مجھے درد دے رہا ہے۔ اسے خون کی ضرورت ہے اور میں ماں ہو کر اس کی ضرورت پوری نہیں کر سکتی اس بے بسی پر درد ہو رہا ہے۔'' ان کا لہجہ انتہائی ہموار تھا۔ آنکھ میں ایک آنسو نہ تھا اور انہوں نے تیسری لکیر کھینچنی چاہی تھی کہ انہوں نے چھری ہاتھ سے چھین کر دور اچھال دی تھی۔

''پاگل ہوگئی ہو؟'' بری طرح سے چیخے تھے کہ خون بہت تیزی سے ان کے ہاتھ سے گرتا سبز گھاس کو سرخ کرتا جا رہا تھا۔

''ہاں، پاگل ہوگئی ہوں کہ مجھے اپنے جسم میں ایسے دوڑتے لہو کی ضرورت نہیں ہے جو میرے بیٹے کو زندگی نہ دے سکے۔'' وہ ہذیانی انداز میں چیخی تھیں۔ وہ سب رو رہے تھے مگر کچھ نہیں کر پا رہے تھے۔

''میں اپنے جسم سے خون کی ایک ایک بوند نکال پھینکوں گی مجھے اپنے زندگی دیتے لہو سے نفرت محسوس ہو رہی ہے کہ ایسے خون کو وجود میں کیوں گردش کرنے دوں جو میرے بیٹے کے وجود میں زندگی بن کر نہیں دوڑ سکتا۔''

انہیں اس بات کا بے حد قلق ہو رہا تھا کہ ان کا اور ان کے بیٹے کا بلڈ گروپ سیم کیوں نہیں تھا؟

''پلیز ڈیڈی، ہاسپٹل چلیں، ابران بھیا اور ممی کو کچھ ہو گیا تو ہم بھی جی نہیں پائیں گے۔'' شیریں اور ادیان نے روتے ہوئے باقاعدہ باپ کے پاؤں پکڑ لیے تھے۔

''ممی کے لیے، ہم سب کے لیے چل کر ابران بھیا کو خون دے دیں۔'' ایان شدتوں سے رو رہا تھا اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی زندگی میں تیسری دفعہ مجبور ہو گئے تھے۔ جس وقت وہ ہاسپٹل پہنچے تھے سالار مصطفیٰ خون کی دو بوتلوں کا انتظام کر چکے تھے جو قطرہ قطرہ اس کے وجود میں اتر گیا تھا لیکن زندگی کی نوید موت کے دھارے پر لرز رہی تھی کہ خون کی مزید ضرورت تھی۔ انہوں نے ابران کے چہرے کی طرف نظر بھی نہیں کی تھی اور نرس کی ہدایت پر بستر پر لیٹ گئے تھے۔ ان کے جسم سے خون قطرہ قطرہ کر کے ان کے بیٹے کے وجود میں زندگی کی لہر بن کر دوڑنے لگا تھا اور ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

''مشہود، تیرا قرض ادا نہیں کر سکا تھا اور آج کچھ اور مقروض ہو گیا ہوں۔ مگر تو مجھے معاف کر دینا کہ تو جانتا ہے کہ میں نے صرف تیری محبت میں تمام قرض چکانے کی چاہ میں آج اپنی پتا کا خون تک کر ڈالا مگر تیرے خون کا قرض ادا نہ کر سکا کہ اولاد اور بیوی کی چاہت میں یہاں پڑا ہوں کہ آج ابران کو کچھ ہو گیا تو جی تو نہیں پاؤں گا۔'' کرب سے غائبانہ دوست سے مخاطب تھے کہ ابران کے لبوں سے نکلنے والی صدا پر بے اختیار گردن موڑ کر بیڈ کی دوسری جانب دیکھا تھا۔

''ممی!'' وہ تکلیف سے کراہ رہا تھا کہ اس کے سر پر پٹی بندھی تھی اور سر ہی نہیں کاندھے، سیدھے ہاتھ کی کلائی اور سیدھے ہی پاؤں پر بھی پٹی بندھی تھی کہ وہ جس وقت گھر سے نکلا تھا اسے رہ رہ کر ماں کا خیال آ رہا تھا اسے ماں کے خیال کے ساتھ ہی اپنی غلطی کا

احساس ہوا تھا اور احساس کے ہوتے ہی اس نے بڑی تیزی میں گاڑی ٹرن کی تھی اور اس کی تیزی اس کے لیے غیر مفید ثابت ہوئی تھی۔ اس کی گاڑی کا ٹرالر سے تصادم ہوا تھا اور گاڑی ٹرالر کے ساتھ گھسٹتی چلی گئی تھی۔ وہ گاڑی کا دروازہ کھل جانے کے باعث دور جا گرا تھا اور وہ سر کے بل گرا تھا۔ اسی لیے خون زیادہ بہہ گیا تھا باقی جسم پر چھوٹی بڑی چوٹیں الگ تھیں جس وقت حادثہ ہوا وہ فراز سے فون پر بھی بات کر رہا تھا اور حادثہ کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کے ایک ہاتھ میں موبائل تھا اور دوسرے سے اس نے اسٹیئرنگ کو بڑی تیزی سے گھماتے ہوئے موڑ لینا چاہا تھا جس میں ناکام ہوا تھا ابران کی دلدوز چیخیں سن کر فراز کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ یہ تو شکر تھا کہ فراز کو اس نے بتایا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے اس لیے وہ تیزی سے فاسٹ ڈرائیونگ کرتا جائے وقوعہ پر پہنچ گیا تھا ابران زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے بے ہوش ہو گیا تھا۔ ابران کو ہاسپٹل لے گیا تھا اور نیناں ولاز میں اس نے اطلاع کر دی تھی۔ اس کا وہاں پہنچنا ہی نہیں ابران کا بچ جانا بھی معجزہ ہی تھا۔

☆......☆......☆

''یہ جانتے ہوئے بھی کہ آپ مجھے ناپسند کرتے ہیں، میری محبت مجھے خوش فہم کر گئی تھی مگر آج خوش فہمی اور محبت کا شیش محل چکنا چور ہو گیا۔'' تنہائی کے میسر آتے ہی وہ ضبط کھو بیٹھی تھی کہ ابران کا رویہ کیسا ہی کیوں نہ ہو وہ اس کی محبت آنکھ کا پہلا سپنا تھا جو آج ٹوٹ کر بکھر گیا تھا۔

''آپ بہت سنگدل ہیں ابران، نفرت کرتے ہیں مجھ سے لیکن آپ کی نفرت محسوس کرنے کے بعد بھی خود کو آپ سے محبت کرنے سے باز نہیں رکھ پائی۔ آج جو آپ نے کیا اس کے بعد بھی آپ سے نفرت نہیں کر پا رہی۔'' وہ تکیہ میں منہ دیئے بے طرح سسک رہی تھی۔

''میں تو آج تک آپ کے لیے جیتی رہی، آپ کا ساتھ، آپ کی خوشی مانگتی رہی، نہ آپ کا ساتھ ملا، نہ آپ کی خوشی! آج آپ تکلیف میں ہیں اور میں آپ کے دیئے گھاؤ پر دکھی نہیں ہو پا رہی کہ میرے تمام احساسات آپ پر لگے ہیں اور آپ کی تکلیف کا خیال مجھے تکلیف دے رہا ہے۔ میرا روم روم آپ کی صحت یابی کے لیے دعا گو ہے۔ آپ میرے نہیں رہے ابران، سب نے آپ کے ٹھکرانے کے بعد مجھے میری رضا جانے بغیر کسی اور کا بنا دیا ہے لیکن میرا ہر احساس صرف آپ سے جڑا ہے۔'' اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

''آپ کے علاوہ میں کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی، آپ نے مجھ پر یہ کیسا ظلم کر دیا؟ میں تل تل مر رہی ہوں اور اس جان کنی سے گزرتے ہوئے بھی میرے لبوں پر آپ کے لیے دعا ہے کہ آپ کو کچھ نہ ہو۔'' وہ سسکتے ہوئے اس کی صحت یابی کے لیے دعا گو تھی جو اس کے آنسوؤں اور تڑپ کا سبب تھا۔

☆......☆......☆

''ارمان! تم نیناں کے پاس جاؤ پلیز۔ اسے تمہاری ضرورت ہے۔'' تکلیف دہ گیارہ گھنٹے گزر گئے تھے مگر وہ تا حال بے ہوش تھا۔ سب ہی ہاسپٹل میں موجود تھے اور اتنے لوگوں کی موجودگی میں بھی مہیب سناٹا تھا ایسے میں بہن کے زرد چہرے کو دیکھ کر وہ کچھ سوچ کر ارمان شیرازی سے بولے تھے۔

''میرے پاس ایک حرفِ تسلی کا نہیں ہے سالار، کہ نیناں کو کوئی تسلی سکون نہیں دے گی اس کے دل کو قرار جب ہی ملے گا جب

اس کا ابر موت کو شکست دے آئے گا۔'' وہ بوجھل تکلیف دہ انداز میں بولے تھے۔

''تمہارا کہنا بجا ہے مگر نیناں کو صرف تمہارے ساتھ کی ضرورت ہے۔ جب جب مشکل آئی تم اس کے ہمقدم رہے اب یہ وقت بہت کڑا ہے اسے حرفِ تسلی کی نہیں تمہارے ساتھ کی ضرورت ہے۔ گیارہ گھنٹوں سے وہ آئی سی یو کے باہر ساکت کھڑی ہے اسے وہاں سے تم ہی ہٹا سکتے ہو، اسے رلا سکتے ہو۔'' بہن کی تکلیف پر ان کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔ انہوں نے نظر اٹھا کر قدرے فاصلے پر کھڑی اپنی جانِ حیات کو دیکھا تھا اور ان کی طرف بڑھنے لگے تھے۔

''نیناں!'' ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے پکارا تھا وہ انہیں خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی تھیں۔

''ڈونٹ وری، ہمارے ابران کو کچھ نہیں ہوگا۔'' ان کی تکلیف محسوس کرتے ہی ان کی اپنی تکلیف کئی گنا بڑھ گئی تھی اور انہوں نے دھیمے سے کہہ کر انہیں خود سے لگا لیا تھا اور ان کے احساسات بیدار ہو گئے تھے اور وہ ان کے سینے سے لگیں بری طرح بلکنے لگی تھیں۔

''ارمان! میرا ابر بہت تکلیف میں ہے۔ میں اسے ایسے نہیں دیکھ سکتی۔ میں مر جاؤں گی ارمان۔'' وہ خود نہیں رو رہی تھیں باقی سب کو بھی اپنے ساتھ رلا رہی تھیں۔

''کہاناں، ابران کو کچھ نہیں ہوگا۔'' آزردگی سے بولے تھے۔

''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے ارمان! گیارہ گھنٹے گزر گئے ہیں مگر ابر کو اب تک ہوش نہیں آیا ہے۔'' ان کے رونے میں شدت آ رہی تھی۔

''اسے ہوش آ جائے گا اللہ پر بھروسہ رکھو۔'' بھیگی آنکھوں سے بولے تھے۔

''ارمان! اللہ تعالیٰ سے کہیے کہ وہ میری زندگی لے لیں مگر میرے ابر کو نئی زندگی بخش دیں۔'' وہ ان کے سینے سے لگیں بچوں کی طرح رو رہی تھیں۔ انہوں نے انہیں خود سے بھینچ لیا تھا۔

''حوصلہ رکھو، اللہ سب ٹھیک کر دے گا۔'' وہ خود خوفزدہ تھے مگر اللہ پر انہیں کامل یقین تھا اس لیے نرمی سے بولے تھے اور کچھ ہی دیر بعد ڈاکٹرز نے ابران کے ہوش میں آنے کی خبر دے کر ان سب میں ہی زندگی کی لہر سی دوڑا دی تھی۔ نیناں شیرازی وہیں آئی سی یو کے دروازے پر سجدہ ریز ہو گئی تھیں کہ اللہ نے ان پر اپنا کرم کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

''نیناں! کیوں خود کو اور ابران کو سزا دے رہی ہو؟ جا کر مل لو اس سے، اس کی نظریں تمہیں ڈھونڈ رہی ہیں۔ وہ ہر ایک سے صرف تمہارے بارے میں پوچھ رہا ہے۔'' وہ ہاسپٹل میں موجود تھیں مگر اس کے کمرے میں اس سے ملنے نہیں گئی تھیں اس لیے سالار نرمی سے بولے تھے۔ وہ آگے سے کچھ نہیں بولی تھیں اور ان کے آنسو گرنے لگے تھے۔ اسے اس کی حرکت پر تم بعد میں سرزنش ہی نہیں سزا بھی دے سکتی ہو اس وقت اس کے پاس چلو۔'' بہن کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''ابر نے بہت بڑی غلطی کی ہے میں اسے ڈانٹوں گی، اسے سزا دے کر اسے سمجھاؤں گی کہ اس نے آئندہ اتنی بڑی غلطی نہیں

کرنی، میں اس سے زندگی میں پہلی دفعہ ناراض ہوگئی ہوں، مجھے اس پر غصہ بھی ہے مگر آپ کو غلط لگتا ہے میں اسے اس وقت سزا دینے کے سبب اس سے ملنے نہیں جا رہی۔'' وہ نیر بہاتے ہوئے دھیمے دھیمے سے بول رہی تھیں۔

''میں نے اس وقت غصہ میں نہیں بہت سوچ سمجھ کر کہا تھا کہ ابران سے ہمارا کوئی تعلق نہیں رہا مگر تم نے اس وقت میری کہی بات کی لاج نہ رکھی اس لیے اب تم اپنے ہر فیصلے میں آزاد ہو۔'' وہ سنجیدگی سے بولے تھے۔

''اولاد کو سزا دینے اسے صحیح وغلط کا فرق بتانے کا بھی کوئی وقت ہوتا ہے۔ آپ نے سزا کے لیے جو وقت چنا وہ غیر مناسب تھا اس لیے میں اپنے بیٹے کی ڈھال بن گئی ورنہ آپ بھی جانتے ہیں، بچپن سے آج تک آپ نے جب جب ابران کی غلطی پر اسے سزا دی میں نے ایک حرفِ شکایت بلند نہیں کیا۔'' وہ ان کے مقابل آتیں گہری سنجیدگی سے کہہ رہی تھیں۔

''آپ کے فیصلہ کی لاج نہ رکھنی ہوتی تو میرا ابر کبھی ہاسپٹل نہ جاتا، ابر کے لیے آپ نے جو سزا منتخب کی اسے میں نے قبول کیا چاہے میری ممتا کتنا ہی تڑپی، آپ سے نہیں کہا کہ ابران کو واپس بلالیں یا اس کی جگہ یمانی کو بھیج دیں کہ غلطی ابر کی تھی تو سزا بھی اسے ہی ملنی تھی اور رات جو اس نے کیا اس کی اسے سزا ملے گی مگر میں اس وقت سزا نہیں دے سکتی جب وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اس وقت آپ کے فیصلے کے آگے کھڑے ہو کر میں نے اپنی ممتا کا حق ادا کیا اور وقت آنے پر اسے سزا دے کر تربیت کا حق بھی ضرور ادا کروں گی کہ میں ان ماؤں میں سے نہیں ہوں جو اولاد کی غلطی پر ان کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔'' وہ ان کو ناراض نظروں سے دیکھتیں اپنا مؤقف بیان کر رہی تھیں۔

''اور ایک بات یاد رکھیے گا کہ میں ابر کی نبض آشنا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ یمانی سے شادی کے لیے راضی نہیں ہوگا ہاں لیکن میں نے تصور نہیں کیا تھا کہ وہ اس طرح انکار کرے گا۔ اس کے اس طرح انکار نے نہ صرف مجھے تکلیف سے دوچار کیا ہے، میری پرورش کو بھی کٹہرے میں کھڑا کر دیا ہے کہ ابر کاش اس طرح نہ کرتا۔'' وہ رو رہی تھیں۔

''ابران نے انتہائی قدم اٹھایا ہی اس لیے ناں کہ اسے بھی محسوس ہو گیا ہوگا کہ اس سب سے اس کی ماں خوش نہیں ہے اور اس نے ساری زندگی صرف ماں کی ہی تو خوشی کا خیال رکھا ہے۔ باقی رشتے تو کیا باپ بھی جہنم میں جائے اس کی اور تمہاری بلا سے۔'' نہ جانے کب سے کھڑی ان کی باتیں سنتیں سائرہ بیگم بہو کے سامنے آتیں درشتگی سے بولی تھیں۔

''مما! اگر ابران کو آپ سب کی خوشی عزیز نہ ہوتی تو وہ کبھی شادی کے لیے ہاں نہ کہتا کہ آپ کے احترام میں اس نے ہاں کہی تو اس پر قائم رہا۔'' وہ ساس کی غصیلی نگاہوں میں دیکھتی کہہ رہی تھی۔

''کیا خوب قائم رہا، عین نکاح کی شام گھر سے فرار ہو گیا تھا تمہارا لاڈلا، یقیناً تم نے ہی اس کی پشت پناہی کی ہوگی۔'' وہ سخت سے الزام جڑ گئی تھیں انہوں نے بہت تڑپ کر ساس کو دیکھا تھا۔ وہ کس قدر بدگمان نظر آرہی تھیں۔

''مما، پلیز ایسا کچھ نہ کہیں جس میں ذرا برابر سچائی نہیں ہے۔'' وہ تو کچھ نہیں بولی تھیں مگر وہ ہمیشہ کی طرح بیوی کی ڈھال بن گئے تھے۔

''تم تو ہو ہی احمق، ساری زندگی آنکھیں بند کر کے اس عورت کی سچی جھوٹی پر یقین کرتے آئے ہو۔'' وہ کچھ اور سختی سے بولی تھیں۔

''مما! یقین نہیں کرتا آیا، ایمان ہے میرا کہ یہ عورت بہت بری ہو سکتی ہے مگر جھوٹی نہیں ہو سکتی۔ میرا ایمان ہے کہ یہ ابران کی غلط جانب راہنمائی نہیں کرسکتی۔ مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتی، مجھے دھوکہ نہیں دے سکتی۔'' وہ بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں پر یقین انداز میں کہہ رہے تھے۔ وہ انہیں دیکھنے لگی تھیں وہ ان کے لیے اتنے ہی مہربان تھے، ان پر اتنا ہی یقین رکھتے تھے۔ ان کے آنسو تشکر سے گرنے لگے تھے۔

''ابران کی حرکت کا نیناں کو پتہ چل جاتا تو یہ اسے ایسا کرنے ہی نہیں دیتی۔'' وہ یقین سے مسکرائے تھے۔ سالار مصطفیٰ کو بہن کی قسمت پر رشک آنے لگا تھا۔

مجھے سچ میں کچھ نہیں پتہ تھا کہ مجھے ذرا بھی شک ہو جاتا تو میں اسے روک لیتی۔'' وہ سسک رہی تھیں۔

''جانتا ہوں میں، تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' نرمی سے ٹوک گئے تھے۔

''ارمان! آپ سب کی خوشی ابر کو بہت عزیز ہے، وہ آپ سے محبت کرتا ہے، آپ سے ناراض ضرور ہے لیکن آپ کو بہت چاہتا ہے۔ اس نے جو کیا وہ آپ کو نیچا دکھانے کے لیے نہیں کیا بلکہ اس لیے کیا کہ آپ کو کسی کے آگے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔'' نیناں شیرازی کی آخری بات ان تینوں کو ہی چوکنا کر گئی۔

''میری فراز سے بات ہوئی تھی اس نے بتایا ہے کہ ابر نے اچانک یمانی کی باتیں سن لی تھیں کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے اس لیے وہ اس سوچ سے راہ فرار اختیار کر گیا تا کہ اگر وہ اسے خوش نہ رکھ پائے تو اسے افسوس نہ ہو، آپ دکھی نہ ہوں کہ یہ بہت بڑی سچائی ہے کہ اس کے دل میں یمانی کے لیے سوفٹ کارنر نہیں ہے اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ یمانی اسے پا کر بھی نہ پا سکے اس لیے اس نے سوچا کہ وہ ایک بار ہی دکھ سے گزر جائے۔'' وہ دھیمے دھیمے فراز سے ہوئی گفتگو بتا رہی تھیں۔

''اس نے کسی حد تک صحیح سوچا مگر اس کا طریقہ بہت غلط تھا اس کو عین نکاح کی شام نہیں جانا چاہیے تھا۔ اس نے فراز سے کہا کہ اگر میں یمانی کو خوش نہیں رکھ پایا تو سب ہی دکھیں رہیں گے اس لیے وہ ایک بار ہی دکھ دے کر آ گیا ہے مگر جیسے ہی فراز نے اسے یہ احساس دلایا کہ اس کے اس قدم سے ہمارے گھر پر کتنے برے اثرات مرتب ہوں گے، رشتوں میں کتنے فاصلے آئیں گے، آپ اس سے مزید دور ہو جائیں گے اور میں اس سے خفا ہو جاؤں گی تو وہ لوٹ کر آ رہا تھا کہ اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔'' ان کے آنسوؤں میں روانی آتی جا رہی تھی۔

''اگر اس کی نیت خراب ہوتی تو وہ ہم سب کو جان بوجھ کر تکلیف دے رہا ہوتا، سب کچھ مکمل پلاننگ سے کر رہا ہوتا تو ہر گز بھی واپس آنے کا نہ سوچتا کہ اس نے یمانی کی بات سنی، جذبات میں آ کر گھر سے نکل گیا دوست نے احساس دلایا تو لوٹ کر آ رہا تھا کہ آپ سب تو جانتے ہیں ناں کہ کتنا جذباتی اور ضدی ہے اور جذبات میں آ کر کیسے اٹل فیصلے لے لیتا ہے۔ اس دن کیسے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پاکستان آ رہا تھا اس کو اس کی فطرت کو سب جانتے ہیں اسی لیے میں اس کی فطرت کے مطابق اس کی اور یمانی کی شادی کی بات کرنا چاہی تھی لیکن قسمت میں یہ سب لکھا تھا سو وہ ہو کر رہا۔ میں یمانی اور یمنیٰ دونوں سے شرمندہ ہوں ان سے معافی بھی مانگ لوں گی۔'' انہوں نے آنسو رگڑے تھے اور کسی کو بھی دیکھے بغیر وہاں سے نکلتی چلی گئی تھیں۔

☆......☆......☆

''میڈیسن کیوں نہیں لے رہے؟'' اس کی نظریں پچھلے چار گھنٹوں سے ماں کو ڈھونڈ رہی تھیں ہر ایک سے اس نے ماں کے بارے میں پوچھا تھا اور کوئی تسلی بخش جواب نہ پا کر ناچار اس نے میڈیسن لینے سے انکار کر دیا تھا اور اس کی توقع کے مطابق اگلے گیارہ منٹوں میں نیناں شیرازی اس کے سامنے تھیں نہ اس کی خیریت پوچھی، نہ کوئی اور بات ڈائریکٹ سوال کر گئی تھیں۔

''آپ مجھے دیکھنے کیوں نہیں آئی تھیں؟'' نقاہت سے بولا تھا کہ اس کی کمر بری طرح سے متاثر ہوئی تھی۔ وہ چاہ کر بھی اٹھ کر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔

''کیونکہ تمہیں اس حالت میں دیکھنے کا حوصلہ نہیں تھا۔'' وہ پٹیوں میں جکڑا اس کا ہاتھ تھامے روتے ہوئے اب تک نہ آنے کا سبب کہہ گئی تھیں۔

''ممی! آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں ناں؟'' وہ بے قراری سے بولا تھا۔

''نہیں، میں اپنے ابر سے ناراض نہیں ہو سکتی۔'' دل گرفتگی سے کہہ کر اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

''تم نے جو کیا وہ غلط تھا ابر، تمہاری ممی تم پر غصہ ہیں، سزا بھی تمہیں ملے گی مگر جب، جب تم ٹھیک ہو جاؤ گے اس لیے میڈیسن لو اور جلدی سے اچھے ہو جاؤ کہ تمہاری ممی تمہیں اس حالت میں نہیں دیکھ سکتیں۔'' پٹیوں میں جکڑا وجود، نیلوں نیل چہرہ وہ تکلیف پر ضبط کرتیں لب بھینچ گئی تھیں۔ ان کی آنکھوں سے سیلِ رواں جاری تھا۔

''آپ کو ہرٹ کرنے، آپ کی نافرمانی کی سزا ہے یہ، مجھے معاف کر دیں ممی!'' وہ رو رہا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے فضول مت بولو، اور تم اپنی ممی کے نہیں اپنے ڈیڈی، بڑی ممی اور یمانی کے مجرم ہو، سزا بھی وہیں تمہیں دینگے، ابھی تم بس اپنی ممی کے لیے ٹھیک ہو جاؤ۔'' وہ نرمی سے اس کے آنسو پونچھ گئی تھیں اور کمرے میں داخل ہونے والے ایان کی مدد سے اسے میڈیسن دی تھی۔

''تم سو جاؤ ابر، تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔'' نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

''میں سونا نہیں چاہتا کہ میں سویا تو آپ چلی جاؤ گی۔'' وہ کسی ننھے بچے کی طرح بولا تھا۔

''میں نہیں جاؤں گی، تم سو جاؤ۔'' دھیمے سے تسلی دی تھی اور اس نے ماں کا ہاتھ تھام کر آنکھیں بند کر لی تھیں وہ مختلف قرآنی آیات پڑھ کر اس پر دم کرنے لگی تھیں۔ ارمان شیرازی جس خاموشی سے آئے تھے ویسے ہی چلے گئے تھے۔

☆......☆......☆

''نیناں! تمہیں معذرت کرنے یا شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے کہ ابران کے اٹھائے قدم میں تمہارا کیا قصور۔'' یمنیٰ اعلیٰ ظرفی سے بولی تھیں۔

''بیٹا تو وہ میرا ہی ہے ناں، اور اس نے غلطی کی ہے اس لیے میں تم سے معافی چاہتی ہوں، یمنیٰ کہ ابران کو معاف کر دو۔'' ان کی

آنکھوں میں نمی در آئی تھی۔

''جو ہو گیا اسے بھول جاؤ کہ مجھے قلق ہے تو صرف ایک اس بات کا ابران کو انکار کا حق حاصل تھا وہ اس حق کو اس غلط طریقے سے استعمال نہ کرتا خیر اللہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے اس لیے میں چاہوں گی اس ذکر کو اب کبھی نہ چھیڑا جائے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولی تھیں۔

''کہ میں نہیں چاہتی جو رشتے ہم نے اتنے برسوں میں مل کر بنائے انہیں سمیٹ کر رکھا وہ اللہ نہ کرے کہ اب بکھر جائیں۔'' انہوں نے ہمیشہ سب کو جوڑے رکھنے کی کوشش کی تھی جس پر آج بھی کاربند تھیں اور وہ اب آگے سے کچھ بول نہیں پائی تھیں کہ بیٹے کے ایک قدم نے انہیں یمنیٰ شیرازی کے سامنے بہت چھوٹا کر دیا تھا۔

''نیناں، یقین کرو ابران پر مجھے بالکل غصہ نہیں ہے، اسے ہمیشہ بیٹا کہاں ہے، اسی لیے ایک ماں کی طرح اس غلطی کو بھی بھلا دیا ہے۔ تم شرمندہ نہ ہو کہ ورنہ مجھے لگے گا جیسے ابران میرا کچھ نہیں لگتا اس پر میرا کوئی حق ہی نہیں ہے۔'' وہ بھیگی پلکوں سے کہتیں نیناں شیرازی کے ہاتھ تھام گئی تھیں ان کے آنسو روانی سے گرنے لگے تھے۔

''ابران پر تم حق رکھتی ہو، اور اسی حق سے جو چاہے سزا دے سکتی ہو۔'' بہتی آنکھوں سے یمنیٰ کو دیکھا تھا۔

''اولاد کو سزا نہیں دی جاتی نیناں، ہاں اس کی تربیت کی جاتی ہے، ہم وہی کریں گے، نہ میں سزا دوں گی، نہ ہی تم کہ برسوں پہلے ایک سزا ارمان نے دی تھی اگر وہ نہ دی جاتی تو آج ابران اتنی بڑی غلطی نہ کرتا کہ اپنوں سے دوری نے بہت سے کمالات دکھائے ہیں، وہ رشتوں کو اہم سمجھتا ہے مگر ان میں شدت نہیں ہے کہ اس نے رشتے بہت قریب سے ہمہ وقت محسوس نہیں کیے مگر ابھی بھی دیر نہیں ہوئی اور اس کی سزا بھی ختم ہو گئی وہ ہم سب کے پاس آ گیا ہے جو کمی رہ گئی ہے ہم سب مل کر دور کر دیں گے۔ تم پریشان نہ ہو۔'' وہ رسانیت سے صاف گوئی سے کہہ رہی تھیں کہ نیناں شیرازی ہی نہیں وہ بھی ابران کے ہاسٹل بھیجے جانے کے خلاف تھیں مگر ارمان شیرازی بہت کم اٹل فیصلے کرتے تھے اور ابران کو ہاسٹل بھیجنے کا ایک ایسا ہی اٹل فیصلہ تھا جس پر انہوں نے چہیتی بیوی کی خاطر بھی نظرِ ثانی نہیں کی تھی۔

''لیکن یمانی۔'' یمنیٰ نے انہیں مطمئن کر دیا تھا اور وہ بیٹے کی جانب سے پرسکون تو ہو گئی تھیں مگر یمانی کی جانب سے پریشان تھیں کہ انہوں نے شیریں اور یمانی میں کبھی فرق نہیں سمجھا تھا۔

''سپنے ٹوٹے ہیں، نئے سپنے سجانے میں کچھ وقت تو لگے گا۔'' وہ قدرے آزردگی سے بولی تھیں۔

''مگر یہی اس کی قسمت تھی لیکن مجھے اللہ پر یقین ہے کہ آگے زندگی اس کی بہت سہل ہو گی، شہباز ایک اچھا جیون ساتھی ثابت ہو گا۔'' وہ پر یقین تھیں۔ ان کے آزردہ چہرے پر اطمینان پھیلا تھا کہ اللہ کی ذات پر توکل کرنے والے، اللہ کی رضا میں راضی رہنے والے وقتی طور پر ناشاد ضرور ہوئے ہیں مگر رہتے مطمئن ہی ہیں جیسے وہ تھیں اور اسی توکل کے سہارے انہوں نے ایک بہت اچھی زندگی بسر کی تھی وہ تو اپنی زندگی کی ہر آزمائش پر کھری اتری تھیں۔ ہر کڑے سے کڑا امتحان پاس کر گئی تھیں اب باری ان کی بیٹی کی تھی آزمائش اب اس پر پڑی تھی، امتحان سے اب وہ گزر رہی تھی اور کامیابی اور ناکامی اس کی برداشت میں چھپی تھی۔ اللہ پر توکل اس کی رضا میں راضی ہونے میں

پوشیدہ تھی۔اس کی ماں اس راز کو جان کر کامیاب ٹھہری تھی اب وہ کامیاب ہوتی یا ناکام یہ طے ہونے کی گھڑیاں بہت دور نہ تھیں کہ آزمائش شروع ہو چکی تھی اور شروع ہونے والی چیز اچھے یا برے انجام کو ضرور پہنچتی ہے۔

☆......☆......☆

''ممی پلیز،اب ضدمت کریں، جتنا سوپ مجھے لینا تھا میں لے چکا۔'' وہ چڑچڑے پن سے بولا تھا کہ اسے سوپ خاص پسند نہ تھا اور وہ گزرے ہفتے سے ہر دوسرے دن سوپ پر آ ٹکنے پر مجبور تھا اس لیے دو چمچے لے کر ہی مزید لینے سے انکاری ہو گیا تھا۔

''نخرے نہ کرو ابر، کہ جب تک پورا باؤل خالی نہ کرو گے میں یہاں سے ہلوں گی بھی نہیں کہ تم اس طرح نخرے کرتے رہے تو صحت کیسے بنے گی، کتنے کمزور ہو گئے ہو۔'' بیٹے کے زرد چہرے کو دیکھ کر کچھ غصہ نرمی سے بولی تھیں۔

''ممی پلیز۔مجھے نہیں پسند، میں یہاں کے ماحول سے،میڈیسن اور سوپ کی اسمیل سے تنگ آ چکا ہوں۔مجھے گھر جانا ہے۔'' وہ قدرے بے بسی سے جھنجلائے انداز میں بولا تھا۔

''ڈاکٹرز سے بات ہوئی ہے،ابھی تمہیں ریکور کرنے میں ٹائم لگے گا وہ ڈسچارج کرنے کو راضی نہیں ہیں۔میری جان، کچھ دنوں کی بات ہے برداشت کرلو،ممی ہیں ناں تمہارے پاس۔'' بہت پیار وشفقت سے بولی تھیں۔

''آپ یونہی صبح وشام ہاسپٹل آتی رہیں تو بیمار پڑ جائیں گی،آپ گھر جائیے یہاں نرسز ہیں ناں وہ۔''

''میری صحت، میری زندگی صرف تمہارے دم سے ہے۔تم ٹھیک ہو جاؤ گے تو میں خود کو تازہ دم محسوس کرنے لگوں گی اس لیے ممی کے لیے پریشان ہونے کے بجائے اپنی صحت پر توجہ دو۔'' نرمی سے کہہ کر چمچہ بھر کر اسے کھلا دیا تھا اور اس نے بھی اچھے بچوں کی طرح پورا باؤل ختم کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

''ممی!میں بھی آپ کے ساتھ ابران بھیا کے پاس ہاسپٹل جاؤں گی۔'' ٹفن میں دلیہ پیک کرتیں نیناں نے چونک کر بیٹی کو دیکھا تھا۔

''فی الحال تو میں ابر کے پاس نہیں جا رہی کہ آج اس کے پاس شہیر رکے گا۔اس لیے تم کل دن میں میرے ساتھ چلنا۔'' مصروف سے انداز میں بولی تھیں۔

''آپ دن میں کب لے جاتی ہیں، کالج سے آتی ہوں آرام کروں کہہ کر خود ہی چلی جاتی ہیں۔میں اب ڈیڈی سے کہوں گی کہ وہ مجھے لے جائیں۔'' اس نے خفگی سے کہہ کر لاؤنج سے گزرتے باپ کو نہ صرف آواز دی تھی بلکہ ہاسپٹل جانے کی فرمائش بھی کر ڈالی تھی۔

''جو خود نہیں جا رہے، وہ تمہیں کیا لے جائیں گے۔'' وہ گہرے طنز سے بولی تھیں اور ایک خفا نظر ڈالتیں ٹفن لیے وہاں سے نکل گئی تھیں۔

''تم آ جاؤ میں ہاسپٹل ہی جا رہا ہوں تمہیں بھی لے جاؤں گا۔'' وہ گہری سانس کھینچتے حیران کھڑی بیٹی سے نرمی سے بولے تھے۔

☆......☆......☆

''ابران نے بہت بڑی غلطی کی ہے سالار بھیا، مگر والدین تو اولاد کی ہر خطا بھلا دیتے ہیں لیکن ارمان، وہ کتنے کٹھور بن گئے ہیں، یمانی کے دوست سے کیے وعدے نبھانے، قرض چکانے کے لیے وہ ابران کے لیے اتنے ہی کٹھور بن جاتے ہیں کہ وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں تھا اور ارمان باپ کی بپتا بھلائے دوستیاں نبھا رہے تھے۔'' وہ فون پر بھائی سے شکوے کر رہی تھیں، اپنا درد کہنے میں اس قدر محو تھیں کہ ان کی آمد سے بھی انجان ہی رہی تھیں۔

''تم بدگمان نہ ہو، ارمان بیٹے کو بہت چاہتا ہے۔'' انہوں نے دوست کی حمایت لینی چاہی تھی۔

''خاک چاہتے ہیں، وہ پندرہ دن سے ہاسپٹل میں پڑا ہے وہ ایک بار بھی اس کا حال تک دریافت کرنے نہیں گئے۔'' وہ سسک رہی تھیں۔

''میں ابران کو شاباشی نہیں دے رہی مگر اسے اکیلا بھی نہیں چھوڑ سکتی اور یہی بات مگر ارمان نہیں سمجھتے کہ اولاد کو سزا دے کر نہیں نرمی سے غلطی کرنے سے روکا جاتا ہے ورنہ اولاد دور ہو جاتی ہے۔''

شوہر پر نظر پڑی تھی اور انہوں نے جملہ مکمل کر کے فون بند کر دیا تھا اور خائف وخفا نظران پر ڈالتیں سونے کے لیے لیٹ گئی تھیں۔

☆......☆......☆

''ابران، اب کیسی طبیعت ہے بیٹا؟'' وہ ایک ماہ بعد آج ہی ہاسپٹل سے گھر آیا تھا اور گزرے مہینے میں وہ ہاسپٹل جاتے رہے تھے مگر ایسے وقت میں جب وہ سو رہا ہوتا تھا مگر وہ اس سے کب تک بھاگ سکتے تھے؟ ماں کے سمجھانے کا اثر تھا یا وہ دل سے مجبور ہو گئے تھے بات کچھ بھی تھی وہ ہزار رنجشوں اور غصہ کے باوجود اس کے کمرے میں نہ صرف آئے تھے خیریت دریافت کی تھی۔

''آپ کے نہ چاہنے کے باوجود بھی زندہ ہوں۔'' وہ تلخی سے بولا تھا اور شوہر کو بیٹے کے کمرے میں دیکھ کر جو حیرانی آنکھوں میں اتری تھی وہ آنسوؤں میں بہنے لگی تھی کہ ہاسپٹل میں وہ جب تک رہا وہ بھی اس بات سے لاعلم رہی تھیں کہ وہ بیٹے سے ملنے جاتے رہے تھے کہ ان کے سمجھانے، کچھ کھانے پر وہ کچھ کہے بنا اٹھ جاتے تھے اسی لیے گزرے دنوں میں وہ بیٹے کے لیے جس قدر فکر مند رہی تھیں، شوہر کے لیے اتنے ہی بدگمانی کے جذبات نے ان کے دل میں جنم لیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ ان سے ناراض، ان کے رویے سے خائف، ان سے بات محض ضرورت کے وقت ہی کر رہی تھیں کہ بیٹے کی تیمارداری میں ایسی لگی تھیں کہ ان کے پاس کسی کے لیے بھی وقت نہیں تھا۔ ارمان شیرازی نے اپنے بیٹے کو دیکھا تھا جس کی خوبصورتی ماند سی تھی چہرے کی دودھیا گلابی رنگت میں زردیاں گھلی ہوئی تھیں، ماتھا ابھی بھی بینڈیج کی قید میں تھا۔

''ابر، یہ اپنے ڈیڈی سے کس انداز میں بات کر رہے ہو؟'' اس کے الفاظ ہی نہیں طنزیہ سخت لہجہ بھی ناگوار گزرا تو وہ اسے ٹوک گئیں۔

''آئی ایم سوری ممی، بٹ آپ ارمان شیرازی صاحب سے کہیں کہ وہ میرے کمرے سے چلے جائیں۔''

انہوں نے بہت اجنبی ہو جانے والے بیٹے کو دکھ سے دیکھا تھا۔

''جو غلطی تم کر چکے اس کے بعد بھی چاہتے ہو کہ تمہیں پھولوں کے ہار پہنائے جائیں۔'' وہ دکھ محسوس کرنے کے باوجود قدرے

تلخ ہوئے تھے۔

''جسے خون دینے میں ہزار اعتراضات تھے وہ مجھے پھول کیا پہنائے گا۔'' وہ بھی تلخ ہو گیا تھا۔

''اگر آپ سے ارمان شیرازی، میری ممی گڑگڑا کر میرے لیے چند بوندیں خون کی طلب نہ کرتیں تو آپ کی خواہش پوری ہو جاتی اور ہار پہنانے کے بجائے میری قبر پر ڈالنے کے کام آ جاتے۔''

اس کی آنکھیں مارے ضبط کے لہو رنگ ہو گئی تھیں اور ضبط سے تو وہ دونوں بھی گزرنے لگے تھے۔

''اللہ نہ کرے مریں تمہارے دشمن۔'' وہ دہل کر بولی تھیں۔ آنسوؤں کو بہنے کا راستہ مل گیا تھا۔

''میرے دشمن آپ کے شوہر کے بہت اپنے ہیں اس لیے ممی مجھے ایسی دعا نہ دیں کہ ارمان شیرازی صاحب کو تکلیف سے گزرنا پڑے۔'' اس نے طنز سے ہنکارا بھر کر ساکت کھڑے باپ کو دیکھا تھا جن کا سرخ وسپید رنگت والا چہرہ مارے ضبط کے لہو چھلکانے لگا تھا۔

''ابر، بدتمیزی کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ غلطی کی ہے تم نے، تمہارے ڈیڈی غصہ وناراضگی دکھانے میں حق بجانب ہیں۔''

آنسو رگڑ کر نہ صرف بیٹے کو ڈپٹا تھا بلکہ اسے اس کی غلطی کا احساس بھی دلانا چاہا تھا۔

''مانتا ہوں کہ میں نے بہت بڑی غلطی کی، آپ کو اور سب کو ہرٹ کیا مگر ممی میری غلطی کیا اتنی بڑی تھی کہ ڈیڈی نے مجھ سے اپنا ہر ایک تعلق ختم کر ڈالا۔'' اس کی آنکھیں جھلملانے لگی تھیں۔

''ہمیشہ ڈیڈی نے یمانی کے لیے، اس کی محبت میں میرے ساتھ ناانصافی کی صرف اس لیے ہاسٹل بھیج دیا کہ میں ان کی لاڈلی کو تکلیف دے رہا تھا اور اس پر ہی بس نہیں کیا میں غصہ میں نفرت میں عین نکاح کی شام گھر سے چلا گیا تو یہ صرف یمانی کے باپ بن گئے، میرے لیے خون کے لیے آپ کو میرے ہی باپ سے التجائیں کرنی پڑیں۔'' اس کے آنسو روانی سے رخساروں پر بہتے جا رہے تھے۔

''باپ ایسے ہوتے ہیں زندگی اور موت کی کشمکش میں پڑی اولاد کو سزا دینے والے؟ یہ ارمان شیرازی ان سے نہیں ہے میرا کوئی تعلق۔ یہ صرف یمانی مشہود کے باپ ہیں، انہیں یمانی کی تکلیف نظر آئی، اس کی بے عزتی محسوس ہوئی اور میں ہی کبھی انہیں نظر نہیں آیا تھا میری تکلیف کیا نظر آتی۔'' وہ رو رہا تھا اور وہ دونوں ہی ساکت سے کھڑے اسے تکلیف میں دیکھ رہے تھے۔

''ایسی بات نہیں ہے بیٹا، تمہارے ڈیڈی تمہیں بہت چاہتے ہیں۔'' وہ بیڈ پر اس کے سامنے ٹکتیں بھیگے لہجے میں بولی تھیں۔

''ممی، یہ احساس مجھے خود سے کیوں نہیں ہوتا؟ ہر بار آپ کو یہ کیوں مجھے بتانا پڑتا ہے کہ انہیں میری پرواہ ہے، بزنس ٹائیکون ارمان شیرازی میرے فادر ہیں، کہ مجھے کبھی خود سے محسوس ہی نہیں ہوتا کہ سامنے کھڑا شخص میرا باپ ہے۔ یہ صرف یمانی کے فادر ہیں اور میں...... '' وہ روتے ہوئے لحظہ بھر کو رکا تھا۔ ''میں یتیم ہوں۔''

وہ بلک رہا تھا وہ دونوں تڑپ اٹھے تھے۔ نیناں شیرازی تڑپ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ گئی تھیں جبکہ وہ خود کو خلا میں محسوس کرنے لگے تھے۔ شدت ضبط سے چہرہ ہی نہیں آنکھیں بھی لہو رنگ ہو رہی تھیں۔

''ممی۔ یہ بات آپ کو سننے میں تکلیف دہ لگی ہے اور میری تکلیف کا اندازہ سامنے کھڑے شخص کو نہیں ہے کہ ان سے دوری بڑھا کر میں کس تکلیف سے نبرد آزمائی کرتا رہا ہوں۔ ایک ماہ سے لاچار ہوا پڑا ہوں اور یہ ایک لمحہ کے لیے غیروں کی مانند بھی میری عیادت کو نہ آئے۔ اپنی بیٹی کا غم غلط کر چکے تو آج میرا خیال آیا مگر ان سے کہہ دیں کہ بٹی ہوئی توجہ کا ہی طلب گار رہتا تو برسوں سے ان کی محبت اور توجہ کے لیے ترس نہ رہا ہوتا کہ مجھے اپنے ہی باپ سے خیرات میں وفا نہیں چاہیے۔'' اس نے اپنے لبوں سے ماں کا ہاتھ ہٹایا اور قدرے دکھو تلخی سے کہتا چلا گیا۔ ان دونوں نے ہی اس کے چہرے کی جانب دیکھا تھا۔ وہ نیناں شیرازی کا عکس محسوس ہو رہا تھا وہ بھی تو ایسی ہی تھیں انہیں سب کچھ بہت مکمل چاہیے تھا کہ ان کی سوچ تھی کہ جو ان کا ہے صرف ان کا ہے۔ اور اسی سوچ کے چلتے تو انہوں نے حقیقت تسلیم کرنے کے باوجود ان کی دوسری بیوی کو دل سے قبول نہیں کیا تھا۔ اس سے اختلاف نہ تھا مگر جب وہ ان کے شوہر کی زندگی میں آئی تھیں تب سے وہ شوہر سے ناراض تھیں اور انہی کا پرتو ان کا بیٹا محبت کی تقسیم پر اپنے ہی باپ سے ناراض ہو گیا تھا۔ انہوں نے بیٹے کے سرخ بھیگے چہرے کو دیکھا تھا مگر وہ تادیر اپنے بیٹے کے خفا چہرے کی جانب ہی دیکھ سکے تھے اور سینہ مسلتے اچانک اٹھنے والے درد سے لڑکھڑا سے گئے تھے اور باپ سے ناراض و خود سے خفا ابران ان کی حالت دیکھ کر اپنی حالت بھلائے بڑی تیزی میں بستر سے اتر کر ان کی جانب بڑھا تھا۔

''ڈیڈی۔''

اس پکار میں ایسا کچھ تھا صم بکم بنیں نیناں شیرازی کے حواس لوٹے تھے اور ارمان شیرازی کے زرد چہرے، بگڑتی حالت دیکھ کر وہ ان تک پہنچی تھیں۔ ابران، ادیان کی مدد سے انہیں ہسپتال لے گیا تھا اور وہ سب آئی سی یو کے باہر سانس روکے جمع ہو گئے تھے۔

☆......☆......☆

''ڈیڈی، پلیز آنکھیں کھولیں۔ بات کریں مجھ سے۔'' ارمان شیرازی کو دل کا دورہ پڑا تھا۔ وہ کئی گھنٹوں سے بے سدھ پڑے تھے اور باپ سے خفا ابران اپنی خفگی ہی نہیں بیماری بھی بھلائے ان سب کے ساتھ موجود تھا، ہر گزرتے پل کے ساتھ کچھ اور ہراساں ہوتی ماں کی ڈھارس بنا ہوا تھا اور بڑا ہونے کا آج گویا اس نے حق ادا کر دیا تھا۔ چھوٹی بہن اور بھائی کو تسلیاں اور سہارا دیتا وہ بہت مضبوط لگ رہا تھا مگر وہ باپ کے سامنے جا کر اتنا ہی کمزور پڑ گیا تھا کہ ان کی خاموشی اسے بے طرح کھل رہی تھی اس لیے آج پہلی دفعہ اس نے کہا تھا کہ وہ اس سے بات کریں مگر مشینوں میں جکڑے ان کے وجود میں ذرا ہلچل نہ ہوئی تھی کہ وہ جس کی آنکھ کے ایک آنسو گرنے پر بے چین ہو جایا کرتے تھے وہ ان کے سینے پر سر ٹکائے آج کتنا ہی روئی تھی، تڑپی تھی اور جیسے ان کو فرق ہی نہیں پڑا تھا۔

''آپ کی اس حالت کا ذمہ دار صرف میں ہوں، میری وجہ سے آپ بہت تکلیف میں رہے مگر یقین کیں ڈیڈی میں نے آپ کو کبھی تکلیف نہیں پہنچانا چاہی تھی۔'' اس کی آنکھوں سے گرم سیال مادہ بہہ رہا تھا اور اس نے باپ کا ہاتھ، ہاتھ میں لیا ہوا تھا اور اس کے لمس میں ایسی شدت تھی کہ ان کے ساکت وجود میں زندگی کی لہر بن کر دوڑنے لگا۔

''میں آپ سے کبھی ناراض نہیں تھا ڈیڈی۔ بس صرف آپ کی توجہ بٹی تو آپ سے خائف ہو گیا تھا۔'' اس کے آنسو ارمان شیرازی

کی پیشانی پر گرے تھے اوراس کے ہاتھ میں دبا ان کا ہاتھ حرکت کرنے لگا تھا۔اس نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا ان کی بند پلکوں پر ارتعاش سا تھا اور وہ خوشی کے احساس میں ڈوب کر ڈاکٹر کو آوازیں دینے لگا۔

''آئی لو یو ڈیڈی۔'' وہ ان کی پیشانی پر بوسہ دیتا فرطِ مسرت سے کانپتے لہجے میں بولا تھا اور ڈاکٹر کی ہدایت پر کمرے سے نکل گیا تھا۔

''ممی، ڈیڈی کو ہوش آ گیا ہے۔'' اس نے ماں کو فرط جذبات و مسرت سے خود سے لگا لیا تھا وہ شدتوں سے رونے لگی تھی، دور کھڑے ایبان اور شیریں بھی ان سے آ کر لپٹ گئے تھے اور انہیں تسلی دیتے ہوئے اس کی نگاہ کچھ فاصلے پر بھیگی آنکھوں میں حسرت لیے اپنی جانب دیکھتے ہوئے ادیان شیرازی پر پڑی تھی۔اس نے بہن کو نرمی سے پچکارتے ہوئے ایبان کے ساتھ گھر جانے کی ہدایت دی تھی اور چند قدموں کی دوری کاٹتا ادیان کے عین سامنے آ رکا تھا، وہ اس کو یکدم سامنے پا کر گھبرا کر آنسو پونچھنے لگا تھا کہ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔اسے ابران سے ایسی امید کب تھی وہ ششدر رہ گیا تھا۔

''ادیان، ڈونٹ وری، ڈیڈی بالکل ٹھیک ہیں۔'' وہ اس کو خود سے لگاتے تمام تر کدورت فراموش کیے نرمی و شفقت سے بولا تھا اور وہ حیرت بھولتا اس سے لپٹ کر بچوں کی طرح رونے لگا تھا۔

''ادیان، بس کر دو بیٹا، ہمارے ڈیڈی کو کچھ نہیں ہوا۔'' اس کو چپ کرواتے ہوئے بھرپور انداز میں تسلی دی تھی۔شیریں اس سے تقریباً چھ سال چھوٹی تھی اس لیے اس سے بات کرتے ہوئے ابران کے لہجے میں شفقت سی در آئی تھی۔آج پہلی دفعہ وہ اس سے اسی شفقت و نرمی سے مخاطب تھا اور خود اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کرنے لگا تھا۔

''رونا بند کر کے ایبان کے ساتھ گھر جاؤ، یہاں میں ہوں۔تم لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ تینوں ہی جانے کو راضی نہ تھے مگر انہیں اس نے بھیج کر ہی دم لیا تھا۔

''تم لوگ میری فکر نہ کرو میں ٹھیک ہوں اور میں یہاں اکیلا نہیں ہوں، ممی اور ماموں جان ہیں۔'' وہ سالار مصطفیٰ کو دیکھ کر مسکرایا تھا اور انہوں نے اس کی پیٹھ پر شاباشی کے طور پر فخریہ انداز میں تھپکی دی تھی اور وہ ماں کے مطمئن چہرے کو دیکھ کر مطمئن ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

''ڈیڈی، آئی ایم سوری۔'' وہ ایک ہفتہ میں کافی حد تک صحت یابی کی جانب گامزن ہو گئے تھے اور اس ہفتے میں انہوں نے بیماری کے باوجود ابران کی چابک دستیاں اور ایک ایک کا خیال رکھنے کے انداز بخوبی ملاحظہ کیے تھے اور انہیں بیوی کی باتیں سو فیصد درست لگنے لگی تھیں۔

''آپ ناحق ابر سے بدگمان ہوتے ہیں وہ برا نہیں ہے، نہ ہی آپ سے نفرت کرتا ہے بس تھوڑا سا خفا ہے اس لئے اکثر آپ کے ساتھ نہ چاہتے ہوئے بھی روڈ ہو جاتا ہے لیکن کچھ عرصہ بعد جب وہ ہمارے درمیان آ کر رہے گا تو اس کی ناراضگی ختم ہو جائے گی اور جب وہ آپ سے ناراضگی ختم کرے گا تو آپ کے رشتوں کو بھی قبول کرے گا، میرا یقین رکھیں وہ یمانی اور ادیان سے بھی نفرت نہیں کرتا،

ان سے سوتیلے رشتوں سے خائف ہے لیکن جب اس کا دل صاف ہوگا تو آپ دیکھیے گا وہ ادیان کو ابیان سے زیادہ چاہے گا۔“

ارمان شیرازی سے وہ جب جب بات نہیں کرتا تھا وہ ہرٹ ہوتے تھے اور کبھی کچھ کہہ دیتے تھے تو وہ انہیں بیٹے کی اچھائیاں بتانے کی کوشش کرنے لگتی تھیں اور جو کچھ گزرے ہفتہ میں دیکھا تھا اس کے بعد آج اس کا آ کر معافی مانگنا انہیں نہ صرف بیوی کی کہی باتوں پر یقین آیا تھا بیٹے پر بھی پیار آنے لگا تھا۔ وہ شرمندہ شرمندہ سا ان کے سامنے بیٹھا تھا اور وہ مسکرا کر اس کے ہاتھ تھام گئے تھے۔

”سوری کس لئے؟“

وہ حیرانگی سے باپ کو دیکھتا لب چبانے لگا تھا۔

”دیر سے ہی سہی لیکن مجھے اپنی ہر ایک غلطی کا اچھے سے احساس ہوگیا ہے۔“ وہ خود کو کمپوز کرتا شرمندگی سے کہہ رہا تھا۔ ”یہ بات سمجھنے میں، میں نے بہت دیر کردی ڈیڈی کہ میں غلط تھا اس لیے آپ نے مجھے سزا دی۔“ اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔ ”میں آپ سے ہر برے رویے کی معافی چاہتا ہوں۔“

وہ آنکھوں میں آنسو اور شرمندگی لئے باپ کو دیکھ رہا تھا۔

”غلطی تمہاری نہیں حالات کی تھی، حالات سازگار نہ ہوں تو وقت کی چال یونہی ہمارے مخالف ہو جاتی ہے۔“ وہ اسے تادیر شرمندگی کے حصار میں نہ دیکھ پاتے ہوئے دھیمے سے بولے تھے۔

”آپ کچھ بھی کہیں میری غلطیوں کو جسٹی فائی کریں اس سب سے میری کوتاہیاں ختم نہیں ہوں گی کہ بچپن میں اور بچپن میں پالی کدورت کے ہاتھوں چاہے میں نے کتنی ہی غلطیاں کیں وہ نظر انداز کی جاسکتی ہیں لیکن اب جو میں نے کیا ہے وہ قابلِ معافی نہیں ہے۔ ڈیڈی! میں آپ سب کا مجرم ہوں، بڑی ممی اور یمانی سے نگاہ تک ملانے کے قابل نہیں ہوں۔“

اس کے آنسوؤں میں روانی آ گئی تھی۔

”بھول جاؤ سب کچھ کہ سب ایسے ہی ہونا تھا۔ اچھی بات تو بس یہ ہے کہ تمہاری غلط فہمی دور ہوگئی اور تم نے اپنے ڈیڈی کو معاف کردیا ہے کہ جانے انجانے میں خطائیں تو میں نے بھی کیں، یمانی اور تمہاری لڑائی میں، میں نے یمانی کا ساتھ دیا اور یمانی کو قریب رکھنے کی چاہ مجھے تم سے دور کرگئی۔ غلط صرف تم نہیں ہو، کچھ غلطیاں مجھ سے بھی ہوئی ہیں اس لیے سب کچھ فراموش کردو کہ پہلے ہی بہت سا اچھا وقت رنجشوں کی نذر ہوگیا ہے۔“ وہ دلگرفتگی سے کہتے چلے گئے تھے۔

”ارمان بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں ابران۔“ یمنیٰ اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی تھیں اور وہ آنسو رگڑتا ان کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔

”مجھے معاف کردیں بڑی ممی، بٹ میرا یقین کریں میں نے وہ سب غصہ یا کدورت کے سبب نہیں کیا تھا۔ میرے پیشِ نظر صرف یمانی کی خوشی تھی کیونکہ میں اس سے شادی ہی نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن میں آپ سب کو انکار نہیں کرسکتا تھا مگر جب میں نے یمانی کی

باتیں سنیں تو مجھے یہی بہتر لگا کہ میں سب کچھ چھوڑ کر چلا جاؤں کہ میں یمانی کو خوش نہیں رکھ سکتا تھا کیونکہ مجھے اس سے محبت نہیں ہے میں صرف مجبوری اور رشتے نباہنے سے خائف ہو گیا تھا کہ میں آپ کی اور ممی کی طرح کی لائف نہیں گزارنا چاہتا تھا میں نہیں چاہتا تھا کہ یمانی محبت کو چھوڑ کر رشتوں کے لئے جیئے، اب کم از کم شہباز بھائی اسے چاہت ہی نہیں رشتوں کی اپنائیت بھی دیں گے میرے ساتھ رہ کر تو وہ اور میں اپنی مجبوریاں نباہتے رہتے، آج دیر سے ہی سہی مجھے اپنی غلطیوں پر ندامت ہے لیکن اگر میری شادی یمانی سے ہو جاتی تو شاید یہ ندامت مجھے بھی نہ ہوتی اور یہ احساس کہ یمانی غاصب ہے تقویت پا جاتا، میں اپنی سوچ اور نظر کے مطابق اپنے کیے پر مطمئن ہوں لیکن میرا طریقہ غلط تھا اس لیے میں آپ سے شرمندہ ہوں۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجیے۔'' وہ کافی تفصیل سے ہر ایک بات کہتا بات کے اختتام پر ان کے سامنے ہاتھ جوڑ گیا تھا۔

''مجھے تمہاری ہر بات پر سو فیصد اتفاق ہے، یہ خدشات مجھے بھی تھے مگر میں یا ارمان ان میں الجھے ہی نہیں کہ ہمارے پیشِ نظر صرف مشہود کی خواہش تھی لیکن ہر خواہش پوری ہونے کے لئے نہیں ہوتی اس لیے ہم قسمت پر راضی ہو گئے ہیں۔ تم شرمندہ نہ ہو، نہ ہی معافی مانگو کہ قسمت انسان کو یونہی اٹھاتی اور جھکاتی رہتی ہے۔ تم بے فکر رہو میں تم پر خفا نہیں ہوں۔'' وہ اس کے ہاتھ تھامتیں اپنی ازلی نرماہٹ کے ساتھ بولی تھیں۔

''یہ تو آپ کا بڑا پن ہے بڑی ممی ورنہ میری خطا معاف کرنے کے قابل نہیں ہے۔'' وہ آزردگی سے بولا تھا۔

''اپنوں کی خطائیں معاف کر کے انہیں ان کے لئے نہیں انہیں اپنے لیے ایک موقع اور دینا پڑتا ہے اور انہیں سزا دوں گی تو تکلیف تو مجھے بھی ہو گی جیسے تمہیں سزا دے کر ارمان تکلیف میں رہے اس لئے تمہیں اور خود کو تکلیف سے بچانے کے لیے میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔'' وہ نم پلکوں سے مسکرائی تھیں اور وہ زندگی میں پہلی بار ان سے لپٹ گیا تھا۔

''تھینک یو بڑی ممی۔''

وہ ایک لمحہ کو اس کی حرکت پر بے یقین ہوئی تھیں پھر سکون سے مسکرا دی تھیں اور کافی برسوں بعد ارمان شیرازی کے سر سے ایک بوجھ اتر گیا تھا۔ وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگے تھے۔ انہوں نے سکون سے آنکھیں موند لی تھیں اور پلکوں کے اس پار ان کا ماضی جھانکنے لگا تھا۔ انہوں نے گھبرا کر آنکھیں کھولی تھیں وہ دونوں جا چکے تھے اب کمرے میں اکیلے رہ گئے تھے اور تنہائی میں ماضی کے اوراق پھڑ پھڑانے لگے تھے اور انہوں نے ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے خود کو ماضی کے حوالے کر دیا تھا اور ان کے ذہن کی اسکرین پر گزرے ماہ و سال گردش کرنے لگے تھے کہ ماضی کھلنے کو اپنی کہانی بیان کرنے کو بے قرار ہو چکا تھا اس لیے انہوں نے خود کو ڈھیلا چھوڑتے ہوئے آنکھیں بند کر کے ماضی کے پنے کھول دیئے تھے۔

☆......☆......☆

''تو میری شادی میں آ رہا ہے ورنہ میں تجھے جان سے مار دوں گا۔'' اس کی نہ آنے کی تکرار مشہود کو غصہ دلا گئی تھی اس لیے نہایت

تپے ہوئے لہجے میں دھمکی لگائی تھی۔

''تو میرا مزاج جانتا ہے، مجھے یہ سب نہیں پسند، یاردوستی بس دوستوں تک محدود رہنی چاہیے اسے گھر اور فیملی تک لے جانے کا میں قائل نہیں ہوں۔'' وہ اپنے مخصوص قائل نہ ہونے والے انداز میں بولا تھا۔

''جانتا ہوں ناں، اس لیے کبھی فورس نہیں کیا مگر اس سب میں برائی نہیں ہے، تو کبھی میرے گھر نہیں آیا، کبھی مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت نہیں دی مگر اب تو نے میری شادی میں آنا ہے کہ ویسے بھی شادی، شادی ہال میں ہے۔'' وہ چڑے ہوئے انداز میں اسے قائل کرنے کی ناممکن سی کوشش کر رہا تھا۔

''واٹ ربش، مشہود، گھر آنے پر مجھے اعتراض نہیں رہا کبھی، بس میں دوستی اور رشتہ داری میں فرق سمجھتا ہوں اور اسے فرق ہی رہنے دینا چاہتا ہوں اس لیے نہ کبھی تم لوگوں کے گھر گیا نہ تم لوگوں کو اپنے گھر بلایا اسی لیے شادی میں بھی نہیں آنا چاہتا کہ یار ہر فیملی کی اپنی روایات، اپنے طریقے ہوتے ہیں اور مجھے کسی کی لائف میں انٹرفیئر کرنے کا ذرا شوق نہیں ہے۔ بہتر ہوگا تو ہماری دوستی کو دوستی رہنے دے کہ گھر آنا جانا رشتہ داروں کا ہوتا ہے۔ دوست کو اسکول، کالج اور باہر تک ہی محدود رہنا چاہیے۔'' وہ اپنی بات، اپنے مؤقف پر ہٹنے کو راضی نہ تھا۔

''میں تیری بات سے ایگری نہیں کرتا۔'' خفگی سے بولا گیا تھا۔

''تو اپنے انداز سے سوچتا ہے، میرا اپنا ایک نظریہ ہے۔'' وہ اس کی ناراضگی کو کسی خاطر میں ہی نہیں لایا تھا۔

''تو کچھ بول ناں سالار، سمجھا اسے۔'' ڈرائیونگ کرتا سالار مصطفیٰ چونک کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھے مشہود کو دیکھنے لگا تھا۔

''اس کو کسی بات پر قائل کرنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ بہتر ہوگا تو بھی اپنی انرجی ضائع نہ کر کہ اس کے آنے نہ آنے سے اب تک کوئی کام نہیں رکا۔ تیری شادی بھی بخوبی انجام پا جائے گی۔'' سالار مہارت سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے بولا تھا۔

''اوہوں، لیکن زندگی کے کچھ مواقع ایسے ہوتے ہیں جہاں یاروں کی ضرورت نہ بھی ہو ان کے ساتھ کا سہارا چاہیے ہوتا ہے۔'' مشہود اب سنجیدہ ہو چکا تھا۔

''تجھے نہیں آنا تو ٹھیک ہے تو رہ اپنے نظریات کے ساتھ مگر مجھے آج پتہ چل گیا ہے کہ تو جب میرے گھوڑی چڑھنے کے وقت میرے ساتھ نہ ہوگا تو مجھے کاندھا دینے والوں میں بھی تو شامل نہ ہوگا۔'' مشہود ایک جذباتی انسان تھا اس نے جذبات کی انتہا کر دی تھی۔

''مشہود۔'' وہ دونوں بیک وقت تنبیہاتی طور پر اسے پکار اٹھے تھے۔

''کون سا غلط کہا ہے میں نے، تجھے دوستی کو فیملی تک لے جانے میں ہزار مسئلے لاحق رہتے ہیں تو میرے جنازے میں، میری فیملی تو ہوگی نا شریک یا تو نے سمجھ لیا ہے کہ میری لاش لاوارثوں کی طرح دفنا دی جائے گی۔'' وہ اس کی طرف رخ موڑے گہری سنجیدگی سے بولا تھا۔

''شٹ اپ، بکواس بند کر واپنی۔'' ارمان نے اسے بری طرح ڈپٹا تھا اور اسے مزید کچھ بولنے کے لیے منہ کھولتے دیکھ کر اس نے سالار سے گاڑی روکنے کو کہا تھا اور گاڑی روکتے ہی وہ بڑی تیزی میں اترا اور سالار کے روکنے کے باوجود وہ ٹھہرا نہیں تھوڑا آگے جا کر

اس نے ایک آٹو کو ہاتھ دیا اور یہ جا وہ جا ہو گیا۔ سالار تاسف میں مبتلا ہوتا واپس گاڑی میں آ بیٹھا۔

''جانتا ہے نا اسے تو، کیوں اس سے بحث کرتا ہے۔ فضول میں بکواس کر کے اپنا اور اس کا موڈ آف کر دیا۔'' اس کی اتری صورت دیکھ کر سالار نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''جانتا ہوں تو کیا مطلب؟ ہر وقت بس اس کی مانتا رہوں گا، آخر دوست کے گھر آنے جانے میں قباحت کیا ہے؟'' وہ ارمان کا غصہ سالار پر نکالنے لگا تھا۔

''کوئی قباحت نہیں ہے جبھی تیری اور میری فیملی کے اچھے تعلقات ہیں۔ میں اس سب میں قباحت سمجھتا تو نہ آتا تیرے گھر، نہ تجھے میرے گھر آنے کی اجازت ہوتی مگر بات ہم دونوں کی نہیں ہے، ارمان کی ہے۔ اسے نہیں پسند یہ سب، تو کیوں اسے فورس کیا جائے۔'' اس کا مخصوص ٹھہرا ہوا انداز تھا۔

''اس کی سائیڈ مت لینا سالار ورنہ اس کا سارا غصہ تجھ پر اُتر جائے گا۔'' وہ منہ بنا کر بولا تو اس کو ہنسی آ گئی تھی۔

''سائیڈ نہیں لے رہا، دوستی کا تقاضہ ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کی پسند اور نظریات کا احترام کیا جائے اور اس کا نظریہ کسی برائی سے تعلق نہیں رکھتا جسے بدلنے کی کوشش کی جائے۔'' اس کے گھورنے پر وہ مسکراہٹ دبا گیا تھا۔

''عجیب مجھے بھی لگتا ہے بٹ ارمان کی اپنی سوچ ہے اس لیے میں اسے فورس نہیں کرتا تو اس سے ہمیشہ اس بات پر اُلجھ کر اپنا اور اس کا وقت ضائع کرتا ہے جبکہ اسے جانتا ہے کہ وہ اپنی ہٹ کا پکا ہے ٹس سے مس نہیں ہوگا اور جو بکواس آج تو کر چکا ہے اگلے دس، پندرہ دن تک تیری شکل تو دیکھنا دور وہ آواز بھی نہیں سنے گا، اس دوران تو بیوی کو پیارا ہو جائے گا۔'' اس کا موڈ بحال کرنے کو بات کا اختتام شرارت سے کیا تھا۔

''اس کی اتنی شدت پسندی مجھے پریشان کرتی ہے اس لیے اس میں دراڑ ڈالنے کو میں یہ سب کر جاتا ہوں کہ ایگری نہ بھی کروں مگر اس کے نظریات، اس کی سوچ کا احترام کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ وہ اپنے اندر کچھ توازن لائے کہ محبت، نفرت کسی بھی جذبے میں اتنی شدت پسندی نقصان کا باعث ہوتی ہے۔'' وہ سنجیدگی سے پر لہجے میں بولا تھا۔

''اوہوں، کہتے تو ٹھیک ہو مگر حقیقت یہی ہے کہ وہ عادتاً نہیں فطرتاً ایسا ہے اور عادتیں تو بدلی جا سکتی ہیں فطرت نہیں، اس لیے وہ ایسا ہی رہے گا۔ اپ اینڈ ڈاؤن آئیں گے مگر شدت پسندی سے وہ چھٹکارا نہیں پا سکے گا جیسے تو اپنی جذباتیت کے ہاتھوں خوار ہوتا پھرتا ہے۔'' سنجیدگی سے کہتے ہوئے اسے چھیڑا تھا اور وہ جھینپ کر خفت مٹانے کو اس کے بازو پر مکا جڑ گیا تھا۔

ان تینوں کا ساتھ اسکول لائف سے تھا۔ سالار کی فیلڈ چینج ہو گئی تھی لیکن وہ دونوں یونیورسٹی میں بھی کلاس فیلو تھے اس لیے سالار کے مقابلے میں وہ دونوں زیادہ قریب ہو گئے تھے اور جب سے وہ پولیس میں بھرتی ہوا تھا اکثر و بیشتر ان کی ملاقات کے دن و اوقات بدل جاتے تھے۔ مواقع ہی کم ملتے تھے وگرنہ کالج لائف سے وہ تینوں ہر سنڈے کو بیچ پر یا پھر ارمان کے فلیٹ پر جمع ہوتے تھے، یہ ارمان کا دو

کمروں پر مشتمل فرنشڈ اپارٹمنٹ صرف ہر سنڈے کو ہی کھلتا تھا کہ مشہود کو بیچ پر یا گاڑی میں بیٹھے رہنا عجیب لگتا تھا اور وہ گھر چلنے پر بضد ہو جاتا تھا اور اس سب سے بچنے کو اس نے اپنی ماما کا فلیٹ دوستوں سے ملنے ان کے ساتھ وقت گزارنے کے لیے مخصوص کر لیا تھا جس پر سالار کو تو نہیں مشہود کو ہزار اعتراضات ہوئے تھے لیکن ارمان اس کے کسی واویلے کو خاطر میں کبھی نہیں لایا تھا کہ وہ تین دوست، تینوں ہی الگ مزاج کے حامل تھے۔ سالار کی شخصیت میں ٹھہراؤ اور سنجیدگی تھی تو مشہود کی شخصیت میں ٹھہراؤ بالکل نہ تھا۔ وہ کافی عجلت پسند، جذباتی سا انسان تھا زندگی کا ہر فیصلہ جذبات کے ذریعے لینے والا کہ ارمان اس سے کہتا تھا کہ کبھی میرے دوست عقل بھی استعمال کر لیا کرو مگر وہ دماغ سے کم دل سے زیادہ سوچتا تھا اور جہاں تک بات تھی ارمان شیرازی کی اس کی شخصیت کافی ملی جلی سی تھی وہ سنجیدگی اور غیر سنجیدگی کا ایک عجیب مرقع تھا۔ شخصیت میں ٹھہراؤ تھا بھی اور نہیں بھی، کبھی دل کی سن لی تو کبھی دماغ کی دلیل پر سرِ تسلیم خم کر دیا مگر اس کا سب سے بڑا مسئلہ اس کی شدت پسندی تھی، کسی بات کو مذاق میں بھی نہ کہہ دیا تو پھر وہ ہاں میں نہیں بدلتی تھی۔ اس کی شدت پسندی سے اس کے دونوں دوست ہی نہیں اس کی فیملی بھی خائف رہتی تھی مگر کوئی کچھ کر نہیں سکتا تھا کہ اسے قائل کرنا یا اس کے مؤقف یا فیصلہ سے ہٹانا ناممکنات میں سے تھا کہ کرتا وہی تھا جو سوچ لیا یا جو کہہ دیا اب چاہے اس سے کتنے ہی اچھے، برے اثرات مرتب ہوں اسے فرق نہیں پڑتا تھا۔

☆......☆......☆

''او مائی گاڈ'' اس کو دیکھ کر مشہود کا چہرہ کھل اٹھا تھا اور آنکھیں بے یقینی سے پوری کی پوری کھل گئی تھیں۔

''واٹ آ پلیزنٹ سرپرائز، جیو میرے یار'' وہ اس کی خوبرو شکل دیکھ کر جوش سے کہتا اس سے لپٹ گیا تھا۔ اس کے جوش کے جواب میں نہ اس نے جوش دکھایا تھا نہ ہی کچھ کہا تھا اور اسے خود سے الگ کر دیا تھا۔

''تو خفا خفا ناں، بالکل روٹھی ہوئی محبوبہ کی طرح کیوٹ لگتا ہے۔'' مشہود کی شرارت پر وہ اسے گھورنے لگا تھا جبکہ سالار کا بے ساختہ قہقہہ فضا میں بلند ہوا تھا۔

''اور تو جذباتی بلیک میلنگ کرتا کسی ولن کی طرح منحوس لگتا ہے۔'' سالار کو گھورتے ہوئے مشہود کا مکا جڑ گیا تھا اس کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

''آج تو منحوس و نحوس چھوڑ، اچھی اچھی باتیں کر، آخر کو تیرا یار دولہا بنا ہے۔'' اس نے شرارت سے کہہ کر آنکھ دبائی تھی وہ اسے دیکھ کر حقیقی معنوں میں اندر تک سرشار ہو گیا تھا۔

''دولہا ہی تو بنا ہے کون سی ایک دنیا فتح کر لی ہے جو تجھے سات توپوں کی سلامی پیش کروں۔'' اس کی ناراضگی مٹ گئی تھی اور وہ شرارت سے بولا تھا۔ اس دن غصہ سے جانے کے بعد اس نے مشہود کی کال تک ریسیو نہیں کی تھی اور آج صرف اس کی بات (جنازے والی بات) سے متاثر ہو کر ناراضگی و غصہ کے باوجود اس کی برات میں آ گیا تھا۔

''محبت کا فاتح ہوں میرے یار، آج تو وصل میری محبت کو سلامی دے گا تو اپنی توپیں نہ نکال کہ تجھے زحمت ہو گی۔'' اس کی

آنکھیں شرارت سے مسکرا رہی تھیں کہ یمنیٰ اس کی خالہ زاد ہی نہیں اس کی پہلی چاہت بھی تھی اور ان دونوں کی باہمی رضا سے وہ ایک مضبوط شرعی بندھن میں بندھنے جا رہے تھے اسی لحاظ سے ان کی خوشی اور اطمینان بھی قابلِ دید تھا۔ ارمان نے اس کی شرارت پر اسے ایک دھب رسید کی تھی اور دل ہی دل میں اس کی خوشیوں کے لئے دعا گو ہو گیا تھا۔

''تو اکیلا آیا ہے؟'' یکدم خیال آنے پر اس نے سالار سے پوچھا تھا۔

''نیناں ساتھ آئی ہے۔ بابا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اس لیے مما چاہ کر بھی نہیں آسکیں۔'' دھیمے سے بتایا تھا۔ اسی وقت وہاں شہناز چلی آئی تھی اس نے سالار سے خود ہی سلام دعا کی تھی اور ارمان کا تعارف کروانے پر خیر خیریت دریافت کرتی اسے اسٹیج پر پہنچنے کا کہہ کر چلی گئی تھی۔

''اوہ ہوں، نہیں بس میں اب چلوں گا، صرف تیری بات رکھنے کو آ گیا ہوں ورنہ جانتا ہے مجھے اس طرح کی مکس گیدرنگز میں شرکت کرنا کبھی پسند نہیں رہا۔'' اس نے ان دونوں کو ہی اسٹیج کی جانب چلنے کا کہا تھا تب اس نے معذرت کر لی تھی کہ وہ تو خاندان کی بھی بہت قریبی لوگوں کی تقریبات میں جانا بھی اکثر گول کر جاتا تھا اور یہ تو خاص مشہود کا فیملی فنکشن تھا۔ سارے اس کے عزیز و اقارب موجود تھے ایسے میں اسے اپنی پوزیشن کافی آکورڈ لگ رہی تھی۔

''کچھ نہیں ہوتا یار۔ اب تو آیا ہے تو اپنے یار کے نکاح میں بھی شریک ہوئے بنا تو نہیں جا سکتا ناں۔'' وہ مزے سے کہتا اس کی سنے بغیر اس کا ہاتھ تھامتا اسٹیج کی جانب بڑھنے لگا تھا اس نے سالار کو مدد طلب نگاہوں سے دیکھا تھا مگر وہ کاندھے اچکاتا اس کی حالت سے حظ اٹھاتا مسکرا دیا تھا۔

''دیکھ لوں گا میں تم دونوں کو۔'' وہ ہاتھ چھڑاتا بھڑک کر بولا تھا۔ نکاح ہوتے ہی مبارک سلامت کا شور بلند ہوا تھا اور وہ دونوں دوست کے چہروں پر سجی خوشی دیکھ کر ایک دوسرے کو دیکھتے مسکرا کر اسٹیج سے اتر گئے تھے۔ یمنیٰ کو شہناز اسٹیج تک لے آئی تھی کہ یمنیٰ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ فادر کی ڈیتھ کو چار سال ہو گئے تھے۔ لے دے کر ایک ماں ہی تھی یا پھر خالہ (مشہود کی والدہ) کی فیملی تھی، فوٹو سیشن چل رہا تھا اور اس نے پھر اپنے جانے کی بات کر دی تھی۔

''مشہود کو بتا تو دے اپنے جانے کا۔'' وہ کھانے تک تو کیا مزید پانچ منٹ رکنے کو تیار نہ ہوا تو وہ گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا تھا۔

''اس دن جو اس نے بکواس کی تھی اس پر غصہ کے باوجود آ گیا۔'' اس نے مسکرا کر گویا کہا تھا کہ مجھے مت بتاؤ میں پہلے سے تمہارے آنے کی وجہ جانتا ہوں۔

''لیکن اب مزید اس کی بکواس نہیں سننا چاہتا، نہ ہی بحث کر کے اس کا موڈ آف کرنا چاہتا ہوں اس لیے چلتا ہوں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے کہتا آگے بڑھا تھا کہ کسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا اس کی نگاہ اٹھی تھی۔ وہ جو کوئی بھی تھی کافی حسین تھی، آف وائٹ رنگ کے

اسٹائلش سوٹ میں سلیقے سے کیے میک اپ میں اس کی گوری رنگت اور تیکھے نین نقش اور متناسب سراپا نمایاں تھا۔

''آئی ایم سوری۔'' وہ لب چباتی کنفیوزسی بولی تھی اور ہوا کے جھونکے کی مانند اس کے قریب سے گزر گئی تھی۔ اس میں ایسا کچھ تھا کہ لڑکیوں کو ایک دفعہ کے بعد دوسری نگاہ ڈالنا گوارہ نہ کرنے والے ارمان شیرازی نے مڑ کر دیکھا تھا اور اس نے سالار کا بازو تھام کر کھڑے دیکھ کر اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے اور اسے حیرت سے سالار کی آواز نے نکال لیا تھا۔

''شی از مائی لٹل سسٹر نیناں مصطفیٰ۔'' وہ چونکہ ان کے ممکنہ تصادم کے نہ ہونے کا گواہ بن گیا تھا اس لئے نہ چاہتے ہوئے بھی اور اس کی خود پر نظر محسوس کر کے تعارف کا مرحلہ طے کرنے کو چند قدموں کی دوری ختم کر کے اس کے سامنے آن رکا تھا۔ ارمان نے ایک گہری سانس خارج کر کے نگاہ اس پر اٹھائے بنا سلام کر ڈالا تھا۔

''نیناں، یہ ارمان ہے۔'' اس نے مختصر سا تعارف کروایا تھا کہ زیادہ تفصیل کی ضرورت نہ تھی کہ اس کی فیملی غائبانہ ارمان کو جانتی تھی البتہ مصطفیٰ صاحب از خود اس سے مل بھی چکے تھے۔ وہ سلام کا دھیمے سے جواب دے گئی تھی اس کی رنگت اب تک سرخ ہو رہی تھی کہ ایک تو ممکنہ تصادم کی خفت تھی اوپر سے سالار کی موجودگی میں غلطی نہ ہونے کے باوجود ان دونوں کو ہی مجرم سا بنا گئی تھی۔ وہ نظر چرائے کھڑی تھی اور اس نے سالار کے احترام میں نگاہ نہ اٹھائی تھی کیونکہ وہ اس کی بہن تھی اس لیے وہ بڑی عجلت میں ''اللہ حافظ'' کہتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا جبکہ وہ سالار کے ساتھ قدرے سائیڈ کی خالی ٹیبل پر بیٹھ گئی تھی کہ اب تک تو وہ یمنیٰ کے ساتھ ڈریسنگ روم میں تھی کہ مشہود کے گھر آنے جانے کی وجہ سے اس کی یمنیٰ سے کافی اچھی دوستی ہو گئی تھی۔

''بور ہو رہی ہو۔'' نرم سے لہجہ پر اس نے نظر اٹھائی تھی اور سالار کو مسکراتے دیکھ کر وہ نرمی سے مسکراتی اثبات میں سر ہلا گئی تھی اور وہ صرف نیناں کے خیال سے مشہود سے معذرت کرتا ڈنر کے فوراً بعد ہال سے نکل آیا تھا۔

☆......☆......☆

''ڈونٹ وری یار، میں ٹھیک ہوں۔'' وہ نقاہت زدہ لہجے میں بولا تھا۔

''خاک ٹھیک ہے، پورے تین گھنٹے بعد تجھے ہوش آیا ہے۔'' مشہود کے لہجے میں اس کے لیے فکر تھی۔ اس کا واپسی میں بہت سیرئیس ایکسیڈنٹ ہوا تھا جس میں اس کا بچ جانا ہی کسی معجزہ سے کم نہ تھا۔ امان شیرازی نے بیٹے کی انتہائی بری حالت دیکھ کر اس کے دوست سالار کو کال کر دی تھی اس وقت وہ راستے میں تھا۔ وہ بہن کو گھر ڈراپ کر کے آناً فاناً ہاسپٹل پہنچا تھا جہاں اسے پتہ چلا تھا کہ ارمان کا خون بہت بہہ گیا ہے اسے فوری خون کی ضرورت ہے اور مسئلہ یہ تھا کہ اس کا بلڈ گروپ اس کے والد سے بھی میچ نہیں کرتا تھا جبکہ والدہ آؤٹ آف سٹی تھیں۔ ایسے میں اسے پہلا خیال مشہود کا آیا تھا اور اس نے اسے کال کر دی تھی جس وقت اسے ارمان کے ایکسیڈنٹ کا پتہ چلا رخصتی کی رسومات آخری مراحل میں تھیں اور وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہاسپٹل پہنچ گیا تھا اور پوری دو خون کی بوتلیں دی تھیں جبکہ بیک وقت دو خون کی بوتلیں لینے پر ڈاکٹر اس کی صحت کے خیال سے مستعرض تھے لیکن اس کی ضد اور پیشنٹ کی حالت کے پیشِ نظر وہ اس سب کے

لیے راضی ہو گئے تھے اور ان کی محنت اور رب کی رحمت سے وہ زندگی کی طرف لوٹ آیا تھا۔

''تو یہاں کیا تو میرا خون رائیگاں چلا جاتا اور گولڈن نائٹ مس ہونے کا صدمہ الگ جھیلنا پڑتا۔'' وہ اب بھی سنجیدہ نہیں ہوا تھا۔

''تیرا دماغ خراب ہو چکا ہے۔ بہتر ہے اب تو یہاں سے دفع ہو جا۔'' سالار بری طرح سے کھول اٹھا تھا۔

''یہاں رہنا کون کافر چاہتا ہے کہ سپنوں کی شہزادی تو سیج سجائے منتظر ہو گی مگر اس گھامڑ کو اس حالت میں چھوڑ کر بھی تو نہیں جا سکتا اس لیے شہزادی کو کرنے دو انتظار، ہم تو آج کوئے جاناں پر نہیں کوئے یار پر پڑے رہنے کا ارادہ باندھ بیٹھے ہیں۔'' اس کا وہی گہرہ سنجیدہ انداز تھا۔ سالار اسے گھورتا بستر پر پڑے ارمان کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''سالار، اسے یہاں سے دھکے مار کر نکال دے، فضول کی بکواس اس نے میرے سر میں درد کر دیا ہے۔'' اس نے کمزور لہجے میں کہہ کر آنکھیں موند لی تھی۔

''کہو تو ڈیئر سر دبا دوں۔'' بستر کے قریب ہوتے ہوئے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔

''تو گھر چلا جا ورنہ میں تیرا گلا دبا دوں گا۔'' آنکھیں کھولتے ہوئے بھڑک کر بولا تھا۔

''بیٹا، اب تو زیادہ مجھ پر رعب نہیں جھاڑ سکتا، مقروض ہو گیا ہے تو میرا، غصہ آیا نا مجھے تو اپنے خون کی واپسی کا مطالبہ بھی کر سکتا ہوں۔'' مصنوعی دھمکی لگا کر اسٹول کھینچ کر اس پر بیٹھ گیا تھا۔

''آخر کس گدھے نے تجھے کہا تھا کہ تو مجھے خون دے۔'' اسے آرام کی ضرورت تھی لیکن وہ اپنی ہی ہانکے جا رہا تھا اور وہ بھی کہاں چپ رہ سکتا تھا ترنت جواب دے گیا تھا۔

''اپنے سالار بھیا کے علاوہ یہ عظیم ہستی کون ہو سکتی تھی بھلا۔'' وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا تھا۔ وہ بھی بے ساختہ مسکرا دیا تھا جبکہ سالار اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگا تھا۔

''اتنے پیار سے تو نہ دیکھ مجھے، اتنا ہی پیار آنکھوں میں بسائے تیری بھابھی مجھے اوپر پہنچانے کے طریقے سوچ رہی ہو گی۔'' وہ اس کی گھوریوں سے خائف ہوئے بنا مزے سے بولا تھا۔

''پلیز مشہود، بکواس بند کرا اور گھر جا، یہاں ارمان کے پاس میں ہوں۔'' وہ زچ ہوتا عاجز آئے ہوئے انداز میں بولا تھا اور وہ سنجیدہ ہوتا صاف کہہ گیا تھا کہ اس کا فی الحال ارمان کو اس حالت میں چھوڑ کر جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

''ہر وقت کی ضد اچھی نہیں ہوتی مشہود، وقت اور حالات کو سمجھا کرو۔ ارمان اب ٹھیک ہے تم گھر جاؤ کہ ایک رشتے کے لئے دوسرے رشتے کو نظر انداز کرنا عقلمندی نہیں ہوتی۔'' سالار کا انداز ناصحانہ تھا اور ان دونوں کے فورس کرنے پر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی گھر چلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

''واہ بھئی، جناب نے اپنا بیڈروم تو بہت اچھا سیٹ کیا ہوا ہے۔'' مشہود در و دیوار پر طائرانہ نظر ڈالتا تعریفوں میں رطب اللسان ہوا تھا۔

''بیٹھو تم دونوں۔'' وہ اس کی تعریف سے متاثر ہوئے بنا سالار کو دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''اب کیا حال ہے تمہارا؟'' بیڈ پر ٹکتے ہوئے پوچھا تھا جبکہ وہ سی ڈیز چیک کرنے لگا تھا۔

''اوہوں، پہلے سے بہتر ہوں بٹ اس فریکچر کی وجہ سے گھر میں بند رہنے پر مجبور ہوں۔'' وہ بے دلی سے بولا تھا۔ مشہود ان کی باتوں سے قطع نظر ایک سی ڈی سلیکٹ کر کے اسے پلے کر چکا تھا۔

خاموشیاں آواز ہیں
تم سننے تو آؤ کبھی
چھو کر تمہیں کھل جائیں گی
گھر ان کو بلاؤ کبھی
بے قرار ہے، دل بے قرار ہے
بات کرنے کو، کہنے دو ان کو ذرا
خاموشیاں، تیری میری خاموشیاں
لپٹی ہوئیں خاموشیاں..........

''پلیز مشہود، بند کرو اسے، سر دکھ رہا ہے میرا۔''

وہ جو کھڑکی میں کھڑا بڑی محویت سے گانا سن رہا تھا جیسے آیا ہی اسی کام سے ہو یکدم چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''تم جانتے ہو میں اسے بند نہیں کروں گا سو برداشت کرو لیکن اگر چاہو تو میں تمہارا سر دبا سکتا ہوں۔'' مزے سے کہا گیا تھا۔

''تم میرے ہاتھوں مرنے والے ہو مشہود۔'' وہ چیخ کر چیخا تھا۔

''اوکے مائی لارڈ، بندہ اف نہیں کرے گا بس آخری خواہش کے طور پر کچھ کھلا پلا دو کہ پہلی دفعہ تیرے گھر آنے کی خوشی میں کھانا تک نہیں کھا کر آیا جبکہ یمنیٰ نے کتنا فورس کیا تھا۔'' اس کا اپنا ہی انداز تھا سالار کی ہنسی چھوٹ گئی تھی اسے گھورتے ہوئے اس نے مشہود کو تکیہ کھینچ مارا تھا اور اسی پل دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

''یس کم اِن۔'' اس نے لاپرواہی سے کہہ کر کیچ کیا ہوا تکیہ ارمان کی طرف اچھال دیا تھا۔ اندر آنے والی رابعہ شیرازی تھی جو دو اجنبی لڑکوں کو دیکھ کر کنفیوز ہو گئی تھی اور اس نے بھائی کی طرف دیکھا تھا۔ آکورڈ سی پوزیشن میں تو وہ تینوں ہی پھنس گئے تھے لیکن ارمان کا چہرہ یکدم سرخ ہو گیا تھا اور وہ سوپ لے کر آئی رابعہ سے کچھ کہتا کہ مشہود اس سے کچھ فاصلے پر ٹھہرتا اسے سلام کر گیا تھا۔

''میں مشہود ہوں اور وہ سالار ہے۔ ہم ارمان کے دوست ہیں۔''

وہ جواب نہیں دے پائی تھی اس کے باوجود وہ از خود تعارف کا مرحلہ طے کرنے لگا تھا جبکہ سالار کا دل چاہا تھا کہ اس کا قتل کر دے

کہ وہ ارمان کا پل پل ضبط سے لہو رنگ چہرہ دیکھ رہا تھا کہ وہ بہت لبرل تھا اس کا تعلق اپر کلاس سے تھا مگر وہ اپنی فیملی کے لئے بہت پوزیسیو تھا اور یہ اس کی پوزسیونیس ہی تھی کہ لبرل ہونے کے باوجود دوستوں پر بھروسہ رکھتے ہوئے بھی کبھی انہیں اپنے گھر نہیں بلایا تھا اور اسی لئے کبھی دوستوں کے گھر بھی نہیں گیا تھا کہ اس کا ماننا تھا کہ عزت دو گے تو عزت ملے گی اور آج جب سالار نے اس کی خیریت دریافت کرنے کو فون کیا تھا تو اسے خود ہی اسے گھر آجانے کا کہہ دیا تھا وہ دوست کی سوچ سے واقف تھا اسی لئے اسے سہولت سے ٹال گیا تھا لیکن مشہود جو سالار کے ساتھ موجود تھا وہ فوراً ہی راضی ہو گیا تھا اور سالار کو بائے فورس ''شیرازی ولاز'' لے آیا تھا اور وہ ان دونوں کی آمد سے انجان اس کے لئے سوپ لے کر آگئی تھی کہ وہ جس وقت آئے اس سے وہ کچھ دیر پہلے ہی کالج سے آکر شاور لے رہی تھی اس لئے اسے پتا نہیں تھا اور ملازمہ کو سوپ لے جاتے دیکھ کر ٹرے لے کر خود بھائی کے روم میں آگئی تھی۔ ملازمہ نے نہ اسے روکا تھا نہ ہی بتایا تھا کہ ارمان کے دوست آئے ہیں اور اس کے کمرے میں ہیں اور وہ ایسا کبھی تصور بھی خود سے نہیں کر سکتی تھی کہ بھائی کی سوچ سے نہ صرف واقف تھی بلکہ کوئی آیا بھی نہ تھا اس لیے گمان تک نہیں گزر سکتا تھا۔

''آپ مجھے مشہود بھیا کہہ سکتی ہیں کہ چھوٹی بہنیں بھائیوں کو اسی طرح بلاتی ہیں۔'' وہ نرمی سے کہتا دھیمے سے مسکرایا تھا اور اس کے ہاتھ سے ٹرے لینے کو ہاتھ بڑھا دیا تھا۔ وہ گھبرا کر بھائی کو دیکھنے لگی تھی۔

''یہ ٹرے مجھے دے دو کہ یہ ارمان تو سوپ پی پی کر تنگ آگیا ہوگا۔ آج میں ٹرائی کرتا ہوں۔'' کسی کو بھی موقع دیئے بغیر خود ہی مستقل بولے جا رہے تھا اور اس نے بھائی کے اشارے پر ٹرے اسے تھما دی تھی اور وہ جاتی کہ ارمان نے خود کو کمپوز کر کے دوستوں سے بہن کا تعارف کروایا تھا اور کچھ دیر میں وہ چائے لانے کی ہدایت کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

''جس طرح کی تمہاری سوچ ہے یقیناً تمہیں برا لگا ہوگا۔'' وہ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے ٹرے گود میں رکھتے ہوئے بولا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ برا مجھے اس وقت لگتا جب تم دونوں پر بھروسہ نہ ہوتا، ہاں بس سچوایشن ایسی تھی کہ عجیب لگا تھا۔'' وہ سچائی سے کہہ گیا تھا اور اس نے سالار کی طرف دیکھا تھا جو کافی ڈسٹرب سا لگا تھا۔

''سالار! ڈونٹ یو وری ڈیئر، سچ میں، مجھے برا نہیں لگا ہے۔'' وہ جانتا تھا کہ اس کا دوست سالار کتنا بردبار اور رکھ رکھاؤ والا انسان ہے اسی لئے نرمی سے بول گیا تھا۔

''یہ سب تیری وجہ سے ہوا ہے، ہم بچپن کے دوست ہیں مگر ایک دوسرے کی فیملی سے انجان ہیں، تو نے شروع سے تعلقات رکھے ہوتے تو یہ سب برا نہ لگتا کہ یاد رکھنا کہ میرے لئے جتنی آپا قابلِ احترام ہیں، تیری بہن بھی اتنی ہی اہمیت کی حامل ہے کہ رشتوں کے روپ کبھی نہیں بدلتے۔'' وہ مزے سے چمچ بھر بھر کے سوپ حلق میں انڈیلتا کہتا جا رہا تھا۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں سالار۔''

وہ چونکا اور اثبات میں سر ہلا گیا تھا۔

''تیری بیماری سے یہ ایک فائدہ تو ہوا ہے کہ مجھے ایک اور چھوٹی بہن مل گئی ہے۔'' خالی باؤل سائیڈ پر رکھتے ہوئے بولا تھا جبکہ وہ اس کی بات نہیں سمجھا تھا۔

''نیناں سے مل کر بھی اس نے اتنی ہی جذباتی اسپیچ کی تھی۔'' سالار نے مسکرا کر ایک اور وضاحت کی تھی کہ مشہود کی ایک ہی بہن شہناز جو اس سے تین سال بڑی تھی اور نیناں سے ملا تھا تو جھٹ پٹ اسے بہن بنا لیا تھا۔ سالار کے کہنے پر اسے دو دن قبل کا منظر پوری آب وتاب کے ساتھ یاد آ گیا تھا۔ گلابی چہرے سے پھوٹتی روشنی یکدم یوں ذہن کی اسکرین پر جگمگائی تھی کہ وہ بے چین ہوا تھا اور اس بے چینی نے اس کا یوں احاطہ کیا تھا کہ سالار کی سنجیدہ گفتگو اور مشہود کی اوٹ پٹانگ باتیں بھی اس بے چینی کو ختم نہیں کر پائی تھیں۔ وہ ان کے جانے کے بعد خود پر ملامت کرتا بے چینی کے خاتمے کے لیے کچھ اور سوچنے کی کوشش کرنے لگا تھا مگر جس میں بری طرح ناکام ٹھہرا تھا اسی لئے اس نے پلکیں موند لی تھیں مگر یکدم بند پلکوں پر آ ٹھہرنے والا عکس اس کی بے چینی میں اضافہ کا سبب بنتا آنکھیں کھولنے پر مجبور کر گیا تھا لیکن گزرتے وقت نے قسمت کا پھیر کچھ یوں بدلا تھا کہ وہ راہِ فرار کی ہر راہ کو مسدود پاتا محبت کا مسافر بن گیا تھا اور جب یہ حقیقت اس پر شدتوں سے آشکار ہوئی تھی اس نے سیدھے راستے سے اپنے پیرینٹس کو پرپوزل لے کر بھیج دیا تھا جسے قبول کر لیا گیا۔ نیناں کو ایم بی اے کرنے کا جنون کی حد تک شوق تھا اسی لئے اس نے رشتے کی اپنی سی مخالفت کی تھی لیکن مصطفیٰ علی کے حتمی فیصلے کے بعد وہ ان سے خفا ہوتی، روتی دھوتی رخصت ہو کر ارمان شیرازی کے سنگ شیرازی ولاز میں چلی آئی تھی۔ ارمان شیرازی نے اس کا خیال کسی آبگینے کی طرح رکھا تھا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ ان کی محبت عشق کا پیرہن اوڑھتی اس پر سایہ کرتی چلی گئی تھی۔ وہ جتنا شدت پسند تھا چاہے وہ جذبات ہوں یا خیالات وہ اتنی ہی پریکٹیکل تھی اس لیے اکثر اس کی جذباتی اور رومانوی فطرت سے خائف ہو جایا کرتی تھی لیکن وقت بڑی تیزی سے گزرتا جا رہا تھا اور وہ دھیرے دھیرے اپنی لائف میں سیٹ ہوتی مطمئن ہوتی جا رہی تھی۔ شادی کے ایک سال بعد ابران کی پیدائش ہوئی تھی گویا ان کی زندگی مکمل ہو گئی تھی۔ اس وقت مشہود اور یمنیٰ کی بیٹی یمانی ایک سال کی ہوئی تھی اور ابران کے عقیقہ کی رسم میں سالار اور رابعہ کی پسند اور خوشی کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی منگنی کر دی گئی تھی اور ان کی شادی چھ ماہ بعد ہوئی تھی۔ سب کچھ سیٹ ہو گیا تھا۔ وہ تینوں دوست اپنی اپنی لائف میں سیٹ ہو گئے تھے اور ایک آسودہ خوشگوار ازدواجی زندگی گزار رہے تھے کہ سات سال بعد سب کچھ بکھر گیا تھا۔ ان کی زندگی میں طوفان آ گیا تھا اور جس سے نبرد آزمائی کرتے وہ زندگی ہی نہیں خوشیاں بھی ہار گئے تھے۔

''بھابی! بتایئے تو سہی کہ آخر بات کیا ہے؟ آپ اتنا رو کیوں رہی ہیں، یہ مشہود کہاں ہے؟'' رات کے دو بجے وہ اسے فون تو کر چکی تھی مگر بول کچھ نہیں رہی تھی اور اس کی مستقل خاموشی اور بڑھتی ہوئی سسکیاں اسے پریشان کر رہی تھیں اور وہ اس کے پے در پے سوالوں کے جواب میں بلکتے ہوئے بولی تھی۔

''ارمان بھائی، مشہود ابھی تک گھر نہیں آئے۔'' اس کی نیند اڑ گئی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر لائٹس آن کی تھیں۔ اس کے پہلو میں بے خبر سوتی نیناں کی نیند کچھ ٹوٹ سی گئی تھی۔ وہ ہلکا سا کسمسا کر جمائی روکتی اٹھ بیٹھی تھی۔

''آپ نے فون کیا اسے؟'' گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا تھا۔

''وہ اپنا سیل فون آج گھر پر ہی بھول گئے تھے۔'' اس کے روتے ہوئے کہنے پر اسے خیال آیا تھا کہ اس نے کال مشہود کا نمبر دیکھ کر ہی ریسیو کی تھی۔

''آپ پریشان نہ ہوں میں ہر اس جگہ جا کر دیکھ لیتا ہوں جہاں اس کے ملنے کی ایک فیصد بھی امید ہے۔'' اسے تسلی دے کر لائن کٹ کی تو نیناں کے سوال شروع ہو گئے تھے۔ اسے مختصر بتا کر سالار کو کال کی تھی کہ یمنیٰ نے بھی پہلے اس کا ہی نمبر ملایا تھا جو بزی تھا اس لئے ارمان کو کال کی تھی اور اس نے پوری پولیس فورس کو الرٹ کر دیا تھا۔ ٹھیک ایک گھنٹہ بعد وہ دونوں بھاگم بھاگ ہاسپٹل پہنچے تھے۔ شک کی تصدیق ہو گئی تھی وہ مشہود ہی تھا جس کا بہت برا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور وہ زندگی اور موت کے درمیان بری طرح لٹک رہا تھا۔ اسے اول تو ہاسپٹل ہی دیر سے پہنچایا گیا تھا پھر اس کا کوئی عزیز ساتھ نہ پا کر اس کے ٹریٹمنٹ کی جانب خاص توجہ نہ دی گئی کہ وہ ایک بہت بڑا اور مشہور پرائیویٹ ہوسپٹل تھا جہاں دنیا بھر کی سہولیات موجود تھیں لیکن مفت علاج کرنے کا کوئی انتظام نہ تھا چاہے مریض زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے جان سے ہی کیوں نہ چلا جائے اور اس سب میں اس کا خون بہت بہہ چکا تھا۔

''مریض کا خون بہت بہہ چکا ہے آپ خون کا انتظام کر لیں ہم آپریشن کی تیاری کر رہے ہیں اتنی دیر میں آپ تین لاکھ روپے جمع......''

''تین لاکھ تو کیا میں تین کروڑ روپے جمع کروا دیتا ہوں آپ آپریشن کی تیاری کریں۔'' اس نے برہمی سے ڈاکٹر کی بات کاٹی تھی سالار نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا جس کی آنکھیں جھلملا رہی تھیں۔

''ہمیں مشہود کے گھر کال کر دینی چاہیے۔'' خود کو کمپوز کر کے سالار نے کہا تھا۔

''بھابھی اس کے گھر نہ پہنچنے پر اتنا رو رہی تھیں اس کی یہ حالت دیکھ نہیں پائیں گی۔'' اس نے سالار کے مشورے کی نفی کی تھی لیکن مشہود کی حالت کریٹیکل تھی اس لئے سالار نے علی ہاؤس کال کر دی تھی۔

''مریض کسی ارمان شیرازی سے ملنا چاہتے ہیں۔''

وہ دونوں گم صم سے کھڑے تھے کہ نرس نے آ کر کہا تھا اور وہ لمحہ ضائع کیے بناء آئی سی یو کی جانب دوڑ گیا تھا۔

''ارمان، مجھے تجھ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' وہ اس کی حالت دیکھ کر چکرا گیا تھا۔ آنسو بہنے کو بے تاب ہونے لگے تھے وہ کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہ تھا جب وہ بہت مشکل سے ایک جملہ ادا کر پایا تھا کہ اس نے آگے بڑھ کر مشہود کا ہاتھ، ہاتھ میں لے لیا تھا۔

''تیرے لیے تو جان بھی حاضر ہے میری جان۔'' وہ نم لہجے میں بولا تھا اور اس نے سچ میں اس سے اس کی جان مانگ لی تھی اس کے ہاتھ میں اس کا زخمی ہاتھ چھوٹ گیا تھا اور وہ پتھرائی نظروں سے اس کے خون آلود، زخم زخم چہرے کی جانب دیکھنے لگا تھا۔

''میں یہ سب نہیں کہنا چاہتا تھا ارمان مگر میں بہت مجبوری میں کہہ گیا ہوں۔ مرتے ہوئے دوست پر صرف یہ ایک احسان کر دو ارمان۔'' اس کے آنسو گرنے لگے تھے اور وہ تڑپ کر اس کے نزدیک ہوا تھا۔

''تجھے کچھ نہیں ہوگا۔'' لرزتے لہجے میں کہتے ہوئے پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا۔

''آج تیرا یقین نہیں ارمان، آج میرے یقین کی جیت ہوگی کہ میں کب سے موت کی آہٹیں سن رہا ہوں اور اب لگتا ہے کہ موت ذرا فاصلے پر رہ گئی ہے۔'' وہ اکھڑی سانسوں کے سنگ بولتا اس کی جان نکال لے گیا تھا۔

''بکواس نہ کر، تیری یہ باتیں مجھے بے موت مار دیں گی۔'' جان سے عزیز دوست کی حالت اسے تڑپا رہی تھی وہ دونوں ہی رو رہے تھے ایک اپنے درد کی شدت سے تو دوسرا اس کے درد کی شدت پر رو رہا تھا۔

''میں مر رہا ہوں ارمان لیکن یمنیٰ کا خیال میری موت کی راہیں کٹھن کر رہا ہے۔ تو مجھ سے وعدہ کر لے کہ میری موت کے بعد یمنیٰ کو سہارا دے گا۔ اس سے شادی......''

''تو مجھ سے میری جان مانگ لے مگر ایسا کوئی وعدہ نہیں جو میں وفا نہ کر سکوں۔'' وہ اس کی بات سن کر چیخا تھا سالار ان سے فاصلے پر بھونچکا کھڑا تھا اور وہ مشہود کی پکار کو ان سنا کرتا باہر نکل گیا تھا اس کی سانس اکھڑنے لگی تھی۔ سالار آگے بڑھا تھا مگر ڈاکٹر نے روک دیا تھا۔ وہ اس کی حالت دیکھ کر نم پلکوں کے ساتھ باہر نکلا تھا۔

''مشہود کیسا ہے؟'' مشہود کے بابا علی صاحب نے اس سے پوچھا تھا اور اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''اس کی بہت بری حالت ہے۔ آپ بھابھی کو بلا لیں۔'' یمنیٰ کو نہ پا کر اس نے کہا تھا کہ انہوں نے بہو کو ایکسیڈنٹ کا نہیں بتایا تھا کہ اس کی حالت تو رو رو کر پہلے ہی خراب تھی وہ رہی سہی کسر نہیں نکالنا چاہتے تھے۔

''اسے نہیں بتایا کچھ بھی، وہ برداشت نہیں کر پائے گی۔'' فریحہ بلکتے ہوئے بولی تھیں۔ علی صاحب نے گھر فون کر کے شہناز کو مختصراً صورتحال بتا کر انہیں ہاسپٹل پہنچنے کا کہا تھا۔ وہ ان دونوں کو دلاسہ دیتا ارمان کی تلاش میں نکلا تھا جو اسے کاریڈور میں مل گیا تھا اور اس کے کاندھے سے لگ کر بری طرح رونے لگا تھا۔

''حوصلہ رکھو ارمان، ہمت ہار دینے سے کچھ نہیں ہوگا۔'' ضبط سے گزرتے ہوئے اس نے دوست کو دلاسہ دیا تھا۔

''سالار مجھے لگ رہا ہے جیسے کوئی میری سانسیں چھین رہا ہے، اس کی حالت دیکھی ہے ناں تو نے اس کی۔ اس پر اس کی بکواس،

وہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ میں اس کے مرنے کے بعد بھابھی سے شادی کرلوں، کیسے کہہ سکتا ہے یہ وہ مجھ سے۔'' وہ سرخ آنکھیں اس کے لہو رنگ چہرے پر ٹکا گیا تھا۔

''جس عورت کو کبھی نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا کہ یہ میرے یار کی عزت ہے اور وہ مجھ سے کہتا ہے کہ میں شادی کرلوں، کیسے، کیا سوچ کر اس نے یہ کہا۔'' یکدم اس نے لب بھینچ لیے تھے۔ کنپٹی پر سبز رگیں ابھر آئی تھیں، چہرے کی رنگت انتہائی سرخ ہوگئی تھی اور وہ آگے سے کچھ نہیں بولا تھا کہ وہ بھی دوہری اذیت میں تھا کہ ایک طرف دوست کی زندگی تھی تو دوسری طرف دوست کا فیصلہ جس سے اس نے بھی متاثر ہونا تھا کہ اس کی جان سے پیاری بہن ارمان کے نکاح میں تھی اور یہی بات تھی جو وہ مشہود کی لاچاری محسوس کرنے کے بعد بھی اس کے فیصلے کی حمایت نہیں کر پا رہا تھا وہ آگے سے کچھ کہنے کی پوزیشن میں ہی نہ تھا کہ اسے یمنیٰ آتی دکھائی دی تھی جس کی گود میں یمانی تھی اور آنسو گالوں کو تر کرتے جا رہے تھے۔ اسے دیکھ کر ارمان بڑی تیزی سے پلٹا تھا۔

''مشہود کی حالت بہت نازک ہے۔ ایسے تو چلا گیا اور اسے کچھ ہوگیا تو تُو خود کو کبھی معاف نہیں کر پائے گا۔'' اسے جاتے دیکھ کر بولا اور ان دونوں کے پیچھے چلنے لگا۔

''مریض کے بچنے کے پانچ فیصد بھی چانسز نہیں ہیں اس لیے آپ میں سے ارمان جو بھی ہیں وہ جا کر مریض سے مل لیں کہ وہ مستقل اسی نام کو پکارتے رہے ہیں۔'' وہ سب ساکت سے کھڑے تھے جب آئی سی یو کا دروازہ کھول کر ڈاکٹر باہر نکلا تھا اور کہہ کر نکلتا چلا گیا تھا۔ وہ روتی ہوئی آئی سی یو کی جانب دوڑ گئی تھی۔ ان سب نے ارمان کی طرف دیکھا تھا جو ہلا تک نہ تھا۔ سالار نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا اور وہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگا تھا اور وہ بنا کچھ کہے اس کا ہاتھ تھامے روم میں داخل ہوگیا تھا۔

''یمنیٰ، پلیز مت رو تم جانتی ہو نا، میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔'' قدم اندر رکھتے ہی اس کی آواز کانوں میں پڑی تھی۔

''میں آپ کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکتی مشہود۔'' وہ بری طرح بلکنے لگی تھی۔

''میں جا رہا ہوں یمنیٰ، میرے بعد اپنا، یمانی اور مما، پاپا کا خیال رکھنا۔'' اس کے لب ہلے تھے اور ان تینوں کی روح کانپ اٹھی تھی۔

''ایسے مت کہیں مشہود، آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔'' وہ بے قراری سے چیخی تھی۔

''میں نے تم سے کہا تھا یمنیٰ کہ اب میرے پاس وقت نہیں ہے، موت کی آہٹیں مجھے کافی عرصے سے سنائی دے رہی تھیں اور اب موت کا وقت قریب آیا ہے تو میں مرنا نہیں چاہتا۔'' اس نے آکسیجن ماسک ہٹا دیا تھا اور بہت آہستگی سے کہہ رہا تھا۔ ارمان کی بھیگی پلکیں اس کے حسرت و یاس کی تصویر بنے چہرے پر ٹھہر سی گئی تھیں۔

''تمہارا خیال میرے مرنے کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا ہے اسی لیے میری روح میرے جسم سے نکلنے کو تیار نہیں ہے جبکہ میری ہر سانس میرے لیے آزار بن چکی ہے۔ بہت اذیت میں ہوں۔ مجھے مت رو کو یمنیٰ، دعا کرو کہ میری روح جسم کا ساتھ چھوڑ دے مجھ پر موت مہربان ہو جائے۔'' اس کا لفظ لفظ ان تینوں کی روح چھلنی کر دینے پر تلا تھا اس نے لبوں پر ہتھیلی جما کر سسکیاں روکی تھیں۔ وہ تینوں صاف

محسوس کر پا رہے تھے کہ وہ کس قدر اذیت میں ہے۔

''ارمان! مشہود کو جان کنی کے مشکل مرحلے سے آزاد کردو کہ اس کی سانس تمہارے فیصلے میں اٹکی ہے جبکہ یہ بے مراد لوٹ گیا تو تم پچھتاوے کی آگ میں جل کر تمام عمر سکون کو ترسو گے۔'' اس کی حالت دیکھتے ہوئے وہ کسی فیصلے پر پہنچتا ہوا بولا تھا۔ اس کے آنسوؤں میں روانی آ گئی تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس کی اکھڑتی سانسیں وہ بری طرح رونے لگی تھی۔

''میں نے زندگی میں کبھی تیری کوئی بات نہیں ٹالی اور جسے کبھی مایوس نہیں کیا اسے بستر مرگ پر پڑے دیکھ کر میں مایوس کر ہی نہیں سکتا۔'' وہ اس کے سرہانے کھڑا بہتی آنکھوں سے بول رہا تھا۔

''میں چاہتا ہوں کہ تو زندہ رہے، میری دعا ہے کہ میری عمر بھی تجھے لگ جائے لیکن اگر آج تیرے یقین کو جیت ملی تو میرا وعدہ ہے مشہود میں وہی کروں گا جو تو چاہتا ہے۔ تیری آسودگی تیرا سکون اسی میں پوشیدہ ہے تو میں نہ چاہتے ہوئے بھی تیری خواہش کا مان رکھوں گا۔'' اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اس کے چہرے پر عجیب سا سکون جگہ بنا گیا تھا مگر لب اذیتوں کے ساتھ مسکرائے تھے۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس نے اپنی بات جاری رکھی تھی۔

''جتنی مشکلوں اور اذیتوں سے گزر کر تو نے یہ فیصلہ لیا، جس وقت سے اسے میں نے قبول کیا یہ ہم دونوں ہی جانتے ہیں مشہود مگر یاد رکھنا کہ اس فیصلہ کو نبھانا اور نبھاتے رہنا اس سے زیادہ میرے لیے اذیت ناک ہوگا اور میں اس میں ناکام ہو جاؤں تو تُو مجھے معاف کر دینا۔'' اس نے مشہود کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا اس کی آنکھیں بہنے لگی تھیں۔

''معاف تو مجھے تو کر دینا کہ میں نے اپنی خود غرضی میں تیرا اور تیرے بیوی بچوں کا نہیں سوچا اس وقت مجھے صرف اپنی بیوی او ربیٹی کا خیال ہے اور تجھے صرف اس لیے چنا کہ میں بھروسہ ہی صرف تجھ پر کر سکتا ہوں، مجھے یقین ہے کہ ایک واحد تو ہی ہے جو میری بیٹی کا مجھ سے زیادہ بہتر باپ بن سکتا ہے۔'' اس کی سانسیں پھر اکھڑنے لگی تھیں۔ یمنیٰ بری طرح چلانے لگی تھی جتنی دیر میں ڈاکٹر آیا تھا وہ دوست کے وعدہ کر لینے پر مطمئن ہوتا اس کا ہاتھ تھامے نگاہ بلکتی ہوئی یمنیٰ پر ٹکائے اپنی سانسیں ہار گیا تھا۔ ہاسپٹل یمنیٰ کی چیخوں سے گونج اٹھا تھا۔ مشہود کی آخری رسومات انہوں نے جس دل سے کی تھیں یہ بس وہی جانتے تھے۔ جواں موت پر ہر آنکھ اشکبار تھی جبکہ ارمان جتنا رویا تھا بس اس کی زندگی تک اس کے سامنے رویا تھا اس کے بعد وہ ہر کام مشینی انداز میں کر رہا تھا اسے کاندھا دیتے ہوئے اسے یاد آیا تھا کہ اس نے کیسے اسے بلیک میل کر کے اپنی شادی میں آنے پر مجبور کیا تھا اور اس کے نہ چاہنے کے باوجود بھی دوستی کو رشتہ داری کے اسرار و رموز سکھا دیئے تھے۔ آنا جانا، ملنا جلنا ہونے لگا تھا یہ اور بات تھی کہ وہ علی ہاؤس کم جاتا تھا وہی اکثر شیرازی ولاز آ جاتا تھا اور وہ جاتے جاتے بھی اپنی منوا گیا تھا مگر ہر بار وہ چاہتے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی ضد کو دل سے نہیں تو دماغ سے قبول کر لیتا تھا مگر اب کی اس کی ضد نہ دل قبول کر رہا تھا نہ دماغ اور اس کی آخری رسومات بھی اسی گتھی میں الجھ کر کی تھیں۔ وہ آنے والے وقت سے خوفزدہ تھا۔ وہ شخص خوفزدہ تھا جس نے ہمیشہ آر یا پار کے حالات سے نبرد آزمائی کی تھی کہ ناممکن کا لفظ اس نے اپنی زندگی میں کبھی آنے نہیں دیا تھا مگر نہیں جانتا تھا کہ اس کی یہی طاقت

اس کا دوست اس کی کمزوری بنا کر فائدہ اٹھائے گا۔ایک قیامت ان سب پر گزر گئی تھی ایک قیامت ابھی آنی تھی۔

☆......☆......☆

''فار گاڈ سیک نیناں، کہا ناں میں نے کہ مجھے بھوک نہیں ہے۔''اس نے بری طرح اسے جھڑک دیا تھا وہ حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی تھی کیونکہ اس برے لہجے میں وہ پہلی دفعہ کچھ بولا تھا اس کی آنکھیں پانیوں سے بھرتی چلی گئی تھیں۔

''آئی ایم سوری۔''اس کی بہتی آنکھیں اسے اپنی غلطی کا احساس دلا گئی تھیں۔

''اگر مجھ سے کوئی شکایت ہے، کوئی گلہ ہے تو کہیے مجھ سے ارمان، بٹ یوں مس بی ہیومت کیجیے، مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔''

اس کے آنسوؤں میں روانی آ گئی تھی اور وہ شرمندگی سی محسوس کرنے لگا تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔میں کچھ ڈسٹرب تھا بس اس لیے......''اس کا ہاتھ تھام کر وضاحت دینے لگا تھا کہ وہ ہاتھ چھڑا گئی تھی۔

''جھوٹی وضاحتیں نہیں پسند مجھے۔''وہ ایک ناراض نظر اس پر ڈال کر کمرے سے ہی نکل گئی تھی اور وہ بیڈ پر گر سا گیا تھا۔

آج مشہود کا چہلم تھا اور جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا اس کے اندر عجیب سی وحشت دوڑنے لگی تھی اور اس کے اندر پلتا اضطراب ہی تھا جس کے سبب وہ آج کل اس سے کچھ کھچا کھچا سا تھا جسے وہ محسوس کرتی آج اپنی غلطی بھی پوچھ گئی تھی مگر وہ کیا کہتا کہ آج کل وہ کن مشکلات سے دوچار ہے۔یونہی کرتے پورے پانچ مہینے گزر گئے تھے۔اس میں دوست سے کیے وعدہ کو وفا کرنے کی ہمت نہ تھی کہ اسے مشہود خواب میں نظر آنے لگا تھا۔اس کو سوگوار پا کر اس کی بے چینی میں اضافہ ہو گیا تھا لیکن فیصلہ ابھی بھی نہیں کر پا رہا تھا کہ اس نیناں کی بھی فکر تھی اور سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دوست سے جو وعدہ کیا تھا اسے عملی تشکیل دینے کے لئے اس کے پیرنٹس سے ہی بات کرلے تو کیسے؟ وہ اس ساری الجھن میں تھا کہ مشہود کی والدہ بیمار ہو گئی تھیں۔ان کی عیادت کو پہنچا تھا تو پہلا ٹاکرا مشہود کی ننھی شہزادی سے ہو گیا تھا۔

''ہیلو یمانی۔''

سیڑھیوں پر بیٹھی یمانی نے جانی پہچانی آواز پر گھٹنوں پر سے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔اس کے متورم چہرے اور بھیگی پلکوں کو دیکھ کر جہاں وہ پریشان ہوا تھا وہیں ارمان کو دیکھ کر اس کی نم پلکوں میں چمک سی اتر آئی تھی۔

''یمانی، یہاں اکیلے کیوں بیٹھی ہے۔''اس نے برابر ٹکتے ہوئے نرمی سے پوچھا تھا۔

''انکل، سب کہتے ہیں میرے پاپا مر گئے ہیں۔وہ اب کبھی نہیں آئیں گے۔وہ کیوں نہیں آئیں گے انکل؟''وہ ہچکیوں سے روتی اسے ہوا میں معلق کر گئی تھی۔

''انکل، پاپا سے کہیں وہ واپس آ جائیں۔ان کی یمانی کو ان کی ضرورت ہے۔میں انہیں مس کر رہی ہوں۔''وہ زور و شور سے رو رہی تھی اور اسے اپنے خواب یاد آنے لگے تھے اس نے کسی ایک خواب میں بھی مشہود کو خوش نہیں دیکھا تھا۔

''جب سے بیٹی کا باپ بنا ہوں اس کے مستقبل کی فکر ستانے لگی ہے۔ڈر لگنے لگا ہے مجھے ارمان کہ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو میری

یمانی کا کیا ہوگا؟ اور آج کل تو ہر لحظہ یہی لگتا ہے جیسے مجھے کچھ ہونے والا ہے۔ اگر میں نہ رہوں تو پلیز میری یمانی کا خیال رکھنا۔''

وہ آگے سے اور بھی کچھ بول رہی تھی مگر وہ ماضی کی بھول بھلیوں میں کھو سا گیا تھا کہ یمانی کی پیدائش کے بعد وہ کچھ سنجیدہ ہو گیا تھا اور وقتاً فوقتاً اس کے سامنے اپنے دل کی بات کہہ دیتا تھا اور آج اس کی کہی باتیں یاد کیا آئی تھیں کہ وہ کسی فیصلے پر پہنچ گیا تھا اور اس نے یمانی کے آنسو پونچھے اور اسے گود میں اٹھائے گھر کے اندرونی حصے میں آ گیا۔

''انکل، مجھے آپ لوگوں سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' خیر خیریت دریافت کرنے کے ساتھ ہی غیر معمولی سنجیدگی سے بولا تھا اور وہ چونکے ضرور مگر بولے کچھ نہیں اور اس نے بنا تمہید باندھے بہت طریقے سے چند لفظوں میں اپنا مدعا ان کے سامنے رکھ دیا تھا۔

''مشہود چاہتا تھا کہ میں یمانی کو اپنی پپتا کے سائے میں لے لوں اور میں اسی لیے یمانی کی ماں سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔''

کوئی بم تھا جو ان کی سماعتوں پر آن گرا تھا۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا، جانتے بھی ہو کیا کہہ رہے ہو۔'' فریحہ ناگواری سے بولی تھیں۔

''میں نے جو کچھ کہا وہ پورے ہوش و حواس میں سوچ سمجھ کر کہا ہے۔'' وہ بڑے ضبط سے بولا تھا اور فریحہ بیٹھے سے کھڑی ہو گئی تھی اور اس پر غصہ ہونے لگی تھیں کہ وہ حیرانگی و بے یقینی سے سب کچھ بھول کر شوہر کو دیکھنے لگی تھیں۔

''مجھے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے اس لئے جب چاہو نکاح خواں لے آؤ میں بہ خوشی یمنیٰ کو تمہارے ساتھ رخصت کر دوں گا۔''

وہ بے یقینی سے علی صاحب کو دیکھ رہا تھا۔

''کیا ہو گیا ہے آپ کو، کیا بول رہے ہیں آپ؟'' فریحہ نے ناگواری سے کہا تھا۔

''تم راضی ہو یا محض ایک بات کہہ گئے ہو؟'' اس کی بے یقینی سے ٹھہری آنکھوں میں دیکھ پوچھ گئے تھے۔

''میں کتنا سنجیدہ ہوں یہ جاننا چاہتے ہیں تو میں ابھی قاضی بلا لیتا ہوں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا تھا۔

''پرسوں نمازِ جمعہ کے بعد یہ فریضہ سرانجام دینا مناسب رہے گا۔'' انہوں نے سب کچھ خود ہی طے کر دیا تھا اور ان کی برداشت جواب دے گئی تھی۔ وہ مخالفت میں چیخنی ہی تھیں کہ وہ بول پڑے تھے۔

''تم کچھ نہیں جانتیں فریحہ، اس لیے بہتر ہوگا کہ خاموش رہو۔'' ناگواری سے بیوی کو دیکھ رہے تھے کہ ان کے چیخنے پر یمنیٰ بدحواس سی دوڑی چلی آئی تھی۔

''میں کیا نہیں جانتی؟ اور آپ ایسا کیا جانتے ہیں جو اس بدنیت شخص کا لمحہ ضائع کیے بنا پرپوزل ایکسپٹ کر گئے۔ دوست کا کفن بھی میلا نہیں ہوا اور اس کی بیوی پر بری نظر۔''

''بکواس بند کرو فریحہ۔'' وہ بیوی پر ہاتھ اٹھا گئے تھے مگر اٹھا ہاتھ ہوا میں ہی معلق رہ گیا تھا اور وہ بری طرح دھاڑے تھے۔

''ارمان نے یمنیٰ کا پرپوزل اپنی کسی خواہش کے پیشِ نظر نہیں دیا بلکہ مرتے ہوئے دوست سے کیے عہد کو نبھانے کے لئے دیا ہے۔''

وہ تینوں ہی حیرانگی سے انہیں دیکھ رہے تھے کہ ارمان لاعلم تھا کہ علی صاحب اس سارے قصے سے واقف ہیں اور وہ بیٹے سے ہوئی آخری بات ان تینوں کے گوش گزار کرنے لگے تھے۔

''پاپا! مجھ سے وعدہ کریں کہ میرے بعد آپ یمنیٰ کا ارمان سے نکاح پڑھوا دیں گے۔'' وہ بیٹے کی غیر متوقع بات پر حیرانگی سے اس کی شکل دیکھنے لگے تھے۔

''ہوش میں تو ہو کیا بول رہے ہو تم۔'' حیرانگی سے نکل کر ڈپٹا تھا۔

''ہوش میں تو ہوں بابا، بٹ وقت نہیں ہے میرے پاس۔'' وہ بے بسی سے بولا تھا اور انہوں نے بیٹے کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''ایسی باتیں نہ کرو تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔'' جوان بیٹے کو یوں زخم زخم دیکھنا بھی دل گردے کا کام تھا ضبط کرتے بھی ان کی آنکھیں چھلک اٹھی تھیں۔

''پاپا، چاہتا ہوں کہ مجھے کچھ نہ ہو مگر جانتا ہوں وقت نہیں رہا میرے پاس اور اسے میری آخری خواہش سمجھ لیں پاپا، آپ کو میری قسم۔'' اس نے یکدم بہت بوڑھے باپ کو بے کسی سے دیکھا تھا۔

''یہ کیسی خواہش ہے بیٹا، تمہاری یہ خواہش ہم پوری نہیں کر پائیں گے، نہ یمنیٰ راضی ہوگی نہ ہی ارمان مانے گا۔ اس کا اپنا ایک خوشحال گھرانہ ہے۔ سب کچھ بکھر جائے گا۔ ایسی خواہش نہ کرو جو رشتوں میں دلوں میں دوریاں لے آئے۔'' انہوں نے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''پاپا! جانتا ہوں لیکن میرے بعد یمانی کا کیا ہوگا؟ میں اپنی یمانی کے لیے خود غرض بن گیا ہوں کہ میں ایک ارمان ہی ہے جس پر بھروسہ کر سکتا ہوں اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ میری خواہش کو پورا کرنے میں ارمان کا ساتھ دیں گے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ارمان چاہے ابھی خفا ہو کر چلا گیا ہے لیکن وہ مجھے مایوس نہیں کرے گا کہ میری موت کے بعد یمنیٰ یا میری بیٹی دُکھی ہوئے تو میری روح کبھی چین نہیں پا سکے گی۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ مجھے سکون نصیب ہو تو پلیز وعدہ کریں کہ آپ یمنیٰ کی ارمان سے شادی کروا دیں گے۔''

علی صاحب کے آنسو ساری بات بتاتے ہوئے مستقل بہہ رہے تھے اور وہ منہ پر ہاتھ رکھے اپنی سسکیاں روکنے کی کوشش میں بری طرح ناکام ہوتی بری طرح سسک رہی تھی۔

''میں یہ سب نہیں چاہتا تھا مگر مرتے ہوئے بیٹے سے وعدہ کیا تا کہ وہ سکون سے مر جائے۔'' وہ چہرہ ہاتھوں چھپائے رو رہے تھے۔

''اور آج جب ارمان نے یہ بات کی تو میں نے مخالفت نہیں کی بلکہ میں تو اس کا احسان مند ہوں کہ اس نے میرے بیٹے سے کیے عہد کو نبھانے کے لئے اپنی گرہستی کے بارے میں نہیں سوچا اور سب کی نظروں میں برا بن گیا۔'' خود کو کمپوز کر کے بولے تھے۔

''انکل! یہ میں جانتا ہوں یا میرا خدا کہ میں نے مشہود سے عہد کس طرح کیا تھا اور کس دل سے یہ بات آپ سب کے سامنے کہی

ہے۔ میرا اللہ گواہ ہے کہ میں اس سب کے لئے نہ دل سے راضی ہوں نہ دماغ سے مگر یہ سب کر رہا ہوں تو صرف مشہود کے لیے کہ میں نے کبھی زندہ دوست کی کوئی بات نہیں ٹالی تھی تو زندگی سے ناتا توڑتے منجدھار میں پھنسے دوست کی آخری خواہش کا مان رکھنے کو کیے وعدے کو پورا کرنے میں کیسے آناکانی سے کام لے سکتا ہوں۔'' اس نے آستین کے کف سے آنکھیں رگڑتے ہوئے خود کو کمپوز کر کے کہا تھا۔

''اور میرے لیے تو یہی بات ہے کہ مشہود کو مجھ پر اعتبار تھا اور آپ کو میری نیت پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ آپ اس رشتے کے لئے راضی ہیں میں اسی جمعہ کو نکاح خواں کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔'' اس نے بات ختم کر کے جانے کے لئے قدم اٹھائے تھے۔

''لیکن مجھے اس رشتہ پر اعتراض ہے۔'' یمنیٰ کی آواز پر اس کے اٹھتے قدم تھم سے گئے تھے۔

''یمنی۔'' فریحہ نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

''کچھ مت کہیں آنی، میں مشہود کی بیوی تھی، کوئی زرخرید غلام نہیں کہ انہوں نے میری مرضی جانے بغیر میری زندگی کا اتنا اہم فیصلہ کر دیا۔'' وہ اذیت سے چیخی تھی۔

''اور آپ مسٹر ارمان شیرازی صاحب، آپ سے آپ کے دوست نے کہا کہ وہ مر جائے تو آپ اس کی بیوہ سے شادی کر لیں آپ بہ خوشی راضی ہو گئے لیکن یاد رکھیے گا آپ کہ وعدہ آپ نے کیا ہے میں نے نہیں اس لئے مجھے آپ سے شادی نہیں کرنی ہے۔ بہتر ہوگا کہ آپ یہاں سے چلے جائیں اور آئندہ کبھی بھول کر بھی یہاں مت آیئے گا ورنہ میں بھول جاؤں گی کہ آپ مشہود کے دوست ہیں۔'' وہ قہر آلود نگاہوں سے دیکھتی پھنکار رہی تھی۔

''میں نے مشہود سے وعدہ کیا ہے اور میں اب مر تو سکتا ہوں دوست سے کیے عہد سے پھر نہیں سکتا اس لیے بہتر ہوگا کہ آپ خود کو اس سب کے لیے راضی کر لیں۔'' اس کی سنجیدگی میں ذرا برابر فرق نہیں پڑا تھا۔

''میرے لیے کیا بہتر ہے کیا نہیں میں اچھے سے جانتی ہوں اور جہاں تک آپ کے وعدہ کا تعلق ہے تو آپ نے اپنی سی کوشش کر لی، آپ وعدے سے آزاد ہو گئے، روزِ محشر مشہود آپ کا گریبان نہیں تھامیں گے۔ میں آپ کو اس وعدے سے آزاد کرتی ہوں۔'' وہ درشتگی سے کہہ رہی تھی۔

''مشہود بخوبی جانتا تھا کہ میں بیچ میدان میں سے فرار ہونے والوں میں سے نہیں ہوں آخری سانس تک لڑنے والوں میں سے ہوں اس لیے اب ایک میری موت ہی ہے جو اس کام کو روک سکتی ہے وگرنہ آپ کا انکار میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا اس لیے ہوگا وہی جو مشہود چاہتا تھا۔'' اس کا وہی سابقہ غیر معمولی سنجیدہ انداز تھا۔

''بکواس بند کریں آپ اپنی، جب میں آپ کو مشہود سے کیے وعدے سے دستبردار کر رہی ہوں تو کیوں آپ ایک ہی بات کی گردان کیے جا رہے ہیں؟ دوست سے وعدہ نبھانے کی آڑ میں اگر اپنی کسی خواہش کی تکمیل چاہتے ہیں تو کان کھول کر سن لیں مسٹر ارمان شیرازی، کہ میں نے صرف مشہود سے محبت کی ہے، میری زندگی میں آنے والے پہلے اور آخری مرد صرف مشہود تھے۔ وہ نہیں رہے تو میں ان

کے نام پر تمام عمر گزار سکتی ہوں آپ یہاں سے چلے جائیں۔'' وہ حلق کے بل چلائی تھی مارے اہانت کے اس کی رنگت دہک اٹھی تھی۔

''مجھے فرق نہیں پڑتا کہ آپ سارے قصے کو کس طرح لیتی ہیں۔ اسے میری مجبوری سمجھتی ہیں یا خواہشات کا ذریعہ، چاہے آپ یا دنیا والے مجھ پر کتنی ہی انگلیاں اٹھائیں، میری نیت، میرے کردار پر شک کریں ہوگا وہی جو مرتے ہوئے مشہود کے سامنے طے ہوا تھا۔'' وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا نکلتا چلا گیا۔

''میں آپ کو اس سب کے لیے کبھی معاف نہیں کروں گی خالو جان کہ یہ شخص صرف آپ کی شہہ پر اتنی اکڑ سے مجھے دھمکی دے گیا ہے اگر آپ مخالفت کرتے، میرا ساتھ دیتے تو اس کی اتنی ہمت ہی نہ بڑھتی۔'' اس نے سسکتے ہوئے علی صاحب کو دیکھ کر کہا تھا۔

''میں مخالفت کرنا چاہتا تھا مگر میں نے اس کو تقدیر کا لکھا سمجھ کر قبول کر لیا ہے۔'' انہوں نے دھیمے سے مخالفت نہ کرنے کی وجہ بیان کی تھی۔

''مشہود کی موت کا فیصلہ اللہ کا تھا اور ارمان اور تمہاری شادی کا فیصلہ بھی اسی رب کا ہے اور ہم انسان خود سے، رشتوں سے، ایک دوسرے کے فیصلوں سے تو بھاگ سکتے ہیں مگر خدا کے کیے فیصلوں سے نہیں اسی لیے ہم چاہ کر بھی مشہود کو روک نہیں سکے اور اگر تمہاری تقدیر میں دوبارہ دلہن بننا لکھا ہے تو تمہارے نہ چاہنے کے باوجود بھی یہ کام ہوگا اس لیے اگر چاہو تو بغیر واویلا کیے خود کو تقدیر کے دھارے پر چھوڑ دو ورنہ تمہارے نہ چاہتے ہوئے بھی زبردستی تقدیر تمہیں خود اپنی من پسند زندگی کی طرف گھسیٹ لے گی لیکن یاد رکھنا یمنیٰ کہ خدا کے فیصلوں پر بلا چوں چرا بہ خوشی مان لینے والے ہی پرسکون رہتے ہیں اور نعوذ باللہ خدا کے فیصلوں اور تقدیر سے جنگ کرنے والے کبھی سکون نہیں پاتے۔ اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ کر صبر کر لو جو اللہ کرے گا تمہارے حق میں بہتر ہی ہوگا۔'' وہ بیٹے کی موت کے بعد اس سارے قصے کو کافی سوچ چکے تھے اور اس سب میں کوئی برائی بھی نہ تھی اس لیے وہ مطمئن تھے اور کیوں مطمئن ہوئے تھے یہی راز بہو کو بتا دیا تھا وہ سمجھی یا نہیں یہ وقت نے طے کرنا تھا۔

☆......☆......☆

''کھانا لے آؤں آپ کے لیے؟'' وہ جس وقت گھر پہنچا ساڑھے گیارہ ہو رہے تھے۔

''اوہوں، نہیں بھوک نہیں ہے۔ ایک کپ چائے مل جائے گی۔''

وہ اس کی بے تاثر آنکھیں خود پر جمی دیکھ کر پریشان ہوگئی تھی کہ وہ جس وقت روم میں داخل ہوا وہ شاور لے کر نکلی تھی اور گرمیوں کی آمد کے بعد آج پہلی دفعہ اس نے پنک کلر کی مہین نائٹی پہنی ہوئی تھی اور اسے دیکھ کر فطری طور پر جھجک کا شکار ہوئی تھی۔ جسم کا سارا خون چہرے پر سمٹ آیا تھا مگر اس نے ایک نگاہِ غلط اس پر نہ ڈالی تھی اور وہ نروسنیس بھولی اس کے قریب چلی آئی تھی۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ارمان؟'' وہ تمام جہانوں کی فکر لہجے میں سموئے اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے نگاہ اٹھائی تھی۔

''اوہوں، بس سر میں تھوڑا درد ہے۔'' متناسب سراپے والی نیناں شیرازی نکھری نکھری دلکش لگ رہی تھی۔ اتنی دلکش کہ بڑے

بڑے عابد وزاہد بہک جائیں مگر اس کی نگاہ ٹھٹکی تک نہ تھی کہ وہ محض جسمانی طور پر وہاں اس کے سامنے موجود تھا اس کا ذہن جیسے مفلوج ہو چکا تھا۔ وہ سوچنے، سمجھنے اور محسوس کرنے کی ہر ایک صلاحیت علی ہاؤس کے لاؤنج میں چھوڑ آیا تھا اس لیے بیوی کا قاتلانہ روپ اس پر کوئی بھی اثر ڈالنے میں ناکام ٹھہرا تھا اور اس کی شدتوں کی عادی لحہ لحہ فدا ہوتے انداز کی عادی نیناں پلکوں کو بھیگنے سے بچا نہیں پائی تھی۔

''ارمان، بہت بدل گئے ہیں۔ اب انہیں میری پرواہ نہیں رہی۔'' اس کا تکیہ تیزی سے بھیگ رہا تھا اور وہ بھی کروٹ بدلے بے خوابی کا شکار تھا۔ دوسری شادی کے فیصلے کو اسے بتانے کے لیے لفظ چنتا بے چینی سے پڑا تھا۔

''میں تمہیں دکھ نہیں دینا چاہتا مگر بہت مجبور ہوں۔'' لفظ منتخب کر کے کروٹ لی تھی کہ وہ اس کی پیش رفت کے انتظار میں روتے روتے ہی سو گئی تھی اس کے چہرے پر نگاہ جمائے اس کے احساسات لوٹنے لگے تھے متورم چہرہ اور پلکوں پر اٹکے موتی، اس کا دل لہو ہونے لگا۔ دھیمے سے کہہ کر پیشانی پر بوسہ دیا اور کمرے سے ہی نکل گیا۔

''نیناں! میں نے یمنیٰ سے شادی کر لی ہے۔''

یمنیٰ کو دیکھ کر وہ خوشی کا اظہار کرتی آگے بڑھی تھی کہ یمانی کی انگلی تھامے یمنیٰ سے ذرا فاصلے پر کھڑے ارمان کے انکشاف پر اس کے قدم لڑکھڑا گئے تھے اور بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی تھی اور اس کی نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے ارمان نے یمانی کی انگلی چھوڑی اور حیران پریشان کھڑی ماں سے بولا۔

''مام! آپ انہیں کمرے میں لے جائیں۔'' سائرہ بیگم کچھ بولنا چاہتی تھیں مگر بیٹے کی ملتجی نگاہ دیکھ کر گہری سانس کھینچتی یمانی کی انگلی تھامے اسے آنے کا کہتیں آگے بڑھ گئی تھیں۔ وہ چند ثانیے اس کے اجنبی ہو جانے والے چہرے کو دیکھ کر اندھا دھند وہاں سے بھاگی تھی اور وہ وہیں صوفے پر ڈھے گیا تھا۔

''تم نے اتنا بڑا اقدم نیناں کے علم میں لائے بغیر کیسے اٹھا لیا۔'' اس نے نکاح سے پہلے تمام بات ماں کو بتا دی تھی اور انہوں نے اس سب کی مخالفت کی تھی مگر وہ نہیں جانتی تھیں کہ ساری بات ان کے گوش گزار کرنے کے محض دو گھنٹے بعد وہ اس سب کو عملی جامہ پہنا کر بیوی لا کر ان کے سامنے کھڑی کر دے گا۔

''نیناں، اس سب کے لئے کبھی راضی نہ ہوتی اور یہ سب کرنا میرے لئے ناگزیر تھا اسی لیے میں کمزور نہیں پڑنا چاہتا تھا کہ وہ نہیں مانتی تب بھی میں نے یہ کام کرنا ہی تھا اور جب اس کی مرضی معنی رکھتی ہی نہ تھی تو مجھے یہی مناسب لگا کہ میں اس کے علم میں لائے بغیر یہ سب کر لوں۔'' اس کی آنکھوں کی سرخی کئی گنا بڑھ گئی تھی وہ کچھ کہتیں کہ وہ دونوں ہی ابران کے رونے کی آواز پر چونک اٹھے تھے۔

''ابران بیٹا! کیا ہوا ہے؟ کیوں رو رہے ہو دادی جان۔'' انہوں نے پوتے کو نزدیک بٹھاتے ہوئے شفقت سے پوچھا تھا۔

''ممی کے پاس جانا ہے۔'' منہ بسور کر بولا تھا۔

''ممی اپنے کمرے میں ہیں۔ تم چلے جاتے ممی کے پاس، اس میں رونے کی کیا ضرورت ہے۔'' ماتھے پر آئے بال ہٹائے تھے۔

''ممی ڈوراوپن نہیں کر رہیں۔'' وہ پھر رونے لگا تھا۔ سائرہ بیگم نے بیٹے کی طرف دیکھا جو لمحہ ضائع کیے بنا اٹھا اور دیوانوں کی طرح اپنے کمرے کی طرف دوڑ گیا۔

''فار گاڈ سیک نیناں۔ دروازہ کھولو۔'' دروازہ پیٹنے کے باوجود آہٹ تک نہ ہوئی نہ ہی اس نے آگے سے کچھ کہا۔

''نیناں! تم دروازہ کھول رہی ہو یا میں توڑ دوں؟'' کوئی جواب نہ پا کر وہ جس دم دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوا اسے بیڈ پر اوندھا پڑے دیکھ کر تیر کی تیزی سے اس کی طرف لپکا اور سیدھا کیا۔ وہ بے ہوش تھی اور اس کی دائیں کلائی سے خون بڑی تیزی سے نکلتا چادر میں جذب ہو رہا تھا۔

''یہ کیا کر دیا تم نے پاگل لڑکی۔'' وہ تڑپ کر اس پر جھکا تھا، گال تھپتھپایا تھا کوئی حرکت نہ پا کر خون اگلتی کلائی پر دوپٹہ لپیٹا اور اسے بازوؤں میں اٹھائے ہاسپٹل دوڑ گیا۔

☆......☆......☆

''جان لینی تھی تو میری لیتیں، خود کو نقصان کیوں پہنچایا۔'' ڈاکٹر کی اجازت ملتے ہی کمرے میں آیا اور بیڈ کے کونے پر ٹکتے ہوئے نرمی سے بولا تھا۔

''آپ کی جان میری کب رہی ارمان، آپ صرف میرے تو نہیں رہے جو حق سے آپ کی جان لے لیتی۔'' اس کے آنسو روانی سے بہنے لگے تھے۔

''تمہاری جان تمہاری کب ہے؟ جو تم اپنی جان لینے چلی تھیں، تمہیں کچھ ہو جاتا تو......؟'' ڈپٹنے والے انداز میں کہتے ہوئے اس کا ہاتھ تھامنا چاہا تھا۔

''میری جان صرف میری ہے، آپ کا کوئی حق نہیں رہا مجھ پر۔'' وہ ہذیانی انداز میں چیخی تھی اتنی بری طرح سے کہ ہانپ گئی تھی۔ خون بہت بہہ گیا تھا اسی لحاظ سے کمزوری تھی۔

''جو سزا دینی ہے مجھے دو، خود کو تکلیف نہ دو کہ اگر آج تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں جیتے جی مر جاتا۔'' پیشانی پر ہاتھ رکھنا چاہا تھا مگر وہ اس کا ہاتھ جھٹک گئی تھی۔

''جیتے جی تو مجھے مار دیا ہے آپ نے اور سزا کی بات کرتے ہیں تو پہلے تو یہ بتائیے کہ آپ نے مجھے کون سے جرم کی پاداش میں اتنی بڑی سزا دی ہے؟'' وہ بری طرح سسک رہی تھی۔

''میرا وجود خلاء میں معلق کر دیا ہے آپ نے اور مجھے تکلیف دے کر کہتے ہیں کہ میں تڑپوں بھی نہیں، چلے جائیں یہاں سے ارمان، میں آپ کو اس سب کے لیے کبھی معاف نہیں کروں گی اور نہ ہی مزید اب آپ کے ساتھ رہوں گی، مجھے ڈائیورس دے دیں ارمان۔'' وہ روتے ہوئے کہتی اس کی جان نکال لے گئی تھی۔

''جان مانگ لو، میرے جرم کی پاداش میں سنگسار کردو، جو چاہے سزا دے دو مگر یہ نہیں نیناں، یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔'' وہ اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں تھام گیا تھا۔

''میں شراکت برداشت نہیں کرسکتی ارمان شیرازی، آپ کو مجھے طلاق دینی ہی ہوگی۔'' وہ ہاتھ جھٹکتی ارمان سے ارمان شیرازی کا سفر کرتی چیخی تھی۔

''کہا نہ، جان مانگ لو مگر طلاق نہیں۔'' شانوں سے تھام کر جھنجوڑا تھا۔

''مجھے اب آپ کے ساتھ کسی بھی قیمت پر نہیں رہنا ہے اور آپ نے اگر مجھے ساتھ لے جانے اور زبردستی خود سے باندھے رہنے پر مجبور کیا تو میں خود کو نقصان پہنچالوں گی اور یاد رکھیے گا کہ میں ہر بار ناکام نہیں ہوں گی۔'' بے لچک لہجے میں کہتی بیڈ سے اترنے لگی تھی۔

''کیوں کررہی ہو ایسی باتیں۔'' اسے روکتے ہوئے بے بسی سے پوچھا تھا۔

''میں نے پوچھا آپ سے ارمان شیرازی کہ آپ نے کیوں کی دوسری شادی؟'' اس کا ہاتھ جھٹک کر اس کے مقابل کھڑے ہوتے ہوئے بولی تھی۔

''جب میں جواب طلبی کا حق رکھتے ہوئے ایسا نہیں کررہی تو آپ کے تو میں اب سے کوئی حقوق ہی نہیں مانتی، ہمارے درمیان جو کچھ تھا وہ ختم ہوا۔'' وہ ایک بے تاثر نگاہ اس پر ڈالتی وہاں سے نکلنے کو تھی کہ وہ راہ میں آ گیا تھا۔

''گھر چلو، گھر چل کر بات......''

''بات کرنے کو کچھ نہیں رہ گیا۔ میں آپ کے ساتھ اب شیرازی ولاز نہیں آؤں گی، میں اپنے پاپا کے گھر جارہی ہوں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔'' اس نے ارمان کو بات تک مکمل کرنے نہیں دی تھی۔

''میں تمہیں مصطفیٰ ہاؤس ڈراپ کردیتا ہوں، تمہارا غصہ اتر جائے گا تب بات کریں گے۔'' اس نے ہتھیار ڈالے تھے۔

''میں خود جاسکتی ہوں مسٹر ارمان شیرازی۔ آپ کو اب زحمت نہیں دوں گی۔'' اس نے اپنی آنکھیں رگڑی تھیں۔

''بہت ہوگئی بکواس نیناں، میری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس کی برداشت جواب دے گئی تھی۔

''چلائیے مت، میں ایسے لہجوں کی عادی بالکل نہیں ہوں۔'' آنسوؤں میں روانی آ گئی تھی۔

''ایکسٹریملی سوری، بٹ تم خود سوچو یہ جگہ فیملی ایشوز پر بات کرنے کے لئے انتہائی نامناسب ہے۔ لڑنا جھگڑنا ہے ناں، گھر چلو، گھر چل کر لڑ جھگڑ لینا۔''

بچوں کی طرح بلکتی ہوئی بیوی کو خود سے لگا کر نرمی سے پچکارا تھا مگر اس نے اس کا حصار بے دردی سے توڑا اور لپک کر ٹیبل پر رکھی فروٹ باسکٹ کے ساتھ رکھی چھری اٹھالی۔

''آپ ایک لمحہ ضائع کیے بنا مجھے میرے حال پر چھوڑ کر چلے جائیں ورنہ میں خود کو ختم کرلوں گی۔'' سیدھے ہاتھ میں چھری

تھامے نوک بائیں ہاتھ کی کلائی پر جمائے ہذیانی انداز میں چیختی اس کی جان نکال لے گئی تھی۔

''یہ کیا حماقت ہے نیناں، چھری واپس رکھو۔'' آگے بڑھتے ہوئے بولا تھا۔

''آپ یہاں سے چلے جائیں گے تو رکھ دوں گی۔'' اس کے انداز میں ضد سی تھی۔

''اپنا نہیں میرا نہیں، کم از کم ابران کا تو سوچو۔'' بے بسی کی انتہاؤں پر تھا۔

''آپ نے سوچا تھا ابران کے بارے میں؟ جو میں سوچوں؟ آپ میری ضد جانتے ہیں ارمان، ایک لمحہ مزید آپ میرے سر پر سوار رہے تو میں اپنی جان لے لوں گی۔''

اس نے ایک نظر اس کے زرد چہرے پر ڈالی اور بے بسی سے ہتھیار ڈال دیئے۔

''ٹھیک ہے میں جا رہا ہوں تم مگر وعدہ کرو خود کو نقصان نہیں پہنچاؤ گی اور یہاں رہ کر سالار کے آنے کا انتظار کرو گی اور اس کے آنے کے بعد اس کے ساتھ مصطفیٰ ہاؤس چلی جاؤ گی۔'' بے چینی سے وعدہ چاہتا تھا۔

''میں آپ سے کوئی وعدہ نہیں کروں گی آپ جائیں ورنہ میں۔'' اسے گرفت مضبوط کرتے دیکھ کر وہ جھٹکے سے مڑا اور باہر نکل گیا اس نے چھری ہاتھ سے چھوڑی اور زمین پر گرتی چلی گئی۔ کمرے کے در و دیوار اس کی سسکیوں سے لرزنے لگے تھے اور اس نے باہر نکل کر سالار کا نمبر ڈائل کیا تھا اور اس کی سنے بغیر ہاسپٹل پہنچنے کا کہہ کر روم نمبر بتا کر لائن کٹ کر دی تھی اور کاریڈور میں ٹہلتے ہوئے اس کے آنے کا انتظار کرنے لگا تھا اور جس وقت وہ پہنچا اور کمرے میں داخل ہوا خالی کمرہ اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

''روم تو خالی ہے۔ نیناں کہاں ہے ارمان؟'' سالار کا سوال اس کے چودہ طبق روشن کر گیا تھا اور وہ کمرے کی جانب دوڑا تھا۔

''نیناں کو میں نے یہیں چھوڑ کر تمہیں کال کی تھی اور میں روم کے باہر ہی موجود تھا وہ ایسے کیسے کہیں جا سکتی ہے؟'' اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''نیناں کو ہوا کیا ہے۔ تم مجھے پوری بات کیوں نہیں بتا رہے؟'' پریشانی سے بولا تھا۔

''بات تمہیں بتانے سے زیادہ اہم ہے نیناں کو ڈھونڈنا کہ اس پر خون سوار ہے۔ وہ اپنی ہی جان کی دشمن بن گئی ہے۔ مجھے ڈر ہے وہ خود کو کوئی نقصان نہ پہنچا لے کہ وہ پہلے ہی یہ کوشش کر چکی ہے۔'' سالار کی پریشانی بڑھی تھی۔

''کیسی کوشش ارمان۔ کیا ہوا ہے تم دونوں کے بیچ؟'' اب کے قدرے سختی سے پوچھا تھا۔

''میں نے یمنیٰ سے نکاح کر لیا ہے۔'' وہ اتنا ہی بولا تھا اور باقی صورتحال وہ خود سمجھ گیا تھا۔

''میری نینو کو کچھ ہوا تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بہن کی محبت میں کہہ گیا تھا کہ اسے مزید تفصیل جاننے کی حاجت نہیں رہی تھی۔

''میں ہاسپٹل کی بیک پر دیکھتا ہوں، تم فرنٹ پر رہنا اور جیسے ہی نیناں ملے انفارم کر دینا۔'' اس نے کسی قسم کا ردِعمل ظاہر کیے بنا

حکمتِ عملی بیان کی اور بڑی تیزی میں آگے بڑھ گیا۔ جس وقت وہ سالار سے بات کر رہا تھا وہ دبے قدموں وہاں سے نکل گئی تھی۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے ہاسپٹل کے اطراف میں اندھیرا تھا اول تو وہ کبھی گھر سے اس طرح اکیلی نہیں نکلی تھی اور اس وقت تو اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ہی مفلوج سی ہوگئی تھیں اس لیے وہ بے خیالی میں بائیں جانب چل پڑی تھی اور کچھ دور جا کر اسے ایک آٹو آتا دکھائی دیا جسے اس نے پہلی فرصت میں ہاتھ دے کر روکا تھا اور رکشہ ڈرائیور کو مصطفیٰ ہاؤس کا ایڈریس بتا کر چلنے کا پوچھنے لگی جبکہ وہ اس کا بغور جائزہ لینے لگا تھا وہ اورنج کاٹن کے اسٹائلش سوٹ میں بکھرے بالوں اور متورم چہرے کے باوجود اپنے تیکھے نین نقش اور متناسب سراپے کے ساتھ اتنی دلکش اور حسین تھی کہ اس کی آنکھوں میں ہوس ناچنے لگی تھی اور اس نے لے جانے کی حامی بھر کر رکشہ اسٹارٹ کر دیا تھا لیکن اس کی مستقل خود پر جمی نگاہیں محسوس کرتے وہ غیر تحفظات کا شکار ہوتی رکشہ میں بیٹھنے کے بجائے دو قدم دور ہوگئی تھی۔

''کیا ہوا ہے میڈم، بیٹھو نا، میں لے جاؤں گا۔'' اس نے دانت نکوسے تھے۔

''نن، نہیں جانا۔'' وہ گھبرا کر بولی اور ارد گرد نظر دوڑانے لگی۔

''کیوں نہیں جانا، کہا نا میں تمہیں تمہارے مطلوبہ ایڈریس پر لے جاؤں گا۔'' وہ رکشہ سے اتر آیا تھا اور سنسان سڑک پر اسے اکیلا پا کر تر نوالہ سمجھتے ہوئے جرأت کا مظاہرہ کیا تھا اور اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے، چھوڑو میرا ہاتھ۔'' وہ خوف سے چلائی تھی اور وہ ہنسنے لگا تھا۔

''ہاتھ آئی نعمت ٹھکرا دوں، اتنا بھی ناشکرا نہیں ہوں۔'' خباثت سے کہتے ہوئے اسے رکشہ کی طرف گھسیٹا تھا اور وہ بے بسی سے چلانے لگی تھی۔

''ارمان۔'' سناٹے میں اس کی پکار کی بازگشت گونجی تھی اور اس نے گالی بکتے ہوئے اسے رکشہ میں دھکیل دیا تھا اور خود اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی مگر وہ رکشہ آگے بڑھا نہیں سکا تھا کیونکہ وہ بڑی تیزی سے رکشہ سے اتر گئی تھی اور آگے پیچھے دیکھے بغیر اس نے دوڑ لگا دی اور ساتھ ہی اسے بھی پکارتی جا رہی تھی جس سے ہر ناطہ توڑ کر اس سے بچنے کو بے سوچے سمجھے ہاسپٹل سے نکل آئی تھی۔

''ارمان۔''

کسی پتھر سے ٹھوکر کھا کر وہ منہ کے بل گری تھی، چیخ کے ساتھ ہی پھر صدا بلند ہوئی تھی۔

''ارمان۔''

گاڑی ڈرائیو کرتے ارمان شیرازی کو دور سے صدا آتی سنائی دی تھی اور اس کا پیر بریک پر جا پڑا تھا غور کرنے پر اس کے شک کو یقین ملا تھا اور نظر دوڑانے پر دو ہیولے سے دکھائی دیئے تھے اور اس نے دوڑ لگا دی تھی۔

وہ بڑی تیزی میں اٹھی تھی مگر وہ اس تک پہنچ گیا تھا۔

''دیکھو! میرے نزدیک بھی مت آنا ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔'' پیچھے کھسکتے ہوئے سسکی تھی اور وہ بلند و بانگ قہقہہ لگاتے ہوئے اسے

گرفت میں لینے کو آگے بڑھا تھا کہ اسے عین وقت پر ارمان نے دبوچ لیا تھا اور اسے لاتوں اور گھونسوں کی بارش سے ادھ موا کر دیا تھا وہ اسے نہ جانے مزید کتنا پیٹتا کہ اس کی نگاہ لرزتی ہوئی نیناں تک گئی تھی اور وہ آخری لات اسے رسید کرتا اس کے عین سامنے آرکا تھا اور اس پر تو اتنا شدید غصہ تھا کہ وہ کھینچ کر ایک تھپڑ لگا گیا تھا اور وہ تھپڑ کھا کر غصہ ہونے یا کسی قسم کا ری ایکشن دینے کے بجائے اس کے سینے میں سما گئی تھی۔

''تھینک گاڈ ارمان آپ آ گئے۔ میں بہت ڈر گئی تھی۔'' وہ بری طرح لرز رہی تھی۔

''ہاں تو اور ایسے نکلو اکیلے، سوچا ہے میں یہاں تک نہ پہنچ پاتا تو کیا ہوتا؟'' وہ اس کی حالت نظرانداز کیے اسے جھٹکے سے خود سے الگ کرتا دھاڑا تھا۔

''پپ...... پلیز ارمان، گھر چلیں، یہاں مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ پلیز گھر چلیں۔ مجھے گھر جانا ہے۔'' وہ اس کے بے دردی سے جھٹک دینے کے باوجود سسکتے ہوئے اس کے بازو دبوچ گئی تھی اور اس کے خوف کو دیکھتے ہوئے اسے خود کو کول ڈاؤن کرنا پڑا تھا ورنہ جو کچھ دیکھا تھا وہ سب اس کے اشتعال کے لیے بہت تھا۔ اسے فرنٹ سیٹ پر بٹھا کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی، سالار کو اس کے مل جانے کی اطلاع دے کر سیل فون ڈیش بورڈ پر ڈالا اور ریش ڈرائیونگ کرتا ولاز پہنچ گیا۔

''اب اترو بھی یا اپنے کارنامے پر بیٹھی روتی ہی رہو گی۔'' اس کو اترتے نہ دیکھ کر تپ کر درشتگی سے بولا تھا اور اس نے ایک ناراض نظر اس پر ڈالی اور گاڑی سے اتر کر دوڑ لگا دی۔

''تمہاری جیسی ہی احمق لڑکیاں ہوتی ہیں جو اپنا اور خود سے وابستہ لوگوں کا نقصان کرتی ہیں۔'' وہ اسے بخشنے کو بالکل تیار نہ تھا وہ بیڈ پر اوندھی پڑی بری طرح رو رہی تھی۔ اس کے باوجود وہ غصہ سے بولا تھا۔

''بس چپ کر جائیں اور کتنا سنائیں گے؟ ہو گئی غلطی، بٹ مجھے کیا پتہ تھا کہ وہ رکشہ ڈرائیور اتنا بدتمیز ہو گا۔ میں کتنا ڈر گئی تھی، رو رو کر آپ کو پکار رہی تھی اور آپ آ گئے تو مجھے ڈانٹتے ہی جا رہے ہیں جبکہ میں اس سے بچنے کو بھاگتے ہوئے گر گئی تھی، کتنا درد ہو رہا ہے میرے، بٹ آپ کو میری کوئی پرواہ ہی نہیں ہے۔'' وہ سیدھی ہوتے ہوئے سوں سوں کرتی بولی تھی اور اس کے بھیگے متورم سرخ چہرے کو دیکھتے ہوئے اس کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھتا چلا گیا۔

''آئی ایم سوری، تمہیں ہاسپٹل میں نہ پا کر میں بہت پریشان ہو گیا تھا اس لیے جب تم اتنی بری سچوایشن کے ساتھ ملیں تو مجھے تم پر غصہ آنے لگا اور میں ہارش ہو گیا۔'' دھیمے سے کہتے ہوئے فرسٹ ایڈ بوکس کے ساتھ اس کے عین سامنے ٹک گیا تھا۔ اس نے پہلے پیشانی کا جائزہ لیا تھا اور سوکھ کر جم جانے والے بلڈ کو صاف کرتے ہوئے ماتھے پر سنی پلاسٹ لگا دیا تھا اور اس کو کچھ کہنے کے لیے لب کھولتے دیکھ کر اشارے سے منع کیا اور ہاتھ کا جائزہ لینے لگا۔ دائیں ہاتھ پر تو پہلے ہی بینڈیج بندھی تھی، بائیں ہاتھ کی کہنی بری طرح چھل گئی تھی اس لیے احتیاط سے بینڈیج کر دی تھی۔

''اور کہیں تو نہیں لگی۔'' سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا تھا اور اس نے پاؤں کی جانب اشارہ کر دیا تھا۔ دائیں پیر کا انگوٹھا بری

طرح متاثر ہوا تھا اور اسے تاسف سے دیکھتے ہوئے وہ بینڈ یج کرنے لگا تھا اور جیسے ہی ٹراؤزر پائنچہ سے پکڑ کر اوپر کرنا چاہا تھا وہ بول پڑی تھی۔

''میں خود کرلوں گی۔''

اس کے منمنانے پر وہ مسکرا دیا تھا

''اُف کیا کرلوگی، شوہر ہوں تمہارا، ہاتھ کی بینڈ یج کی ہے پیر کی بھی کر سکتا ہوں۔ تم بچوں جیسا بی ہیو کیوں کر رہی ہو۔'' زیر لب مسکرا کر چھیڑا تھا اور اس کی ناں ناں کے باوجود ٹراؤزر اوپر کر کے پنڈلی کا جائزہ لے کر بینڈ یج کر دی تھی۔

''اتنا تو لوگ ڈاکٹرز سے نہیں شرماتے جتنا تم اپنے شوہر سے شرما رہی ہو۔'' سامان سمیٹتے ہوئے شرارت کرنے سے باز نہیں آیا تھا۔

''ڈاکٹرز سے شرمایا نہیں جاتا مجبوری سمجھ کر سب کچھ کروا لیا جاتا ہے اور جسے آپ میری شرم سمجھ رہے ہیں یہ میری ناگواری ہے، خود پر غصہ ہے کہ میں کیوں اتنی ذہنی طور پر اپ سیٹ ہوگئی تھی کہ آپ سے ہر ایک تعلق ختم کر لینے کے بعد پھر آپ کے ساتھ آ گئی۔''

وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''جبکہ مجھے آپ کے ساتھ تو آنا ہی نہیں چاہیے تھا کہ آج جو کچھ بھی میرے ساتھ ہونے جا رہا تھا وجہ آپ تھے۔'' اس نے بیڈ سے اٹھتے ہوئے آنسو گڑے تھے اور اس نے لب بھینچ کر خود کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی تھی اور اس کی کارروائی ملاحظہ کرنے لگا تھا جو الماری سے اپنے کپڑے نکال کر بیڈ پر ڈالتی جا رہی تھی۔

''مت کرو ایسا، مجھے سمجھنے کی کوشش تو کرو۔'' وہ سامان پیک کر کے آگے بڑھی تھی کہ وہ راہ میں آ گیا تھا۔

''ارمان، میں نے ہر رشتہ سے خالص چاہت سمیٹی، میں شراکت برداشت کر ہی نہیں سکتی ہوں جبکہ آپ نے اپنے حقوق، اپنے فرائض یہاں تک کہ خود کو بھی تقسیم کر لیا ہے اور مجھے آدھی ادھوری بٹی ہوئی چاہت اور قربت کی حاجت نہیں ہے۔''

وہ سرد تاثرات چہرے پر سجائے اسے دیکھ رہی تھی جو لمحہ لمحہ حیران ہوتا جا رہا تھا۔

''جو میرا ہو، وہ مکمل میرا ہو ورنہ نہ ہو۔ اور جب تک آپ صرف میرے تھے میں حق سے رہی اور آپ اب حق بانٹنے والی لے آئے ہیں تو میں آپ کے ساتھ رہ ہی نہیں سکتی۔''

اسے اتنی شدت پسندی کی امید نہ تھی اسے سمجھ نہ آیا وضاحت کرے تو کیسے؟ قائل کرے تو کیونکر؟۔

''میں جتنی حقیقت پسند ہوں اتنی ہی شدت پسند بھی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ جو آپ کر چکے ہیں میں اس حقیقت کو نہیں مٹا سکتی اس لیے میں آپ کے اور اپنے رشتے کی حقیقت کو بدل دینا چاہتی ہوں اور یہی میری شدت پسندی کا تقاضہ ہے کہ میں آپ سے اپنی راہیں الگ کرلوں اور یاد رکھیے گا اگر آپ مجھے ڈائیورس نہیں دیں گے تو میرے پاس خلع کا آپشن ہے۔'' اس نے ثابت کیا تھا کہ وہ اپنے فیصلے پر کس قدر اٹل ہے۔

''تم بھی یاد رکھنا کہ جان تو دے سکتا ہوں طلاق نہیں۔'' اس کا بازو اشتعال کی زد پر آ کر جکڑ لیا تھا۔

''تمہاری جان بھی لے سکتا ہوں اگر تم نے خلع کے آپشن کی بات بھی کی۔'' مزید گرفت کرتے ہوئے دھاڑ رہا تھا اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔

''آپ کی قسم ارمان۔ اگر مجھے آپ کے اس قدم کا پہلے پتہ چل جاتا تو میں حق سے آپ کی جان لے لیتی مگر آپ نے اب مجھے اپنے ساتھ زبردستی باندھے رکھنے کی کوشش کی تو میں اپنی جان لینے پر خود کو مجبور کر پاؤں گی۔'' وہ اس کی آہنی گرفت سے تکلیف محسوس کرتی گہری سنجیدگی سے بولی تھی۔ ''کیونکہ میں آپ کو اپنی آنکھوں کے سامنے خود سے دور ہوتے کسی اور کے قریب جاتے نہیں دیکھ سکتی اس لیے تل تل کر مرنے سے بہتر ہے کہ ایک ہی دفعہ میری زندگی ختم ہو جائے۔''

اس کے رونے میں شدت آ گئی تھی اور اس نے اسے خود سے لپٹا لیا تھا۔

''آئی ایم سوری، میں بہت مجبور ہو گیا تھا نیناں، میں مرتے ہوئے دوست کو انکار نہ کر سکا اس کی اٹکی سانسیں مجھے وعدہ کرنے پر مجبور کر گئیں میں نے کچھ بھی جان کر نہیں کیا۔ میں پہلے ہی اذیت میں ہوں، مجھ سے دور جانے کی باتیں کر کے میری اذیتیں خدا کے لیے نہ بڑھاؤ۔'' اس کے آنسو نیناں کے بالوں میں جذب ہونے لگے تھے اور اس کا جذباتی لہجہ اس کے دل میں ترازو ہونے لگا تھا۔

''مجھے اندازہ ہوتا کہ تم سے کہوں گا تو تم میری جان لے لوگی تو ایک لمحہ ضائع کیے بنا کہہ دیتا، میں نے تو صرف اس لیے ہر بات پوشیدہ رکھی تاکہ میں کمزور نہ پڑوں کہ میں اس کام کے ہونے سے پہلے تمہاری محبت میں، تمہاری جذباتیت کے آگے ہار جاتا تو روزِ محشر دوست کو کیا منہ دکھاتا؟ میں نے جو کیا صرف مشہود کے لیے اور تم مجھے اس سب کے لیے جو چاہے سزا دو مگر مجھ سے خود کو الگ مت کرو، تمہارے بنا مر جاؤں گا۔'' وہ اسے الگ کرتا شانوں سے تھام کر شدتوں سے کہہ رہا تھا۔

''اور میں اب آپ کے ساتھ رہی تو میں مر جاؤں گی۔'' وہ سسکی تھی اس کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی تھی۔

''آپ پر صرف میرا حق تھا ارمان، آپ کی سوچ، آپ کے خیال، آپ کی محبت، آپ کے جذبات، آپ کی خوشی، آپ کے دکھ، آپ کی قربت، آپ کے خلوت و جلوت کے لمحہ لمحہ پر صرف میرا حق تھا تو پھر کیسے، کیوں آپ نے مشہود بھیا سے وعدہ کر لیا؟ آپ کو مرتا دوست دکھائی دیا لیکن زندہ بیوی کو فراموش کر گئے۔'' اس کے شکوے، گلے، بدگمانیاں بڑھ رہی تھیں۔

''ہاں، کیونکہ مجھے لگا تھا کہ تم میری مجبوریوں کو، میری محبت کو سمجھو گی۔'' پل پل اس کی بے بسی بڑھ رہی تھی۔

''سمجھ رہی ہوں ارمان، جبھی تو آپ پر لعن طعن نہیں کر رہی، جواب طلبی نہیں کر رہی لیکن سمجھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اب آپ کے رشتے کی حقیقت کو تسلیم کر کے اسے اپنا بھی لوں۔'' آنسو رگڑے تھے۔

''میرے لیے نہیں، اپنے لیے نہیں، لیکن ابران کے لیے، ہمارے بیٹے کے لیے رک جاؤ نیناں۔'' اس نے جاتی ہوئی بیوی کو روکنے کے لیے آخری حربہ استعمال کیا تھا۔

''میں اب ابران کے لیے بھی نہیں رک سکتی، اگر کہیں گے تو اسے ساتھ لے جاؤں گی، آپ نہیں چاہیں گے تو ہمارا بیٹا آپ کے

ساتھ رہے گا۔ میں صرف اپنا رشتہ ختم کر رہی ہوں، ڈائیورس چاہیے مجھے اور بس، میں آپ کی اولاد کو آپ سے الگ نہیں کروں گی۔'' وہ مڑے بغیر بولی تھی اس کا دل کانپا تھا۔ ابران کا چہرہ آنکھوں میں گھومنے لگا تھا۔ دل دولخت ہوتا محسوس ہونے لگا تھا مگر وہ ٹھہر سکی ہی نہ تھی اس لیے بیگ اٹھا کر آگے بڑھی تھی۔

''سب کچھ مانگ لو نیناں، وہ جو تمہارا ہے، وہ جو میرا ہے لیکن طلاق نہیں۔'' اس نے ہاتھ تھاما تھا اور وہ بھیگی پلکوں سے اس کے آزردہ و شکست خوردہ چہرے کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''جانا چاہتی ہو نا، جہاں کہو گی میں خود تمہیں چھوڑ آؤں گا۔ تم رہنا نہیں چاہتیں تو میں نہیں رکھوں گا مگر تعلق ختم نہیں کر سکتا۔ لمحوں کے لیے نہیں سالوں کے لئے بھی چھوڑ سکتا ہوں، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نہیں چھوڑ سکتا۔'' وہ اس کی ہتھیلی اپنے ہاتھ میں مقید کیے نرمی سے بول رہا تھا۔

''دنیاوی ساتھ چھوڑ سکتا ہوں ازل سے ابد تک کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔ اس لیے تم سے ریکوئسٹ ہے نیناں، مجھ سے میرا سب کچھ مانگ لو مگر ڈائیورس نہیں۔ مجھے چھوڑ جاؤ لیکن ملنے کی آس اپنے ساتھ نہ لے جاؤ۔'' اس کا ہاتھ اٹھا تھا اور ہوا سے اٹھکیلیاں کرتیں لٹوں کو چہرے سے ہٹا گیا تھا۔

''میں آپ سے آپ کو کیسے مانگ لوں، آپ اپنے بھی کب رہے؟'' آنسوؤں میں روانی آ گئی تھی اور وہ بڑی تیزی سے وہاں سے نکلی تھی۔ وہ آنسو گرتا اس کے پیچھے ہی نکلا اور ماں کے کمرے میں آ کر سوئے ہوئے بیٹے کو اٹھا کر باہر آ گیا۔ گاڑی میں بالکل خاموشی تھی کیونکہ ہمسفر اجنبی ہو گئے تھے۔

''مجھ سے رابطہ رکھ سکتی ہو تو رکھ لینا۔''

''آس کا دیپ آپ نے جلایا ہے مسٹر ارمان شیرازی، میں اپنی کشتیاں جلا آئی ہوں اس لیے مجھے کوئی خواہش نہیں ہے اس لیے آپ مجھ سے یہ توقع بھی مت رکھیے گا کہ میں رابطہ کروں گی یا آپ کے کسی رابطہ کے ذریعہ کو ویلکم کروں گی۔'' وہ یکدم بہت ہی کٹھور اور سنگدل بن گئی تھی۔

''میرے جینے کے لئے آس ہی کافی ہے۔'' وہ مسکرایا تھا اور وہ اترتی کہ اس نے بازو تھام کر روکا اور اس کے کچھ سمجھنے سے قبل ہی پیشانی چوم لی۔

''اپنا خیال رکھنا اور اب کوئی حماقت نہ کرنا کہ میں وہی کروں گا جو تم چاہتی ہو۔ بس تم میری آس نہ ٹوٹنے دینا۔'' وہ اس کی پلکوں میں تا دیر دیکھتی رہی تھی، لمحہ سرکتے جا رہے تھے اور چہرہ آنسوؤں کی وجہ سے دھندلانے لگا تھا۔ ایسے میں اس نے آنکھیں بند کر کے گویا اس کا چہرہ آنکھوں میں مقید کیا اور چند ثانیے بعد آنکھیں کھول کر اسے دیکھے بنا گاڑی سے اتر گئی۔ ارمان نے اپنے آنسو گرے اور ڈرائیونگ ڈور کھول کر باہر نکلا، اس کا سامان باہر نکالا اتنی دیر میں چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔ وہ گود میں ابران کو لیے بیگ اٹھائے مصطفیٰ ہاؤس کے کھلے ڈور سے اندر داخل ہو گئی۔ وہ بند ہو جانے والے دروازے کو نم پلکوں سے دیکھتا اس کے کھل جانے کی آس من میں بسائے واپسی کا سفر

کرنے لگا تھا اور واپسی کا سفر تو ہمیشہ ہی بہت دشوار ہوا کرتا ہے خاص اس وقت جب ہجر کی لمبی راتیں مقدر میں لکھ دی جاتی ہیں۔اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ دھندلائی آنکھوں میں اچھے دنوں کی یاد بسائے، وصل کی گھڑیاں سوچ رہا تھا جن کی میعاد اتنی کم تھی کہ آج اس کی آنکھوں میں ہجر سسکیاں بھر رہا تھا۔

تیرے بخت کا ستارا میرے بخت سے روٹھا رہا
زیست یوں ہی گزر گئی میں تیرے غم میں ڈوبا رہا
ہر سنہری شب بیتی عالمِ اذیت میں
بعد تیرے اے ہمسفر میں خود سے بھی روٹھا رہا

☆......☆......☆

”آپ کیا چاہتے ہیں، میں یہاں سے چلی جاؤں۔“ اس نے بھائی کو بھرپور ناراضگی سے دیکھا تھا۔

”میں نے ایسا کب کہا نینو۔“ اس کا لہجہ متاسف تھا۔

”آپ کہہ نہیں رہے مگر چاہتے یہی ہیں کہ میں واپس چلی جاؤں۔“ اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

”کیونکہ اس میں تمہاری بھلائی ہے۔تم حقیقت سے آخر کب تک فرار حاصل کرو گی؟“

وہ آگے سے کچھ نہیں بولی تھی۔

”ارمان نے جو کیا وہ صرف مشہود کے لیے کیا، میں وہیں تھا نیناں، میں نے دیکھا تھا کہ صرف تمہاری خوشی کے لیے، تمہیں دکھ سے بچانے کے لیے اس نے مرتے ہوئے دوست کی خواہش ٹھکرا دی تھی لیکن دوست کو اذیت میں پا کر مجبور ہو گیا۔ارمان نے تم پر نہ چاہتے ہوئے بھی ظلم کیا ہے لیکن وہ مجبور تھا۔مانتا ہوں اس سب کو تسلیم کرنا بہت مشکل ہے مگر نینوں، یہی سوچ کر تسلیم کر لو کہ ایسا ارمان نے جان کر یا اپنی کسی خواہش کے لیے نہیں کیا کہ مجھے یقین ہے اس وقت وہاں تم بھی ہوتیں تو تمہارا فیصلہ وہی ہوتا جو ارمان نے لیا۔“

وہ بہن کا ہاتھ تھامے نہایت شفقت سے اسے سمجھانے کی سعی کر رہا تھا مگر اس کی خاموشی اب بھی نہیں ٹوٹی تھی۔

”میں ارمان کی اچھائی کا گواہ ہوں۔اس کی مجبوریوں سے واقف اس کے اقدام کا احترام کرتا ہوں لیکن اس کو غلط نہ ماننے کے باوجود میں ساتھ تمہارا ہی دوں گا نیناں۔تم نے اگر نہ جانے کا فیصلہ کیا ہے تو ٹھیک ہے میں تمہارے اس فیصلے میں تمہارے ساتھ ہوں مگر میری ایک بات یاد رکھنا، تم خود سے ارمان سے، ہم سب سے لڑ سکتی ہوں لیکن قسمت سے نہیں۔“ وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھتا اپنے ساتھ کا بھرپور یقین دلاتا اٹھ گیا تھا جب وہ آدھی رات کو لوٹ کر آئی تھی سالار نے اپنے پیرنٹس کو ساری صورتحال سے آگاہ کر دیا تھا۔سچوایشن کچھ اس طرح کی تھی کہ وہ لوگ ارمان شیرازی پر ڈھنگ سے غصہ بھی نہیں ہو پا رہے تھے کہ اس کی گواہی دینے کو ان کا بیٹا بھی موجود تھا ایسے میں وہ داماد سے کہتے بھی تو کیا جس نے اگلے روز آ کر نیناں کو تکلیف دینے کے جرم میں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی تھی اور وہ سب تو اس کی اچھائی

کے قائل ہی تھے۔اس کی شرمندگی،اس کے دکھ اوراس کے اتنے بڑے ایثار پر مہر بہ لب ہوتے بیٹی کو سمجھانے لگے تھے۔لوٹنے پر مجبور کرنے لگے تھے مگر وہ بھی جیسے ضد پر ہی اڑ گئی تھی اور یہ اس کی بچپن سے عادت تھی ضد نہیں کرتی تھی مگر جس بات پر اٹک جاتی تھی اسے ہٹا پانا ان سب کے اختیار سے باہر ہو جاتا تھا اور وہ سب بے بس ہونے لگے تھے ہر ایک کوشش ناکام ہوتی جارہی تھی اور پندرہ دن گزر گئے تھے اب تو ابران نے بھی ڈیڈی کے پاس جانا ہے کی رٹ شروع کردی تھی۔

''تم اپنے بارے میں نہیں سوچ رہیں کم از کم بیٹے کا تو سوچو جو صبح وشام باپ کا پوچھتا رہتا ہے۔'' آج پھر فاطمہ بیگم نے بیٹی کو گھیر لیا تھا۔

''میں ابران کو ارمان کو دے دوں گی۔'' وہ سوئے ہوئے بیٹے کے سر میں انگلیاں چلاتے ہوئے تھکے تھکے سے انداز میں بولی تھی۔

''ارمان سے یہ پھر تمہارے بارے میں پوچھے گا۔کیوں تم زندگی کو کٹھن بنا رہی ہو،بچوں کو ماں اور باپ دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ابران کے لیے لوٹ جاؤ بیٹا ورنہ تمہارے بچے کی پوری زندگی مسخ ہو کر رہ جائے گی۔''ان کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔

''مما! میں نہیں لوٹنا چاہتی،ابر کے لیے بھی نہیں،اس کے اچھے مستقبل کے لیے بھی نہیں۔''اس نے ماں کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔''اور آپ سب لوگ ہر تیسرے دن مجھے قائل کرنے کی کوشش کرتے رہے تو میں شیرازی ولاز تو نہیں اتنی دور کم از کم چلی جاؤں گی کہ آپ لوگوں کو تنگ نہ کرسکوں۔''غیر معمولی سنجیدگی انہیں ہولا گئی تھی۔

''فضول بکواس مت کرو،خبردار جو تم نے پھر کوئی حماقت کرنے کی کوشش بھی کی۔''اس کی خودکشی کی کوشش کی خبر ان سب کے لیے موت کے برابر تھی اور وہ پھر یہی سب بکواس کرتی انہیں ہولا گئی تھی۔

''میں چین سے جینا چاہتی ہوں مگر آپ لوگوں نے ایک ہی گردان سے میرا جینا محال کردیا ہے۔میں نہیں جانا چاہتی،مجھے نہیں کرنا کمپرومائز تو آپ سب کیوں مجبور کرنا چاہتے ہیں،چھوڑ دیں میرا پیچھا،نہیں ہے مجھ میں حوصلہ روز زخموں کو سینے پھر ادھیڑ کر زخم زخم ہونے کا،آپ تو مجھے جانتی ہیں،آپی بھی اگر میرا کوئی کھلونا لے لیتی تھیں تو میں پھر اس سے نہیں کھیلتی تھی اور جس لڑکی نے کبھی کھلونوں پر کمپرومائز نہیں کیا وہ جیتے جاگتے شخص پر کیسے صبر کرلے۔''وہ ہذیانی انداز میں چیختی جارہی تھی۔

''آپ جانتی ہیں ناں مما کہ میں نے کبھی کسی سے آدھا گلاس پانی شیئر نہیں کیا تو میں پورے کا پورا شوہر کیسے شیئر کرسکتی ہوں؟ نہیں کرسکتی میں،سنا آپ نے نہیں کرسکتی اس لیے پلیز مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔''اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیئے تھے اور وہ تاسف سے اسے دیکھتیں اس کے روم سے نکل گئی تھیں۔

☆......☆......☆

''کیسی ہو یمنیٰ۔''مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے دوستانہ انداز میں پوچھا تھا اور وہ جو اس کے برے رویے کا سوچ کر آئی

تھی سابقہ دوستانہ انداز میں اسے ملتے دیکھ کر اس کی شرمندگی اتنی بڑھی تھی کہ آنسو روانی سے بہنے لگے تھے۔

''آئی ایم سوری۔'' اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

''ایسا کچھ نہ کہو، نہ کرو کہ میں خود سے نظر تک نہ ملا سکوں کیونکہ میں مشہود بھیا کے حوالے سے تمہاری بہت عزت کرتی ہوں۔'' اس کے ہاتھ تھامتے گہری سنجیدگی سے بولی تھی۔

''وہ حوالہ قسمت نے مجھ سے چھین لیا ہے اور سب کے مجبور کرنے اور قسمت کا لکھا سمجھ کر جو نیا حوالہ جوڑا ہے اس نے مجھے غاصب بنا دیا ہے۔''

اس کے رونے میں شدت سی آ گئی تھی جبکہ اس نے اپنے لب بھینچ کر خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کی تھی مگر جس میں بری طرح ناکام ہوئی تھی اس کے نیناں چھلکنے کو بے تاب ہونے لگے تھے مگر وہ یمنیٰ کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی اس لیے اس نے صبر چھلکنے نہیں دیا تھا۔

''شیرازی ولاز میں بیس دن کیسے گزارے ہیں بس میں ہی جانتی ہوں۔ میری وجہ سے تم نے اپنا گھر چھوڑ دیا ہے۔ میں نے تمہاری ہنستی بستی گرہستی کی بنیادیں ہلا دی ہیں۔ اس سب کے لیے مجھے معاف کر دو، میں نے چاہ کر کچھ نہیں کیا نیناں، بس میں قسمت کے آگے کٹھ پتلی بن گئی ہوں۔ میری ہر تدبیر ناکام ٹھہری ہے اور تقدیر جیت گئی ہے لیکن مجھے تمہارا اور ارمان کا مجرم بنا گئی ہے۔'' اس کا لہجہ اذیت ناک ہو گیا تھا۔

''تم میری مجرم نہیں ہو، نہ ہی میں نے تمہاری وجہ سے اپنا گھر چھوڑا ہے۔'' وہ خود کو سنبھال کر بولی تھی۔

''نہیں، وجہ تو میں ہی ہوں، جس گھر پر میرا کوئی حق نہیں ہے میں وہاں رہ رہی ہوں اور تم مجھے نکالنے کی بجائے اپنی جنت سے خود نکل آئی ہو۔'' اس نے اس کی غیر معمولی سنجیدگی محسوس کرتے ہوئے کہا تھا۔

''تم میرے گھر پر نہیں، اپنے شوہر کے گھر میں رہ رہی ہو اس لیے یہ تو کہنا حماقت ہے کہ وہاں تمہارا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن تم اپنا حق تسلیم کرو نہ کرو یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ میں تو اتنا جانتی ہوں کہ میرے گھر چھوڑنے کی وجہ تم نہیں ہو، اور بالفرض ہو بھی تو یہ میرا اور میرے شوہر کا نجی معاملہ ہے ہم دونوں مل کر جس کو حل کر لیں گے۔ تم بس اتنا یاد رکھنا کہ میں تم کو غاصب نہیں سمجھتی کیونکہ انسان کو نصیب سے ہی ملتا ہے جو ملتا ہے۔''

وہ ازحد حیرانی سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

''میں مشہود بھیا کے حوالے سے تمہاری عزت کرتی تھی۔ اب تمہارا حوالہ ارمان شیرازی ہیں تو میں تمہاری عزت اب اسی حوالہ سے بھی کروں گی۔ تم یہاں آئیں بہت اچھا لگا اور امید رکھنا کہ نئے حوالے کو درمیان میں لائے بغیر میں اپنی دوستی پر ہمیشہ قائم رہوں گی۔ تم ہمیشہ مجھ سے ملنے ایک دوست کی حیثیت سے آ سکتی ہو لیکن ارمان شیرازی کی بیوی بن کر یا خود کو میرا مجرم سمجھ کر مجھے منانے، قائل کرنے آؤ گی تو شاید میں آئندہ تم سے نہ مل سکوں کیونکہ نہ میں جھوٹ بولتی ہوں اور نہ ہی منافق ہوں کہ دل میں کچھ اور زبان پر کچھ رکھ کر ملوں، ہاں اتنا

ہے کہ زندگی میں کچھ رشتے ان چاہے بھی جڑ جاتے ہیں مگران چاہے رشتے بھی احترام کے متقاضی ہوتے ہیں اور میں ہمارے اس رشتے کا بھی تمام عمر احترام کروں گی اور چاہوں گی تم بھی ایسا ہی کرو بلکہ اس رشتہ کو درمیان میں ہی نہ لاؤ تو شاید ہمارے حق میں بہتر ہوگا۔'' وہ صاف گوئی سے اپنے ذہن ودل کی ہر بات کہہ گئی تھی۔

''یہ تمہاری اچھائی ہے نیناں، لیکن تمہارے کہہ دینے سے کہ میں تمہاری مجرم نہیں ہوں تو میری خطا مٹ نہیں سکتی کیونکہ حقیقت یہی ہے کہ میں تمہارے اور ارمان کے بیچ میں آ گئی ہوں لیکن تم بے فکر رہو میں بیچ سے نکل جاؤں گی۔ میں شیرازی ولاز چھوڑ آئی ہوں، وہاں کی ہر ایک چیز پر، ارمان پر صرف تمہارا حق ہے، پلیز اپنے گھر لوٹ جاؤ۔'' وہ عاجزی سے منت بھرے لہجے میں بولی تھی۔

''نہ میں تمہارے کہنے سے اس گھر میں پہلے گئی تھی، نہ اب جاؤں گی، میری زندگی ہے، فیصلہ بھی میں خود کروں گی جہاں تک بات تمہاری ہے تم وہاں رہو نہ رہو مجھے فرق نہیں پڑتا مگر یہ یاد رکھنا کہ تم کسی کے بیچ میں نہیں آئی ہو، نکاح ہوا ہے تمہارا، تم اس گھر ہی نہیں اس گھر کے مالک پر بھی اپنا حق رکھتی ہو، اپنا حق خود چھوڑ رہی ہو یہ تمہاری مرضی ہے مگر اتنا یاد رکھنا کہ تم دو میاں بیوی کی آپسی جنگ میں اپنا گھر برباد کرنے جا رہی ہو۔''

یمنیٰ نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا جس کی خوبصورتی کچھ ماند سی تھی اس کی گہری سنجیدگی سے ٹپکتی آزردگی پر اس نے لب بھینچ لیے تھے۔

''میاں بیوی کب کس بات پر لڑیں اور کس بات پر پھر ایک ہو جائیں یہ کوئی تیسرا فریق نہیں سمجھ سکتا اور جب تم نے نکاح قسمت کا فیصلہ سمجھ کر کیا ہے تو ہمت ہار کر فرار کیسے حاصل کر سکتی ہو؟ تم اپنے نصیب کا وصل اور خوشیاں سمیٹو اور میں بھی اپنے ہی نصیب کا ہجر کاٹ رہی ہوں، نصیب میں پھر وصل ہوا تو نصیب مجھے خود اس راستے پر چلا دے گا آگے تم خود سمجھ دار ہو کہ تم نے کیا کرنا ہے۔'' وہ دھیمے سے کہتی، نرمی سے اس کا ہاتھ دباتی مسکرائی تھی اور اس کے کچھ کہنے کے لئے لب وا کرتے دیکھ کر وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔ وہ بے بسی سی محسوس کرتی مڑی تھی کہ سالار کو دیکھ کر رک گئی تھی۔

''میں آپ سب سے بہت شرمندہ......''

''پلیز بھابی، جو ہوا اسے ایسے ہی ہونا لکھا تھا، آپ یونہی ایک ایک کے سامنے شرمندہ ہوتی رہیں گی تو زندگی کیسے گزاریں گی۔'' وہ احترام دیتی نگاہوں سے دیکھتا اس کی بات کاٹ کر بولا تھا۔

''مشہود کے ایک فیصلہ نے سب کی زندگی میں زہر گھول دیا ہے۔ یہ تو آپ سب کا اعلیٰ ظرف ہے کہ مجھے کچھ نہیں کہہ رہے ورنہ حقیقت تو یہی ہے کہ اگر آج نیناں تکلیف میں ہے تو سبب میں ہوں۔'' آنسو پھر گرنے لگے تھے۔

''مشہود ہم سے بہت دور مگر بہت اچھی جگہ پر ہے۔ اس کے فیصلہ کو غلط نہ کہیں کہ اس نے آپ کے یا یمانی کے بارے میں سوچ کر کچھ غلط نہیں کیا۔ وہ مرتے مرتے ارمان سے وہی فیصلہ کروا گیا جو اللہ کی رضا ہے اور میں بہت خوش ہوں کہ آپ نے بلا چوں چرا رب کا فیصلہ قبول کر لیا ہے۔ نیناں ابھی نادانی کر رہی ہے مگر جانتا ہوں وہ اس سب کو ایک نہ ایک دن قبول کر لے گی اور آپ دونوں ہی ایک اچھی

اور خوشگوار زندگی گزاریں گی۔'' وہ مطمئن تھا۔

''کہانا بھابھی، سب اللہ پر چھوڑ دیں۔ اس سے بڑا منصف کوئی اور نہیں ہے۔''

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اسے موقع ہی نہیں دیا۔

''اگر آپ سے مشہود کو دور کر دیا ہے تو آپ کو ارمان کی صورت میں ایک اچھا جیون ساتھی بھی تو دیا ہے۔ رہ گئی نیناں، یہ اس کی قسمت ہے اگر مشہود کے وعدے سے مجبور نہ ہوتا ارمان، تب کسی اور طرح سے یہ دکھ اس کو مل جاتا اس لیے آپ صرف اپنی زندگی پر نظر رکھیے، خود کو مجرم نہ سمجھیں اپنے اور نیناں کے حق میں بس اللہ سے مناجات کرتی رہیے، آپ دونوں کی ہی زندگی سہل ہو جائے گی۔'' اس نے یمنیٰ کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

''اور ایک بات میری ہمیشہ یاد رکھیے گا کہ میں نے آپ کو بہن کہا ہے، آپ کو نیناں سے کم نہیں سمجھتا اس لیے جب نیناں کا برا نہیں چاہ سکتا تو آپ کا بھی برا چاہ ہی نہیں سکتا اور میں یہ کبھی نہیں چاہوں گا کہ میری دو بہنوں میں سے کوئی ایک خوش رہے اس لیے جو نادانی ابھی نیناں کر رہی ہے وہ آپ کرنے کا سوچیے گا بھی مت کیونکہ کوئی بھی انسان دوسرے کی قسمت نہیں چرا سکتا اور آپ کو ارمان کا ساتھ قسمت سے نصیب ہوا ہے اور آپ نے اب اس کے ساتھ حق سے رہنا ہے یوں ایک ایک کے سامنے شرمندہ ہوتی رہیں گی تو آپ خود اپنی عزت نفس کو مجروح کریں گی اور باقی لوگوں کو اپنی سیلف رسپیکٹ پر وار کرنے کا موقع دیں گی جبکہ رشتے حق اور خود اعتمادی سے برتے جاتے ہیں۔'' اس نے نہ صرف اپنی اچھائی ثابت کی تھی اسے بہن کہا تھا تو بھائی بن کر دکھایا بھی تھا۔ اسے وہی سمجھایا تھا جو اس کے لیے مناسب تھا وہ سالار سے بات کرنے کے بعد خود کو قدرے پرسکون محسوس کرنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

''آپ کہاں سے آرہی ہیں۔'' ارمان کی آواز پر اس کے قدم تھم سے گئے تھے۔

''آپ کو بتا کر تو گئی تھی کہ میں مصطفیٰ ہاؤس جا رہی ہوں۔'' وہ گھبرا کو بولی تھی۔

''آپ مجھے مصطفیٰ ہاؤس جانے کا بتا کر نہیں گئی تھیں۔ آپ نے علی ہاؤس جانے کی بات کی تھی۔'' گہرے طنز پر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا کہ وہ گھبراہٹ میں اسے وہ بتا گئی تھی جو چھپانے کا ارادہ تھا اسی لیے اس کی گھبراہٹ میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

''آپ وہاں کیوں اور کس کی اجازت سے گئی تھیں؟'' تڑخ سے سوال ہوا تھا۔

''مجھے آپ کو بتا کر جانا چاہیے تھا لیکن مجھے لگا تھا کہ آپ میرا وہاں جانا شاید پسند نہ کریں اس لیے نہیں بتایا تھا۔''

گزشتہ بیس دنوں میں پہلی دفعہ وہ آمنے سامنے کھڑے گفتگو کر رہے تھے ورگرنہ وہ اسے شیرازی ولا زلا کر جیسے بھول ہی گیا تھا اس کے لیے منتخب کمرے میں اس نے کچھ راتیں بھی گزاری تھیں لیکن اس سے یکسر لاتعلق ہو کر، پہلی شب بس ایک جملہ کہا تھا۔

''اس رشتے کو نبھانے کے لیے مجھے کچھ وقت چاہیے اور یہ وقت آپ کو بھی سنبھلنے کا موقع دے گا۔''

اس کے بعد اگر کھانے کی میز پر سامنا بھی ہوا تو اس نے اسے نظر انداز ہی کیا تھا البتہ یمانی کے ساتھ اس کا رویہ بہت اچھا ہی رہا تھا۔

''یہ غلطی پھر مت کیجیے گا کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ آپ اور نیناں ایک دوسرے کے مدمقابل آئیں، اس لیے بہتر ہوگا آپ اپنی زندگی پر نظر رکھیں نہ کہ نیناں کو منانے نکل پڑیں کہ وہ ہمارا آپسی معاملہ ہے اور جس میں پڑنے کی اجازت میں نے ماما کو نہیں دی تو آپ کو دینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' وہ اپنی بات مکمل کر کے بڑی تیزی سے وہاں سے نکل گیا تھا جبکہ وہ ساکت سی جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی تھی کہ زندگی ان سب کی ہی آزمائش لے رہی تھی۔

☆......☆......☆

''ابران اتنا خاموش کیوں ہے؟'' مصطفیٰ صاحب نواسہ کو گود میں بٹھاتے ہوئے شرارت سے بولے تھے۔

''ابران کو اپنے ڈیڈی یاد آرہے ہیں۔'' اس نے منہ بسورا تھا۔

''ڈیڈی کیوں یاد آرہے ہیں؟ آپ ڈیڈی سے کل ملنے گئے تھے ناں۔''

وہ آہٹ سے ہی سمجھ گئے تھے کہ وہ لاؤنج میں داخل ہوئی ہے اس لیے انہوں نے ایسی بات کہی تھی جس پر ابران آگے سے کچھ کہے جبکہ اس پر ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ اس کی موجودگی سے واقف ہو گئے ہیں۔

''مجھے یہاں ڈیڈی کے بناء کچھ اچھا نہیں لگتا۔ ممی یہاں کیوں آگئی ہیں؟'' اس نے آنکھوں میں آنسو بھر کر نانا کو دیکھا تھا۔

''اوہوں، بریو بوائز کبھی نہیں روتے اور آپ پریشان کیوں ہوتے ہو، ممی کچھ دنوں تک آپ کو لے کر ڈیڈی کے پاس چلی جائیں گی۔'' انہوں نے پیارے سے نواسے کو پچکارا تھا۔

''نانا جان، کیا ممی اور ڈیڈی کی لڑائی ہوگئی ہے؟'' اس کا سوال ان دونوں کو ہی مضطرب کر دینے کے لئے کافی تھا۔ وہ بھیگتی پلکوں سے لب چبانے لگی تھی۔

''نہیں بیٹا، آپ سے کس نے کہا۔'' پریشانی سے بولے تھے کہ ان سب کو اندازہ تھا کہ اسی طرح چلتا رہا تو اس کے ننھے ذہن میں سوالات جنم لیں گے۔

''ممی میرے ساتھ گھر نہیں جاتیں، ڈیڈی کا پوچھوں تو کچھ کہتی ہی نہیں ہیں، آپ ان سے کہیں ناں کہ وہ ڈیڈی سے دوستی کر لیں۔ مجھے ڈیڈی بہت یاد آرہے ہیں۔'' اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔ بیٹے کی باتیں اور رونا وہ برداشت نہ کر پاتے ہوئے تیزی میں وہاں سے نکل گئی تھی۔

''اتنے سے پر، پریشان ہوگئی ہو جبکہ اب ابران کے سوالات دن بہ دن بڑھیں گے، ہیں تمہارے پاس بیٹے کے سوالوں کے جوابات۔'' فاطمہ بیگم نے بازو تھام کر اسے جانے سے روکا تھا۔

''اولاد کی خوشی اور بہتر مستقبل کے لیے والدین کو قربانی دینی پڑتی ہے جبکہ تم نے جو سزا اپنے اور ارمان کے لیے منتخب کی ہے اس

میں واسطہ اور بلا واسطہ تمہاری اولاد بھی شامل ہوگئی ہے۔'' اس کو روتے دیکھ کر دکھ و تاسف سے بول رہی تھیں۔

''مائیں تو اپنی اولاد کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دے سکتی ہیں اور تم کمپرومائز تک کرنے کو نہیں راضی، تمہاری 'میں، تمہاری انا' تمہارے سے زیادہ تمہاری اولاد کے لیے اذیت ناک ثابت ہوگی اس لیے کہتی ہوں کہ دیر ہونے سے پہلے کوئی بہتر فیصلہ کرلو۔''

وہ اسے روتا چھوڑ گئی تھیں اور وہ شش و پنج میں گھری اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ جتنا سوچ رہی تھی اتنا ہی الجھ رہی تھی کہ دروازہ کھلا تھا اس نے اپنے آنسو صاف کیے تھے اور نگاہ اٹھائی تھی۔ بیٹے کا رویا رویا چہرہ اس کا دل بند ہونے لگا تھا۔

''ابران۔'' وہ اٹھ کر اس تک پہنچی تھی اور وہ منہ پھلا کر فاصلہ پر ہو گیا تھا۔

''ممی کی جان، ممی سے کیوں خفا ہے۔'' وہ گھٹنوں کے بل بیٹھی اسے شانوں سے تھام گئی تھی۔

''کیونکہ ممی، ابران سے محبت نہیں کرتیں۔'' وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر بولا تھا۔

''ممی اپنے ابر سے بہت محبت کرتی ہیں جان۔'' اسے گود میں اٹھاتی بیڈ تک آ گئی تھی۔

''آپ نہیں کرتیں، آپ کو میری پرواہ بھی نہیں ہے۔ آپ مجھے نانا جان کے گھر کیوں لائی ہیں؟ مجھے ڈیڈی کے پاس جانا ہے۔'' آنسو سفید گالوں کو تر کرنے لگے تھے۔

''آپ کو ممی کے ساتھ رہنا اچھا نہیں لگتا؟'' بہتی آنکھوں سے اپنے لخت جگر کو دیکھا تھا۔

''بہت زیادہ اچھا لگتا ہے لیکن مجھے ڈیڈی کے ساتھ بھی رہنا ہے۔ گھر چلیں ناں ممی۔'' اس نے ماں کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا اس کی آنکھوں میں آس در آئی تھی۔

''اگر آپ کو ممی اور ڈیڈی میں سے کسی ایک کے ساتھ رہنا پڑے تو......''

اس نے بیٹے کا ہاتھ تھامتے ہوئے لبوں سے لگا دیا تھا اور وہ بے یقینی سے ماں کو دیکھنے لگا تھا اس کا ٹکر ٹکر دیکھنا اس کے دل میں سوراخ کرنے لگا تھا۔

''آپ کو ڈیڈی کے پاس جانا ہے ناں، میں آپ کو تیار کر دیتی ہوں۔'' اس نے خود کو سنبھال کر اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

''آپ بھی ساتھ چلیں گی ناں ممی۔'' ڈر ڈر کر پوچھا تھا۔

''نہیں، آپ ماموں جان کے ساتھ چلے جانا۔'' وہ روتی ہوئی مڑی تھی مگر آگے بڑھ نہیں پائی تھی اس نے ماں کا پلو پکڑ لیا تھا۔

''آپ ڈیڈی سے میرے لیے بھی دوستی نہیں کر سکتیں؟'' اس نے نگاہ گھمائی تھی اس کا بیٹا اسے آس سے دیکھ رہا تھا۔

''آپ ڈیڈی کے پاس چلے جاؤ، وہ بھی آپ کو مس کرتے ہیں، آپ ڈیڈی کے ساتھ رہنا۔'' اس نے کرچی کرچی دل سے بیٹے کی آس توڑ ڈالی تھی۔

''مجھے آپ دونوں کے ساتھ رہنا ہے۔ آپ بھی چلو نا ممی پلیز۔'' وہ ماں کی ٹانگوں سے لپٹ کر ملتجی ہوا تھا۔

''ممی نہیں جاسکتیں بیٹا، آپ چلے جاؤ، ممی کو یاد آئے تو لوٹ آنا۔'' وہ بیٹے کا سر سہلاتے ہوئے سسکی تھی۔

''ممی کی یاد تو ڈیڈی سے زیادہ آئے گی، میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔'' وہ اب بری طرح رو رہا تھا۔

''ممی کے پاس رہو گے تو ڈیڈی کے ساتھ نہیں رہ سکو گے۔'' اس نے بیٹے کو الگ کر کے اٹھا کر بیڈ پر کھڑا کر دیا تھا۔

''آپ ممی یا ڈیڈی میں سے کسی ایک کے ساتھ ہی رہ سکتے ہو۔'' وہ اس قصہ کو گویا آج ہی ختم کر دینا چاہتی تھی۔

''ابران کو ممی سے محبت ہے۔ وہ ممی کو چھوڑ کر نہیں جائے گا۔'' وہ ماں سے لپٹ گیا تھا۔

''ڈیڈی یاد آئے تو؟'' وہ نہ جانے کیا جاننا چاہ رہی تھی۔

''میں گوڈ سے پرے کروں گا کہ وہ میرے ڈیڈی کو میرے پاس لے آئیں کیونکہ میں اپنی ممی کے بغیر نہیں رہ سکتا، آئی لو یو ممی۔''

وہ ماں سے لپٹا رو رہا تھا اور وہ فیصلہ جو وہ چھ ماہ میں نہیں کر پائی تھی وہ فیصلہ چھ باتوں میں ہو گیا تھا۔ اس نے بیٹے کی پیشانی چومی تھی اور فیصلہ کن انداز میں موبائل فون اٹھالیا تھا اور نمبر ملا کر کال ریسیو ہونے کا انتظار کرنے لگی تھی جو ہرگز بھی طویل نہیں ہوا تھا۔ دوسری ہی بیل پر کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

''ہیلو۔'' اس کے لہجے میں چھ ماہ کے انتظار کی شدت سمٹ آئی تھی۔

''میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔''

بغیر سلام دعا کے دشمن جاں کا ٹھہرا ہوا لہجہ کانوں میں کیا گونجا دل کی دنیا زیروزبر ہو گئی۔

''ٹھیک ہے، پندرہ منٹ بعد مصطفیٰ ہاؤس پہنچ جاؤں گا۔'' لمحہ ضائع کیے بنا بولا تھا اور جس وقت وہ مصطفیٰ ہاؤس پہنچا اس وقت اس نے داخلی دروازے سے باہر جھانکا تھا اس کے گاڑی سے اترنے سے قبل ہی دروازہ پار کر آئی تھی۔ ان دونوں کی نگاہ ٹکرائی تھی وہ پر سکون سی آگے بڑھنے لگی تھی اور یک ٹک اس کو دیکھ رہا تھا گلابی کاٹن کے ایمبر ائیڈ ڈ سوٹ میں بالوں کی سادہ سی چوٹی بنائے اپنی تمام تر سادگیوں اور متورم چہرے کے ساتھ وہ اس سے چند قدم کی دوری پر کھڑی تھی۔ وہ کچھ بولی نہ تھی اور وہ کچھ کہنا ہی نہیں چاہتا تھا اس لیے بس آنکھوں کے راستے دل میں اتارتا جا رہا تھا۔

اور آہستہ کیجیے باتیں

دھڑکنیں کوئی سن رہا ہوگا

لفظ گرنے نہ پائیں ہونٹوں سے

وقت کے ہاتھ ان کو چن لیں گے

کان رکھتے ہیں یہ در و دیوار

راز کی ساری باتیں سن لیں گے

اور آہستہ.........................

ان کے درمیان خاموشی طول پکڑتی کہ وہ لفظ جمع کر کے بولی تھی۔

''نزدیکی پارک چلتے ہیں تاکہ آرام سے بات ہو جائے۔'' اس نے اس کا جواب سنے بغیر قدم بڑھا دیئے تھے اور وہ بالکل خاموشی سے اس کا ہم قدم ہو گیا تھا، چلتے چلتے بے خیالی میں پتھر سے ٹھوکر کھا کر وہ لڑکھڑائی تھی اور وہ اسے سنبھال گیا تھا۔ دونوں کی نگاہ ہمکلام ہوئی تھی

ایسے بولو کہ دل کا افسانہ

دل سنے اور نگاہ دہرائے

اپنے چاروں طرف کی یہ دنیا

سانس کا شور بھی نہ سن پائے

نہ سن پائے.........................

اور آہستہ کیجیے باتیں

وہ اس کی لو دیتی نگاہوں سے پگھلتی لمحہ ضائع کیے بنا اس کا حصار توڑ گئی تھی۔

''ابرآپ کو بہت مس کرتا ہے۔ وہ آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہے۔'' اس نے خالی بینچ پر ٹکتے ہوئے اسے بلانے کا مقصد کہنا شروع کیا تھا۔'' بلکہ ہمارے ساتھ رہنا چاہتا ہےاور آپ شیرازی ولاز میں اور میں مصطفیٰ ہاؤس میں رہتی رہی تو ایسا ممکن نہیں ہے۔'' وہ نگاہ نیچی کیے لفظوں کو تول تول کر بول رہی تھی جب کہ وہ اس سے ہاتھ بھر کے فاصلے پر ایک پلر سے ٹیک لگائے کھڑا بغور اسے سنتا اس کا نقش نقش حفظ کررہا تھا۔

''اس لیے میں صرف اپنے بیٹے کے لیے اس گھر میں لوٹ کر آنا چاہتی ہوں لیکن بحیثیت ایک ماں کے اور اگر آپ کو یہ بات منظور ہے تو میں آج ہی آپ کے ساتھ گھر چلنے کو تیار ہوں۔ اگر آپ کو اعتراض ہے تو ابھی کہہ دیجیے۔'' اس نے نگاہ اٹھا کر خود کو تکتے ارمان کو دیکھا تھا۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں تمہارے اس فیصلے کا بھی احترام کروں گا۔'' وہ ایک لمحہ میں رضامندی ظاہر کرتا اسے مضطرب کر گیا تھا۔

''آپ شاید سمجھے نہیں کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔'' بے چینی سے انگلیاں مروڑتی کھڑی ہوگئی تھی۔

''تمہارے بن کہے بھی تمہارے دل کی بات جان لیتا ہوں تو تمہاری فضول سی بات کے پیچھے مطلب کو نہیں سمجھوں گا۔'' وہ مسکرایا تھا اور وہ لب چبانے لگی تھی۔

''تم نے مجھے آس دے کر اپنا غلام بنالیا ہے، میں وہی کروں گا جو تم چاہو گی اور میں تمہارے بن کہے بھی تمہاری واپسی کی شرط جان گیا ہوں اور میں تمہاری بات وسوچ کا احترام کروں گا۔'' وہ اس کے بہت قریب آ کر رکا تھا۔

''یوڈونٹ وری، میں تمہارا سامان، ابران کے روم میں شفٹ کروادوں گا۔''

وہ بے ساختہ نظر چرا کر فاصلہ پر ہوگئی تھی۔

''تم نے مجھ سے رشتہ قائم نہ رکھنے کی بات کی جس پر آج بھی قائم ہو، مجھے اس پل اعتراض تھا بھی تو آج کیوں آبجیکشن نہیں ہے کیونکہ میرے نزدیک ہمارا رشتہ ہی سب کچھ ہے اور اسی لیے مجھے لگتا ہے کہ تمہیں مجھ سے اتنی بڑی خوشخبری نہیں چھپانی چاہیے تھی۔'' اس کی نظر اس کے بھرے بھرے سراپے پر پھیل گئی تھی اس کا چہرہ لو دینے لگا تھا۔

''نیناں، کیا میرا تم اتنا بھی حق نہیں مانتیں کہ تم مجھے نئے آنے والے مہمان کی آمد کے بارے میں بتاتیں۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی شکوہ کرہی گیا تھا۔

''آئی ایم سوری، یہ غلطی ہے میری، مجھے آپ کو بتانا چاہیے تھا۔'' وہ سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ فوراً اپنی غلطی مان گئی تھی اس نے اس کی پلکیں جھپکتے دیکھ، آنسو روکنے میں ناکامی کے بعد روتے دیکھ آنسو صاف کرنے کو ہاتھ بڑھایا تھا مگر وہ پیچھے کھسک گئی تھی اور اس کا ہاتھ ہوا میں معلق رہ گیا تھا۔

''آپ نے میری مرضی کا احترام کرنے کا وعدہ کیا ہے اور میں اس طرح آپ کا کوئی ریلیشن نہیں رکھنا چاہتی، آپ پیش رفت کریں گے تو میرے لیے ابران کی خاطر پلٹنا بھی دشوار ہو جائے گا۔'' وہ واپسی کے لیے قدم اٹھا چکی تھی اور وہ ہاتھ گراتا لب بھینچتا اس کے پیچھے چل پڑا تھا اور وہ دھیمے لہجے میں ابران کے سوالوں اس کی کشمکش بتاتی چل رہی تھی۔

''میرے لیے تمہاری خوشی سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے اور میرے لیے یہی کافی ہے کہ تم ابران کے لیے ہی سہی میری زندگی میں لوٹ تو رہی ہو۔'' وہ تفصیل سننے کے بعد بولا تھا۔

''میں آپ کی زندگی میں نہیں لوٹ رہی، میں اپنے بیٹے کی زندگی کو محرومیوں سے بچانے کے لیے اس کو اس کا ڈیڈی لوٹا رہی ہوں کیونکہ ہمارا رشتہ تو اسی شب ختم ہو گیا تھا جو اب ایک پیپر میرج بن کر رہ جائے گا۔'' اس نے اب کے واضح الفاظ میں اپنی شرط سامنے رکھی تھی۔

''بار بار بتانے کی ضرورت نہیں ہے، کہہ دیا کہ تمہاری اس حماقت کا بھی احترام کروں گا تو کروں گا، جب تک، جب تک تم خود اس رشتہ کو نئی زندگی نہیں دو گی۔'' اس کی آنکھوں میں روشن ہوتی امید دیکھ کر اسے لگا تھا کہ شاید اس نے واپسی کا فیصلہ لے کر اس کی خوش گمانیوں میں اضافہ کر دیا ہے اس کے فیصلہ میں دراڑیں ابھی سے پڑنے لگی تھیں اور وہ کانپتے پیروں سے اپنے کمرے تک چلی آئی تھی۔ اس کا فیصلہ ڈانواں ڈول ہو رہا تھا مگر سوئے ہوئے بیٹے پر نگاہ پڑی تھی اس کا بے حد سرخ چہرہ، پلکوں پر اٹکے آنسو وہ اپنے لیے فیصلہ کی جانب جھکتی چلی گئی تھی۔

''تم آگے کیوں نہیں بیٹھ رہیں؟'' وہ گھر والوں کو واپسی کا بتا کر بیٹے کو اٹھائے گاڑی تک آئی تھی۔ اس نے بیٹے کو لے کر پچھلی سیٹ پر لٹایا تھا اور اس کے لیے فرنٹ ڈور اوپن کر دیا تھا مگر وہ پچھلی سیٹ پر بیٹے کا سر گود میں رکھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''آگے بیٹھنے پر بھی اعتراض ہے۔'' بیک مرر سے اس کے سنجیدہ چہرے کی جانب دیکھا تھا۔

''جب آپ کو چھوڑ دیا تو ایک سیٹ کا چھوڑنا تو کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔'' اس نے لب بھینچ لیے تھے۔ وہ کچھ ہی دیر میں کئی طریقوں سے اسے سمجھا گئی تھی کہ اس نے گنجائش اس کے لیے بالکل نہیں نکالی ہے سو وہ خوش فہمی کا ہرگز بھی شکار نہ ہو، نہ ہی یہ سمجھے کہ اسے معافی مل گئی ہے۔ اس کے بعد وہ دونوں ہی کچھ بھی نہیں بولے تھے اور ان کی منزل آ گئی تھی۔ سائرہ بیگم اور یمنیٰ لاؤنج میں بیٹھی تھیں اسے دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔ اس نے سائرہ بیگم سے سلام دعا کے بعد اپنائیت سے یمنیٰ کا حال احوال پوچھا تھا اور ابران کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی، ابران سوتا ان کے ساتھ ہی تھا لیکن اس نے اپنے بیٹے کا الگ سے نہ صرف کمرہ منتخب کیا تھا اسے بڑا خوبصورت سیٹ بھی کیا تھا اس نے بیٹے کو بستر پر لٹایا اور اس کے برابر ہی دراز ہو گئی۔

''میں آج واپس صرف تمہارے لیے آئی ہوں، صرف تمہارے لیے ابر۔'' وہ بیٹے کی آنکھوں کو نرمی سے چھوتے ہوئے بولی تھی۔

''کاش کہ تم میرے بغیر رہ سکتے، کاش کہ میں تمہارے بغیر رہ سکتی، ایسا ممکن ہوتا تو میں یہاں کبھی لوٹ کر نہیں آتی۔'' اس کے

آنسو ابران کا چہرہ تر کرنے لگے تھے اور وہ یونہی کروٹیں بدلتی رات کے کسی پہر نیند کی آغوش میں چلی گئی تھی مگر وہ پوری رات سو نہیں سکا تھا۔

آپ کی یاد آتی رہی رات بھر
چشم نم مسکراتی رہی رات بھر
کوئی دیوانہ گلیوں میں پھرتا رہا
کوئی آواز آتی رہی رات بھر
درد کے چاند دل میں اترے رہے
چاندنی جگمگاتی رہی رات بھر

☆......☆......☆

''ڈیڈی۔'' اس کی نگاہ جیسے ہی ارمان پر پڑی وہ دوڑ کر اس سے لپٹ گیا۔

''کیسا ہے ڈیڈی کی جان۔''۔ گود میں اٹھا کر پیار کرنے لگا تھا۔

''آئی ایم فائن ڈیڈی۔'' وہ ہنستا تھا۔ اس کے معصوم چہرے سے چھلکتی خوشی نیناں کو مطمئن کر گئی تھی۔ کافی دن بعد وہ بیٹے کو چہکتے دیکھ رہی تھی، وہ بریک فاسٹ کرتے ہوئے مستقل بول رہا تھا۔

''تمہاری سیٹ پر خود تم چھ ماہ قبل آخری بار بیٹھی تھیں۔'' اسے کھڑے دیکھ کر بولا تھا اور وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی لیکن کچھ بولی نہیں تھی اور وہ بیٹھتی کہ آہٹ پر مڑ کر دیکھا تھا پھر اسے دیکھ کر اپنے آپ میں چور بن گئی تھی جبکہ ارمان کے بعد اس سے بولی تھی۔

''گڈ مارننگ بیٹا، کیسی ہو؟'' نرمی سے کہہ کر اس کی پیشانی چومی تھی۔

''ممی، یمانی ہمارے گھر کب آئی؟'' وہ تینوں ہی ابران کی آواز پر چونک اٹھے تھے۔

''بہت دن ہو گئے بیٹا، اب یمانی اپنی ممی کے ساتھ ہمارے ہی گھر میں رہے گی۔'' اپنی سیٹ سنبھالتے ہوئے بولی تھیں۔

''واؤ! پھر تو کتنا مزہ آئے گا۔'' وہ خوش ہوا تھا وہ مسکرا دی تھی۔

''اوہوں، بٹ آپ گندے بچے ہو گئے ہو آپ کو مینرز نہیں آتے، آپ نے آنٹی کو سلام نہیں کیا۔''

وہ یکدم شرمندہ ہوا تھا اور اٹھ کر پلٹتی ہوئی یمنیٰ کے پاس چلا گیا تھا۔

''السلام علیکم آنٹی۔''

وہ خود کو کمپوز کرتی اس کے سلام کا جواب دے گئی تھی۔

''آنٹی نہیں یہ آپ کی بڑی ممی ہیں بیٹا۔ آپ یمنیٰ آنٹی کو اب سے بڑی ممی کہو گے۔ اوکے؟'' وہ بیٹے کو دودھ کا گلاس پکڑاتے ہوئے بولی تھی اور اس نے کچھ کہے بغیر گردن اثبات میں ہلا کر گلاس پکڑ لیا تھا۔

''تم کہاں جارہی ہو یمنیٰ، آجاؤ ناشتہ کرلو۔'' وہ سلائس پر بٹر لگا کر یمانی کو دیتے ہوئے بولی تھی اس نے نظر اٹھائی تھی ارمان بہت خاموش بیٹھا تھا اس کی شرمندگی بڑھنے لگی تھی۔

''تمہارا اور میرا سامنا کوئی ایک دن کی بات نہیں ہے۔ ایک گھر میں رہتے ہوئے ہم ایک دوسرے سے بھاگیں گے تو ہمارے درمیان فاصلے جنم لیں گے اور یہ فاصلے ہماری اولاد پر اثر انداز ہوں گے اس لیے ہمیں ایک دوسرے کو برداشت کھلے دل سے کرنا ہوگا۔'' وہ اس کو شش و پنج میں دیکھ کر اس کے سامنے آن ٹھہری تھی۔

''اور اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو مجبوراً ارمان کو ہمارے لیے الگ گھر لینا پڑے گا مگر الگ گھر سے ہم پر ہی نہیں ہماری اولاد پر فرق پڑے گا کیونکہ ہمیں تو ارمان کو ان وقت کو بانٹنا ہوگا۔ ایک چھت تلے رہنے کا کم از کم یہ فائدہ تو ہوگا کہ ہماری اولاد کو ان کا باپ ہر وقت میسر رہے گا۔''

وہ اس کو گہری سوچ میں ڈالتی وہاں سے نکل گئی تھی۔ کچھ دیر بعد واپسی ہوئی تھی تو اس کے ہاتھ میں ابران کا اسکول بیگ تھا۔

''یمانی! ڈرائیور کے ساتھ اسکول جاتی ہے۔ ڈرائیور، ابران کو بھی چھوڑ دے گا۔'' وہ بیٹے کے بیگ میں لنچ بوکس رکھتے ہوئے بولی تھی۔

''میں ابران کو خود ہی اسکول ڈراپ کرنے جاتی ہوں اور تمہیں اعتراض نہ ہو تو میں یمانی کو بھی ڈراپ کردوں گی۔'' اس نے یمنیٰ کی اور دیکھا تھا اسے کیا اعتراض ہوسکتا تھا خاموشی سے مان گئی تھی۔

''آپ کب تک بیٹھے رہیں گے، جلدی آئیے ہمیں دیر ہو رہی ہے۔'' اس نے خاموش تماشائی بنے ارمان سے بولا تھا اور وہ ایک گہری سانس کھینچتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ نیناں نے جب ابران کا ایڈمیشن کروایا تھا تب سے ہی وہ دونوں اسے ڈراپ کرنے جاتے تھے البتہ پک اسے ارمان کرلیتا تھا، چاہے کتنی ہی اہم میٹنگ ہو وہ بیٹے کو لینے وقت پر پہنچتا تھا کیونکہ وہ ابران کے معاملے میں بہت حساس تھی۔

☆......☆......☆

''یس کم اِن۔'' دروازے پر ہونے والی دستک پر اس کو خیال تک نہیں گزرا تھا کہ آنے والی وہ دشمن جاں ہوگی اور وہ اس کے آنے پر ہی حیرت کا شکار تھا کہ اس کا ڈور لاک کرلینے پر حیرانگی بڑھ گئی تھی۔

''ہمارے رشتے کی حقیقت صرف ہم تک رہنی چاہیے۔'' اس نے کمرے میں آنے کا جواب مہیا کیا تھا جبکہ اس کی نگاہ اسے دیکھتے ہی بے قابو ہونے لگی تھی۔

''لائٹ پرپل کاٹن کے ایمبرائیڈ سوٹ میں وہ غیر معمولی سنجیدگی کے سبب کچھ اور دلکش لگ رہی تھی۔

''میرا ابران کے روم میں رہنا باقی سب کو کچھ کہنے کا موقع دے گا اور ابران کے ذہن پر بھی برا اثر ڈالے گا جبکہ میں ابران کی شخصیت سازی کے معاملے میں کمپرومائز نہیں کرسکتی۔'' وہ اس کی نگاہوں کے ارتکاز پر جھنجلائی ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

''ابران کہاں ہے؟'' وہ اس کی جھلملاتی پلکوں کو دیکھ کر نگاہ کا زاویہ ہی نہیں موضوع بھی بدل گیا۔

''مام کے پاس ہے، ضد کر رہا تھا کہ دادو کے ساتھ سوئے گا۔'' وہ آنسو اپنے اندر اتارتی رخ ہی بدل گئی تھی۔

''میں جانتا ہوں کہ تم اس وقت کتنی تکلیف ہو۔ ابران کی چاہت میں تم نے نہ چاہتے ہوئے بھی میرے ساتھ رہنے کا فیصلہ کیا ہے مگر تم بے فکر رہو نیناں، میں تمہارے ہر فیصلے، ہر خواہش کا احترام کروں گا۔ تمہیں میری ذات سے اب کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ جب تک تم نہیں چاہو گی ہمارے درمیان فاصلے نہیں مٹیں گے۔'' وہ دھیمے سے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

''کیونکہ میں تمہیں مزید دکھ نہیں دینا چاہتا اس لئے تمہارے اس احمقانہ فیصلے پر بھی سر تسلیم خم کر دیا ہے۔ تم سکون سے سو جاؤ میں ڈریسنگ روم میں اپنا بستر لگا لوں گا۔'' اس کے لہجے میں آپوں آپ شرارت سی در آئی تھی جسے وہ محسوس کرتی لب کچلنے لگی تھی۔

''آپ اس سب کو میری حماقت سمجھ سکتے ہیں کیونکہ آپ نہیں گزرے اس درد سے جس درد سے میں گزری ہوں۔ ابران کے ننھے ذہن میں اٹھتے سوالات نے مجھے واپسی کے لئے مجبور کیا اور آپ میری مجبوری کو کچھ بھی نام دے سکتے ہیں لیکن یاد رکھیئے گا میری مجبوری میری کمزوری نہیں ہے۔ آپ نے اپنا وعدہ توڑنے کی کوشش بھی کی تو میں یہاں سے چلی جاؤں گی اور اب کے گئی تو کوئی آس بھی آپ کو نہیں دے کر جاؤں گی۔'' اس کی بات بری لگی تھی جس کا اظہار اس طرح کیا تھا کہ وہ لب بھینچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

''تم ایک ہی بات کی گردان سے ثابت کیا کرنا چاہتی ہو؟ اگر بھروسہ نہیں ہے مجھ پر تو کل کی جاتیں آج چلی جاؤ۔'' وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ اس کے سامنے رکتا ناگواری سے بولا تھا۔

''میں کچھ ثابت نہیں کرنا چاہتی اور جانے کی بات آپ نہیں کر سکتے، اپنی مرضی سے آئی ہوں اور جب چاہوں لوٹ سکتی ہوں، آپ کسی قسم کی زبردستی نہیں کر سکتے، نہ ہی مجھے فیصلہ بدلنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ اگر میں نے اپنے بیٹے کے لئے کمپرومائز کیا ہے تو آپ بھی اپنے بیٹے کے لیے کمپرومائز کرنا سیکھ لیں۔'' وہ یکدم بہت اجنبی بہت پرائی ہو گئی تھی۔

''کمپرومائز نہ کرنا ہوتا تو تمہیں تمہاری شرائط کے ساتھ گھر نہ لاتا۔'' وہ اسے لب بھینچنے پر مجبور کر گیا تھا۔

''تم نے فاصلے بڑھا لیے ہیں اور میں تمہاری مرضی کے احترام میں دوریاں مٹانے کی کوشش نہ کرنے کا وعدہ کر چکا ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم بار بار دہرا کر میری تذلیل کرو کیونکہ حقیقت یہی ہے کہ تم میری بیوی ہو، اس لیے تمہیں ہمارے رشتے کو عزت دینی ہو گی، بھروسہ کیا ہے مجھ پر تو یقین بھی رکھو کہ میں تمہارا بھروسہ نہیں توڑوں گا۔'' وہ بات کے اختتام تک خود کو کمپوز کر چکا تھا۔

''آئی ایم سوری۔'' اسے احساس ہوا تھا کہ وہ کچھ غلط کہہ گئی ہے۔

''میرا مقصد تمہیں شرمندہ کرنا نہیں تھا، پہلے ہی موڑ پر اس لیے احساس دلانے کی کوشش کی تا کہ ہمارے درمیان کچھ نہ رہے بھروسہ تو رہے رشتے کا احساس نہیں تو نہ سہی اس کا احترام باقی رہے۔'' وہ اسے آرام کرنے کی ہدایت کرتا تکیہ لے کر ڈرائنگ روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔

☆......☆......☆

''میں نے نناجان کے گھر نہیں جانا ہے۔'' وہ صاف منع کرتا بھاگ گیا تھا اور وہ اس کو پکڑنے کو لپکتی ارمان سے ٹکرا گئی تھی۔

''آر یو آل رائٹ؟'' وہ اس کے چہرے پر تکلیف کے تاثرات دیکھ کر پوچھنے پر مجبور ہوا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' وہ ضبط سے کہتی ہینڈ بیگ لیے کمرے سے نکل گئی تھی۔

''آپ چلو نا بیٹا، ممی کے ساتھ ہم شام تک واپس آجائیں گے۔ پکا پرامس، ٹھہریں گے نہیں۔'' اس نے بیٹے کو پچکارنے کی کوشش کی تھی۔

''ابران نہیں جانا چاہتا بیٹا تو تم بعد میں چلی جانا۔'' سائرہ بیگم پوتے کو مستقل انکار کرتے اور بہو کو اصرار کرتے دیکھ کر بالآخر بول پڑی تھیں اور وہ سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ لب بھینچ گئی تھی۔

''میں کال کر کے گھر پر بتا چکی ہوں، سب ہماری راہ دیکھ رہے ہوں گے۔'' اس نے خود کو کمپوز کر کے نرمی سے ان کی بات رفیوز کی اور بیٹے سے بولی۔

''آپ کو نہیں جانا ہے، آپ دادو کے پاس رہ جاؤ، ممی جا کر آتی ہیں۔''

اس کا اتنا کہنا تھا کہ وہ رونے لگا تھا، نہ ساتھ جانے کو راضی تھا نہ اکیلے جانے دے رہا تھا۔

''ضد نہ کرو ابر، کہہ دیا کہ ہم نناجانے کے ہاں جا رہے ہیں تو بس جا رہے ہیں۔'' اس نے غصہ میں آکر اسے ڈپٹا تھا اور اس کے رونے میں اضافہ ہو گیا تھا۔

''آخر مسئلہ کیا ہے، اگر ابھی نہیں جاؤ گی تو کون سی قیامت آجائے گی۔'' وہ ہر گزرتے دن کے ساتھ اسے اپنے رویے سے زچ کر رہی تھی اور اس کے غصہ ہونے پر وہ سرخ چہرے کے ساتھ وہاں سے نکل گئی تھی۔

''ممی، ابران کی وجہ سے میں نہیں آپارہی۔ ایسا کریں آپ سالار بھیا کے ساتھ یہاں آجائیں۔''

وہ بے طرح چونکا تھا۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' وہ پریشان ہوئی تھیں۔

''نہیں مما، کل رات سے طبیعت کچھ ڈاؤن ہے اور آج صبح سے تو وومیٹنگ کے ساتھ ساتھ پین بھی ہو رہا ہے۔ آپ آجائیں تو ہم ڈاکٹر کے پاس چلے جائیں گے۔'' اس کی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی تھی اور اس کو اشتعال اپنی لپیٹ میں لینے لگا تھا۔

''تم ارمان کے ساتھ......''

''مما، آپ آسکتی ہیں یا نہیں؟'' اس نے تیزی سے ماں کی بات کاٹی تھی۔

''نہیں۔'' اسے ماں سے صاف جواب کی توقع نہ تھی۔

''میں تمہاری ضد سے واقف ہوں، اندازہ ہے مجھے تم صرف ابران کے لیے گئی ہو لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم ارمان سے

بالکل لاتعلق ہوجاؤ۔'' وہ جس طرح گئی تھی وہ ان سب کے لیے حیرانگی کا باعث تھا مگر جاتے وقت اسے پچھلی سیٹ پر دیکھ کر وہ بری طرح تشویش کا شکار ہوگئی تھیں کیونکہ بیٹی کی فطرت سے بہ خوبی واقف تھیں۔

''مجھے سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے، بچی نہیں ہوں، اپنا اچھا برا سمجھتی ہوں اور آپ نے صاف جواب دے کر مجھے میری اوقات بتادی ہے۔ مطمئن رہیے گا اب آپ لوگوں کو پریشان نہیں کروں گی۔'' اس نے آگے سے ماں کی بات سننے سے پہلے ہی لائن کاٹ دی تھی۔

''تمہیں ڈاکٹر کے پاس جانا ہے تو مجھ سے کہہ سکتی تھیں۔'' وہ اس کے دیکھنے پر ناگواری سے بولا تھا۔

''جب میں نے آپ سے تعلق ہی نہیں رکھنا تو میں کیوں آپ کو اپنے لیے پریشان کروں۔'' ماں کے رویے سے ہرٹ ہوئی تھی اس لیے لہجے میں غصہ کی جگہ بے بسی سی تھی۔

''تم اپنے لیے نہیں، میری اولاد کے لئے تو کہہ سکتی ہو۔ تمہاری یہ لاپروائی بچے پر کیا اثر ڈال سکتی ہے، سوچا ہے تم نے۔'' اس کی بات سے تو اس کے دماغ کا فیوز ہی اڑ گیا تھا شدید غصہ سے بولا تھا۔

''اپنی اولاد کی مجھے بھی پرواہ ہے......''

''کتنی ہے نظر آرہا ہے۔ بحث کرنے سے بہتر ہے آجاؤ تمہیں ہاسپٹل لے جاتا ہوں۔''

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر بڑھتی ہوئی تکلیف نے کچھ کہنے نہ دیا اور وہ آنسو گرتی اس کے پیچھے چل پڑی تھی اور جو کچھ ڈاکٹر نے اس سے کہا تھا وہ ارمان کے ساتھ آنے پر افسوس کرنے لگی تھی جبکہ اس کا خراب موڈ مزید خراب ہوگیا تھا۔

''سنا تو ہوگا نہ تم نے، کیا کہہ رہی تھی ڈاکٹر، کیوں اپنی جان کی دشمن بن گئی ہو؟'' وہ گاڑی میں بیٹھتے ہی تاسف سے بولا تھا کیونکہ ڈاکٹر نے اس ٹھیک ٹھاک قسم کی ڈانٹ پلا کر اس کا خیال رکھنے کے لیے کہا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں، ڈاکٹرز کو تو عادت ہوتی ہے۔'' وہ چڑ چکی تھی۔

''عادت نہیں ہوتی، حقیقت ہے یہ کہ تم اپنا، اپنی ڈائیٹ کا بالکل خیال نہیں رکھ رہی ہو اور یہ بے احتیاطی بچے کے لیے ہی نہیں تمہارے لیے بھی نقصان دہ ہوسکتی ہے مگر تمہیں تو مرنے کا شوق ہو چلا ہے۔'' اس کا غصہ کم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔

''آپ اس لہجے میں مجھ سے بات نہیں کرسکتے۔'' ناگواری سے بولی تھی۔ ''میں جیوں یا مروں آپ کو فرق بھی نہیں پڑنا چاہیے۔'' اس کے آنسو بہنے کو بے تاب ہونے لگے تھے۔

''ہاں، پڑنا نہیں چاہئے مگر مجھے فرق پڑتا ہے۔ محبت کرتا ہوں تم سے ڈیم اٹ۔'' اس کا بازو جکڑتے ہوئے جذباتی ہوا تھا۔

''محبت کا راگ میرے سامنے الاپنے کی تو کوشش بھی مت کیجیے گا، ہوتی مجھ سے محبت تو وعدہ کرتے نہیں سوچا تھا تو وعدہ پورا کرتے وقت تو سوچتے۔'' وہ اس کے جذباتی انداز پر بھڑ کی تھی۔

''تم بس میری اس خطا کو بھلا دو، میری سزا ختم کردو، تم سے لاتعلق ہو کر چند دن اور جیا تو مرہی جاؤں گا۔'' اس کی جذباتیت

بڑھنے لگی تھی۔ ''تم میری بے بسی کو سمجھو نیناں، جس سے محبت کرتا ہوں، شرعی رشتہ ہے جس سے، اس سے اتنی لاتعلقی اور اجنبیت کے ساتھ رہنا میرے اختیار سے باہر ہو رہا ہے۔ تم مجھ سے اپنے سکھ بھلے نہ کہو مگر اپنے دکھ بانٹنے کا مجھ سے حق نہ چھینو'' وہ فقط گیارہ دنوں میں ہی ضبط کے مرحلوں میں ناکام ہو گیا تھا۔

''آپ میری آزمائشوں میں اضافہ نہ کریں، میں نہیں چاہتی، ابران کے لیے جو فیصلہ لیا ہے وہ بدلوں کہ میں اپنی اولاد سے ان کا باپ نہیں چھیننا چاہتی، میں نہیں چاہتی کہ جب میری اولاد دنیا میں آئے تو باپ کے ہوتے ہوئے بھی اس کی دوری سہے، میں اپنے بچوں کی زندگی میں کوئی محرومی نہیں چاہتی، اسی لیے میں نے ایک ہی گھر میں رہنے کو ترجیح دی ہے کہ میں اپنی اولاد کے لیے ہر تکلیف سے گزرنے کو تیار ہوں اور جب ضبط کے مرحلوں سے میں گزر رہی ہوں تو آپ کیوں نہیں۔'' اس نے سرخ نگاہیں اس پر ڈالی تھیں جو لمحہ اس سے دور ہو رہا تھا۔

''جب مجھے آپ نے اپنے ہوتے ہوئے نہ ہونے کی تکلیف دی ہے تو یہی سزا میں آپ کے لیے کیوں نہیں چن سکتی؟ اپنا خیال ہے کہ یونہی کچھ دن اور چلا تو آپ مر جائیں گے اور میں جو پل پل مر رہی ہوں اس کا کیا ارمان؟'' وہ اس سے زیادہ جذباتیت کا مظاہرہ کرتی اس کی بولتی بند کر گئی تھی۔

''کہتے تو ہیں کہ میری خوشی سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے مگر آپ تو یہ تک نہیں جان سکے کہ میری خوشی کس میں ہے۔'' اس نے ایک جھٹکے سے اس کی جانب گردن موڑی تھی اور اس کا گریبان اپنی مٹھیوں میں جکڑ لیا تھا۔

''میری خوشی آپ کے ساتھ تھی ارمان، مگر آپ نے خود کو مجھ سے دور کر کے مجھ سے میری خوشیاں ہی چھین لیں۔''

وہ اس کا گریبان مٹھیوں میں جکڑے شدتوں سے رو رہی تھی۔

''مجھے خود سے اتنا دور کر دیا ہے کہ میں آپ کے قریب آنا بھی چاہوں تو نہیں آ سکتی کہ یہ احساس کہ آپ اس کے ساتھ ایک کمرے میں رہتے ہیں، کسی دن میرا دل بند کر دے گا تب آپ کو احساس ہو گا کہ آپ نے مجھ پر کیسا ستم ڈھایا ہے۔'' اس کا شدت بھرا لہجہ اس کی دل کی دنیا تہہ و بالا کر گیا تھا۔ اس نے اسے خود سے بھینچ سا لیا تھا۔

''آپ بہت برے ہیں ارمان، میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' اس کی ہچکیاں بندھنے لگی تھیں۔

''جس احساس نے تمہاری سانس دشوار کی ہوئی ہیں وہ لمحات تو کبھی آئے ہی نہیں۔'' اس کو خود سے لگائے وہ بے بسی سے سوچ رہا تھا۔

''مشہود نے مجھے کس مشکل میں ڈال دیا ہے میں تو اظہار تک نہیں کر سکتا۔ تمہیں کیسے بتاؤں کہ یہ رشتہ کتنی بے بسی سے جڑا ہے۔ نہ دوریاں مٹانے کی مجھے حاجت ہے نہ ہی وہ خوش ہیں اور تم نے مجھ سے اتنے فاصلے بڑھا لیے ہیں کہ میں قربتوں کے مطالب بھی بھولنے لگا ہوں۔''

اسے جیسے ہی احساس ہوا تھا وہ تڑپ کر دور ہوگئی تھی اور اس نے کچھ کہے بغیر سوچتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی اور ان کے درمیان ایک بار پھر گہری خاموشی ٹھہر گئی تھی۔

☆......☆......☆

''جب تمہارا دل اور دماغ نئے رشتے کو قبول کرنے کو تیار نہ تھے تو تمہیں یہ رشتہ نہیں جوڑنا چاہیے تھا۔''

وہ سوالیہ نگاہوں سے ماں کو دیکھنے لگا تھا۔

''تمہیں نہیں لگتا کہ تم یمنیٰ کے ساتھ زیادتی کر رہے ہو۔''

وہ الجھ گیا تھا۔

''آپ جو کہنا چاہتی ہیں صاف صاف کہہ دیں۔'' تلخی سے بولا تھا۔

''جب تم نے نکاح کیا ہے تو اس کے شرعی تقاضے، حقوق وفرائض پورے کرنے کی تم پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔'' وہ لگی لپٹی کے بغیر کہہ گئی تھیں اور وہ نظر چرانے پر مجبور ہو گیا تھا۔

''اب یہ نہ کہنا کہ مجھے غلط فہمی ہوئی ہے کیونکہ بچی نہیں ہوں۔ اس گھر میں کیا چل رہا ہے خوب اندازہ ہے مجھے اور صاف کہہ رہی ہوں کہ اگر نکاح کیا ہے تو اپنی ذمہ داریوں کو بھی سمجھو۔''

وہ کچھ نہیں بولا تھا کہ اس کے پاس کچھ کہنے کو تھا ہی نہیں۔

''میری ایک بات یاد رکھنا مرد کو اللہ نے چار شادیوں کی اجازت دی ہے لیکن انصاف کی تاکید بہت سخت ہے۔ تمہارے اور نیناں کے بیچ میں پڑنا نہیں چاہتی کیونکہ میں نیناں کے احساسات محسوس کر سکتی ہوں، وہ تم سے کچھ خفا ہے، تمہارے اور اس کے درمیان فاصلے صاف محسوس ہو رہے ہیں لیکن مجھے پوری امید ہے کہ کچھ عرصہ میں وہ نارمل ہو جائے گی کہ تم ایسا کر لو گے کہ اس سے محبت کرتے ہو، پرواہ ہے اس کی اور تمہاری محبت اسے سمیٹ لے گی لیکن یمنیٰ، اس کے ساتھ تم ناانصافی سے مرتکب ہو رہے ہو۔''

وہ ماں کو دیکھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

''وہ بچی بہت کم عمری میں بیوہ ہوگئی اور مجھے یقین ہے کہ مشہود کے پیرنٹس خود اس کی شادی کرواتے اور تم نے دوست سے کیے وعدے کی لاج رکھنے کے لیے اس سے نکاح کیا ہے تو اس کے حقوق کا خیال رکھو، عزت اور محبت دو کہ اپنے اسی رویے پر قائم رہے تو زیادتی کرو گے اس سے، بہتر تو ہوتا کہ تم اس سے شادی نہ کرتے۔ مشہود کے پیرنٹس پھر جو چاہے اس کی زندگی کا فیصلہ کرتے۔ جس سے چاہتے اس کی شادی کر دیتے اس لیے فیصلہ کیا ہے تو ظرف اور دل بھی بڑا کرو۔'' انہوں نے بیٹے کو اس کی غلطیاں کھل کر بتائی تھیں۔ اسے احساس دلانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔

''میں خود کو یمنیٰ کا مجرم پاتا ہوں لیکن بہت مجبور ہوں مام، رشتہ تو میں نے وعدے کا پاس رکھنے کے لیے جوڑ تو لیا ہے مگر نبھانے کا

حوصلہ نہیں ہے۔'' اس نے اپنی شکست تسلیم کرلی تھی۔

''حوصلہ تو کرنا پڑے گا کیونکہ تم رشتے سے بھاگ نہیں سکتے اور سچ کہوں تو تمہارے حوصلہ اور سمجھ داری سے ہی بات بنے گی ورنہ دلوں میں گنجائش نہیں رہے گی تم دونوں کو ان کے حقوق دو، اپنا ہر ایک فرض ایمانداری سے نبھاؤ کیونکہ تمہاری آزمائش یہ نہیں تھی کہ مشہود نے تم سے ایسا وعدہ کرلیا آزمائش تو یہ ہے کہ تم وعدے کا پاس کہاں تک رکھتے ہو۔'' انہوں نے ناصحانہ انداز میں بیٹے کو سمجھایا تھا۔

''لیکن مام!''

''لیکن ویکن کا وقت گزر گیا ہے ارمان، زندگی کو اور اپنے رشتوں میں توازن تمہیں ہی قائم کرنا پڑے گا اور تم اس میں کامیاب ہو گے تب ہی پرسکون زندگی گزار سکو گے یہ تو تمہاری خوش نصیبی ہے کہ تمہاری دونوں بیویاں عام عورتوں کی طرح نہ جھگڑالو ہیں، نہ ہی چالاک اس لیے سمجھ داری تمہیں ہی دکھانا ہوگی۔ دونوں کو ان کا مقام دو، نہ یمنیٰ کو نیناں سے کم تر سمجھو اور نہ ہی اپنے دوست کی بیوی، کہ وہ ماضی تھا جو گزر گیا، اب وہ تمہاری بیوی ہے اس سے محبت کرنا اس کا خیال رکھنا تم پر فرض ہے۔'' وہ بیٹے کو سوچوں کے حوالے کر کے اٹھ گئی تھیں۔

☆......☆......☆

''آپ۔'' اسے دیکھ کر وہ بے یقینی سے کھڑی ہوگئی تھی۔

''آپ مجھے دیکھ کر اتنا حیران کیوں ہورہی ہیں، میں آپ کو لینے آیا ہوں۔ کیا نہیں آنا چاہیے تھا؟'' وہ اس کی بے یقینی محسوس کر کے اندر ہی اندر شرمندہ ہوا تھا لیکن جب بولا تو لہجہ کافی نارمل ہی تھا اور وہ گڑبڑا گئی تھی۔

''میں نے ایسا تو نہیں کہا۔''

''آپ چلنے کی تیاری کریں اور یہ یمانی کہاں ہے؟'' وہ بیٹھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''یمانی آنی کے ساتھ مارکیٹ گئی ہوئی ہے۔'' دھیمے سے بتایا تھا اور پھر ان کے درمیان چبھتی ہوئی خاموشی ٹھہر گئی تھی۔ اتنی گہری خاموشی جو اجنبیوں کے درمیان بھی نہیں ہوتی۔

''آپ آنٹی کو کال کر کے پوچھ لیں کہ وہ کتنی دیر تک آئیں گی۔'' اس نے بالآخر خاموشی توڑی تھی اور اسی وقت آہٹ ہوئی تھی۔

''ڈیڈی۔'' یمانی دوڑ کر اس تک پہنچی تھی۔

''ڈیڈی کی جان کیسی ہے؟'' وہ شفقت سے اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے پوچھ گیا تھا اور وہ نان اسٹاپ شروع ہوگئی تھی۔ لامحالہ یمنیٰ کو ٹوکنا پڑا تھا اور وہ مشہود کی والدہ سے گفتگو کرنے لگا تھا جتنی دیر وہ دونوں تیار ہو کر آئی تھیں۔

''ڈیڈی، میں نے آئسکریم کھانی ہے۔'' وہ ایک ہفتہ سے علی ہاؤس میں تھی اور چونکہ وہ گزشتہ مہینوں میں ارمان سے بہت اٹیچ ہوگئی تھی اس لیے خوشی کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ فرمائشیں بھی کر رہی تھی وہ جو کھڑکی سے باہر کے نظارے دیکھنے میں مگن تھی بیٹی کی آواز پر چونک اٹھی تھی اور اسے دیکھنے لگی تھی جو فوراً ہی راضی ہوگیا تھا اور جب گاڑی آئسکریم پارلر کے سامنے رکی تھی تو وہ گہری سانس کھینچتی گاڑی سے اتر آئی تھی۔

''یمنیٰ، خالی چمچہ ہی چلاتی رہیں گی یا کھائیں گی بھی کہ آئسکریم گھل رہی ہے۔'' ارمان کے نرم سے لہجے پر اس نے چہرہ اوپر کیا تھا ان دونوں کی نگاہیں ٹکرائی تھیں وہ مسکرایا تھا اور وہ گڑبڑا کر اس کا یاپلٹ پر متحیر ہونے لگی تھی۔

''ڈیڈی، ممی کو آئسکریم نہیں پسند۔'' مزے سے آئسکریم کھاتی وہ بولی کیا تھی اسے گڑبڑا گئی تھی۔

''آپ کو آئسکریم نہیں پسند تو کہہ دیتیں، میں آپ کے لیے جوس......''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ کنفیوزسی اس کی بات کاٹ گئی تھی۔

''پتہ ہے ڈیڈی، ممی کو آئسکریم بالکل نہیں پسند، جب میں پاپا کے ساتھ آئسکریم کھانے آتی تھی تو میں اور پاپا ہی کھاتے تھے اور ممی کا کپ بھی پاپا ہی خالی کرتے تھے۔'' اس نے اپنے تئیں اس کی معلومات میں اضافہ کیا تھا جبکہ وہ دونوں ہی سناٹے میں آگئے تھے۔

''یمانی، چپ کر کے آئسکریم ختم کرو۔'' خجالت مٹانے کو بےبسی سے اسے ڈپٹا تھا جبکہ وہ اسے دیکھنے لگا تھا جس کا چہرہ لہورنگ ہو گیا تھا، آنکھیں الگ نمکین پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

''یہ کام تو آپ کے ڈیڈی بھی کر سکتے ہیں۔'' وہ خود کو اس رشتے کے لیے تیار کر چکا تھا اس لیے خود کو سنبھالتا شرارت پر آمادہ ہوا تھا اور اس کے آگے رکھا کپ اٹھا لیا تھا۔ اس نے مسکرا کر آئسکریم کے چمچے بھر بھر کر منہ میں ڈالتے ارمان شیرازی کو دیکھا، اس کے آنسو بے اختیار ہونے لگے اور وہ کرسی کھسکا کر اٹھی اور باہر کی جانب بڑھتی چلی گئی۔ وہ اس کے اس طرح جانے پر پریشان ہوتا بڑی عجلت میں پے منٹ کرتا جس وقت گاڑی تک آیا وہ گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑی نیر بہا رہی تھی اس نے تاسف سے دیکھتے ہوئے اس کے لیے فرنٹ ڈور اوپن کر دیا تھا اور وہ بڑی خاموشی سے بیٹھ گئی تھی مگر پورے راستے روتی ہی رہی تھی اس نے تو خیر کچھ نہیں کہا تھا البتہ یمانی منہ بسور کر پریشان ہونے لگی تھی۔

''ممی، کیوں رو رہی ہیں۔'' اس نے بیک مرر سے اسے دیکھا جو رونے کو پر تول رہی تھی۔

''ممی کے سر میں درد ہے۔ یو ڈونٹ وری۔'' اس نے نرمی سے اسے پچکارا تھا۔

''پھر تو ہمیں ممی کو ہاسپٹل لے کر جانا چاہیے۔'' اس نے ترنت سمجھداری کا ثبوت دیا تھا۔

''اسٹاپ اٹ یمانی، خاموشی سے بیٹھو اب ایک لفظ مت بولنا۔'' اس نے بیٹی کو ڈپٹ کر رکھ دیا تھا۔

''یمنیٰ، یہ کیا طریقہ ہے بچی کے ساتھ بات کرنے کا۔'' ناگواری سے اسے دیکھا تھا جس کا چہرہ لہورنگ ہو رہا تھا اور آنکھیں گریہ وزاری کا عملی نمونہ بنی ہوئی تھیں اس کے ٹوکنے پر اس نے نہ اس کی طرف دیکھا اور نہ ہی کچھ بولی اور جیسے ہی گاڑی رکی وہ تیر کی تیزی سے اتر کر تقریباً دوڑتے ہوئے وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی اور وہ گہری سانس کھینچتا اسے لیے اندر کی جانب بڑھ رہا تھا اور اسے روتا دیکھ کر وہ پریشان ہو گئی تھیں کہ یمنیٰ بھی روتے ہوئے ہی گئی تھی اور ان کے آواز دینے پر بھی نہیں رکی تھی۔

''ممی نے ڈانٹا ہے۔'' بیٹے سے لے کر اسے پچکارا تو وہ بول گئی اور وہ بیٹے کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی تھیں۔

''بات کیا ہوئی ہے یمنیٰ بھی رو رہی تھی اور میرے روکنے پر رکی تک نہیں۔''انہوں نے بیٹے سے پوچھا تھا۔

''آپ یمانی کا خیال رکھیں، ایسی کوئی بڑی بات نہیں ہوئی ہے۔'' وہ سنجیدگی سے کہتا اپنے کمرے کی جانب بڑھا تھا کہ کچھ سوچ کر یمنیٰ کے کمرے میں چلا آیا تھا اور وہ جو منہ دھو کر نکلی تھی اور ٹاول سے خشک کر رہی تھی اسے دیکھ کر گڑبڑا گئی تھی۔

''آج کی آپ کی حرکتیں، آپ کا رویہ مجھے سخت عجیب لگا ہے۔ مجھے آپ سے اتنے بچپنے کی امید نہیں تھی۔'' سنجیدگی سے اس کی بھیگتی آنکھوں میں دیکھ کر بولا تھا جب سے ان کا نکاح ہوا تھا آج پہلی بار تھا کہ وہ اس کے چہرے کی جانب کسی شرمندگی اور خود کو ملامت نہ کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

''پلیز، آپ چلے جایئے، مجھے اس وقت کوئی بات نہیں کرنی ہے۔'' وہ اپنی ہی الجھنوں میں الجھ چکی تھی ایسے میں اس کا بدلا ہوا انداز اور آنکھیں اسے ڈسٹرب کر رہی تھیں۔ اسی لیے وہ رخ موڑ کر جانے لگی تھی کہ وہ اس کی کلائی تھام گیا تھا وہ دھک سے رہ گئی تھی اور بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا تھا اور اس کے مسکرانے پر نے تو جلتی پر تیل کا کام کر ڈالا تھا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟ ہاتھ چھوڑیں میرا۔'' ناگواری سے چیخی تھی۔

''بیوی ہیں آپ میری، ہاتھ پکڑنا تو کچھ نہیں، میں اس سے بہت آگے تک بڑھنے کا ہر ایک حق رکھتا ہوں۔'' اس نے برا مانے بغیر لفظ ''حق'' پر زور ڈالتے ہوئے کہا اور کلائی کو جھٹکا دے کر اسے اپنی اور کھینچ لیا۔ وہ اس کے سینے سے آ لگی تھی اور اس نے اس کے مہکتے سراپے کو اپنے حصار میں باندھ لیا تھا اور وہ حیران و پریشان اس کا حصار توڑنے کو مچلنے لگی تھی۔

''پلیز لیومی......'' ناکام ہوتے ہوئے سسکی تھی۔

''میں نے آپ کو اور خود کو وقت دیا تھا مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہمارے درمیان یہ لمحات کبھی آئیں گے ہی نہیں۔''

اس نے اسے اتنا دور کیا تھا تا کہ اس کا چہرہ دیکھ سکے۔ ان دونوں کی نگاہیں ٹکرائی تھیں اس کی آنکھوں میں رشتہ نبھانے کا عزم تھا تو وہ ڈری ڈری راہِ فرار حاصل کر لینا چاہتی تھی اور اس کے چہرے پر بے بسی دیکھ کر اس نے گرفت ڈھیلی کی تھی۔

''یہ فرار آخر کب تک حاصل کر پائیں گی؟'' وہ اس کی عنایت پر دوسرے ہی لمحہ اس کی گرفت سے نکلنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

''آپ پلیز جایئے یہاں سے۔'' وہ روتے ہوئے چیخی تھی۔

''آخر کیوں جاؤں؟ نامحرم ہوں آپ کا جو آپ اس طرح سے بی ہیو کر رہی ہیں۔'' وہ ڈھنگ سے فاصلہ پر نہیں ہو پائی تھی کہ اس نے بازو جکڑ لیا تھا۔

''آپ کو اپنا محرم بنانے کا مجھے کوئی شوق نہیں تھا اپنی اور میری مجبوریوں کو اور دراز نہ کریں کہ یہی مجبوریاں ہمارے گلے کا پھندا بن جائیں۔'' اس کے رونے میں شدت آ گئی تھی۔

''آپ سمجھ کیوں نہیں رہی ہیں۔ میں مجبوریوں کا طوق ہی تو گلے سے اتار پھینکنا چاہتا ہوں۔'' اس کی بے بسی میں اضافہ ہوا تھا

اوراس نے بازو بھی آزاد کر دیا تھا۔

''میں کچھ سمجھنا نہیں چاہتی، آپ نے پہلے ہی میری زندگی جہنم بنادی ہے مزید میری راہوں کو دشوار نہ کریں۔'' وہ بیڈ پر گرسی گئی تھی۔

''آپ کی زندگی گر میں نے جہنم بنائی ہے تو اسے جنت بھی میں ہی بناؤں گا لیکن آپ ہیں کہ سب کچھ جانتے، سمجھتے ہوئے بھی بچوں کی طرح بی ہیو کر رہی ہیں۔'' اب کے وہ سلگ کر بولا تھا۔

''بچوں کی طرح میں بی ہیو کر رہی ہوں تو آپ نے تو بڑا فہم و فراست کا ثبوت دیا تھا، دوست سے کرلیا وعدہ، اس کی بیوہ سے نکاح بھی کرلیا اور اب بیوی کا درجہ بھی دینا چاہتے ہیں مگر سن لیں مجھے ایسی کوئی حاجت نہیں ہے۔'' وہ اس کے مدِ مقابل آ کر ہذیانی انداز میں بولی تھی اس نے لب بھینچ لیے تھے۔

''آپ کی ایک تابعداری کتنی ہی زندگیاں تباہ کر گئی ہے مگر آپ کو احساس نہیں ہے تب ہی تو ہر دوسرے دن آپ کو نئی سوجھتی ہے۔''

اس کا چیختا لہجہ اس کی برداشت کی حد ختم کر گیا تھا۔

''شٹ اپ۔'' تیز لہجے میں اسے ڈپٹا تھا۔

''آپ کی بہت عزت کرتی تھی میں، لیکن سب کچھ آپ نے ازخود ختم کر دیا اور یاد رکھیے گا کہ میں نے صرف مشہود سے محبت کی ہے، میں اس زبردستی کے رشتے کو نہیں مانتی اس لیے نہ آپ کی تابعداری میں آپ کا ساتھ دوں گی نہ ہی رشتہ نبھانے کی خواہش میں آپ کی ہمنوا بنوں گی۔'' وہ اس کے ڈپٹنے سے خائف ہوئے بنا طنزیہ لہجے میں بولی تھی۔

''نکاح کرتے وقت جب میری تابعداری کا آپ نے ساتھ دیا تھا تو آگے آپ اپنی جان نہیں چھڑا سکتیں۔'' تپ کر بولا تھا۔ وہ خود ضبط سے گزر رہا تھا مگر ذہنی و قلبی کیفیت زبان تک تو کیا چہرے تک نہیں آنے دی تھی ورگرنہ اس کی حالت اسی کے مشابہ تھی مگر وہ اس کی طرح اظہار کر کے اس کے اور اپنے لیے مزید تکلیفیں مول نہیں لے سکتا تھا۔

''میں نے آپ کا ساتھ نہیں دیا کہ میں آپ کے اور مشہود کے وعدے کی پابند نہ تھی۔ اگر خالو جان یہ نہ کہتے کہ میں نے آپ سے نکاح نہیں کیا تو وہ یمانی آپ کو دے دیں گے تو میں کبھی اس سب کے لیے راضی نہ ہوتی۔''

اس کے انکشاف پر وہ حیرانگی کے زیرِ اثر چلا گیا تھا۔

''مشہود نے مجھے جتنے سکھ دیئے وہ سب جاتے جاتے اپنے ساتھ ہی لے گئے آپ سے وعدہ لیا کہ آپ مجھ سے نکاح کریں گے، خالو جان سے وعدہ لیا کہ وہ مجھے اس سب کے لیے راضی کریں گے اور اگر میں نہ مانوں تو وہ یمانی آپ کو سونپ دیں گے۔'' اس کے رونے میں جہاں شدت آئی تھی وہیں اس کی بے یقینی بھی بڑھ گئی تھی۔

''آپ بتائیے کہ یمانی میری بیٹی نہیں ہے؟ کیا اس پر میرا کوئی حق نہیں ہے؟ تو پھر کیوں ہر فیصلہ مشہود نے ازخود لے کر مجھ سے

میرا حق چھین لیا۔ کیوں مجھے آپ کا پابند کیا'' وہ اس کا بازو جکڑے وہ سوال کر رہی تھی جس کا جواب اس کے پاس نہ تھا۔

''بعض دفعہ ہمیں جس کی بہت پرواہ ہوتی ہے اس کا خیال رکھنے کو ایسے اقدام اٹھا لیتے ہیں کہ ہم خود اپنے جان سے پیارے شخص کی تکلیف کا سبب بن جاتے ہیں۔''

اس نے اس کا ہاتھ تھاما اور بیڈ پر بٹھا کر اسے پانی پلایا جب وہ کچھ نارمل ہوئی تو اس کے برابر ٹکتے ہوئے نرم لہجے میں کہتا چلا گیا۔

''مشہود آپ سے بہت محبت کرتا تھا۔ اسے آپ کی پرواہ تھی اس لیے اس نے ہم سب کو اپنے فیصلے پر مجبور کیا لیکن میں آج آپ کے سامنے ایک بات سچائی سے کہنا چاہتا ہوں۔''

اس نے بھیگی بھیگی پلکیں اس کے چہرے پر اٹھائی تھیں۔

''جس وقت نکاح کا وعدہ کیا تو میں راضی نہ تھا۔ جب نکاح ہوا تب بھی میرے ذہن نے اس رشتے کو قبول نہیں کیا تھا مگر آج میں کہتا ہوں کہ میں ذہن و دل کی آمادگی کے ساتھ اس رشتے کی ابتدا کرنا چاہتا ہوں۔''

اس کی صاف گوئی اس کی ہتھیلیاں نم کر گئی اور اس نے فوراً سے پیشتر نظریں چرا لیں۔

''رشتے مذاق نہیں ہوتے یمنیٰ اس لیے کیا کیسے ہوا بھول جائیے کہ ماضی میں جیئیں گے تو حال ہی نہیں مستقبل بھی تباہ کر بیٹھیں گے۔''

اس کو اٹھتے دیکھ کر ہاتھ پکڑ کر واپس بٹھایا تھا اور اس کے آنسو پھر گرنے لگے تھے۔

''آپ کو یہ فیصلہ مشہود کا لگتا ہے اس لئے آپ اس سے خفا ہیں۔ اس فیصلہ کو قبول کرنے کو نہیں راضی مگر یہ بتائیے کہ اب تک آپ کی زندگی کا ہر فیصلہ آپ کی سوچ، آپ کی خواہش کے مطابق ہوا ہے؟'' اس نے اس کا چہرہ اپنی جانب گھمایا تھا اور وہ نظر چرا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''مشہود کی موت کا فیصلہ آپ کا تھا؟'' وہ اس کے مدمقابل آیا تھا۔

''آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔'' وہ اس کی معنی خیز باتیں نہ سمجھ پاتے ہوئے چڑ کر بولی تھی۔

''زندگی اور موت میرے اختیار میں نہیں ہے، ہوتا ایسا تو میں کبھی مشہود کو خود سے دور نہیں جانے دیتی۔'' اس کے لہجے میں بے بسی گھلنے لگی تھی۔

''ہمارا ایک دوسرے کی زندگی میں آنا بھی ہمارا فیصلہ نہیں ہے اور جب آپ نے نہ چاہتے ہوئے بھی مشہود کی موت کو قبول کیا ہے تو باقی حقیقتوں کو بھی تسلیم کر لیجیے کہ ہم انسان اپنی زندگی کے ایک لمحہ پر بھی اپنا اختیار نہیں رکھتے، ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے۔'' اس نے آگے بڑھ کر اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

''آپ اس احساس سے باہر آ جائیے کہ آپ غاصب ہیں کہ آپ کسی کی قسمت نہیں چرا سکتیں، نیناں کو صرف وہ ملے گا جو اس کا

نصیب ہے اور میں آپ کو اس کے نصیب سے نہیں آپ کے نصیب سے ملا ہوں۔ اس لیے اپنے حقوق پہچانیے۔'' وہ اس کے چہرے کی جانب مکمل استحقاق سے دیکھ رہا تھا اور اب کے وہ خاموش رہی تھی۔ یہاں تک کہ اس کا ہاتھ بھی نہیں جھٹکا تھا۔

''اور فرائض کی ادائیگی کے لیے خود کو تیار کر لیجیے کہ میں نہ اپنے فرائض سے چوکنے والا ہوں نہ ہی حقوق سے دستبردار ہونے والوں میں سے ہوں۔''

اسے بہت کچھ باور کرواتے ہوئے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا اور وہ اسے ساکت چھوڑ کر روم سے باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

''آئی ایم سوری بیٹا'' اس نے منہ پھلائے بیٹھی یمانی کو گڈ مارننگ کہا تھا مگر کوئی جواب نہ پا کر کرسی سنبھالتے ہوئے اس کا رخ اپنی طرف موڑا تھا۔

''آپ نے مجھے ڈانٹا، جبکہ میری کوئی غلطی بھی نہیں تھی۔'' منہ مزید غبارے کی طرح پھول گیا تھا۔

''ممی، آئندہ اپنی یمانی کو نہیں ڈانٹیں گی۔'' وہ مسکرائی تھی۔

''گوڈ پرامس۔'' اس نے ہاتھ ماں کے سامنے پھیلایا تھا اور وہ فوراً ہی وعدہ کر گئی تھی اور اسے اپنے ہاتھ سے اس کی فرمائش پر بریک فاسٹ کروانے لگی تھی کیونکہ اب وہ خود اپنے ہاتھ سے ہی کھاتی تھی۔

''گڈ مارننگ۔'' وہ علی الصبح ہی اٹھنے کا عادی تھا وہ ہمیشہ کی طرح اس کو دیکھ کر چہکی تھی جبکہ وہ کرسی کھسکا کر اٹھ گئی تھی۔

''صبح بخیر مسز ارمان۔'' اس کا ہاتھ تھام کر اسے روکا تھا۔

''مارننگ۔'' جواباً کہتی ہاتھ چھڑا گئی تھی جبکہ وہ اپنے شک کی تصدیق کو کھڑا ہوا اور اس کی پیشانی کو چھو کر دیکھا تو اندازہ ہوا کہ اسے بہت تیز بخار ہے جس کا اس نے اظہار بھی کیا تھا۔

''آئی ایم فائن۔'' وہ کہہ کر کچن میں چلی گئی تھی۔

''یمانی، جلدی اٹھو ابھی تیار بھی ہونا ہے۔'' اسے ارمان کی کسی بات پر ہنستے دیکھ کر اس نے ٹوکا تھا۔

''ممی۔ آج میرا دل نہیں کر رہا۔''

''کوئی بہانہ نہیں سنوں گی، شرافت سے اٹھو ورنہ اسکول سے دیر ہو جائے گی۔'' اسے نہ جانے کیوں غصہ آنے لگا تھا جو رات کی طرح بیٹی پر ہی اترا تھا۔

''ناٹ فیئر ممی، آپ نے مجھ سے پرامس کیا تھا کہ آپ مجھے نہیں ڈانٹیں گی۔'' اس نے فوراً منہ بنا کر اس کا وعدہ یاد دلایا تھا۔

''تم اٹھو اور اسکول جاؤ، میں بالکل نہیں ڈانٹوں گی۔'' نرمی سے کہہ کر اسے گود میں اٹھائی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔ وہ جس وقت اسے اسکول ڈراپ کر کے آیا وہ لاؤنج میں ہی سائرہ بیگم کے ساتھ باتیں کرتی نظر آ گئی تھی۔

''یمانی نے رات آپ کو پریشان تو نہیں کیا تھا؟'' کافی کے سپ لیتے ہوئے ساس سے پوچھا تھا۔

''بالکل نہیں، تنگ تو ابران کرتا ہے، ماں کا تو دم دیوانہ ہے۔ایک لمحہ نہیں رہ سکتا۔جب آنکھ کھلے ممی، ممی کی گردان شروع، اتنی مشکل سے سلاتی ہوں۔'' وہ دھیمے سے بول رہی تھیں۔

''ہاں، نیناں بھی تو ابران کو بہت چاہتی ہے۔'' وہ بہو کی بات پر مسکرادی تھی۔

''اوہوں، اس بات سے کسے انکار ہے ویسے میں سوچ رہی تھی کہ تم ارمان کے ساتھ جا کر ضروری شاپنگ کرلو تا کہ یمانی کا بھی الگ روم سیٹ کر دیا جائے۔''اس کے بڑھتے قدم رک گئے تھے تا کہ اس کا جواب سن سکے۔

''لیکن آنٹی، یمانی تو ابھی بہت چھوٹی ہے۔''

''ماشاءاللہ آٹھ برس کی تو ہوگی کہ ابران ماشاءاللہ پورے سات سال کا ہو کر آٹھویں میں لگا ہے اور اسی عمر سے بچوں کے الگ کمرے میں سونے کی عادت ڈالی جاتی ہے تا کہ پرابلمز نہ ہوں۔''

وہ آگے سے کچھ نہیں بولی تھی کیونکہ انہوں نے ابران کے حساب سے اس کی عمر بتائی تھی جو بالکل درست تھی کہ وہ ماشاءاللہ سے نویں برس میں لگی تھی۔

''ارمان سے بات کر کے آج ہی چلی جانا۔''

''جی ٹھیک ہے آنٹی۔''اس نے لامحالہ حامی بھرلی تھی۔

''پھر آنٹی، دس دفعہ کہہ چکی ہوں ارمان کی طرح مام کہا کرو۔''

ان کے ڈپٹنے پر نہ جانے کیوں اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

''تم سے زیادہ سمجھ دار تو تمہاری بیٹی ہے جس نے نئے رشتوں کو اتنی جلدی قبول کرلیا ہے۔ارمان کو ڈیڈی اور مجھے دادو کہنے لگی ہے۔تم کب ان رشتوں کے لیے خود کو تیار کرو گی؟'' وہ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اسے سمجھانے کا تہیہ کرتیں بولی تھیں۔

''میں بچی نہیں ہوں آنٹی، رشتے بنانے کے لیے ایک عمر درکار ہوتی ہے......''

''نہیں، میں تمہاری اس بات سے اتفاق نہیں کروں گی، رشتے بنانے میں تو لمحے ہی لگتے ہیں انہیں بنائے رکھنے میں عمر لگ جاتی ہے اور تم اس لمحہ سے گزر کر ارمان کی بیوی بن کر اس گھر میں آ گئی ہو اب اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو گی تب ہی رشتے نبھا پاؤ گی۔'' وہ اسے ایک ماں کی طرح ہی سمجھا رہی تھیں۔

''میں وعدہ نہیں کرسکتی مگر میں کوشش کروں گی کہ رشتوں کو سمجھ کر انہیں اصل مقام دوں۔''

وہ اٹھ گئی تھی اور جس پل کمرے میں داخل ہوئی وہ بیڈ پر نیم دراز چینگ سرچنگ میں مصروف تھا اور اس کی اتنی بے تکلفی پر وہ ٹھنڈی پڑنے لگی تھی کیونکہ اس نے اپنا بھرم رکھنے کو اگر کچھ وقت اس کمرے میں گزارا بھی تھا تو وہ صوفہ ہی تھا جہاں وہ سوجاتا تھا کہ جب تک

نیناں میکے میں رہی تھی اس کی جب مرضی ہوتی تھی کمرے میں آجاتا تھا تاکہ ماں اور ملازموں کے سامنے دونوں کا بھرم قائم رہے اور نیناں کی واپسی کے بعد اس نے خود ہی دونوں کی باریاں مقرر کر لی تھیں اور وہ ہر دوسرے دن اس کمرے میں پایا جاتا تھا مگر صوفہ تک وہ بھی خاموشی سے محدود رہتا تھا مگر کل کی گفتگو کے بعد آج اس کا اتنی بے تکلفی سے بیڈروم میں موجود ہونا اس کے گرد خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگی تھیں۔

''آپ تیار ہو جائیں، آفس جانے سے پہلے آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گا۔'' وہ وہاں رکے یا چلی جائے کی الجھن میں تھی کہ اس کی آواز پر چونکی تھی۔

''میں میڈیسن لے چکی ہوں، آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ اس کے پرواہ کرنے پر چڑ گئی تھی۔

''محترمہ حقوق وفرائض کی جنگ چھڑ چکی ہے اور ہم ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہیں۔ آپ نے مجھ سے بچنے کو جو یہ بیماری طاری کی ہے......''

''پلیز ارمان۔'' اس نے منت کی تھی اور وہ لب بھینچتا کمرے سے ہی نکل گیا تھا اور وہ سر ہاتھوں میں گراتے روتی چلی گئی تھی اور نہ جانے کتنی دیر تک روتی رہتی کہ اس کا سیل فون بج اٹھا تھا اور اس نے شہناز کا نمبر دیکھ کر کال ریسیو کر لی تھی۔ اس کے بیٹے شہباز کی سالگرہ تھی جس میں اس نے اس کی پوری فیملی کو انوائیٹ کیا تھا اور وہ آنے کا وعدہ کرتی ادھر ادھر کی باتوں کے بعد لائٹ کاٹ گئی تھی اور سونے کے لیے لیٹ گئی تھی کہ سر بھاری ہو رہا تھا کیونکہ پوری رات روتے ہوئے گزری تھی اس لیے اسے کچھ آرام کی ضرورت تھی جبکہ اسے لگتا تھا کہ آرام اب اس کے نصیب میں ہی نہیں رہا۔

☆......☆......☆

''کیسا ہے ڈیڈی کی جان۔'' اس نے بیٹے کو گود میں اٹھاتے ہوئے محبت سے پوچھا تھا۔

''فرسٹ کلاس ڈیڈی۔'' وہ کھلکھلایا تھا اور اس نے نگاہ کا زاویہ بدلا اور اسے دیکھا جو صوفہ پر بڑی بے زاری بیٹھی تھی وہ اس سے کچھ پوچھتا کہ رابعہ چلی آئی تھی اور وہ بہن کی خیر خیریت دریافت کرنے لگا تھا۔

''تمہاری بھابی کے منہ پر یہ بارہ کیوں بج رہے ہیں۔ سب خیریت تو ہے؟'' اس نے ناگواری سے اس کی جانب دیکھا تھا جبکہ رابعہ ہنسنے لگی تھی۔

''یہ ہے نہ گندہ بچہ، ممی کو بہت تنگ کرتا ہے۔'' اس نے بھتیجے کو دیکھ کر کہا تھا جبکہ وہ بہن کی بات کا مطلب نہیں سمجھا تھا۔

''جب سے نیناں یہاں آئی ہے اس کی ایک ہی رٹ ہے کہ ڈیڈی کے پاس جانا ہے۔'' وہ ساری صورتحال سمجھتا ایک گہری سانس لے کر رہ گیا تھا۔

''کیوں بھئی، تم کیوں ممی کو تنگ کرتے ہو؟ تمہیں نانا جان کے گھر رہنا اچھا نہیں لگتا؟'' اس نے بیٹے کو گدگدایا تھا۔

''اچھا لگتا ہے ڈیڈی، یہاں سب مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں بٹ میں یہاں آپ کو بہت مس کرتا ہوں، آپ بھی ممی اور

میرے ساتھ یہاں رک جائیں تو کتنا مزہ آئے گا۔'' وہ جوش سے بولا تھا کہ وہ ماں کے ساتھ یہاں ایک طویل عرصہ رہا تھا اس کے ذہن میں ایک ڈر سا بیٹھ گیا تھا اس لیے دو دن بعد ہی ڈیڈی کے پاس جانے کی رٹ لگ جاتی تھی اس نے بیٹے کو کچھ کہنے کے بجائے اس سے پوچھا تھا کہ اس کا کیا ارادہ ہے؟ اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی جانے کو کھڑی ہوگئی تھی کہ آج کل اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اس کی پریگنینسی کا یہ آٹھواں مہینہ تھا اسی لیے وہ ماں کے گھر آگئی تھی تا کہ ارمان کو اپنی وجہ سے پریشان کر کے اس کا احسان نہ لینا پڑے مگر بیٹے نے چار دن بھی نہیں رہنے دیا تھا۔

''میں جانتا ہوں کہ تم مصطفیٰ ہاؤس میں رہنے کو ترجیح کیوں دے رہی ہو مگر میری یہ بات یاد رکھنا کہ تم ہمارے رشتے سے کتنا ہی بھاگنے کی کوشش کرلو ہمارا رشتہ اتنا مضبوط ہے کہ تم اس کی ذمہ داریوں اور احساس سے نکل نہیں پاؤ گی۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ خود کو ہلکان مت کرو۔'' وہ اس کے بن کہے، بنا ظاہر کیے بھی سمجھ جانے پر جز بز ہو کر رہ گئی تھی۔

''آپ کے لیے بہتر ہوگا کہ میری ذات میں انٹرسٹ نہ لیں، میں اپنا اچھا برا سمجھتی ہوں اس لیے میں خود کو ہلکان کروں نہ کروں اس سے آپ کو غرض نہیں ہونی چاہیے۔'' وہ خجالت مٹانے کو تپ کر بولی تھی۔

''میں تم میں انٹرسٹ نہیں بھی لینا چاہوں تو خود کو مجبور پاتا ہوں کیونکہ تم میرے بچوں کی ماں ہو اور میں نہیں چاہتا کہ تمہیں یا تمہاری اولاد کو کوئی نقصان پہنچے اس لیے بہتر ہوگا کہ تم عقل کے ناخن لو اور اپنی فضول سی ضد سے دستبردار ہو جاؤ۔'' اس نے نیناں کو بازو سے پکڑ کر جانے سے روکا تھا۔

''میں روز روز ایک ہی بات پر بحث نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ ناگواری سے کہتی نکلتی چلی گئی تھی۔

☆......☆......☆

''مام، شہناز آپی کا فون آیا تھا، شہباز کی برتھ ڈے پارٹی میں انہوں نے ہم سب کو انوائٹ کیا ہے۔'' اس بات کو دو دن گزر گئے تھے اور اس نے ارمان سے کہنے کی ہمت نہ پاتے ہوئے سائرہ بیگم سے اس کی موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ذکر کر دیا تھا۔

''تم ارمان کے ساتھ چلی جانا۔'' انہوں نے جانے سے معذرت کرتے ہوئے کہا تھا۔ ان دونوں نے بیک وقت ایک دوسرے کو دیکھا تھا، نگاہیں ٹکرائی تھیں۔

''میری طرف سے بھی معذرت کہ کل میں کچھ بزی ہوں۔'' وہ اس کی نظر چرانے پر گہری سنجیدگی سے کہتا ان دونوں کو ہی چونکا گیا تھا۔

''یہ کیا بات ہوئی، پہلی دفعہ یمنیٰ کے میکے میں کوئی تقریب ہے، تمہیں اس کے ساتھ جانا چاہیے۔'' انہوں نے ناگواری سے بیٹے کو دیکھتے ہوئے کہا تھا کہ وہ لب کچلنے لگی تھی۔

''مام، یہ تو سوچنے کا کام آپ کی بہو کا ہے۔ میرا جانا انہیں اہم لگتا تو یہ مجھے بتاتیں، مجھے ساتھ چلنے کا کہتیں۔ یہ ایسا نہیں کرسکتیں

تو میں کیسے جا سکتا ہوں کہ فارغ ہوں نہیں کہ کہیں بھی منہ اٹھا کر چل پڑوں۔'' وہ غیر معمولی سنجیدگی سے کہتا چلا گیا تھا۔ انہوں نے بہو کی طرف دیکھا تھا جس کا چہرہ خفت سے سرخ پڑ گیا تھا۔

''ارمان کی ناراضگی اپنی جگہ صحیح ہے تمہیں سب سے پہلے اسے بتانا چاہیے تھا کہ ابھی تمہارے کہنے سے تو یہی لگا کہ تم نے مجھ سے اسی لیے کہا نا کہ وہ بھی سن لے۔'' ان کی صاف گوئی اس کی خفت بڑھا گئی تھی۔

''اپنے رویے پر غور کرو بیٹا کہ زندگی ایسے نہیں گزرتی۔'' وہ نرمی سے کہتیں اٹھ گئی تھیں اس کے آنسو گرنے لگے تھے اسی طرف آتی نیناں اسے اکیلے بیٹھے دیکھ کر چونکی تھی اور روتے دیکھ کر تو پریشان ہوتی اس کے قریب چلی آئی تھی۔

''یمنیٰ۔'' اس نے نرم سی پکار پر سر اونچا کیا تھا اور نیناں کو دیکھ کر بڑی سرعت سے آنسو پونچھ گئی تھی۔

''کیا ہوا ہے یمنیٰ، تم کیوں رو رہی تھیں، سب خیریت تو ہے؟'' وہ ازلی نرم فطرت کے سبب پوچھے بنا رہ نہیں پائی تھی اور اس کے آنسو پھر بے اختیار ہونے لگے تھے۔

''ہمارے درمیان چاہے اب تکلیف دہ رشتہ ہے لیکن اس سے پہلے ہم اچھے دوست تھے، تم چاہو تو مجھ سے شیئر کر سکتی ہو اپنی پریشانی۔'' اس کو بلکتے دیکھ کر وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے نرمی سے بول گئی تھی۔

''نیناں، مجھے اپنے مما، پاپا یاد آ رہے ہیں۔ اس بھری دنیا میں میرا کوئی بھی نہیں ہے۔'' اس کے رونے میں شدت آ گئی تھی۔

''ایسے آئندہ کبھی مت کہنا یمنیٰ کیونکہ تم اکیلی نہیں ہو اللہ تمہارے سہاگ اور تمہاری بیٹی کو ہمیشہ سلامت رکھے۔'' وہ اسکو خود سے لگائے اس کی پیٹھ تھپکنے لگی تھی اور جب اس کے رونے میں کچھ کمی آئی تھی تب نرمی سے بولی تھی اور وہ عجیب نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

''میں نہیں جانتی کہ کیا ہوا ہے ایسا کہ تم خود کو یوں اکیلا محسوس کر رہی ہو مگر میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ تم اکیلی نہیں ہو ہاں تم اتنے قریبی، مضبوط رشتے کی موجودگی میں خود کو اکیلا تصور کرتی ہو تو یہ تمہاری غلطی ہے۔'' وہ اس کے عجب تاثرات کو سمجھتے ہوئے بولی تھی۔

''غلطی تو واقعی میری ہی ہے، میں نے ارمان سے شادی کر کے غلطی ہی تو کی ہے، اپنی ہی نہیں تمہاری بھی خوشیاں چھین لی ہیں۔'' احساسِ شرمندگی اس سے آن لپٹا تھا۔

''تم میری نہیں، اپنی بات کرو کہ تم میری خوشیوں کا سبب نہیں ہو تو میرے دکھوں کا الزام بھی تمہارے سر نہیں جاتا۔'' وہ ناگواری سے اسے ٹوک گئی تھی۔

''کیسے نہیں جاتا، تمہاری خوشگوار ازدواجی زندگی میرے اس گھر میں آنے کے بعد ہی تو بکھر گئی ہے۔'' وہ تلخ ہوئی تھی۔

''جسے بکھرنا ہو اس کے لیے ہواؤں کی ضرورت نہیں ہوتی وہ ایک پھونک سے بھی بکھر جاتا ہے۔'' وہ اس کی تلخی کو خاطر میں ہی نہ لائی تھی۔

''تم اپنی زندگی کا میری زندگی سے تقابل نہ کرو۔ کیونکہ ہم الگ تھے اور ہمیشہ رہیں گے۔ تمہیں تمہارے نصیب کا اور مجھے میرے

نصیب کا ملے گا......''

''تم مجھے غلط نہیں مانتیں، اپنا مجرم نہیں سمجھتیں تو پھر ارمان سے اتنی دوریاں کیوں بڑھا لی ہیں، کیوں ان سے خفا ہو؟'' اس کی بات کے درمیان پوچھتی اسے ہوا میں معلق کر گئی تھی۔

''اگر آج میرے اور میرے شوہر کے درمیان ناراضی ہے تو صرف حق و محبت کی جنگ چل رہی ہے تم یہ نہ سمجھو کہ تمہارا کمال ہے کیونکہ یاد رکھنا یمنیٰ کہ آج ناراضگی ہے کل ختم ہو جائے گی جبکہ کل بھی تم ہمارے درمیان میں موجود ہو گی۔''

اس نے خود کو کمپوز کر کے کہنا شروع کیا تھا۔

''تمہارے ہونے نہ ہونے سے ہمارے رشتے پر فرق نہیں پڑتا اور ایسا ہی تمہارے ساتھ بھی ہونا چاہیے کہ تم ارمان کو میرا شوہر سمجھنا چھوڑ دو کہ ارمان شیرازی تمہارے بھی شوہر ہیں اور تم پہلے حوالے پر نہیں، دوسرے حوالے پر نظر رکھو کیونکہ دوسرا حوالہ تم سے جڑا ہے۔ میں اپنے شوہر سے روٹھوں، غصہ کروں یا مان جاؤں یہ میرا مسئلہ ہے تم اس سے دور رہو اور اپنے شوہر کے ساتھ خوش رہو یا دکھی یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ مجھے اس بات سے فرق بھی نہیں پڑتا اور تمہیں بھی نہیں پڑنا چاہیے کہ تمہیں فرق اس وقت پڑے یا تم اس وقت ڈرو جب تم میرے شوہر کے ساتھ رہو جبکہ تم میرے شوہر کے ساتھ نہیں اپنے شوہر کے ساتھ، اس کے گھر میں رہ رہی ہو تو پھر یہ گلٹ کیوں؟ تم گلٹ تو اس وقت محسوس کرتیں جب تم میرے یا کسی اور کے شوہر کے ساتھ رہتیں۔ اپنے شوہر کے ساتھ رہنے میں کیا گلٹ؟'' وہ دونوں ایک دوسرے کے دفاع میں بول رہی تھیں، چاہیں اپنی اپنی زندگی میں غلطیاں کر رہی تھیں لیکن ایک دوسرے کے لیے درست راہیں منتخب کر رہی تھیں۔

''تم اپنے شوہر سے روٹھو، محبت کرو، نفرت کرو، چاہو تو رہو، چاہو تو چھوڑ جاؤ لیکن جو کرو حق سے کرو، اپنے حق سے دستبردار بھی ہو تو حق سے کہ میں جو کر رہی ہوں چاہے سب کو غلط لگے مگر میں جانتی ہوں وہ صحیح ہے۔ اور اگر تم کہتی ہو کہ غلط ہے تو تم پوری ایمانداری سے بتاؤ کیا تم کبھی مشہود بھیا سے خفا نہیں ہوئیں؟'' اس نے چیلینجنگ انداز میں اسے دیکھا تھا اور وہ نظر چرا گئی تھی۔

''تمہارا جواب تمہاری آنکھوں میں لکھا ہے اس لیے تم نظر چرا گئی ہو لیکن تم مجھ سے تو نظر چرا سکتی ہو اپنے رشتے کی حقیقت سے زیادہ دن نظر نہیں چرا پاؤ گی۔'' وہ دھیمے سے مسکراتی پلٹی تھی کہ اس کی آواز پر رکنا پڑا تھا۔

''حقیقت سے نظریں تو تم بھی چرا رہی ہو۔'' اس کا لہجہ ہموار تھا۔

''نظر نہیں چرا رہی، صرف اپنے حق کا استعمال کیا ہے، یا تمہیں لگتا ہے کہ مجھے اپنے شوہر سے روٹھنے تک کا حق نہیں ہے۔'' وہ اس کی جانب مڑی تھی۔

''میں نے ایسا کب کیا۔'' وہ گڑبڑا کر بولی تھی۔

''روٹھنا منانا ہر رشتہ میں چلتا ہے اور میں اپنے شوہر سے خفا ہوں، اس پر غصہ ہوں تو یہ حق ہے میرا اور میں تمہیں کیا کسی کو بھی صفائی نہیں دینا چاہتی، آج نہ چاہتے ہوئے بھی تم سے اتنا کچھ کہا ہے تو صرف اس لیے کہ مجھے لگتا ہے تم خود کو میرا مجرم پاتی ہو جبکہ میرے

مجرم کوئی ہیں تو وہ میرے شوہر ارمان شیرازی ہیں، اس لیے تم گلٹ سے نکل آؤ اس لیے اتنی بات کر گئی مگر آج آخری دفعہ اس کے بعد میں نہ تمہارے کسی معاملے میں انٹرفیئر کروں گی اور چاہوں گی کہ تم بھی ایسا نہ کرو۔ ایک چھت تلے رہنا ہماری مجبوری ہے کہ میں اپنی اولاد کے نصیب میں کوئی خسارہ برداشت نہیں کر پاؤں گی۔ اس لیے ہمیں ایک دوسرے کے وجود سے انجان ہو کر ہی رہنا پڑے گا اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے رشتے کو زیر بحث نہ لائیں اور اپنے لیے نہ سہی اپنی اولاد کے لیے دل وظرف بڑا کر کے ایک چھت تلے ایسے رہیں جیسے بہنیں رہتی ہیں کہ ایسا نہیں ہو پایا تو ہمارے حصہ کا خسارہ اتنا وسیع ہوگا کہ اس کی جڑیں ہماری اولاد کی خوشیوں کو کھوکھلا کر دیں گی۔'' وہ کہہ کر رکی نہ تھی نکلتی چلی گئی تھی اور ان دونوں نے وقت کے چلتے اپنا ظرف اتنا بڑا کر لیا تھا کہ سب ان کی زندگی پر رشک کرتے تھے۔ وہ اپنے گلٹ سے نکل آئی تھی اور اس نے ارمان کو بحیثیت شوہر کے قبول کر لیا تھا اس کی لائف سیٹ ہوگئی تھی مگر وہ خود ایسا نہیں کر پا رہی تھی کہ وہ ارمان کو سزا دینے کے چکر میں خود کو سزا دے رہی تھی۔ وہ سب کچھ قبول کر گئی تھی مگر یہ بات نہیں کر پا رہی تھی کہ ارمان نے اس کے بارے میں سوچا تک نہیں اور خود کو تقسیم کر لیا اور اس کے منانے کی ہر کوشش ناکام ہوتی چلی گئی تھی اور ماہ وسال گزرتے چلے گئے تھے اور اس کی ضد کا احترام کرتے، اس کی سزا کو قبول کرتے اس نے دل ونگاہ کے مچلنے کی پرواہ کیے بغیر وہ نہیں چاہتی تھی اس لیے فاصلے مٹانے کی کوشش کبھی کی ہی نہیں تھی ورنہ دو سال کا عرصہ کم نہیں ہوتا ایک ایسی لڑکی جو آپ کی محبت ہو جس سے آپ کا شرعی رشتہ ہو اور اسے چھونا تو دور سکھ دکھ بھی نہ کہہ سکو اس سے بڑی بے بسی کوئی ہو ہی نہیں سکتی مگر اس نے یہ کڑا وقت بہت صبر سے گزارا تھا اور پھر جیسے اس پر اللہ کو رحم آ گیا تھا تب ہی اس کا دل نرم ہو گیا تھا۔ ابران پانچویں کلاس میں تھا اور سمر ویکیشن میں اس نے ناردن ایریاز گھومنے جانے کی رٹ لگا لی تھی اور وہ بیٹے کو انکار تو کر ہی نہیں سکتی تھی اس لیے نہ صرف مان گئی تھی اس نے خود ارمان سے جانے کی بات کی تھی اور وہ تو اس کی کسی بات سے انکار کرتا ہی نہ تھا اسی وقت پروگرام تشکیل دے لیا تھا اور وہ کافی عرصہ بعد یوں گھومنے گئے تھے اور یہ سفر انہیں راس آ گیا تھا فاصلے سمٹ گئے تھے اور محبت اپنے جوبن پر تھی۔

☆......☆......☆

''ممی، اب میں آپ کی پکچرز لوں گا۔'' اس نے کیمرہ ہاتھ میں لیے تصویر بناتی ماں سے کہا تھا اور اس نے ابران کی تصویر لے کر کیمرہ اسے پکڑا دیا تھا۔

''اوکے میری جان۔'' وہ مسکرائی تھی اور ابران نے خوشی اور جوش کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ ماں کی کتنی ہی تصاویر بنا ڈالی تھیں۔ ارمان بظاہر تو ماں کے ساتھ بیٹھا تھا مگر اس کی توجہ کچھ فاصلے پر موجود بیوی بچوں پر ہی مرکوز تھی۔

''تمہیں نہیں لگتا کہ نیناں، ابران کی ہر بے جا مان کر غلط کر رہی ہے اس طرح تو ابران ضدی ہو جائے گا۔''

وہ ماں کی بات پر چونک کر ان کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہوگا مام کہ نیناں کی اپنے بیٹے میں جان بستی ہے۔ وہ اس کی خوشی کے لیے جب اتنا کچھ برداشت کر سکتی ہے تو کبھی ایسا کچھ کر ہی نہیں سکتی کہ اس کی شخصیت میں کوئی کمی رہ جائے۔'' وہ پریقین انداز میں بولا تھا اور اسی وقت وہ ان کے پاس آ ٹھہری تھی

اور بیٹھتی کہ دوڑ کر ابران اس سے لپٹ گیا تھا اور نئی فرمائش کرنے لگا تھا۔

''او کے۔اپنے ڈیڈی کو بھی بلالو کہ اب ہم اکیلے تو اس ماؤنٹین تک نہیں جا سکتے۔''

ابران نے بلند وبالا پہاڑوں تک جانے کی فرمائش کی تھی اور وہ ہمیشہ کی طرح اس کے منہ سے نکلنے کے ساتھ ہی راضی ہوگئی تھی۔

''آپ ماں بیٹا چلے جاؤ، میں کچھ تھک گیا ہوں۔''

وہ کچھ دیر پہلے ہی تو ابران کی ضد پر ہورس رائیڈنگ کر کے آیا تھا اس لیے اس نے اب کے انکار کر دیا تھا اور اس کا منہ اتر گیا تھا۔

''او کے ڈیڈی، یو ٹیک ریسٹ۔'' وہ اداسی سے بولا تھا اور وہ کہاں اپنے لاڈلے کو اداس دیکھ سکتی تھی اس نے جھک کر بیٹے کو گود میں اٹھا لیا تھا۔

''ممی اور ابران اکیلے ہی ماؤنٹین تک جائیں گے۔'' اس نے بیٹے کی اداسی دور کرنے کو شرارت سے کہا تھا۔

''اٹس او کے ممی، ڈیڈی تھک گئے ہیں نا تو ہم کل چلے جائیں گے۔'' اس کی اداسی ہنوز برقرار تھی اور وہ ماں کی گود سے اتر گیا تھا۔

''ہمارے ساتھ آجایئے نا ارمان، ہم زیادہ دور تک نہیں جائیں گے، پلیز۔''

وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا تھا کہ ان کے درمیان ابران اور ابیان کے حوالہ کا رشتہ رہ گیا تھا۔ابیان کے لیے تو بہت کم، اکثر و بیشتر ابران کی ہی کسی بات، کسی ضد کی وجہ سے وہ اس سے مخاطب ہوتی تھی اور جیسے وہ بیٹے کو انکار نہیں کر پاتی تھی۔وہ اسے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ بڑی خاموشی سے اٹھ کر اس کے ہمقدم ہو گیا تھا یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ صرف بیٹے کے لیے جا رہی ہے اور اسے صرف بیٹے کی خوشی کے لیے ساتھ چلنے کو کہہ گئی ہے۔

''ممی، ابیان کو بھی ساتھ لے لیں۔'' اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔اس کے انداز میں جوش سا تھا۔

''نہیں چندا، ابیان بہت چھوٹا ہے۔'' وہ بیٹے کو خوش دیکھ کر اطمینان محسوس کرنے لگی تھی وہ ماں کی انگلی تھامے آگے چل رہا تھا اور ان سے دو قدم کے فاصلے پر ارمان تھا وہ چلتے چلتے رکا تھا وہ کچھ کہتی کہ اس نے باپ کی انگلی بھی تھام لی تھی۔ان دونوں کی نگاہیں ٹکرائی تھیں، اس کی نگاہوں میں جذبے بولنے لگے تھے اور اس نے نگاہ چرا لی تھی۔ابیان بیچ میں تھا اور دائیں بائیں وہ دونوں اس کے ساتھ چل رہے تھے کہ یکدم ہی بارش شروع ہوگئی۔

''ممی، واپس چلیں، آئی ڈونٹ لائیک رین۔''

وہ چلتے چلتے نہ صرف رکا تھا بلکہ ماں سے لپٹ کر منمنایا تھا اور اس نے واپسی کے لیے پلٹ جانے والی نیناں کو دیکھا جس کا چہرہ اتر چکا تھا۔اس نے ایک گہری سانس خارج کی اور کچھ سوچ کر اس نے آگے بڑھ کر بیٹے کو گود میں اٹھا لیا اور اسے وہیں ٹھہر کر انتظار کرنے کا کہتا بیٹے کو لیے آگے بڑھ گیا تھا اور جس وقت وہ چھاتا لے کر آیا وہ اس جگہ سے ساکت سی بارش کے ہونے نہ ہونے سے بے نیاز کھڑی تھی۔

''جانتا ہوں ابران کی خوشی تمہارے لیے بہت معنی رکھتی ہے لیکن اس کی پسند و خوشی کے لئے اپنی پسند و خوشی کو بالکل ہی نہ بھلا

دو۔" اس گہری سنجیدگی سے کہا تھا کہ وہ جانتا تھا کہ اسے بارش کتنی پسند ہے، بارش میں بھیگنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔

"آپ کی طرح ابران کو نہ بارش پسند ہے نہ ہی بارشوں میں بھیگنا۔" وہ اس کی حمایت یا تردید کرنے کے بجائے بیٹے کی پسند سے آگاہ کر رہی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ یہ جانتا ہے۔

"تو تمہیں کیا لگا تھا کہ میرا بیٹا میری معمولی سی بھی خوشی، خامی پسند ناپسند ایڈاپٹ نہیں کرے گا۔" اس کے انداز میں بے تکلفی سی تھی وہ لب کچلنے لگی تھی۔

"میں نے ایسا کبھی نہیں کہا۔" وہ اس کے چھاتا آفر کرنے پر گردن ہلا کر اس آفر کو رد کرتی منمنائی تھی اور اس نے ایک نظر اس کے بھیگے وجود پر ڈالی تھی اور چھاتا دور اچھال دیا تھا۔ وہ اس کی حرکت پر محض اسے ایک نظر دیکھتی نظر جھکا گئی تھی کہ جانتی تھی کہ اسے بارش بالکل پسند نہیں ہے اس نے شادی سے پہلے کبھی بارش کے مزے لینے کا تردد نہیں کیا تھا مگر شادی کے بعد اس کا ساتھ دینے کو اس حسین موسم کو اس نے حق کی طرح انجوائے کیا تھا۔ اس کے لیے اس کے ساتھ بارشوں میں بھیگنا اسے اپنے پیار کی برکھا میں رنگتا رہا تھا مگر اب وقت بدل گیا تھا۔ رشتہ تھا مگر احساس زندہ ہو کر بھی زندہ نہ تھے اس نے اس کی نگاہ خود پر محسوس کرتے ہوئے گلے میں لاپرواہی سے جھولتے آنچل کو گھسیٹ کر اپنے وجود کے گرد لپیٹا تھا اور واپسی کے لیے قدم اٹھا دیئے تھے۔

"واپس چلتے ہیں، مجھے سردی لگ رہی ہے۔" وہ آگے بڑھتے ہوئے بولی تھی اور اس کا کوٹ دوسرے ہی لمحے اس کے کاندھوں تک پہنچ گیا تھا۔ اس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور گزرے دو سالوں کی طرح آج بھی اس کے جذبوں سے نگاہ چراتی آگے بڑھنے لگی تھی۔ اس کا چہرہ بارش سے بھیگا ہوا تھا اور آنسوؤں کی نمی اس میں گھلتے ملنے لگی تھی۔ وہ اس سے فرار حاصل کرنے کی نیت سے بڑی تیزی میں آگے بڑھ رہی تھی کہ پتھر سے ٹھوکر کھا کر سڑک پر گرتی چلی گئی تھی اور وہ جو اس کے آگے بڑھ جانے کے باوجود اب تک وہیں کھڑا تھا لپک کر اس تک پہنچا۔

"آر یو اوکے نیناں۔"

اس نے آنسوؤں سے بھری آنکھیں اٹھائیں اور اثبات میں گردن ہلاتی کھڑی ہونے لگی مگر درد سے کراہ کر رہ گئی تھی۔

"میں نہیں اٹھ پاؤں گی ارمان۔" وہ پاؤں ہلانے تک میں ناکام ہوئی تو تکلیف سے کراہتے ہوئے بولی تھی۔

بارش تھم گئی تھی اور آنسوؤں سے چہرے پر لکیریں بننے لگی تھیں اس نے کچھ دیر تو اسے دیکھا اور اس کے کچھ بھی سمجھنے سے قبل اسے اٹھنے میں مدد دیتے ہوئے یکدم اسے بانہوں میں اٹھا لیا۔ وہ کہاں اس افتاد کے لیے تیار تھی بھونچکا رہ گئی تھی اور نظریں ملنے پر نظر چراتی ناگواری سے احتجاج کرنے لگی تھی مگر اس نے پرواہ نہ کی اور اسے لیے آگے بڑھنے لگا۔

"تم پر تم سے زیادہ حق رکھتا ہوں اس لیے بہتر ہوگا کہ اپنی انرجی ضائع نہ کرو۔" وہ اس کے دہک اٹھنے والے چہرے پر نظر جمائے گہری سنجیدگی سے بولا تھا اور اس نے آنکھیں سختی سے میچ لی تھیں، لب الگ لرزنے لگے تھے۔

"ویسے اگر میں تم پر اپنا حق جتاتا تو تم یوں دو سال تک فاصلے پر رہ کر خود کو اور مجھے سزا نہ دے پاتیں۔" سرگوشیانہ لہجے میں کہہ کر

اسے بڑی احتیاط سے بیڈ پر لٹایا تھا اور اس نے نظر اٹھانے کی حماقت نہیں کی تھی نہ ہی کچھ بولی تھی اس نے ایک نظر لب کچلتی، نظر چراتی نیناں پر ڈالی اور فرسٹ ایڈ بوکس لینے کو بڑھ گیا۔

''پلیز ارمان، جایئے یہاں سے مجھے آپ کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔''

اس نے بیڈ کے کونے پر ٹکتے ہوئے اس کا پیر تھاما تھا کہ اس کا ضبط جواب دے گیا تھا اور وہ چیخ پڑی تھی۔

''جانتا ہوں تمہیں میری ضرورت نہیں ہے لیکن مجھے ہے جبکہ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ جب میری سزا ختم ہو اور تم تمام حقوق و فرائض کی ادائیگی کا عزم لیے میری زندگی میں لوٹو تو لنگڑی ہو چکی ہو اس لیے مجھے تمہاری کیئر اپنے لیے کرنے دو۔'' وہ غیر سنجیدگی سے کہتا اس کی مزاحمت واحتجاج کو خاطر میں ہی نہ لایا اور پاؤں کا جائزہ لے کر نرمی سے مساج کرنے لگا تھا جبکہ اسے شادی کے اولین دنوں جیسے رنگ میں پا کر وہ اپنا ضبط آزمائے آزمائے بکھر گئی تھی اور رونے لگی تھی۔

''بینڈیج کر دی ہے صبح تک تمہارا پاؤں بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ اس کا رونا برداشت نہیں کر پا رہا تھا مگر ظاہر کیے بنا دھیمے سے کہتا اٹھ گیا تھا اور ہاتھ دھو کر آ کر وارڈروب کی جانب آیا تھا اس کے کپڑے نکالے اور اسے دیتے ہوئے بولا۔

''چینج کر لو، سردی سے کہیں مر مرا گئیں تو میرا کیا ہوگا۔'' شوخی سے اس کے بے حد حسین چہرے کی جانب دیکھا تھا۔

''آپ اپنا وعدہ توڑ نہیں سکتے۔ بھولیے مت کہ میں کس شرط پر آپ کی زندگی میں لوٹی تھی۔'' اس کی شوخیاں زہر سے زیادہ بری لگ رہی تھیں اس کی شوخی سے خائف ہوتی دھیمے سے بولی تھی۔

''وعدہ کا پاس رکھا جب تک تم نے مجھے بہکایا نہیں مگر آج مجھے لگتا ہے کہ تم خود سارے وعدے توڑ دو گی کہ اگر میں بن پیے بہک رہا ہوں تو ہوش میں تو تم بھی نہیں رہ سکتیں۔'' وہ آگے بڑھا تھا اور اس پر جھکتے ہوئے مخمور لہجے میں بولا تھا دونوں کی نظریں ٹکرائی تھیں اور اس نے غصہ سے کھولتے ہوئے اسے پرے دھکیل دیا تھا۔

''زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے ارمان شیرازی کہ میں کچھ کہہ نہیں رہی تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ حد سے ہی گزر جائیں۔'' اس کی آواز بلند تھی مگر غصہ کی تپش کی جگہ حیا اور بے بسی کا رنگ یوں چڑھا تھا کہ وہ بے ساختہ ہی قہقہہ لگا گیا تھا۔

''بدلے بدلے سرکار نظر آتے ہیں۔'' وہ اسے آنکھ مار کر ذومعنی لہجہ میں بولا اور کپڑے لے کر واش روم میں گھس گیا۔

''میں واش روم میں ہوں تم چینج کر لو ورنہ ٹھنڈ لگ جائے گی۔''

اس نے لب کچلتے ہوئے کپڑے اٹھائے تھے کہ اسے اپنا ضبط آزمانا پڑ گیا تھا کیونکہ وہ کوئی ڈریس نہیں تھا بلکہ نائٹی تھی۔ اس کے تیور دیکھنے کے بعد جسے پہننے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی اس لیے اٹھنا چاہا تھا مگر درد سے جان نکل کر رہ گئی تھی اور اسی وقت ایک کے بعد ایک چھینک کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اسے ٹھنڈ بالکل برداشت نہ تھی جتنا اسے بارشوں میں بھیگنا پسند تھا یہ موسم اتنا ہی اس کی طبیعت پر اثر انداز بھی ہوتا تھا اور اسے لگا تھا کہ بھیگنے کا اثر ہونے لگا ہے اس لیے اس نے کچھ سوچ کر وہی نائٹی پہن لی تھی کہ اسے جانتی تھی کہ وہ ڈریس نہ نکال

کر دے گا نہ ہی اسے نکالنے دے گا کہ اس میں تو اٹھنے کی ہمت بھی نہ تھی اور اس نے کچھ سوچ کر سائرہ بیگم کا نمبر ڈائل کیا تھا اور انہیں پاؤں میں موچ آجانے کا بتا کر ابران وابیان کو لانے کے لئے کہہ گئی تھی اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

''آجایئے۔'' وہ خود پر کمبل پھیلائے ہوئے بولی تھی۔

''میں فون کر کے مام کو اپنے آجانے کا بتا دیتا ہوں ورنہ وہ پریشان ہوں گی۔'' بیڈ پر ٹکتے ہوئے بولا تھا۔

''میں نے انہیں بتا دیا ہے وہ ابران کو لے کر یہیں آتی ہوں گی۔'' چھینکوں سے بے حال ہوتی بولی تھی۔

''میں ایسا کرتا ہوں ڈاکٹر کو بلا لیتا ہوں۔'' وہ اس کے سرخ چہرے کو دیکھ کر بولا۔

''نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔ بس آپ مجھے ہیئر ڈرائیر اٹھا دیں۔'' منع کرتے ہوئے بولی تھی اور گیلی چوٹی کے بل کھولنے لگی تھی۔ اس کے ہاتھ سے ڈرائیر لے کر اس نے بال سکھائے تھے اتنی دیر میں وہ اس کے لیے کافی منگوا چکا تھا۔

''تھینکس۔'' کافی کا مگ لیتے ہوئے بولی اور کافی کے سپ لینے لگی۔

''ایسے موسم میں چپ کیوں ہو۔'' کمرے کی خاموش فضا میں اس کی گنگناہٹ رقص کرنے لگی تھی اس نے بہت چونک کر اس کی جانب دیکھا جو جی جان سے اس کی جانب متوجہ تھا نظریں ٹکرانے پر دلکشی سے مسکرایا تو وہ گڑبڑا کر نگاہ چرا گئی۔

کانوں میں رس گھولو
ہونٹ اگر خاموش ہیں سجنا
آنکھوں سے کچھ بولو......

اس کی گنگناہٹ میں اضافہ ہو گیا تھا۔

''پلیز۔'' وہ زچ ہو کر اسے ٹوکنے لگی تھی مگر اس نے موقع ہی نہ دیا۔

''جی جانِ ارمان۔'' وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے نیناں کو شرارت بھری نگاہوں سے دیکھتا ہوا اس پر جھکا تھا۔

''آپ کو نہیں لگتا کہ آپ وعدہ خلافی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔'' ناگواری سے اسے دیکھا تھا جو مسکرا کر سیدھا ہو گیا تھا۔

''نہیں، مجھے نہیں لگتا۔'' وہ اس کے عین سامنے بیٹھا تھا اور وہ اسے حیرت سے دیکھنے لگی تھی۔

''تم جسے وعدہ کہتی ہو وہ تمہاری ضد ہے۔ میرے لیے منتخب کردہ سزا ہے اور مجھے لگتا ہے کہ میری سزا ختم ہو جانی چاہیے۔'' وہ بغور اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا تھا۔

''فضول بات نہ کریں آپ کہ میں آپ کو سزا کیوں دینے لگی؟'' وہ ناگواری سے بولی تھی۔

''مجھ سے دوریاں بڑھا کر تم نے مجھے سزا ہی تو دی ہے۔'' اس کا بازو جکڑا تھا۔

''میں تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آپ کی زندگی سے چلی جانا چاہتی تھی مگر آپ نے ہی کہا جان مانگ لو مگر ڈائیورس نہیں اور میں نے

اپنی اولاد کے لیے آپ کے ساتھ رہنا قبول کیا مگر کچھ شرائط پر، اور اگر آپ اس کی پابندی نہیں کر سکتے تو کان کھول کر سن لیں میں واپس چلی جاؤں گی۔'' وہ اس کا ہاتھ جھٹکتی غصہ و ناگواری سے چیخی تھی۔

''نیناں۔''

''بس نام بھی مت لیں میرا، خود کو ویسے تو بڑا وعدے کا پابند سمجھتے ہیں کہ دوست سے وعدہ کر لیا تو ہر سود و نفع سے بالاتر ہو کر وعدہ وفا کر بیٹھے تو مجھ سے بھی تو کیا تھا نہ آپ نے وعدہ، تو مجھ سے وعدہ خلافی کیوں؟ اور یاد رکھیے گا آپ نے اگر ایسا کیا، اپنا حق جتانے کی کوشش کی تو میں آپ کو جان سے مار دوں گی۔'' وہ حلق کے بل چلائی تھی۔

''اتنا ظلم خود پر اور مجھ پر مت کرو۔'' وہ اس کے رونے پر بے بس ہونے لگا تھا۔

''میں نے کہا آپ سے کہ نہ کریں مجھ پر اتنا ظلم۔'' خونخوار نگاہوں سے اسے گھورا تھا۔

''شٹ اپ۔ بہت کر لی تم نے اپنی بکواس، حد ہوتی ہے کسی بات کی، کر لی دوسری شادی تو ایسی کوئی قیامت نہیں آ گئی۔'' وہ اسے گھورتے ہوئے چیختے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔ ''اور کان کھول کر تو میری تم سن لو، بہت کر لی تم نے من مانی اور بہت کر لیا میں نے تمہاری ضد کا احترام اور رکھ لیا تم سے کیے وعدے کا پاس جبکہ جانتا ہوں کہ تم نے وعدہ لیا ہی اس لیے کہ میں جب وفا نہ کر سکوں تو تم مجھے جتا سکو کہ میں نے مجبوری میں ہی سہی مشہود سے وعدہ کر لیا تھا تو ضروری نہیں تھا کہ میں وہ وعدہ وفا بھی کرتا۔''

وہ حق دق رہ گئی تھی کہ اس کے سان و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اس کی سوچ جان جائے گا۔

''ایسے مت دیکھو سب کچھ جانتے بوجھتے دو سال صبر کیا، تمہاری فضول حرکتیں برداشت کیں تاکہ تم جان سکو کہ تمہارے منہ سے نکلے ادنیٰ سے لفظ کی بھی میری نگاہ میں کتنی اہمیت ہے۔ پاگلوں کی طرح چاہتا ہوں تمہیں اس کے باوجود دوست کی محبت میں اتنا سخت فیصلہ لیا، اس قدم سے تم ہی نہیں میں بھی دکھی ہوں لیکن تم نے میرا سہارا بننے کے بجائے مجھ سے خود کو ہی دور کر لیا۔ اگر میں نے وہ سب اپنی خوشی سے کیا ہوتا تو تم سزا دیتی اچھی لگتیں، مگر تم نے سزا دی تو میں نے قبول کی، اف تک نہ کیا اور آج پورے دو سال بعد تمہیں احساس دلانے کی کوشش کی کہ بہت ہو گیا روٹھنا، اب مان جاؤ مگر تم ہو کہ مجھے، میری محبت کو سمجھنا ہی نہیں چاہتیں۔ لیکن یاد رکھو تمہارے نہ ماننے سے میرے حقوق ختم نہیں ہو جاتے اور میں غلط ہوں نا تو ایسے ہی سہی، وعدہ توڑ رہا ہوں اب تم جو چاہے سوچو۔'' اس نے پتھر کی مورت بن جانے والی نیناں کا بازو جکڑا تھا۔

''بقول تمہارے میں ایسا کروں گا تو تم مجھے چھوڑ جاؤں گی، میں طلاق نہیں دوں گا تو تم خلع لو گی تو میں بھی دیکھتا ہوں تم کیسے جاتی ہو؟ کون سا کورٹ تمہیں خلع دیتا ہے۔'' وہ اسے چیلنجنگ انداز میں دیکھ رہا تھا اور وہ حرکت کرنا تو دور لفظ تک بھول گئی تھی۔

''پاگل تھا میں جو دو سال اذیت میں رہا، ایک تھپڑ لگا کر تمہارا دماغ درست کر دیتا کہ تم میرے حقوق کو چیلنج کر ہی نہیں سکتی ہو۔ ہے طاقت تو آج میں وعدہ توڑ کر دوریاں مٹانے جا رہا ہوں۔ روک سکتی ہو تو روک کر دکھاؤ۔''

دوسرا بازو بھی گرفت میں لیا تھا اور اس پر جھکا تھا کہ اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔اس نے ایک جھٹکے سے اسے گرفت سے آزاد کیا اور کھڑا ہو گیا۔

’’یہی سب کرنا ہوتا تو دو سال اذیت میں نہ رہتا کہ تمہیں قابو کرنا میرے لیے مشکل نہ تھا مگر تم سے محبت کرتا ہوں اور محض جسمانی تعلق نہیں رکھنا چاہتا تھا اس لیے تمہاری ہر ضد مانی تاکہ تمہارے قلب و ذہن پر لگی بے اعتباری اور ناراضگی کی گرد چھٹ جائے لیکن آج احساس ہوا ہے کہ ایسا اب ممکن ہی نہیں رہا، ہمارے رشتے میں جب گنجائش ہی نہیں رہی تو تمہیں بچوں کے لیے بھی کمپرومائز کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔میرے ساتھ نہیں رہنا تمہیں تو ٹھیک ہے میں تمہیں ڈائیورس دے دوں گا۔‘‘

اس نے بہت تڑپ کر اسے دیکھا تھا جس کی آنکھوں میں نمی تھی اور چہرہ ضبط سے لہو رنگ ہو رہا تھا اس کی آنکھیں بے اختیار بہنے لگی تھیں۔

’’مگر یاد رکھنا نیناں کہ میری زندگی میں، میرے پہلو میں چاہے کتنی ہی عورتیں آ کر بس جائیں مگر میرا دل، میری روح صرف تمہارے دم سے آباد ہے۔دو سال سے میری روح بے چین ہے، میرا دل دھڑکتا تو رہا ہے مگر ایسے جیسے کوئی سوکھا پتہ، خزاں کی اجاڑ راتوں میں بے مول سا اڑتا پھرتا ہے اور کوئی تیز ہوا اس کا وجود اڑا لے جاتی ہے اور تم میری زندگی سے جس دن جاؤ گی، میرا دل دھڑکنا بند کر دے گا۔‘‘ وہ ایک نظر اس پر ڈالتا اسے ساکت چھوڑ کر کمرے سے ہی نکل گیا تھا اور کمرے میں اس کی سسکیاں گونجنے لگی تھیں۔

☆......☆......☆

’’ارمان، پلیز مجھے طلاق مت دیں، مجھے طلاق نہیں چاہئے، میں آپ کے بغیر مر جاؤں گی۔‘‘ وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں بڑبڑائی تھی اور وہ اس کے سرہانے بیٹھا اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ گیا تھا۔سائرہ بیگم رات کو کچھ سوچ کر کمرے میں بچوں کو لے کر نہیں آئی تھیں کہ وہ انہیں تنہائی فراہم کرنا چاہتی تھیں اسی لئے تو ساتھ بھی نہیں آنا چاہتی تھیں مگر جب نیناں نے کہا تھا کہ وہ نہیں جائیں گی تو وہ لوگ بھی نہیں جائیں گے تو وہ مجبوراً ان کے ساتھ آ گئی تھیں۔رات بھر ماں کے لاڈلے ابران نے انہیں پریشان کیا تھا اس لیے صبح سویرے ہی اسے لیے ان کے کمرے میں آئی تھیں۔ارمان کا اتا پتہ نہ تھا اور وہ بیڈ پر بے سدھ پڑی تھی انہوں نے ہوٹل مینجمنٹ سے رابطہ کر کے ڈاکٹر کو بلایا تھا اور بیٹے کو کال ملانے لگی تھیں مگر وہ سیل لے کر گیا ہوتا تو ان کی کال ریسیو کرتا وہ پریشانی سے ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھنے لگی تھیں اور اسی وقت وہ نڈھال سا چلا آیا تھا۔

’’مام، کیا ہوا ہے نیناں کو؟‘‘ وہ اسے دیکھتے ہی پریشان ہوا تھا۔

’’تیز بخار میں جل رہی ہے۔کہاں تھے تم؟‘‘ بتاتے ہوئے سوال کیا تھا مگر وہ کچھ کہنے بنا روتے ہوئے ابران کو گود میں اٹھا گیا تھا کہ وہ ماں کو ایسے دیکھ کر رو رہا تھا اور وہ اسے چپ کروانے میں ناکام ہوتیں اسے روتا چھوڑ کر اسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگی تھیں۔

’’ڈیڈی، ممی کو کیا ہوا ہے؟ یہ مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہیں۔‘‘ اس کے رونے میں شدت آ گئی تھی۔

''ممی کو بخار ہے، کچھ دیر میں ٹھیک ہو جائیں گی۔آپ دادو کے ساتھ اپنے کمرے میں جاؤ۔آپ روؤ گے تو ممی پریشان ہو جائیں گی۔کیا آپ نہیں چاہتے کہ ممی جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔''اس نے بیٹے کے آنسو پونچھے تھے اس نے اثبات میں گردن ہلائی تھی اور اس نے بیٹے کی پیشانی چوم لی تھی۔

''مام، آپ بچوں کو لے کر اپنے کمرے میں چلی جایئے۔نیناں کے پاس میں ہوں۔''وہ بیٹے کو چپ کروا کر ماں کی جانب گھوما تھا۔

''تم رات سے ہی کمرے سے غائب تھے سوچا ہے تم نے ہوٹل کے اس روم میں یہ بے سدھ پڑی تھی۔روم بھی ان لاکڈ تھا کچھ اونچ نیچ ہو جاتی تو......؟''وہ ٹاول باؤل میں ڈالتیں بیٹے پر بگڑی تھیں۔

''مام، غصہ میں نکل گیا تھا، خیر آپ بچوں کو لے جائیں۔''اس نے وضاحت دیتے دیتے بات ہی سمیٹ دی تھی اور وہ بیٹے پر غصہ ہوتیں نکل گئی تھیں اور وہ اس کے سرہانے پر بیٹھ کر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھنے لگا تھا۔بخار کا زور ٹوٹا تھا اور وہ نیم غنودگی میں بڑبڑانے لگی تھی۔

''آئی لو یو ارمان۔''اس کی بڑبڑاہٹ میں اضافہ ہو رہا تھا اور اس نے اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

''آئی لو یو ٹو۔''وہ اس کا ہاتھ تھامے شدتوں سے بولا تھا اس نے آنکھیں کھولی تھیں پہلے پہل تو کچھ سمجھ ہی نہ تھی گزری رات کی اذیت جیسے ہی تازہ ہوئی تھی وہ اٹھ بیٹھی تھی۔وہ کچھ کہتا کہ وہ اس سے لپٹ گئی تھی۔

''مجھے طلاق نہیں چاہیے، آپ نے اپنا حوالہ مجھ سے چھینا تو میں مر ہی جاؤں گی۔''وہ اس سے لپٹی شدتوں سے رو رہی تھی۔

''میں کب ایسا چاہتا ہوں۔ایسا کیا تو میں خود مر جاؤں گا۔''وہ اسے خود سے بھینچتا جذبوں سے چور لہجے بولا تھا۔

''آپ سچ میں ایسا نہیں کریں گے ناں۔''اس نے اس کے سینے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

''تم کہو تو سانس لینا چھوڑ سکتا ہوں مگر یہ نہیں کر سکتا۔''اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھاما تھا۔اس کے آنسو بہنے لگے تھے۔

''مجھے میری محبت لوٹا دو، مجھے میری نیناں سونپ دو کہ تم بن تنہا بھی ہوں، ادھورا بھی۔سب کچھ ہے میرے پاس لیکن تم نہیں ہو تو گویا کچھ نہیں ہے میرے پاس۔''آنسو پونچھتے ہوئے پیار بھری گزارش کی تھی۔

''پاس تو میرے بھی کچھ نہیں رہا ارمان، کہ آپ میرے پاس نہ تھے۔''اس نے سسکتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

''میں اگر ناراضگی کے اظہار کے لیے فاصلے بڑھانے کا حق رکھتی تھی تو آپ کے پاس بھی تو فاصلے مٹانے، قربتیں بڑھانے کا حق واختیار موجود تھا تو کیوں آپ نے اپنے حق کا استعمال نہیں کیا۔''وہ یکدم اس کا گریبان مٹھیوں میں جکڑتی سوال کر رہی تھی۔

''مجھے پیار سے ڈانٹ کر کیوں نہیں منایا؟ مجھے کیوں احساس نہیں دلایا کہ میں غلط کر رہی ہوں۔''اس کے شکوے بڑھ رہے تھے۔

''تم مجھے کبھی غلط نہیں لگیں اور تمہاری ناراضگی میں تمہاری چاہت کا اظہار چھپا تھا اس لیے میں نے مان رکھا تا کہ تم جو مجھ سے بدگمان ہو مزید ہو، تمہیں یہ نہ لگے کہ مجھے تمہارے جذبات کی پرواہ نہیں ہے۔میں اپنے رشتے کو ان چاہا احساس نہیں دینا چاہتا تھا۔میں نہیں چاہتا تھا کہ ہمارا رشتہ محبت کے حصار سے نکل کر محض ضرورت بن کر رہ جائے اس لیے خود اذیت میں رہا، تمہیں اذیت میں رکھا تا کہ تم دل

سے مجھے معاف کر کے ہمارے رشتے کو اس کی تمام تر حقیقت کے ساتھ قبول کر کے میرے ساتھ رہو۔'' وہ اس کے لیے مخصوص نرمی سے بول رہا تھا۔

''محبت تو آپ سے کل بھی تھی، آج بھی ہے۔ مرتے دم تک رہے گی اور رشتہ بھی رہے گا، جذبات واحساسات سے جڑے رشتے کبھی نہیں ٹوٹتے ارمان، مگر میرے دل میں چاہے آپ کی طرف سے کوئی بدگمانی باقی نہیں رہی کہ بدگمانی تو کبھی تھی ہی نہیں کہ آپ کے عمل نے میرے دل میں پھانس سی چبھو دی ہے جو وقت کے چلتے کچھ نکل گئی ہے، جو باقی ہے وہ بھی نکل جائے گی مگر اس کی چبھن تا عمر رہے گی۔ معافی کا تو سوال ہی نہیں ہے مگر میں شاید اس چبھن کے سبب آپ سے اپنی ناراضگی ختم نہ کر پاؤں۔'' وہ بے بسی سے بولی تھی۔

''میں نے تم سے اس شب بھی کہا تھا کہ ساتھ بھلے نہ رہو مگر اپنے ساتھ رہنے کی امید اپنے ساتھ نہ لے جاؤ، آج تم نے پھانس نکال دی ہے اور مجھے امید ہے کہ چبھن بھی ایک بار ختم ہو جائے گی کہ میں اپنی نیناں کو ایک نہ ایک دن منانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ روٹھے نہیں رہنے دوں گا۔'' وہ اسے آج دو برسوں بعد بھی مکمل خوشی نہیں دے رہی تھی لیکن وہ اس کی ناراضگی ختم ہونے پر ہی مطمئن ہو گیا تھا اور اس کی اچھائی نیناں کی آنکھیں نم کر گئی تھی مگر وہ بہت مجبور تھی کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے جو ظلم اسیر کیا تھا یہ اسے کتنا تڑپاتا تھا یہ وہی جانتی تھی اور تڑپ، کھل کر بیان نہیں کر سکتی تھی اس لیے ناراضگی تھی کہ مٹا نہیں پا رہی تھی۔

فاصلے مٹے تھے تو تعلقات از خود بہتر ہو گئے تھے اور اس کے بعد وہ تقریباً ایک ہفتہ مختلف جگہوں پر گئے تھے اور ایک یادگار وقت گزارا تھا۔ واپسی کے نام سے وہ خائف تھی لیکن واپسی ضروری تھی اس لیے وہ سب کراچی لوٹ آئے تھے اور یمنیٰ کو سامنے پا کر وہ ایک بار پھر اپنے خول میں سمٹ گئی تھی اور وقت کے چلتے خول کبھی چٹختا تو کبھی اس پر دبیز چادر تن جاتی، وہ خود سے ہی لڑتی مگر اس پر خود سے کچھ ظاہر نہیں کرتی تھی از خود ظاہر ہو جاتا تھا تو الگ بات تھی کہ جب اسے یمنیٰ کی پریگنینسی کا پتہ چلا تو وہ شاکڈ رہ گئی تھی خود کو کمپوز نہ کر پاتے ہوئے میکے چلی گئی تھی۔

☆......☆......☆

''نیناں، بہت اداس رہنے لگی ہو، سب کچھ بھول کیوں نہیں جاتیں۔'' آمنہ نے چھوٹی بہن کو تاسف سے دیکھتے ہوئے کہا تھا اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''میں جب بھولنے لگتی ہوں کچھ ایسا ہوتا ہے کہ میں کچھ بھی قبول تک کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہتی۔'' وہ سوں سوں کر رہی تھی۔

''میں جانتی تھی کہ ارمان پر میرا حق تقسیم ہو گیا ہے اس لیے میں نے ان سے اتنے فاصلے بڑھا لیے، میں نے ارمان اسے ہی سونپ دیئے لیکن اپنی چیز سے دستبرداری کتنے سال تک جھیل سکتی تھی مجھے خود پر، ارمان پر ترس آ گیا، فاصلے سمیٹ دیئے میں خوش رہنے کی کوشش کرنے لگی تھی، حقیقت قبول کرنے لگی تھی مگر آپی، کچھ حقیقتیں جان لیوا ہوتی ہیں انہیں قبول کر لو تو عمر بھر کا روگ لگ جاتا ہے۔ قبول نہ کرو تو تل تل مر کر جینا پڑتا ہے۔ حقیقت سے بھاگنے کی کوشش میں ناکام ہوئی اور اب حقیقت تسلیم کرنے میں ہار رہی ہوں۔ یہ بات میری

جان لے کر ہی ٹلے گی کہ یمنیٰ ماں بننے والی ہے۔ ارمان کے بچے کی ماں، اس شخص کے بچے کی ماں جسے بہت چاہا میں نے اور اس شخص نے یہ کیسی وفا کی میرے ساتھ، میرے مدِ مقابل کسی اور کو لے آیا، نہیں ہوتا یہ سب مجھ سے برداشت۔'' وہ بہن سے لگی بلک رہی تھی۔

''جب جب ارمان اس کے پاس ہوتے ہیں ایک ایک لمحہ مجھ پر بھاری ہوتا ہے، ایک لمحہ کے لیے نہیں سو پاتی، اس احساس نے مجھے ان سے دور کر دیا ہے کہ وہ صرف میرے ارمان نہیں ہیں اس سے بھی ایک شرعی رشتہ میں جڑے ہیں، ان کی غیر موجودگی میں گر تڑپتی ہوں تو اب تو موجودگی میں بھی راحت نہیں محسوس کرتی کہ نہیں ہوتے تو یہ احساس مارے ڈالتا ہے کہ وہ اس پر مہربان ہو رہے ہوں گے اور ہوتے ہیں تو ان کا چھونا برا لگتا ہے اس خیال سے کہ وہ اسے بھی ایسے ہی چھوتے ہوں گے، دیکھنا برا لگتا ہے کہ وہ اسے بھی ایسے ہی دیکھتے ہوں گے۔ مجھے یمنیٰ کے ہونے نہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا مجھے ارمان کے ہونے، نہ ہونے سے فرق پڑتا ہے اور اس فرق کو اب میں کبھی نہیں بدل سکتی کہ ان کا بچہ مجھے کچھ بھولنے نہیں دے گا۔ ارمان کہتے ہیں کہ میں ان سے ناراضگی دور کر لوں انہیں وصل کی بانہوں میں سوتا ہجر بے چین کرتا ہے مگر میں بہت بے بس ہوں آپی کہ میرا دل مجھے چین نہیں لینے دیتا۔'' اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ اس نے اپنے جذبات کا اظہار پہلی بار کسی کے سامنے کیا تھا۔ آمنہ اسے جانتی تھی کہ وہ کتنی حقیقت پسند تھی مگر اس معاملے میں اس کے جذبات بازی لے گئے تھے۔ اس نے حقیقت قبول کر کے بھی دکھ ہی اٹھائے تھے۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اسے کیا کہہ کر چپ کروائے؟ کیسے سمجھائے؟ کہ اس کے جذبات و احساسات کو ٹھیس لگی تھی جو کسی تسلی کی محتاج نہ تھی کوئی ایک لفظ ایسا نہ تھا جو اس کے زخموں پر مرہم کا کام کرتا اس لیے اسے خوب رونے دیا تھا، دل کا غبار نکلنے دیا تھا کہ شاید مطلع یوں ہی صاف ہو جائے لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ ہر گرہ کھل سکتی ہے مگر دلوں میں آ جانے والی گرہ کھل کر بھی نہیں کھلتی، وہ تقریباً ایک ہفتہ میکے میں رہی تھی مگر کب تک فرار حاصل کر سکتی تھی اس لیے واپس لوٹ آئی تھی مگر ان کے درمیان پھر سے فاصلے بننے لگے تھے اور اس کا اثر سب سے زیادہ ابران پر پڑا تھا وہ دھیرے سے یمنیٰ اور یمانی سے چڑنے لگا تھا اس کے ذہن میں خود سے ہی یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ جب سے وہ دونوں اس کے گھر میں رہنے لگی ہیں تب سے ہی اس کے ڈیڈی اور ممی کے درمیان فاصلے آ گئے تھے۔ اس نے یہ سب خود سے کیوں اور کیسے سوچ لیا تھا؟ یہ بات کسی کو سمجھ نہیں آ پائی تھی مگر جب اس نے اپنی بے زاری ظاہر کرنا شروع کی تھی تب وہ سب پریشان ہو گئے تھے اور نیناں کی تو جان پر بن آئی تھی۔

☆......☆......☆

''ڈیڈی۔'' ٹی وی دیکھتا ارمان بہت چونک کر بیٹے کی جانب متوجہ ہوا تھا۔ ابران ہونٹوں کے درمیان کلر پینسل دبائے الجھی نظروں سے باپ کو دیکھ رہا تھا۔

''کیا ہوا ہے بیٹا؟'' وہ اس کے چہرے پر سمٹی پریشانی ہی نہیں اس کی آرٹ بک پر آڑھی ترچھی لکیریں دیکھ کر بھی مضطرب ہو گیا تھا کہ وہ تو کافی اچھی پینٹنگ کرتا تھا اسی لیے اگر نیناں مصروف ہوتی تھی تو اسے اس کام میں بزی کر دیتی تھی مگر آج اس نے کوئی شاہکار تخلیق نہیں کیا تھا آڑھی ترچھی لکیریں اس کی پریشانی کی جانب ضرور اشارہ کر گئی تھی۔

''کیا ممی آپ سے ناراض ہیں ڈیڈی۔''سوال کیا تھا کوئی بھالا تھا جو اس کے ہی نہیں اندر آتی نیناں کے بھی آر پار ہو گیا تھا۔

''ارے نہیں بیٹا۔''اسے سمجھ نہیں آیا تھا کہ فوری طور پر ایسا کیا کہے کہ وہ مطمئن ہو جائے اس لیے کمزور سی تردید کی تھی۔

''نہیں ممی ہی نہیں، آپ بھی ممی سے خفا ہو اور میری مس کہتی ہیں ہمیں جھوٹ نہیں بولنا چاہیے۔اس لیے آپ مجھ سے جھوٹ مت بولیں۔''اس نے قدرے غصہ سے کہا تھا۔

''ڈیڈی جھوٹ نہیں بول رہے بیٹا، میں ممی سے ناراض نہیں ہوں، نہ ہی آپ کی ممی مجھ سے خفا ہیں۔''وہ ایک نظر پتھر کی مورت بنی نیناں کو دیکھ کر نرمی سے بیٹے کا ہاتھ تھام کر بولا تھا۔

''پلیز ڈیڈی، جھوٹ مت بولیں ورنہ اللہ آپ کو گناہ دے گا۔مجھے پتہ ہے آپ دونوں کی لڑائی ہوگئی ہے اسی لیے آپ دونوں پہلے کی طرح نہ مجھے ایک ساتھ پڑھاتے ہو نہ ہی میرے ساتھ آپ دونوں کھیلتے ہیں، اس لیے مجھے بہت برا لگتا ہے پلیز آپ دونوں دوستی کر لو۔''اس نے باپ سے کہا اور اٹھ کر ماں سے لپٹ گیا۔

''پلیز ممی، کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ جب آپ مجھے پڑھاؤ تو ڈیڈی آپ کو تنگ کریں، ڈیڈی کے آنے پر آپ اٹھ کر کہیں نہ جاؤ کہ یہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔''وہ اب باقاعدہ رو رہا تھا اور اس کے بھی آنسو گرنے لگے تھے۔

''ابر کو کوئی مس انڈرسٹینڈنگ ہوگئی ہے ورنہ ابر کی ممی، ابر کے ڈیڈی سے ناراض نہیں ہیں۔''اس نے بیٹے کو الگ کیا اور دوزانو اس کے سامنے بیٹھ کر آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

''ممی کو بہت سے کام ہوتے ہیں ناں اس لیے ممی ڈیڈی کے آنے پر بے فکری سے چلی جاتی ہیں۔ابر کی ممی کو یہ اطمینان ہوتا ہے کہ باقی کا ہوم ورک ابر کو اس کے ڈیڈی کروا دیں گے مگر یہ بات ابر کو اچھی نہیں لگتی تو اب ممی ایسا نہیں کریں گی۔''اس نے بیٹے کے شانوں پر دباؤ ڈالتے ہوئے بہت نرمی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی اور اسے سمجھانے میں فی الحال کامیاب بھی رہی تھی۔وہ ماں سے وعدہ لیتا کمرے سے نکل گیا تھا۔

''تم ابران کو کب تک یوں جھوٹی تسلیاں دو گی؟''وہ اس کے عین سامنے آر کا تھا۔

''جھوٹی تسلی نہیں دی یہ یاد رکھیے گا کہ مجھ پر چاہے جو گزرے اس کا اثر میری اولاد پر نہیں پڑے گا۔خود جل کر بھی اگر اپنی اولاد کے لیے روشنی مہیا کرنا پڑی تو میں ایسا بھی کروں گی۔''اس نے بھیگی پلکیں اٹھائی تھیں۔

''ابران تو میری کل کائنات ہے اور میں اس کی شخصیت میں کوئی بگاڑ نہیں چاہتی، اسے کمی نہ ہو اس لیے آپ کی بیوی کو ایک چھت تلے برداشت کر رہی ہوں۔ابران کے ذہن و دل میں رشتوں کا منفی کردار جنم نہ لے اس لیے آپ کی بیوی کے ساتھ نارملی بی ہیو کرتی ہوں اور جو حماقتیں کی ہیں اس کا اثر میرے بیٹے کے ذہن پر پڑ رہا ہے تو میں ان تمام حماقتوں کو خیر باد کہہ دوں گی۔میرے لیے میرے دکھ نہیں میرے بیٹے کے سکھ زیادہ اہم ہیں اور میں نہیں چاہتی کہ کچھ بھی ایسا وہ محسوس کرے جو اسے وقت سے پہلے میچور کر دے۔''وہ اس کے

سامنے سے ہٹ گئی تھی اور اس نے خود کو پتھر کر لیا تھا۔ ذہن و دل میں کیسی ہی جنگ ہوتی وہ سب کچھ برداشت کیے جاتی پہلے تو جہاں یمنٰی نے یا ارمان نے اسے مخاطب کیا وہ کسی کا بھی خیال کیے بنا واک آؤٹ کر جاتی تھی مگر اب ضبط سے بیٹھی رہتی تھی اور آگے سے کچھ کہنے کی ضرورت ہوتی تو ایسا بھی کر لیتی تھی لیکن اس کے اتنے ضبط اور برداشت کے باوجود سب کچھ اس کے ہاتھ سے نکلتا جا رہا تھا کیونکہ ابران کو یمانی سے ایک خاص قسم کی چڑ ہو گئی تھی اور یہ چڑ جیسے ہی ان پر ظاہر ہوئی تھی ان سب کو نئے تفکرات نے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

☆......☆......☆

''ممی، یمانی اپنی ممی کے ساتھ اپنے گھر کیوں نہیں جاتی۔'' وہ ماں کے بازو پر سر رکھے لیٹا تھا اور وہ اس کے سر میں انگلیاں چلاتی کہانی سنا رہی تھی کہ وہ بول پڑا تھا اور وہ کہانی سنانا بھول گئی تھی۔

''مجھے یمانی نہیں پسند، مہمان اتنے دن تو کسی کے گھر نہیں رہتے، وہ اپنے گھر کب جائے گی۔'' وہ کچھ کہہ ہی نہیں پائی تھی، بے یقینی سے بیٹے کو تک رہی تھی کہ وہ مزید بولتا چلا گیا تھا۔

''یہی یمانی اور اس کی ممی کا گھر ہے۔ وہ مہمان نہیں ہے اس لیے وہ یہاں سے کہیں نہیں جائے گی۔'' وہ مضطرب تو ہوئی تھی مگر کمپوز ڈ کر کے بولی تھی۔

''ممی، میرا دوست کہتا ہے کہ بچوں کا گھر وہ ہوتا ہے جہاں اس کے ڈیڈی ہوتے ہیں اور یہاں تو اس کے ڈیڈی نہیں ہیں اس لیے یہ میرا گھر ہے وہ اپنے ڈیڈی کے پاس چلی جائے۔'' وہ اٹھ بیٹھا تھا اس کے خوبصورت چہرے پر ناراضگی کا رنگ بہت صاف نظر آ رہا تھا۔

''یمانی کے ڈیڈی کی ڈیتھ ہو گئی ہے بیٹا اور آپ کے ڈیڈی ہی اب اس کے بھی ڈیڈی ہیں اس لیے یمانی اپنی ممی کے ساتھ یہاں رہتی ہے۔'' وہ ضبط سے گزرتی بیٹے کو سمجھانے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی۔

''نہیں، ڈیڈی صرف میرے ڈیڈی ہیں، آپ اس سے کہیں وہ یہاں سے چلی جائے۔'' اس کے انداز میں غصہ سا آ گیا تھا۔

''شٹ اپ ابران، جب میں نے کہا کہ یمانی کا گھر یہی ہے وہ کہیں نہیں جائے گی تو تم کیوں میری بات نہیں سمجھتے۔'' وہ غصہ سے چیخی تھی۔ ابران سہم گیا تھا اور اندر آتا ارمان متحیر رہ گیا تھا کہ یہ بات نا قابلِ یقین تھی کہ وہ اپنے لاڈلے کو یوں بری طرح ڈانٹے کہ وہ بیٹے کی غلطی پر بھی یوں ہائپر نہیں ہوتی تھی اور بڑی نرمی سے اسے اس کی غلطی بتا کر اس کی درست جانب رہنمائی کرتی تھی۔

''آئندہ تم ایسا کچھ نہیں کہو گے اور اب آؤ خاموشی سے لیٹ کر سو جاؤ۔''

وہ سہما ہوا تو تھا ہی یکدم رونے لگا تھا اور اسے پہلے تو احساس نہیں ہوا تھا کہ وہ بیٹے پر کتنا غصہ ہو چکی ہے اس کے رونے پر مضطرب سی اسے خود سے لپٹا گئی تھی اور اسے چپ کروانے کے بجائے خود بھی رونے لگی تھی۔

''نیناں، کیا ہوا ہے؟ ابران نے ایسا کیا کہہ دیا ہے، سب خیریت تو ہے؟'' وہ اس کے پہلو میں ٹکا تھا۔

''یہ سب آپ کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ آپ کے ایک وعدے نے میری اور میری اولاد کی زندگی جہنم بنا دی ہے۔'' وہ بیٹے کو تھپکتی

بے بسی سے بولی تھی اوراس کے استفسار پر تمام تر تفصیل بتاتی چلی گئی تھی۔

''آپ بتایئے مجھے، میں کیسے سمجھاؤں ابران کو کہ آپ یمانی کے ڈیڈی کیسے ہیں؟ اس کی ممی ہمارے گھر میں کیوں رہتی ہیں؟ میں نہیں سمجھاسکتی اپنے بیٹے کو آپ کوشش کرلیں۔'' وہ اسے ساکت چھوڑ کر بیٹے کو تھپکتی سونے کے لیے لیٹ گئی تھی جبکہ نیند تو دونوں ہی کی روٹھ گئی تھی اور یہ مسئلہ ایسا تھا کہ جس کا وہ حل نہیں نکال پا رہی تھی اور دن بہ دن ابران کی بے زاری بڑھنے لگی تھی کہ وہ بھی ماں کی طرح بہت شدت پسند تھے اسے اچھا نہیں لگتا تھا کہ یمانی اس کے ڈیڈی سے فرمائش کرے، وہ اسے پیار کریں اس لیے وہ اب یمانی کو تنگ کرنے لگا تھا۔ ایک دن اس نے یمانی کو سیڑھیوں سے دھکا دے دیا تھا۔ یمانی نے تو یہ بات کسی سے نہیں کہی تھی لیکن ایبان نے سب کے سامنے اس کا بھید کھول دیا تھا۔

''ممی، آپی خود نہیں گری تھیں، ابران بھیا نے آپی کو دھکا دیا تھا۔''

وہ سب لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ یمانی کے سر پر پٹی بندھی تھی اور وہ ماں سے لگ کر بیٹھی تھی تب یمنیٰ بیٹی کو دیکھ کر چلنے کی ہدایت کر رہی تھی کہ ایبان درمیان میں بولتا ان سب کو حیران کر گیا تھا جبکہ ماں سے لگ کر بیٹھا ابران بری طرح سہم گیا تھا۔

''ابران، کیا آپ نے یمانی کو دھکا دیا تھا؟'' ارمان کے دھیمے سے پوچھنے پر بھی وہ رونے لگا تھا اور وہ اس کے رونے کی پرواہ کیے بنا اسے ڈانٹنے لگی تھی۔

''آئی ایم سوری۔'' وہ سوں سوں کرتا کان پکڑ گیا تھا۔

''سوری فار واٹ؟ سمجھایا تھا نا میں نے آپ کو کہ یمانی آپ کی بہن ہے آپ اسے بالکل پریشان نہیں کرو گے۔''

کل اس نے یمانی کی ہوم ورک ڈائری چھپادی تھی کل تو اس نے ضبط سے کام لے کر صرف سمجھانے پر اکتفا کیا تھا مگر آج وہ ضبط نہیں کر پائی تھی اور وہ ماں کے سخت لہجہ پر سہم کر اور شدتوں سے رونے لگا تھا۔

''چپ کرو بالکل، اگر اب تم نے یمانی کو پریشان کیا تو میں تمہاری پٹائی کروں گی۔'' بازو پکڑ کر انگلی اٹھا کر اسے وارننگ دی تھی۔

''نیناں، کیا ہو گیا ہے بیٹا، ایسے بات کرتے ہیں، کتنا سہم گیا ہے یہ۔'' سائرہ بیگم اسے خود سے لگاتیں بہو کو ٹوک گئی تھیں۔

''یہ لڑکا مجھے پاگل کر دے گا، ہر دوسرے دن نیا بکھیڑا کھڑا کر دیتا ہے۔'' بیٹے کو ہچکیاں لیتے دیکھ کر وہ آنکھوں میں آنسو لاتی بے بسی سے بولی تھی۔

''بچہ ہے، دھیرے دھیرے سمجھ جائے گا۔ تم اس طرح ڈانٹو گی تو اس کے ذہن پر برا اثر پڑے گا کہ جانتی ہونا، کتنا اٹیچ ہے تم سے۔ اسے تم نرمی سے سمجھا سکتی ہو۔ ہم سب سمجھائیں گے۔ بس تم خود پر، اپنے غصہ پر کنٹرول رکھو۔'' انہوں نے بہو کو نرمی سے سمجھایا تھا۔

''مام! جس فرق کو ہم نے مٹا ڈالا ہے، جب میں یا یمنیٰ نہیں لڑتے جھگڑتے، تو یہ کیوں اتنا نیگیٹو ہو رہا ہے جبکہ اسے تو ان سب رشتوں کی خبر تک نہیں ہے۔''

آنسوؤں میں روانی آ گئی تھی۔ وہ اپنے آپ میں چور بنی لب بھینچے بیٹھی تھی جبکہ اس نے اب تک مداخلت نہ کی تھی۔ لگتا تھا جیسے وہ موجود ہی نہ ہو۔

”بڑوں کے رویے صحیح ہوں تو بچوں کے رویے ان کی شخصیت میں بگاڑ پیدا نہیں ہوسکتا اور اگر ابران کی شخصیت توڑ پھوڑ کا شکار ہوئی ہے تو اس کا مطلب تو یہی ہے کہ کہیں کوئی کمی رہ گئی ہے۔ مگر کمی کہاں ہے میں نہیں سمجھ پا رہی۔“

وہ روتے ہوئے وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔ سائرہ بیگم بھی پوتے کو لے کر وہاں ٹھہری نہ تھیں اور وہ جاتا کہ وہ آواز دے گئی تھی۔

”ژاخ! آئندہ ایسی بکواس کرنے سے قبل ہزار بار سوچ لیجیے گا۔“ وہ اسے خونخوار نگاہوں سے تک رہا تھا کہ جب وہ جاتے ہوئے رک کر اس کی طرف پلٹا تھا اور اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اس سے طلاق کی بات کرے گی اور وہ اس کی بات سن کر اتنے غصہ میں آیا تھا کہ اسے تھپڑ جڑ گیا تھا۔

”بکواس نہیں کی میں نے، اتنے لوگوں کی وجہ سے زندگی برباد ہو رہی ہے۔ یہ سب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا اس لیے آپ چھوڑ دیں مجھے۔ خود بھی سکون سے رہیں اور مجھے بھی سکھ کا سانس لینے دیں۔“

وہ زار و قطار رو رہی تھی۔

”ایسا ممکن نہیں ہے اور یاد رکھیے مشکلات سے نبٹنا پڑتا ہے سرنگوں نہیں ہوا جاتا۔“ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا اس لیے اب کے نرمی سے بولا تھا۔

”میں اتنی بہادر نہیں ہوں ارمان۔ مجھے اپنا آپ مجرم لگتا ہے۔ کسی دن میرا اس گھٹن زدہ زندگی میں دم نکل جائے گا۔ آپ ایسا کریں ہمارے لیے الگ گھر لے لیں۔“

وہ اسے حیرانگی سے دیکھ رہا تھا۔

”پلیز ارمان، یہ ناگزیر ہے کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ ابران کی شخصیت میں کوئی کمی رہے یا یمانی کو کوئی نقصان ہو اور ایک ساتھ رہنے کو تو ان بچوں کے لیے ہی ترجیح دی ہے اور جب بچے ہی خوش نہیں ہیں تو یہی بہتر نہیں ہے کہ آپ دونوں بیویوں کو الگ گھروں میں رکھیں۔“

وہ اس کی حیرانگی محسوس کرنے پر بھی تفصیل سے اپنا مؤقف سامنے رکھ گئی تھی اور وہ کچھ کہے بنا وہاں سے چلا گیا تھا اور رات جب کمرے میں پہنچا تھا تو یہی مطالبہ نیناں نے بھی کر دیا تھا۔ وہ اس کے ستے ہوئے چہرے کو دیکھنے لگا تھا اس کی سرخ آنکھیں رونے کی چغلی کھا رہی تھیں۔

''تمہیں نہیں لگتا کہ صرف یمانی سے پیار کرنے کی وجہ سے ابران مجھ سے کھچا کھچا رہنے لگا ہے اور اگر ہم الگ ہو جائیں گے تو ہم بیٹے کے درمیان مزید فاصلے آ جائیں گے۔ اس لیے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ گھر الگ کرنے کے بجائے ہم ابران کو سمجھانے کی کوشش کریں کہ جو حل تم نکال رہی ہو یہ حل نہیں ہے کہ جیسے جیسے ابران بڑا ہوگا مزید نیگیٹیوٹی کی طرف جائے گا اس لیے ضروری ہے کہ ہم اسے ان رشتوں کے درمیان رکھ کر، خود اس کے درمیان رہ کر اسے رشتوں کی اہمیت و محبت کا سبق سکھائیں۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے بیڈ پر بٹھا کر خود اس کے پہلو میں ٹک گیا تھا اور نہایت حلیم لہجے میں بولتا چلا گیا تھا۔

''میں آپ کے اور ابر کے درمیان فاصلے نہیں چاہتی اس لیے میں نے الگ گھر کی مخالفت کی تھی لیکن ابر نے مجھے مجبور کر دیا ہے ایسا فیصلہ لینے پر۔'' وہ اس کے کاندھے سے لگی سسکنے لگی تھی۔

''بچہ ہے دھیرے دھیرے سمجھ جائے گا۔'' اس کی پیٹھ پر تسلی بھری تھپکی دی تھی۔

''آپ کیوں نہیں سمجھ رہے ارمان۔ وہ نہیں سمجھے گا۔ یہ بگاڑ اس کی شخصیت میں نہیں آ رہا وہ فطری طور پر ہی ایسا ہے، اگر میں ابیان پر توجہ دیتی ہوں تو وہ اسے اچھا نہیں لگتا جبکہ ابیان اس کا بھائی ہے اور یمانی تو اس کی کچھ نہیں لگتی اسی لیے اسے اچھا نہیں لگتا کہ میں یا آپ یمانی سے محبت کریں۔ اور یاد رکھیے گا فطرت زور زبردستی سے نہیں بدلی جا سکتی، ہم ابر پر زور ڈالیں گے تو وہ ہم سے دور ہو جائے گا۔ وہ بہت حساس ہے دھیرے دھیرے وقت کے ساتھ ان سب چیزوں کو قبول کرلے گا اس لیے ہمیں انتظار کرنا پڑے گا اور میں نہیں چاہتی کہ ہمارے انتظار کے درمیان یمانی کو کسی بھی قسم کی تکلیف پہنچے اس لیے الگ گھر میں رہنا ہی مناسب ہے۔'' وہ اس سے الگ ہوتی غیر معمولی سنجیدگی سے بولی تھی۔

''میں ایسا نہیں کر سکتا کہ یمنیٰ کو الگ گھر میں رکھوں گا تو جب اس گھر میں ہوں گا تو تمہاری طرف سے فکر لگی رہے گی اور یہاں تمہارے ساتھ ہوں گا تو یمنیٰ کی ٹینشن لگی رہے گی۔'' وہ صاف انکاری ہوتا اس کے پہلو سے اٹھ گیا تھا۔

''تو ٹھیک ہے اگر آپ الگ نہیں رہ سکتے تو میں اب یہاں نہیں رہ سکتی۔ میں اپنے پاپا کے گھر چلی جاؤں گی۔ میری اور میری اولاد کی فکر نہیں کرنی پڑے گی آپ کو، بس اپنی وعدہ سے جڑی بیوی اور اس کی اولاد کی پرواہ کرتے رہیے گا۔'' وہ غصہ سے کہتی اسے غصہ دلا گئی تھی۔

''بکواس بند کرو نیناں، روز روز کی تمہاری دھمکیوں سے تنگ آ گیا ہوں۔ دنیا کے ہزاروں مرد چار، چار شادیاں کر کے بھی خوش و خرم زندگی بسر کرتے ہیں اور تم نے میری زندگی اجیرن کر دی ہے۔ دوسری شادی ہی تو کی ہے ناں، کون سی قیامت آ گئی ہے۔ کون سا انوکھا

کام کیا ہے میں نے، جو نہ تم برداشت کر سکتی ہو نہ تمہاری اولاد۔‘‘ وہ ضبط کرتے کرتے بھی چیخ پڑا تھا۔

’’باہر کہہ رہی تھیں نا کہ تم نے فرق نہیں کیا تو ابران کیوں فرق پیدا کر رہا ہے۔ اپنے اندر جھانک کر دیکھو فرق نہیں کیا تم نے تو برداشت بھی نہیں کیا۔ حقیقت کو حقیقت کی طرح تسلیم کیا ہے اور تمہارا بیٹا تو گیا ہی تم پر ہے۔ جب تم شراکت برداشت نہیں کر سکتیں تو تمہارے لاڈلے کو یہ ہنر کیسے آئے گا؟ مگر دماغ میں بٹھا لو میری بات، بہت برداشت کر چکا ہوں میں مزید نہیں کروں گا۔ آئندہ تم غلطی سے بھی جانے کی بات نہیں کرو گی اور نہ ہی الگ گھر کا مطالبہ ہو گا اور ابران کو ہم مل کر سمجھائیں گے وہ سمجھ گیا تو ٹھیک ورنہ میں اسے ہاسٹل بھیج دوں گا۔‘‘ وہ دوٹوک فیصلہ کن لہجہ میں بولا تھا اور وہ جو اس کے تیز لہجہ سے ہی خائف ہو گئی تھی کہ وہ اس سے ایسے بات کبھی نہیں کرتا تھا مگر اس کا آخری جملہ اس کی گویا جان ہی نکال کر لے گیا تھا۔ وہ اسے بے یقینی سے دیکھنے لگی تھی۔

’’کیا کہا آپ نے؟‘‘ وہ اس کی آنکھوں میں بے یقینی و مچلتے آنسوؤں کی تاب نہ لاتے ہوئے یکدم ہی پلٹ گیا تھا اور وہ اس کا بازو جکڑ کر اس کے سامنے آتی ایسے نمناک لہجے میں بولی تھی کہ اس کے دل کی دنیا زیروزبر ہو کر رہ گئی تھی۔

’’پھر سے بولیے ارمان شیرازی۔‘‘ وہ اس کی خاموشی پر ہذیانی انداز میں چیخی تھی۔

’’مجھے اپنی بات دہرانے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے کہ یاد رکھنا کہ یونہی چلتا رہا تو میں خاموشی سے بیٹھ کر تماشا نہیں دیکھوں گا جو میں نے اب کہہ دیا ہے یہی آخری فیصلہ ہے۔‘‘

وہ یکدم ہی بہت بے رحم بن گیا تھا۔

’’ابران کے لیے آخری فیصلہ آپ نہیں مسٹر ارمان شیرازی، اس کی ماں کرے گی۔‘‘

وہ سخت ہوا تھا تو وہ چٹان بن گئی تھی۔

’’کیوں کرے گی؟ کیا ابران کا باپ مر گیا ہے۔‘‘ وہ اس کا بازو جکڑتا گہرے طنز سے پوچھ گیا تھا۔

’’میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔‘‘ وہ رونے لگی تھی۔

’’تم اپنی زندگی کے ہر فیصلے کا بقول تمہارے کلی اختیار رکھتی ہو مگر یاد رکھنا کہ ابران پر تمہارا ہی نہیں میرا بھی حق ہے اور تم مجھے اپنے حقوق سے دستبردار کر سکتی ہو ہمارے بیٹے کے حقوق سے نہیں اور میں ابران کے لیے، اس کی بہتری کے لیے سخت فیصلے لینے کا حق رکھتا ہوں اور یاد رکھنا تمہاری ضد یا تمہاری خوشی کے خیال سے تمہارے حقوق سے دستبرداری قبول کر گیا تھا مگر ابران کے معاملے میں، میں کمپرومائز نہیں کروں گا۔ اگر مناسب یہی لگے گا کہ ابران کو ہاسٹل بھیج دوں تو پھر ایسا ہی کروں گا۔‘‘ وہ ایک جھٹکے سے اس کا بازو آزاد کر گیا تھا۔

’’آپ ایسا نہیں کر سکتے ارمان، میں مر جاؤں گی۔‘‘ وہ بری طرح بلک رہی تھی۔

’’جتنی دیر ابران اسکول میں رہتا ہے میری سانس رک رک کر چلتی ہے۔ اگر آپ نے اسے مجھ سے اتنی دور بھیجا تو میری سانسیں تھم جائیں گی۔ میں ابران کے بغیر نہیں رہ سکتی۔‘‘ شدتوں سے روتے ہوئے کہہ رہی تھی اور وہ اس کو روتا چھوڑ کر کمرے سے ہی نکل گیا تھا

جبکہ اسے یہی دھڑکا لگ گیا تھا کہ ارمان، ابران کو ہاسٹل نہ بھیج دے اس لیے وہ ابران کی پہلے سے زیادہ پرواہ کرنے لگی تھی۔ اسے یمانی کے آس پاس بھی بھٹکنے نہیں دیتی تھی تاکہ نہ وہ اس کے سامنے رہے نہ ہی وہ الٹا سیدھا سوچ کر اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے اور جتنی دیر وہ اسکول میں ہوتا اس کا دل سوکھے پتے کی طرح لرزتا ہی رہتا تھا کیونکہ ارمان نے یمانی کا ایڈمیشن ابران کے ہی اسکول میں کروادیا تھا اور چونکہ ابران نے مونٹیسوری کلاس نہیں پڑھی تھی اس لیے وہ دونوں کلاس فیلو تھے۔ اسکول سے بھی کافی دفعہ ابران کی شکایت آچکی تھی اور اس نے ٹیچر سے ریکوئسٹ کی تھی کہ وہ ابران کا سیکشن چینج کردیں لیکن فائنل ایگزامز میں صرف ایک مہینہ باقی تھا اس لیے اسکول مینجمنٹ نے نئے سیکشن تک یہ مسئلہ اٹھانے سے ہی روک دیا تھا۔ وہ ہر دوسرے دن کلاس ٹیچر کو کال کرکے پوچھتی تھی کہ ابران نے یمانی کو پھر تنگ تو نہیں کیا فی الحال ایسا کوئی معاملہ نہ تھا۔ ٹیچرز بھی سکون میں تھے کیونکہ ابران پوزیشن ہولڈرز اسٹوڈنٹ تھا اور اس کی ذہانت وفرمانبرداری سے سب ہی متاثر تھے اس لیے یمانی کو تنگ کرنے پر پریشان بھی ہوئے تھے اور اسے سمجھایا بھی تھا۔ وہ ٹینشن میں بھی جبکہ پورا ڈیڑھ مہینہ گزر گیا تھا اور اس نے کوئی ایسی ویسی حرکت بھی نہیں کی تھی کہ اسے ایک دن اسکول سے کال آگئی تھی اور جس وقت وہ وہاں پہنچی تھی ابران ہی نہیں یمانی نے بھی رو رو کر حشر کیا ہوا تھا۔

''مس، میں نے چیٹنگ نہیں کی ہے۔'' یمانی روتے ہوئے بولی تھی اور وہ سیٹ پر بیٹھنا بھول گئی تھی اور اپنے بیٹے کو دیکھنے لگی تھی جو نظر جھکائے کھڑا تھا۔ اسکول کی پرنسپل نے اسے بیٹھنے کے لیے کہا اور تمام تفصیل سے آگاہ کیا کہ یمانی کی سیٹ کے نیچے سے ایک پیپر ملا تھا۔ ٹیچر نے اسے فوراً کمرے سے باہر نکال دیا تھا اور اس کی کلاس ٹیچر کو بلایا گیا تھا اور انہوں نے ابران کی رائٹنگ پہچان لی تھی اس لیے اسے کمرے سے نکال کر اس کی ممی کو بلا لیا گیا تھا۔

''آپ یمانی کو پیپر کرنے دیں یہ ابران کی ہی رائٹنگ ہے۔'' اس نے بھیگتی آنکھوں سے کہا تھا اور یمانی کو روم میں بھیج دیا گیا تھا۔

''مس، آئی ایم سوری۔'' ٹیچر نے اسے اس کی حرکت پر سرزنش کرتے ہوئے پیپر کینسل کرنے کا کہا تھا کہ وہ بری طرح رونے لگا تھا۔

''ابران، آپ نے بہت غلط حرکت کی ہے آپ کو اس کی سزا بھی ملے گی۔'' پرنسپل نے کہا تھا اور وہ آنکھوں میں آنسو لیے لب بھینچے بیٹھی تھی۔

''میم، آئی ایم سوری، گوڈ پرامس میں آئندہ ایسا کبھی نہیں کروں گا۔ میں نے پیپر نہیں دیا تو میں فیل ہوجاؤں گا۔'' اس نے اپنے کان پکڑ لیے تھے۔ ''میری پوزیشن بھی نہیں آئے گی اور میری ممی بہت ہرٹ ہوں گی۔''

کلاس ٹیچر اسے میڈم کے روم میں لے آئی تھی اور وہ روتے ہوئے بولتا جارہا تھا کہ اس کی نگاہ کرسی پر بیٹھی ماں پر پڑی تھی۔

''فرسٹ پوزیشن محنت اور ایمانداری سے حاصل کی جاتی ہے نہ کہ کسی دوسرے کو لیٹ ڈاؤن کرکے۔'' وہ بیٹے کو دیکھتے ہوئے بولی تھی اور کب کے رکے آنسو گرنے لگے تھے۔ اس نے پرنسپل سے سوری کی اور بیٹے کا ہاتھ تھامتی نکلتی چلی گئی۔ وہ رو رہا تھا، ماں سے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس نے موقع ہی نہیں دیا۔

''آج تم نے مجھے بہت بے عزت کروایا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میرا بیٹا ایسا بھی کر سکتا ہے۔ اس کے لیے میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔'' اس نے روتے ہوئے کہا اور ڈرائیور کو مصطفیٰ ہاؤس چلنے کی ہدایت کی اور جیسے ہی مصطفیٰ ہاؤس کی کشادہ بلڈنگ نظر آئی وہ اتر گئی۔

''خبردار جو تم میرے پیچھے آئے، آج تم نے جو حرکت کی ہے اس کے لیے تمہیں سزا ملے گی ابران، تم اپنے ڈیڈی کے ساتھ رہو گے، ممی کا نام تک زبان پر مت لانا۔'' وہ ڈرائیور کو اسے گھر لے جانے کی ہدایت کرتی اتری تھی۔ وہ ماں کے پیچھے ہی اترنے لگا تھا کہ وہ سختی سے کہتی اسے روتا چھوڑ کر مین گیٹ عبور کر گئی تھی اور وہ مچل مچل کر رونے لگا تھا اسے قابو نہ پا کر روتے ہوئے ڈرائیور نے اسے اس کے حال پر چھوڑ کر گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

☆......☆......☆

''پاگل ہو گئے ہیں آپ؟'' وہ جس وقت لاؤنج میں داخل ہوئی ارمان بری طرح بیٹے پر برس رہا تھا۔ وہ بے یقین سی تھی صورتحال سمجھنے کی کوشش ہی کر رہی تھی کہ اس نے اشتعال پر قابو نہ رکھ پاتے ہوئے بیٹے کے گلابی رخسار پر کھینچ کر تھپڑ مارا تھا۔ وہ دونوں خواتین پریشان ہوئی تھیں اور وہ چیل کی طرح جھپٹی تھی بیٹے کو خود سے لگاتی چیخی تھی۔

''ہاں ہو گیا ہوں پاگل، تمہارے لاڈلے نے پاگل ہی تو کر دیا ہے۔'' وہ اس سے زیادہ زور سے چیخا تھا اور وہ مزید سہم کر ماں سے چمٹ گیا تھا۔

''ارمان پلیز، غصہ نہ کریں۔'' وہ یکدم آگے بڑھ کر بولی تھی۔

''آپ مجھے کول ڈاؤن رہنے کا کہہ بھی کیسے سکتی ہیں۔ ابران نے جو آج حرکت کی ہے۔ کیا نظر انداز کرنے کے لائق ہے؟'' وہ الٹا یمنیٰ پر بگڑا تھا۔

''ایسا بھی کیا کر دیا ہے میرے بیٹے نے؟ کہ آپ اتنا غصہ ہو رہے ہیں۔ میرے پھول سے بچے پر ہاتھ اٹھاتے آپ کا ہاتھ نہیں کانپا۔'' وہ بلکتے ہوئے بیٹے کو خود سے لگاتے ترشی سے بولی تھی۔

''تمہارے بیٹے نے آج ہر حد کراس کر دی ہے۔'' اس کا سخت بدتمیزی کے عنصر سے لبریز انداز دیکھ کر وہ مزید کھول اٹھا تھا۔

''فضول مسٹری کری ایٹ نہ کریں مسٹر ارمان شیرازی، جو بات ہے صاف کہہ دیں کہ میں چند گھنٹوں کے لیے میکے کیا چلی گئی، آپ تو میرے بیٹے کے دشمن ہی بن گئے مگر میں آپ کو اپنے بیٹے کے ساتھ اتنا برا سلوک کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دوں گی۔'' وہ اس کے اشتعال کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بدلحاظی سے چیخی تھی۔

''تڑاخ! آواز نیچی رکھو تمہارا زرخرید غلام نہیں ہوں۔'' وہ اس پر ہاتھ اٹھا چکا تھا۔ یمنیٰ نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

''ارمان! غصہ کو قابو میں رکھو۔''

وہ اس قدر کنٹرول کھو چکا تھا کہ ایک کے بعد دوبارہ تھپڑ مارنے کو ہاتھ اٹھالیا تھا مگر سائرہ بیگم نے بیٹے کا ہاتھ پکڑتے ہوئے ناگواری سے مداخلت کی تھی۔

''آپ مجھے غصہ کنٹرول کرنے کا کہہ رہی ہیں۔ اپنی بہو کو نہیں دیکھا آپ نے جسے شوہر سے بات تک کرنے کی تمیز نہیں ہے۔''

وہ اہانت وذلت کے احساس سے پڑے اس کے سرخ چہرے کو دیکھ کر بولا تھا۔

''جانتے ہو نا کہ ابران کے معاملے میں کتنی جذباتی ہے اور نہیں جانتی کہ آج گھر میں کیا ہوا ہے۔ ہم سب پر کیسی قیامت گزر گئی ہے۔'' وہ بہو کو تاسف سے دیکھتی بولی تھیں۔

''اولاد کیلئے محض جذباتی ہونا کافی نہیں ہوتا اسکی تربیت کرنا بھی ماں کے فرائض میں شامل ہے اور یہ خود جیسی ہے صرف اپنے بارے میں سوچنے والی، کمپرومائز اور شیئرنگ برداشت نہ کرنے والی، بیٹے کو بھی ایسا ہی بنا دیا ہے۔'' وہ بالکل بھی اپنے غصہ کو قابو نہیں کر پا رہا تھا۔

''مجھ میں اتنی برائیاں ہیں تو چھوڑ دیں مجھے، ہاتھ پیر نہیں جوڑے میں نے آپ کے کہ مجھے خود سے باندھے رکھیں۔'' اس نے بیٹے کو خود سے الگ کیا اور اس کے مقابل آن کھڑی ہوئی تھی۔

''ہوش میں رہ کر بات کرو نیناں۔'' وہ مٹھیاں بھینچتا ضبط آزما گیا تھا۔

''کیوں کروں مسٹر ارمان شیرازی؟ اچھی بیوی تو میں کبھی تھی ہی نہیں جبھی آپ نے مجھ پر سوکن لا بٹھائی اور آج تو کہہ دیا کہ میں اچھی ماں بھی نہیں ہوں اپنے بیٹے کی اچھی تربیت کرنے میں بھی ناکام ہوں۔ آپ کو صرف ایک لمحہ لگے گا ایک بری بیوی کو اپنی زندگی سے نکالنے، ایک بری ماں کو اپنے بیٹے کی زندگی سے نکالنے کے لیے، میں دیتی ہوں آپ کو وہ لمحہ، آخری لمحہ جس میں آپ مجھے اپنی زندگی سے ہمیشہ کے لیے بے دخل کر دیں گے، فیصلہ کریں ارمان، اور مجھے ابھی اسی وقت طلاق دے دیں۔''

وہ ہی نہیں وہ دونوں خواتین بھی سناٹے میں آگئی تھیں۔

''مجھے آپ سے طلاق چاہیے ارمان۔ سمجھے......'' وہ ہذیانی انداز میں اپنا مطالبہ دہرا رہی تھی کہ تھپڑ کی گونج نے باقی الفاظ ادا نہیں کرنے دیئے تھے۔

''تڑاخ، ہمیشہ صرف ہر چیز کو اپنے نظریئے سے مت دیکھا کرو۔ ہر بات وہی نہیں ہوتی جیسے تم سوچتی ہو۔'' وہ اس سے زیادہ بلند آواز میں چیخا تھا۔

''تم نے یہ سنا کہ میں ابران پر برس رہا ہوں، یہ دیکھا کہ میں نے ابران کو مارا ہے مگر یہ جاننے کی کوشش کی کہ میں ایسا کیوں کر رہا ہوں۔ تم تو بس اپنی بکواس کیے جاتی ہو......''

''میں کیوں وجہ جاننے کی کوشش کروں، میرے لیے وجہ معنی نہیں رکھتی، میرے لیے کچھ اہم ہے تو صرف یہ کہ آپ نے ابر کے ساتھ غلط کیا ہے۔''

''اولاد کو اس کی خطا پر سرزنش کرنا غلط ہے تو ٹھیک ہے، مجھے اپنی غلطی پر کوئی افسوس نہیں ہے۔'' وہ اس سے بحث کو لاحاصل سمجھ کر بحث سمیٹ گیا تھا لیکن بحث تو چھڑ گئی تھی اور اس کا مطالبہ! وہ یکدم خونخوار آنکھوں سے اسے گھورتا اس کا بازو دبوچ گیا تھا۔

''تم فیصلہ کر ہی چکی ہو کہ میرے ساتھ نہیں رہنا تو میں تمہیں خود سے زبردستی باندھے نہیں رکھوں گا۔'' اس کے انداز میں نہ لچک تھی نہ ہی مروت۔ ''میں ارمان شیرازی بقائمی ہوش و حواس اپنی بیوی نیناں شیرازی کو طلاق......'' وہ اشتعال کی زد پر کھڑا تھا۔

''پلیز ارمان، آپ ایسا نہیں کریں گے۔'' تماشائی بنی یمنیٰ اپنے بھاری بھرکم وجود کا خیال کیے بنا بڑی تیزی سے ان تک آئی اور اس کا بازو جکڑنے لگی تھی۔

''تم ہمارے بیچ میں مت بولو'' وہ غصہ کی انتہاؤں پر پہنچی ہوئی تھی اور اس کی مداخلت سے زیادہ اس کی شکل، اس کی موجودگی کا احساس اسے برا لگا تھا اور نفرت سی محسوس کرتے ہوئے اس نے یمنیٰ کی حالت کی پرواہ کیے بغیر اسے پرے دھکیل دیا تھا۔ اس کی چیخ شیرازی ولاز کے در و دیوار ہلا گئی تھی وہ اس کی جانب دوڑا تھا جو درد سے تڑپ رہی تھی اور اس کی حالت دیکھ کر جیسے اسے ہوش آنے لگا تھا۔ وہ اس تک پہنچی تھی لیکن ارمان نے اسے نفرت بھری نگاہ ڈالتے ہوئے چیخ کر دور رہنے کا کہا اور یمنیٰ کو اٹھائے ہاسپٹل دوڑ گیا۔ اس کی حالت تشویشناک تھی۔ ڈاکٹرز بالکل بھی پُر امید نہ تھے وہ جلے پیر کی بلی کی طرح ہاسپٹل میں چکراتا پھر رہا تھا جب وہ سالار کے ساتھ ہاسپٹل پہنچی تھی کیونکہ یمنیٰ کو ارمان اور سائرہ بیگم ہاسپٹل لے کر پہنچے تھے اور اکیلی رہ جانے والی نیناں کو اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا تھا اور اس نے روتے ہوئے کال کر کے بھائی کو بلا لیا تھا۔

''آئی ایم سوری ارمان، میں نے یہ سب کبھی نہیں چاہا تھا۔'' وہ روتے ہوئے اس کے سامنے آن ٹھہری تھی۔ اس نے ایک ناراض نظر اس پر ڈالی مگر بولا کچھ نہ تھا اور آگے بڑھ گیا تھا اور وہ بھائی کے کاندھے سے لگی سسکنے لگی تھی۔

''یمنیٰ کی اس حالت کی ذمہ دار صرف میں ہوں۔ بھیا اسے یا اس کے بچے کو کچھ ہو گیا تو میں خود کو معاف نہیں کر پاؤں گی۔'' اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

''میری بیوی کیسی ہے ڈاکٹر؟''

نرس نے گلابی کمبل میں لپٹا نہایت خوبصورت بچہ اس کی جانب بڑھایا تھا مگر وہ نظرانداز کرتا لیبر روم سے باہر آتی ڈاکٹرنی کی جانب لپکا تھا اور نرس کی گود سے بچے کو نیناں نے لے لیا تھا۔

''یا اللہ! تیرا شکر ہے۔'' کہتے ہوئے اس نے بچے کی پیشانی چوم لی تھی۔

''آپ کے بچے کو تو ہم نے بچا لیا ہے لیکن آپ کی مسز کی حالت بالکل ٹھیک نہیں ہے۔ آپ دعا کریں۔'' ڈاکٹر پیشہ ورانہ انداز میں کہتی آگے بڑھ گئی تھی۔ اس نے ہراساں ہو کر نگاہ اٹھائی تھی اسی پل ارمان نے اس کی جانب دیکھا تھا آج پہلی دفعہ اس کی آنکھوں میں نیناں کے لئے محبت نہ تھی اور جو احساس تھا وہ دیکھنے کی اس میں سکت نہ تھی اس لیے نگاہ چرا گئی تھی۔

''تمہیں بہت چاہا ہے میں نے نیناں، تمہاری ہر جائز، ناجائز بات پر لبیک کہتا رہا ہوں، تمہاری محبت میں اپنی انا اور خودداری کو اپنے قدموں تلے روندنے کے مشکل ترین مرحلے سے گزر گیا لیکن آج جو تم نے کیا ہے اس کی معافی تمہیں نہیں مل سکتی۔ آج تم نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا ہے۔ مجھ سے میری محبت چھین کر مجھے تہی دست کر ڈالا ہے۔ تم میری محبت کی قاتل تو ہو ہی لیکن تمہارے سر پر اس بچے کی ماں کو چھیننے کا اعزاز بھی جانے والا ہے۔ یمنیٰ کی موت کی ذمہ دار صرف اور صرف تم ہو گی نیناں، اور میرے جذبات، میری موت کی ذمہ دار بھی صرف تم ہو۔'' وہ بے تاثر آنکھوں سے اسے دیکھتا نم لہجے میں بولا تھا۔ نیناں کے آنسو گرنے لگے تھے۔ سالار نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا اور وہ اس سے لپٹ کر رونے لگا تھا۔

''بہت بھروسہ کیا تھا میں نے تمہاری بہن پر سالار، اپنا سب کچھ اسے سونپ کر بھی اس سے کبھی کچھ طلب نہ کیا اور جب مجھ پر مشکل پڑی، جب میں مصیبت میں گرفتار ہوا تو اس نے مجھے ڈوبنے کے لئے چھوڑ دیا۔ تو نے کہا تھا کہ نیناں میری مجبوری کو سمجھے گی، نہیں سمجھی سالار اور اس کی ضد اس کی میں، اس کی ناراضگی آج مجھے کس موڑ پر لے آئی ہے۔ یمنیٰ زندگی اور موت کے درمیان لٹک رہی ہیں اور میں آج بھی ان کے لئے نہیں اس کے لیے فکر مند ہوں۔'' اس نے روتے روتے اس کے کاندھے سے سر اٹھایا تھا۔ دونوں کی نظریں ٹکرائی تھیں اور اس کی آنکھوں میں دوڑتے جذبات اس کے دل کی دنیا زیر وزبر ہونے لگی تھی۔

''کہ اگر یمنیٰ کو کچھ ہو گیا تو کیا کروں گا۔ کیسے اس کے بغیر رہ پاؤں گا کہ یہ غصہ وضد میں، مجھ سے بدلہ لینے کی چاہ میں اپنا نقصان کر گئی ہے۔ قاتلہ بن گئی ہے تمہاری بہن، کہ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ رقابت کی آگ میں جلتے ہوئے یہ اتنا گر جائے گی۔''

وہ کبھی اس پر غصہ ہو رہا تھا کبھی اس کے لیے فکر مند، وہ بچے کو گود میں لیے بری طرح رو رہی تھی۔ سالار نے اسے ریلیکس کیا تھا اور اس کا روم روم یمنیٰ کی سلامتی کے لیے دعا کرنے لگا تھا اور وہ بھی جیسے اس ٹھوکر سے سنبھل گئی تھی اور دل سے اس کے لیے دعا کر رہی تھی کہ ننھا سا بچہ بھوک سے بلکنے لگا تھا۔ سالار نے بچے کے کان میں اذان دینے کے انتظامات کیے تھے اور سائرہ بیگم نے پوتے کو گھٹی پلائی تھی اور وہ نرس سے بچے کے دودھ کے لیے بات کرنے لگی تھی۔ ڈاکٹر نے یمنیٰ کی حالت کے پیش نظر آیا کی بات کی تھی ورنہ دوسرا آپشن فیڈر کا ہی تھا ایسے میں وہ اپنے آنسو رگڑتی آگے بڑھی تھی اور اس نے سائرہ بیگم کی گود سے بچے کو لے لیا تھا۔

''اللہ گواہ ہے کہ نفرت تو اس کی ماں سے بھی نہیں کی میں نے اور یہ تو میرے ابران کی طرح بہت معصوم ہے۔ یہ یمنیٰ کا ادیان ہے مام اور جب تک وہ صحت یاب نہیں ہو جاتی اسے میں فیڈ کرواؤں گی۔''

وہ بہو کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

''مام! میں جب اپنی اولاد کا برا نہیں چاہ سکتی، جب مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوا کہ میرے بیٹے کو اس کا باپ مارے تو میں یمنیٰ کی اولاد کو کیسے تڑپتا چھوڑ سکتی ہوں۔ میں یمنیٰ کے ساتھ جانے انجانے میں غلط کرتی رہی ہوں لیکن میں یمنیٰ کی اولاد کا برا جان کر تو انجانے میں بھی نہیں کر سکتی کہ ماں کا روپ بدلتا ہے ممتا کا نہیں۔'' اس نے روتے ہوئے ادیان کی پیشانی چومی اور اسے فیڈ کروانے لگی تھی اور وہ جو ماں

کو یہ بتانے آرہا تھا کہ یمنیٰ کی حالت خطرے سے باہر ہے اسے ہوش آ گیا ہے آنکھوں میں آنسو لیے پلٹ گیا تھا۔ ایک لمحہ لگا تھا اس کا دل نیناں کی طرف سے صاف ہونے میں کہ جن سے محبت نہیں عشق ہو ان کی برائیاں، کمیاں، غلطیاں پلک جھپکتے میں فراموش کر دی جاتی ہیں اور وہ بھی ایسا ہی کر گیا تھا کہ اس کا عشق اپنے محبوب کی خامیوں پر نہیں صرف خوبیوں پر نظر رکھتا تھا۔ وہ خود کو پرسکون محسوس کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

''یمنیٰ! آئی ایم سوری۔'' اس نے شرمندگی سے کہا تھا۔

''سوری نہ کرو نیناں کہ میں جانتی ہوں تم نے کچھ بھی جان کر نہیں کیا جیسے میں نہ چاہتے ہوئے بھی تمہاری زندگی میں شامل ہو گئی تھی اسی طرح انجانے میں تم مجھے تکلیف دے گئی ہو کہ ہم دونوں اپنی اپنی جگہ مجبور ہیں کہ شاید کہ ایک وقت میں ہم دونوں خوش نہیں رہ سکتے اور انجانے میں ایک دوسرے کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''یمنیٰ! تمہیں تکلیف دے کر احساس ہوا کہ میں تمہیں تکلیف نہیں دے سکتی۔'' وہ روتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام گئی تھی۔

''مجھے احساس ہوا ہے کچھ خوشیوں کے ہی نہیں ہم دکھوں کے بھی اس قدر عادی ہو جاتے ہیں کہ ان کے بغیر ہم نہیں رہ پاتے۔ تم سے اعتراف کرتی ہوں کہ تم میری خوشی کا نہیں میرے دکھ کا باعث ہو لیکن اب تم سے ایک گہرا تعلق بن گیا ہے اور اس تعلق کو ہم دونوں نے مل کر جوڑے رکھنا ہے کہ میں اس بات کا بھی اعتراف کرتی ہوں کہ اگر تم ناخوش ہو تو سبب میں ہوں۔'' اس کے آنسو روانی سے رخسار تر کرتے جا رہے تھے اور رو تو وہ بھی رہی تھی مگر بولی کچھ نہ تھی۔

''اس لیے میں آج تم سے درخواست کرتی ہوں کہ تم مجھے ایک تکلیف کے روپ میں ہی سہی قبول کر لو اور میں بھی تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچاؤں گی۔'' اس نے یمنیٰ کا ہاتھ دباؤ ڈال کر چھوڑ دیا تھا۔

''یعنی تم چاہتی ہو کہ ہم کسی اور کو نہیں خود کو دھوکا دینا سیکھ لیں۔ دل اذیت سے گزرے تو سرِ محفل مسکرا دیں اور تنہائی میں آ کر رو لیں۔'' وہ جو کہنا چاہتی تھی وہ لمحہ بھی سمجھ گئی تھی کہ دونوں کے احساسات الگ نہ تھے دونوں شراکت کی اذیت جھیل رہی تھیں۔

''اگر ہمارا دھوکا ہمارے لیے ہی نہیں ہمارے رشتوں کے لیے بھی فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے تو دھوکہ کو اپنا لینا گھاٹے کا سودا تو نہ ہوگا۔'' اب کے وہ اذیت سے مسکرائی تھی۔ ''کہ کچھ نفرتیں ہی نہیں محبتیں بھی ظالم ہوتی ہیں، انسان سے وہ کچھ کروا لیتی ہیں جس کا اس کے پاس سے کبھی تصور بھی نہیں گزرا ہوتا۔'' اس کی آنکھوں میں درد ٹھہرنے لگا تھا۔

''تم نے کچھ نہیں کہا تھا لیکن تم مجھ سے شرمندہ رہتی تھیں اسی طرح اب میں تم سے شرمندہ رہوں گی کہ یہ گلٹ کبھی ختم نہیں ہو سکتا کہ میری وجہ سے تم اپنا بچہ کھو سکتی تھیں، تمہیں کچھ ہو سکتا تھا اس لیے اپنی اپنی شرمندگی بھی بانٹ لیتے ہیں اور ایک دوسرے کو ایک دوسرے کے لیے نہ سہی، خود اپنے لیے معاف کر دیتے ہیں کہ ہم نے اپنی نسلوں کو محبتوں کے سُر سونپنا ہیں کہ نفرتوں کے بیج بوئیں گے تو ہماری اولادیں محبت کاشت نہیں کر پائیں گی۔''

وہ اس کو سوچتا چھوڑ کر کمرے سے نکل گئی تھی اور اس نے سوچنا کیا تھا کہ اس کا فیصلہ نیناں سے مختلف نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ دونوں حالات کی ستائی ہوئی تھیں۔ عادتاً یا فطرتاً بری نہ تھیں اس نے آنسو صاف کیے تھے کہ دروازہ پھر کھلا تھا اور ارمان شیرازی بیٹے کو گود میں اٹھائے اس تک پہنچا، بیٹے کو اس کے پہلو میں لٹا کر اسٹول گھسیٹ کر بیٹھ گیا اس کی نظر بیوی کے اوپر تھیں جس کا چہرہ زرد تھا لیکن آنکھیں سرخی مائل اپنے رونے کی گواہ بنی ہوئی تھیں جبکہ وہ خود بیٹے کی جانب متوجہ تھی کہ اسے ایک گھنٹے پہلے ہی پرائیویٹ روم میں شفٹ کیا گیا تھا اور وہ پہلی دفعہ اپنے بیٹے کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے معصوم نقوش نرمی سے چھوتی اس کی پیشانی چوم گئی تھی۔

''یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے میری اولاد اور مجھے سلامت رکھا۔''

اس کے آنسو بیٹے کے روئی کے گالوں سے رخساروں پر گرے تھے وہ بیٹے میں مگن تھی اور وہ اسے مخاطب کرنے کے لیے مناسب الفاظ تلاش کر رہا تھا کہ ان کے درمیان اجنبیت نہیں رہی تھی فاصلے بھی مٹ گئے تھے لیکن محبت کی بے اختیاری ان دونوں میں ہی مفقود تھی اور اسی لیے اسے زندگی کے اتنے اہم موڑ پر، خوشی کے بے کراں لمحات میں بھی لفظ چننا پڑ رہے تھے۔

''ہمارا بیٹا کتنا پیارا ہے نا ارمان۔'' وہ بیٹے کی جانب متوجہ تھی اسے مخاطب کیا گیا تھا ہمیشہ کی طرح اسے مشکل سے نکال گئی تھی۔

''تھینک یو یمنیٰ'' وہ اس کا ہاتھ تھام گیا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

''ادیان۔'' اس نے کہا تھا کہ وہ جو چاہے اپنے بیٹے کا نام رکھ سکتی ہے تب وہ بیٹے کا ننھا ہاتھ نرمی سے ہاتھ میں لیتی بولی کیا تھی اسے حیران کر گئی تھی۔

''نیناں نے کہا بھی ہے آپ سے تو ضروری نہیں ہے کہ آپ ہمارے بیٹے کا نام ادیان ہی رکھیں۔''

وہ حیرانگی سے نکلتا دھیمے سے بولا تھا۔

''نیناں میرے بیٹے کی رضاعی ماں ہے اگر اس نے میرے بیٹے کو کوئی نام دیا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے اور آپ کو ایک حیران کن بات بتاؤں؟''

اس کے ہوش میں آنے کے بعد اس سارے قصے کا سائرہ بیگم نے بتایا تھا کہ وہ ہوش میں آتے ہی اپنی اولاد کے لیے پریشان ہو رہی تھی اور تفصیل سن کر وہ مطمئن ہو گئی تھی۔ وہ مسکرا کر شوہر کو دیکھ رہی تھی اور اثبات میں اس کی گردن ہلتے دیکھ کر وہ بولی تھی۔

''میں نے سوچا تھا کہ ہمارا بیٹا ہوا تو میں ادیان نام رکھوں گی۔'' وہ مسکرا رہی تھی اور وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''جب ابران نے یمانی کو نقصان پہنچایا تو مجھے بہت تکلیف پہنچی تھی مگر اس کے باوجود میں نے ابران کے بارے میں غلط نہیں سوچا، اس کی برائی نہیں چاہی اور جب میری اولاد پر مصیبت آئی تو نیناں اس کی ڈھال بن گئی کیونکہ وہ میری اولاد کا بھلا چاہتی ہے کیونکہ ارمان ماں کا روپ ضرور بدلتا ہے لیکن ممتا کا روپ کبھی نہیں بدلتا۔ میری ممتا ابران کا برا نہیں چاہ سکتی اور نیناں کی ممتا ادیان کا برا نہیں چاہ سکتی۔''

اس کی بے یقینی محسوس کرتی وہ دھیمے لہجے میں بول رہی تھی۔ یکدم وہ مطمئن ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

''ارمان! آئی ایم سوری۔''

وہ جس وقت کمرے میں داخل ہوا وہ جائے نماز اٹھا رہی تھی۔اس کو دیکھ کر وہ جائے نماز اس کی جگہ پر رکھتی اس کے سامنے آن رکی تھی۔اس کا گلابی چہرہ فیروزی دوپٹہ کے ہالے میں کافی دلکش لگ رہا تھا۔

''اٹس اوکے۔'' وہ شرٹ کے بٹن کھولنے لگا تھا۔

''مجھ سے ناراض ہیں تو مجھ پر غصہ کریں، ڈانٹیں، ماریں مجھے لیکن یوں بے اعتنائی نہ برتیں۔'' وہ سوں سوں کرتی بولی تھی۔

''ڈانٹ تمہیں سکتا نہیں ہوں، مارنا چاہتا نہیں ہوں کہ میں تو تم سے شرمندہ ہوں کل کسی کا بھی لحاظ کیے بغیر میں نے تم پر ہاتھ اٹھایا تھا۔آئی ایم سوری۔'' یکدم وہ اسے خود سے لگا کر بولا تھا۔

''غلطی بھی تو کی تھی میں نے، میں فضول میں آپ پر غصہ ہوئی اور اصل بات وہیں کی وہیں رہی اور بات کہاں سے کہاں نکل گئی۔'' وہ فاصلہ پر ہوتی شرمندگی سے منمنائی تھی۔

''تم پر غصہ تھا، غصہ میں تمہیں بہت کچھ کہہ گیا اس سب کو بھلا دو کہ یقین رکھنا کہ میں نہ تم سے ناراض ہوں، نہ ہی ہو سکتا ہوں چاہے تم مجھے جان سے ہی کیوں نہ ماردو۔سات خون معاف ہیں تمہیں، ہاں تم ناراض ہو مجھ سے۔اب تو ختم کردو ناراضگی۔''

اس کی معافی پتہ نہیں کہاں رہ گئی تھی کہ وہ اس کو موقع کب دے رہا تھا الٹا خود ہی معافی طلب کیے جا رہا تھا۔

''میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔'' وہ نہ جانے کیوں نظریں چرا کر بولی تھی۔

''میری آنکھوں میں دیکھ کر بولو۔'' اس کا چہرہ ٹھوڑی سے پکڑ کر اونچا کیا تھا۔

''میں نے بہت کچھ قبول کرلیا ہے ارمان، اور جو نہیں کر پائی ہوں وقت کے ساتھ کرلوں گی۔'' وہ نظر چرانے لگی تھی اور فاصلہ پر جاتی اس سے وہ سب کہہ گئی تھی جو اس نے اور یمنیٰ نے ڈیسائیڈ کیا تھا۔

''تم خود کو دھوکا دینا مگر مجھے نہیں نیناں، کہ اگر تم مجھ سے آج بھی خفا ہو تو مجھے افسوس نہیں ہے کہ میرے دل میں تمہیں منا لینے کی شمع آب وتاب سے روشن ہے لیکن تم ناراضگی دل میں رکھتے ہوئے جس دن کہہ دو گی کہ تم مجھ سے خفا نہیں ہو وہ شمع بجھ جائے گی اور یہ شمع میں ایسے بجھانا نہیں چاہتا اس کی آگ مجھے خاکستر ہی کیوں نہ کردے۔'' وہ اسے شانوں سے تھام کر بولا تھا۔

''اللہ نہ کرے۔'' وہ دہل کر رہ گئی تھی اور وہ مسکرا دیا تھا۔

''اتنی اپ سیٹ کیوں ہو، کہہ رہا ہوں نہ میں نے تمہیں معاف کردیا ہے ناراض نہیں ہوں۔'' اس کی غیر معمولی سنجیدگی محسوس کر کے بولا تھا۔

''آپ نے صبح کہا تھا ارمان کہ ہر دفعہ ضروری نہیں ہے کہ میں ہی صحیح ہوں۔مجھے پتہ چل گیا ہے کہ آپ نے ابران پر ہاتھ کیوں اٹھایا تھا۔'' اس کے آنسو روانی سے بہہ رہے تھے۔

''اور میں تو یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی ہوں کہ اگر یمانی کو کچھ ہو جاتا تو......'' وہ سہمے ہوئے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی اور وہ اسے خود سے لگائے نرمی سے دلاسہ دینے لگا تھا۔ جس وقت ابران شیرازی ولاز پہنچا تھا ارمان بھی آفس سے گھر پہنچ گیا تھا کہ نیناں نے اس کی حرکت بتائی تھی اور اس کے لیے تجویز کردہ سزا بھی اور ارمان کے کہنے پر بھی فی الحال لوٹنے سے انکار کر دیا تھا ارمان نے بیٹے کو چپ کروانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی مگر اس کی ایک ہی رٹ تھی۔ ''ممی کے پاس جانا ہے'' اور اس رٹ سے تنگ آ کر وہ اسے ڈانٹنے لگا تھا اور وہ باپ سے خفا ہو کر باہر نکلا تھا اور لان سے گزر کر وہ سوئمنگ پول کی جانب چلا گیا تھا کیونکہ یہ جگہ نیناں کی پسندیدہ تھی۔ وہ اکثر و بیشتر شام کا وقت یہیں گزارتی تھی اس لیے وہ وہاں چلا آیا تھا اور وہ وہاں یمانی کو دیکھ کر واپس جانے لگا تھا کہ یمانی نے اسے آواز دی تھی۔

''ابران۔''

وہ اس کی طرف پلٹا۔

''شٹ اپ، بات بھی مت کرو، تم بہت بری ہو یمانی، صرف تمہاری وجہ سے میرے ڈیڈی بدل گئے ہیں۔ مجھ سے محبت نہیں کرتے اور آج صرف تمہاری وجہ سے میری ممی مجھ سے خفا ہو گئی ہیں۔ تم اپنے گھر کیوں نہیں چلی جاتی؟ پلیز تم میرے گھر سے چلی جاؤ، تم مجھے بالکل اچھی نہیں لگتیں۔''

وہ جو اپنی گیند لینے آئی تھی وہ اٹھا کر اس کے پاس آ رکی تھی اور وہ غصہ سے بولتا چلا گیا مگر اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''تمہارے ڈیڈی، میرے بھی ڈیڈی ہیں۔'' وہ منہ پھلا کر بولی تھی۔

''نہیں، وہ صرف میرے ڈیڈی ہیں، تم میرے ڈیڈی مجھ سے نہیں چھین سکتیں، میں تمہیں مار دوں گا۔'' وہ غصہ میں آ کر چیخا اور اسے پیچھے کی جانب دھکیل دیا۔ فاصلے پر ہی سوئمنگ پول تھا اور وہ اس میں جا گری تھی۔ یمنیٰ کے کہنے پر اسے ڈھونڈنے آیا ارمان چیخ پر دوڑ کر وہاں پہنچا اور ابران کو دیکھ کر وہیں چلا آیا۔ ابران جو پہلے ہی ڈر گیا تھا باپ کو دیکھ کر باقاعدہ کانپنے لگا تھا۔

''ابران، تم نے یمانی کو دیکھا ہے۔'' اس نے بیٹے کی طرف دیکھا اور اس کو کانپتے دیکھ کر پریشان بھی نہیں ہو پایا تھا کہ وہ بول پڑا تھا۔

''ڈیڈی، یمانی سوئمنگ پول میں، پرامس ڈیڈی میں نے جان بوجھ کر اسے نہیں گرایا۔'' باپ کے پوچھنے پر وہ سہم کر بولا تھا اور ارمان کی تو جان ہی نکل گئی تھی۔ اس نے لحمہ ضائع کیے بنا سوئمنگ پول میں چھلانگ لگائی اور اسے ہوش میں لانے میں ناکام ہو کر وہ یمانی کو لیے ہاسپٹل دوڑ گیا تھا اور بروقت طبی امداد نے اس کی جان محفوظ رکھی تھی۔ گھر آتے ہی اس نے ابران کو بلا لیا تھا اور اس پر غصہ ہو رہا تھا کہ وہ چلی آئی تھی اور کہاں کی بات کہاں نکل گئی تھی۔

''ابران ایسا کیسے کر سکتا ہے ارمان؟ کیوں وہ اتنا نیگیٹیو ہو رہا ہے؟ کیوں وہ میری مشکلوں کو بڑھا رہا ہے؟'' وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے بلکنے لگی تھی اور اس نے اسے خاموش کروا کر حتمی فیصلہ سنا دیا تھا۔

''یہ ناگزیر ہے نیناں کہ میں ابران کا دشمن نہیں ہوں، جو فیصلہ لوں گا اس کے بھلے کے لیے لوں گا۔'' وہ ہاسٹل بھیجنے کا فیصلہ کر چکا

تھا اور وہ نہ بھیجنے پر بضد تھی۔

"ناگزیر ہے تو آپ یمانی کو بھیج دیں میرا ابر کہیں نہیں جائے گا۔" اب کے وہ دگنی سختی سے بولی تھی۔

"اگر تمہیں اپنی اولاد عزیز ہے تو یمنیٰ کو بھی اپنی اولاد کی پرواہ ہے اور یاد رکھنا کہ میں یمانی کو بھیج سکتا ہوں لیکن بھیجوں گا نہیں کیونکہ غلطی جس کی ہے سزا بھی اسے ہی ملے گی اور وعدہ ہے میرا تم سے، میں صرف اس کے بہتر مستقبل کے لیے ہم سب سے دور بھیج رہا ہوں، کلاس سکس میں ہے ابھی ابران، تھوڑا بڑا ہوگا رشتوں کو سمجھنے لگے گا تو اسے ہاسٹل سے واپس گھر بلالیں گے۔" اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا اور وہ ہاتھ جھٹکتی کھڑی ہوگئی تھی۔

"آپ کو لگتا ہے کہ اس طرح سب کچھ سیٹ ہو جائے گا تو ایسا بھی کر دیکھیے لیکن یاد رکھیے گا میری بات کہ اس طرح کچھ ٹھیک نہیں ہوگا، اس طرح ابران کی نیگیٹیویٹی بڑھے گی اور وہ ہم سب سے بہت دور ہو جائے گا۔ اتنا ہی دور جتنی دور میں آپ سے ہوگئی ہوں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بول رہی تھی۔

"آپ مجھ سے کہتے ہیں کہ میں اپنی ناراضگی ختم کرلوں مگر آپ ایسا چاہتے ہیں ارمان کہ آپ مجھ سے میرے بیٹے کو دور کر کے میرے قریب رہنا چاہتے ہیں تو ایسا کبھی ہو نہیں پائے گا آپ خود سے مجھے اور میرے بیٹے کو بہت دور کرنے جا رہے ہیں اتنا دور کہ فاصلے صدیوں میں بھی مٹ نہیں پائیں گے۔" وہ کہہ کر منظر سے ہٹ گئی تھی مگر اس کے فیصلے میں دراڑ پڑ گئی تھی لیکن کچھ عرصہ بعد ابران نے پھر ایسی حرکت کی تھی کہ اس نے کسی سے بھی کچھ بھی کہے بغیر اس کا بورڈنگ اسکول میں داخلہ کروا دیا تھا اور جس دن وہ اسلام آباد گیا تھا کتنا رویا تھا۔ نہ جانے کے لیے کتنے ہاتھ پاؤں مارے تھے مگر اس نے فیصلہ نہیں بدلا تھا جسے دکھ دینے کا تصور تک نہ کیا تھا اسے دوسرے بڑے دکھ میں مبتلا کر دیا تھا اور دونوں میں ایک سرد جنگ چل پڑی تھی وہ خود اسے مخاطب نہیں کرتی تھی اور وہ کرلے تو بس ضرورت کے مطابق مختصر جواب اور گہری خاموشی، جس میں اس کا دم گھٹنے لگا تھا اور گھٹ گھٹ کر تو وہ بھی جی رہی تھی رات رات بھر کروٹیں بدلتی رہتی اور ایک ہفتہ میں وہ شدید بیمار پڑ گئی تھی اور اس نے اس کی حالت دیکھتے ہوئے ابران کو واپس بلانے کا فیصلہ کرلیا تھا مگر اب وہ اڑ گئی تھی اس نے صاف منع کر دیا تھا اور ویکلی اپنے بیٹے سے ہاسٹل ملنے جانے لگی تھی اور اس نے بھی منع نہیں کیا تھا وہ ہفتہ کی دوپہر کو جاتی تھی اور سنڈے کی رات آجاتی تھی اس کے ساتھ کبھی ارمان جاتا تھا تو کبھی وہ اپنی ماں فاطمہ بیگم کے ساتھ جاتی تھی۔ یونہی تین ماہ گزر گئے۔ ایک دن ابران کی طبیعت ٹھیک نہ تھی اس لیے ہاسٹل سے فون آیا تھا کیونکہ وہ ممی، ممی' کیے جا رہا تھا۔ اس نے فوراً ہی اپنی سیٹ بک کروالی تھی جبکہ کل رات سے اسے اپنی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی اور وہ ڈاکٹر کے پاس تک نہ گئی اور بیٹے کے پاس پہنچ گئی۔ اسے دیکھ کر اس کی طبیعت خود ہی ٹھیک ہوگئی تھی لیکن اس کے ساتھ مسئلہ دوسرا تھا اور اس نے اپنی جانب توجہ بھی نہیں دی تھی اور نتیجہ کے طور پر چکرا کر وہیں ائیرپورٹ پر گر پڑی تھی۔ اسے اور فاطمہ بیگم کو پک کرنے آیا ارمان اسے گھر لے جانے کے بجائے ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا۔ ان کے ہاں گڈ نیوز تھی، شروع کے منتھ تو کسی نے اسے سفر کرنے سے نہیں روکا تھا مگر چوتھے مہینے سائرہ بیگم نے اسے نہ جانے کی صلاح دی تھی جو اس نے خاموشی سے سن لی

تھی اور حسب عادت ہفتہ کی سیٹ بک کروالی تھی۔ جب ارمان کو پتہ چلا تھا تو اس نے بھی نہ جانے پر زور ڈالا تھا اور ان دونوں کے درمیان خوب بحث ہوگئی تھی۔

''سفر کرنا تمہاری صحت کے لیے ٹھیک نہیں ہے۔ کچھ اونچ نیچ ہوگئی تو خسارہ ہم سب کے نصیب میں آئے گا۔'' وہ اسے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کررہا تھا۔

''ابران میرا انتظار کرتا ہے ارمان، اسے میں نہیں سمجھاؤں گی ایسا ہی ہے نا تو آپ میری ڈلیوری تک میرا اسلام آباد میں رہنے کا انتظام کردیں۔''

وہ بیٹھے سے کھڑا ہوگیا تھا۔

''دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا۔'' وہ اسے ناگواری سے دیکھ رہا تھا۔

''اب آپ کچھ بھی کہیں، اس کے علاوہ دوسرا کوئی حل نہیں ہے۔'' وہ اپنے مخصوص سنجیدہ لہجے میں بولی تھی۔

''میں ابران کو واپس......''

''ہرگز نہیں کہ آپ نے اسے بھیج دیا کہ یہی سب کے لیے مناسب تھا تو اب اس کی تمام ایجوکیشن ہاسٹل میں ہی کمپلیٹ ہوگی۔'' وہ ضدی لہجے میں بولی تھی۔

''تو ٹھیک ہے، مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں ہے مگر سن لو اب تم اپنی ڈلیوری تک اسلام آباد نہیں جاؤ گی۔'' وہ سختی سے بولا تھا مگر اس نے بھی تو ٹھان لی تھی۔ گئی نہیں تھی تو بیمار پڑ گئی تھی اور اس نے کچھ سوچ کر مجبور ہوتے ہوئے اسلام آباد جانے کی پرمیشن دے دی تھی کیونکہ ان دنوں سالار کی پوسٹنگ اسلام آباد میں ہوئی تھی وہ وہاں اکیلے ہی رہ رہا تھا مگر جب اس کے سامنے بہن کی ضد آئی تھی تو اس نے گھر میں بات کی تھی اور فاطمہ بیگم نے کہا تھا کہ وہ بیوی بچوں کو لے جائے اور ان کے ساتھ ہی نیناں بھی ٹھہر جائے گی اور اسی آپشن کی وجہ سے ارمان راضی ہوگیا تھا۔ اس سب میں ایان اور پوری فیملی متاثر ہوئی تھی لیکن اس نے صرف ابران کا سوچا تھا اور ابران اسے وہاں پاکر بہت خوش تھا اور وہ اپنے بیٹے کو خوش دیکھ کر خوش تھی وہ یہ نہیں سوچ رہی تھی کہ اس سب میں وہ اپنے شوہر سے کتنا دور ہوتی جارہی ہے اور اس کی محبت ابران کو باپ سے متنفر کررہی ہے کہ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہونے لگا تھا کہ جب ممی میری محبت میں مجھ سے ملنے آتی ہیں تو ڈیڈی کیوں نہیں؟ ممی اس کی وجہ سے اسلام آباد میں ٹھہر سکتی ہیں تو ڈیڈی کیوں؟ اور اس ''کیوں'' نے باپ بیٹے کے درمیان خلیج کی ابتداء کی تھی جو وقت و عمر کے ساتھ نئے سوالات، نئے شکوؤں کے قالب میں ڈھل کر بڑی ہوتی چلی گئی تھی۔ ان دنوں بزنس کرائسز میں جارہا تھا اس لیے وہ مہینے میں بھی کوئی چکر وہاں کا نہیں لگا پارہا تھا اور اس کی ڈلیوری کے دن پورے ہوگئے تھے۔ اس نے بہت خوبصورت سی بچی کو جنم دیا تھا۔ گلابی گالوں، بڑی بڑی آنکھوں والی بچی ان سب کو بہت عزیز ہوگئی تھی۔ ایان اور شہیر (سالار مصطفیٰ کا بیٹا جو ایان سے ایک سال بڑا تھا اور یوں اچانک اسلام آباد آنے پر اس کی ایجوکیشن بھی متاثر ہوئی تھی) ہر وقت اس کے ساتھ لگے رہتے تھے مگر جب ہفتہ کو ابران آتا تھا تو شیریں پر اسی کا

قبضہ ہوتا تھا۔ دونوں بیٹوں کے نام نیناں نے رکھے تھے اور بیٹی کا نام ارمان نے خود رکھا تھا اور اس کی پیدائش کے دو ماہ بعد وہ ''شیرازی ولاز'' لوٹ آئی تھی اور یہ سب اسی طرح چلتا رہا تھا اور ان کی شادی کی گیارہویں سالگرہ پر اس نے نیناں کو ایک گھر گفٹ کیا تھا۔ یہ گھر اس نے نیناں کی پسند پر ہی تعمیر کروایا تھا اور اس کی مرضی سے اس گھر کی پیشانی پر ''نیناں ولاز'' کندہ کروایا تھا۔ گھر کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئی تھی کہ شادی کے اولین دنوں میں جب وہ ایک دوسرے کو پسند و ناپسند جاننے کی کوشش کیا کرتے تھے تب اس نے بتایا تھا مگر اسے یہ کہاں امید تھی کہ وہ اس کے خواب کی تعبیر دے دے گا۔ وہ کافی عرصہ بعد خوش تھی وہ بھی اپنے لیے اور اس نے اس کی خوشی کی خاطر ماں کو شیرازی ولاز سے نیناں ولاز میں شفٹ ہو جانے پر راضی کر لیا تھا اور یمنیٰ سے بھی اس کی مرضی پوچھی تھی اس نے بھی انکار نہیں کیا تھا کہ وہ شادی کے ان طویل سالوں میں جان گئی تھی کہ اس کا شوہر اس کا ہے لیکن اس سے محبت نہیں کرتا کہ رشتے کے لیے جتنی محبت درکار تھی وہ اس کے ہر انداز سے جھلکتی تھی مگر بے اختیار سی محبت اس کے لیے نہ تھی کہ محبت اس نے صرف نیناں سے کی تھی، اس کی پرواہ کرتا تھا، خیال رکھتا تھا، محبت بھی کرتا تھا مگر بے اختیار محبت سب کچھ وار دینے والی محبت اس سے نہیں کر پایا تھا اور اسے جتنا ملا تھا وہ اس پر بھی شاکر تھی اور یہ اس کا صبر و شکر ہی تھا کہ اس نے ایک اچھی زندگی بسر کی تھی اور وہ اپنی زندگی سے خوش و مطمئن تھی۔ رہ گئی نیناں تو خوش تو وہ بھی تھی لیکن اپنی فطرت اور جلد باز طبیعت کے سبب اکثر غیر مطمئن رہتی تھی اسے سب کچھ خیال تھا اطمینان بھی مگر اس کی شدت پسندی اکثر اسے پریشان کرتی رہتی تھی اور اسی لیے اس نے ارمان کو بہت ستایا تھا بہت امتحان لیا تھا ان کے درمیان وقت کے ساتھ سب کچھ ٹھیک ہو گیا تھا مگر اس کے دل میں اب بھی ایک خلش سی تھی اور اسی لیے وہ اب تک اپنی تمام ناراضگی دور نہیں کر پائی تھی اور وہ جیسے اس کی ناراضگی کا بھی عادی ہو گیا تھا اور عشق کی کئی رتیں روٹھ کر جاتی رہی تھیں تو اس نے کچھ رتوں کو اپنے موافق بھی بنا لیا تھا کہ یہ دنیا کی سب سے بڑی سچائی تھی کہ اسے نیناں شیرازی سے محبت نہیں عشق تھا اس لیے اس نے عشق کی غلامی کسی آقا کی طرح کی تھی اسی لیے وہ کچھ نہ پا کر بھی اداس نہ تھا اور کچھ پا کر بھی مطمئن تھا۔

داغ دل ہم کو یاد آنے لگے
لوگ اپنے دیئے جلانے لگے
کچھ نہ پا کر بھی مطمئن ہیں ہم
عشق میں ہاتھ کیا خزانے لگے

وہ مزید نہ جانے کتنی دیر تک ماضی کی بھول بھلیوں میں کھویا رہتا کہ دروازہ کھلا تھا اور کوئی آندھی طوفان کی طرح اندر داخل ہو گیا تھا۔ اس نے نظر اٹھائی تھی تو شیریں پر ٹھہر گئی تھی وہ سرخ چہرے کے ساتھ کافی غصہ میں لگ رہی تھی اور اس کے پیچھے ہی ایبان تھا جو کچھ خائف نظر آ رہا تھا۔

''ڈیڈی کی جان، غصہ میں کیوں ہے؟'' وہ خود کو حال کے دھارے پر چھوڑتا خود کو کمپوز کر کے پوچھ لیا تھا۔

''ممی کے لاڈلے کی وجہ سے۔''

''اچھانا، سوری لے جاؤں گا تمہیں پرامس۔''

وہ جو کہنا شروع ہی ہوئی تھی کہ ایان نے اس کا بازو پکڑا تھا اور دھیمے سے بولا تھا۔ ارمان کو ہنسی آنے لگی تھی کیونکہ ایان چاہے اسے کتنا ہی ستاتا تھا لیکن اسے اپنا مقدمہ ماں باپ کی عدالت تک لے جانے نہیں دیتا تھا کیونکہ وہ سب کی ہی لاڈلی تھی اس لیے سپورٹ اسے ہی کیا جاتا تھا اس وقت بھی اس کا ارمان شیرازی کے پاس آنا اسے کچھ خائف کر گیا تھا کہ اسے یقین تھا کہ ارمان شیرازی بیٹی کو سپورٹ کرتے ہوئے اسے ڈانٹیں گے۔

''بات کیا ہوئی ہے کچھ پتہ تو چلے۔'' انہوں نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے مداخلت کی تھی۔

''ڈیڈی، مجھے ماموں جان کے ہاں جانا ہے بٹ یہ مجھے نہیں لے جا رہے۔'' اس نے منہ بنا کر بولا تھا اور وہ اسے دیکھنے لگے تھے۔

''میں نے منع نہیں کیا تھا ڈیڈی، یہی کہا تھا کہ کل لے جاؤں گا۔'' وہ متوقع ڈانٹ کے ڈر سے منمنایا تھا۔

''جب مجھے آج جانا ہے تو یہ مجھے کل کیوں لے کر جائیں گے۔'' اس نے منہ پھلا کر کہا تھا۔

''شیریں، ضد کرنا بری بات ہوتی ہے بیٹا، ایان تمہارا بڑا بھائی ہے اگر آج منع کر رہا ہے تو آپ خاموش ہو جاؤ کہ ہمیشہ ایان جہاں تم کہتی ہو لے کر جاتا ہی نا، آج ہو گا کوئی ریزن۔'' وہ بیٹے کی بے چارگی محسوس کرتے ہوئے اس کی توقع کے برخلاف اسے سپورٹ کر گئے تھے۔

''کوئی ریزن نہیں ہے ڈیڈی وہ تو خوشی، آفی کے گھر گئی ہوئی ہے اس لیے نہیں لے جا رہے تا کہ جب کل جائیں تو یہ اس سے مل سکیں۔'' وہ جلدی سے بولتی انہیں ہنسنے پر مجبور کر گئی تھی جبکہ وہ باپ کی سپورٹ پر مسکرا رہا تھا گڑبڑا کر رہ گیا تھا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہے شیریں۔'' وہ متبسم سا پوچھ گئے تھے۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے ڈیڈی۔'' وہ سرخ چہرے کے ساتھ منمنایا اور اسے گھورنے لگا۔

''ایسی ہی بات ہے آپ ان سے کہہ دیں ڈیڈی کہ یہ مجھے ابھی اسی وقت ننا جان کے گھر لے جائیں۔'' وہ باپ سے لاڈ سے بولی تھی۔

''بیٹا، تم کل چلی جانا، تمہاری وجہ سے اگر تمہارے ایان بھیا کا بھلا ہو جائے گا تو کیا برا ہے۔'' وہ بیٹی کی ناک کھینچتے ہوئے شرارت سے بیٹے کو دیکھتے ہوئے بولے تھے جہاں وہ جھینپ گیا تھا وہیں اس نے کھی کھی کرنا شروع کر دی تھی۔

''ایان بھیا، آپ تو بالکل خوشی کی طرح شرمسار ہیں۔'' وہ کھلکھلائی تھی۔

''تمہیں تو میں بعد میں دیکھ لوں گا۔'' وہ خفت مٹانے کو دھمکی لگا گیا تھا۔

''اوہوں، ایان۔'' انہوں نے بیٹے کو تنبیہی انداز میں پکارا تھا۔

''سوری ڈیڈی، بٹ آپ سب ہمیشہ شیریں کی ہی سائیڈ لیتے ہیں۔ میں تو جیسے سوتیلا ہوں نا۔'' اس نے بچوں کی طرح منہ بنا کر کہا تھا۔

''آپ تو بس مجھ سے جیلس ہی ہوتے رہا کریں۔'' ارمان شیرازی ان دونوں کی نوک جھونک پر مسکرا رہے تھے اور وہ دونوں جیسے لڑتے جھگڑتے آئے تھے ویسے ہی چلے بھی گئے تھے اور انہوں نے آنکھیں موند لی تھیں۔

☆......☆......☆

''ممی کی جان، اتنے اداس کیوں ہو؟'' وہ ماں کی گود میں سر رکھ کر آنکھیں موند گیا تھا اور وہ اس کی خاموشی محسوس کر کے نرمی سے بولی تھیں۔

''اداس نہیں ہوں بس بوریت محسوس کر رہا ہوں۔'' دھیمے سے کہتے ہوئے آنکھیں کھولی تھیں۔

''بوریت کیوں میری جان؟'' پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگی تھیں۔

''سب کی اپنی مصروفیات ہیں، ڈیڈی آفس، شیریں اور ابیان کالج اور یونی چلے جاتے ہیں تو ایسے میں، میں نے بور ہی ہونا ہے۔'' وہ بچوں کی طرح منہ پھلا کر بولا تھا۔ ''اور آپ بھی تو اپنے کاموں میں بزی رہتی ہیں''

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ماں سے شکوہ کر گیا تھا جبکہ وہ اسے مکمل توجہ اور وقت دے رہی تھیں، ارمان شیرازی کی بیماری کے دوران وہ گھن چکر بن گئی تھیں مگر اسے نظر انداز نہیں کیا تھا۔

''ارے ممی کی جان، ممی تو ہر وقت تمہارے پاس ہوتی ہیں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں بچوں کی سی خفگی دیکھ کر مسکرا کر بولی تھیں کہ اس سے قصے سننا اور اسے ادھر ادھر کی باتیں سنانا ان کا روز کا معمول تھا۔

''بس میرا بیٹا اب بھی بڑا نہیں ہوا، چاہتا ہے ممی کا پلو تھام کر چلتا رہے۔''

خفیف سی شرارت پر وہ جھینپ کر اٹھ بیٹھا تھا۔

''میرا دل کرتا ہے ممی آپ ہر وقت میرے سامنے بیٹھی رہیں، میرے ساتھ بات کریں، میری شرارتوں پر ہنسیں، میرے ساتھ کھیلیں۔'' اس کے لہجے میں بچپن کی تشنگی سمٹ آئی تھی۔

''میں ہوں نا اپنے بیٹے کے پاس، مگر تم تو شرارت کرتے ہی نہیں ہو۔'' اس کے لہجے کی آزردگی و تشنگی محسوس کرتے ہوئے وہ تڑپ اٹھی تھی مگر ظاہر کیے بنا شرارت سے بولی تھیں کہ وہ کٹھن وقت کو یاد نہیں رکھنا چاہتی تھیں، ماضی کی تلخیوں میں نہیں حال کی آسودگی میں جینا چاہتی تھیں۔ اس نے ماں کے چہرے کی طرف دیکھا تھا انہوں نے کیسے اتنی باتوں میں اس بات کو پکڑ لیا تھا جو اس میں کم تھی۔

''میرا بیٹا اتنا سنجیدہ ہو گیا ہے اور سچ کہوں ناں مجھے اتنا ہی سنجیدہ، بردبار و سمجھ دار بیٹا چاہیے تھا لیکن سنجیدگی میں بھی مسکراتا ہوا شرارت کرتا ہوا اور میرے بیٹے میں شرارت کم ہو گئی ہے۔ میری جان جو جیسے ہوا اسے بھول جاؤ، ہنسو، کھیلو کہ یہی زندگی ہے۔'' انہوں نے بیٹے کا ہاتھ اپنی ہتھیلیوں میں مقید کر لیا تھا اور بڑی نرمی سے ناصحانہ انداز میں بولی تھیں۔

''جب میں بچپن میں کوئی بھی شرارت کرتا تھا تو آپ بہت خوش ہوتی تھیں مگر جب میں ہاسٹل گیا وہاں میری شرارتوں پر خوش

ہونے والا کوئی نہیں تھا اس لیے میں نے شرارتیں کرنا ہی چھوڑ دیں۔'' اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی در آئی تھی۔

''مگر اب میں پھر سے شرارت کرنے لگوں گا کہ میں آپ کے چہرے پر وہی نرم سی مسکان دیکھنا چاہتا ہوں۔'' اس نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ سے بڑی نرمی سے نکال کر ان کے خوبصورت چہرے پر پھیرا تھا اور وہ بیٹے کو آزردگی سے بچانے کو اس کی بچپن کی شرارتیں یاد کر کے سنانے لگی تھیں کہ وہ درمیان میں بول پڑا۔

''ممی آپ کو میری وہ شرارت یاد ہے جب میں نے آپ کی ساڑھی پہنی تھی۔'' وہ اپنے بیٹے کی کوئی بات نہیں بھولی تھیں اور یہ انہوں نے ثابت بھی کر دیا۔

''ساڑھی تم نے پہنی نہیں تھی، تھان کی طرح محض لپیٹ لی تھی اور اس دن تمہارے ڈیڈی کے دوست بابر انکل آ گئے تھے ان کی مسز کتنا ہنسی تھیں۔'' ان کے ہی نہیں ابران کے لبوں پر بھی مسکان آ گئی تھی۔

''اور مجھے ان کے آنے پر غصہ آ رہا تھا کہ وہ لوگ کیوں آئے کیونکہ میں نے نناجان کے ہاں وہی ساڑھی پہن کر جانا تھا۔'' اس نے منہ بنالیا اور پھر وہ دونوں ہی ہنسنے لگے تھے۔

''تم نے رو رو کر پورا گھر سر پر اٹھالیا تھا کہ تم نے وہی ساڑھی پہن کر نناجان کے ہاں جانا ہے۔''

''اوہوں، لیکن آپ کے سمجھانے پر میں خاموش ہو گیا تھا۔''

اس نے ہنستی ہوئی ماں کے پرسکون چہرے کو دیکھا تھا اور اپنے اندر سکون سا اترتا محسوس کرنے لگا تھا۔

''ممی کے سمجھانے پر نہیں تم ممی کی دی لالچ میں آ کر چپ ہو گئے تھے۔''

ان کے آنے کی ان دونوں کو خبر ہی نہیں ہوئی تھی کہ انہوں نے درمیان میں ٹکڑا لگا کر اپنے آنے کا بتا دیا تھا وہ باپ کو ناسمجھی سے دیکھ رہا تھا جبکہ وہ ارمان شیرازی کی بات سمجھ کر مسکرانے لگی تھیں۔

''کیسی لالچ ڈیڈی؟'' حیرانگی سے پوچھا تھا کہ وہ بچپن سے ہی بہت شارپ تھا اس کی میموری بھی قابلِ تعریف تھی اسے اپنے بچپن کے بیشتر قصے من وعن یاد تھے مگر آج انہوں نے اسے الجھا دیا تھا۔

''تمہاری ممی نے تم سے کہا تھا کہ وہ ویسی ہی ساڑھی تمہاری دلہن کو گفٹ کریں گی اس لئے تم چپ کر گئے تھے۔'' ان کے انداز میں شرارت تھی وہ جھینپ گیا تھا اور آگے سے کچھ بول ہی نہیں سکا تھا اور وہ دونوں ہی بیٹے کے سرخ چہرے کو دیکھ کر مسکرا دیئے تھے۔

''آپ میرے بیٹے کو یونہی تنگ کر رہے ہیں ورنہ یہ بات تھوڑی تھی، کیوں ابر نہیں تھی ناں ایسی بات؟'' ان کا انداز چھیڑنے والا تھا اور اس کی سرخ رنگت کچھ اور سرخ ہو گئی تھی۔

''تمہارا بیٹا بالکل تمہاری طرح شائے ہے جبکہ لڑکوں کو شائے نہیں ہونا چاہیے۔'' وہ مسکرا کر بیٹے کو تنگ کر رہے تھے۔

''لڑکوں کا مجھے پتہ نہیں بیٹوں کو شائے ہی ہونا چاہیے تاکہ رشتوں کا احترام باقی رہے۔'' ان کی بھی اپنی ہی لوجک تھی۔

''اور آپ چینج کرلیں میں نوراں سے چائے کے لیے کہتی ہوں، ابر، تم چائے پیئو گے؟'' وہ اٹھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

''نہیں اور آپ مت جائیے ناں، یوں آپ دونوں کو ساتھ دیکھنا، آپ سے بات کرنا اچھا لگ رہا ہے۔'' اس نے ماں کا پلہ تھام کر جانے سے روکا تھا۔ انہوں نے بیٹے کی شکل دیکھی تھی اس کی آنکھوں میں نرم سا تاثر تھا وہ مسکرا کر واپس بیٹھ گئی تھیں اور ان کو یوں بیٹھے دیکھ کر انہوں نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔

''ماماز بوائے، تھینک یو! ورنہ تمہاری ممی اب کی گئیں نہ جانے کب لوٹتیں۔'' انہوں نے چھیڑا تھا وہ شوہر کو گھورنے لگی تھیں۔

''مجھے کیا کہہ رہی ہو، کون سا میرے کہنے پر بیٹھی ہو، اپنے لاڈلے کی فرمائش پوری کی ہے ورنہ ہم ہیں کس گنتی میں؟'' ان کا اپنا ہی انداز تھا وہ بری طرح جھینپ گئی تھیں اور وہ ان دونوں کو دلچسپی سے دیکھنے لگا تھا۔ باپ اگر زیر لب مسکراتا بہت اچھا لگ رہا تھا تو ماں کی سرخ رنگت بھی متاثر کن تھی۔ اسے وہ بیتے دن یاد آنے لگے تھے جب نیناں اسے ہوم ورک کرواتی تھیں اور ارمان شیرازی ان دونوں کو ہی تنگ کرنے لگتے تھے اور وہ جھنجلا کر واک آؤٹ کر جاتی تھیں جس کے بعد وہ اس کا ہوم ورک خود ہی مکمل کروا دیتے تھے۔

''ڈیڈی، آپ نے ممی کو فرسٹ ٹائم کہاں دیکھا تھا؟'' وہ ماضی سے نکل کر اچانک ہی غیر متوقع سوال کر گیا تھا۔ وہ دونوں ہی حیران ہوئے تھے۔

''مشہود کی برات کی شب۔'' وہ بیٹے کی آنکھوں میں اشتیاق سا دیکھ کر دھیمے سے بولے کیا تھا ان لمحات میں کھو سے گئے تھے۔ مشہود کے بہت انسسٹ کرنے پر وہ اس کی برات میں پہنچے تھے اور واپسی کو عجلت میں قدم بڑھاتے نیناں مصطفیٰ سے ٹکراتے بچے تھے اور یہ پہلا ٹاکرا ہی انہیں نیناں مصطفیٰ کی محبت میں ایسا گرفتار کر گیا تھا کہ طویل برسوں میں یہ محبت عشق کا پیراہن اوڑھ گئی تھی اور وہ ماضی میں کھو سے گئے تھے

''تمہاری ممی سے پہلی نظر میں محبت ہوگئی تھی اور میں جتنا دیوانہ ہو رہا تھا یہ مجھ سے اتنی ہی خائف و گریزاں کہ میرا نام سن کر ہی منہ کے زاویے بگڑنے لگتے تھے۔'' وہ ماضی میں کھوئے کھوئے سے دلکشی کے ساتھ بول رہے تھے۔ انہیں یہ سب بڑا ہی عجیب لگ رہا تھا مگر بیٹے کے چہرے پر پھیلے اشتیاق و تجسس نے انہیں مہر بہ لب کر دیا وگرنہ ان کا دل کر رہا تھا کہ ارمان چپ ہو جائیں کہ وہ کافی محتاط پسند طبیعت رکھتی تھیں اس لیے بیٹے کو یہ سب بتانا انہیں غیر مناسب محسوس ہو رہا تھا۔

''ممی، آپ کیوں ڈیڈی کو ناپسند کرتی تھیں کہ اتنے تو ہینڈسم تھے ڈیڈی۔''

بیٹے کے ڈائریکٹ مخاطب کرنے پر وہ گڑبڑا گئی تھیں جبکہ ان کی حالت دیکھ کر وہ مسکرا دیئے تھے کہ جانتے تھے کہ صرف ابران کے خیال سے وہ چپ ہیں اور انہوں نے جس کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے شرارت سے کہا۔

''میں آج بھی ہینڈسم ہوں برخوردار۔''

وہ دھیمے سے ہنس دیا تھا کہ انہوں نے غلط نہیں کہا تھا۔

''وہ تو آپ ہیں، بٹ آپ بتایئے ناں ممی کہ آپ ڈیڈی سے کیوں خائف تھیں؟'' اس کی حمایت تو کردی تھی مگر اس کی توجہ کے سرے ماں سے جڑے تھے کہ اسے جواب جو چاہیے تھا۔

''ہم جتنی بھی دفعہ ملے ملاقات ناخوشگوار رہی اور تمہاری ممی ٹھہریں نازک مزاج، ذراسی بات کو ایشو بنا کر انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ آگے پڑھنا ہے، وہ تو اللہ بھلا کرے ہمارے سالے صاحب کا جنہوں نے یاری اچھے سے نباہی اور بہن کے واویلوں کو خاطر میں ہی نہ لائے اور یار کی محبت دیکھتے ہوئے بہن کو رخصت کر دیا۔'' بیوی کی جگہ وہ بہت دلکشی سے تفصیل بتا گئے تھے۔

''یعنی آپ کی شادی کا تمام کریڈٹ ماموں جان کو جاتا ہے۔'' وہ دلچسپی سے سنتا دھیمے سے بولا تھا اور وہ شوہر کو گھورتیں اٹھ گئی تھیں اور ان دونوں کے روکنے کی پرواہ کیے بغیر روم سے نکل گئی تھیں۔

''اور بھئی صاحبزادے، آگے کا کیا پروگرام ہے؟'' بیٹے کے حسین چہرے پر نظر کیے موضوع بدل گئے تھے۔

''آفس جوائن کرنے کا سوچا ہے لیکن ممی فی الحال اجازت نہیں دے رہیں۔'' کاندھے اچکا کر لاپرواہی سے بولا تھا۔

''ایک طرح سے اچھا ہی ہے کہ کام کرنے کے لیے تو عمر پڑی ہے، ابھی لائف انجوائے کرو۔'' مسکرا کر بیوی کی حمایت کی تھی اور اس نے اثبات میں گردن ہلا دی تھی کہ ماں کی مرضی کے خلاف تو وہ کچھ کر ہی نہیں سکتا تھا۔

''یار، تم اداس نہ ہو، میں تمہارا آفس بنوا رہا ہوں کہ تمہاری ممی چاہتی ہیں تمہارے لیے سب کچھ اچھا اور اسپیشل ہو اس لیے تم فی الحال آفس نہیں آسکتے، گھر میں بور ہوتے ہو تو مری، کاغان وغیرہ کا پروگرام رکھ لیتے ہیں۔'' اس کی خاموشی محسوس کر کے وہ دھیمے سے نہ صرف اصل بات بتا گئے تھے اسے آئیڈیا بھی دے گئے تھے جسے وہ نرمی سے ریفوز کر گیا تھا۔

''میں اس گھر سے ایک طویل عرصے سے دور رہا ہوں اس لیے زیادہ سے زیادہ یہاں رہ کر آپ سب کے ساتھ وقت گزارنا چاہتا ہوں۔'' انہوں نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا تھا وہ نہ طنز کر رہا تھا نہ کچھ جتا رہا تھا نرمی سے اپنے دل کی بات ان سے شیئر کر رہا تھا وہ مطمئن سا مسکرا دیئے تھے کہ جب سے ان باپ بیٹے کے تعلقات بہتر ہوئے تھے سب کچھ ٹھیک ہو گیا تھا۔ نیناں بھی بہت خوش تھیں اور وہ بھی مطمئن ہو گئے تھے۔

☆......☆......☆

''تم نے کیا سوچا ہے، آگے کیا کرو گی؟'' صالحہ کی آواز پر اسٹرا سے کھیلتی یمانی چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''پتہ نہیں۔'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں تو وہ نظریں چرا گئی۔

''سر شہباز بہت اچھے ہیں، جو ہوا اسے فراموش کر کے اپنے نئے رشتے کو سوچو۔'' اس کے نکاح کی شام صالحہ کو بخار تھا اس لیے اس نے آنے سے معذرت کر لی تھی مگر جب یمانی نے فون پر اس سے انسسٹ کیا تھا تو وہ تقریب میں شریک ہو گئی تھی۔ ابران کی جگہ شہباز سے نکاح ہونا سب کے لیے صرف وقتی ٹاپک تھا مگر وہ تو اس کی ہمراز و دمساز تھی اس کے لیے تکلیف سے گزری تھی اور اب فوقتاً وقتاً اسے

شہباز سے جڑے رشتے کا احساس دلانے کی کوشش کرتی رہتی تھی کہ وہ شہباز حیدری کو جانتی تھی، اس کی اسٹوڈنٹ تھی اور اسے یہ جان کر خوشی ہوئی تھی کہ سر شہباز اس کے کزن ہیں اور اس نے یمانی سے شکوہ بھی کیا تھا کہ اس نے اس سے کیوں چھپایا؟ مگر یمانی فقط ''سوری'' کہہ کر اپنا پہلو بچا گئی تھی اور اس کی ڈسٹربنس اور تکلیف کے خیال سے اس نے بھی بحث نہیں کی تھی اور اب یہی چاہتی تھی کہ وہ ابران کا چیپٹر کلوز کر کے سراب کے پیچھے بھاگنا چھوڑ دے۔

''محبت کو فراموش کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا جتنا تم سب نے سمجھ لیا ہے۔'' اس نے صالحہ کی بات روتے ہوئے درمیان سے کاٹی تھی جبکہ ان کے پیچھے والی ٹیبل پر بیٹھا چائے پیتا شہباز جوان کی گفتگو اڑتی پڑتی سننے پر مجبور تھا اب تمام تر توجہ اور سماعت کی ہر تار اسی طرف جوڑ گیا تھا۔

''کچی عمر کی محبت جو عمر کے فرق کے ساتھ میرے ذہن و دل میں پروان چڑھی ہے اسے کیسے دل سے اکھاڑ پھینکوں۔'' اس کے رونے میں شدت آتی جا رہی تھی وہ تو شکر تھا کہ ایک دو کے علاوہ تمام ٹیبلیں یونہی خالی پڑی تھیں کہ دن کے ڈھائی بج رہے تھے اور وہ دونوں اتنی دیر تک صرف پریکٹیکل کی وجہ سے رکی ہوئی تھیں۔

''جو محبت آپ کو آپ کا مقام نہ دے سکے اسے دل سے نکال پھینکنا ہی بہتر ہوتا ہے۔'' وہ اسے تاسف سے دیکھ رہی تھی کہ اسے برا لگتا تھا جب وہ سر شہباز کو دیکھ کر بھی ان دیکھا کرتی اجنبی بن کر گزر جاتی تھی۔

''مجھ سے نہیں ہو رہا تھا ایسا کہ ابران نے جو ذلت مجھے بخشی ہے، جس برے طریقے سے مجھے ٹھکرایا ہے اس کے باوجود ان سے نفرت کرنا تو دور ان کے بارے میں غلط بھی سوچ نہیں پا رہی اوپر سے ممی چاہتی ہیں کہ میں جل از جلد شہباز کے ساتھ رخصت ہو جاؤں۔'' اس نے اپنے آنسو رگڑے تھے۔

''ہاں، تو یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔'' اسے رخصتی کا سن کر خوشی ہوئی تھی۔

''مگر میں ایسا نہیں چاہتی عالی کہ میں شہباز سے محبت نہیں کرتی، نہ ان کے بارے میں سوچ پا رہی ہوں اور یقیناً انہوں نے بھی میرے بارے میں کبھی نہیں سوچا ہو گا وہ اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ صرف ماں کے احترام میں ان کی فرمانبرداری کرتے ہوئے کر گئے۔ اور سب یہ کیوں نہیں سوچ رہے کہ میں شہباز کے سر پر مسلط نہیں ہونا چاہتی۔''

شہباز سوچ رہا تھا کہ کاش کہ وہ ابھی اس کے سامنے جا کر کہہ سکتا کہ اس نے تو صرف اسی کے بارے میں سوچا ہے لیکن وہ جلد باز نہیں تھا اس لیے مناسب وقت کے انتظار میں بیٹھا رہا تھا۔

''سر شہباز نے فیصلہ کیوں لیا یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے کہ تم اپنے ذہن و دل کو اس رشتے کے لئے راغب کر لو گی تو ہی اگر سر شہباز کو کوئی شکایت ہو گی تو دور کر پاؤ گی، اس لیے ابھی یہ اہم نہیں ہے کہ سر شہباز کیا چاہتے ہیں؟ اہم یہ ہے کہ تم کیا چاہتی ہو کہ سر شہباز نے فرمانبرداری اسی لیے دکھائی ہو گی کہ انہیں لگتا ہو گا کہ وہ لیے گئے فیصلہ پر قائم رہیں گے اور تم محض مجبوری میں راضی ہوئیں کہ تمہارے ڈیڈی

نے تمہارے آگے ہاتھ جوڑے تھے اس لیے تم نے نکاح نامے پر دستخط کر دیئے۔ مگر اب تم پچھتا رہی ہو۔'' عالیہ کافی صاف گوئی سے ہر بات کہہ گئی تھی۔

''میں پچھتا نہیں رہی مگر خود کو راضی بھی نہیں کر پا رہی۔'' وہ بے بسی کی انتہاؤں پر تھی۔

''ابران کا خیال تم جب تک ذہن و دل سے نکالو گی نہیں اسی طرح اذیت سے دوچار رہو گی کہ یاد رکھو کہ تم پہلی لڑکی نہیں ہو جس کو محبت سے بچھڑنا پڑا مگر تم بے وقوف لڑکیوں کی طرح زندگی برباد کرنے کے بجائے زندگی میں آگے بڑھ جاؤ۔ تمہارے چہرے، تمہاری آنکھوں میں مجھے ٹھہرے رہنے کی جھلک صاف محسوس ہوتی ہے اسی لیے تم کو بار بار سمجھاتی ہوں کہ یہ غلطی نہ کرو کہ وہی کامیاب ہوئے ہیں جو اللہ کی رضا میں راضی رہتے ہیں۔'' وہ اچھے دوستوں کی طرح اسے سمجھا رہی تھی مگر اس کے چہرے پر کشمکش کے ساتھ صاف لکھا تھا میں نہ مانوں!!!

☆......☆......☆

''بڑی ممی، مجھے آپ کی ضرورت ہے۔'' اپنے سیل پر ادیان کی کال دیکھ کر وہ حیران تھیں کہ اس کے سلام دعا کے بغیر شروع ہو جانے پر پریشان ہو گئی تھیں۔

''ادیان، کیا ہوا ہے بیٹا، سب ٹھیک تو ہے؟'' پریشانی سے استفسار کیا تھا کہ وہ بول پڑا۔

''کچھ ٹھیک نہیں ہے بڑی ممی، ٹیچر نے میرا پیپر لے لیا ہے، انہیں لگتا ہے کہ میں نے چیٹنگ کی ہے جبکہ آپ کی قسم بڑی ممی، میں نے چیٹنگ نہیں کی۔'' وہ نم لہجے میں تفصیل بتا تا انہیں صحیح معنوں میں پریشان کر گیا تھا۔

''یو ڈونٹ وری ادیان، میں آ رہی ہوں۔'' اسے تسلی دے کر انہوں نے ارمان شیرازی کا نمبر ڈائل کیا تھا مگر سوئے اتفاق انہوں نے کال ریسیو نہیں کی انہوں نے کچھ سوچ کر آفس کے نمبر پر کال کی تو پتہ چلا کہ ارمان شیرازی کی ایک اہم میٹنگ چل رہی ہے، وہ اکیلے جانے کا فیصلہ کرتیں اپنے کمرے سے نکل آئیں۔

''اتنی جلدی میں کہاں جا رہی ہو نیناں۔'' ساس کے پوچھنے پر وہ لمحہ بھر کو ٹھہریں اور ادیان کی کال سے اپنے فیصلہ تک انہیں آگاہ کر دیا۔

''مگر تم اکیلے کیسے جاؤ گی، میں ساتھ چلتی ہوں۔'' یمنیٰ متفکر سی بولی تھیں کہ اسی وقت وہاں ابران چلا آیا تھا۔

''میں ابر کے ساتھ چلی جاؤں گی۔''

ابران کو دیکھ کر انہیں ڈھارس ہوئی تھی کہ ٹینشن میں انہیں خیال ہی نہیں آیا تھا کہ ابران گھر پر ہی ہے کہ ان کے ذہن میں یہی تھا کہ بچے کالج گئے ہوئے ہیں۔

''ممی، جانا کہاں ہے؟'' اس نے حیرانگی سے پوچھا تھا۔

''تم چلو میں راستے میں بتا دوں گی۔'' وہ جلد سے جلد ادیان کے پاس پہنچ جانا چاہتی تھیں۔

''لیکن تم جاؤ گی کیسے کہ اس وقت گھر میں یمنیٰ کی گاڑی کے علاوہ کوئی دوسری کار نہیں ہے۔'' سائرہ بیگم کو نئی فکر لاحق ہوئی تھی۔

''اور تم یمنیٰ کی گاڑی میں تو کبھی کہیں نہیں جاتیں۔''

ساس کی بات انہوں نے سنی تھی اور خاموش مگر پریشان کھڑیں یمنیٰ سے گاڑی کی چابی لانے کا کہہ دیا تھا وہ دونوں ہی پریشانی بھول کر حیرانگی سے انہیں دیکھنے لگی تھیں۔

''اس وقت مسئلہ میری انا سے کئی گنا بڑا ہے اور ادیان کی خوشی اس کے کیریئر کے لیے میں بڑی سے بڑی قربانی دے سکتی ہوں، انا کی قربانی تو کچھ معنی ہی نہیں رکھتی۔'' وہ ان دونوں کی حیرت بھانپتے ہوئے اپنے مخصوص نرم لہجے میں بولی تھیں اور ابران کو گاڑی کی چابی جلدی لے کر آنے کا کہتیں باہر کی جانب بڑھ گئی تھیں۔ ابران ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ان کے بیٹھنے کا منتظر تھا اور وہ اپنی برسوں پرانی روش سے ہٹتیں کار میں بیٹھ گئی تھیں۔ یہ وہی کار تھی جو کسی زمانے میں انہیں بہت پسند تھی مگر پھر وقت نے کروٹ لی تھی اور انہوں نے اس میں بیٹھنا ہی ترک کر دیا تھا اور ارمان شیرازی نے نئی کار لے لی تھی یوں یہ پرانی کار یمنیٰ اور ارمان شیرازی کے لیے مخصوص ہو گئی تھی اور آج ادیان کے لیے وہ اپنی انا توڑ کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تھیں کہ ابھی انہیں صرف ادیان کا اس کے کیریئر کا سوچنا تھا۔

''ممی، آپ بتائیں گی کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' وہ بیٹے کی آواز کے سبب ماضی میں اتر نہیں سکی تھی۔

''ممی، ادیان نے چیٹنگ کی ہو گی ناں، ورنہ اس پر ہی الزام کیوں آتا'' وہ ساری تفصیل سن کر بولا تھا۔

''مجھے ادیان پر پورا بھروسہ ہے، وہ ایسی حرکت کر ہی نہیں سکتا۔'' وہ یقین سے کہتیں اسے چپ کروا گئی تھیں۔ وہ ان کا ہی منتظر تھا ان کو دیکھ کر لپک کر ان تک پہنچا تھا۔

''بڑی ممی، آپ کو مجھ پر بھروسہ ہے ناں کہ میں ایسا نہیں کر سکتا۔'' اس کا لہجہ ہی نہیں آنکھیں بھی بھیگ گئی تھیں۔

''مجھے اپنے بیٹے پر مکمل یقین ہے کہ وہ چیٹنگ کرنا تو دور ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔ تم گھبراؤ نہیں میں تمہارے ڈیپارٹمنٹ کے ہیڈ سے بات کروں گی، تمہارا سال ضائع نہیں ہو گا۔'' انہوں نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر نہ صرف اپنے ساتھ کا یقین دلایا تھا بلکہ اس کی ہمت بھی بندھائی تھی جبکہ وہ خاموشی سے ماں کو دیکھ رہا تھا جس نے پہلے کلاس روم میں موجود انویجیلیٹر سے بات کی تھی اور ناکام ہو کر ڈیپارٹمنٹ کے چیئر پرسن ڈاکٹر نعمانی کے روم میں چلی گئی تھیں جو انہیں دیکھ کر اپنی سیٹ سے ہی اٹھ گئے تھے کہ ارمان شیرازی نہ صرف ان کی یونیورسٹی کے ڈونر تھے ان کی ارمان شیرازی سے کافی اچھی علیک سلیک بھی تھی اسی سبب وہ انہیں بھی جانتے تھے کہ کئی دفعہ ادیان کی رپورٹ لینے وہ ارمان شیرازی کے ساتھ یونی آ چکی تھیں۔ انہوں نے دھیمے سے اپنے مخصوص نرم لہجے میں تمام صورتحال سے انہیں آگاہ کیا تھا۔

''آئی ایم سوسوری مسز شیرازی کہ آپ کو زحمت ہوئی کہ ایسی کوئی بات تھی تو ادیان مجھ سے آ کر بات کرتا میں اس سارے مسئلے کو خود ہی ہینڈل کر لیتا۔'' وہ شائستگی سے بولے تھے۔

''آپ کا بہت شکریہ۔ بٹ میں چاہتی ہوں کہ اس معاملے کو بہت اچھے طریقے سے ہینڈل کیا جائے کہ میں اگر آپ کے پاس

آئی ہوں تو صرف اس لیے کہ مجھے یقین ہے میرا بیٹا ایسا کر ہی نہیں سکتا اس لیے میں چاہوں گی کہ یہ الزام میرے بیٹے کے سر سے ہٹ جائے اوراس کے لیے آپ چاہیں تو ادیان سے تحریری نہیں زبانی پیپر لے لیں کہ ادیان کی مکمل تیاری ہے اور چیٹنگ وہ کرتے ہیں جنہیں خود پر اپنی قابلیت پر یقین نہ ہو۔'' وہ کافی تفصیل سے اپنا مؤقف ان کے سامنے رکھ گئی تھی۔ اگلے پندرہ منٹ میں اصل مجرم سب کے سامنے آ گیا تھا یہ گھٹیا حرکت ادیان کی کلاس فیلو عمارہ کی تھی جو ادیان میں انٹرسٹڈ تھی اوراس کی طرف پیش رفت کرتی رہتی تھی مگر ادیان نے کبھی کوئی ریسپانس نہیں دیا تھا اس لئے وہ ضد وغصہ میں یہ سب کر گئی تھی اور اب سب کے سامنے شرمندہ سی کھڑی تھی۔

''تھینکس بڑی ممی، آج صرف آپ کی وجہ سے میں اپنا پیپر دے پایا ہوں ورنہ تو میرا کیرئیر ہی تباہ ہو جاتا۔'' وہ دھیمے سے ان کا شکر گزار ہوا تھا۔

''میں نے وہی کیا جو میرا فرض تھا اور مجھے اچھا لگا کہ تم نے ہمت ہارنے کی بجائے اپنے حق کے لیے لڑائی کی۔'' وہ نرمی سے مسکرائی تھیں۔

''میں نے تو کچھ کیا نہیں بڑی ممی، جو کیا آپ نے کیا۔'' وہ اتنی دیر میں اب مسکرایا تھا۔ ابران نے بیک مرر سے ماں کے مطمئن چہرے کو دیکھا تھا اوران کے لیے اس کے دل میں عظمت کچھ اور بڑھ گئی تھی اور وہ توجہ سے ڈرائیونگ کرتا ان کی باتیں بھی سن رہا تھا کہ اس نے اپنی ماں کی جو اچھائیاں اپنانا رہ گئی تھیں وہ بھی اپنانا تھیں۔

☆......☆......☆

''سر، آپ فکر مند نہ ہوں، میں اسے ہینڈل کرلوں گی۔'' شہیر جتنا پریشان تھا وہ اتنی ہی ریلکس تھی۔

''وہ ایک گھاگ شکاری ہے، اسے پھنسانا اتنا بھی آسان نہیں ہے مس زوئیلہ۔'' وہ زعیزعہ خان کا پورا کیس اسٹڈی کر چکا تھا وہ جان گیا تھا کہ وہ اتنا بھی آسان ہدف نہیں ہے۔

''اتنا تو مجھے بھی اتنے عرصے میں اندازہ ہو گیا ہے بٹ میں اپنی سی پوری کوشش کروں گی آج کی میٹنگ آخری ثابت ہو اور میں سیکرٹ پیپرز لانے میں کامیاب ہو جاؤں۔'' زوئیلہ پرامید تھی کیونکہ وہ زعیزعہ خان کو محبت وقربت کے ایسے جال میں پھنسا گئی تھی کہ وہ اسے اپنے گھر پر لے جانے کو راضی ہو گیا تھا۔ شہیر نے چند ہدایات دے کر رابطہ منقطع کر دیا تھا جبکہ وہ تیار ہونے چلی گئی تھی۔

☆......☆......☆

''واٹ! یہ کیا بکواس ہے راحیل۔'' سارا نشہ ایک لمحے میں ہرن ہو گیا تھا۔

''بکواس نہیں یہی حقیقت ہے کہ زوئیلہ ایک کال گرل ہے اور پولیس کے لیے کام کر رہی ہے۔ وہ تیرے نزدیک اس لیے آئی تا کہ تیرے لاکر سے سیکرٹ پیپرز چرا سکے۔'' راحیل نے لگی لپٹی کے بغیر ہر بات کہہ سنائی تھی وہ تیر کی تیزی سے الماری کی جانب بڑھا تھا اور الماری کی ابتر حالت کھلا لاکر اس کے ہوش اڑا گیا تھا۔

''راحیل وہ سالی سارے پیپرز لے گئی ہے۔''

اسے کہاں اندازہ تھا کہ زوئیلہ کی حقیقت کیا ہے ورنہ وہ اسے کبھی اپنے کمرے میں اکیلے چھوڑ کر نہ جاتا۔

''وہ یہاں سے تقریباً دس منٹ پہلے نکلی ہے اس لیے زیادہ دور نہیں گئی ہوگی۔'' وہ گاڑی کی چابی اور ریوالور لیے بڑی تیزی سے باہر نکلا تھا۔ راحیل جو اس کے فلیٹ کی جانب ہی رواں دواں تھا گاڑی کی اسپیڈ مزید تیز کردی تھی اور ان لوگوں کا فی الحال برا وقت نہیں آیا تھا اس لیے اس نے دور سے ہی زوئیلہ کی گاڑی پہچان لی تھی اور یوں اپنی گاڑی اس کی گاڑی کے سامنے لایا تھا کہ وہ اگر بروقت بریک نہ لگاتی تو دونوں ہی گاڑیاں حادثے کا شکار ہوسکتی تھیں۔ وہ اس ساری سچوئیشن کو سمجھی بھی نہ تھی کہ راحیل آندھی طوفان کی مانند اتر کر اس تک پہنچا تھا اور ایک دم راحیل کو اپنے سامنے دیکھ کر قدرے بدحواس ہوگئی تھی اس نے زوئیلہ کو بازو سے پکڑ کر باہر کھینچ لیا تھا اور اسی پل زعیزعہ خان کی گاڑی آ کر رکی تھی۔ وہ تیر کی تیزی سے ان تک پہنچا۔

''سالی، تو مجھے، زعیزعہ خان کو ڈاج دے کر فرار ہو رہی تھی۔'' اس کے سامنے آ کر کھینچ کر ایک طمانچہ اس کے سفید گال پر جڑا تھا وہ بری طرح لڑکھڑائی تھی مگر گرنے سے قبل ہی راحیل اس کا بازو دبوچ گیا تھا۔

''پیپرز کہاں ہیں زوئیلہ؟'' اس کے بازو کو جھٹکا دے کر استفسار کیا تھا۔

''تم لوگ مجھے جان سے ماردو گے تب بھی تمہیں ان پیپرز کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتاؤں گی۔'' وہ تکلیف سے کراہتی بولی تھی۔

''پیپرز تو تیرے اچھے بھی دیں گے۔'' زعیزعہ خان نے اسے گدی سے جکڑ لیا تھا اور گندی سی گالی سے نوازتے ہوئے بولا تھا۔

''اور جان سے مارنے کے بجائے تیرا وہ حال کروں گا کہ آئندہ کسی کا مخبر بننے کا سوچے گی بھی نہیں۔''

حقارت سے کہتے ہوئے اسے اپنی گاڑی میں دھکیل دیا تھا جبکہ اس کے ایک اشارے پر راحیل نے زوئیلہ کی گاڑی کی تلاشی لی تھی مگر کسی قسم کی کامیابی نہ ہوئی تھی اس کا سیل فون اٹھایا تھا جس پر ایس پی شہیر کی کال آ رہی تھی۔

''اس ایس پی کو بھی بلا لیتا ہوں دونوں کا ایک ہی دن انجام بخیر کردیں گے۔'' راحیل نے جواب طلب نگاہوں سے زعیزعہ خان کو دیکھا تھا۔

''نہیں، آج اس کو اس کے انجام کو پہنچادوں پھر سوچوں گا کہ اس ایس پی کا کیا کرنا ہے۔'' اسے گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی اور زوئیلہ خان کے چیخنے پر اس نے اسے ریوالور کا دستہ مار کر بے ہوش کردیا تھا۔

''رئیس داد! گاڑی میں پڑی لڑکی کو اٹھا کر اندر لے آؤ۔'' اس نے فارم ہاؤس پہنچتے ہی اپنے وفادار ملازم کو ہدایت دی تھی اور خود اندر چلا گیا تھا۔

''ہاں اب کہو۔ سیدھی طرح شرافت سے وہ پیپرز دیتی ہو یا میں اوچھے ہتھکنڈے آزماؤں۔'' اس کے کہنے پر رئیس داد نے صرف اسے ہوش میں لایا تھا بلکہ اس کے لیے وائن کی بوتل بھی اٹھا لایا تھا اور وہ صوفے پر نیم دراز ہوش میں آتی زوئیلہ کو دیکھ کر خباثت سے بولا تھا۔

''تمہارے اوچھے ہتھکنڈوں کی خوب خبر ہے مجھے زعیزعہ خان! مگر تم جو چاہے کرلو وہ پیپرز اب تمہیں کبھی نہیں ملیں گے۔'' وہ چٹان کی مانند سختی سے اس کے سامنے کھڑی مضبوط لہجے میں بولی تھی اور اس نے بے تحاشہ ہنسنا شروع کر دیا تھا اور ہنسی کے دوران رئیس داد کو ایک اشارہ کیا تھا اور رئیس داد کے ہمراہ آتے کتوں کو دیکھ کر زوئیلہ کے چہرے پر سائے سے لہرانے لگے تھے۔

''میرے یار کہتے ہیں کہ میں انسان تو انسان جانوروں پر بھی رحم نہیں کھاتا اور میرے یار کچھ غلط بھی نہیں کہتے۔اب انہی کتوں کو دیکھ لو پورے پندرہ دن سے میں نے انہیں بھوکا رکھا ہوا ہے۔'' وہ گھونٹ گھونٹ کر کے وہ زہر اپنے اندر اتارتا بغور اسے دیکھتے ہوئے بڑے دوستانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔وہ اس کا مقصد سمجھتے ہوئے قدرے خوفزدہ ہوگئی تھی۔

''تم پیپرز مجھے دیتی ہو یا میں ان کتوں کو تم پر چھوڑ دوں۔'' اس کی زرد رنگت کو محظوظ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہہ گیا تھا۔

''یار زعیز! اتنی سی نازک جان پر اتنا ظلم نہ کرنا کہ تیرے یار کی یہ کبھی جان رہی ہے۔'' اندر آتے دانش نے کمینگی سے کہا تھا اور زوئیلہ کو دیکھنے لگا تھا جو اسے دیکھتے ہی سمجھ گئی تھی کہ اس کا سارا پلان صرف دانش کی وجہ سے خراب ہوا ہے اور یہی حقیقت بھی تھی کہ دانش نے یونہی راحیل کا موبائل چیک کر لیا تھا اور اس میں زوئیلہ کی تصویر دیکھ کر چونک اٹھا تھا راحیل سے اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ زعیزعہ کی نئی گرل فرینڈ ہے اور یہ جان کر اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا کہ وہ زعیزعہ کو جانتا تھا کہ وہ ہمیشہ صرف ان چھوٹی کلیوں کو ہی برباد کیا کرتا تھا جبکہ وہ تو ایک مشہور کال گرل تھی جس کے ساتھ وہ کتنا وقت رنگین بنا چکا تھا اور یہی سب اس نے راحیل کو بتا دیا تھا۔راحیل نے محض دس منٹ میں ساری انفارمیشن نکلوالی تھی اور حقیقت علم میں آتے ہی وہ لوگ ایکشن میں آگئے تھے۔

''تیری تو یہ جان رہی ہے اور میری جان! لیکن اب یہ ان کتوں کے بعد رئیس داد اور آفتاب کی جان بننے والی ہے اس لیے ماضی کو بھول جا اور حال کو یاد رکھ کہ یہ سالی اب تیرے قابل نہیں رہی۔'' کمینگی سے کہتے ہوئے اس نے دانش کو دیکھ کر آنکھ دبائی تھی۔

''اس کمینی پر میں نے اپنا بہت وقت اور پیسہ برباد کیا ہے اور اس نے مجھے زعیزعہ خان کو دھوکا دیا۔اس کا تو وہ حال کرنا کہ میرے انتقام کے سوا اسے سب بھول جائے۔'' اس پر نشہ کا اثر ہونے لگا تھا اس لیے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور حکم نامہ جاری کرنے لگا۔

''اسے موت کے منہ تک لے جانا ہے لیکن یاد رہے کہ اس کی سانس نہیں نکلنی چاہیے کہ اسے موت میں خود دوں گا۔'' وہ اپنے مخصوص کمرے کی جانب بڑھتے ہوئے کہہ رہا تھا اور زبان باہر کو نکالے خونخوار کتوں اور انسان کی کھال میں وفادار کتوں کی ہوس بھری نگاہیں اس کا خون خشک کرنے لگی تھیں اور اپنا انجام سوچتے ہی اس کی جان نکلنے لگی اور اس نے اپنی شکست تسلیم کر لی کہ طوائفوں کی عزت نہیں ہوتی اس لیے وہ عزت سے خوفزدہ نہ تھی، نظر آتی بھیانک موت نے اس کے قدم لڑکھڑا دیئے تھے۔

''مجھے یہاں سے جانے دو زعیزعہ، میں پیپرز تمہیں دے دوں گی۔'' وہ لپک کر زعیزعہ خان کے سامنے آئی تھی۔

''جانِ ایس پی وہ پیپرز کس کافر کو چاہئیں۔'' سرخ نگاہوں سے اس کے زرد چہرے کو دیکھا تھا۔

''وہ پیپرز اہم ہیں مگر یاد رہے ان کے ذریعے میں صرف چند گھنٹے حوالات میں رہ سکتا ہوں اور تجھے کیا لگتا ہے کہ میں تیرے

پیچھے وہ پیپرز لینے آیا تھا تو یہ تیری بے وقوفی ہے کہ میں تجھ تک صرف تجھے تیرے انجام کو پہنچانے آیا ہوں۔'' وہ اس کی گردن آہنی گرفت میں لیے کروفر سے بول رہا تھا۔ ''آج کی رات تجھ پر یہ باور کروائے گی کہ تو نے زعیز عہ خان کو دھوکا دے کر اپنی زندگی کی کتنی بڑی غلطی کی ہے۔'' اس نے نفرت وحقارت سے اسے دھتکار دیا تھا۔

''مجھے معاف کر دو زعیز عہ خان، غلطی ہوگئی مجھ سے، خدا کے لیے مجھے یہاں سے جانے دو۔'' وہ اس کے پاؤں جکڑ گئی تھی۔

''تجھے ہی تو معاف نہیں کر سکتا کہ آج تجھے بخشا تو آگے کتنے ہی مجھ تک بخشش کی چاہ میں آئیں گے جبکہ تیرا انجام ہر دھوکے کو مجھ تک آنے سے روک دے گا۔'' زعیز عہ خان نے لات مار کر اسے پرے دھکیل دیا تھا۔ دانش اور راحیل بھی اس کے ساتھ ہی وہاں سے نکل گئے تھے اور زعیز عہ خان کے ایک اشارے پر اس کے وفادار کتے انسانیت کو مٹی میں رولتے اس کی ہر فریاد کو ان سنا کرتے اسے پامال کرتے چلے گئے تھے۔

☆......☆......☆

''سوری نیناں، میں اس وقت میٹنگ نہیں چھوڑ سکتا تھا اس لیے تم سے رابطہ نہ کر سکا اور تمہیں اتنی پریشانی ہوئی۔'' وہ شرمندگی سے کہہ رہے تھے کہ وہ کتنی ہی اہم میٹنگ کیوں نہ ہو انہیں ریپلائی ضرور کرتے تھے مگر جس طرح ان کا بزنس کرائسس میں تھا اسی لیے وہ اس کام کے لیے بھی مجبور ہو گئے تھے۔

''کیا ہو گیا ہے آپ کو، اتنا فارمل کیوں ہو رہے ہیں۔'' وہ حیرانگی سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

''فارمل نہیں ہو رہا، ذرا سی شرمندگی اور بہت سارا فخر محسوس کر رہا ہوں۔'' وہ دھیمے سے مسکرائے تھے۔

''میں خوب سمجھ رہی ہوں جو آپ کہنا چاہتے ہیں۔'' وہ چڑ کر بولی تھیں اور وہ ایک گہری سانس کھینچ کر رہ گئے تھے۔

''ادیان اور ابران میں، میں نے کوئی فرق نہیں رکھا اور جب میں ابران کے لیے واپس آسکتی ہوں تو ادیان کے لیے اس گاڑی میں بھی جا سکتی ہوں، اس سے زیادہ نہ کچھ کہنا ہے، نہ سننا ہے۔ رات بہت ہو گئی ہے، سو جائیں اب کہ آج کل آپ نے خود کو بالکل مشین ہی بنا لیا ہے مگر یاد رکھیے گا کہ کسی بھی دن میری برداشت جواب دے جائے گی۔'' نرمی سے وضاحت کرتے ہوئے وہ بڑی خوبصورتی سے موضوع بدل گئی تھیں اور وہ ایک نظر ان کے سنجیدہ چہرے کو دیکھ کر سونے کے لیے لیٹ گئے تھے۔

☆......☆......☆

''ابیان کہاں ہو اس وقت؟'' کال ریسیو ہوتے ہی اس نے پوچھا تھا۔

''ایک دوست کی طرف ہوں ابران بھیا، گیارہ بجے تک آجاؤں گا۔'' وہ دھیمے سے بولا تھا۔

''دوست کی طرف یا اسٹوڈیو میں ہو؟ کہ ایک ویڈیو کے بعد دوسری ویڈیو بھی تو ریلیز کرنا ہوگی۔'' ابران کا درشتگی سے کہنا ابیان کے ہاتھوں کے طوطے اڑا گیا تھا۔

''ابران بھیا، آپ...... آپ کو کیسے پتہ؟'' وہ ہکلایا تھا۔

''بکواس بند کرو اپنی کہ تم نے ویڈیو بنائی ہے، گانا گایا ہے ہم اب اندھے، بہرے تو ہیں نہیں تمہارے ہنر سے واقف نہ ہو سکیں۔'' گہرے طنز کے ساتھ چیخ پڑا تھا اور وہ بے بسی سے سوالیہ نگاہوں سے خود کو دیکھتے عبیر کو دیکھنے لگا تھا۔

''فوراً گھر پہنچو، ٹیرس پر ملوں گا انتظار کر رہا ہوں تمہارا۔'' سختی سے کہہ کر لائن ہی کاٹ دی تھی۔

''ابران بھیا نے ہماری ویڈیو دیکھ لی ہے۔''

عبیر بھی اس کی مانند پریشان ہو گیا تھا۔

''اب کیا ہو گا ایان کہ میں اسی سب سے بچنے کے لیے تم سے کہہ رہا تھا کہ کسی سے کچھ نہ چھپاؤ کہ یہ بات ایسی نہیں ہے کہ ہم راز رکھ سکیں۔'' عبیر پریشانی سے بولا تھا۔

''میں نے وہی کیا جو مجھے ٹھیک لگا، ابھی میں چلتا ہوں کہ بھیا بہت غصے میں تھے اور میرا انتظار کر رہے ہیں۔'' وہ عجلت سے کہتا وہاں سے نکلا اور ریش ڈرائیونگ کرتا گھر پہنچ کر ٹیرس پر ہی چلا آیا تھا۔

''ایان! یہ کیا حرکت کی ہے تم نے؟'' وہ جو بے چینی سے ٹہل رہا تھا اس کو دیکھ کر رک کر پہلی فرصت میں اس تک پہنچ کر کڑے تیوروں میں پوچھ گیا تھا۔

''ابران بھیا! سنگنگ میرا شوق ہے۔'' وہ اس کے غصہ کو محسوس کرتے ہوئے دھیمے سے بولا تھا۔

''تم اپنے شوق کا گھر میں بتا سکتے تھے۔ اتنا بڑا اقدم تم نے اٹھا بھی کیسے لیا؟ مشورہ کرنا تو دور کسی کو بتانا ضروری تک نہیں سمجھا۔'' وہ اب دکھ سے بھائی کو دیکھ رہا تھا۔

''میں بتانا چاہتا تھا لیکن ممی کی وجہ سے نہیں بتایا کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ ممی میرے شوق کی راہ میں آئیں کہ مجھے یقین تھا کہ ممی مجھے کبھی اجازت نہیں دیں گی۔'' وہ دھیمے سے کہتا اسے حیران کر گیا تھا۔

''جانتے بھی ہو کیا کہہ رہے ہو، ممی بھلا تمہارے شوق کی راہ میں کیوں آنے لگیں؟'' اس نے بھائی کو ناگواری سے دیکھا تھا۔

''آپ ممی کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں وہ کبھی اس سب کے لیے راضی نہ ہوتیں۔ اس لیے مجھے آپ سب سے چھپانا پڑا۔'' وہ گویا اپنے کیے پر نادم نہ تھا۔

''وہاٹ ربش ایان؟ تمہیں کیا لگتا ہے اب ممی اس سب کی تمہیں بہ خوشی اجازت دے دیں گی؟'' اس کے غصے کا گراف بلند سے بلند تر ہوتا جا رہا تھا۔

''تم نے ہم سب کے اعتبار و بھروسہ کو توڑا ہے۔ تم دوستوں سے ملنے کے بہانے اپنا میوزیکل بینڈ بنا رہے تھے۔ انتہائی افسوس کی بات ہے ایان؟ ممی کو پتہ چلے گا تو وہ کس قدر دکھی ہو جائیں گی۔'' وہ دکھ و تاسف سے خاموش کھڑے ایان سے کہہ رہا تھا۔

''میرا مقصد کسی کو دھوکا دینا، ممی کو ہرٹ کرنے کا نہیں تھا کہ اگر مجھے ہاف پرسینٹ بھی ممی کے مان جانے کی امید ہوتی تو میں ان کی مرضی کے بغیر کچھ نہ کرتا۔'' وہ اب کے سچائی سے بولا تھا۔

''تم ممی کو منا سکتے تھے ایان۔'' اس نے بھائی کو تاسف سے دیکھا تھا۔

''آپ کہہ تو ایسے رہے ہیں جیسے ممی کو جانتے ہی نہ ہوں۔''

وہ حیرانگی سے ایان کو دیکھنے لگا تھا۔

''اس گھر میں صرف ممی کی پسند، ناپسند کا خیال کیا جاتا ہے صرف ان کا ہی حکم چلتا ہے۔ ممی کے آگے تو ڈیڈی اور دادو کی نہیں چلتی میری کیا چلے گی۔'' وہ حیرانگی سے منہ کھولے بھائی کے الفاظ ہی نہیں لہجے کو بھی سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''یہی کہ میں ممی کے سخت اصولوں سے تنگ آ گیا ہوں۔ ہماری تو جیسے کوئی مرضی ہی نہیں ہے۔ آئی ایم فیڈ اپ وِدھ ممی ڈکٹیٹر شپ۔'' وہ تلخی سے کہہ گیا تھا وہ بے انتہا حیرت زدہ سا کھڑا تھا اور حیرت ٹوٹی تھی تو وہ اشتعال میں آتا اس پر ہاتھ اٹھا گیا تھا۔

''تڑاخ! بکواس بند کرو اپنی، ممی کے خلاف میں ایک لفظ نہیں سنوں گا۔'' اس کا چہرہ ہی نہیں آنکھیں بھی سرخ ہو گئی تھیں اور وہ بھائی کو کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا جو تھپڑ کھا کر ساکت سا گال پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔

''میں نے کیا غلط کہا بھیا! آپ جانتے ہیں میں ایم بی اے کرنا چاہتا تھا مگر ممی نے زبردستی مجھے میڈیکل میں پھنسا دیا، ممی نے کہا تو سو گئے، ممی نے کہا تو جاگ گئے، ممی چاہتی تھیں اس لیے دن رات محنت کر کے فرسٹ پوزیشن لے آئے، دوستوں کی طرف نہیں جا سکتے، کبھی کالج ٹرپ پر بھی نہیں گئے یہ سب ممی کی آمریت ہی تو ہے۔'' وہ چہرے پر توہین کے احساسات لیے بھیگے لہجے میں بولا تھا۔

''تم ممی کے بارے میں ایسا سوچ بھی کیسے سکتے ہو؟ ممی کی ممتا بھری فکر، ان کی محبت کو تم کیسے آمریت کا نام دے سکتے ہو؟'' اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں کہ اسے اپنی ماں اتنی ہی عزیز تھی ان کے لیے ایک برا لفظ نہیں سن سکتا تھا اور کہاں اس کا بھائی اپنی ماں سے ہی اس قدر بدگمان تھا۔

''ممی کی یہ خواہش کہ ان کی اولاد ڈاکٹر بنے تو یہ تمہارے نزدیک آمریت ہے؟ تمہارے بھلے کے لیے تمہاری اچھی تربیت و مستقبل کے لیے تم پر روک ٹوک کی تو یہ آمریت ہے؟ تمہاری صحت اور زندگی کو منظم بنانے کے لیے سونے، جاگنے کے اوقات مقرر کر دیئے تو یہ آمریت ہے؟'' وہ بھیگے لہجے میں پوچھ رہا تھا اور اسے احساس ہوا تھا کہ وہ کچھ غلط کہہ گیا ہے۔

''ممی تو کیا کسی نے بھی تصور تک نہ کیا ہوگا کہ ان کا اپنا بیٹا ان کی اپنائیت، چاہت و خلوص کو شک کی نگاہ سے دیکھ سکتا ہے۔''

اس کی حساسیت ایان کی شرمندگی کئی گنا بڑھا گئی تھی اور وہ اپنا نقطہ نظر اس پر واضح کرنے لگا تھا، جذباتی سے ابران کو یہ سمجھانے کی کوشش کرنے لگا تھا جو کہا وہ ویسے کہنا نہیں تھا وہ قائل ہوا یا نہیں ارمان شیرازی یہ جانے بغیر ہی وہاں سے پلٹ گئے تھے کہ طبیعت میں

گراوٹ سی محسوس کرتے وہ کھلی فضا میں آئے تھے یہ نہیں جانتے تھے کہ آگاہی کے کچھ در کھل جائیں گے اور جب سے ہی وہ مضطرب سے کھڑکی میں کھڑے تھے، کچھ حیرت چھٹی تھی تو انہیں ماضی کے دریچوں سے سب اپنوں کے اور دشمنِ جاں کے رویے جھلکتے محسوس ہونے لگے تھے اور وہ ان سے الجھتے خود سے بات کرنے لگے تھے۔

''مما کو اس بات سے ہمیشہ پرابلم رہی کہ میں نے نیناں کی مان، مان کر اس کو بگاڑ دیا ہے۔ میں اس کی ہی کیوں ہر جا بے جا مانتا رہتا ہوں، اس سے اپنی کیوں نہیں منواتا؟ اور اس کیوں کا جواب تو خود مجھے نہیں مل سکا تھا کسی کو کیا دیتا۔'' وہ کھڑکی میں کھڑے تھے اور کمرے میں بالکل خاموشی تھی۔

''ہاں، اتنا ضرور تھا کہ میں نے نیناں سے پہلی نگاہ کی محبت کی تھی اور وقت نے میری محبت کو عشق کا قالب عطا کر دیا تھا اور عشق کی راہ پر چلنا اس قدر آسان بھی نہ تھا اپنی ذات کو فراموش کر دو تب بھی عشق کا صرف عین ہی حاصل ہوتا ہے اور ع کے بغیر عشق کچھ بھی نہیں، میں نے اپنی ذات کو بھلا دیا کہ میں جس سے عشق کر بیٹھا تھا وہ انتہائی انا پرست اور شدت پسند عورت تھی اور میں اس کی انا کے لیے اپنا عشق قربان نہیں کر سکتا تھا اس لیے اپنی انا ہی نہیں خود کو بھی قربان کر دیا کہ میرے عشق کے لیے میرے محبّ کا میرے پاس ہونا ہی بہت تھا کہ یہ بات بھی جان فزا تھی کہ عشق کی راہ میں تنہا نہیں، میں جس کے عشق میں خود کو بھلا بیٹھا ہوں وہ بھی مجھ سے عشق کرتی ہے، بس اپنی شدت پسندی و انا کے ہاتھوں مجبور ہو کر کہنے سے گریز برتتی ہے اور اس گریز کو میں نے اپنی زندگی سے نکال پھینکا ہے کہ میں وقت کے ساتھ پرورش پاتے گریز کا سبب بھی جانتا تھا کہ جس عورت نے کبھی کسی کے جھوٹے گلاس میں پانی نہیں پیا تھا دوست کی محبت میں اس کے سوکن کا دکھ عطا کر دیا اور جب وہ اپنی شدت پسندی کے ہاتھوں مجبور ہوتی مجھے چھوڑ گئی اور پھر جس طرح لوٹی مما مجھ سے ناراض ہو گئی تھیں لیکن ایک اس کی ناراضگی دور کرنے کے لیے میں نے کسی کی بھی پرواہ نہ کی اور جو اعتراضات باقی سب کو تھے آج ان میں اس کا بیٹا بھی شامل ہو گیا ہے اور وہ جو ساس کی بے رخی برداشت نہیں کر پاتی کیا بیٹے کی بدلی سوچ برداشت کر لے گی؟ کہ جس اولاد کے لیے اس نے اپنی شدت پسندی میں شگاف ڈالے اسی اولاد کو ماں کی شدت پسندی پر اعتراض ہو چلا ہے۔'' وہ جتنا سوچ رہے تھے اتنی ہی پریشانی بڑھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

''اُف، انتظار بھی کتنی عجیب شے ہے۔'' وہ جھنجلاتے ہوئے بڑبڑائی تھی کہ اسے میڈم کنیز نے اپنے کمرے میں بلایا تھا اور پانچ منٹ میں آنے کا کہتیں اپنے آفس سے نکل گئی تھیں اور وہ ان کے جاتے ہی بڑبڑانے لگی تھی۔

''ٹھیک کہا تم نے، انتظار عجب ہی نہیں جاں گسل بھی ہوتا ہے۔'' وہ بھاری مردانہ آواز پر چونکی تھی اور زعیزعہ خان کو دیکھ کر تو وہ بیٹھے سے کھڑی ہو گئی تھی جبکہ اس کی آنکھوں میں اترتا ہراس اسے ہمیشہ کی طرح لطف دے گیا تھا۔

''مجھ سے پوچھو میں تمہارا انتظار کیسے کرتا ہوں۔'' وہ چلتا ہوا اس کے عین سامنے آن ٹھہرا تھا۔

''آ......آپ یہاں کیسے آئے؟'' وہ دو قدم پیچھے ہوتی منمنائی تھی۔

''صرف تم سے ملنے کی خواہش مجھے یہاں لے آئی ہے۔'' وہ دلکشی سے مسکراتا اس کا جائزہ لینے لگا تھا۔ وائٹ یونیفارم میں بلور بن لگا دوپٹہ سلیقے سے شانوں پر ڈالے، لمبے بالوں کی پونی ٹیل کے ساتھ وہ سادگی میں بھی کافی دلکش لگ رہی تھی۔ اس کے مسکرا کر کہنے پر گڑبڑائی تھی اور دروازہ کی جانب بڑھی تھی کہ وہ اس کو روکنے کے خیال سے اس کی کلائی تھام گیا تھا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔'' وہ ہاتھ چھڑانے کی کوشش کے ساتھ چیخ پڑی تھی۔

''شش چیخنا نہیں کہ ایسا کرو گی تو خود ہی تماشہ بنو گی کہ کوئی نہیں جانتا کہ یہاں تم اور میں اکیلے ہیں۔'' اس کے احمریں لبوں پر انگلی ٹکا کر گویا اسے چپ رہنے کی ہدایت دی تھی اور وہ ناگواری سے دور ہوتی باقاعدہ رونے لگی تھی۔

''آپ آخر مجھے کیوں تنگ کر رہے ہیں؟ میں آپ کی اور میڈم کنیز کی ڈیڈی سے شکایت کروں گی۔'' وہ خوف سے باقاعدہ کانپ رہی تھی۔

''تم ہو ہی اتنی اچھی کہ تمہیں تنگ کرنے کو دل کرتا ہے۔'' وہ اس پر نگاہ جمائے شوخی سے بولا تھا اس نے بے ساختہ اپنی سرمگیں بھیگی پلکوں سے اس کی جانب دیکھا تھا اس کے خوبرو چہرے اور قدرے سرخی مائل سیاہ سمندر سی آنکھوں سے اسے خوف سے محسوس ہوا تھا۔

''تم جو ہر وقت ایک پوری فوج کے ساتھ رہتی ہو ناں صرف اس لیے میڈم کنیز کو ڈرا دھمکا کر ان کی خدمات حاصل کی ہیں۔'' وہ ہراساں نگاہوں سے بند دروازے کی جانب دیکھتی کسی مدد کی آس جگائے ہوئی تھی کہ وہ اس سے چند قدم دور رکتے ہوئے بولا تھا۔

''آپ پلیز، مجھے جانے دیں۔'' وہ اس کی بکواس کی جانب توجہ دیئے بغیر منمنائی تھی۔

''میرے دل میں جو ارمان پل رہے ہیں ان کے اظہار کے لیے یہ مناسب جگہ نہیں ہے، آج تو تم سے یہاں صرف اس لیے ملا ہوں کہ تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ تمہاری ایک جھلک نے مجھے کیسے دیوانہ بنا دیا ہے۔'' وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتا مخمور لہجے میں بول رہا تھا جبکہ وہ اس کے ذرا سے لمس پر کانپتی، ہراساں ہو کر ہاتھ چھڑاتی پیچھے ہو گئی تھی۔

''تمہارے چہرے پر پھیلا ہراس مجھے اتنا ہی اچھا لگتا ہے جتنا آسمان پر چاند! اس لیے تم سے یہ نہیں کہوں گا کہ ڈرو نہیں، مگر اتنا ضرور یاد رکھو کہ میں تنہائی سے فائدہ اٹھانے کا دل کی ہزار خواہش کے باوجود بھی ارادہ نہیں رکھتا۔''

وہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''کیونکہ میں تمہیں جب بھی حاصل کروں گا، تمہاری رضا سے اس لیے رونے دھونے کا پروگرام ملتوی کر دو کہ میں آنسوؤں سے پگھلنے والی شے نہیں ہوں۔'' اس کا دیکھنا تو غضب کر گیا تھا اور اس سے پہلے کہ کوئی قیامت آتی وہ رخ موڑ کر پاکٹ سے سگریٹ اور لائٹر نکالتے ہوئے بقیہ بات مصروف سے انداز میں بولا تھا اور سگریٹ دیکھ کر تو اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے تھے اور وہ بے ساختہ سی چیخی تھی۔

''ڈیڈی۔''

وہ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ گیا تھا۔

''کہا ناں کہ چیخنا نہیں، اور میں جب تم سے کچھ کہہ نہیں رہا، نہ موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا ہوں تو پھر کیوں رونا دھونا مچایا ہوا ہے۔ کہا ناں کہ تمہیں دیکھے بہت دن ہو گئے تھے تم سے ملنے کو دل کرا تو یہاں آ گیا۔'' وہ قدرے برہمی سے بولا تھا، سگریٹ اور لائٹر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئے تھے اور وہ اس کے منہ پر ہاتھ جمائے اسے گھور رہا تھا جس کی رنگت زرد پڑ چکی تھی۔

''تم یہاں میرے رحم و کرم پر ہو، میں تم پر دسترس حاصل کرنا چاہوں تو کر سکتا ہوں مگر میں ایسا چاہتا ہی نہیں، ہاں تمہاری جانب اتنے عرصے میں آج پہلی دفعہ دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں، بولو مجھ سے دوستی کرو گی؟'' اس کے روانی سے بہتے آنسو اس کے رخساروں سے ہوتے اس کے ہاتھ بھگونے لگے تھے اور اس کی غیر ہوتی حالت کے سبب وہ نہ صرف ہاتھ کھینچ گیا تھا بلکہ کچھ فاصلے پر بھی ہو گیا تھا۔ اس کے اوسان بحال نہیں ہوئے تھے کہ اس نے عامیانہ سی بات کے درمیان اسے نئی سوکے برعکس قدرے شریفانہ آفر کر ڈالی تھی۔

''مجھے نہیں کرنی آپ سے دوستی......'' وہ دروازے کی جانب لپکی تھی کہ وہ کمال کی عجلت دکھاتا دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا تھا اس لیے وہ اب کے بہت روتے ہوئے اٹک اٹک کر بولی تھی کہ وہ اسے اتنا ہراساں کر دیتا تھا کہ اس کا سارا اعتماد کہیں جا سوتا تھا۔

''یہاں سے جانا چاہتی ہو تو مجھ سے دوستی تو کرنا پڑے گی کہ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو میں تمہیں جانے نہیں دوں گا۔'' اس کا بھیگا چہرہ، پرنم نگاہیں اس کا دل چاہت و قربت کا سوالی ہونے لگا تھا لیکن اس نے کوئی پیش رفت نہیں کی تھی آج اس نے راہیں ہموار کرنی تھیں کہ ہموار راہ پر چل کر ہی تو پھر اسے منزل ملنی تھی۔

''میں آپ سے دوستی نہیں کر سکتی، آئی سوئیر میں بوائز سے دوستی کرتی ہی نہیں ہوں کہ ممی کو پتہ چلا تو وہ مجھے جان سے ماردیں گی اس لیے پلیز آپ مجھے جانے دیں۔'' وہ نئے خوف میں مبتلا ہوتی معصومیت سے بولی تھی اور وہ اسے بے خود سا دیکھے گیا کہ اس کی یہی معصومیت تو اس کے ارادوں کی راہ میں دیوار بنی ہوئی تھی اور وہ اسے اس کی رضا سے پانا چاہتا تھا اور وہ اس کی سوچ اس کے ارادوں کو نہ سمجھی تھی نہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی بس اسے دیکھ کر ہراساں ہوتی تھی اس کی یہی کوشش ہوتی تھی کہ وہ جہاں سے آیا ہے چلا جائے کہ وہ اگر اس کے ارادے کی بو پا جاتی تو اس کے سامنے ہراس سمیت بھی نہیں ٹھہر سکتی تھی۔

''تمہاری اسی معصومیت نے ہی تو مجھے اپنا اسیر کر لیا ہے۔'' وہ قدرے نرمی و دھیمے سے اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا اور اس کا سیل فون بجنے لگا تو اس نے اسے مزید تنگ کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا کہ ویسے بھی اس کا مقصد اس سے ملنا تھا کہ وہ اکثر ملک سے باہر رہتا تھا اس لیے ہزار چاہت کے باوجود اس سے ملنے کی کوئی سبیل نہیں نکل کر آتی تھی جیسے وہ دو ماہ بعد کل رات ہی امریکہ سے آیا تھا اور آج رات کی فلائٹ سے اسلام آباد جا رہا تھا اسی سبب وہ اس کے کالج پہنچ گیا تھا ڈونیشن روکنے اور میڈم کنیز کے بیٹے کو نقصان پہنچانے کی دھمکی کے بعد وہ آج اس سے مل سکا تھا۔

''تم میری دوستی کی آفر پر غور ضرور کرنا کہ میں تم سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔'' اس کا گال تھپتھپاتا وہ وہاں سے نکل گیا تھا جبکہ وہ وہیں ساکت سی کھڑی روئے جا رہی تھی اور اسے روتے دیکھ کر میڈم کنیز کے ضمیر پر بوجھ آن پڑا تھا۔

''آئی ایم سوری شیریں، مجھے وہ سب کرنے پر زعیزعہ خان نے مجبور کر دیا تھا۔'' وہ شرمندگی سے کہہ رہی تھیں۔

''بہ حیثیت پرنسپل، آپ کو ایسی گری ہوئی حرکت کرنا زیب نہیں دیتا تھا۔'' وہ بے تحاشہ روئے جا رہی تھی۔

''آئی ایم سوری۔ شیریں، تم کسی سے......''

اس نے رونا بھول کر انہیں دیکھا تھا۔

''آپ اتنا سب کچھ کر کے بھی شرمندہ نہیں ہیں، بس آپ کو ڈر ہے کہ میں آپ کا کارنامہ کسی کو بتا نہ دوں۔''

ان کی نظریں جھک گئی تھیں۔

''بے فکر رہیں میں ڈیڈی اور ممی سے کچھ نہیں کہوں گی مگر آپ یاد رکھیئے گا کہ میں آپ کو آئیڈلائز کرتی تھی مگر آج آپ نے میرا بھروسہ توڑ دیا ہے۔ میں اب یہاں پڑھتی بھی رہوں گی تو آپ پر بھروسہ نہیں کر پاؤں گی۔'' وہ انہیں شرمندہ کر کے جا چکی تھی۔

☆......☆......☆

''ابران بھیا، کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔'' ایان نے دروازے پر دستک دی تھی مگر کوئی جواب نہ پا کر اس نے ان لاکڈ ڈور کھول کر کمرے میں جھانکا، ابران قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا اس نے دھیمے سے اجازت طلب کی تھی اور اس نے اثبات میں گردن ہلا کر اسے اجازت دی تھی اور رکوع مکمل کر کے قرآن پاک احترام سے الماری میں کتابوں کے لیے مخصوص کیے کبڈ میں رکھ دیا تھا۔

''تم آج یونی نہیں گئے؟'' رات کے برعکس دھیمے سے پوچھا تھا۔

''دس بجے تک جاؤں گا، بھیا میں اپنے رات کے رویے کی معذرت چاہتا ہوں۔'' دھیمے سے بتاتا شرمندگی سے معذرت کرنے لگا تھا جبکہ ابران نے کچھ کہنے کے بجائے اسے بولنے دیا تھا۔

''ابران بھیا! پلیز، میری خاطر ممی کو منا لیں کہ ایک آپ ہی ممی کو منا سکتے ہیں اور ممی مان جائیں گی تو ڈیڈی خود بہ خود مان جائیں گے۔'' اس نے کل رات کے رویے کی پھر معافی مانگی تھی، اپنا مقصد پھر سے واضح کیا تھا اور جیسے ہی لگا تھا ابران قدرے مطمئن ہو گیا تھا تب وہ موسیقی سے اپنا لگاؤ بیان کرتا اسے ماں کو منانے کے لیے راضی کرنے لگا تھا۔

''تمہیں لگتا ہے کہ میں ممی کو منا سکتا ہوں۔'' اس نے بھائی کو نرمی سے مگر سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔

''ہاں، کہ ممی آپ سے بہت محبت کرتی ہیں آپ کو وہ ناں کہہ ہی نہیں سکتیں۔'' وہ پر یقین انداز میں کہتا اسے مسکرانے پر مجبور کر گیا تھا۔

''ممی تو تم سے بھی محبت کرتی ہیں تو یہ کوشش تم خود کیوں نہیں کر لیتے؟'' نرمی سے پوچھا تھا۔

''اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ ممی مجھ سے محبت کرتی ہیں لیکن وہ آپ کو زیادہ چاہتی ہیں، میری فرمائش تو اکثر ٹال جاتی ہیں لیکن آپ کی بے جا ضد پر بھی آپ کو ناں نہیں کہہ سکتیں اس لیے میں چاہتا ہوں کہ میرے لیے آپ ممی سے بات کر کے انہیں منا لیں۔'' اس کے انداز میں تبدیلی نہیں آئی تھی وہ نرمی سے بڑے بھائی کو دیکھ رہا تھا۔

''یہ تمہاری محض ایک غلط فہمی ہے کہ ممی مجھے زیادہ اور تمہیں کم چاہتی ہیں کیونکہ ممی کی محبت ہم سب کے لیے یکساں ہے، ہاں مجھ سے محبت کا اظہار بہت ہوا ہے کیونکہ میں ممی سے دور تھا اور تم ممی کے قریب تھے اور اس لحاظ سے تم زیادہ خوش نصیب ہو کہ ممی کی ممتا سے پل پل مستفید ہوتے رہے اور مجھے مما کی چھاؤں، دھوپ کی تمازت کے ساتھ ملی۔'' وہ اداس ہو گیا تھا اور وہ حیرت میں گھرا اس کی بات سمجھنے کی کوشش کررہا تھا۔

''تم مجھے خوش نصیب سمجھتے ہو، میں تمہیں خوش بخت گردانتا ہوں اور اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ ممی کی چاہت ہم دونوں کے لیے یکساں ہے مگر ہم چونکہ دونوں الگ ہیں، الگ پسند، الگ فطرت اور الگ زاویہ نظر رکھتے ہیں اس لیے ممی کی محبت کو بھی اپنے اپنے انداز سے محسوس کرتے ہیں۔ میں غلط کہہ رہا ہوں تو بچپن سے آج تک کا کوئی ایک لمحہ ہی مجھے بتا دو جب ممی نے میرے لیے تمہیں نظر انداز کیا ہو؟'' وہ مسکرا کر پوچھ رہا تھا اور اس نے نفی میں گردن ہلا دی تھی۔

''نہیں کہ جب جب میں نے ممی کو اپنے پاس دیکھنا چاہا وہ میرے پاس آ گئیں اور میں یہ کبھی جان ہی نہیں سکا کہ ممی میرے بغیر کہے بھی میرے دل کی بات کیسے جان جاتی ہیں کہ میں نے انہیں خواہش کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا مگر وہ نہ صرف جان گئیں بلکہ انہوں نے اسے میرا بنا دیا۔'' اس کی بچکانہ سی حیرت اس کے چہرے پر بکھر گئی تھی۔

''شاید ایک ماں کو اس کی ممتا سب کچھ بتا دیتی ہے۔'' ماں کی آواز پر وہ دونوں ہی چونک اٹھے تھے اور جیسے ہی حیرت چھٹی تھی وہ ماں کے سامنے اپنی پسند کہتا اپنی غلطی کا بھی اعتراف کر گیا تھا۔

''آئی ایم سوری، ممی! بٹ مجھے لگتا تھا کہ آپ نہیں مانیں گی اس لیے میں نے آپ سے اتنی بڑی بات چھپائی۔'' وہ ماں کے سامنے شرمندہ سا بیٹھا تھا۔

''ایک بات جب چھپا ہی لی تھی تو اب خود سے مجھے کیوں بتا رہے ہو۔'' اس کے شرمندہ چہرے کو دیکھ کر دھیمے سے پوچھا تھا۔

''جب ابران بھیا نے ویڈیو دیکھی تو مجھ پر خفا ہوئے اور ابران بھیا کے بعد شیریں اور خواہش نے بھی وہ ویڈیو دیکھ لی، دھیرے دھیرے سب کو پتہ چل رہا ہے اور میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ بات کسی اور کے ذریعے آپ کے علم میں آئے اس لیے آج خود آپ سے اپنی ہر غلطی کا اعتراف کر لیا ہے اب آپ جو سزا دیں گی مجھے منظور ہو گی۔'' اس نے اچھے بچوں کی طرح باقاعدہ کان پکڑ لیے تھے۔

''میں تمہاری کسی بھی ایکٹیویٹی سے ہرگز بھی انجان نہ تھی۔''

وہ دونوں ہی ماں کی بات پر حیرت زدہ رہ گئے تھے۔

''تم نے چاہے عبیر سے کہا تھا کہ وہ ہم سے کچھ نہ کہے مگر اس نے مجھ سے کچھ نہیں چھپایا تھا اور میں چاہے موسیقی کو پسند نہیں کرتی مگر تمہاری خوشی اور پسند کی خاطر میں نے عبیر کا ساتھ دیا اور تم پر یہی ظاہر کیا کہ میں کچھ نہیں جانتی کیونکہ میں چاہتی تھی کہ میرا بیٹا سچ کا سامنا کرنا اور اپنوں کو اہمیت دینا سیکھے۔ اپنی مرضی و خوشی کے لیے جب کوئی فیصلہ لے تو خود غرض ہو کر نہیں اور آج خود سے مجھے بتا کر تم نے یہ

ثابت کر دیا کہ میرا بیٹا خود غرض نہیں ہے اپنوں کا خیال رکھنا جانتا ہے۔'' وہ دھیمے سے کہتیں نرمی سے مسکرائی تھیں۔

''یعنی کہ ممی آپ کو میرے اس شوق پر اس فیلڈ میں آنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا۔

''ہاں، صرف تمہاری خوشی کے لیے میں نے اپنے اعتراضات ختم کر ڈالے ہیں لیکن ایان۔'' وہ لحظہ بھر کو رکی تھیں۔ ''تمہارے ڈیڈی کو بھی یہ سب پسند نہیں ہے، انہیں تمہیں نرمی سے منانا ہوگا۔''

انہوں نے بیٹے کے جگمگاتے چہرے کو دیکھا تھا۔

''ڈیڈی کو تو آپ منالیں گی۔'' وہ ہلکے سے ہنسا تھا۔

''میں نہیں مناؤں گی تم نے جیسے ہر بات مجھ سے کہی ہے اپنے ڈیڈی سے کہو گے اور انہیں مناؤ گے۔'' انہوں نے صاف ہری جھنڈی دکھادی تھی مگر وہ پھر بھی مطمئن تھا کہ اسے یقین تھا کہ وہ ارمان شیرازی کو منالے گا۔

☆......☆......☆

''آئی ایم سوری پاپا، بٹ میں نے صرف ایان کی وجہ سے اس سب کا گھر میں ذکر نہیں کیا۔'' وہ سالار مصطفیٰ کے سامنے شرمندہ سا کھڑا وضاحت کر رہا تھا۔

''مگر جس طرح تم اپنی آنی سے ذکر کر سکتے ہو تو ہم میں سے بھی کسی کو بتا سکتے تھے کہ جانتے ہو ہم نے تمہیں منع نہیں کرنا تھا۔'' رابعہ نے بیٹے کو غصے سے دیکھا تھا۔

''مما! آنی سے میں اسی لیے کہہ گیا کہ وہ جذباتی ہیں اور امید تھی کہ وہ منع کر دیں گی مجھے جبکہ پتہ تھا کہ آپ لوگ مجھے منع نہیں کریں گے اور سچ میں مما، اگر آپ کو یا پاپا کو اعتراض ہے تو میں اس کام کو یہیں روک دوں گا۔'' وہ سچائی سے ہر بات کہہ گیا تھا۔

''یعنی تم نے ہماری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔'' انہوں نے بیٹے کا کان پکڑ لیا تھا۔

''پاپا! کیا تو ایسا ہی ہے۔'' وہ شرارت سے باپ کو دیکھ رہا تھا انہوں نے ایک دھپ اس کی پیٹھ پر رسید کی تھی۔

''حد ہے ڈھٹائی کی۔'' وہ کافی نرم مزاج تھے اس لیے اولاد پر بے جا سختی کرنے کے بجائے انہوں نے دوستانہ ماحول فراہم کیا تھا۔

''سوری پاپا، بٹ آپ کو نہیں پسند تو میں ایان سے معذرت کر لوں گا۔'' وہ یکدم ہی سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''نہیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے بٹ اس سب میں تمہاری تعلیم متاثر نہیں ہونی چاہیے۔'' وہ دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے تھے۔

''اوکے، ڈن پاپا۔'' وہ شوخی سے کہتا ان کے کاندھے سے جا لگا تھا۔ عبیر کو موسیقی سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا ہاں اسے گٹار بہت پسند تھا اور وہ ایک اچھا گٹار پلیئر تھا۔ ایان بھی گٹار بجانے سے کافی حد تک واقف تھا مگر عبیر جیسی بات نہ تھی، ہاں اس کی آواز بہت اچھی تھی اس لیے ایان نے عبیر کو گٹار بجانے کے لیے راضی کر لیا تھا ان کے جس سونگ کی ویڈیو آئی بھی اس میں لیڈ سنگر ایان تھا جبکہ عبیر گٹارسٹ تھا۔

عبیر کی ہنستے ہوئے نظر بہت خاموش بیٹھی خواہش پر پڑی تھی۔

''تمہیں کیا ہوا ہے بلی؟ اتنی خاموش کیوں ہو۔'' اسے فوراً ہی چھوٹی بہن کی فکر ہوئی تھی اور اس کے متوجہ ہوتے ہی باقی سب بھی اسے دیکھنے لگے تو اپنے آنسو روکنا اس کے لیے مشکل ہونے لگا۔

''پاپا کی گڑیا اتنی اداس کیوں ہے؟ کیا کالج میں کوئی بات ہوئی ہے؟'' انہوں نے بیٹی کو اپنے پاس بلا کر نہایت شفقت سے پوچھا تھا اور اس کے آنسو گرنے لگے تھے تو وہ سب ہی پریشان ہو گئے۔

''خوشی کیا ہوا ہے گڑیا؟'' انہوں نے بہت نرمی سے استفسار کیا تھا۔

''پاپا! یہ سب مجھے نہیں پسند۔'' وہ آنسو گرتے ہوئے بولی تھی۔

''کیا نہیں پسند؟'' وہ اس کی بات بالکل نہیں سمجھے تھے۔

''یہی گانے گانا، اداکاری کرنا۔'' اس کے کہنے پر ان کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

''اب پسند آنے لگے گا کیونکہ اس باگڑ بلے ایان نے جو گانا گانا شروع کر دیا ہے۔'' فاطمہ بیگم مزاج کے برخلاف شرارت سے بولی تھیں۔ ان سب کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی جبکہ اس نے دادی کو شکایتی نظروں سے دیکھا تھا۔

''آئی ایم سیریس دادو! مجھے سچ میں یہ سب نہیں پسند۔'' وہ خفگی سے بولی تھی۔

''دیکھو بیٹا، ایان کو یہ سب پسند ہے، اس کا شوق ہے یہ، فضول میں اعتراض کر کے کیوں اس کا دل خراب کیا جائے۔'' رابعہ نرمی سے بولی تھیں۔

''پاپا! مجھے نہیں پسند تو نہیں پسند، آپ ایان سے کہہ دیں کہ انہیں اس فیلڈ کو چھوڑنا ہوگا۔''

وہ جانتی تھی کہ اس کا مسئلہ اس کے پاپا ہی حل کر سکتے ہیں اس لیے ڈائریکٹ انہیں سے اپنے دل کی بات کہہ گئی تھی۔

''ہم ایان کو فورس تو نہیں کر سکتے ناں اور تمہارا تو کچھ بھی کہنا قبل از وقت ہوگا۔ ابھی تو ایان کی حرکت سب کے علم میں بھی نہیں ہے کہ جہاں تک میں بھیا کو جانتی ہوں وہ ایان کو اس کی اجازت نہیں دیں گے۔'' شوہر کی جگہ وہ نہایت نرمی سے بولی تھیں۔

''تمہاری مما ٹھیک کہہ رہی ہیں بیٹا، کچھ وقت گزرنے دو سب کی مرضی سامنے آنے دو پھر کچھ کہیں گے کہ میری رائے میں اس میں کوئی برائی نہیں ہے ہاں تمہیں نہیں پسند تو تم ایان سے خود کہہ سکتی ہو پھر وہ جو چاہے فیصلہ لے۔'' انہوں نے بیٹی کو ساتھ لگا کر ناصحانہ انداز میں شفقت سے سمجھایا تھا۔

''میں جانتی ہوں، ایان میری نہیں سنیں گے اسی لیے چاہتی ہوں کہ آپ بات کر لیں۔ (برائی تو ہے ناں پاپا، کہ وہ کتنے عرصے سے مجھے اگنور کر رہے ہیں، مجھ سے بات نہیں کر رہے)'' اس نے باپ سے کہتے کہتے بھی دکھ سے سوچا تھا مگر بولی کچھ نہیں تھی کہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ ایان کے لیے اپنی پوزیسو نیس ان سب سے کیسے کہے اس لیے پریشان ہوتی بظاہر مسکرا کر ان سب کے درمیان سے اٹھ گئی تھی

جبکہ وہ بھی بیٹی کی اداسی دیکھ کر بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

☆......☆......☆

''شیریں! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے آج جب سے کالج سے آئی ہو بڑی خاموش ہو۔'' شام کی چائے کا دور چل رہا تھا جب وہ بیٹی کو دیکھ کر بولی تھیں۔

''جی ممی۔'' وہ منمنا کر رہ گئی تھی کہ آج کی زعیزعہ خان کی حرکت اسے بہت زیادہ ڈسٹرب کر گئی تھی وہ بارہا ماں سے کہنے کی کوشش کر چکی تھی مگر ڈر اور جھجک کر رک جاتی تھی اور یمانی بھی آج کل زیادہ تر اپنے کمرے میں رہتی تھی اس لیے وہ اس سے بھی کچھ نہیں کہہ پا رہی تھی اور سب سے بڑھ کر وہ زعیزعہ خان سے اس قدر خوفزدہ تھی کہ خواہش سے بھی کچھ نہیں کہہ سکتی تھی اور اس سب میں وہ اس قدر ڈسٹرب ہو چکی تھی کہ اس کی شرارتیں، اس کی باتیں جیسے کھو سی گئی تھیں، بلا تکان بولنے والی شیریں بھی نپا تلا بول رہی تھی اور اس کی اسٹڈی بھی متاثر ہو رہی تھی اور اس سب کو وہ لوگ محسوس کر رہے تھے۔ نیناں بارہا اپنی تشویش کا اظہار کر چکی تھیں لیکن سائرہ بیگم نے یہ کہہ کر کہ بڑھتی ہوئی عمر ہے وہ میچورٹی کی طرف جا رہی ہے اس سب کو پوزیٹو لیا جائے وہ ساس کی بات سے متفق نہ تھیں مگر خاموش ضرور ہو گئی تھیں لیکن وقتاً فوقتاً شیریں سے پوچھتی رہتی تھیں مگر وہ تھی کہ اپنے لیے مشکلات پیدا کرنے پر کمر بستہ تھی اس نے ماں کو اب تک بہت چاہ کر بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔

''شیریں! کوئی بات تمہیں ڈسٹرب کر رہی ہے تو بتاؤ مجھے، کہ مجھے کافی عرصہ سے لگ رہا ہے جیسے تم کچھ چھپا رہی ہو۔'' انہوں نے اس کی پھیکی پڑتی رنگت کو دیکھ کر آج اس سے دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے نرمی سے پوچھا تھا۔

''میں آپ سے کچھ نہیں چھپا رہی، بس اسٹڈی کو لے کر ڈسٹرب ہوں۔'' وہ بہت ضبط سے کام لیتے ہوئے نگاہ جھکا کر دھیمے سے بولی تھی۔

''اسٹڈی کو لے کر کیوں ڈسٹرب ہو، کون سا سبجیکٹ تمہیں مشکل لگ رہا ہے؟ میں ہیلپ کر دوں گی اور کہو گی تو تمہارے لیے ٹیوٹر کا انتظام ہو جائے گا۔'' وہ اس کی پل پل بدلتی رنگت دیکھ کر مضطرب ہو گئی تھیں مگر ظاہر کیے بنا اس کے بتائے مسئلے کا حل نکالا تھا اور وہ ٹیوٹر لگوا دینے کا کہہ گئی تھی اور اسی وقت غصہ میں ارمان شیرازی لاؤنج میں آئے تھے۔

''تم نے کس سے پوچھ کر گانا گانا شروع کیا؟'' وہ ابیان کی طرف دیکھتے ہوئے غصے سے پوچھ رہے تھے۔

''ڈیڈی، گانا گانا کوئی برائی نہیں ہے۔''

ارمان شیرازی کو وہ بتا تا کہ انہوں نے خود ہی ویڈیو دیکھ لی تھی اور وہ اس پر غصہ ہونے لگے تھے کہ وہ ان کے غصے سے خائف ہوتا منمنانے لگا تھا۔

''گانا، گانا اچھائی بھی نہیں ہے۔'' درشتگی سے اسے ڈپٹ گئے تھے۔

''موسیقی میرا شوق ہے، میں اس فیلڈ میں اپنا نام بنانا چاہتا ہوں۔''

گھر کے سب ہی افراد لاؤنج میں جمع تھے۔

''لیکن مجھے یہ فیلڈ انتہائی ناپسند ہے اس لیے چھپتے چھپاتے جتنا اس ہنر کو آزمانا تھا تم آزما چکے اب بس، اپنی اسٹڈی کی جانب توجہ دو۔'' درشتگی سے دوٹوک فیصلہ سنا دیا تھا اور وہ ماں کو مدد طلب نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا۔

''آپ اسے اجازت دے دیں، میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ یہ مکمل توجہ سے اپنی تعلیم مکمل کرے گا، میوزک کی وجہ سے اس کے رزلٹ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔'' بیٹے کی حمایت لی تھی اور سب کو متحیر کر گئی تھیں۔

''نیناں! تم جانتی ہو اس طرح کی فیلڈز مجھے کبھی بھی پسند نہیں رہیں اور تم اسے سمجھانے کی بجائے اس کی سائیڈ لے رہی ہو جبکہ اس نے اتنے عرصے ہم سب کو جھوٹ بول کر دھوکا دیا۔'' وہ بیوی کو ناگواری سے دیکھ رہے تھے کہ ان کی جانب سے مخالفت کی امید تھی اور کہاں وہ اس کی حمایت کر رہی تھیں۔

''یہ ایان کی غلطی ہے اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' وہ کہنے لگی تھیں کہ وہ بیوی کو ٹوک گئے۔

''پلیز نیناں، اب کیا صحیح ہے کیا غلط اس کا وقت نکل چکا ہے اس لیے اس بحث میں نہ ہی الجھیں تو بہتر ہے کہ اب بات صرف اتنی ہے کہ اس نے جو بھی جیسے بھی کرنا تھا کر لیا مزید نہیں کر سکتا کہ میں اسے اس فیلڈ کو جوائن کرنے سے منع کر چکا ہوں اور میرے انکار کے بعد کسی بات کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔'' وہ نہایت سختی سے بولے تھے کہ یہ قدم اس نے جس طرح اٹھایا تھا انہیں انتہائی ناگوار گزرا تھا اور وہ بیٹے کو گھورتے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے ان کے پیچھے ہی وہ آئی تھیں اور جو تفصیل انہوں نے بتائی تھی وہ ان کے غصہ کو ہوا دے گئی تھی۔

''تم نے اتنی بڑی بات مجھے بتانا تک گوارا نہیں کی۔'' وہ ملامت بھری نگاہوں سے بیوی کو دیکھ رہے تھے۔

''عبیر نے مجھے یہ سب ایک مہینے پہلے بتایا تھا اور میں آپ کو بتاتی کہ آپ یو کے چلے گئے تھے۔'' دھیمے سے نہ بتا پانے کی وجہ بتائی تھی کہ بزنس کا مسئلہ جو وہ اس وقت گھر گروی نہ رکھنے کے باوجود اپنے کچھ اثاثوں کو ٹھکانے لگا کہ کسی حد تک حل کر گئے تھے وہ مسئلہ پھر اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اسی کے حل کے لیے وہ تقریباً پچیس دنوں سے یو کے گئے ہوئے تھے، کچھ نئے بزنس ٹرمز بنائے تھے، کچھ ڈیلنگز سے پرافٹ ملا تھا اور وہ اب کافی ماہ کی سخت محنت کے بعد اس سارے مسئلے سے مکمل طور پر نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

''اور میں جانتی تھی کہ آپ کس قدر پریشان ہیں اس لیے میں نے جان کر آپ سے ذکر نہیں کیا کہ میں چاہتی تھی کہ جب آپ یو کے سے آئیں گے تب میں آپ سے تسلی سے بات کر لوں گی۔'' نرمی سے کہہ کر ان کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا کہ وہ کل رات ہی تو آئے تھے اور ان دونوں کی باتیں سن کر دکھی و پریشان تھے کہ بیوی کا چھپانا ان کے دکھ میں اضافے کا سبب بن گیا تھا۔

''تم نے مجھ سے ذکر کیے بنا میری رائے جانے بغیر اپنی جانب سے رضامندی دے دی جبکہ تم جانتی ہو کہ یہ سب مجھے پسند ہی نہیں ہے، جب ممانے ایان کو گٹار گفٹ کیا تھا میں نے مخالفت کی تھی اور اب تو وہ ہر حد ہی پھلانگ گیا ہے اور تم نے اس کو غلطی کا احساس دلانے کے بجائے اسے آئندہ کے لیے شہہ دے ڈالی ہے۔'' وہ بیوی پر سخت غصے کا اظہار کر رہے تھے۔

''میں نے شہہ نہیں دی، اس نے اپنی غلطی مانی، سوری کی تو میں خاموش ہوگئی یہی سوچ کر کہ ایک کام انجام دے چکا ہے شرمندہ ہے اس کی سوری قبول نہ کرنے سے تو کوئی فائدہ نہ ہوگا ہاں اکسیپٹ کرنے کا یہ فائدہ ضرور ہوسکتا ہے کہ وہ آئندہ ایسی کوئی حرکت نہ کرے۔'' وہ دھیمے سے بولتیں ان کے غصہ کے گراف کو بڑھا گئی تھی۔

''بس کردو نیناں، کہ تم بنتی تو بہت اصول پسند ہو مگر ہو وہی ایک ٹپیکل ماں جو اولاد کا قتل جیسا جرم بھی ماتھے پر شکن لائے بغیر معاف کردیتی ہے۔'' وہ اس وقت ان پر سخت خفا ہورہے تھے اور وہ مسکرادی تھیں۔

''ہاں، میں بہت ہی عام سی ماں ہوں کہ خاص تو صرف احساسات ہوتے ہیں اور والدین ہی اتنے اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں کہ اولاد کا بڑے سے بڑا گناہ بھی معاف کردیں۔'' وہ ان کے پرشکن چہرے کو دیکھ کر نرمی سے بولی تھیں۔

''نیناں، چاہے تم نے وقت اور ضرورت کے مطابق اپنی سوچ بدلی ہے، میں نے ایسا نہیں کیا ہے کہ میں آج بھی اصولوں پر ہی چلتا ہوں۔'' ناگواری سے بہت کچھ باور کروایا تھا۔

''میرے لیے آپ نے کتنے ہی اصول توڑے، کچھ اصول میری اولاد کے لیے بھی چھوڑ دیں گے تو کچھ نہیں بگڑے گا۔'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولی تھیں۔

''تم جانتی ہوں نیناں میں نے تمہارے لیے اپنے اصول توڑے ضرور لیکن جب جب مجھے تم حق پر لگیں کہ صرف تمہاری خاطر اصول توڑنے پر آتا تو نہ دوسری شادی کرتا اور نہ ہی ابران کو ہاسٹل بھیجتا۔'' وہ حیرانگی سے انہیں دیکھنے لگی تھیں۔

''میں بااصول شخص ہوں اور کسی کے لیے بھی اور وہ بھی اس وقت جب وہ غلطی پر ہو میں اصول نہیں توڑ سکتا۔ یہ بات ابیان پر واضح کردینا کہ ضد پر قائم رہا تو کچھ ایسا نہ ہوجائے کہ تمہاری لسٹ میں میری ایک اور ضد برائی بن کر رقم ہوجائے۔'' وہ انہیں بہت کچھ باور کرواتے اٹھے تھے اور واش روم میں چلے گئے تھے جبکہ وہ ساکت سی بیٹھی رہ گئی تھیں کہ جس طرف وہ نشاندہی کر گئے تھے خسارہ صرف ان کے ہاتھ میں آیا تھا تو کیا ایک اور خسارہ ان کا مقدر بننے والا تھا۔

''زعیز عہ خان کوشکست سے دوچار کرنا اتنا بھی آسان نہیں ہے ایس پی شہیر سالار جتنا تو نے سمجھ لیا تھا۔'' وہ کمینگی سے کہتا ہنس رہا تھا۔

''تمہیں ایک دن میں تمہارے انجام تک پہنچا کر رہوں گا، یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔'' اس نے ہنستے ہوئے زعیز عہ خان کو گھورا تھا۔

''ویسے یار تو نے مجھے پھنسانے کی بڑی قیامت خیز چیز بھیجی تھی۔'' اس نے خباثت سے آنکھ دبائی تھی۔ شہیر کی رنگت سرخ ہوگئی تھی۔

''ویسے اس کے ساتھ تیرا وقت تو اچھا گزرا ہوگا۔'' رازداری سے پوچھا تھا۔

''زبان سنبھال کر بات کرو زعیز عہ خان۔'' وہ لہو رنگ چہرے کے ساتھ ضبط کرتے کرتے بھی چیخ پڑا تھا اس نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔

''میری جان ایس پی۔ تو نے تو مجھ پر بڑا ظلم کیا، گھاٹ گھاٹ کا پانی پی کر آئی ایک بری عورت بھیج دی تو کہے تو ایک آدھ حسینہ میں اپنے پاس سے تجھے ٹرانسفر کردوں۔'' کمالِ بے تکلفی سے بولا تھا۔

''بکواس بند کرو زعیز عہ خان، میں اس ٹائپ کا انسان نہیں ہوں۔'' وہ یکدم ہی کرسی سے کھڑا ہوگیا تھا۔

''جانتا ہوں یار بیٹھ جاؤ۔ ایسے ہی مذاق کررہا تھا۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا تھا۔

''تم یہ بتاؤ زوئیلہ کہاں ہے؟'' غصہ سے پوچھا تھا۔

''اسے اس کے انجام تک پہنچادیا ہے۔''

ساری تفصیل سن کر اس کے چہرے کی رنگت سفید پڑگئی تھی اور وہ کافی تکلیف محسوس کرنے لگا تھا۔

''میں اسے ایسی دردناک زندگی فراہم کررہا تھا کہ اس نے تنگ آکر کل رات خودکشی کرلی۔''

وہ آگے سے کچھ نہیں بولا تھا کہ کچھ بولنے کو بچا ہی کب تھا۔

''زوئیلہ تو اپنے انجام کو پہنچی مگر یار ایس پی، آئندہ ذرا میرا خیال رکھنا میری مخبری کوان چھوٹی کلی بھیج دینا کہ میرا تجھ سے وعدہ ہے کہ تو جتنا زبردست آئٹم میری خدمت میں روانہ کرے گا اتنے ہی سیکرٹ میں اسے خود دوں گا کہ میری جان ایس پی، کہ تُو اور تیری پولیس فورس دن رات ایک کرکے بھی مجھے محض چند گھنٹے بھی حوالات میں بند نہیں کرسکتے۔'' وہ مکروہ عامیانہ انداز میں کہتا اسے ساکت چھوڑ کر نکلتا چلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

''میں ایان کو ہائر اسٹڈیز کے لئے ایبروڈ بھیج رہا ہوں۔'' ناشتہ کی ٹیبل پر انہوں نے ایک غیر متوقع بات کرڈالی تھی۔ سب ہی نے حیرانگی سے انہیں دیکھا تھا اور سب سے زیادہ متحیر وہ تھا جس کی زندگی کا فیصلہ ہوا تھا۔

''اتنی اچانک تم نے یہ کیسا فیصلہ لیا ہے؟'' سائرہ بیگم نے بیٹے سے پوچھا تھا۔

''فیصلہ اچانک ضرور لیا ہے مگر اس فیصلے کو لینے پر مجھے آپ کے پوتے نے مجبور کیا ہے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولے تھے۔

''یہ نہ یہاں ہوگا نہ ہی فضول ایکٹیویز میں پڑے گا۔'' انہوں نے ایک کاٹ دار نظر ابیان پر ڈالی تھی جبکہ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے یمنیٰ کو چائے بنانے کا اشارہ کیا تھا۔

''مجھے ایبروڈ نہیں جانا کہ آپ کو چاہے میری سرگرمیاں فضول لگتی ہیں، یہی میرا شوق ہے اور میں اسے خیر باد نہیں کہہ سکتا۔'' وہ حیرانگی سے نکلتا بے لچک لہجے میں بولا کیا تھا انہیں غصہ دلا گیا تھا۔

''موسیقی کو خیر باد نہیں کہہ سکتے تو ہمیں خیر باد کہہ دو۔'' سب کی نگاہیں بے یقینی سے ان پر اٹھی تھیں اور ساکت بیٹھیں نیناں شیرازی بھی گویا اس نئے فیصلے پر تڑپ اٹھی تھیں اور بے چینی سے انہیں دیکھنے لگی تھیں۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ارمان!'' ان کی بات کا مفہوم سمجھتے ہوئے یمنیٰ نے لب کشائی کی تھی۔

''وہی کہہ رہا ہوں جو آپ سب سمجھ رہے ہیں کہ ابیان کو میں ہرگز موسیقی کی فیلڈ میں رہنے کی اجازت نہیں دے سکتا اور اگر یہ اس پر قائم رہا تو اس کا اس گھر سے ہر ایک تعلق ختم، مجھے میرے گھر میں نافرمان اولاد نہیں چاہیے۔'' وہ سختی سے کہتے کرسی کھسکا کر اٹھ گئے تھے۔

''کیا ہو گیا ہے ارمان تمہیں، تم اتنی سی بات کے لیے اتنا بڑا قدم کیسے اٹھا سکتے ہو۔'' انہوں نے بیٹے کو ناگواری سے دیکھا تھا۔

''مجبور کر دیا ہے مجھے آپ کے پوتوں نے۔ باپ ہوں ان کا مگر کٹھ پتلی سمجھ لیا ہے ان لوگوں نے، جو چاہے فیصلہ کر لیتے ہیں۔ اتنا بڑا قدم اٹھا کر بھی نہ افسوس ہے نہ ملال، اور نہ ہی باپ کی رضا کا خیال ہے صرف اپنے شوق پورے کرنے ہیں تو کرو شوق پورے مگر یہاں سے جا کر، کہ یہاں رہنا ہے تو ایسے جیسے میں چاہوں کہ جو میرے فیصلے میری پسند کی لاج نہیں رکھ سکتا اس کی ذمہ داری کا بوجھ میں مزید نہیں اٹھاؤں گا۔''

ابیان کی حرکت نے انہیں بہت تکلیف پہنچائی تھی کہ ابران کے دیئے صدمے سے ہی وہ ابھر نہیں سکے تھے کہ یہ نئی آفت، وہ بالکل ہی ٹوٹ گئے تھے اسی لیے اسے باہر بھیج رہے تھے مگر اس کی ضد دیکھ کر وہ غصہ میں آ کر ایسا فیصلہ لے گئے تھے جو کبھی لے ہی نہیں سکتے تھے کہ اپنی اولاد کو خود سے پرایا دھن کہاں آسان ہوتا ہے۔

''تم فیصلہ کر لو، فیملی یا میوزک؟ کہ تم نے دونوں میں سے صرف ایک چیز منتخب کرنی ہے دوسری کوئی چوائس نہیں ہے تمہارے پاس۔'' وہ ماں سے کہتے یکدم بیٹے کی جانب مڑے تھے۔

''ڈیڈی! آپ اتنا بڑا فیصلہ کیسے لے سکتے ہیں؟'' وہ روہانسا ہو رہا تھا۔

''جب تم کسی کی بھی اجازت کے بغیر اتنا سب کچھ کر سکتے ہو تو پھر میں تو کچھ بھی نہیں کر رہا، فیصلے کا اختیار بھی میں نے تو تمہیں ہی دے دیا ہے وگرنہ چاہتا تو جھوٹ بولنے، دھوکہ دینے کی سزا کے طور پر تمہیں خود ہی گھر سے نکال دیتا۔'' وہ ہرگز دھیمے نہیں پڑے تھے۔

''ڈیڈی، آپ ایسا فیصلہ نہ لیں پلیز، میں اپنے کیے پر نادم ہوں، ممی نے تو مجھے معاف کر کے مجھے اس فیلڈ میں رہنے کی اجازت

بھی دے دی ہے اس لیے آپ بھی مجھے معاف کردیں۔ میں آئندہ آپ سب سے چھپا کر کوئی کام نہیں کروں گا۔'' وہ باپ کے سامنے آتا منت بھرے لہجے میں بولا تھا۔

''اپنی ماں کی تو تم رہنے ہی دو کہ اگر اس کے اختیار میں ہو تو آسمان سے تم لوگوں کے لیے تارے تک توڑ لائے، کھیلن کو چاند پکڑا دے مگر تمہاری صرف تمہاری خوشی کے لیے راضی ہوگئی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہی حماقت میں بھی کروں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولے تھے۔

''میں یہ فیلڈ بہ حیثیت باپ تمہارے لیے مناسب نہیں سمجھتا اس لیے اپنی عادت کے برخلاف تمہارے ساتھ اتنی سختی سے پیش آ رہا ہوں اس لیے تم ان جھنجھٹوں کو چھوڑ کر صرف اپنی پڑھائی کی جانب توجہ دو یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔'' وہ بیٹے کی اتری صورت دیکھ کر اتنی دیر میں اب قدرے نرمی سے ناصحانہ انداز میں بولے تھے۔

''ڈیڈی، صرف میری اس بات کو مان لیں آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔'' وہ عاجزی سے ملتجی ہوا تھا۔

''ابیان، ایک دفعہ ناں کہہ دیا تو اب میرا فیصلہ ہرگز بھی نہیں بدلے گا۔'' وہ سختی سے کہہ گئے تھے۔

''میں میوزک نہیں چھوڑ سکتا۔'' اب کے وہ بھی اٹل انداز میں بولا تھا۔

''تو یہ گھر چھوڑ دو۔'' اسی کے سے انداز میں بولے تھے۔

''آپ اگر مجھے گھر سے نکال دینا چاہتے ہیں تو صاف کہیے۔'' وہ قدرے ناراضگی وغصہ سے بولا تھا۔

''جو سمجھنا ہے سمجھ لو مگر اتنا یاد رکھنا کہ میں اپنے گھر میں ایک گوّیے کو کسی قیمت پر نہیں رکھوں گا۔'' ان کا انداز بے لچک قدرے ہٹ دھرمی لیے ہوئے تھا۔

''اور میں اس گھر کو تو چھوڑ سکتا ہوں لیکن میوزک نہیں چھوڑ سکتا۔'' وہ باپ کے سے انداز میں بولتا ان سب کی پریشانی بڑھا گیا تھا۔

ارمان شیرازی کو بیٹے کے فیصلے سے دھچکا پہنچا تھا کافی دیر بعد وہ بمشکل خود کو سنبھالتے اسے جانے کا کہہ گئے تھے اور وہ ابران اور دادی کے روکنے کے باوجود باہر کی جانب بڑھتا چلا گیا تھا۔

''ابیان۔'' کب سے خاموش تماشائی بنیں نیناں لرزتے لہجے میں جاتے ہوئے بیٹے کو آواز دے گئی تھی مگر وہ ٹھہرا تک نہیں بڑی تیزی سے وہاں سے نکل گیا تھا۔ اتنے لوگوں کی موجودگی میں وہاں موت کا سا سکوت چھا گیا تھا اور اس سکوت کو نیناں شیرازی کی سسکیاں چیرنے لگی تھیں۔

☆......☆......☆

''امی! اتنی بھی کیا جلدی ہے؟ کچھ سالوں تک تو آپ رخصتی کا نام بھی مت لیں۔'' اسے خود تو اعتراض نہ تھا مگر دشمنِ جاں کے تمام اعتراضات جانتا تھا اس لیے تغافل برتا تھا۔

''میری بیماری مجھے جلدی کرنے کو کہہ رہی ہے کہ میں اپنی زندگی میں تمہارے سر پر سہرا سجا دیکھنا چاہتی ہوں، خواہش ہے میری کہ مرنے سے پہلے اپنے پوتے پوتیوں کی شکل دیکھ لوں۔'' شہناز رنجیدگی سے کہہ رہی تھیں کہ وہ ہائی بلڈ پریشر اور شوگر کی مریضہ تھیں اور کچھ عرصے سے طبیعت تھی کہ سنبھلنے میں ہی نہیں آ رہی تھی اور وہ تو پہلے ہی کتنی بار شہباز پر شادی کے لیے زور ڈال چکی تھیں مگر وہ مانتا ہی نہ تھا اور جس طرح ان کی خواہش پوری ہوئی تھی اس کے بعد تو وہ یمانی کو جلد از جلد اپنے آنگن میں آباد دیکھنا چاہتی تھیں۔

''امی! آپ نے فضول میں اپنی بیماری کو ہوا بنایا ہوا ہے۔ اللہ کا کرم ہے آپ ٹھیک ہیں بالکل، پریشان نہ ہوا کریں۔'' وہ ماں کی بات پر جھینپ گیا تھا اور قدرے تاخیر سے دھیمے سے کہتا چلا گیا تھا۔

''اور میں ویسے بھی پہلے شانی کی شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے فرض سے سبکدوش ہو کر ہی میں اپنے بارے میں سوچوں گا۔'' اس نے نرمی سے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

''شادی کے ایک دو پرپوزل ہیں، تم خود ہی بات آگے بڑھانے نہیں دیتے اور اب کہہ رہے ہو کہ پہلے اس کا فرض ادا کرو گے۔'' وہ یکدم بیٹے پر خفا ہوئی تھیں۔

''شانی کو ایٹ لیسٹ گریجویشن کر لینے دیں اس کے بعد کچھ سوچیں گے۔'' وہ بہن کے شوق اور جنون کے ہاتھوں مجبور تھا ورنہ کب کا اس کے فرض سے ادا ہو جاتا۔

''جانتی ہوں میں، یہ سب تم سے شانی نے ہی کہا ہے مگر ہر معاملے میں تم دونوں بہن بھائیوں کی نہیں چلے گی میں ایک دو دن میں ارمان بھائی سے رخصتی کی بات کر لوں گی۔ تم خود کو اس سب کے لیے تیار کر لینا۔'' وہ قدرے ناراضگی سے کہہ گئی تھیں اور وہ آگے سے کچھ نہیں بولا تھا کہ انہوں نے اس کے بولنے کی گنجائش چھوڑی بھی نہیں تھی۔

☆......☆......☆

''خواہش۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' ایان کو دیکھ کر ہی نہیں رویحا بھی حیران رہ گئی تھی۔

''لیکن مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' وہ قدرے سختی و ناگواری سے بولتی اسے غصہ دلا گئی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کی مرمریں کلائی سختی سے اپنی گرفت میں لے لی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے ایان، ہاتھ چھوڑیں میرا۔''

آتے جاتے اسٹوڈنٹ کی اسے پرواہ نہیں تھی لیکن جیسے تھی وہ سرخ رنگت کے ساتھ ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے لگی تھی مگر اس کی گرفت میں بلا کی مضبوطی تھی۔

''مجھے خواہش سے کچھ بات کرنی ہے، یہ سیدھے طریقے سے میری بات سن لیتی تو مجھے اسے ساتھ نہ لے جانا پڑتا، جو بھی اسے لینے آئے اسے بتا دینا کہ خواہش کو میں لے گیا ہوں، کچھ دیر میں گھر ڈراپ کر دوں گا۔'' رویحا سے کہہ کر وہ اسے لیے آگے بڑھا تھا اور اس کے

احتجاج کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسے گاڑی میں دھکیل کر گھوم کر جا کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی اور بڑی تیزی سے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

''تم شرافت سے میری بات سن لیتیں تو مجھے اتنا تردّد نہ کرنا پڑتا۔'' مہارت سے ڈرائیو کرتے ہوئے بولا تھا۔

''اس سب کے لیے تم نے مجھے مجبور کیا ہے اس لیے اب رو کر نہ دکھاؤ مجھے۔'' وہ روتی ہوئی خواہش کو گھورتے ہوئے بولا تھا۔

''مجھے آپ کو رو کر دکھانا بھی نہیں ہے، آپ اسی وقت مجھے میرے گھر ڈراپ کر دیں ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔'' وہ غصہ سے بری طرح کھولتے ہوئے آنسو رگڑتے ہوئے بولی تھی اور وہ اس کو دیکھ کر غصہ کے باوجود مسکرا دیا تھا کہ وہ جتنا اپنے آنسو صاف کر رہی تھی اتنی ہی تیزی سے اس کے آنسو رخساروں کو تر کرتے جا رہے تھے کہ آج جس طرح وہ زبردستی اسے ساتھ لایا تھا اس کی حساس طبیعت پر گراں گزرا تھا کہ اس کی وجہ سے تو وہ آج کل پہلے ہی زود رنج ہو رہی تھی اور اب تو اس کے آنسو ہی نہیں رک رہے تھے۔

''میرے کسی عمل سے تمہیں تکلیف پہنچی ہے تو کہو نہ مجھ سے، یہ کیا کہ مجھے نظر انداز کیے جا رہی ہو۔ نہ کال ریسیو کر رہی ہو، نہ ملتی ہو، اب خود ہی بتاؤ میں یہ سب نہ کرتا تو پھر کیا کرتا؟'' اس کا رونا تکلیف دینے لگا تو آزردگی سے کہتا چلا گیا۔

''کچھ بھی نہ کرتے کہ جب میں آپ سے بات ہی نہیں کرنا چاہتی تو کیوں آپ زبردستی کر رہے ہیں۔'' بھیگے لہجے میں کہہ کر اسے غصہ سے دیکھا تھا جس نے گاڑی ہی روک دی تھی۔

''آپ مجھے فوراً میرے گھر چھوڑیں، مما پریشان ہو رہی ہوں گی۔'' وہ سوں سوں کرتی بولی تھی۔

''زندگی کے کسی موڑ پر بھی میں تمہیں کھونا تو دور اپنے درمیان فاصلے تک نہیں چاہتا اور تم ہو کہ ہمارے درمیان فاصلے پیدا کر رہی ہو۔'' اس کے رونے کی وجہ سے وہ اس پر صحیح طرح سے غصہ بھی نہیں ہو پا رہا تھا۔

''ہاں، ہر غلطی میری ہی ہوتی ہے آپ تو کچھ کرتے ہی نہیں، فاصلوں کی راہ ہموار کر کے، بے اعتبار کر کے بھی آپ کو زعم ہے کہ آپ فاصلے نہیں چاہتے۔'' وہ تلخی سے گہرا طنز کر گئی تھی۔

''کال تم ریسیو نہیں کر رہیں، مجھ سے ملنے سے تم گریزاں ہو اور کہتی ہو کہ فاصلے میں لا رہا ہوں؟ اور کب کیا میں نے تمہیں بے اعتبار؟'' وہ اس کے الزام پر تاسف سے بولا تھا۔

''آپ نے مجھ پر اعتبار کیا ہی کب ہے ایان؟ کہ اعتبار ہوتا تو اپنے شوق، اپنے دل کی بات مجھ سے کہتے، یوں دوسروں کے ذریعے آپ کے کارنامے اور شوق کی داستان سننے کو نہ ملتی۔'' وہ روتے ہوئے کہتی اس کی بولتی ہی بند کر گئی تھی کہ اس ایک وجہ سے اس سے کتنے ہی لوگ ناراض تھے اور وہ بھی اسی فہرست میں آ گئی تھی۔

''دو ماہ سے آپ نے مجھ سے کسی قسم کا رابطہ نہیں رکھا، ذرا فرصت ملی تو میں یاد آ گئی دو کالز اور ایک بار ملنے کی کوشش کرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ آپ فاصلوں سے گریزاں ہیں اور میں صرف فاصلے چاہتی ہوں تو ہاں، میں چاہتی ہوں کہ میں نے ایان شیرازی سے محبت کی تھی، پبلک پراپرٹی بن جانے والے پاپ اسٹار ایان سے میں کوئی تعلق بھی نہیں رکھنا چاہتی۔'' وہ روتے ہوئے صاف گوئی سے ذہن و دل

کی ہر بات کہتی اسے ہوا میں معلق کر گئی تھی۔

''میں اپنی غلطی مانتا ہوں، چاہے ممی کے ڈر سے یہ بات میں نے سب سے چھپائی لیکن تم سے کچھ نہ چھپاتا۔'' نہایت شرمندگی سے اپنی غلطی کا اعتراف کر رہا تھا۔

''آپ نے مجھ سے ہر بات پوشیدہ رکھ کر بتا دیا کہ آپ کی نگاہ میں میری کتنی اہمیت ہے۔'' وہ اس کی بات کے درمیان طنز سے بولی تھی۔

''بات کو غلط رخ مت دو خوشی۔'' نرمی سے کہہ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا مگر جسے وہ بری طرح جھٹک گئی تھی۔

''میں نہ صحیح، نہ غلط کوئی رخ نہیں دینا چاہتی۔ برائے مہربانی مجھے میرے گھر چھوڑ دیں یا میں خود سے چلی جاؤں؟'' نہایت تلخی سے کہتی اسے غصہ دلا گئی تھی۔

''میں نرمی سے پیش آ رہا ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم بدتمیزی کرنے لگو۔'' اس کا بڑی بے دردی سے ہاتھ جھٹکنا اسے ناگوار گزرا تھا اسی لیے وہ ہر مصلحت بالائے طاق رکھتا تیز لہجے میں بول رہا تھا۔

''اور میں نے تمہیں نہیں بتایا تو ایسی کوئی قیامت بھی نہیں آ گئی کہ تم سے محبت کی ہے، منکوحہ ہو تم میری، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں سانس بھی تم سے پوچھ کر لوں گا۔''

وہ اس کے سخت و تیز لہجے سے خائف ہوتی زارو قطار رو رہی تھی۔

''میں نے نہیں بتایا تو ایسی کوئی قیامت بھی نہیں آ گئی کہ گانا ہی گانے لگا ہوں، کون سا ڈکیتی کرنے لگا ہوں کہ ہر ایک کو ہی اعتراض ہو رہا ہے۔ یاد رکھنا خواہش کہ موسیقی میرا جنون ہے اور اسی جنون کے ہاتھوں آج در بدر ہوں، گھر چھوڑ سکتا ہوں تو تمہیں بھی چھوڑ سکتا ہوں کہ میرے شوق کو تم سب نے جنوں بنا دیا ہے اور اب میں کسی کے لیے بھی موسیقی نہیں چھوڑوں گا۔ تمہارے لیے بھی نہیں۔'' وہ اس کا بازو جکڑے اس کی گیلی آنکھوں میں جھانکتا کہہ رہا تھا۔ وہ اس کے تیوروں اور یکلخت ہو جانے والی اس کی سرخ آنکھوں سے ہراساں ہو گئی تھی اس لیے آگے سے کچھ بولنے کی ہمت ہی نہ ہوئی تھی۔ اس نے اس کا بازو آزاد کر کے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔

''یہ آپ مجھے کہاں لے آئے ہیں؟ مجھے گھر چھوڑ آئیں ایان۔'' وہ نئی جگہ دیکھ کر مزید سہم گئی تھی جبکہ وہ اسے مونس کے فلیٹ پر لے آیا تھا جہاں وہ گزرے ایک ہفتہ سے رہ رہا تھا۔

''میں تمہیں اپنے گھر لے آیا ہوں کہ تمہارا دماغ درست کرنے کے لیے یہ سب بہت ضروری ہے۔'' اسے اترنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود اترنے لگا تھا کہ وہ اس کا بازو جکڑ گئی تھی۔

''دماغ میرا نہیں آپ کا خراب ہو گیا ہے ایان، ایک کے بعد ایک غلطی کیے جا رہے ہیں۔'' ناراضگی و ناگواری سے بولی تھی۔

''ایسا ہے تو ایسا ہی سہی۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولا تھا۔

''میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔آپ مجھے گھر چھوڑ کر آئیں۔'' اس کے چہرے پر بکھری غیر معمولی سنجیدگی اس کے اوسان خطا کرنے لگی تو وہ روتے ہوئے ملتجی ہوگئی تھی۔

''تم نے چاہے ایان شیرازی سے محبت کی ہو اور میراثی بن جانے والے ایان شیرازی سے تمہیں کوئی دلچسپی نہ رہی ہو مگر مجھے تم سے کل بھی محبت تھی، آج بھی ہے اسی لیے میں تمہیں اپنے ساتھ لے آیا ہوں تا کہ تمہیں یہ جتلا سکوں، یہ سمجھا دوں کہ تم میری بیوی ہو، میں سنگر نہیں تھا تو بھی تم میری بیوی تھیں، اب میں سنگر بن گیا ہوں تب بھی تم میری بیوی ہو، تمہارے یہ کہہ دینے سے کہ تم تعلق نہیں رکھنا چاہتیں تعلق نہیں ٹوٹے گا کہ میں تعلق نہیں توڑنا چاہتا۔اور ہوگا وہی جو میں چاہتا ہوں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں بغور جھانکتا لفظ لفظ پر زور دے کر بول رہا تھا۔

''جب میں تعلق نہیں رکھنا چاہوں گی تو آپ مجھے مجبور نہیں کرسکیں گے۔اس لیے بہتر ہوگا کہ آپ بات کو طول نہ دیتے ہوئے مجھے میرے گھر چھوڑ آئیں کہ آپ مجھے زبردستی اپنے ساتھ میری مرضی کے بناء کہیں نہیں لے جاسکتے۔'' اسے صحیح معنوں میں آج ایان پر شدید غصہ آرہا تھا اور وہ اپنی فطرت کے برخلاف اس کے اظہار میں بھی نہ چوکی تھی مگر اس کا غصہ کرنا ایان کے غصہ کو ہوا دے گیا تھا۔

''میں تمہیں کہیں بھی لے جانے کا مکمل استحقاق رکھتا ہوں اور اسی حق کا استعمال کرتے ہوئے یہاں لایا ہوں۔'' اسے چیلنجنگ انداز میں دیکھا تھا۔

''ایان، فضول میں بات کو بڑھانے کی ضرورت نہیں ہے، گھر میں سب کتنا پریشان ہو رہے ہوں گے اور آپ تو اپنے جنون کے لیے مجھے چھوڑ سکتے ہیں تو پھر کیوں یہاں لے آئے ہیں؟ شوق کی خاطر حق چھوڑنے کو تیار ہیں تو پھر کس استحقاق کی بات کر رہے ہیں۔'' وہ اس کے تیوروں سے خائف دھیمے سے بول رہی تھی۔

''تو ٹھیک ہے ابھی اسی وقت فیصلہ کرلو کہ میرے ساتھ رہنا ہے یا نہیں۔'' اس کا انداز بے لچک تھا۔

''آپ مجھے گھر چھوڑ آئیں۔'' اس کے تیور اسے سہائے دے رہے تھے اس لیے دھیمے سے منمنائی تھی۔

''یہ یاد رکھنا خواہش کہ اگر آج تم مجھے چھوڑ گئیں تو میں تمہیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ دوں گا۔'' درشتگی سے کہہ کر گاڑی اسٹارٹ کی تھی وہ تو کانپ ہی اٹھی تھی۔

''ایان!'' وحشت سے محض اس کا نام لے کر رہ گئی تھی۔

''باقی سب کی طرح تم بھی میرے شوق کے آگے آرہی ہو جو کہ اب میری ضد بن گیا ہے اور جیسے سب نے مجھے چھوڑ دیا تو مجھے بھی اب کسی کی پرواہ نہیں ہے۔تمہیں بھی میں چھوڑ دوں گا۔بہت جلد تمہیں ڈائیورس پیپرز مل جائیں گے۔'' وہ انتہائی ریش ڈرائیونگ کے درمیان کہہ رہا تھا۔

''میں آپ کو نہیں چھوڑنا چاہتی، میں تو بس یہ کہہ رہی تھی کہ آپ میوزک چھوڑ دیں کہ......''

''میں میوزک نہیں چھوڑ سکتا۔'' اس کی بات کاٹ کر کہا تھا اور گاڑی مصطفیٰ ہاؤس کے سامنے روک دی تھی۔

''میں صرف بیس منٹ تمہارا انتظار کروں گا اور اس کے بعد سمجھنا ہمارے راستے جدا ہو گئے۔'' اس کے سمجھنے سے پہلے وہ گاڑی سے اترا اور اسے باہر کھینچ لیا اور اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے الٹی میٹم جاری کیا اور اس کا بازو آزاد کرتے ہوئے گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا جبکہ وہ ساکت سی کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔

''انیس منٹ رہ گئے ہیں خواہش ایبان شیرازی، اور تم مجھے جانتی ہو جو کہہ دیتا ہوں وہ کر کے رہتا ہوں چاہے اس میں میرا کتنا ہی ناقابل تلافی نقصان ہی کیوں نہ ہو جائے اس لیے جلدی فیصلہ لو، چاہو تو اندر جا کر اپنے گھر والوں سے اجازت لے آؤ کہ آج اگر یہ بیس منٹ گزر گئے تو تم بھی رہو گی اور میں بھی، دلوں کا تعلق بھی رہے گا لیکن ہمارا رشتہ نہیں رہے گا۔ میں ضد و غصہ میں ہر رشتے کو زندگی کو ہی آگ لگا دوں گا۔'' اس کے خوبصورت چہرے سے وحشت ٹپک رہی تھی اور اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے وہ دھیرے دھیرے باقاعدہ کانپ رہی تھی کہ اندر سے نکلتے سالار مصطفیٰ کو دیکھ کر وہ تیر کی تیزی سے ان کی جانب لپکی تھی۔

''پاپا! ایبان مجھے طلاق دے رہے ہیں۔'' وہ ان کے سینے سے لگی بلکتے ہوئے کہتی ان کے قدموں تلے سے زمین کھینچ لے گئی تھی۔ انہوں نے بہت تڑپ کر گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑے ایبان کو دیکھا تھا۔

''یہ کیا بکواس ہے خوشی۔'' انہوں نے بیٹی کو خود سے الگ کر کے باقاعدہ ناگواری سے اسے ڈپٹا تھا۔

''پاپا، یہ بکواس نہیں ہے۔ ایبان نے کہا ہے کہ آج اگر میں ان کے ساتھ نہیں گئی تو وہ مجھے طلاق دے دیں گے۔ ایسا ہوا نا پاپا تو میں مر جاؤں گی۔'' وہ بری طرح سسک رہی تھی اور انہوں نے آگے بڑھ کر جارحانہ انداز میں اس کا گریبان اپنی مٹھی میں جکڑا تھا اور گھر کے اندر دھکیل دیا تھا۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا، کچھ کہہ نہیں رہے تو اس کا کیا مطلب ہے کہ تم یوں اپنی من مانیوں پر اتر آؤ گے۔'' وہ اسے کھینچتے ہوئے گھر کے اندرونی حصے میں چلے آئے تھے اور اس نے کسی قسم کی مزاحمت تک نہیں کی تھی اور وہ باپ کے تیوروں سے سہمتی ان کے پیچھے ہی آئی تھی۔ وہ سب انہیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے تھے کہ اس وقت لاؤنج میں سالار مصطفیٰ کی والدہ اور ایبان کے پیرنٹس بھی موجود تھے جبکہ خواہش کی مما کچن سے نکل کر ابھی ابھی اس طرف آئی تھیں کہ جب رویحا نے ایبان کی حرکت کا بتایا تھا تو وہ پریشانی سے مصطفیٰ ہاؤس آ گئے تھے کہ ایبان کال ریسیو نہیں کر رہا تھا اور یہی حال خواہش کا تھا۔ وہ تو مصطفیٰ ہاؤس آنے کے بعد پتہ چلا تھا کہ آج خواہش موبائل گھر پر ہی بھول گئی تھی۔ خواہش ماں سے لپٹ گئی تھی وہ سب حیرانگی سے کھڑے تھے۔

''خواہش صرف دس منٹ رہ گئے ہیں۔'' وہ ماموں سے کچھ کہنے کے بجائے، ان کے غصہ سے خائف ہوئے بغیر بلکتی ہوئی خواہش کو وقت کی نزاکت کا احساس دلا رہا تھا جبکہ خود اس کے احساسات سے لگتا تھا کہ فی الوقت مردہ ہو گئے تھے۔

''تڑاخ! کوئی فضول بکواس کی تو میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔'' سالار مصطفیٰ غصہ سے بے قابو ہوتے اس پر ہاتھ اٹھا گئے تھے۔

''آپ مجھے بے شک جان سے مار دیں کہ میں زندہ رہا تو وہی کروں گا جو کرنا چاہتا ہوں، جو کرنے کی ٹھان لی ہے۔'' وہ بڑے تحمل سے بولا تھا۔

''کیا ٹھان لی ہے تم نے، بولو جواب دو۔'' نیناں شیرازی اس کے سامنے آ گئی تھیں۔

''آپ اپنی بہو سے پوچھ سکتی ہیں۔'' وہ کہہ کر آخری تین منٹ رہ جانے کا بتاتا نکلتا چلا گیا تھا اور وہ اس کے پیچھے لپکی تھی کہ سالار مصطفیٰ اس کو بازو سے پکڑ کر ایبان کے پیچھے جانے سے روک گئے تھے۔

''پاپا، پلیز مجھے جانے دیں ورنہ ایبان مجھے سچ میں ڈائیورس دے دیں گے۔'' وہ بری طرح بلک رہی تھی، تڑپ رہی تھی اور اس کی بات سن کر وہ سب بھی تڑپ اٹھے تھے۔

''وہ ایسا نہیں کرے گا، اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے، تم اس کی باتوں میں نہیں آؤ گی۔'' وہ اس کو بلکتے دیکھ کر خود بڑی مشکل سے قابو رکھے ہوئے تھے۔

''پاپا، وہ ایسا کر گزریں گے، پلیز مجھے جانے دیں کہ انہوں نے اپنے کہے پر عمل کر دیا تو میں مر جاؤں گی۔ میں ایبان کے بغیر مر جاؤں گی پاپا۔'' وہ بے تحاشہ تکلیف میں تھی انہوں نے اس کا بازو آزاد کر دیا تھا۔ وہ اندھا دھند کسی کو بھی دیکھے بغیر باہر کی جانب دوڑی تھی۔

''ایبان۔'' اس نے گاڑی سے ٹیک لگائے گھڑی کی سوئیوں پر نگاہ جمائے ایبان کو تمام تر شدتوں سے پکارا تھا۔ اس کی پکار کے دوسرے سیکنڈ بیس منٹ پورے ہو گئے تھے۔ اس نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ اس کا خوبصورت چہرہ انجانے خوف سے زرد ہو رہا تھا اور آنکھوں میں نمی کے ساتھ گھلی وحشت، اس کے دل کو کچھ ہونے لگا تھا مگر دل کی سننے والے ایبان نے دل کی نہ سنی اور گاڑی میں بیٹھ گیا اور اس کے لیے فرنٹ ڈور اوپن کر دیا اور وہ اس کی تقلید میں گاڑی میں بیٹھ گئی۔ ان میں سے کوئی بھی سالار مصطفیٰ کے روکنے کے سبب ان کے پیچھے نہیں آیا تھا۔

''بات تو ساری میں بھی نہیں جانتا۔ بس اتنا علم ہے کہ ایبان نے خوشی سے کہا تھا کہ آج اگر وہ اس کے ساتھ نہیں گئی تو وہ اسے طلاق دے دے گا۔'' باپ کے پوچھنے پر وہ دلگرفتگی سے کہہ گئے تھے۔

''میں خوشی سے روک لیتا لیکن اس کی خوشی کے لیے میں نے چپ سادھ لی مگر یاد رکھنا ارمان اور تم نیناں کہ اگر میری بیٹی کو کچھ ہوا تو میں ایبان کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے وہاں سے نکلتے چلے گئے تھے۔

نیناں شیرازی کو اپنے حواس گم ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔ ان میں فی الوقت اتنا بھی حوصلہ نہ تھا کہ وہ آگے بڑھ کر بہت روتی ہوئیں رابعہ کو تسلی ہی دے دیتیں۔

''رابی! حوصلہ کرو، بالکل پریشان نہ ہو کہ ایبان غصہ وضد میں ضرور ہے لیکن خوشی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا کہ اس سے بے حد محبت کرتا ہے۔'' ارمان شیرازی نے خود کو کمپوزڈ کر کے بلکتی ہوئی بہن کو خود سے لگا کر نرمی سے تسلی دی تھی۔

''غصہ وضد میں اکثر انہی کا نقصان کر بیٹھتے ہیں جن سے ہم محبت کرتے ہیں۔میں جانتی ہوں بھروسہ ہے مجھے ایان پر، لیکن اس نے آج بہت غلط کیا ہے۔اس نے ضد وغصہ میں اپنی محبت کو تکلیف سے دوچار کر دیا ہے۔'' رابعہ روتے ہوئے گہری سنجیدگی سے بولی تھیں۔وہ اس وقت صرف بیٹی کے لیے نہیں ایان کے لیے بھی پریشان تھیں کہ وہ لوگ آپس میں اتنی ہی مضبوطی سے جڑے ہوئے تھے تب ہی ایان کی اتنی نازیبا حرکت پر بھی اس کے والدین کو یا اسے برا بھلا کہنے کے بجائے بیٹی کے ساتھ ساتھ اس کے لیے بھی فکر مند تھیں۔

''بھیا! وہ غصہ وضد میں آکر مزید غلطیاں کرے اس سے قبل ہی اسے واپس بلالیں۔'' انہوں نے گویا التجا سی کی تھی انہوں نے یکدم ہی ہونٹ بھینچ لیے تھے کہ انہوں نے تو صرف اسے اس کے شوق سے باز رکھنے کو دھمکی لگائی تھی مگر جسے وہ سچ مان کر گھر ہی چھوڑ گیا تھا اور اس نے نہ ماں، نہ دادی کی فون کال کو اہمیت دی تھی اور نہ ہی سالار مصطفیٰ اور ابران کے لانے کی کسی کوشش پر نرم پڑا تھا اور محض ایک ہفتہ بعد ہی آج نیا کارنامہ سرانجام دے گیا تھا۔

''میں ایان کو جانتی ہوں بھیا، وہ بہت کم ضد کرتا ہے مگر ضد میں اکثر غلط فیصلے ہی لے لیتا ہے۔آپ اسے اس کی ہر بدتمیزی کے لیے معاف کر کے صرف ایک فون کر کے کہہ دیں کہ وہ گھر آجائے کہ جوان اولاد کا یوں گھر سے باہر ہی رہنا بھی تو اچھا نہیں ہے۔'' وہ انہیں منانے کی یہ دوسری بار کوشش کر رہی تھی کہ یہی کوشش انہوں نے ہی نہیں سالار مصطفیٰ نے بھی اسی وقت بھی کی تھی جب انہیں پتہ چلا تھا کہ ایان نیناں ولاز چھوڑ گیا ہے۔

''کچھ عرصے آپ خاموش رہیں گے تو خود اسے احساس ہو جائے گا کہ اس نے آپ کو ناراض کر کے غلط فیصلہ کیا ہے کہ ویسے بھی جب کچھ سالوں میں تعلیم مکمل کر کے وہ آفس جوائن کرے گا تو میوزک کا شوق بس شوق ہی بنا رہ جائے گا کہ ویسے بھی پاکستان میں پاپ موسیقی کا رواج ختم ہوتا جا رہا ہے وہ زوال کی جانب رواں فیلڈ میں کب تک خود کو کھپائے گا؟ وہ یہی سوچ رہا ہے یہ سب مگر ہم تو بہت آگے تک سوچ کر درست فیصلے لے سکتے ہیں۔'' وہ بہت سمجھ داری سے ہر بات جو سوچ چکی تھیں ان کے گوش گزار کر رہی تھیں اور وہ مستقل خاموش گہری سوچ میں تھے۔

''میں اگر آپ کی جگہ ہوتی تو صرف ایان کے بہتر مستقبل کے خیال سے اس کی ہر خطا معاف کر کے اسے واپس آجانے کا کہہ دیتی۔'' ان کی خاموشی بری طرح کھل رہی تھی مگر انہوں نے بھی گویا ہمت نہ ہارنے کا فیصلہ ہی کر لیا تھا۔

''صرف تم سب کے لیے خاص خوشی کے مان اور عزت کے لیے میں آج ہی ایان سے کہہ دوں گا کہ وہ لوٹ آئے اور جو فیلڈ اپنانا چاہے اپنا لے۔'' انہیں گوناگوں سکون کا احساس ہوا تھا۔

''مگر تم سب یاد رکھنا کہ میں یہ فیصلہ قائل ہونے کے بعد یا ایان کے لیے نہیں لے رہا کہ میں ابھی صرف خوشی کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔تم مجھے یہ سب نہ کہتیں تو بھی میں نے یہی کرنا تھا کہ میں انا وغصہ میں سزا کے طور پر بیٹے کو تو در بدر کر سکتا ہوں، بیٹی کو نہیں، یہ سمجھ لینا کہ میں ایان شیرازی کو نہیں خواہش کے شوہر کو واپس بلا رہا ہوں۔'' وہ بھی اپنی ضد وانا کے پکے تھے، ٹوٹ جانا گوارہ کر لیتے تھے مگر جھکنا نہیں۔

''تم ماضی میں کی غلطی کو نہ دہرانا بیٹا۔'' خاموش تماشائی بنیں فاطمہ مصطفیٰ دھیمے سے بولی تھیں۔

''میں نے ماضی میں بھی غلطی نہیں کی تھی نہ اب کر رہا ہوں، جو اس وقت مناسب سمجھا تھا کیا وہی اب کروں گا کہ میں سزا صرف سزاوار کو دیتا ہوں، ابران اور یمانی کے قصے میں ابران سزاوار تھا اسے ہی سزا ملی تھی آج ابیان غلطی پر ہے تو سزا بھی اسے ہی ملے گی۔ اس کی غلطی کی سزا میں ہرگز بھی خوشی کو میں شامل نہیں ہونے دوں گا۔'' وہ اپنے مخصوص سنجیدہ انداز میں کہتے چلے گئے تھے۔

''اور آپ لوگ رخصتی کا انتظام کر لیں کہ اب اس سب میں تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔'' وہ آخری فیصلہ صادر کرتے نکلتے چلے گئے تھے اور جس وقت گھر پہنچے تھے ان کی حیرانگی کی کوئی انتہا نہیں رہی تھی کہ گیراج میں ابیان کی گاڑی کھڑی تھی اور وہ دونوں حیران سے لاؤنج میں آئے تھے حیرانگی وہاں کے منظر کو دیکھ سوا ہوگئی تھی کہ صوفے پر سائرہ بیگم بیٹھی تھیں اور ان کے قدموں میں کان پکڑے ابیان بیٹھا تھا جبکہ یمنیٰ کے گلے لگی بہت روتی ہوئی خواہش کو دیکھ کر ان لوگوں کو گونا گوں سکون کا سا احساس ہوا تھا۔ قدموں کی آواز پر اس نے گردن موڑی تھی اور اٹھ کر باپ تک پہنچا تھا۔

''آئی ایم سوری ڈیڈی۔'' وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ شرمندہ سا کان پکڑے معذرت کر رہا تھا۔ ان کا غصہ، تمام انا اس کی آنکھوں میں در آتی نمی کے ساتھ تیرتی شرمندگی پر جا سوئی تھی کہ ان کے بیٹے نے خود ہی واپس آ کر ان کا مان رکھ لیا تھا۔ وہ سکون محسوس کرنے لگے تھے اور ابیان ان کی چھاتی سے لگ گیا تھا۔

''مجھے میری ہر بدتمیزی کے لیے معاف کر دیں ڈیڈی۔'' وہ ان کے سینے سے لگا رو رہا تھا۔ انہوں نے اس کی پشت پر بازو شفقت سے حائل کر دیئے تھے مگر کچھ کہتے کہ خواہش بول پڑی تھی۔

''ماما، آپ ابیان کو معاف نہیں کریں گے۔'' اس کی آواز بہت بھاری ہو رہی تھی انہوں نے بیٹے کو خود سے الگ کر کے روتی ہوئی خواہش کو شفقت سے اپنے کاندھے سے لگا لیا تھا۔

''ابیان نے مجھے بہت تنگ کیا، مجھے بہت تکلیف دی، یہ مجھے اتنی آسانی سے طلاق دینے کی بات تک کر گئے۔ ابیان بہت برے ہیں ماما، آپ انہیں معاف نہیں کریں گے۔'' وہ سسک رہی تھی کہ وہ جب مصطفیٰ ہاؤس سے نکلی بے حد ہراساں تھی مگر اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ جب وہ روتے روتے گاڑی رکنے پر گھٹنوں سے سر اٹھائے گی تو وہ نیناں ولاز میں ہوگی اور اس کی حیران نظروں کو دیکھ کر وہ اتنی دیر میں پہلی دفعہ غصہ وضد سے نکل کر دھیمے سے مسکرا کر بولا تھا۔

''گھر والوں کو چھوڑ کر خوش نہیں تھا، ممی اور ڈیڈی کو اس ایک ہفتہ میں بہت زیادہ مس کیا اور تمہیں چھوڑ دیتا تو مر ہی جاتا۔'' وہ اسے خالی خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''تم سب کے لیے، تم سب کی خوشی کے لیے تو جینا چھوڑ سکتا ہوں، ایک جنون، ایک شوق تو پھر کچھ معنی ہی نہیں رکھتا، میرے لیے تم میرے ہر جنون سے بڑھ کر ہو خوشی۔ اور سچ کہوں نہ آج جو کیا انجانے میں نہ جانے سب کیسے کر گیا۔ تمہیں اپنی خوشی کو اس قدر تکلیف

دے دی میں نے، مگر یقین کرو جو ہوا انجانے میں جنوں کے ہاتھوں ہوا مگر آج تم میرے ساتھ نہ آتیں تو پھر شاید سب کچھ ختم ہو جاتا۔ میرے پاگل پن میں ساتھ دے کر تم نے تو مجھے خرید ہی لیا ہے خوشی۔'' وہ یکدم اسے خود سے لگا گیا تھا اور وہ بھی اس کے سینے پر سر ٹکائے بلکنے لگی تھی۔

''اور تمہاری خوشی، تمہارے مان واحترام کے لیے آج میں اپنی ہر ضد، ہر شوق سے دستبردار ہوتا ہوں کہ جب تم نتیجہ کی پرواہ کیے بغیر میرے فیصلے پر چل کر مجھ تک آ سکتی ہو تو میں تمہارے لیے، تم تک، تمہارے دل تک جانے کے لیے ہر اس کام کو بخوشی چھوڑ سکتا ہوں، جو تمہیں نہیں پسند۔'' وہ جذبوں سے چور لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''اور تم اس گھر کی بہو ہو، میں خود کہیں بھی رہ سکتا ہوں، اپنی بیوی کو کہیں بھی نہیں رکھ سکتا اس لیے اس گھر کی بہو کو اپنی بیوی کو اس کے اصل مقام تک لے آیا ہوں، آؤ اندر چلتے ہیں کہ ابھی گھر والوں سے، ڈیڈی سے، بوا اور ماموں جان سے بھی معافی مانگنی ہے میں نے سب کو بہت ہرٹ کیا ہے۔'' وہ لب کچلتی اس سے فاصلے پر ہوئی تھی اور وہ مسکرا کر اسے اندر لے گیا تھا اور جہاں سائرہ بیگم اور یمنیٰ ایان کو دیکھ کر حیران ہوئی تھیں روتی ہوئی خواہش انہیں پریشان بھی کر گئی تھی۔

''معافی تو اس گدھے کو واقعی نہیں ملے گی کہ اس نے ایک ہفتہ سے ہم سب کو تو پریشان کیا ہی ہماری خوشی کی آنکھوں میں آنسو بھی لے آیا ہے۔'' وہ نرمی سے شرارت سے بولے تھے اور وہ ان کی شرارت سمجھے بنا زور وشور سے اس کی شکایتیں لگانے لگی تھیں۔

''میں سالار بھیا کو فون کرتی ہوں اسے تو سزا وہی دیں گے کہ غنڈہ گردی بھی تو اس نے انہی کے گھر دکھائی تھی۔''

ایان کی از خود واپسی ان سب کی پریشانی زائل کرتی انہیں سکون دے گئی تھی اس لیے نیناں بھی قدرے نرم سی شرارت سے بولی تھیں۔

''میں خوشی سے معافی مانگ چکا ہوں۔ یہ کہے گی تو سب کے سامنے بھی ویسے ہی معافی مانگ لوں گا۔''

سب سے معافی مانگنے کے بعد اس نے خواہش کو دیکھا تھا جو اس کا اشارہ سمجھ کر جھینپ گئی تھی اور وہ مسکرا دیا تھا۔

☆......☆......☆

''ممی، پلیز مجھے شہباز سے شادی نہیں کرنی ہے۔'' شہناز نے اپنی بیماری کو مدنظر رکھتے ہوئے جلد ہی رخصتی کی بات کر دی تھی اور جیسے ہی رخصتی کی بات اس کے کانوں تک پہنچی تھی اسے زمین اپنے پیروں تلے سے نکلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی اور وہ کانپتے دل سے ماں کے سامنے ملتجی ہو گئی تھی۔ یمنیٰ نے بیٹی کی پھیکی رنگت دیکھی تھی اور دل مضبوط کرتے ہوئے بولی تھیں۔

''نکاح ہو گیا ہے اب اقرار اور انکار کی کوئی گنجائش ہی نہیں بچی، اس لیے اس سب کو قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کر لو۔''

بیٹی کے لیے چاہے کتنی ہی دکھی تھیں مگر جب بولی تھیں تو لہجے میں دکھ کی پرچھائی تک نہ تھی کہ خود کمزور پڑ جاتیں تو بیٹی کو کیسے سنبھالتیں۔

''میں نہیں مانتی اس نکاح کو۔'' وہ سسکی تھی۔

''یمانی۔'' ان کے لہجے میں کمزور سا احتجاج تھا۔

''آپ جانتی تھیں کہ میں ابران سے محبت کرتی ہوں، ان کے بغیر نہیں رہ سکتی تو پھر کیوں آپ نے اور ڈیڈی نے مجھے نکاح نامے پر دستخط کرنے کے لیے مجبور کر دیا۔'' اس کے رونے میں شدت آتی جا رہی تھی۔

''ابران نہیں کرتا تم سے محبت، نہیں کرنا چاہتا تھا وہ تم سے شادی، اس لیے ہمیں ایسا کرنا پڑا۔'' وہ کڑے ضبط سے گزر رہی تھیں۔ سرخ آنکھیں و چہرہ ان کے ضبط کا مظہر تھا۔

''ابران کیوں نہیں کرتے مجھ سے محبت؟ کیوں وہ مجھے بچپن سے نفرت سے دھتکارتے آئے ہیں؟'' وہ بالکل ہی بکھر گئی تھی۔ بیٹی کی حالت پر ان کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''اور ان کی نفرت کے باوجود مجھے کیوں ابران سے محبت ہو گئی؟ میں کیوں ان سے ان ہی کی مانند نفرت نہیں کر پائی۔''

وہ ایک ایسا سوال کر رہی تھی جس کا جواب کسی کے پاس نہ تھا کہ نفرت ہو یا محبت کب کس سے اور کیوں ہو جاتی ہے یہ کوئی جان ہی نہیں سکتا۔

''ابران کو بھولنا تمہارے لیے چاہے کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو، تمہیں ابران کو بھولنا ہی ہوگا کہ اب تم شہباز کی بیوی ہو۔'' کچھ دیر بعد جب اس کے رونے میں کمی آئی تھی تو وہ اس کا ہاتھ تھام کر بھیگے مگر مضبوط لہجے میں بولی تھیں۔ اس نے ماں کو سخت احتجاجی نگاہوں سے دیکھا تھا۔

''ابران تمہارا نصیب نہیں ہے اس لیے رونا دھونا چھوڑ کر حقیقت کو تسلیم کر لو کہ ہم تمہاری رخصتی کی تاریخ دے رہے ہیں۔'' وہ اس کے احتجاج کو خاطر میں لائے بغیر اب کے قدرے سختی سے بولی تھیں۔ ''یہ یاد رکھنا یمانی کہ انسان کو صرف وہی ملتا ہے جو اس کے مقدر میں ہوتا ہے اور یہ حقیقت جتنی جلدی سمجھ لو گی اتنی ہی جلد پرسکون ہو جاؤ گی ورنہ یونہی تڑپتی رہو گی اور میں اپنی بیٹی کو ایک خوشگوار زندگی گزارتے دیکھنا چاہتی ہوں۔'' وہ اب اسے نرمی سے سمجھا رہی تھی اور اس کے رونے میں بدستور اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

''ممی، میں ابران کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' وہ ان کے کاندھے سے لگی سسکی تھی۔

''اپنا دل اور ظرف بڑا کر کے معاف کرنا سیکھو اور پلیز کبھی ابران کو بددعا نہ دینا کہ وہ اس گھر کا بڑا بیٹا ہے، اس کی خوشی سے بہت سے لوگوں کی خوشیاں ہی نہیں پوری زندگی وابستہ ہے اس لیے قسمت کا لکھا سمجھ کر سب کچھ فراموش کر دو اور سچے دل سے ابران کو معاف کر کے اپنی نئی زندگی کا آغاز کرو۔'' وہ نہایت نرمی سے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بیٹی کو سمجھا رہی تھیں۔

''میں اس شخص کو بددعا دے ہی نہیں سکتی ممی، جو میری پہلی چاہت ہے، جو ہمیشہ میری دعاؤں کا سب سے اول حصہ رہا ہے اور جسے برسوں چاہا، جسے برسوں دعاؤں میں مانگا وہ بچھڑا ہے تو اسے بھول پانا ہی میرے اختیار میں نہیں اور جب اسے بھول نہیں سکتی تو اس کی جگہ کسی اور کو کیسے دے سکتی ہوں؟ کہ میں نے صرف ابران کا بننا چاہا تھا مگر میری چاہت، میری خواہش ادھوری رہ گئی ہے، میری زندگی میں

خلاء آ گیا ہے جسے بھرا نہیں جاسکتا۔'' وہ ماں سے کچھ نہیں بولی تھی دل کی آواز دل میں ہی دبی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

''ہیپی برتھ ڈے ممی کی جان۔'' وہ بے خبر سو رہا تھا کہ اپنی پیشانی پر آشنا سے لمس کو محسوس کر کے اس نے آنکھیں کھولی تھیں اور وہ ماں کو دیکھ کر نرمی سے مسکرایا تھا اور اس کے اٹھ کر بیٹھتے ہی انہوں نے بہت پیار سے اسے وش کیا تھا اور ان کے پیچھے ہی باقی سب بھی باری باری اسے وش کرنے لگے تھے۔ سب کے گفٹس اس نے اپنے پاس بیڈ پر ہی ڈھیر کر لئے تھے اور ماں کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا۔

''ممی، میرا گفٹ۔'' وہ اس کے سوال ان دیکھے کر گئیں تو اس نے آنکھوں کے سوال لبوں سے ادا کر دیئے تب انہوں نے مسکرا کر شاندار سا بلیک تھری پیس سوٹ اس کی جانب بڑھایا تھا۔

''یہ ہے تمہارا گفٹ۔'' وہ نرمی سے مسکرائی تھیں۔

''ممی، کیا آج ابران بھیا کا ولیمہ ہے۔'' ایان شیرازی شرارت سے ہنسا تھا جبکہ الجھ تو وہ بھی گیا تھا کہ وہ اسے ہمیشہ پین، کوئی کتاب یا کوئی ٹوائے ہی گفٹ کرتی تھیں۔

''میرے بیٹے کے ولیمے کا سوٹ اس سے بھی شاندار ہوگا۔ یہ تو میں نے اسے آج اس لئے گفٹ کیا ہے کہ آج میرے ابر کا آفس میں فرسٹ ڈے ہے۔'' وہ ایان کو مصنوعی خفگی سے کہتیں حیران سے کھڑے ابران کو دیکھنے لگی تھیں۔

''تھینکس ممی۔'' وہ دھیمے سے شائستگی کے ساتھ مسکرایا تھا اور جس پل وہ بلیک تھری پیس پہنے ڈائننگ ہال میں پہنچا تھا ان سب کی نگاہوں میں واضح ستائش ابھر آئی تھی کہ سرخ وجیہہ اور تیکھے نین نقش والا ابران آج ہر دن سے بڑھ کر خوبرو لگ رہا تھا کہ اس نے لائف میں فرسٹ ٹائم یہ لباس پہنا تھا اور اس پر اتنا جچ رہا تھا کہ نیناں شیرازی نے بے اختیار نگاہ اس کے حسین چہرے سے ہٹائی تھی اور دل ہی دل میں ماشاءاللہ کہا تھا۔

''واؤ برو، پرنس چارمنگ لگ رہے ہیں۔'' ایان نے سیٹی بجا کر اسے شرارت بھرے انداز میں سراہا تھا اور وہ سب کی نظروں میں ستائش دیکھ کر جھینپ گیا تھا۔

''آج تو ڈیڈی آپ کے آفس کی تمام حسین دوشیزائیں ابران شیرازی کو دیکھ کر مر ہی مٹیں گی اور ان کی انگلیاں یوسف ثانی کو دیکھ کر کھٹا کھٹ کی بورڈ پر چلیں گی۔'' ایان اپنے مخصوص غیر سنجیدہ انداز میں شروع تھا۔

''بکو مت۔'' بیٹے کا بے حد سرخ چہرہ دیکھ کر ارمان شیرازی نے چھوٹے بیٹے کے کاندھے پر ایک دھپ رسید کی تھی مگر وہ کہاں باز آیا تھا اس کی گل افشانیاں عروج پر تھیں۔

''چپ کر کے بیٹھو اور ہمارے پوتے کو نظر نہ لگاؤ۔'' وہ جھینپا جھینپا سا دادی کے سامنے جھکا تھا اور انہوں نے اس کی پیشانی چوم کر اسے دعائیں دی تھیں اور بلائیں لیتے ہوئے ایان کو گھر کا تھا۔

''ڈانٹ لیں آپ بھی مجھے ہی، کہ آج تو ممی کے لاڈلے پرنس چارمنگ کا دن ہے۔'' وہ شوخی سے مسکرایا تھا اور ابران کے بیٹھتے ہی خود بھی بیٹھ گیا تھا۔

''ابر، نو سے ایک تم آفس میں رہو گے۔'' اسے ناشتہ سرو کرنے کے بعد وہ دھیمے سے بولی تھیں۔

''اپنا آفس دیکھ لینا کچھ نہ پسند آئے تو بتا دینا میں چینج کروا دوں گا۔'' انہوں نے کھلے دل سے آفر کی تھی۔

''آپ کی پسند ناپسند آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' اس نے نرمی سے کہہ کر باپ کا مان بڑھا دیا تھا کہ جب سے ان دونوں کے تعلقات کی سرد مہری ختم ہوئی تھی سب کچھ بہت اچھا اور خوشگوار ہو گیا تھا، بدتمیزی تو وہ پہلے بھی نہیں کرتا تھا اب فرمانبرداری کا مگر اپنا ہی انداز تھا اس کا مان بڑھاتا لہجہ ان کی برسوں کی تکلیف پر پھوار کا سا کام کرتا تھا وہ اس وقت بھی آسودگی سے مسکرا دیئے تھے۔

''ناٹ فیئر، ابران بھیا۔ آپ کی یہی فرمانبرداری میرا گریڈ کم کر دیتی ہے۔'' ابیان مصنوعی ناراضگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''والدین اور بزرگوں کی نافرمانی اور اپنی من مانی کی عادت انسان کو بہت خوار کرتی ہے اس لئے اپنی نہیں والدین کی خوشی کی راہ پر چلنا چاہیے کہ اسی راستے پر چل کر ہم جنت تک پہنچ سکتے ہیں۔'' وہ یکدم بہت سنجیدہ ہوتا شائستگی سے کہہ رہا تھا۔

''میں اپنی من مانیاں کر کے بہت خوار ہو چکا اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں اس راہ پر چلوں گا جو میرے والدین کی خوشی اور میرے اطمینان کا باعث ہو۔'' اس کی آنکھوں میں نمی سی تیرنے لگی تھی۔

''ہم اپنی اولاد سے ہی نہیں، اس کے ہر قدم سے بھی مطمئن ہیں کہ ماضی اس لیے نہیں ہوتا کہ اس میں زندہ رہا جائے بلکہ اس لیے ہوتا ہے کہ اس سے سبق حاصل کیا جائے۔ جیسے تم نے کیا اور ہم کر رہے ہیں۔'' انہوں نے اپنی کرسی چھوڑی اور اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ اٹھا اور ان کے سینے میں سما گیا۔

''آئی لو یو ڈیڈی۔'' وہ بھیگے لہجے میں بولا تھا اور یمانی ڈائننگ ہال کے باہر سے ہی پلٹ گئی تھی کہ وہ ابران سے سامنا نہ ہو اس لئے اپنے کمرے کی ہو کر رہ گئی تھی۔ اکثر کھانا بھی پہلے ہی کھا لیتی تھی تا کہ ڈائننگ ہال میں نہ آنا پڑے اور اس سب کی وجہ سے ہی یمنی کو اس کی رخصتی کا فیصلہ درست لگ رہا تھا اور وہ جو ماں کے مجبور کرنے پر آئی تھی ابران کی بات سن کر ٹھٹکی تھی اور اس کی آنکھوں میں باپ کے لئے محبت دیکھ کر پلٹ گئی تھی کہ وہ اس کے سامنے جا کر اس کی خوشی خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''میں ایک دفعہ پہلے بھی آپ کی اور ڈیڈی کی محبت کے بیچ میں آ گئی تھی مگر اب نہیں کہ پھر سے میری وجہ سے آپ کے اور ڈیڈی کے درمیان فاصلے نہیں آئیں گے۔'' آج یکدم اس نے وہ فیصلہ کر لیا تھا جو چاہ کر بھی ماں کی ضد سے اس کی مجبوری و بے بسی کو سمجھتے ہوئے بھی نہیں کر پا رہی تھی اور فیصلہ لیتے ہی کتنے ہی آنسو اس کی آنکھوں سے گرے تھے۔

''اللہ! میرے دل سے ابران کی محبت، اس کا خیال نکال دے۔'' وہ تڑپ تڑپ کر روتی ابران کی خوشی کے لیے اپنی دعائیں تک بدل گئی تھی کہ چاہتیں یونہی انسان کو مجبور کر دیتی ہیں۔ اس کے اقرار کے ساتھ ہی گھر میں نہ صرف اس کی بلکہ ابیان کی شادی کے ہنگامے

جاگ اٹھے تھے کہ ایان کی حرکت نے ان سب کو ہی مضطرب کر ڈالا تھا اور جو کام ہونا ہی تھا تو اس میں دیر کرنا انہیں حماقت لگ رہا تھا جبکہ اب ایان کی عقل ٹھکانے آئی تھی اس نے تو منع بھی کیا تھا کہ وہ اپنی تعلیم مکمل کرنا چاہتا تھا۔ یہی حال خواہش کا بھی تھا اور خواہش کے رونے دھونے پر ہی فی الحال ان کی رخصتی کا ارادہ ملتوی کر کے یمانی کی رخصتی کی جا رہی تھی اور مہندی کی شب ڈھلتے ہی رخصتی کی شام اپنے جلو میں کتنے ہی ہنگامے اور اداسیاں لیے چلی آئی تھی کہ یمانی خوش نہیں تھی اور یہ اس کے زرد چہرے پر صاف لکھا تھا، میک اپ کے بعد وہ حسین لگ رہی تھی مگر پچھلوں کا دکھ ایسا تھا کہ اس حسن کو گرہن لگا رہا تھا اور جس وقت شہباز اس کے پہلو میں آ کر بیٹھا تھا اس کا دل کرب سے چیخ اٹھا تھا اس نے آنکھیں سختی سے میچ کر لب بے دردی سے کچل ڈالے تھے اور کسی پکار پر جب نم پلکیں اٹھی تھیں تو سامنے سے آتے دشمن جاں پر ٹھہر گئی تھیں، کیسی اذیت اس کے اندر اترنے لگی تھی کہ نہ وہ اس چہرے کو دیکھتے رہ سکی تھی اور نہ نگاہ ہٹا پا رہی تھی اس کے وجود میں ہوتا ہلکا ہلکا ارتعاش شہباز کو گردن موڑ کر دیکھنے پر مجبور کر گیا اور اس کی نگاہوں کے تعاقب میں جاتے ہوئے اس کے اندر عجیب سی تھکن اتر آئی تھی اور دل شدت کرب سے کانپنے لگا تھا اور یہ احساس شدید تر ہونے لگا تھا کہ اس کا صرف پہلو آباد ہوا ہے، دل اور خواہشات سسکنے کے لئے ہی زندہ رہیں گی اس نے لب بھینچے ہوئے فیصلہ لیا تھا کہ وہ پہلے اپنا دل آباد کرے گا، دل کے مکین کو دل میں اترنے کا ہر راستہ فراہم کرے گا اور پھر کہیں جا کر دل کے مکین سے اپنا پہلو آباد کرے گا۔

''میرا انتظار طویل تو ہو سکتا ہے مگر ہے تو انتظار ہی ناں، شبِ وصل گزرنے کے بعد ہی سہی تمام تو ہو گا اور میں ہجر کی کالی راتیں کاٹتا اس دن کا انتظار کروں گا جب میرے دل کی آواز تمہارے دل کو چھو کر اپنا اسیر کر لے گی۔'' وہ ابران کی بھیگی پلکیں ٹکائے بیٹھی یمانی شہباز سے مخاطب تھا (ہمیشہ کی طرح دل ہی دل میں کہ دل کا مکین، گھر کا مکین بن کر بھی انجان تھا) اور نہ جانے کب تک رہنا تھا؟

☆......☆......☆

یمانی بھیگی پلکوں سے کمرے کے سادہ در و دیوار تک رہی تھی کہ قسمت کی ستم ظریفی اسے آسائشات سے ہی نہیں محبت سے بھی دور لے آئی تھی۔ سادہ فرش پر اس کے موتیوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔ کمرے کی حالت سے ہی گھر کی غربت کا اندازہ ہو رہا تھا مگر کمرے میں جو کچھ بھی تھا رکھا نفاست اور سلیقے سے ہی تھا۔ کم قیمت صاف ستھرے پردے، کھڑکی کے ساتھ رکھی رائٹنگ ٹیبل، بائیں دیوار سے لگی لکڑی کی سادہ الماری، درمیانے سائز کا بیڈ اور اس کی سائیڈ ٹیبل پر رکھا لیمپ اور شہباز کی تصویر، وہ بے خیالی میں پر کشش سے شہباز حیدری کو دیکھتی چلی گئی تھی مگر ذہن و دل میں کسی قسم کی ہلچل کے بجائے آنسوؤں میں روانی آ گئی تھی۔

''میں، ابران آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ آپ نے مجھے، میری محبت کو ہی نہیں ٹھکرایا مجھے بالکل ہی تہی دست کر ڈالا ہے۔'' وہ سسکی تھی اور وہ رونے اور اپنی سوچوں میں اس قدر مستغرق تھی کہ شہباز کی آمد سے بھی بے خبر ہی رہی تھی جبکہ وہ کمرے کے وسط میں کھڑی یمانی پر اپنی نگاہ کو ٹھہر جانے سے روک نہیں پایا تھا۔ سرخ رنگ کی پشواز اور چوڑی دار پاجامے میں نئی نویلی دلہنوں والے تمام ہتھیاروں سے لیس وہ اپنی تمام تر دلکشی اور رعنائیوں کے ساتھ اس کے دل پر وار کر گئی تھی کہ وہ تو پہلے ہی اس کا دیوانہ تھا۔ اس کے قدم ساکت کھڑی یمانی

کی جانب اٹھے تھے وہ یکدم چونک کر نظر اٹھا گئی تھی دونوں کی نگاہیں ٹکرائی تھیں۔اس کی آنکھوں میں ٹھہرے موتی اس کے دل کو کچھ ہوا تھا جبکہ وہ بے بسی سے دوقدم پیچھے ہوتی لب کچلنے اور ہاتھوں کو اضطراری حالت میں مسلنے لگی تھی۔شہباز نے اس کی اضطراری کیفیت کو ایک نظر دیکھا اور اپنے دل میں سناٹے سے اترتے محسوس کرنے لگا۔

''جن حالات میں ہماری شادی ہوئی ہے انہیں قبول کرنے کے لیے ہم دونوں کو ہی کچھ وقت درکار ہے۔'' شہباز جو کہہ رہا تھا وہ سب وہ کہنا نہیں چاہتا تھا کہ شادی جن بھی حالات میں ہوئی تھی اس نے ذہن ودل کی آمادگی سے کی تھی۔وہ اس سب سے خوش تھا، وہ خوش نہ تھی اور اس کی خوشی کے خیال سے وہ اپنی خوشی اپنے ارمان دل ہی میں دباتا اس سے غیر متوقع بات کہہ گیا تھا کہ اس کی غیر متوقع بات پر وہ اسے حیرانگی سے تکنے لگی تھی۔

''آپ کپڑے تبدیل کر کے سو جائیں کہ میں الجھے ذہن کے ساتھ نئے رشتے کی ابتدا نہیں کرنا چاہتا۔'' وہ اس کے خیال سے کہتا اسے مگر خود سے بدگمان کر گیا تھا کہ وہ تو ابران کے ٹھکرا دینے پر ہی زود رنج اور تکلیف کا شکار تھی اس کی بات پر احساسِ کمتری سوا ہو گیا تھا آنکھوں میں ٹھہرے آنسو رخساروں پر لڑھکنے لگے تھے۔

''آپ کو اس رشتے کے لیے کسی نے فورس نہیں کیا تھا آپ کو مجھ سے شادی نہیں کرنی تھی تو آپ نے صاف انکار کر دینا تھا۔'' وہ سسکی تھی اور وہ اس کی غلط فہمی پر مضطرب ہو گیا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے یمانی، میں تو بس......''

''کیسا ہے میں اچھے سے سمجھ گئی ہوں، آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے پہلے ہی قدم پر مجھے میری اوقات بتا دی۔'' وہ اس کی وضاحت سنے بغیر تلخی سے کہتی اپنے سوٹ کیس کی جانب بڑھ گئی تھی کہ وہ لب بھینچے اسے دیکھنے لگا تھا جس نے دیوار کے ساتھ رکھے بھاری سوٹ کیس کو اپنی تمام توانائی لگا کر لٹا کر کھول دیا تھا اور دوسرے ہی پل ایک ایک کر کے تمام قیمتی سوٹ وہ بے دردی سے فرش پر ڈھیر کرتی چلی گئی تھی کہ وہ اتنی گرمی میں بھاری کامدار سوٹ پہن کر سونے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ گرمیاں تو گرمیاں سردیوں میں بھی وہ کاٹن کے سوٹ پہننے کو ترجیح دیتی تھی اور وہ تو اے سی کی عادی تھی جبکہ کمرے میں چلتا پنکھا گرمی کم کرنے میں ہی ناکام ثابت ہو رہا تھا اس نے روہانسی ہو کر نا چار سب سے ہلکا سوٹ پہننے کے لئے نکال لیا تھا۔دھانی رنگ کا سوٹ جس کے گلے اور آستین پر موتیوں سے کام بنا ہوا تھا قمیض کی نسبت دوپٹہ زیادہ بھاری تھا اس لئے اس نے کچھ سوچ کر ایک پلین دوپٹہ نکال لیا تھا جس پر نازک سی بیل لگی ہوئی تھی۔کپڑے سلیکٹ کرنے کے بعد تمام کپڑے اس نے یونہی بے دردی سے سوٹ کیس میں بھرے تھے اور اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔اتنی دیر میں وہ بھی چینج کر کے آ گیا تھا اور اس سے ایک لفظ کہے بناء بستر پر دراز ہو گیا تھا۔کمرے میں کوئی ایسی چیز نہ تھی کہ جس پر وہ سو سکتی۔ایسے ناچار وہ بیڈ پر ہی جھجکتے ہوئے دراز ہو گئی تھی لیکن پوری رات بے چینی سے کروٹیں ہی بدلتی رہی تھی کہ کمرے میں چلتا پنکھا گرمی کو کم کرنے میں پوری طرح ناکام ثابت ہو رہا تھا اور وہ خود ہی نہیں اس کی وجہ سے شہباز بھی بے چین رہا تھا کہ اس کا بار بار اٹھ کر بیٹھنا، کمرے میں چکر انا، واپس لیٹنا اس کی

نیند میں خلل ڈال رہا تھا مگر وہ اس کی تمام حرکت سے انجان بنا آنکھیں بند کیے لیٹا آگے کی زندگی کیسے گزری گی، یہی سوچتا رہا تھا۔

☆......☆......☆

فراز سونے لیٹا تھا مگر اس کی آنکھوں میں اترتا عکس اس کی نیندیں اڑا لے گیا تھا کہ آج کی تقریب میں فراز نے اس دشمن جاں کو تقریباً چار، ساڑھے چار ماہ بعد دیکھا تھا۔ سبز رنگ کی انار کلی فراک میں لائٹ نیچرل میک اپ میں وہ اس دن کی نسبت بہت دلکش لگ رہی تھی جب اس نے اسے پہلی دفعہ دیکھا تھا کہ اس دن وہ بے بی پنک کلر کا کاٹن کا سوٹ پہنے ہوئی تھی جس میں اس کی شہابی رنگت بہت کھلی جا رہی تھی اور کھلتی ہوئی رنگت، تیکھے نین نقش والی لڑکی اس کا دل پہلی نظر میں چرا لے گئی تھی اس کے بعد تقریباً دو سے تین بار پھر اس سے سامنا ہوا تھا اور ہر بار دل کی الگ ہی لے تھی مگر اس نے یہ اس سندر سی لڑکی پر ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ نگاہ کے راستے دل میں سما گئی ہے اور نہ ہی دل پر گزر جانے والی واردات کا ذکر اس نے جگری یار ابران سے کیا تھا مگر آج کے دیکھنے نے جیسے کمال کر دیا تھا، سبز رنگ کی فراک میں تتلی کی طرح ادھر سے ادھر پھرتی، مسکراتی ہنسی باتیں کرتی ہر ایک ادا میں اس کا دل اپنی اور کھینچ رہی تھی اور رات کے اس پہر اس کا خیال کیا آیا تھا وہ اس پیاری سی لڑکی کو اپنا بنانے کا سوچنے لگا تھا کہ اسے آج احساس ہو رہا تھا کہ وہ لڑکی جسے وہ گزرے مہینوں میں فراغت اور مصروفیت کے ہر عالم میں نہیں بھول پایا تھا وہ تو دل کی خواہش بن چکی تھی اس لیے وہ اس چاند جیسی لڑکی کو اپنانے کے لیے سب سے پہلے ابران سے بات کرنے کا سوچنے لگا تھا کہ وہ جانتا تھا کہ جس سے اس نے دل کا بندھن از خود جوڑ لیا ہے قسمت کے تار ملانے میں ایک وہی ہے جو اس کا سہارا بن سکتا ہے۔

''ابران کو دل کی ہر بات بتا کر دیکھوں گا کہیں اس کو اعتراض ہی نہ ہو؟'' یکدم اسے نیا خیال آیا تھا۔

''نہیں ابران مجھے اچھے سے جانتا ہے، جانتا ہے میری عادت، میری فطرت، یقیناً وہ اعتراض نہیں کرے گا بلکہ خود میرا ساتھ دے گا۔'' اگلی سوچ نے پچھلی پریشانی از خود ہی زائل کر دی تھی۔

''ابران کی طرف سے مطمئن ہو کر پاپا سے بات کروں گا، نہیں مما سے!'' وہ یکدم اٹھ بیٹھا تھا اور وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ بات ماں سے کرے یا باپ سے؟ اور یہ الجھن اسے آزردہ کرنے لگی تھی اپنی کم مائیگی کا احساس سوا ہونے لگا تھا کہ اس کے پیرنٹس تو اپنی اپنی زندگی میں مگن تھے ایک وہی تھا جو پیرنٹس کے سیپریشن کے بعد ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا کہ اس کے لیے نہ اس کی ماں کے پاس وقت تھا نہ ہی باپ کے پاس! وہ نئی الجھن میں دل کی عدالت بیچ میں ہی چھوڑ گیا تھا۔

☆......☆......☆

''شیریں!'' وہ اپنے نام کی پکار پر چونکی اور اسے تو اپنے سامنے دیکھ کر اس کی پریشانی کئی گنا بڑھ گئی تھی جبکہ وہ حسن کی مورت کو وارفتگی سے تک رہا تھا۔ سرمئی رنگ کی انتہائی قیمتی انار کلی فراک میں نیچرل میک اپ کیے انتہائی حسین لگ رہی تھی مگر اس کے من موہنے گلابی چہرے پر لڑھکتے آنسو وہ بے اختیار پریشانی سے وجہ دریافت کر گیا تھا کہ رات کے آدھی پہر وہ بھی اکیلے اسے شہر کے مہنگے ترین ہوٹل کے

باہر اسے دیکھ کر وہ حیران ہی نہیں پریشان بھی ہوا تھا۔

"مجھے سب لوگ چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔" اس نے ہوا سے اڑتے بالوں کو ہاتھوں سے سنبھالتے ہوئے سسکتے لہجے میں کہا تھا۔

"کون چھوڑ گیا کس کے ساتھ آئیں تھیں تم؟" پوچھتے ہوئے یکدم ٹھٹک رہا تھا۔

"سب کے ساتھ آج یمانی آپی کی شادی تھی اور سب مجھے اکیلا چھوڑ گئے، میرے پاس تو موبائل بھی نہیں ہے میں ڈیڈی کو بھی نہیں بلا سکتی۔" وہ روتے ہوئے بتا رہی تھی کہ اس نے آگے بڑھ کر شیریں کا بایاں ہاتھ تھام لیا تھا۔ جہاں وہ ہراساں ہوئی تھیں وہیں وہ قدرے ناگواری سے اس کے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں بیش قیمت چمکتی ہوئی رنگ کو گھور رہا تھا۔

"کب اور کس سے ہوئی ہے تمہاری منگنی؟" وہ اس کی بدلتی حالت کو یکسر نظر انداز کیے سوال کر رہا تھا مگر وہ کچھ بولی ہی کب آنسوؤں میں روانی آ گئی اور ہاتھ چھڑانے کی کوشش میں جیسے ہی کی، وہ گرفت مضبوط کرتا اسے تقریباً گھسیٹتے ہوئے ہوٹل کے اندرونی حصے کی جانب بڑھنے لگا اور اس کی کسی بھی فریاد کو اَن سنا کیے ریسر روم کی جانب بڑھتا رہا اور بیڈ پر دھکیل کر ہاتھ آزاد کر دیا۔

"کیوں لائے ہیں آپ مجھے یہاں؟ آخر چاہتے کیا ہیں آپ؟ کیوں مجھے پریشان کیا ہوا ہے آپ نے؟" تیر کی تیزی سے بیڈ سے اتر کر ہراساں باہر کی جانب بڑھی تھی کہ وہ اس کے عین سامنے آ گیا تھا تب وہ سسکتے ہوئے ایک ہی سانس میں کتنے ہی سوال کر گئی تھی۔

"میں کیا چاہتا ہوں، کیوں پریشان کر رہا ہوں اگر بتا دیا تو برداشت نہیں کر پاؤ گی ہرنی۔" اس کی سراسیمگی سمیٹے سرمئی آنکھوں میں بغور جھانکتا ذو معنی لہجے میں بولا تھا جبکہ وہ غیر محسوس طریقے سے پیچھے کھسک گئی تھی۔

"میں آنسوؤں سے پگھلنے والا مرد نہیں ہوں۔" اس کا ہاتھ اس کی تمام ناگواری کے باوجود تھاما تھا اور اس کے مستقل بہتے آنسوؤں پر چوٹ کی تھی اور بڑی سہولت سے اس کے ہاتھ سے رنگ اتار لی تھی۔

"تمہاری منگنی چاہے کسی سے بھی ہوئی ہو، آج اسی وقت ختم۔" اس نے وہ قیمتی انگوٹھی دور اچھال دی تھی۔ "میں چاہتا تھا کہ تم مجھے کبھی اکیلے ایسے ملو کہ میں تم سے بات کر سکوں، اپنی خواہش تم سے کہہ سکوں اور آج وہ موقع مل گیا ہے۔"

وہ بے باکی سے اس کا اوپر سے نیچے تک جائزہ لیتا نہایت نثار ہونے والے لہجے میں بولا تھا جبکہ وہ اس کے لہجے سے خائف اسے دیکھنے لگی تھی۔ اس کی سرخ آنکھوں میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ وہ نہ صرف سہم کر نگاہ جھکا گئی تھی بلکہ بے اختیار پیچھے ہونے لگی تھی کہ اس پر نگاہ جمائے زعیز عہ خان نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ وہ اسے اپنے بہت قریب کیے حدوں سے گزرنے کو تھا کہ وہ سسکی تھی۔

"پلیز، یہ سب مت کیجیے۔" اس کے بھیگے لہجے میں جانے کیسا طلسم تھا کہ وہ بے اختیار فاصلہ قائم کر گیا تھا کلائی آزاد کر کے اسے دیکھا تھا اس کی آنکھوں و چہرے پر ہراس تھا، کسی کے آنے کی امید تھی، کچھ کھونے کا احساس بے چینی کی صورت چہرے پر رقم تھا اور وہ اس کے رونے پر جیسے بے بس ہو گیا تھا۔

"مجھ سے شادی کرو گی؟" وہ خود اپنے مطالبہ پر حیران کھڑا تھا اور وہ بھی اس کی نئی بات پر رونا بھول کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ "میں

ایک انتہائی برا انسان ہوں مگر اس وقت جو احساسات تمہارے لیے اپنے دل میں محسوس کر رہا ہوں وہ بہت الگ قسم کے ہیں اور اسی لیے آج تم سے وہ کہہ گیا جو کبھی کسی سے نہیں کہا۔'' وہ دھیمے لہجے میں بول رہا تھا۔ ''اپنے احساسات کی تبدیلی کے سبب ہی آج میں تم سے غیر قانونی رشتہ جوڑنے کے بجائے قانونی رشتہ جوڑنے کی بات کر رہا ہوں۔''

وہ اپنی حیرانگی سے نکل کر اس کی حیرانگی محسوس کرتے ہوئے گویا وضاحت دے رہا تھا۔

''بولو کرو گی مجھ سے شادی؟'' اس کے رعنائی لب مسکرائے تھے اور اس کی گردن بے ساختہ نفی میں ہلی تھی۔

''آپ پلیز مجھے میرے گھر چھوڑ آئیں۔'' وہ اس کے سوال کا جواب گردن ہلا کر دیتی معصومیت سے ریکوئسٹ کر گئی تھی۔

''میں جو کرنے کا سوچ لوں وہ کر کے رہتا ہوں کہ میں نے ہارنا نہیں سیکھا۔ تمہیں جب جب دیکھا دل نے ہارٹ بیٹ مس کی کہ تم سے ملنے سے پہلے تک تو مجھے اپنے سینے میں دل نامی چیز کا ادراک تک نہ تھا اور دل کا احساس تم نے بخشا ہے تو دل کی تقویت کا ساماں بھی تمہیں ہی کرنا ہوگا مگر آج یہاں تمہیں اپنے رحم و کرم پر پا کر بھی میں کچھ غلط کرنا تو دور سوچ بھی نہیں پا رہا اس لیے بس مجھ سے ایک وعدہ کر لو، مجھ سے شادی کرنے، میرا بننے کا وعدہ تو میں تمہیں خود تمہارے گھر چھوڑ آؤں گا۔'' اس کا لہجہ سرد بہت کچھ باور کرواتا ہوا تھا۔ اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''میں نے آپ سے شادی نہیں کرنی، میری منگنی ہو گئی ہے۔'' اکیلے پن کا احساس اس کے لیے جان لیوا تھا وہ اس کے انداز سے خائف ہوتی سسکی تھی۔

''اس منگنی کو ختم ہی سمجھو۔'' اس کا وہی ہٹ دھرم انداز تھا۔ ''کہ تم نے صرف زعیز عہ خان کا بننا ہے اس لیے یہاں سے مجھے اپنے ساتھ کا یقین سونپے بغیر تم کہیں نہیں جا سکتیں۔ اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔''

وہ ہر بات اتنے آرام سے کر رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ کوئی بات ہی نہ ہو جبکہ اس کی تو جان ہوا ہونے لگی تھی۔ اس کے وجود پر لرزاں طاری ہو گیا تھا۔ رہی سہی کسر اس کے جیب سے سگریٹ اور لائٹر کے نکالنے نے پوری کر دی تھی لیکن اس سے قبل کہ وہ لبوں کے درمیان پھنسی سگریٹ کو شعلہ دکھاتا وہ خوفزدہ انداز میں کہہ اٹھی تھی۔

''پلیز، اس کو مت جلائیں مجھے اس کی اسمیل سے الرجی ہے، مجھے دھوئیں سے خوف آتا ہے۔''

کن اکھیوں سے اس کے چہرے کو دیکھا تھا سلیقہ سے ہوا میک اپ آنسوؤں کی نذر ہو گیا تھا۔

''تم میرا بننے کا وعدہ تو کرو تمہاری قسم ہرنی، ہر وہ چیز چھوڑ دوں گا جو تمہیں ناپسند ہو گی، ہر وہ کام ترک کر دوں گا جو تمہاری تکلیف کا باعث ہو گا۔''

وہ سگریٹ اور لائٹر دور اچھالتا اس کے بہت قریب آن کھڑا ہوا تھا اس کے لہجے میں جذبوں کی آنچ تھی جس کو محسوس کیے بنا وہ چیخ مار کر دور ہوئی تھی کہ وہ اسے یکدم ہی شانوں سے تھام گیا تھا۔

''وقت کی نزاکت کو سمجھو ہرنی اور وقت ضائع کرنے کے بجائے بس ایک عہد کرلو، عہد وفا کرنے سے ماورا ہو کر مجھے صرف آج یقین چاہیئے وہ مجھے سونپ کر چلی جاؤ کہ رات بھی خوبصورت ہے تم بھی حسین ہو، میں تو بہکا ہی ہوا ہوں، مزید بہکا تو میری زندگی بن جائے گی اور تم بے مول ہو جاؤ گی جبکہ تم میرے لیے بہت انمول ہو اتنی کہ میں ہاتھ آیا پیانہ ٹھکرا رہا ہوں۔ میرے پیغام کو سمجھو، میرے جذبات کو نہ بھڑکاؤ۔'' وہ نہایت نرمی وشائستگی سے سمجھانے والے انداز میں نہایت پیار سے اسے دیکھتا کہہ رہا تھا مگر وہ اس پوزیشن میں کہاں تھی کہ اس کی بات سن بھی لی تھی تو سمجھتی کہ وہ اس وقت خوف وہراس کے زیر اثر تھی اور تب ہی دروازے پر زوردار دستک ہوئی تھی اس نے شیریں کے کاندھے سے ہاتھ کھینچے اور دروازہ وا کر دیا۔ وہ چوکھٹ پر کھڑا اس خوبرو نوجوان کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا جبکہ اس کی نگاہ تو اندر کھڑی شیریں پر ٹھہر گئی تھی اور اس کی نگاہ جیسے ہی ابران پر پڑی تھی وہ برق کی رفتاری سے اس کی جانب لپکی تھی اور اس کی سائیڈ سے نکلتی کھڑے ابران کے سینے سے لگتی بری طرح بلکنے لگی تھی وہ اس قدر مضطرب ہو چکا تھا کہ اسے بلکتی ہوئی بہن کو نہ ایک لفظ کہا نہ اسے سہارا دیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اور اسی پل ارمان شیرازی اور سالار مصطفیٰ بھی وہیں آ گئے تھے۔ ابران نے اسے خود سے الگ کیا تھا۔ وہ لڑکھڑا سی گئی تھی اور بے یقینی سے اس نے ابران کو دیکھا تھا جو خاموش کھڑے زعیزعہ خان پر ہاتھ اٹھا چکا تھا مگر جسے وہ اپنے گال پر پڑنے سے قبل ہی تھام چکا تھا اور اسے دیکھ رہا تھا جس کا چہرہ شدتِ ضبط سے لہو رنگ ہو چلا تھا اور آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

''ہاتھوں پر قابو رکھنا مسٹر کہ میں زعیزعہ خان ہوں اور زعیزعہ خان اتنا آسان ہدف ہرگز نہیں ہے۔'' جھٹکے سے ہاتھ چھوڑ کر وہ غصہ سے غرایا تھا۔

''بکواس بند کرو اپنی، تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی میری بہن کو یہاں لانے کی؟'' وہ نہایت اشتعال میں آتا زعیزعہ خان کا گریبان مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا۔

''میری ہمت کی تو بات ہی نہ کرنا کہ میں تمہاری سوچ سے زیادہ باہمت ہوں۔'' جھٹکے سے گریبان چھڑاتا وہ غرایا تھا۔ وہ اس پر جھپٹا کہ سالار مصطفیٰ نے بھتیجے کا بازو جکڑ لیا تھا۔

''شیریں کو لے کر گھر جاؤ۔'' اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے سنجیدگی سے ہدایت دی تھی اس نے بہن کا ہاتھ تھاما تھا اور وہاں سے نکلا تھا۔ وہ روتی ہوئی اس کے ساتھ گھسٹتی چلی گئی تھی کہ محض غلط فہمی اور ایک دوسرے کے آسرے پر ان سب سے بہت بڑی غلطی ہو گئی تھی کہ رخصتی کے بعد جب وہ سب گھر جانے کے لیے نکلے ہر شخص کا خیال تھا کہ شیریں کسی اور کے ساتھ چلی گئی مگر آگے پیچھے رکتی گاڑیوں میں سے جب وہ کسی ایک گاڑی میں سے بھی نہ نکلی تو ان لوگوں کی غلط فہمی کا پردہ ہی چاک نہیں ہوا تھا۔ ان سب کے ہی ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے۔ ابران نے پریشانی کے عالم میں اس کا نمبر ڈائل کیا تھا تب خواہش نے بتایا تھا کہ شیریں کا سیل فون اس کے پاس ہے اور وہ تینوں پریشانی کے عالم میں واپس ہوٹل پہنچے تھے مگر وہ وہاں ہوتی تو ملتی اور تب کسی خیال کے تحت وہاں سے گزرتے ایک ویٹر کو ابران نے اپنے موبائل پر شیریں کی تصویر دکھاتے ہوئے اس کے بارے میں پوچھا تھا اور وہ بری طرح چونک گیا تھا کہ کچھ دیر قبل اس نے اس

لڑکی کو زعیز عہ خان کے ساتھ زبردستی جاتے دیکھا تھا اور وہ جس قدر بگڑا ہوا طاقتور تھا اس لیے اس نے اپنی بھلائی کے پیش نظر دیکھے کو ان دیکھا کر دیا تھا لیکن شاید اس میں کچھ انسانیت باقی تھی جبھی اس نے ساری بات اسے بتا دی تھی اور ویٹر کی مدد سے ہی اس نے کمرہ نمبر معلوم کروا کر اس کمرے کی جانب دوڑ لگا دی تھی کہ خود سے پوچھنے میں بدنامی کا ڈر تھا اس لیے سالار مصطفیٰ نے ماؤف ہوتے ذہن کو کچھ بیدار کرتے ہوئے ویٹر کی مدد لی تھی اور وہ دونوں بھی ابران کے پیچھے لرزتے دل اور خوفزدہ اعصاب کے ساتھ چل پڑے تھے۔ سامنے کھڑے شخص کی تو صورت ہی ان کے لیے انجان تھی کہ وہ جانتے تھے کہ اس کا تعلق کس گھرانے اور کس طرح کی فطرت سے ہے اسی لیے ارمان شیرازی کو ابران کے جاتے ہی اس کی جانب خونخوار انداز میں بڑھتے دیکھ کر وہ راہ میں ہی روک گئے تھے اور اس سے ایک لفظ کہے بنا ارمان شیرازی کو زبردستی باہر کی جانب لے جانے کی کوشش کرنے لگے تھے۔

”سالار۔ چھوڑو مجھے، میں اس شخص کی جان لے لوں گا۔“ وہ غصے سے کف اڑا رہے تھے۔

”یہ وقت جوش سے نہیں ہوش سے کام لینے کا ہے کہ بات ذرا بھی پھیلی تو رائی کا پہاڑ بن جائے گا جو شیریں کے لیے مشکلات کا ان مٹ نقش بن کر رہ جائے گا۔“

وہ جس فیلڈ سے وابستہ تھے ان میں برداشت و حوصلہ کی ہرگز بھی کمی نہ تھی وہ برداشت کرتے، عقل اور ہوش کو قابو میں رکھے ہوئے کہہ رہے تھے اور وہ بھی جیسے جھاگ کی طرح بیٹھ گئے تھے۔ ایک نفرت بھری قہر آلود سرخ نگاہ خاموش تماشائی بنے زعیز عہ خان پر ڈالی تھی اور بازو چھڑاتے لمبے لمبے ڈگ بھرتے نکلتے چلے گئے تھے۔

”تم سے تو میرے بہت سے حساب نکلتے ہیں مگر آج کی تمہاری حرکت کے بعد میرا وعدہ رہا محض پندرہ دن کے اندر تمہیں تمہارے انجام تک نہ پہنچایا تو میرا نام بھی سالار مصطفیٰ نہیں۔“ انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا تھا اور وہ بے ساختہ قہقہہ لگا بیٹھا تھا۔

”بلی کے خواب میں چھیچھڑے، تمہارا بیٹا آج کل جو جان ماری کر رہا ہے سب بے سود ہے کمشنر کہ تم لوگ مجھے محض چند گھنٹوں کے لیے حوالات میں بند کر سکتے ہو مگر مجھے میرے انجام تک نہیں پہنچا سکتے، اس لیے بہتر ہوگا کہ اتنے بڑے دعوے نہ کرو۔“ وہ طاقت کے نشے میں چور حقارت سے بولا تھا۔

”یہ دعویٰ نہیں بہت جلد جان جاؤ گے۔“ مٹھیاں بھینچ کر بولے تھے کہ اس شخص سے آج ہر دن سے زیادہ نفرت محسوس ہو رہی تھی۔

”یہ دعویٰ ہی ہے میں ثابت کر دوں گا خیر، رات بہت ہوگئی ہے جا کر آرام کرو یہ الگ بات ہے تم سب کی نیندیں اڑا چکا ہوں۔“ چیلنجنگ انداز میں کہتے کہتے یکدم خباثت سے آنکھ دبائی تھی۔ انہوں نے اشتعال کی لپیٹ میں آ کر اس کا گریبان جکڑ لیا تھا۔

”زبان سنبھال کر بات کرو زعیز عہ کہ میری بیٹی پر غلط نگاہ ڈالنے کے بعد بھی اگر تم زندہ ہو تو وجہ تمہاری مصلحت ہے جسے میری کمزوری نہ سمجھنا۔“ وہ نفرت سے پھنکار رہے تھے اور ایک جھٹکے سے اس کا گریبان آزاد کر دیا تھا وہ بری طرح لڑکھڑا کر رہ گیا تھا۔

”تمہاری بیٹی تقریباً پینتیس منٹ اور گیارہ سیکنڈ میرے ساتھ تنہا تھی، لیکن میں نے تنہائی کا فائدہ نہیں اٹھایا کہ میں اٹھانا ہی نہیں

چاہتا تھا۔'' سنبھل کر ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتا انہیں متحیر کر گیا تھا۔

''جانتے ہو کیوں؟'' مسرور سے انداز میں ان کی متحیر نگاہوں میں سوالیہ نگاہیں ڈالی تھیں اور جواب نہ ملنے کی امید پر خود ہی جواب دے ڈالا تھا۔ ''کیونکہ میں شیریں سے محبت کرتا ہوں۔''

اس کی آنکھیں جگمگا اٹھی تھیں۔

''بکواس کی تو میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔'' عجیب سے احساسات سے نکلتے کف اڑانے لگے تھے جبکہ وہ ہنستا چلا گیا تھا۔

''بکواس تو اب تک ہزاروں لڑکیوں سے کرتا رہا مگر میں اب سنجیدہ ہوں دل سے، سچائی سے کہہ رہا ہوں کہ مجھے شیریں سے محبت ہو گئی ہے اور میری محبت ہی تھی جس نے آج مجھے نفس کی غلامی سے بچائے رکھا اور چاہا میری محبت عزت سے سر اٹھا کر یہاں سے چلی جائے تاکہ جب میری زندگی میں آئے تو پھر تمام تر حقوق کے ساتھ۔'' وہ شاید زندگی میں پہلی دفعہ سچ بول رہا تھا مگر وہ اس کے بہت بھیانک رویوں سے واقف تھے اس لیے اس کی سچائی انہیں جھوٹ کی مانند ہی لگی تھی۔

''تم اس خوش فہمی میں کبھی مت رہنا کہ تم کبھی اچھے، برے انداز میں شیریں تک رسائی حاصل کر سکو گے۔'' اس کی ظاہری خوبصورت سے قطع نظر وہ اس کے باطن کی بدصورتی کے پیش نظر کہہ گئے تھے۔

''خوش فہمی نہیں، میرا ارادہ، میری محبت مجھے شیریں تک رسائی حاصل کروائے گی، اسے میرا بنائے گی۔'' وہ ان کے غصہ کے برعکس نہایت دھیمے مگر سنجیدہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ ''میں شیریں سے پہلی ہی نگاہ میں محبت کر بیٹھا تھا مگر محبت کا احساس آج ہوا جب چاہ کر بھی اس کے ساتھ کچھ غلط نہیں کر سکا۔ میری محبت کا ادراک مجھے گناہ سے روک گیا کہ زعیزعہ خان نے پہلی لڑکی کے لیے محبت محسوس کی تو اس پہلی لڑکی کو بے عزت نہیں کر سکتا تھا۔''

وہ دھیمے سے کہتا انہیں متحیر ہی نہیں عجیب سے احساسات سے بھی دوچار کر گیا تھا۔

''کہ محبت کا ادراک ہوا تو نگاہ احترام سے جھک گئی کہ بے باکی سے ٹھہری رہتی تو محبت کا پنچھی اڑ جاتا اور یہ میری محبت کو گوارہ نہ تھا اس لیے میرا دل اس کے سامنے جھک گیا اور جس کے سامنے زعیزعہ خان کا دل جھکا ہے وہ کسی اور کی نہیں ہو سکتی کہ اسے اپنے لیے نہیں میرے لئے، میری محبت کے لیے میرا بننا ہی ہوگا۔'' اس کے چہرے پر سچائی اور آنکھوں میں جذبے تھے اور وہ انہیں بے یقین چھوڑ کر وہاں سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا بہت جلد نیناں ولاز میں ملنے کا کہتا نکلتا چلا گیا تھا جبکہ ان کے اعصاب کشیدگی سمیٹ لائے تھے۔

☆......☆......☆

''تم ہر وقت اتنی لاپرواہی کا مظاہرہ کیسے کر سکتی ہو؟ ایک سیل فون نہیں سنبھالا جاتا تم سے اور رہ کہاں گئی تھیں؟'' پریشانی سے ٹہلتیں نیناں شیرازی اس کو دیکھ کر لپک کر اس تک پہنچی تھیں اور قدرے غصہ سے بولی تھیں۔

''بیٹا، اس وقت کچھ نہ کہو، شیریں پہلے ہی ڈسٹرب لگ رہی ہے۔'' پوتی کے ستے ہوئے چہرے اور برستی آنکھوں کو دیکھ کر بولی تھیں۔

''مما، ڈسٹرب تو اس نے ہم سب کو کر کے رکھ دیا ہے۔ یہ کہاں تھی جو اسے ہم سب کی واپسی کی بھنک تک نہیں پڑی۔'' انہوں نے ناراضگی سے بیٹی کو گھورا تھا۔

''اتنی رات گئے یہ وہاں اکیلی رہ گئی تھی۔ میری تو خوف سے جان ہی آدھی رہ گئی تھی لیکن اسے کیا پرواہ بچوں کی طرح اوٹ پٹانگ حرکتیں کروالو، اور بس، کبھی یہ کوئی ڈھنگ سے عقل کا کام نہیں کر سکتی۔''

جس قدر وہ پیچھے ڈیڑھ گھنٹے پریشان رہی تھیں اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ اصل واقعہ جانے بغیر صرف اس پر اس کی حالت نظرانداز کیے غصہ ہوئے جارہی تھیں۔ یہاں تک کہ ابران کو بھی کچھ کہنے کا موقع نہیں دیا تھا وہ اس پر برس رہی تھیں کہ نڈھال وشکستہ سے ارمان شیرازی چلے آئے تھے کہ آج صحیح معنوں میں ان کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔

''نیناں، بس خاموش ہو جاؤ اور یمنیٰ آپ شیریں کو کمرے میں لے کر جائیں اور اس کا خیال رکھیں۔'' ان کے لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ وہ تینوں ہی خواتین چونک گئی تھیں، پریشانی محسوس کرنے کے باوجود وہ مگر ٹھہری نہ تھیں اور وہ ہزار سوال لئے ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھیں اور انہوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی مختصراً تمام بات بتائی تھی ان کے قدم یکدم ہی لڑکھڑائے تھے۔ ابران نے بھیگی پلکوں سے ماں کے کانپتے وجود کو سہارا دیا تھا۔ کمرے میں موت کا سا سناٹا چھا گیا تھا۔ وہ لوگ وقت پر نہ پہنچ پانے کا ناگ انہیں پوری رات ڈستا رہا تھا ایک لمحہ کے لئے بھی ان کی آنکھ نہیں لگی تھی۔

☆......☆......☆

''آپ سب بہت پریشان لگ رہے ہیں، بتایئے ناں بات کیا ہے؟'' غیر معمولی خاموشی یمانی کو ڈسٹرب کر رہی تھی کہ اس کے لیے ناشتہ ادیان، ابیان، خواہش اور رویحا لے کر گئے تھے۔ شیریں کے بارے میں پوچھا تھا تو ان لوگوں نے کہہ دیا کہ وہ سو رہی تھی اٹھی ہی نہیں تو وہ مجبوراً اسے چھوڑ کر آ گئے مگر اسے آئے تقریباً چار گھنٹے ہو گئے تھے۔ شیریں اس سے نہیں ملی تھی اور عجیب سی پھیلی خاموشی بہر حال اس کو سوال کرنے پر مجبور کر گئی تھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے، تم جا کر کچھ دیر آرام کر لو۔'' یمنیٰ دھیمے سے بولی تھیں اور وہ کچھ کہتی کہ شیریں کو خواہش کے ساتھ زبردستی آتے دیکھ کر وہ اس کی جانب متوجہ ہو گئی تھی۔

''بے وفا لڑکی، اتنی جلدی اپنی آپی کو بھول گئیں۔'' وہ اٹھ کر والہانہ انداز میں شیریں سے لپٹ گئی تھی اور اس کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں۔

''شیریں، تمہیں تو بخار ہے، ڈاکٹر کو دکھایا۔'' وہ اس سے الگ ہوتی اب اس کی پرحدت پریشانی چھو رہی تھی اس نے لامحالہ گردن اثبات میں ہلا دی تھی۔

''یہ تو بستر سنبھالے پڑی تھی، میں ہی اس کو زبردستی باہر لائی ہوں۔'' خواہش اس کو خفگی سے دیکھتی کہہ رہی تھی۔

نیناں شیرازی نے ایک نظر اپنی بیٹی پر ڈالی تھی اور دوسرے ہی پل اس کے پژمردہ چہرے کو دیکھ کر چرالی تھی۔ ان کی آنکھیں تیزی سے بھیگ رہی تھیں کہ یمنیٰ نے ان کے کاندھے پر اپنائیت سے دلاسہ دینے کو ہاتھ رکھا تھا اور کسی کا ساتھ پا کر ان کے آنسوؤں میں روانی آ گئی تھی۔

''حوصلہ رکھو نیناں کہ خدا کا کرم ہے کہ کچھ غلط نہیں ہو گیا۔'' وہ بھیگے لہجے میں بولی تھیں اور انہوں نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے آنسو صاف کر لیے تھے۔

''تمہاری اینگیج منٹ رنگ کہاں ہے شیریں؟''

خواہش کی بات پر وہ یکدم ہراساں ہو گئی تھی۔

''ہاں بھئی مجھے بھی دکھاؤ اپنی رنگ کہ تمہاری منگنی تو ارجنٹ لی ہوئی کہ میں تو تمہیں وش تک نہیں کر پائی۔'' یمانی کے لہجے میں اس کے لیے مٹھاس تھی۔

''سالار مصطفیٰ نے اس کا پرپوزل شہیر کے لیے دیا تھا اور انکار کی تو کوئی وجہ ہی نہ تھی اس لیے جسے فوراً ہی قبول کر لیا گیا تھا۔ شہیر عین شادی کے دنوں میں ایک کیس کے سلسلے میں اسلام آباد چلا گیا تھا اس کی واپسی اچانک ہی کل شام کو ہوئی تھی اور سالار مصطفیٰ کی خواہش اور ایماء پر وہ سب ان دونوں کی اچانک منگنی کے لیے راضی ہو گئے تھے اور یوں شہیر نے دل کی خوشی و رضا سے شیریں کو اپنے نام کی انگوٹھی پہنا دی تھی جبکہ شیریں کو ایسے وقت میں ساری بات پتہ چلی تھی کہ وہ اعتراض تک نہیں کر سکتی تھی اور ان کی منگنی ہو گئی تھی کہ اسے پرپوزل کی خبر تک نہ تھی جبکہ دوسری جانب پرپوزل ارمان شیرازی کے سامنے رکھنے سے قبل سالار مصطفیٰ نے بیٹے کی رضامندی لے لی تھی اور بیٹے کا اقرار انہیں سچی خوشی سے ہمکنار کر گیا تھا کہ شیریں انہیں بے حد عزیز و پیاری تھی۔

''وہ رنگ میں نے اتار کر پھینک دی۔'' بہت چاہنے کے باوجود بھی اس کا لہجہ مضبوط نہ تھا جبکہ وہ دونوں ہی نہیں وہ دونوں خواتین بھی بے طرح چونک کر اس کو دیکھنے لگی تھیں۔

''لیکن کیوں؟'' یمانی نے حیرت سے استفسار کیا تھا۔

''کیونکہ مجھے شہیر بھیا نہیں پسند، مجھے ان سے شادی نہیں کرنی۔'' اس کے لہجے میں واضح لڑکھڑاہٹ تھی۔

''یہ کیا بکواس کیے جا رہی ہو شیریں؟'' وہ تیر کی تیزی سے بیٹی کے مقابل آئی تھیں اور ان کا یوں سامنے آنا اسے گڑبڑا گیا تھا۔ وہ پلکیں جھکاتی، انگلیاں مروڑنے لگی تھی۔

''جواب دو۔ اس ساری بکواس کا کیا مطلب نکلتا ہے۔'' انہوں نے اس کا بازو جکڑ کر درشتگی سے پوچھا تھا۔

''مطلب صاف ہے ممی کہ مجھے شہیر بھیا سے شادی نہیں کرنی۔'' وہ نگاہ چرائے بھیگے لہجے میں منمنائی تھی۔

''فضول بکواس کی تو جان سے مار دوں گی۔'' جھٹکے سے اس کا بازو آزاد کر دیا تھا وہ تینوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگی تھیں جبکہ

وہ اب بری طرح رو رہی تھی۔

''ہاں، یہی بہتر رہے گا کہ آپ مجھے جان سے مار دیں کہ میں اپنی زندگی اپنی مرضی سے نہیں گزار سکتی تو مجھے مر ہی جانا چاہیے۔'' وہ روتے ہوئے چیخی کیا تھی ان سب کے ساتھ اندر آتے ارمان شیرازی کو بھی متحیر کر گئی تھیں۔

''شیریں بیٹا، کیا ہو گیا ہے۔ ایسے کیوں کہہ رہی ہو؟'' یمنیٰ نہایت نرمی سے کہتیں اس کے سامنے آئی تھیں۔

''اور کیسے کہوں بڑی ممی کہ آپ سب نے میری منگنی میری مرضی کے بغیر ایک ایسے شخص سے کر دی جو مجھے سخت ناپسند ہے اس لیے میں نے رنگ اتار کر پھینک دی۔ مجھے نہیں کرنی شادی۔'' وہ روتے ہوئے جو کہہ رہی تھی اس میں اس کا چہرہ اور آنکھیں ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔

''یہ ساری بکواس تم نے رات کو کیوں نہیں کی؟'' نیناں غصہ سے چیخی تھیں۔

''کیونکہ آپ لوگوں نے مجھے موقع ہی نہیں دیا۔ مجھ سے کچھ پوچھا ہی کب۔ لے کر سر پر دوپٹہ ڈالا اور شہیر بھیا کے سامنے کھڑا کر دیا کہ پہن لو انگوٹھی، تو میں نے پہن لی تھی ناں مگر یہ زبردستی کا رشتہ مجھے نہیں قبول کہ میں شہیر بھیا سے نہیں کسی اور سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔'' اس کے الفاظ کیا تھے کوئی بم تھا جو ان سب کی سماعتوں پر پھٹا تھا وہ سب اسے دیکھنے لگے تھے ان سب کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ ارمان شیرازی کو دیکھ کر اس نے نظر چرا لی تھی آنکھوں سے بہتے اشکوں میں روانی آ گئی تھی اور ایک عجیب سی کیفیت اور ہراس اسے اپنے اندر اترتا محسوس ہوا تھا اس لیے وہ وہاں سے چلی جانا چاہتی تھی کہ جو کہہ گئی تھی اس کے بعد سب کا خاص ارمان شیرازی کا سامنا کرنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔

''کون ہے وہ، کس کی بات کر رہی ہو تم؟'' بے یقینی و تحیر کے حصار سے نکلتیں وہ جاتی ہوئی بیٹی کا قدرے جارحانہ انداز میں بازو دبوچ گئی تھیں۔ ماں کی آنکھوں میں غصہ و ناراضگی دیکھ کر اس کی تمام مجتمع کی گئیں ہمتیں اس کے اپنے ہی قدموں میں ڈھیر ہو گئی تھیں۔

''کچھ پوچھا ہے میں نے، جواب دو۔'' ہاتھ کو جھٹکا دیا تھا اور آواز بھی قدرے بلند ہو گئی تھی۔

''ز، زعیز...... زعیز عہ، زعیز عہ خان۔'' وہ ڈرتے ڈرتے لڑکھڑاتے لہجے میں جو نام لبوں سے ادا کر گئی تھی ارمان شیرازی نے اس پر اسے بہت تڑپ کر دیکھا تھا جبکہ ان کے ہاتھ کی گرفت بھی اس کے بازو پر کمزور ہو گئی تھی کہ انہیں کہاں امید تھی کہ وہ سچ میں کوئی نام لے دے گی اور وہ بھی وہ نام جو کل ہی انہوں نے شوہر کے منہ سے برے انداز میں سنا تھا۔ زمین آسمان انہیں ایک ہوتے محسوس ہوئے تھے اس لیے وہ آگے سے کچھ کہہ نہیں سکی تھیں۔

''بکواس بند کرو شیریں، اور آئندہ اس شخص کا نام بھی اپنے لبوں تک نہ لانا کہ کل رات جس شخص نے تمہیں اس قدر پریشان کیا، تم اس گھٹیا شخص کا نام بھی سب کے سامنے کیسے لے سکتی ہو۔'' دھیمے مزاج کی یمنیٰ نہایت غصہ سے اسے ڈپٹ رہی تھیں۔ ''جو تمہیں زبردستی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

وہ اسے یوں دیکھ رہی تھیں جیسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو چلا ہو جبکہ یمانی نے بھی حیرانگی سے ماں کا آتشی روپ دیکھا تھا اور انہیں کول ڈاؤن کرنے شیریں کو سمجھانے کے ارادے سے آگے بڑھی تھی کہ شیریں کی اگلی بات ان سب کے لیے ہی کسی قیامت سے کم نہ تھی۔

''وہ مجھے زبردستی نہیں لے گئے تھے، میں اپنی مرضی سے ان کے ساتھ گئی تھی۔''

ان سب کے قدموں تک سے زمین سرک گئی تھی اور یوں خاموشی چھائی تھی کہ زندگی کا وہاں گماں ہی نہیں ہوتا تھا کہ انکے مردہ وجود میں کچھ سیکنڈ پہلے داخل ہوئے سالار مصطفیٰ کے ایک عمل نے قدرے زندگی کے گویا آثار پیدا کر دیے تھے جبکہ وہ گال پر ہاتھ رکھے بے یقین نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی جو اسکے لیے ہمیشہ ایک مہربان، پرشفقت سایہ ثابت ہوئے تھے اور اس وقت قہر آلود نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''تم وہاں اپنی مرضی سے گئی تھیں تو پھر ابران کے ساتھ بلا چوں چرا واپس کیسے آ گئیں، اس گھٹیا شخص کے پاس رہ جاتیں۔'' نہایت اشتعال انگیز لہجے میں کہہ کر اس کا بازو جکڑا تھا وہ یکدم ان کے سینے سے لگ کر بری طرح بلکنے لگی تھی۔ ان سب کے لیے ان کا ہی نہیں شیریں کا اقدام بھی غیر متوقع تھا کہ وہ تھپڑ کھا کر ناراض ہونے، غصہ کرنے کے بجائے ان کے پرشفقت مہربان وجود سے لگی یوں رو رہی تھی کہ ان سب کا کلیجہ منہ کو آنے لگا تھا۔

''بالکل چپ کر جاؤ اور رونے کے بجائے تمام بات مجھے ابھی اسی وقت بتاؤ۔'' اس کا رونا برداشت سے باہر ہونے لگا تو اس کو خود سے الگ کر کے اب کے نرمی سے بولے تھے۔ ''کچھ پوچھا ہے، جواب دو ورنہ میں بہت بری طرح پیش آؤں گا۔''

وہ نظر چرا کر جاتی کہ وہ غصے سے روک گئے تھے مگر وہ اب بھی کچھ نہیں بولی تھی بس کمرے میں اس کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔

''تمہیں ہم سب پر بھروسہ نہیں ہے جو اس بے غیرت انسان کی باتوں میں آ گئیں، سچ شیریں، ایک لمحہ میں تم نے مجھے پوری تفصیل نہیں بتائی تو میں تم پر ایک بار پھر ہاتھ اٹھانے پر مجبور ہو جاؤں گا کہ اپنی ماں سے بہت جھوٹ بول چکیں اب صرف سچائی سننی اور جاننی ہے ہم سب نے۔'' نہایت طیش سے اس کے بازو کو جھٹکا دیا تھا اور نرمی سے عاری لہجے میں وضاحت مانگی تھی۔

''بات کیا ہے سالار بھیا، آپ کچھ بتائیں گے۔'' وہ بے یقینی و دکھ کی کیفیت سے نکلتیں الجھن آمیز لہجے میں بھائی سے استفسار کر گئی تھیں۔

''اصل بات کیا ہے یہ صرف شیریں بتائے گی۔'' انہوں نے اس کو غصہ سے دیکھا تھا اور اس کی خاموشی اس قدر گراں گزری تھی کہ وہ پھر اس پر ہاتھ اٹھا گئے تھے۔

''غصہ کیوں ہو سالار، جو بات ہے تم بتاؤ کہ اس نے تو جو بتانا تھا وہ بتا دیا۔'' کب سے بت بنے ارمان شیرازی یکدم سامنے آ کر بولے تھے ان کے انداز میں دکھ چھپا تھا کہ انہیں شیریں سے ایسی کوئی امید نہ تھی۔

''اس نے جو بتایا سب جھوٹ اور بکواس پر مبنی تھا اور پھر بھی تم کہتے ہو کہ میں غصہ نہ کروں۔'' وہ مزید بھڑک کر بولے تھے۔

''میرے دل میں جو اس کے لیے نرمی ہے، جو محبت ہے وہ مجھے باندھ رہی ہے ورنہ جو کچھ یہ کر چکی ہے دل کہتا ہے اسے جان

سے ماردوں۔'' وہ بھڑک کر کہتے ان سب کی بے یقینی بڑھا گئے تھے کہ سب ہی جانتے تھے کہ وہ انتہائی نرم خو، دھیمے مزاج کے آدمی تھے ان کا آتشی روپ ان سب کے لیے غیر متوقع تھا۔

''سالار بھیا، غصہ کرنے سے تو کچھ نہیں ہوگا ناں، اس لیے آپ جو جانتے ہیں وہ بتایئے کہ شیریں نے جو کچھ کہا اس کے ایک لفظ پر بھی اعتبار نہیں ہے۔'' یمنیٰ دھیمے سے بولی تھیں۔

''ہمیں اس پر اعتبار ہے مگر اس کو ہی ہم میں سے کسی پر اعتبار نہیں ہے جبھی یہ اتنے دن سے زعیزعہ خان کی ہر بدتمیزی ہم سب سے چھپاتی رہی اور اس گھٹیا شخص سے خوفزدہ ہو کر وہ سب کہہ گئی جو اسے کہنا ہی نہیں چاہیے تھا۔'' انہوں نے روتی ہوئی شیریں کو تاسف و دکھ کے ملے جلے تاثرات سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ ''اور اس سب کے لیے چاہے ارمان اور نیناں تم دونوں اسے معاف کر دو مگر میں کبھی معاف نہیں کروں گا۔''

وہ غصہ سے کہتے نکلنے لگے تھے کہ نیناں انہیں روک گئی تھیں۔

''بھیا، میں پہلے ہی پریشان ہوں آپ کیوں پریشانی بڑھا رہے ہیں، اصل بات کہہ کیوں نہیں دیتے۔'' وہ بے بسی سے بولی تھیں۔

''اصل بات صرف شیریں جانتی ہے اور جب یہ کچھ کہنے، بتانے کو نہیں راضی ناں تو بس ٹھیک ہے۔ ارمان تم ملاؤ زعیزعہ کو فون تا کہ ہم شیریں کی مرضی کے مطابق فیصلہ کرتے ہوئے اس سے شادی کی بات کرلیں۔'' وہ لمحہ بہ لمحہ سب کی پریشانی بڑھا رہے تھے اور ان کی نئی بات ان سب کے لیے ہی ناپسندیدگی کا باعث تھی۔

''نہیں، آپ ایسا نہیں کریں گے ڈیڈی کہ میں نے ان سے شادی نہیں کرنی۔'' وہ ایسے بولی تھی جیسے بس ارمان شیرازی فون کرنے ہی والے ہوں اور اس کے چہرے پر پھیلا ہراس ان سب ہی کے لیے پریشان کن تھا۔

''کیوں؟ کچھ دیر پہلے تو تم نے خود اعلان کیا تھا، شہیر سے منگنی ختم کرنے اور زعیزعہ سے شادی۔'' وہ گہرے طنز سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''مم، میں نے جھوٹ بولا تھا۔'' وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے سسکنے لگی تھی۔

''کیوں جھوٹ بولا تھا؟'' اس کی حالت نظر انداز کیے نیا سوال داغا تھا اور وہ روتے ہوئے ساری تفصیل بتاتی چلی گئی تھی۔

''میں بہت ڈر گئی تھی وہ مجھے بہت دن سے پریشان کر رہے تھے مگر کسی کو بھی بتا نہیں پا رہی تھی اور کل رات انہوں نے میرے ساتھ بہت بدتمیزی کی، مجھے ڈرایا، دھمکایا کہ اگر میں نے وہ سب نہیں کیا جو وہ چاہتے ہیں تو وہ میرے ساتھ بہت برا سلوک کریں گے، میں ڈر گئی تھی مگر میرا ارادہ ان کی بات ماننے کا نہیں تھا لیکن......'' وہ کہتے کہتے لحظہ بھر کو رکی تھی اور ان سب کی دل کی دھڑکنیں بھی جیسے تھم سی گئی تھیں۔ ''کچھ گھنٹوں پہلے انہوں نے مجھے فون کر کے کہا کہ میں نے اگر ان کی بات نہیں مانی تو وہ مجھے کڈ نیپ کرلیں گے اور ادیان بھیا کو بھی کسی بھی قسم کا نقصان پہنچائیں گے تا کہ مجھے ان کی طاقت کا اندازہ ہو۔ بس اس لیے میں نے ان کے خوف کے سبب وہی کہہ دیا جو انہوں

نے کہنے کو کہا بٹ آپ سب میرا یقین کریں کہ اس میں سچائی نہیں ہے محبت کرنا تو دور وہ مجھے اچھے تک نہیں لگتے۔"

وہ خاموش تو ہوگئی تھی مگر اب کمرے میں اس کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔

"تم کیسے اس سے خوفزدہ ہوگئیں۔ کیا ہم میں سے کسی پر اعتبار نہیں تھا؟" وہ اسے خود سے لگائے نرمی سے بولے تھے۔

"اعتبار تو تھا ماموں جان! بٹ انہوں نے مجھے خوفزدہ ہی اتنا کیا کہ میں کسی کو بھی نہیں کچھ بتا سکی اور نہ ہی ان کے کہے پر عمل کرنے سے خود کو روک پائی۔" مستقل رونے سے اس کی آواز بھاری ہوگئی تھی۔ وہ ان کے کاندھے سے لگی بدستور رو رہی تھی۔

"تم اگر پہلے ہی موڑ پر کچھ نہ چھپاتیں تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی کہ جیسے جیسے اس کا یقین مضبوط ہوتا گیا کہ تم اس سے ڈر رہی ہو، کسی سے کچھ کہہ نہیں رہی ہو ویسے ویسے وہ تمہیں مزید ہراساں کرتا شیر بنتا گیا کہ تم بچے بات چھپانے والی ہو یا نہ ہو، چھپا کر بیٹھ جاتے ہو کہ اصل مسئلے کا تم لوگوں کو ادراک نہیں ہوتا، خود کو عقل کل سمجھتے ہو۔" اسے خود سے الگ کر کے اب کے اسے نرمی سے ڈپٹا تھا۔

"زعیزعہ خود مجھ سے ساری بکواس نہ کرتا تو میں بھی آپ سب کی طرح انجان رہتا۔" انہوں نے ارمان شیرازی کو دیکھتے ہوئے زعیزعہ خان کی کل کی تمام بکواس ہی نہیں اس کی کروائی تمام انکوائری کا رزلٹ بھی بتا دیا تھا۔

"اور میں یہ ساری بات ہی تمہیں بتانے آیا تھا کہ شیریں کی بکواس سن کر ایک لمحہ میں سمجھ گیا کہ اسے یہ سب کہنے پر یقیناً زعیزعہ نے مجبور کیا ہے اور میں غصہ میں خود پر قابو نہیں رکھ سکا۔ چاہے تم دونوں کا شیریں پر ہاتھ اٹھانا اور باز پرس کرنا پسند نہ آیا ہو مگر میں نے صرف وہ کیا جو مجھے مناسب ہی نہیں اپنا حق بھی لگا۔" وہ تھکے تھکے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئے تھے اور دکھتے سر کو انگلیوں سے دباتے کہہ رہے تھے۔

"تیرا حق تسلیم کرتا ہوں سالار، اس لیے آج اگر تو اسے جان سے بھی مار دیتا تو ایک حرف نہ کہتا اور کیوں کہوں کہ تو نے شیریں کو ہمیشہ اپنی بیٹی کہا ہے چاہے میں اس کا باپ ہوں مگر جب تو اسے بیٹی کہتا ہے تو میں کسی قسم کی روک ٹوک کر ہی نہیں سکتا کہ محبت لٹانے سے نہیں روکا تو غصہ کرنے سے کیوں باز رکھتا، اور آج جو حرکت اس نے کی ہے اس کے لیے ہم میں سے کوئی اس کو معاف نہیں کرے گا کہ اتنے اپنوں کے ہوتے اس شخص سے ڈر گئی۔ وہ کرتی گئی جو وہ کہتا گیا ہمیں اس نے اتنا ہی کمزور سمجھ لیا تھا کہ ہم اس کی حفاظت کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔" وہ ان کا مان بڑھاتے یکدم بیٹی کو ناراضگی سے دیکھنے لگے تھے۔

"آئی ایم سوری۔" اس نے باپ کے سرخ چہرے کو دیکھا تھا اور سالار مصطفیٰ کے برابر سے اٹھتی چل کر ان تک پہنچی تھی جو نڈھال سے صوفے پر بیٹھے تھے۔ وہ ان کی گود میں سر رکھ کر روتے ہوئے منمنائی تھی۔ ان کا ہاتھ اس کے سر پر ٹھہر گیا تھا۔ کمرے میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی تھی جبکہ سالار مصطفیٰ کچھ سوچتے اٹھے تھے اور کسی کے روکنے سے قبل ہی بڑی تیزی سے وہاں سے نکل گئے تھے۔

☆......☆......☆

"سالار، بتایئے ناں، بات کیا ہے، آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟" انہوں نے گھر پہنچتے ہی بیٹے کا پوچھا تھا۔ بیوی کا جواب سن کر انہوں نے بیٹے کو کال ملائی تھی اور اسے فوراً گھر پہنچنے کا گویا حکم دیا تھا اور ان کی پریشانی بھانپتے ہوئے وہ فکر مندی سے پوچھ گئی تھیں اور

انہوں نے مختصراً تمام بات بتادی تھی۔

''تمہیں تو شیریں کو اپنی بہو بنانے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' وہ تفصیل جان کر ساکت تھیں کہ شوہر کی بات پر انہیں قدرے ناگواری سے دیکھنے لگی تھیں۔

''تم عورتوں کو بہو ایک دم پرفیکٹ چاہیے ہوتی ہے صرف اس لیے پوچھا کہ شیریں ہر کام میں کتنی کوری ہے یہ بھی تمہارے علم میں ہے۔'' انہوں نے دھیمے سے وضاحت کی تھی۔

''شیریں مجھے خواہش کی طرح ہی عزیز ہے، آپ فضول بات نہ کریں۔'' انہیں قدرے غصہ سا آ گیا تھا۔

''ناراض ہونے والی بات نہیں ہے رابی، کہ میں یہ قدم سب کی ایماء پر سب کا ذہن تیار کر کے اٹھانا چاہتا ہوں تا کہ رشتوں میں دراڑ نہ آئے کہ سچوایشن تمہاری سوچ سے بڑھ کر گھمبیر ہے بات صرف شیریں کی بے وقوفی اور ہر کام سے نابلد ہونے کی نہیں ہے کہ یہ معاملات تو آگے کے ہیں وقت کے ساتھ ہینڈل کر لیے جائیں گے کہ اصل مسئلہ صرف اتنا ہے کہ نکاح کے بعد شہیر کی ہی نہیں اس گھر کے ہر مکین کی جان کو خطرہ ہوگا۔''

وہ بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگی تھیں۔

''یہ بہت بڑا رسک ہے رابی، جو میں صرف شیریں کی عزت و بقاء کے لیے اٹھا رہا ہوں اور کیا تم اس میں ساتھ دے پاؤ گی؟ آگے کے بگڑے معاملات میں شیریں کے ساتھ بہتر سلوک کر پاؤ گی کیا تب بھی شیریں، خواہش کی مانند ہی رہے گی؟'' وہ بیوی کی فطرت اچھی طرح جانتے تھے۔ شیریں کے لیے ان کی محبت سے بھی آشنا تھے مگر وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے یہ سب پہلے ہی کلیئر کر لینا چاہتے تھے۔

''بیٹیوں کی عزت کے لیے تو بڑے سے بڑا رسک لیا جاتا ہے، آپ پریشان نہ ہوں میں اتنی بھی کمزور نہیں ہوں کہ اچھے برے حالات کا سامنا نہ کر سکوں کہ بیٹے کی جان قربان کر کے اگر گھر کی بیٹی کی عزت و ناموس محفوظ رہ سکتی ہے تو صرف شہیر نہیں، عبیر بھی ہے۔'' وہ نم پلکوں کے ساتھ بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہتیں انہیں مطمئن کر گئی تھیں۔

''تم نے زندگی کے ہر موڑ پر ثابت کیا ہے کہ میری پسند لاجواب تھی اور تم میرے لیے خدا کی طرف سے دیا کوئی انمول تحفہ ہو۔''

وہ انہیں نرمی سے ساتھ لگا گئے تھے اور ان کے آنسو ان کی شرٹ پر گرنے لگے تھے۔

''روؤ نہیں رابی، اللہ سے بہتر کی امید رکھو۔'' بھرپور انداز میں بیوی کو تسلی دی تھی اور اسی وقت دروازے پر شہیر نے دستک دے ڈالی تھی۔

''شہیر! تم سوچ سمجھ کر فیصلہ کرلو کہ تم پوری ایمانداری اور حوصلہ سے شیریں کا ساتھ نبھا سکتے ہو یا نہیں؟ کہ جس طرح کے معاملات ہیں تمہیں اپنا ظرف اور حوصلہ بڑھانا ہوگا۔'' انہوں نے ساری بات بیٹے کو بتا کر شادی کے لیے اس کی مرضی پوچھی تھی اور اس نے رضامندی دے دی تھی کہ وہ شیریں سے محبت جو کرنے لگا تھا اور وہ اس کی رضامندی سے مطمئن تو ہو گئے تھے مگر دھیمے سے ساری سچوایشن بتا کر اس کے ارادے کی مضبوطی جاننے کی کوشش کرنے لگے تھے۔

''پاپا! آپ مجھے شیریں کے معاملے میں ہمیشہ اچھا اور مہربان ہی پائیں گے۔'' اس نے نرمی سے یقین دلانا چاہا تھا۔

''مجھے تم پر بھروسہ ہے شہیر، لیکن حالات پر نہیں اور میں تمہاری ''میں'' بھی جانتا ہوں اور تمہاری سوچ بھی اس لیے چاہتا ہوں کہ تم دل سے نہیں دماغ سے بھی سوچو کہ جس طرح زعیز عہ خان اب تک شیریں کو پریشان کرتا رہا ہے آگے خاموش نہیں بیٹھے گا تو کیا تم زعیز عہ خان اور اس کی حرکتوں کو برداشت کرلو گے؟'' وہ پریشان تھے اس لیے سوچ سمجھ کر فیصلہ لینا چاہتے تھے کہ بیٹے کی فطرت بھی جانتے تھے کہ وہ اپنی معمولی سی چیزوں کو لے کر کتنا حساس رہتا تھا تو ایسا شخص بیوی کے بارے میں کس قدر پوزیسیو ہوسکتا ہے، اسی کے پیشِ نظر وہ ہر بات پہلے ہی کلیئر کرلینا چاہتے تھے۔

''پاپا، میں کوئی دعویٰ نہیں کروں گا، ہاں بس اتنا جانتا ہوں کہ شیریں سے مجھے محبت ہے اور میں اپنی محبت کے لیے کچھ بھی کرسکتا ہوں اور میں اتنا تو حوصلہ وطاقت رکھتا ہوں کہ اپنی عزت کی جانب اٹھنے والی نظروں کو روک لوں اس لیے آپ اس بات سے بےفکر رہیے گا کہ میں شیریں کو کبھی اکیلا پڑنے دوں گا کہ اس کا ہاتھ محبت کے لیے عزت سے تھام رہا ہوں اور تاعمر اس کا محافظ بن کر رہوں گا۔'' اس نے دوٹوک انداز میں ذہن ودل کی بات ہی نہیں اپنی سوچ وارادے بتا کر انہیں مطمئن کر دیا تھا اور سالار مصطفیٰ نے ان سب سے کہہ دیا تھا۔

اگلے تین گھنٹوں میں شیریں اور شہیر کا نکاح ہوگیا، نیناں شیرازی اتنی عجلت پر راضی نہیں تھی تب وہ قائل کرنے والے انداز میں بولے تھے۔

''شیریں کی شادی ایسے ہو ہم میں سے کوئی ایسا نہیں چاہتا مگر ہم فی الوقت مجبور ہیں، شیریں کی بھلائی کے لیے ہمیں یہ اسٹیپ لینا ہوگا کہ میں نہیں چاہتا کہ زعیز عہ خان اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب ہو جائے۔'' انہوں نے روتی ہوئی بہن کو شفقت سے اپنے ساتھ لگا کر تسلی دی تھی۔

''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے بھیا، نکاح کا سن کر وہ نہ جانے کیا کرے۔ اگر اس نے شہیر کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو......؟'' وہ قائل تو ہوگئی تھیں مگر دل نہیں مان رہا تھا۔

''شہیر کا اللہ محافظ ہے، تم پریشان نہ ہو اور بےفکر رہو وہ شیریں کو پولیس کمپاؤنڈ میں گھس کر تنگ نہیں کرسکے گا۔''

سالار مصطفیٰ نے اگر شیریں کو بیٹا کہا تھا تو آج صرف اس کا باپ بن کر اسے محفوظ ہاتھوں میں سونپنے کی تگ ودو میں لگے تھے اور

ان کی ہی کوششوں سے نکاح ہو گیا تھا اور نکاح کے محض ایک گھنٹہ بعد وہ شہیر کے ساتھ اسلام آباد چلی گئی تھی کہ وہیں اس کی آج کل پوسٹنگ تھی۔ نکاح سے لے کر اسلام آباد پہنچنے تک وہ روتی رہی تھی جبکہ شہیر نے اس کا ذہن بٹانے کی اپنی سی کوشش کی تھی مگر ناکام رہا تھا۔

☆......☆......☆

''اتنا سب کچھ میری لاپرواہی کی وجہ سے ہو گیا۔'' وہ بری طرح سسک رہی تھی۔

''فار گاڈ سیک نیناں، ہر بات کا الزام خود کو دینے مت بیٹھ جایا کرو۔'' وہ دکھتے سر کے ساتھ چیخ ہی تو پڑے تھے۔

''یہی حقیقت ہے کیونکہ شیریں پچھلے کچھ ماہ سے کس قدر ڈسٹرب تھی اور میں ماں ہو کر بھی نہیں جان سکی کہ بات اس قدر بڑی ہے۔'' ان کے رونے میں اضافہ ہو گیا تھا۔

''غلطی تو ہم سب سے ہی ہو گئی ہے کہ اسے میچور ہونے کا موقع دیتے اس کی الجھنوں کو ہی نہیں سمجھ سکے۔ یہ بھول گئے کہ اولاد کتنی ہی سمجھدار کیوں نہ ہو جائے رہتی تو اولاد ہی ہے ناں، جس کی قدم قدم پر والدین کو رہنمائی کرنی ہوتی ہے۔'' وہ بھی آزردگی سے بولے تھے۔

''اس شخص نے ہماری شیریں کو اتنا پریشان کیا اسے اس قدر ہراساں رکھا اور اس نے ہم میں سے کسی سے ذکر تک نہیں کیا۔'' ان کے رونے میں اضافہ ہو رہا تھا۔

''اور آگے کیا ہو گا ارمان؟ وہ اب کیا کرے گا؟'' وہ پریشانی سے بول رہی تھیں۔

''اللہ سب بہتر کرے گا۔'' پریشان تو وہ بھی تھے مگر اظہار نہیں کیا تھا۔

''شیریں نے اتنا کچھ ہم سے کیوں چھپایا؟ وہ ایک بار مجھ سے کہتی تو، پڑھائی کا بہانہ کرتی رہی اور جبکہ اس سب میں اس کی اسٹڈی بھی کس قدر متاثر ہوئی ہے۔'' سوئی پھر وہیں جا اٹکی تھی۔ ''اور میں اس کے چہرے سے بھی کبھی اس کی اصل پریشانی نہیں بھانپ سکی۔'' انہیں رہ رہ کر خود پہ غصہ آ رہا تھا جبکہ انہیں بہت کچھ غلط رہا تھا مگر وہ غلط کا سرا نہیں ڈھونڈ پائی تھیں کہ شیریں اس سے خوفزدہ ضرور تھی مگر اس سے سامنا ہی اتنے لمبے گیپ کے بعد ہونا تھا کہ وہ اتنے عرصے میں سب کچھ بھول بھال جاتی تھی کہ بات کچھ بھی تھی اس کے دل و نظر میں چاہے کچھ بھی تھا اس نے شیریں کے ساتھ کبھی کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی کہ وہ اس کے حواسوں پر سوار ہوتی یا مستقل اس کی پریشانی کا سبب بنتی اور اسی لئے وہ سب بھی ہر بات سے لاعلم رہے تھے کہ وہ وقتی طور پر پریشان ہوتی پھر ایک دو دن میں سیٹ ہو جاتی تو وہ سب اس کی کہی بات پر یقین کر لیتے تھے کہ اسے خود صحیح معنوں میں سچوایشن کا ادراک نہ تھا، ہوتا تو وہ اسی رات ساری تفصیل بتا دیتی مگر وہ اس وقت بھی خاموش رہی اور صبح میں اس کے فون سے اور رات کا حوالہ دینے پر یوں خوفزدہ ہوتی کہ جو اس نے کہا کرتی چلی گئی ذرا بھی عقل کا استعمال کرتی تو گھر میں اس کا بتا کر اس سارے قصے سے جان چھڑا لیتی مگر وہ اتنی عقل مند ہی تو ثابت نہ ہوئی تھی۔

''شاید یہ سب اسی طرح ہونا تھا اس لئے ہم سب بہت قریب رہ کر بھی ہر بات سے انجان رہے مگر اللہ کا شکر ہے کہ اس نے شیریں کی حفاظت کی اور آگے بھی وہی شیریں اور شہیر کی حفاظت کرے گا۔ تم پریشان نہ ہو کہ گزری باتیں دہرانے سے صرف اذیت ہی

ملے گی۔'' انہوں نے نرمی سے انہیں کہا اور آنسو صاف کر ڈالے تھے۔

''میں تو آنے والے وقت کا سوچ کر پریشان ہوں۔'' ان کا لہجہ غمزدہ تھا۔

''پریشان میں بھی ہوں مگر جو ہو گا اچھا ہی ہو گا کہ اس برے وقت میں جس طرح سالار اور رابی ہمارے کام آئے ہیں اس طرح تو کوئی بھی نہیں کرتا۔'' وہ دل سے ان کے مشکور تھے۔

''جی اور اگر اس نے شہیر کو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو؟'' وہ خود بھائی کی احسان مند تھیں کہ وہ اس وقت حقیقی معنوں میں شیریں کے باپ ثابت ہوئے تھے انہوں نے شیریں کے آگے شہیر کا بھی نہیں سوچا تھا۔

''نیکی و اچھائی کا صلہ تو صرف اللہ دیتا ہے اور شہیر کی اچھائی بھی رائیگاں نہیں جائے گی اس لے کر پریشان نہ ہو کہ اس کا اللہ محافظ ہے۔'' وہ شہیر کے دل میں قدر و منزلت بڑھتی محسوس کر رہے تھے اور وہ اس کے لیے دعائیں کرنے لگی تھیں۔

☆......☆......☆

''مجھے نئی جگہ پر نیند نہیں آئے گی۔'' انہیں ایک گھنٹہ ہونے والا تھا وہ وقفہ وقفہ سے اب بھی رو رہی تھی۔ شہیر نے کھانے کا پوچھا تو انکار کر دیا اور جوس بھی بمشکل ہی آدھا گلاس لیا تھا۔ وہ بیمار نہ پڑ جائے اس خیال سے شہیر نے اس سے کہا تھا کہ وہ کچھ دیر آرام کر لے تب وہ بھاری لہجے میں منمنائی تھی کہ مستقل رونے سے چہرہ و آنکھیں سوج گئی تھیں جبکہ آواز بھی بھاری ہو گئی تھی۔

''تم کوشش تو کر کے دیکھو۔'' نرمی سے صرف کہا تھا بلکہ اسے صوفے سے ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر دیا تھا۔ وہ بڑی خاموشی سے اس کے ساتھ چلتی اس کے بیڈ روم تک آئی تھی۔

''لیٹ جاؤ شیریں، کچھ دیر آرام کر لو کہ میں تمہارے پاس ہوں، تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ اس کے اشارے پر بیڈ پر ٹک گئی تھی جب وہ اس کے برابر بیٹھتا بہت نرمی سے بولا تھا اور وہ بے آواز رونے لگی تھی۔

''پلیز شیریں، روؤ نہیں، رونا مسئلے کا حل نہیں ہوتا۔'' وہ اس سے زیادہ کلام نہیں کرتا تھا اسی لحاظ سے وہ اس سے مانوس بھی نہیں تھی اسی لئے وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا اسے کیسے دلاسہ دے، کیسے سمجھائے کہ وہ رونا ترک کر کے سکون سے سو جائے اور وہ تو بہت پہلے ہی ہراساں تھی اسی لئے نئی افتاد نے اسے بالکل ہی بوکھلا دیا تھا اسی لئے خاموشی سے بس روئے جا رہی تھی وہ اس سے یہ تک نہیں کہہ سکی تھی کہ وہ بیٹھے بیٹھے تھک چکی ہے اسی لئے خود بھی آرام کرنا چاہتی ہے مگر اس کے سامنے لیٹنے سے ہی گریزاں ہے کہ اس کی شرم و حیا اسے روک رہی ہے۔ نہ ہی وہ اس سے یہ کہہ پا رہی تھی کہ وہ اس کی موجودگی سے خوفزدہ ہے مگر اکیلے پن کا خوف ایسا ہے کہ وہ اس کو جانے کو بھی نہیں کہہ سکتی۔ اسی اثناء میں کال بیل ہوئی تھی اور وہ ڈر کر چیخ پڑی تھی۔

''ڈرو نہیں، میں ہوں ناں۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام گیا تھا۔

''آپ پلیز کہیں مت جائیں۔'' کال بیل پھر ہوئی تھی اس لئے اٹھنا چاہا تھا کہ وہ اس کا بازو دبوچ گئی تھی۔

''انسپکٹر شائستہ ہوں گی میں نے ان سے کھانے کے لئے کہا تھا۔''

اس کے ہراساں چہرے کو دیکھتے ہوئے نرمی سے رک کر تسلی دی تھی۔اس کا کھانا انسپکٹر شائستہ کی ماسی بنا کر کبھی خود دے جاتی تھی کبھی وہ لے آتا تھا اسی لیے اس نے آنے کے ساتھ ہی انہیں فون کر کے کھانے کا کہہ دیا تھا۔وہ کھانا ٹیبل پر لگا تا کمرے میں آیا تو وہ شدتوں سے رو رہی تھی اس نے کچھ سوچ کر رابعہ کو کال کی تھی اور شیریں کے رونے کا بتا کر اسے سمجھانے کی استدعا کی تھی۔

''مجھے آپ سب کے پاس آنا ہے، یہاں مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' وہ رابعہ کی آواز سن کر ہی بکھر گئی تھی کہ اسلام آباد پہنچنے کے بعد اس نے شیریں کی بات نیناں سے کروائی تھی لیکن اس نے بات کم کی تھی رو کر ماں کو زیادہ پریشان کیا تھا اس لئے پھر کسی سے اس کی بات نہیں کروائی تھی کہ وہ فی الوقت اس پوزیشن میں ہی نہ تھی۔

''شہیر ہے ناں تمہارے ساتھ اس لیے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ دکھ سے دوچار نہایت نرمی سے بولی تھیں۔

''آپ لوگ سمجھ کیوں نہیں رہے، میں نے یہاں نہیں رہنا، آپ جانتی ہیں مجھے شہیر بھیا سے ڈر لگتا ہے تو پھر کیوں آپ سب نے مجھے شہیر بھیا کے ساتھ اکیلے بھیج دیا ہے؟'' وہ تسلی سے بات کر لے اس خیال سے وہ اسے کمرے میں اکیلا چھوڑ گیا تھا کہ اس کے چیخنے پر بوکھلا کر صوفے سے اٹھ گیا تھا جبکہ گھبرا تو رابعہ بھی گئی تھیں۔

''حالات کے سبب ہم سب نے یہ اتنا بڑا ڈسیجن لیا ہے اور اب تم بچی نہیں ہو جو وقت و حالات کی نزاکت کو ہی نہ سمجھ سکو۔'' وہ اپنی گھبراہٹ و پریشانی پر قابو پاتیں سختی سے بولی تھیں کہ ان سب کی نرمی کے سبب وہ صورتحال سمجھ نہیں پا رہی تھی الٹا بکھیر رہی تھی اس لیے کچھ سوچ کر انہوں نے پینترا بدل ڈالا تھا۔

''اور یاد رکھو شیریں، تمہیں شہیر کے ساتھ ایسے ہی منہ اٹھا کر نہیں بھیج دیا۔اس سے نکاح ہوا ہے تمہارا، وہ اب تمہارا محافظ ہی نہیں، تم پر تمام تر حقوق رکھتا ہے اس سے اب تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اپنا اور اس کا خیال رکھنا ہے۔'' وہ دھیمے سے ناصحانہ انداز میں ڈپٹتے ہوئے اسکے اور شہیر کے رشتے کی حیثیت سمجھا رہی تھیں کہ اسکی سسکیاں سن کر لحظہ بھر کو رک گئی تھیں اپنے انداز پر افسوس ہوا تھا مگر یہ سب ناگزیر تھا کہ وہ اپنی بے وقوفی سے پہلے ہی معاملات بہت بگاڑ چکی تھی ان کے سدھار کے لئے اس کو آگاہی دینا ضروری ہو گیا تھا۔

''اب تم بالکل چپ کر جاؤ شیریں کہ تم نے اب رو رو کر شہیر کو تنگ کیا تو اچھا نہیں ہو گا، مجھے تمہاری کوئی شکایت نہیں ملنی چاہیے۔'' باور کروانے والے لہجے میں کہہ کر رابطہ ہی منقطع کر دیا تھا۔

''مما، آپ نے شیریں کو کیا کہا ہے وہ تو پہلے سے زیادہ رو رہی ہے۔'' اس کا مستقل رونا اسے اریٹیٹ کرنے لگا تھا اس لیے اسے چپ کروانے میں ناکام ہو کر اس نے پھر ماں کو کال ملائی تھی۔

''میں نے شیریں کو بہت ڈانٹا ہے کہ یہ سب ضروری ہو گیا تھا بٹ تم کچھ نرمی، کچھ سختی سے اسے چپ کرواؤ کہ وہ تم سے بھی کچھ خوفزدہ ہے اس لیے تم سختی کرو گے مشکل ہو جائے گی اس لئے تم دوستانہ ماحول میں اسے ٹینشن فری کرو، اس کا خیال رکھو۔'' وہ بیٹے کو بہت

نرمی سے شیریں کا خیال رکھنے کا کہہ رہی تھیں۔

''مما، اسی لئے تو میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ ہمارے ساتھ آ جائیں۔'' اس نے ناراضگی سے کہا تھا۔

''ہاں، آنا چاہتی تھی مگر آج شام یمانی کا ولیمہ ہے اس لیے ہم میں سے کوئی بھی نہیں آیا کہ ہم نے یہاں کے معاملات بھی دیکھنے ہیں، ہوسکتا ہے کل شام تک میں یا مما وہاں آ جائیں۔'' انہوں نے بیٹے کو تسلی دی تھی اور وہ ماں کی نصیحتوں کو غور سے سنتا رابطہ منقطع کر کے ڈائننگ ہال میں آ گیا تھا اور ایک ٹرے میں کھانا لے کر اپنے کمرے میں آیا تو وہ گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی۔

''دیکھو شیریں، حالات کچھ اس نہج پر پہنچ گئے تھے کہ گھر والوں کو ہمارے نکاح کا فیصلہ لینا پڑا تا کہ زعیزعہ خان تمہیں پھر سے پریشان نہ کر سکے، اب تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ یہاں نہیں آ سکتا، یہاں تم محفوظ ہو۔'' وہ بہت نرمی سے اس کے سامنے بیٹھا کہہ رہا تھا وہ سوجی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''اور جہاں تک ہمارے اکیلے آنے کی بات ہے تو یمانی آپی کے ولیمہ کی وجہ سے اور خاص زعیزعہ کی وجہ سے کوئی ساتھ نہیں آیا کہ ابھی پاپا نہیں چاہتے کہ اس کے علم میں ہمارے نکاح کی بات آئے اس لیے وہاں سب نے بہت نارمل بی ہیو کرنا ہے اسی لیے کوئی ساتھ نہیں آیا۔'' وہ اسے تفصیل بتا رہا تھا۔

''وہ یہاں بھی پہنچ گئے تو؟'' اس کا خوف لہجے سے عیاں تھا۔

''وہ یہاں نہیں آ سکتا۔'' نرمی سے تسلی دی تھی۔

''نہیں، وہ آ جائیں گے، وہ ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں، وہ میرے کالج میں بھی آسانی سے پہنچ گئے تھے، وہ اس شب ہال کے باہر بھی آ گئے تھے انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں نے آپ سے منگنی ختم نہیں کی تو وہ آپ کو جان سے مار دیں گے۔'' وہ خوف سے چلا رہی تھی اس نے آگے بڑھ کر اسے خود سے لگا لیا تھا۔ وہ اس کے وجود سے لگی تھر تھر کانپ رہی تھی اس کی کوئی تسلی، دلاسہ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ زعیزعہ خان کا نام لے کر اس نے اس کے خوف کے نئے در کھول دیئے تھے۔

''شہیر بھیا، میں نے آپ سے نکاح نہیں کرنا تھا کہ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں صرف ان کی ہوں، ان کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہوسکتی، میں نے اگر ان سے شادی کی بات گھر میں نہیں کی تو وہ آپ کو مار دیں گے اور مجھ سے ایک خاص قسم کا ریلیشن بنائیں گے۔ مجھے وہ پسند نہیں، ان سے مجھے بہت ڈر لگتا ہے، مجھے بچا لیں شہیر بھیا۔'' وہ اس کی حالت سے انجان اپنی ہی کہے جا رہی تھی جبکہ اس کا چہرہ خطرناک حد تک سرخ پڑ گیا تھا۔ ماتھے پر سبز رگیں ابھر آئی تھیں۔

''چپ کر جاؤ شیریں۔ کہا ناں میں نے اب وہ تمہیں کبھی تنگ نہیں کر سکے گا۔ بھروسہ رکھو مجھ پر۔'' وہ اپنی حالت کے برعکس بہت دھیمے لہجے میں بولا تھا۔ وہ اس کے سینے پر سر ٹکائے بلک اٹھی تھی۔

''جاؤ فریش ہو کر آؤ، پھر ہم کھانا کھائیں گے۔ مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔'' وہ تھکا ہوا تو تھا ہی اس کی باتوں نے اسے

مضطرب بھی کر ڈالا تھا اس لیے اسے نرمی سے خود سے الگ کر کے بہت دھیمے سے بولا تھا۔

''لیکن مجھے بھوک نہیں ہے۔'' وہ عجب سے احساس میں گھرتی نگاہ جھکائے منمنائی تھی۔

''او کے، تم نہ کھاؤ میں کھا لیتا ہوں کہ پھر میں نے ایان سے بھی رابطہ کرنا ہے کہ اس کے ذریعے ہی تو میں یہاں رہ کر یمانی آپی کے ولیمہ میں شرکت کروں گا۔'' وہ اس پر سے نگاہ ہٹا کر کھانے کی ٹرے کی طرف بڑھا تھا۔

''میں بھی آ رہی ہوں۔'' وہ جلدی میں واش روم کی جانب بڑھی تھی اور وہ منتشر ذہن کے ساتھ پرسکون سی گہری سانس کھینچ گیا تھا۔

☆......☆......☆

''ابران، کوئی مسئلہ ہے کیا؟'' فراز کی بات پر وہ چونک اٹھا تھا۔

''نہیں۔'' وہ فراز کو نہیں دیکھ رہا تھا۔

''کوئی بات تو ضرور ہے۔ سب ہی کچھ پریشان، کچھ افسردہ سے لگ رہے ہیں اور یہ آج شیریں بھی مجھے کہیں دکھائی نہیں دی۔ اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟''

فراز کو اس نے دیکھا تھا وہ اسے اپنے لیے پریشان لگا تھا اس نے فراز کو تمام بات بتا دی تھی۔

''اوہ، میرے خدا۔ تو تم لوگوں نے اس شخص کے خلاف کوئی ایکشن کیوں نہیں لیا؟'' وہ صحیح معنوں میں پریشان ہو گیا تھا۔

''اس پر کتنے ہی چارج ہیں مگر کوئی اسے حوالات میں دو گھنٹے بھی بند نہیں کر سکتا اور ہم تو خود ہی اپنی عزت کی وجہ سے چپ ہیں کہ بات منہ سے نکالیں گے تو ہم ہی بدنام ہوں گے اسی لیے تو یوں شیریں کا نکاح کر کے شہیر کے ساتھ بھیج دیا ہے اور یہاں سے کوئی ساتھ بھی نہیں گیا کہ تم خود اس کی اپروچ کا اندازہ لگاؤ کہ ماموں جان کی پوسٹ جانتے ہوئے بھی وہ ہمارے گھر کی نگرانی کروا رہا ہے اسی لیے ہم سب بہت نارملی بی ہیو کر رہے ہیں۔'' اس کا چہرہ اور آنکھیں ضبط سے سرخ ہو گئی تھیں۔

''مگر یہ کوئی حل تو نہیں ہے ناں۔'' فراز دھیمے سے بولا تھا۔

''اوہوں، ماموں جان کوشش کر رہے ہیں اس کے کالے کرتوتوں کی فائلز اوپن ہو گئی ہیں۔ اب دیکھو کب تک وہ اس میں کامیاب ہو پاتے ہیں کہ ایک ایماندار آفیسر تو اپنے تئیں مجرم کو پکڑ لیتا ہے مگر اس سے اوپر بیٹھے اور کالے کوٹ پہنے ملک کی جڑیں کمزور کرتیں کالی بھیڑیں اسے آزاد کروا لیتی ہیں۔'' وہ سخت کبیدہ خاطر نظر آنے لگا تھا۔

''یو ڈونٹ وری، اللہ سب بہتر کرے گا۔'' فراز نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بھرپور انداز میں تسلی سے نوازا تھا۔

''تو مجھ سے کیا کہنا چاہتا تھا؟'' خیال آنے پر اس نے پوچھا تھا جبکہ وہ اسے ٹال گیا تھا کہ یہ بات کرنے کا مناسب وقت نہ تھا اور وہ جو اس کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا وہ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے کے مصداق اس کے سامنے آ گئی تھی۔

''ابران بھیا، آپ کو مما بلا رہی ہیں۔'' رویحا کی آواز پر وہ دونوں ہی اس کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔ اس نے نرمی سے آنے کا

کہا تھا اور وہ پلٹ گئی تھی مگر فراز کی نگاہ نہیں پلٹ سکی تھی اس کے تعاقب میں دور تک گئی تھی۔ گولڈن براؤن ڈریس میں وہ افسردہ سی بہت زیادہ اچھی لگ رہی تھی کہ فراز کو وہ ہر حال میں ہی اچھی لگنے لگی تھی۔

''تو یہیں رک میں آفی کی بات سن کر آتا ہوں۔'' ابران کی آواز پر چونک کر وہ نگاہ اس کی جانب موڑ گیا تھا۔'' بلکہ ایسا کر ساتھ ہی آجا آفی سے بھی مل لینا، وہ پوچھ رہی تھیں تیرا۔''

یکدم خیال آنے پر بولا تھا جبکہ وہ متحیر رہ گیا تھا۔

''تم یہاں ہر اس شخص کے لیے اہم ہو جس کے لیے ابران شیرازی اہم ہے۔'' اس کی حیرت کا جواب ابران نے بڑی خوبصورتی سے دیا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

☆......☆......☆

''مجھے نئی جگہ پر نیند نہیں آرہی، ڈر بھی لگ رہا ہے۔'' شہیر سونے لیٹا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہونے لگی تھی۔ اس نے عجلت میں اٹھ کر دروازہ کھولا سامنے ہی وہ ڈری سہمی سی کھڑی تھی اس پر نگاہ پڑتے ہی دھیمے سے منمنائی تھی۔

''تم کمرے میں چلو میں وہیں آجاتا ہوں۔'' اس نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا تھا اور اس نے نئی فرمائش کر ڈالی تھی۔

''خوشی سو گئی ہو گی، رات کے ڈھائی بج رہے ہیں۔'' اس کے سیل فون مانگنے پر کہا تھا کہ اسے نیند آرہی تھی اس لیے صرف سونا چاہتا تھا وہ پہلے ہی اسے ڈسٹرب کر چکی تھی نہیں چاہتا تھا کہ مزید کرے اس لیے صاف انکار کر دیا تھا جبکہ اندازہ تھا کہ وہ لوگ ولیمہ کے اختتام پر ابھی گھر ہی پہنچے ہوں گے اس لیے خواہش جاگ رہی ہو گی۔

''اب بیٹھی کیوں ہو؟ سو جاؤ میں یہیں ہوں۔'' وہ کمپیوٹر چیئر پر بیٹھ گیا تھا اسے بیٹھے دیکھ کر چڑ ہونے لگی تو کہہ گیا اور اس کے سخت لہجے سے خائف ہوتی وہ اسے دیکھنے لگی تھی۔

''آپ کہاں سوئیں گے؟''

اس نے چونک کر اسے دیکھا تھا وہ کافی کنفیوز لگی تھی۔

''مجھے فی الحال نیند نہیں آرہی، آئے گی تو میں نیچے کارپٹ پر سو جاؤں گا۔ تم بے فکر ہو کر سو جاؤ۔''

وہ اس کی خاطر نیند کی ہی نہیں اپنے بیڈ کی بھی قربانی دے گیا تھا۔ اس نے نگاہ اس کے چہرے سے ہٹائی اور قدرے مطمئن ہوتی جھجکتے ہوئے سونے کے لیے لیٹ گئی تھی جبکہ اس نے کتاب کھول لی تھی لیکن کچھ دیر بعد ہی آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں تو کتاب بند کر کے کھڑا ہو گیا۔ مڑتے ہی نیند کے خمار میں ڈوبیں سیاہ آنکھیں سکون سے سوتی شیریں پر ٹھہر گئی تھیں۔ اس کا سرخ چہرہ متورم تھا، پلکیں عارضوں پر سایہ فگن تھیں، دراز زلفیں تکیہ اور بیڈ پر پھیلی تھیں اور کچھ لٹیں ہوا سے لہرا کر اس کے چہرے کے گرد طواف کر رہی تھیں، گلابی کاٹن کے ایمبرائیڈڈ سوٹ میں اس کا متناسب سراپا بہت نمایاں تھا اور گلے میں پڑا بیڈ سے نیچے لٹکتا دوپٹہ فی الوقت اس کے جسم کے نشیب و فراز

چھپانے سے قاصر تھا۔رات کی مہیب تاریکی اس کے جذبات پر اثر کرنے لگی تھی اس کی آنکھوں میں خمار کا سبب کیا بدلا تھا دل اس دشمنِ جاں کی طرف ہمکنے لگا تھا کہ اس نے کروٹ لی تھی۔سرخ چوڑیوں کی جلترنگ خاموشی کو ایک نیا سر دے گئی تھی مگر ساتھ ہی اسے خمار سے ہوش کی دنیا میں لے آئی تھی اس نے آگے بڑھ کر شیریں کی پشت کے پیچھے پڑا تکیہ اٹھایا اور کارپٹ پر ڈال کر سونے کے لیے لیٹ گیا مگر نیند اب کس کافر کو آنی تھی۔

☆......☆......☆

زعیزعہ خان کی گاڑی کالج کے باہر رکی تھی اور وہ گاڑی سے نکل کر اس سے کمر ٹکا کر کھڑا ہو گیا تھا کہ نگرانی کروانے سے اسے کچھ حاصل نہیں ہو پایا تھا کہ وہ لوگ منہ سے بھاپ تک نہیں نکال رہے تھے تو وہ کیسے کچھ جان پاتا؟ مگر یہ بات تو اسے پتہ چل گئی تھی کہ شیریں ''نیناں ولاز'' میں نہیں ہے اس لیے وہ اپنے ہی انداز سے جاننے کے لیے کالج آ گیا تھا۔

''شیریں کہاں ہے؟''

اس کا ٹیسٹ تھا اس لیے وہ رات کی تھکن کے باوجود کالج چلی آئی تھی۔چھٹی کے بعد وہ عبیر کا انتظار کر رہی تھی کہ زعیزعہ خان اس کے سامنے آ گیا تھا اور وہ اسے اچانک سامنے پا کر پریشان ہوئی تھی کہ لگی لپٹی کے بغیر کیے جانے والے سوال پر قدرے سہم گئی تھی۔

''مس خواہش، میں آپ کے ساتھ مس بی ہیو نہیں کرنا چاہتا اور آپ چاہتی ہیں کہ میں اپنے ارادے پر قائم رہوں تو مجھے بتایئے کہ شیریں کہاں ہے؟'' وہ اس کے گھبرائے انداز ملاحظہ کرتا تیکھے لہجے میں بولا تھا۔

''شیریں کو فیور ہے اس لیے وہ آج کالج نہیں آئی، بٹ آپ......'' اس نے تھوک نگلتے ہوئے جھوٹ بولا تھا۔

''میں نے شیریں سے کہا تھا کہ وہ اپنا نمبر آن رکھے مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔آپ اپنے نمبر سے میری اس سے بات کروایئے۔'' درشتگی سے حکم دیتا اسے صحیح معنوں میں ہراساں کر گیا تھا۔

''میں آپ کو جانتی تک نہیں ہوں، میں آپکی شیریں سے بات کیوں کرواؤں گی۔'' وہ خود پر قابو پاتی خوداعتمادی سے بولی تھی۔

''مجھے جاننے کے لئے عمر پڑی ہے۔تماشا بننا نہیں چاہتیں تو میری اس سے بات کرواؤ۔'' وہ یکدم اشتعال میں آتا اس کا بازو جکڑتا چیخ پڑا تھا وہاں سے گزرتیں اسٹوڈنٹ رک کر انہیں دیکھنے لگی تھیں۔وہ بھیگتی پلکوں سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

''میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا، سیدھے طریقے سے بتاؤ مجھے۔شیریں کہاں ہے تو میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔'' اس کا بازو جکڑے ناصحانہ انداز میں بولا تھا تا کہ وہ اسے بتا دے مگر وہ باپ کی نصیحت کے سبب ایک لفظ نہیں بولی کہ سالار مصطفیٰ نے کہا تھا کہ نکاح کا کسی کو فی الحال پتہ نہیں چلنا چاہیے۔

''میں آپ کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔''

لوگوں کی نظریں خود پر محسوس کرتی وہ ذلت سی محسوس کر رہی تھی لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری تھی۔خوداعتمادی سے اس کے سامنے

جمی تھی کہ پولیس جیپ آ کر رکی تھی اور باپ کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آ گئی تھی۔ سالار مصطفیٰ کو دیکھ کر اس نے گرفت ڈھیلی کی تھی اور وہ دوڑ کر باپ کی چھاتی سے جا لگی تھی۔

''یہ مت سمجھنا کمشنر کہ میں چپ بیٹھوں گا۔ اس وقت تو تم بیٹی کی ڈھال بن گئے مگر کب تک بنو گے؟ کہ مجھے کسی بھی قیمت پر شیریں چاہیے۔ وہ نہیں ملی تو میں تمہارے پورے خاندان کو تباہ کر دوں گا۔'' وہ انہیں وارننگ دیتا نکلتا چلا گیا تھا جبکہ وہ مصلحتاً خاموش رہے تھے۔ ''تم سے کیا بکواس کی ہے اس شخص نے؟'' روتی ہوئی بیٹی سے پوچھا تھا۔

''شیریں کا پوچھ رہا تھا، بٹ میں نے اسے کچھ نہیں بتایا۔'' اس کے رونے میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ''اس نے میرے ساتھ بہت بدتمیزی کی ہے پاپا، میرا ہاتھ بھی پکڑا، سب مجھے عجیب نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔''

وہ ان سے لگی رو رہی تھی انہوں نے لب بھینچتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

''سب نے میرے بارے میں کیا سوچا ہو گا کہ میں کیسی لڑکی ہوں۔'' اس کے رونے میں بدستور اضافہ ہو رہا تھا۔

''بیٹا، زندگی میں کئی موڑ ایسے آتے ہیں جب انسان کو بہت کچھ سہنا پڑتا ہے۔ حالات سے جو گھبرا جائے وہ انسان نہیں ہوتا اور میری بیٹی تو بہت بہادر ہے، دوسرے کیا سوچتے ہیں اس کی فکر نہ کرو، فکر کرنی ہے تو اس بات کی کہ تم کیا ہو؟ تم خود اور تمہارے اپنے تم سے تمہارے عمل سے مطمئن ہیں تو لوگوں کی پرواہ ہی نہ کرو اور میں اپنی بیٹی پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ اپنی بیٹی کے ہر قدم سے مطمئن ہوں۔'' شفقت سے کہہ کر بھیگی پلکوں سے اسے دیکھا تھا کہ زعیزعہ خان کی حرکت سے وہ بہت ہرٹ ہوئے تھے مگر ان کا حوصلہ بھی کمال کا تھا اسی کو بروئے کار لے آئے تھے نرمی سے بیٹی کے سر پر بوسہ دیا تھا اسے زندگی کے کچھ نئے اصول سمجھائے تھے اور زعیزعہ خان کا کیا کرنا ہے سوچنے لگے تھے کہ وہ زعیزعہ خان سے نہیں اپنی عزت کے جانے سے ڈرتے تھے اسی لئے اتنی ارجنٹ لی شیریں کا بیٹے سے نکاح پڑھوا دیا تھا کہ جس طرح کا وہ انسان تھا اس سے اچھائی کی توقع ہی عبث تھی مگر آج کی اس کی حرکت کے بعد بھی انہوں نے نہیں سوچا تھا کہ وہ اس سے بھی گری ہوئی حرکت کر جائے گا۔

☆......☆......☆

''آپ مجھے اکیلے چھوڑ کر کیسے جا سکتے ہیں؟'' اس کو پولیس یونیفارم میں نک سک سے تیار دیکھ کر وہ صدماتی لہجے میں بولی تھی۔

''میرا جانا بہت ضروری ہے اور تم پریشان نہ ہو، کچھ دیر تک انسپکٹر شائستہ یہاں آ جائیں گی اور میری واپسی تک وہ تمہیں کمپنی دیں گی۔''

کل کی نسبت وہ آج کچھ فریش لگ رہی تھی وہ نرمی سے کہہ کر جوتے پہننے لگا تھا۔

''لیکن میں تو انہیں جانتی تک نہیں ہوں۔ آپ آج نہ جائیں ناں، چھٹی کر لیں پلیز۔'' اس کے معصومیت سے کہنے پر وہ اسے بے ساختہ دیکھنے لگا تھا وہ اسے بڑی امید بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''میرا جانا بہت ضروری ہے۔ فی الحال آف نہیں لے سکتا۔ اور تم اب ایک پولیس والے کی بیوی ہو اس لیے چھوٹی چھوٹی باتوں

سے گھبرانا ڈرنا بالکل چھوڑ دو۔'' اس نے ہلکے سے انداز میں کہا تھا اور آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا اور عادت کے مطابق خود پر دل کھول کر پرفیوم کیا اور اسے نئی ہدایت دینے لگا۔

''انسپکٹر شائستہ سے شادی کے متعلق کوئی بات نہ کرنا۔'' اس کے چھینکنے پر اس نے بات روک کر اسے دیکھا جس کی رنگت زرد ہو رہی تھی اور متواتر چھینکیں آ رہی تھیں۔

''آر یو اوکے شیریں؟'' وہ پریشان ہو کر اس کے نزدیک آیا تھا مگر اس کے وجود سے اٹھتی تیز کلون کی خوشبو سے اس کا تنفس بگڑنے لگا تو اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ وہ پرفیوم انڈیلتے وقت یکسر بھول چکا تھا کہ شیریں کو اسمیل سے الرجی ہے جبکہ وہ منہ اونچا کیے، سینے پر ہاتھ رکھے سانس کھینچنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ شہیر نے اپنے حواس بحال رکھتے ہوئے پہلی فرصت میں شرٹ اتار کر دور اچھالی اور اسے بازو سے کھینچ کر لاؤنج میں لے گیا۔ اسے صوفے پر بٹھانے کے بعد دوڑ کر کچن سے پانی لایا اور اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ کچھ دیر میں وہ قدرے نارمل ہوئی تو اس کی جان میں جان آ گئی۔

''اُف۔ تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔'' نرمی سے بولا تھا۔ اس نے بھیگی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا مگر دوسرے ہی پل نگاہ چرا لی کہ وہ پینٹ پر صرف بنیان پہنے ہوئے تھا جس میں اس کا کسرتی جسم کافی نمایاں ہو رہا تھا۔

''اب کیسا فیل کر رہی ہو؟ کہو تو ڈاکٹر کو بلا لوں؟'' وہ صوفے پر عین اس کے سامنے بیٹھا اس کی کیفیت سے انجان فکرمندی سے پوچھ رہا تھا۔

''میں اب ٹھیک ہوں۔'' دھیمے سے منمنائی تھی۔

''سوری شریں میری وجہ سے تمہیں اتنی تکلیف پہنچی۔ مجھے بالکل خیال نہیں آ رہا تھا کہ تمہیں اسمیلز سے الرجی ہے۔'' وہ شرمندگی سے کہہ رہا تھا۔

''اٹس اوکے۔ اس میں آپ کی کیا غلطی ہے۔'' وہ اپنے پیروں پر نگاہ جمائے دھیمے سے کہہ گئی تھی۔

''لیکن مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تمہاری یہ پرابلم اتنی بڑھ چکی ہے۔'' وہ اس کی حالت سے حقیقتاً پریشان ہو گیا تھا۔

''علاج کے سبب اب تو یہ پرابلم کافی حد تک کم ہو گئی ہے۔ وہ تو آپ نے میری موجودگی میں اسپرے کیا تو اس لیے اتنا مسئلہ ہو گیا کہ اسمیل بہت نزدیک سے میری ناک تک پہنچی تھی جبکہ پرفیوم تو آپ نے کل بھی لگایا ہوا تھا مجھے کوئی پرابلم نہیں ہوئی تھی جبکہ میں آئی تو آپ کے ہی ساتھ تھی۔'' اس نے تفصیل سے وضاحت کی تھی اور وہ اس کو دیکھنے لگا تھا جو اس کی طرف دیکھنے سے گریز برت رہی تھی یکدم اسے شرارت سوجھی تھی۔

''تھینک گاڈ، ورنہ میرے لیے تو پرابلم ہو جاتی کہ میں پرفیوم لگائے بغیر نہیں رہ سکتا اور جس طرح تم ابھی مجھ سے نظریں چرائے بیٹھی ہو، میرے نزدیک آنے سے بھی یونہی کتراتیں۔''

وہ اس کے ذومعنی جملے پر چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''تمہیں کل کوئی پرابلم ہو جاتی تو میں تمہیں سینے سے لگا کر تسلی کیسے دیتا؟''

اس کے دیکھنے پر وہ مزید شوخ ہوا تھا جبکہ وہ بری طرح گڑبڑا گئی تھی اور مارے گھبراہٹ کے بیٹھے سے کھڑی ہو گئی تھی اور وہ اس کی سرخ پڑی رنگت کو دلچسپی سے دیکھتا اس کے بہت قریب آ رکا تھا۔

''میں جا رہا ہوں، اپنا خیال رکھنا۔''

وہ تھر تھر کانپنے لگی تھی وہ اسے تنگ کرنے کا یکدم ہی ارادہ بدلتا نرمی سے کہہ کر کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا اس نے کب کی رکی سانسیں بحال کی تھیں اور عرق آلود پیشانی دوپٹہ سے صاف کر رہی تھی کہ وہ شرٹ کے بٹن لگانے چلا آیا تھا اور اس کی ہدایت پر وہ یہ تک نہیں بولی تھی کہ وہ اکیلے کیسے رہے گی؟ انسپکٹر شائستہ کب آئیں گی؟

''انسپکٹر شائستہ آ گئی ہیں، یاد رہے تم نے انہیں کچھ نہیں بتانا، ہاں ان کے ساتھ مل کر تم اپنی وارڈ روب سیٹ کر لینا کہ جانتا ہوں کہ تم نے یہ کام کبھی نہیں کیے اس لیے تمہیں آئیڈیا بھی نہیں ہے۔ انسپکٹر شائستہ تمہاری ہیلپ کر دیں گی۔'' کال بیل کی آواز آتے ہی اس نے جلدی جلدی کہا تھا اور اس کے کچھ کہنے یا سمجھنے سے قبل ہی دروازہ کھول دیا تھا۔ وہ مڑ کر دروازے کی جانب دیکھنے لگی تھی۔ وہ جو کسی کرخت سی عورت کو ایکسپیٹ کر رہی تھی گلابی چہرے والی خوبصورت سی انسپکٹر شائستہ کو دیکھ کر اسے قدرے اطمینان ہوا تھا۔ وہ اپنی عادت کے مطابق پرتپاک انداز میں شیریں سے ملی تھیں جبکہ وہ ٹینشن اور حیرانی کے سبب ذرا بھی خوش اخلاقی نہیں دکھا سکی تھی۔ شہیر نے ان دونوں کا تعارف کروایا تھا۔

''سر، آپ کی وائف آپ کی طرح بہت اچھی ہیں۔'' وہ بے تکلفی سے بولی تھی۔ وہ یہی کوئی ستائیس یا اٹھائیس سال کی ہو گی، شادی کو محض چھ ماہ ہی ہوئے تھے۔ وہ دھیمے سے مسکراتا اجازت لیتا چلا گیا تھا۔

''سر نے جب کہا کہ میں نادرہ (ماسی) سے ان کے فلیٹ کی صفائی کروا دوں تو مجھے اندازہ ہی نہ تھا کہ سر نے صفائی آپ کے استقبال میں کروائی ہے۔'' وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بے تکلفی سے بولی تھی۔ ''ویسے کتنا عرصہ ہو گیا ہے سر کی اور آپ کی شادی کو؟'' وہ شیریں کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

''بہت عرصہ نہیں ہوا، کل ہی تو ہمارا نکاح ہوا ہے۔'' وہ اپنی ازلی سادگی سے بولی تھی۔

''واؤ، یعنی کل آپ کی ویڈنگ نائٹ تھی، سر نے آپ کو منہ دکھائی میں کیا دیا؟'' وہ اپنے مخصوص فرینک انداز میں بولتی اسے گڑبڑا گئی تھی۔ اس کے چہرے پر اڑتیں ہوائیاں دیکھ کر وہ بے ساختہ ہنس دی تھی۔

''آپ شرماتی ہوئیں بہت اچھی لگ رہی ہیں۔'' اس نے شیریں کو چھیڑا تھا کہ گھبرائی گھبرائی سی شیریں کو تنگ کرنا اسے اچھا لگ رہا تھا کہ اس کی نگاہ شیریں کے سفید ہاتھوں پر پڑی تھی۔

''آپ نے اپنی شادی پر مہندی نہیں لگائی؟''

شیریں نے بے ساختہ اپنے ہاتھ دیکھے اور نفی میں گردن ہلا دی۔

''مجھے اسمیلز سے الرجی ہے۔'' وہ وجہ پوچھے بغیر رہ نہیں سکی تھی تب وہ دھیمے سے کہہ گئی تھی۔

''اوہ، بٹ، سرتو بہت تیز خوشبو لگاتے ہیں مگر آپ کے لیے انہیں اپنی پسند سے دستبردار ہونا پڑے گا۔'' وہ شوخی سے بولی تھی اس نے نظر چرالی تھی کہ کچھ دیر پہلے کا منظر اور شہیر کی ذومعنی گفتگو ذہن کے پردے پر دستک دے گئی تھی اس کا چہرہ بہت تیزی سے سرخ ہوا تھا۔

''میرے بولنے سے میرے گھر والے اور اب علی بہت پریشان رہتے ہیں، بٹ مجھ سے کم نہیں بولا جاتا آپ کو میرا بولنا ناگوار لگے تو پلیز بتا دیجئے گا۔'' اس کی مستقل خاموشی پر اسے احساس ہوا تھا کہ بولنے کا فریضہ صرف وہ انجام دے رہی ہے تو شرمندگی سے کہہ گئی تھی۔

''اٹس اوکے۔ بولتی تو میں بھی بہت ہوں لیکن۔''

یکدم ہی اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''میں سمجھ سکتی ہوں، آج اس گھر میں آپ کا پہلا دن ہے ناں، آپ کو اپنے گھر والے یاد آرہے ہوں گے۔'' اس نے نرمی سے شیریں کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''میں فرسٹ ٹائم اپنی ممی سے اتنی دور آئی ہوں، مجھے سب لوگ بہت یاد آرہے ہیں۔'' وہ یکدم ہی بے تحاشہ رونے لگی تھی۔

''جب میری شادی ہوئی تھی تب میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا تھا۔ میں رو رو کر علی کو اتنا تنگ کرتی تھی مگر اب تو جیسے عادت پڑنے لگی ہے۔'' وہ شیریں کا ہاتھ ہاتھ میں لیے بالکل دوستوں کی طرح کہہ رہی تھی۔

''آپ روئیے نہیں کہ یہ سب زندگی کا حصہ ہے، لڑکیوں کو ایڈجسٹ کرنا پڑتا ہے۔ پیرنٹس کو چھوڑ کر نیا جیون شروع کرنا دشوار ہوتا ہے مگر کرنا تو پڑتا ہے نا، آپ کو بھی مشکل لگے گا مگر پھر سیٹ ہو جائیں گی کہ سرتو ہیں بھی اتنے اچھے، وہ سب کا اتنا خیال رکھتے ہیں، پھر آپ تو ان کی بیوی ہیں آپ سے تو وہ بہت محبت کریں گے۔''

وہ کم عمر تھی مگر ذمہ دار عہدے پر فائز تھی، سمجھداری سے اسے سمجھا رہی تھی اور وہ مسکرائی تھی تو شیریں بھی روتے روتے مسکرادی تھی۔

''آپ بہت اچھی ہیں، شہیر بھئی (وہ بھائی کہتے کہتے رکی تھی) شہیر نے جب آپ کا بتایا تو میں سوچ رہی تھی آپ نہ جانے کیسی ہوں گی، بٹ آپ سے مل کر بہت اچھا لگا۔'' وہ اسی کی طرح آپ، جناب سے بولی تھی۔

''یہ آپ جناب کچھ اچھا نہیں لگ رہا، آئی ایم رائٹ؟''

شیریں نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''چلو باقی باتیں کچن میں کریں گے۔'' وہ یکدم کہتی اسے شرمندہ کر گئی تھی کہ چائے شربت کا اصولی طور پر اسے پوچھنا چاہیے تھا مگر اس کو تو خیال تک نہیں آیا تھا۔

''میں سر کے کہنے پر جلدی جلدی آ گئی چائے تک نہیں پی۔ تمہیں اپنے ہاتھوں کی مزیدار چائے بنا کر پلاؤں گی۔'' وہ کھڑی ہو گئی تھی۔

''آئی ایم سوری، بٹ میں کچن میں نہیں جاتی کہ مجھے آگ سے ڈر لگتا ہے اور دھوئیں سے الرجی ہے۔''

شائستہ نے شرمندہ سی کھڑی شیریں کو دیکھا تھا۔

''اوہ، تو تم یہیں رکو میں دو منٹ میں چائے بنا کر لے آتی ہوں۔'' وہ برا مانے بغیر بولی تھی اور اس کے بعد نہ صرف اپنی فیملی کے بارے میں بتایا تھا اس سے بھی ساری تفصیل پوچھ ڈالی تھی۔

''سر سے لو میرج ہے یا ارینج؟''

وہ بے ساختہ ایسا سوال کر گئی تھی کہ وہ گڑبڑا گئی تھی۔

''ارینج میرج ہے۔'' وہ منمنائی تھی اور وہ ہنس دی تھی۔

''تم کتنا شرماتی ہو، جبکہ علی کہتے ہیں کہ شرم ٹائپ کی کسی بھی چیز کا میرے پاس سے تو کبھی گزر ہی نہیں ہوا۔''

وہ اسے کمرے میں لے آئی تھی اور شہیر کے کہے کے مطابق الماری سیٹ کرنے کا ارادہ تھا، شائستہ نے اسے منع کر کے پوری الماری خود ہی سیٹ کر دی تھی اور خالی سوٹ کیس بیڈ کے نیچے ڈالتے ہوئے مزے سے بولی تھی۔

''خیر تم نے بتایا نہیں کہ تمہیں منہ دکھائی میں کیا ملا؟ مجھے علی نے یہ چین لاکٹ دیا تھا۔'' اس نے مسکرا کر گلے میں پڑی چین اس کی آنکھوں کے سامنے لہرائی تھی جس میں ایلفابیٹ A کا نگینوں کا بیش قیمت لاکٹ بڑا ہی دلکش لگ رہا تھا جبکہ وہ گھبرا گئی تھی کہ اس کے پاس اس کے سوال کا جواب نہیں تھا کہ وہ خود ہی اس کے گلے میں جھولتے ہارٹ شیپ ڈائمنڈ لاکٹ کو چھوتے ہوئے بولی تھی۔

''واؤ، سر کی چوائس تو بہت اچھی ہے۔''

کنفیوز سی شیریں سے وضاحت نہیں کی گئی کہ لاکٹ شہیر نے نہیں اس کی برتھ ڈے پر اس کی ممی نے دیا تھا۔ شائستہ کے ساتھ اس کا دن بہت اچھا گزرا تھا بذلہ سنج، ہنس مکھ اور شوخ سی انسپکٹر شائستہ سے اس کی اچھی دوستی ہو گئی تھی مگر جس طرح وہ بیچ بیچ میں اسے شہیر کے حوالے سے چھیڑتی رہی تھی، شہیر کی تعریفیں کرتی رہی تھی اس سب نے اسے بہت کنفیوز کر دیا تھا کہ وہ کافی منہ پھٹ تھی اور کہتے ہوئے چوکتی نہیں تھی اسی لیے تو وہ اپنے مخصوص انداز میں شہیر سے بھی کہہ گئی تھی۔

''شیریں نے تو بتایا ہی نہیں تھا کہ اسے آپ نے منہ دکھائی میں کیا دیا لیکن ایک انسپکٹر سے یہ زیادہ دیر چھپا نہیں سکی اور میں نے خود ہی سراغ لگا لیا۔''

وہ ہنس رہی تھی، شیریں کے ساتھ وہ بھی گڑبڑا گیا تھا اور اس کے جانے کے بعد اسے دیکھا تھا جس کی رنگت دہک رہی تھی وہ بے ساختہ ہی ہنس دیا۔

''تمہیں انسپکٹر شائستہ کی غلط فہمی دور کر دینی چاہیے تھی۔'' وہ شوخی سے کہہ رہا تھا۔

''میرا دماغ خراب ہوا تھا جو اچھی بھلی جان چھوٹ جانے کے بعد پھر سے اسے پیچھے لگا لیتی۔'' وہ منہ بنا کر بولی تھی اور اس سے ہنسی کنٹرول کرنا مشکل ہونے لگا تھا۔

''آپ کو بڑی ہنسی آ رہی ہے، جان تو میری مشکل میں پڑ گئی تھی، منہ دکھائی میں کیا ملا؟ ہنی مون پر کہاں جائیں گے؟ سر ایسے ہیں، سر ویسے ہیں، آپ تو مزے سے چلے گئے تھے اور آپ کی انسپکٹر شائستہ کی بے باک گفتگو اور آپ کی تعریفوں نے تو میرے اوسان ہی خطا کر دیئے تھے۔'' وہ منہ بنا کر اپنے مخصوص انداز میں کہتی اسے بہت پیاری لگ رہی تھی۔

''انسپکٹر شائستہ آئیڈیا اچھا دے گئی ہیں، کہو تو ہنی مون کے لیے سوئٹزر لینڈ چلتے ہیں۔'' وہ معنی خیزی سے کہتا بہت میٹھی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''نہیں، ہرگز نہیں، میں نہیں جاؤں گی، میں سوئٹزر لینڈ نہیں جاؤں گی۔'' اس کے چیخنے پر تو وہ گھبرا ہی گیا تھا۔

''شیریں۔'' نرمی سے پکار کر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ وہ بے ساختہ چیخ مارتی دور ہو گئی تھی کہ دو دن قبل ہی تو زعیزعہ خان نے اپنی بے باکی کا ثبوت دیتے ہوئے اس سے کہا تھا۔

''شادی تو تمہاری صرف مجھ سے ہی ہو گی اور ہم ہنی مون کے لیے سوئٹزر لینڈ جائیں گے۔'' وہ اس کا بازو جکڑے اس کے چہرے کے نقوش از بر کرتا بولا تھا اور وہ سب یاد کیا آیا تھا وہ چیخنے لگی تھی ایسے میں شہیر محض اپنے ضبط کو آزما کر رہ گیا تھا کہ آزمائش تو ابھی شروع ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

''خوشی، تم ٹھیک تو ہو ناں؟'' زعیزعہ کی حرکت کا ایبان کو پتہ چلا تو اس کا دماغ ہی گھوم گیا تھا۔ وہ تو پہلے ہی بمشکل کنٹرول کیے ہوئے تھا غصہ سے بے قابو ہونے لگا تو ارمان شیرازی نے ہی اسے زبردستی روکا تھا ورنہ وہ تو مارنے مرنے پر تل گیا تھا اور جیسے ہی کچھ غصہ قابو میں آیا تھا اس نے خواہش کو فون گھما ڈالا تھا اور فکرمندی سے اس کی خیریت دریافت کی تھی۔

''آپ پریشان نہ ہوں ایبان میں ٹھیک ہوں۔'' وہ بھیگتی آنکھوں کے ساتھ بولی تھی۔ ''میں نے کہا نا آپ فکر نہ کریں، پاپا نے کہا ہے روز وہ خود مجھے کالج لے کر جائیں گے اور خود ہی واپس لائیں گے۔'' اس نے کالج جانے سے منع کیا تھا تب وہ بولی تھی۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن کالج جانا اتنا بھی ضروری نہیں ہے۔ کچھ دن آف لے لو۔'' اس نے پھر منع کیا تھا۔

''ایبان، ہم کسی کے ڈر سے چھپ کر نہیں بیٹھ سکتے، زندگی میں اچھے برے حالات کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے اور میں کم از کم شیریں کی طرح بے وقوف بھی نہیں ہوں کہ دوسروں کے ڈراوے میں آ جاؤں۔'' وہ دھیمے سے کہہ رہی تھی اور اس نے اس کی فکرمندی بھی کسی حد تک کم کر دی تھی۔

☆......☆......☆

''غریب بندہ ہوں، لینڈ کروزر کی اوقات نہیں ہے۔''

شادی کے بعد یہ پہلی دفعہ تھا کہ شہباز اسے میکے لینے آیا تھا اور وہ بائیک پر بیٹھنے کے خیال سے ہی ہراساں ہو گئی تھی اور وہ اس کی پریشانی کو ناگواری سمجھ کر تلخی سے کہہ گیا تھا۔ اس نے نظر اٹھا کر خوبرو شہباز کو دیکھا تھا جس کے چہرے پر غصہ کی تپش صاف محسوس کی جاسکتی تھی اسی لیے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بائیک کی جانب بڑھ گئی تھی اور اس نے بھی بڑی خاموشی سے بائیک اسٹارٹ کی تھی اور وہ دل میں ہزار وسوسے لیے ڈرتے ڈرتے شہباز کے پیچھے بیٹھ گئی۔ اس کے خوف سے انجان غصہ میں مبتلا شہباز نے بائیک کی اسپیڈ معمول سے زیادہ تیز رکھی تھی وہ چونکا تو جب، جب وہ تقریباً اس کی بیک سے آ لگی تھی اور دایاں بازو اور سینے کے پاس سے شرٹ بھی دبوچ گئی تھی اور اس نے عجیب سے احساس میں گھرتے ہوئے اسپیڈ کم کر دی تھی مگر اس کی پوزیشن میں فرق نہیں آیا تھا اور راستے بھر ''یا اللہ مدد'' کا ورد کرتی، اس سے جڑ کر بیٹھی اسے جھنجھلاہٹ کے ساتھ ساتھ مسکرانے پر بھی مجبور کر رہی تھی۔

''اتر جائیے خاتون کہ اللہ نے مدد کرتے ہوئے آپ کو صحیح سلامت پہنچا دیا ہے۔''

اس کے حواس اس قدر سلب ہو چکے تھے کہ گاڑی رک جانے کا بھی اسے پتہ نہیں چلا تھا اور اس نے نہ صرف شرارت سے جملہ کسا تھا اپنی شرٹ دبوچے اس کے گلابی ہاتھ پر ہلکے سے تھپکی دی تھی۔ اس نے بند آنکھیں کھولی تھیں اور جیسے ہی حواس کچھ لوٹے تھے وہ تیر کی تیزی سے اس سے دور ہوتی عجلت میں بائیک سے اتری تھی۔ عجلت کے سبب گرتی کہ اس نے بازو تھام کر اسے گرنے سے بچا لیا تھا۔ دونوں کی نگاہیں ٹکرائی تھیں اس کی آنکھوں میں نرم سی مسکراہٹ تھی جبکہ اس نے شرم وحیا کے حصار میں ڈوبتے ہوئے نگاہ یوں جھکائی تھی کہ اب کبھی نہ اٹھے گی۔ اس نے اس کی بھیگی پلکوں کو ایک نظر دیکھا اور دروازے پر دستک دے ڈالی۔ وہ دروازہ کھلتے ہی بہت تیزی سے اندر گئی تھی کہ شہناز بھی گھبرا گئی تھیں۔

''یمانی بیٹا، خیر تو ہے؟'' وہ دروازے سے ہٹ کر اس تک پہنچی تھیں اور وہ ان کے سینے سے لگتی دھواں دھار روتی چلی گئی تھی۔ انہوں نے پریشانی میں گھرتے ہوئے بیٹے کو دیکھا تھا اور اس نے بتا دیا تھا کہ اسے ڈر لگ رہا تھا وہ اسے چپ کروانے لگی تھیں۔ وہ آج پہلی دفعہ بائیک پر بیٹھی تھی اس لیے خوف تھا کہ اب تک زائل نہیں ہوا تھا جبکہ وہ اس کے برعکس خوشگوار اور انوکھے احساسات میں گھرا تھا کہ اس کا لمس اسے بے چین کر گیا تھا وہ اس کو دیکھ رہا تھا جو رونے کے بعد اور حسین ہو گئی تھی۔

''آپ کی بہو جس طرح ڈرتے ہوئے پورے راستے میری شرٹ دبوچے، کھینچتی ہوئی آئی ہے ایسے میں زندہ سلامت آ گئے ہیں تو یہ اللہ کا معجزہ ہی ہے۔'' وہ خوشگوار سے احساسات میں گھرا نرم سی شرارت سے بولا تھا وہ روئی پلکیں اس پر ٹکا گئی تھی جبکہ شہناز دھیمی سی مسکان لبوں پر سجائے بیٹے کو مصنوعی خفگی سے گھورتیں بہو کو دلاسہ دینے لگی تھیں۔

''پھپو، میں آئندہ ہرگز بھی اس واہیات سواری پر نہیں بیٹھوں گی۔ ڈر کے مارے میری جان ہی آدھی رہ گئی۔'' وہ اب تک ڈر کے حصار میں تھی اس لیے سوں سوں کرتی بولی تھی۔

''یمانی جب اتنی خوفزدہ تھی تو تم ٹیکسی میں آجاتے۔'' وہ اب بیٹے کو ڈپٹ رہی تھیں۔

''جب یمانی بہت سی چیزوں میں کمپرومائز کرنا سیکھ ہی رہی ہیں تو یہاں بھی کر لیں کہ ڈر کا کیا ہے، دو چار دفعہ آئیگی، جائیگی تو خود بہ خود ختم ہو جائے گا۔'' وہ دھیمے سے کہتا اس کے سرخ چہرے سے نگاہ ہٹاتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا جبکہ وہ ہی نہیں شہناز بھی ساکت رہ گئی تھیں کہ انہیں بیٹے سے اتنی لاتعلقی وسرد مہری کی امید نہ تھی اور وہ لب بھینچے غصہ کنٹرول کرنے کی کوشش میں ناکام ہوتی جس پل کمرے میں آئی اسے بیڈ پر دراز دیکھ کر اس کی جان جل کر رہ گئی تھی کہ وہ اس قدر اذیت میں سفر کر کے آئی تھی اور اسے فرق نہیں پڑا تھا مزے سے کمپرومائز کی راہ دکھاتا آرام کر رہا تھا اور اس نے اس پل سوچ لیا تھا کہ وہ اب کمپرومائز نہیں کرے گی۔

☆......☆......☆

''شہیر بیٹا! اتنی رات گئے فون کیا، شیریں تو ٹھیک ہے۔'' وہ رات کے ڈھائی بجے شہیر کی کال ریسیو کرتے ہی فکرمندی سے بولی تھیں۔

''ممی، میں ہوں شیریں۔'' بیٹی کی نم آواز ان کی پریشانی بڑھا گئی تھی۔

''شیریں، کیا ہوا ہے بیٹا، تم رو کیوں رہی ہو؟ اور یہ شہیر کہاں ہے۔'' وہ بے حد متفکر ہو چکی تھیں۔

''وہ سو رہے ہیں اور مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، آپ میرے پاس آجایئے ناں ممی۔'' وہ اب رو رہی تھی۔

''تم نے شہیر کو کیوں نہیں جگایا کہ مجھے تو حیرت ہے کہ وہ خود سے کیسے نہیں جاگا کہ وہ اتنی گہری نیند تو کبھی نہیں سوتا۔'' انہیں بھانجے کی فکر لگ گئی تھی۔

''میری وجہ سے وہ کل رات بھی نہیں سوئے تھے اس لیے میں نے انہیں چاہتے ہوئے بھی نہیں جگایا۔'' وہ اس کے جواب سے قدرے مطمئن ہو گئی تھیں۔ ''کہ میں ویسے بھی انہیں کیوں جگاؤں کہ میرے رونے پر کیا اٹھ کر بیٹھنے ہی پر آپ خود سے جاگ جاتی تھیں تو شہیر کیوں نہیں جاگے؟'' وہ شکوہ کرنے لگی تھی، شہیر کی شکایت لگا رہی تھی کہ وہ اسے صبح اکیلا چھوڑ کر چلا گیا تھا اور وہ مسکرا دی تھیں۔ مستقل آتی آواز پر اس کی نیند ڈسٹرب ہو گئی تھی کہ اول تو نیچے سونے کا اتفاق ہی پہلا تھا اسی سبب کل رات تو سو تک نہیں سکا تھا اور آج بھی ان کمفرٹ سو رہا تھا کہ نیند ٹوٹنے لگی تھی اس نے لیٹے لیٹے ہی آواز کا تعین کرنا چاہا تھا اور دوسرے ہی پل وہ اس کی آواز پہچان گیا تھا۔ ایک گہری سانس کھینچتا کروٹ بدل گیا تھا کہ وہ اس کی شکایتیں ماں سے لگا رہی تھی اور اس نے اسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

''چندا! تم نے خود کہا ناں کہ وہ رات سویا نہیں تھا اور صبح آفس چلا گیا تھا، تھک گیا ہوگا، بٹ تم فکر نہ کرو صبح میں اس کو ڈانٹوں گی کہ اس نے میری بیٹی کا خیال کیوں نہیں رکھا۔'' وہ نرمی سے کہہ رہی تھیں تاکہ وہ باتوں میں لگ کر اپنا خوف بھول جائے اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی رہی تھیں اس نے ماں کو خدا حافظ کہا تھا اور وہ اٹھ گیا تھا کہ اب مزید لیٹے رہنے کی ہمت نہیں تھی اور وہ اسے دیکھ کر گڑبڑا گئی تھی۔

''میں نے کہا تھا ناں کہ مجھے کوئی نیند سے جگائے تو مجھے بہت غصہ آتا ہے۔'' اس کی گلابی ناک اور متورم چہرہ دیکھ کر مصنوعی خفگی سے بولا تھا۔

''سچ، میں نے آپ کو نہیں جگایا جبکہ مجھے کتنا ڈر لگ رہا تھا اس کے باوجود بھی نہیں۔'' وہ وضاحتی لہجے میں بولی تھی۔ ''اور ممی کو فون کیا، اور ممی تو کہہ رہی تھیں کہ مجھے آپ کو جگا دینا چاہیے تھا مگر میں نے آپ کو پھر بھی نہیں اٹھایا، آپ خود اٹھے ہیں اور مجھ پر ہی ناراض ہو رہے ہیں کہ آپ کے خود سے اٹھنے میں میری کیا غلطی۔'' وہ منہ بنا کر بھرپور خفگی سے بولتی اسے بہت پیاری لگی تھی۔

''تمہاری وجہ سے کل سے نہیں سویا اور آج تم نے ڈائریکٹلی نہیں ان ڈائریکٹلی تو اٹھایا ہے ناں، بولتی بھی تو کتنے تیز لہجے میں ہو، لے کر میری نیند خراب کر دی۔'' وہ اسے مصنوعی ناراضگی اور جھنجلائے انداز میں کہتا کمپیوٹر کا سوئچ آن کر کے کمپیوٹر کے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

''فضول میں سارا الزام مجھ پر نہ ڈالیں، آپ کو اپنی نیند اتنی ہی پیاری ہے تو اپنے کمرے میں جا کر سو جائیں کہ یہاں آپ کے ہونے سے بھی مجھے کون سا فائدہ ہوا، ڈر ڈر کر میری جان آدھی رہ گئی تھی اور آپ مزے سے پڑے سو رہے تھے اور پھر بھی کہتے ہیں کہ میں نے نیند خراب کر دی۔'' اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''شیریں، اب رونے کیوں لگیں، میں تو مذاق کر رہا تھا۔'' اس نے کمپیوٹر اسکرین سے نگاہ ہٹا کر تاسف سے اسے دیکھا تھا۔

''مذاق نہیں کر رہے تھے، آپ نے چند منٹوں میں بتا دیا کہ میں نے کل سے آپ کو ڈسٹرب کیا ہوا ہے۔''

اس کی فضول سوچ پر اس نے اپنا سر ہی پکڑ لیا تھا۔

''ہاں، تم نے مجھے کل سے ڈسٹرب کیا ہوا ہے مگر یہ ڈسٹربنس میں نے خود اپنے لیے چنی ہے، تمہارے حق حاصل کیے ہیں اور تم مجھے پریشان کرنے، ڈسٹرب کرنے کا حق رکھتی ہو اور مجھے سوتے میں جگا دیتیں تو میں پھر بھی تم پر غصہ نہیں ہوتا اور اب رات کافی ہو گئی ہے اس لیے تم سو جاؤ۔'' کرسی سے اٹھا اور بیڈ پر اس سے فاصلے پر ٹک کر نرمی سے کہتا چلا گیا جبکہ اس کی گلابی آنکھوں میں حیرت سی در آئی تھی۔

''کچھ رشتے اتنے ہی اہم ہوتے ہیں، ان کے لیے سب کچھ قربان کرنے کے بعد بھی لگتا ہے کہ ہم تو کچھ کر ہی نہیں پائے۔'' وہ اس کی آنکھوں کی حیرت انجوائے کرتا دھیمے سے مگر پیار بھرے لہجے میں بولا تھا۔

''آپ کتنی مشکل گفتگو کرتے ہیں، آپ کی باتیں کم از کم مجھے تو سمجھ نہیں آتیں۔'' وہ غور کرنے پر بھی اس کی کہی بات کا مطلب نہ سمجھ پائی تو جھنجلا کر بول گئی تھی۔

''وقت سمجھا دے گا مسز، گفتگو کے مطالب بھی، اس کے مقاصد بھی۔'' وہ اس کا گال تھپتھپا کر اٹھا اور واپس کمپیوٹر کے سامنے جا کر بیٹھ گیا مگر تھوڑی ہی دیر بعد وہ اسے نئی فرمائش کے ساتھ ڈسٹرب کر گئی تھی۔

''مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ کیا آپ میرے لیے کھانا لے آئیں گے؟'' اس کے انداز میں جھجک سی تھی۔

''میں اگر کہوں نہیں تو......؟'' کن اکھیوں سے اسے دیکھا تھا۔

''میں ماموں جان سے آپ کی شکایت لگا دوں گی کہ آپ نے مجھے کھانا نہیں دیا تھا۔'' زیادہ محبتیں بھی انسان کو خود پسند و خوش فہم

بنا دیتی ہیں اور وہ اس وقت اس کے حسین چہرے پر سالار مصطفیٰ کی محبت کا زعم اور مان بخوبی محسوس کر سکتا تھا۔

''تم جو اتنی نخریلی سی کسی کام کی نہیں ہوناں، تو تمہیں بگاڑنے میں آنی اور پاپا کا ہی ہاتھ ہے۔'' کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کرتے ہوئے متبسم لہجے میں بولتا اسے تپا گیا تھا۔

''آپ کی بات کا کیا مطلب ہے؟''

''صاف سی بات ہے۔ بیویاں، شوہروں کے کھانے پینے کا خیال رکھتی ہیں اور یہاں الٹی گنگا بہہ رہی ہے۔'' وہ اسے چھیڑتا کمرے سے ہی نکل گیا تھا۔

''میں نہیں کھاؤں گی، اتنا احسان جتا کر تو کبھی کسی نے میرا کوئی بھی کام نہیں کیا۔''

اس کے سامنے ٹرے رکھی تب وہ صاف انکاری ہو گئی تھی اور آنکھیں الگ چھلکنے کو بے تاب تھیں۔

''اور آپ جو یوں احسان جتا رہے ہیں ناں، آپ کو کیا معلوم کہ میں تو ہل کر پانی تک نہیں پیتی تھی، میرا کام ڈیڈی اور ادیان بھیا ہی نہیں ممی کے لاڈلے ابران بھیا تک بہ خوشی کر دیتے تھے۔'' آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے تھے۔

''محترمہ، معاف کر دیجیے کہ مجھ سے غلطی ہو گئی کہ میں نے ارمان شیرازی کی نازو پلی لاڈلی بیٹی کا کام کرنے میں آنا کانی سے کام لیا۔ بندہ خاکسار آپ سے شرمندہ ہے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہے آپ نہ ہل کر پانی پئیں نہ کھانے کی زحمت کریں، میں ہوں ناں آپ کو اپنے ہاتھ سے کھلا دیتا ہوں۔'' وہ آنکھوں میں شرارت لیے بظاہر سنجیدگی سے کہتا نوالہ اس کے منہ کی طرف بڑھا گیا تھا وہ جو اس کی گفتگو پر حیران تھی یکدم جھینپ گئی تھی۔

''میں نے آپ سے یہ تو نہیں کہا تھا۔'' جھینپ مٹانے کو منمنائی تھی۔

''میں جانتا ہوں، تم کیسی زندگی گزارتی رہی ہو اس لیے مجھے کچھ نہ بتاؤ اور جلدی سے کھانا کھاؤ۔''

اس کے لیے بنایا ہوا لقمہ اپنے منہ میں ڈالتا پیچھے کھسک کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا گیا تھا وہ قدرے کنفیوز ہوتی کھانا کھانے لگی تھی اس کی نگاہ اس کی مرمریں کلائی میں سجیں سرخ چوڑیوں پر ٹھہر گئی تھی۔ نکاح بہت جلدی میں ہوا تھا اس لیے کسی قسم کی تیاری نہیں کی جا سکی تھی، نکاح کے وقت اس نے گلابی رنگ کی پشواز پہنی تھی جو وہ یمانی کے ولیمے میں پہننے والی تھی۔ رابعہ سالار نے مگر اس کو نہ صرف سونے کا سیٹ پہنایا تھا اسی وقت عبیر کو دوڑا کر اپنی بہو کے لیے سرخ کانچ کی چوڑیاں منگوالی تھیں جو وہ اب تک پہنے ہوئے تھی کہ اس نے اتارنے کی کوشش کی تھی تو چوڑی ٹوٹ کر اس کا ہاتھ زخمی کر گئی تھی پھر دوبارہ اس نے کوشش نہیں کی تھی اس لیے زیور کے نام پر وہ ساس کی پہنائیں سرخ چوڑیاں اور ماں کا دیا لاکٹ پہنے ہوئے تھی۔ سونے کا سیٹ اور کنگن تو اس نے آتے ہی اتار دیئے تھے۔

''آپ بہت اچھے ہیں۔''

اس کی آواز پر شہیر کی محویت ٹوٹ گئی تھی۔

''یہ الہام کب ہوا؟''

وہ اس کے اچانک کہنے پر حیران تو ہوا تھا مگر ظاہر کیے بنا متبسم لہجے میں پوچھ گیا تھا۔

''الہام، کیا مطلب؟'' ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''میرا مطلب ہے کہ میں اچھا ہوں، بیٹھے بٹھائے تمہیں کس نے بتا دیا۔''

مطلب سمجھانے کی بجائے اپنی بات آسان الفاظ میں کہہ دی تھی۔

''وہ اصل میں آپ مجھے ہر وقت ڈانٹتے رہتے تھے ناں اس لیے مجھے اچھے نہیں لگتے تھے، اور آپ کے غصہ سے بھی ڈر لگتا تھا مگر جب آپ نے میری برتھ ڈے پارٹی میں خود سے آکر مجھے وش کیا تھا تو مجھے تھوڑے سے (تھوڑے سے پر زور دے کر بولی تھی) اچھے لگے تھے مگر پھر جب آپ نے مجھے دوبارہ ڈانٹا تھا تو پھر برے لگنے لگے تھے (اس نے یکدم منہ بنایا تھا) مگر کل سے آپ نے میرا اتنا خیال رکھا تو مجھے احساس ہوا کہ آپ اتنے بھی برے نہیں ہیں۔''

اس کے چہرے پر معصومیت اور نرم سا تاثر پھیلا تھا جو گویا اس کی خوبصورتی کو چار چاند لگا رہا تھا۔

''اور اگر میں تمہارا خیال نہ رکھو اور غصہ کروں، تمہیں ڈانٹوں تب تم کیا کہو گی۔''

اس کی آنکھیں لو دینے لگی تھیں، وہ اپنی معصومیت سے اسے اپنی اور کھینچ رہی تھی فطری جذبے اسے اپنی اور بلانے لگے تھے۔

''یہی کہ آپ بہت برے ہیں۔'' وہ اس کی بدلتی کیفیت سے انجان ترنت بولی تھی اور بیڈ سے اتر کر ہاتھ دھونے کے لیے واش روم میں چلی گئی تھی اس نے ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے ٹرے اٹھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی تھی۔

''یہ کیا بات ہوئی، یا تو میں اچھا ہو سکتا ہوں یا برا۔'' اس کے لوٹتے ہی بولا تھا۔

''کیا ہو سکتے ہیں، کیا نہیں، یہ مجھے خبر نہیں ہے کہ جو میرے ساتھ اچھا کرے وہ اچھا اور جو برا کرے وہ برا۔'' وہ ٹاول سے ہاتھ صاف کرتی لاپرواہی سے بولی تھی اور بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس نے شہیر کا موبائل اٹھا کر گیم کھیلنا شروع کر دیا تھا وہ کچھ لحظہ اسے دیکھتا بیڈ سے اترا تھا۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟'' وہ مکمل دھیان گیم پر لگا ہونے کے باوجود پوچھ گئی تھی۔

''اپنے کمرے میں کہ مجھے بہت نیند آ رہی ہے۔ اگر تمہیں ڈر لگے تو مجھے بلا لینا، کسی کو فون کرنے کی حماقت نہ کرنا۔'' پلٹے بغیر کہتا کمرے سے نکل گیا تھا کہ اس کے جذبات بہک رہے تھے اس لیے وہ لگام ڈالنے کو راہ فرار اختیار کر گیا تھا۔

☆......☆......☆

''یہ کھانا مفت کا نہیں آیا اور نہ ہی میں حرام کماتا ہوں اس لیے خاموشی سے کھانا کھا لیں۔''

یمانی میکے گئی ہوئی تھی اس لیے وہ یونیورسٹی آف ہونے کے بعد اسے لینے چلا گیا تھا لیکن طبیعت کچھ اچھی محسوس نہیں ہو رہی تھی

اس لیے زیادہ دیر رکا نہیں تھا اور گھر آتے ہی سو گیا تھا۔ اکیڈمی جانے کے لیے اٹھا تھا تو شانیہ نے بتایا تھا کہ اس نے کھانا نہیں کھایا کہ اس نے دوپہر میں دال چاول بنائے تھے۔ یمانی نے دال کا نام سن کر ہی بھوک نہ ہونے کا بہانہ کر دیا تھا کہ دالیں اسے پسند نہ تھیں۔ شہباز کچھ سوچ کر اس کے لیے باہر سے بریانی لے آیا تھا اور اسے بھوک تو تھی لیکن انا کے سبب منع کر دیا تھا اور اس کا بار بار انکار کرنا اسے برا لگا تھا اس لیے درشتگی سے کہہ گیا تھا۔

''شہباز، یہ تم کس طرح بات کر رہے ہو۔'' انہوں نے بیٹے کو ناگواری سے دیکھا تھا۔

''میں نے آپ سے من و سلویٰ لانے کی فرمائش نہیں کی تھی۔'' وہ تلخی لوٹاتی اٹھی اور کمرے میں چلی گئی جبکہ وہ ماں اور بہن کے سامنے سبکی کے احساس تلے کھڑا کا کھڑا رہ گیا تھا۔ ماں کے اشارے پر وہ برتن اٹھاتی کچن میں چلی گئی تھی۔

''یمانی ایسی بالکل نہیں ہے شہباز، وقتی طور پر ہونے والے حادثے کے زیر اثر تلخ ہو جاتی ہے تم اس کے رویے کو درگزر کر کے اپنا رویہ بہتر کرو، اسے عزت اور محبت دو تا کہ وہ گزری باتیں، یادیں بھلا سکے۔'' انہوں نے بیٹے کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر نہایت نرمی سے بھتیجی کی سائیڈ لے کر اسے سمجھایا تھا۔

''اماں، ہر بات سمجھتا ہوں اسی لئے نرمی دکھا رہا ہوں مگر آپ جانتی ہیں یہ سب مجھے پسند نہیں ہے۔ آپ یمانی کو باور کرا دیں کہ ہمارے آپسی تعلقات کمرے سے باہر نہیں آنے چاہئیں کہ میں آپ کے اور خاص کر شانی کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا چاہتا۔'' وہ کہہ کر رکا نہیں صحن میں کھڑی بائیک کی جانب بڑھا اور اکیڈمی چلا گیا جبکہ وہ پرسوچ انداز میں کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھیں۔

☆......☆......☆

''منہ کیوں بنا ہوا ہے؟''

پورے دن انسپکٹر شائستہ ہی آج بھی اس کے ساتھ رہی تھیں وہ کچھ دیر پہلے ہی پولیس اسٹیشن سے آیا تھا اور فریش ہو کر کمرے سے باہر آیا تو وہ ٹی وی لاؤنج میں اکیلی بیٹھی تھی اور انسپکٹر شائستہ جا چکی تھیں اور اس کی غیر معمولی خاموشی اور بنے ہوئے منہ کو دیکھ کر وہ کچن کی جانب جاتے ہوئے پوچھ گیا تھا۔

''آپ کو اس سے کیا، آپ تو جا کر اپنی ڈیوٹی سنبھالیں۔'' وہ جلے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

''یعنی موسم زیادہ خراب ہے کہیں آج پھر انسپکٹر شائستہ میری تعریفیں تو نہیں کر گئیں۔'' وہ کھانا ٹیبل پر لگاتے ہوئے قدرے تیز لہجے میں بولا تھا تا کہ اس کی آواز بخوبی لاؤنج میں بیٹھی شیریں تک پہنچ جائے۔

''تعریف کی تو رہنے ہی دیں آپ کی انسپکٹر شائستہ کا تو سرنامہ ہی بند نہیں ہوتا۔'' وہ کچن میں چلی آئی تھی اور اس کے تپے ہوئے لہجے پر اس نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔

''کتنا جلتی ہو تم مجھ سے۔'' صاف اسے چڑایا تھا۔

''فضول باتیں بالکل مت کیجئے گا، میں پہلے ہی غصہ میں ہوں۔'' لڑا کا انداز میں گویا اسے وارننگ دی تھی اور ہاتھ دھو کر آ کر کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس نے نوالہ بناتے ہوئے اس کا سرخ چہرہ دیکھا تھا۔

''ڈھنگ سے بیوی بنی نہیں ہو مگر انداز سراسر لڑا کا بیویوں والا ہے۔'' شرارت سے بھرپور لہجے میں بغور اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ یکدم اس کے ناگواری سے دیکھنے پر مسکرا کر نظر جھکا تا کھانے کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔

''ڈھنگ سے کیا مراد ہے آپ کی۔ کیا میں بے ڈھنگی ہوں۔'' وہ اسے گھور رہی تھی جو کھانے کی جانب اس قدر محو تھا جیسے اس سے زیادہ ضروری کوئی کام اور نہ ہو۔

''وضاحت کریں ناں اپنی بات کی، کیا میں آپ کی بیوی نہیں ہوں۔'' اس کی خاموشی اسے بری طرح کھلی تھی اس لیے اس کے آگے سے سالن کی پلیٹ ہی اٹھالی تھی اور تیکھے چتونوں سے اسے گھورتے ہوئے پوچھا تھا۔

''میں نے تو ایسا کچھ نہیں کہا۔''

اس کے بگڑے تیوروں سے محظوظ ہو رہا تھا اور اس کے معصوم بننے پر اسے اور تپ چڑھ گئی تھی۔

''کیوں آپ نے نہیں کہا کہ میں ڈھنگ سے بیوی نہیں بنی جبکہ سب نے یہی کہا ہے کہ میری آپ سے شادی ہو گئی ہے، میں آپکی بیوی ہوں اور آپ مجھے اس طرح کہہ رہے ہیں تو پھر اور کیسے بنتے ہیں بیوی؟'' وہ غصہ سے کھڑی ہو گئی تھی جبکہ اسے ہنسی آنے لگی تھی۔

''کھانا کھالو پھر بتادوں گا کہ بیوی کیسے بنتے ہیں۔'' معنی خیزی سے اس کے لہو چھلکائے چہرے کی جانب دیکھا تھا جبکہ وہ بات کا لب لباب سمجھے بنا اس کی معنی خیز باتوں اور نگاہوں کے مفہوم سے سراسر انجان بنی واپس کرسی پر بیٹھتی اسے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''ابھی بتادیں کہ کھانا کھاتے ہوئے بھی میرے کان کھلے ہی رہتے ہیں، بند نہیں ہو جاتے۔''

وہ اس کی بیوقوفی پر سر پیٹ کر رہ گیا تھا کہ وہ اس کی سوچ سے زیادہ یا تو بہت بے وقوف تھی یا بہت معصوم۔

''کاش کہ عقل کے دروازے بھی یونہی کھلے رہیے۔'' جھنجھلا کر اس نے اس کی کم عقلی پر چوٹ کی تھی کہ وہ دل کی حکایت سنانا چاہتا تھا اور وہ تھی کہ دل سے ہی آشنا نہ تھی، حکایتِ دل کیا سمجھتی۔

''آپ مجھے اب بے عقل کہہ رہے ہیں، میں آپ کی شکایت ماموں جان سے لگاؤں گی۔'' وہ اب رو ہی تو پڑی تھی۔

''میں جو کہہ رہا ہوں وہ تم سمجھ نہیں رہی ہو اور جو سمجھ رہی ہو میں کہہ نہیں رہا۔'' تاسف سے اس کے گرتے آنسو دیکھے تھے۔

''فضول فلسفے ناں اپنے پاس رکھیں، رات غلط کہا تھا میں نے کہ آپ اچھے ہیں، آپ تو بہت برے ہیں۔'' وہ سوں سوں کرتی اپنے رات کے بیان پر کسی سیاست دان کی طرح شرمندہ تھی۔

''میں اب یہاں آپ کے ساتھ نہیں رہوں گی، مجھے گھر جانا ہے۔'' اس کے رونے میں شدت آتی جا رہی تھی۔

''تم میرے ساتھ مت رہنا، میں تمہارے ساتھ رہ لوں گا۔'' اس نے مسکرا کر جاتی ہوئی شیریں کی کلائی تھامی تھی اور اسے راضی

کرنے، منانے، سوری کرتے اسے صحیح معنوں میں دانتوں پسینہ آ گیا تھا۔ وہ اس نخریلی حسینہ سے بعد میں گن گن کر حساب لینے کا سوچتا یکدم اس کے چہرے کو دیکھ کر اپنی سوچ پر خود ہی مسکرا دیا تھا۔

☆......☆......☆

''آپ کون ہیں اور مجھے یہاں کیوں لائے ہیں۔'' وہ سسکتے ہوئے پوچھ رہی تھی کہ یہ بات اس کے لیے سوہان روح تھی کہ وہ کڈنیپ ہو چکی ہے۔

''راحیل۔'' وہ خواہش کی جگہ کسی اور لڑکی کو پا کر حیران تھا اسی لئے جواب دیے بنا وہ اسے آواز دینے لگا تھا جسے اس کام کے لئے مامور کیا تھا۔

''یہ تم کسے لے آئے ہو؟'' وہ غصہ سے دھاڑا تھا۔

''اس میں میری کوئی غلطی نہیں ہے۔ یہ سارا دانش کا کیا دھرا ہے۔'' راحیل صاف پہلو بچا گیا تھا اور اس کے پیچھے ہی آیا دانش اطمینان سے بولا تھا۔

''جو لڑکی تو نے کہی تھی آج وہ کالج ہی نہیں آئی تھی۔''

اس کی نظر روتی ہوئی رویحا پر ٹکی تھی۔

''تو اس کا مطلب تو کسی کو بھی اٹھا کر لے آئے گا۔'' اس کی بات کے درمیان چیخا تھا۔

''میں تو اسے یہاں اس لیے لے آیا کہ میں نے سوچا سالار مصطفیٰ کی بیٹی نہ سہی بھانجی ہی سہی، بٹ تجھے اعتراض ہے تو......'' اس نے اپنے اسی اطمینان سے کہہ کر آنکھیں معنی خیزی سے گھمائی تھیں۔ زعیزعہ خان کے چہرے پر اطمینان جھلکا تھا اور اس نے ان تینوں کے آپسی جھگڑے کا فائدہ اٹھا کر دبے پاؤں فرار ہونے کی کوشش کرتی رویحا میثم کی کلائی تھام لی تھی اس کی چیخ بڑی بے ساختہ تھی۔

''چھوڑو میرا ہاتھ، پلیز مجھے جانے دو۔'' کلائی آزاد کرنے کی کوشش کے ساتھ وہ روتے ہوئے ملتجی ہوئی تھی۔ زعیزعہ خان نے ان دونوں کو باہر جانے کا اشارہ کر دیا تھا۔

''اسے یہاں تک لانے میں ہم نے انرجی ویسٹ کی ہے اس لیے وقت خوبصورت بنانے کا موقع ہمیں بھی ملنا چاہیے۔'' دانش نے ایک بے باک نظر بلکتی ہوئی رویحا پر ڈالی تھی اور زعیزعہ خان کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''بکواس بند کر کے یہاں سے دفع ہو جاؤ۔'' زعیزعہ خان پھنکارا تھا اس نے اب تک اس کی کلائی آزاد نہیں کی تھی اور دانش کی گھٹیا بات پر اس کی رنگت زرد ہو گئی تھی۔ اس پل اس نے زمین شق ہونے کی دعا بڑی شدت سے کی تھی۔ راحیل تو اس کے کہتے ہی باہر نکل گیا تھا مگر دانش نہ اتنا سیدھا تھا نہ ہی اسے زعیزعہ خان کا کوئی خوف تھا اس لیے ڈھٹائی سے کھڑا رویحا کو ہوس بھری نگاہوں سے دیکھتا اپنے مطالبے کو دہرا گیا تھا۔

''دانی! اس وقت جا یہاں سے، تجھے ادراک نہیں ہے میں کس قدر پریشان ہوں۔'' لہجے کی نسبت الفاظ بڑے سادھے تھے وہ کچھ سوچ کر باہر چلا گیا تھا اور اس کے جاتے ہی اس نے رویحا کا ہاتھ چھوڑ کر ڈور لاک کر دیا تھا۔

''دیکھو، تم رونا بند کر کے صرف میری بات تسلی سے سن لو کہ میں تمہارے ساتھ کچھ غلط کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔'' وہ بہت بری طرح سہمی لڑکی کو کچھ دیر دیکھنے کے بعد بہت دھیمے سے بولا تھا وہ اسے دیکھنے لگی تھی۔

''تمہیں میری بات کا اعتبار نہیں آیا مگر میرا اعتبار کرنا تمہاری مجبوری ہے۔'' وہ اس کی ساگر سی آنکھوں میں ناچتی بے اعتباری کو دیکھ کر سنجیدگی سے کہتا صوفے پر بیٹھ کر سگریٹ اور لائٹر نکال گیا تھا۔

''یہاں جتنی دیر تم رہو گی اتنا ہی تمہارے حق میں برا ثابت ہو گا اس لیے رونا دھونا بند کر کے صرف میرے چند سوالات کے جواب دے دو پھر میں تمہیں خود تمہارے گھر باحفاظت چھوڑ آؤں گا کہ کہا نہ میں نے کہ یہاں تمہاری جگہ خواہش سالار بھی ہوتی تو اس سے چند سوالات ہی کرنے تھے۔'' دھواں فضا میں آزاد کرتا غیر معمولی سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

''کک...... کیسے سوالات۔'' وہ اٹک اٹک کر بولی تھی۔

''شیریں شیرازی کہاں ہے؟'' اس سوال کی اسے توقع نہ تھی اور وہ اس کی آنکھوں میں اترے سوال دیکھ کر مختصراً تمام بات بتا گیا تھا۔

''مجھے صرف شیریں چاہیے۔ کل خواہش سے بھی اسی کے بارے میں سوال کیا تھا مگر اس نے اپنا منہ نہیں کھولا اسی لیے آج اسے کڈنیپ کروایا مگر آج بدقسمتی تمہاری عروج پر تھی اس لیے دانش تمہیں لے آیا۔'' وہ دوسری سگریٹ سلگا رہا تھا۔

''دانش کی بکواس اپنی طرف مگر وہ تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکے گا اور نہ ہی تمہیں میں کچھ کہنے والا ہوں کہ مجھے تم شیریں کا پتہ دے دو، اور یہاں سے باعزت چلی جاؤ کہ مجھے صرف یہ پتہ چل سکا ہے کہ شیریں، نیناں ولاز میں نہیں ہے اور مجھے تم سے یہ جاننا ہے کہ وہ کہاں ہے؟'' وہ تیسری سگریٹ سلگاتا کھڑا ہو گیا تھا۔

''مم، میں آپ کو نہیں بتا سکتی۔'' وہ اس کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر خوفزدہ سے پیچھے ہوتی دیوار سے جا لگی تھی اس نے دیوار کے دائیں بائیں ہاتھ رکھ کر اسے اپنے حصار میں مقید سا کر لیا تھا۔

''کہتے ہیں کہ حسین لڑکیاں ذہین نہیں ہوتیں مگر میں آج اس مقام پر تم سے بے وقوفی کی امید نہیں کر سکتا۔'' وہ سرخ آنکھوں سے اس کے تیکھے نین نقش والا چہرہ دیکھ رہا تھا جس کی رنگت سفید پڑ چکی تھی۔

''میں بہت برا انسان ہوں، جتنی عمر تمہاری نہیں ہو گی اس سے زیادہ لڑکیوں کو یوز کر چکا ہوں۔''

وہ اسے اپنے اتنا قریب پا کر ہراساں تھی کہ اس کی بات سن تو اس سے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔

''لیکن میں بے ایمانی بھی بڑے ایمان کے ساتھ کرنے کا قائل ہوں۔ تم حسین ہو، جواں ہو مگر تمہیں جب یہاں نفس کی تسکین

کے لیے نہیں لایا تو تمہیں چھونا تو دور نگاہِ غلط بھی نہیں ڈالوں گا۔'' وہ وہاں سے ہٹ گیا تھا اور وہ وہیں بیٹھتی چلی گئی تھی۔

''مانتا ہوں، تم بے قصور ہو مگر میں مجبور ہوں۔ مجھے اپنے مسئلے کا حل چاہیے اور وہ حل فی الحال تمہارے پاس ہے، میرے سوالوں کا جواب دے دو اور مجھے ہی نہیں خود کو بھی عذاب سے بچالو۔ یاد رکھنا کہ ایک منٹ میں جواب دو گی تو دوسرے منٹ یہاں سے آزاد ہو جاؤ گی۔ اگر ایک دن لگاؤ گی تو دوسری رات آزادی کا پروانہ حاصل کر پاؤ گی۔'' وہ سگریٹ کارپٹ پر پھینکتا جوتے سے مسلتا باہر کی جانب بڑھا تھا کہ اس کی بھیگی کانپتی ہوئی آواز اس کے قدم جکڑ گئی تھی۔

''شیریں اسلام آباد میں ہے۔''

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی اور اس نے اگلے سوال میں ایڈریس پوچھ لیا تھا۔

''شیریں کا شہیر بھیا کے ساتھ نکاح ہو گیا ہے وہ انہی کے ساتھ اسلام آباد گئی ہے۔''

کوئی بم تھا جو اس کی سماعتوں پر وہ گرا گئی تھی۔

''یہ کیا بکواس ہے۔'' اشتعال میں آتا اسے بازو سے پکڑ کر اپنے مقابل کھڑا کر گیا تھا۔

''آپ پلیز مجھے جانے دیں، ایڈریس مجھے نہیں معلوم، جو مجھے پتہ تھا وہ میں نے آپ کو بتا دیا۔'' وہ سہم کر گڑگڑائی تھی۔

''شہیر کون ہے، کیا کرتا ہے۔'' وہ اپنے جذبات، اپنے غصہ کو کنٹرول کرنے میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا تھا کچھ دیر قبل کی حیرانگی اور صدمائی کیفیت سے نکلتا اس کا بازو چھوڑ کر سنجیدگی سے پوچھ گیا تھا۔

''شہیر بھیا، خواہش کے بھائی ہیں۔ کمشنر سالار مصطفیٰ کے بیٹے ایس پی شہیر سالار۔'' اس کی آواز میں باقاعدہ لڑکھڑاہٹ تھی اور اس نے لب بھینچ لیے تھے۔ کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا اور محض تین منٹ میں نیا فیصلہ لیتا، لائحہ عمل تیار کرتا، گاڑی کی چابی، والٹ، موبائل اور فل لوڈڈ ریوالور جیب میں ٹھونستا پل پل خوف میں مبتلا ہوتی، روتی تڑپتی رویحا میثم کی جانب بڑھا اور اسے بازو سے جکڑ کر تقریباً کھینچتا ہوا گیراج کی جانب بڑھا چلا جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

''یمانی! تم شہباز کے ساتھ خوش ہو۔''

وہ شہناز بیگم کے سوال پر گڑبڑا گئی تھی اور فوری طور پر کچھ کہہ بھی نہیں پائی تھی۔

''تم اور شہباز مجھے خوش نہیں لگتے۔ بیٹا گزری باتوں، یادوں کو بھلا کر نئی یادیں بناؤ کہ زندگی تو چلتے رہنے کا نام ہے۔'' وہ جواب اس کی آنکھوں اور گزرے رویے میں پاتیں جواب کی پرواہ کیے بغیر اسے سمجھانے لگی تھیں۔

''آپ سے شہباز نے کچھ کہا؟'' ان کے الفاظ اسے الزام دیتے محسوس ہوئے تھے مگر خود پر ضبط کر کے دھیمے سے پوچھ گئی تھی۔

''نہیں، مگر مجھے تم دونوں کے درمیان دوریاں محسوس ہو رہی ہیں اسلیے تمہیں سمجھا رہی ہوں کہ بیٹا، زندگی میں آگے بڑھنا سیکھو۔''

وہ اصل بات تو نہیں جانتی تھیں مگر بیٹے کی پسند بھی جانتی تھیں اور بہو کے دل کی بھی خبر تھی اس لیے حالات و واقعات کی روشنی میں وہ غلط لگ رہی تھی اس لیے بیٹے کو سمجھانے کے بعد اسے بھی سمجھانے لگی تھیں مگر وہ جو آج کل ہر بات کا الٹا ہی مطلب لیتی تھی تپ کر شہباز کا رویہ بتاتی چلی گئی تھی اس نے یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ اس سب میں اس کی ہی توہین ہے کہ اس وقت تو اسے بس یہ ثابت کرنے کی دھن سوار ہو گئی تھی کہ غلط وہ نہیں شہباز ہے۔

''پھپو! آپ کو شہباز کے ساتھ کسی قسم کی زبردستی نہیں کرنی چاہیے تھی۔''

وہ اٹھ کر کمرے میں چلی گئی تھی جبکہ وہ سناٹے میں آ چکی تھیں اور جیسے ہی شہباز اکیڈمی سے واپس آیا تھا اس پر ناراض ہونے لگی تھیں جبکہ ماں کے منہ سے وہ سب سن کر اس کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا تھا۔

''میں نے تمہیں مجبور تو نہیں کیا تھا شہباز، تمہاری پسند جانی تھی، جانتی تھی کہ تم کیوں شادی کو راضی نہیں ہوتے اس لیے قسمت ذرا تم پر مہربان ہوئی تو میں نے اپنی جھولی پھیلا دی اور تم یہ سلوک کر رہے ہو اس کے ساتھ، دل میں محبت کا تاج محل بنا کر بیٹھے ہو اور عزت و حقوق دینے سے گریزاں ہو، کیا سمجھوں میں اس سب کو؟ جواب دو مجھے۔'' وہ دبے دبے غصہ سے بول رہی تھیں کہ نہیں چاہتی تھیں کہ ان کی آواز کمرے سے باہر جائے۔

''امی! میں اپنی سوچ اور نظریہ شاید آپ پر واضح نہ کر پاؤں مگر اتنا یاد رکھیے کہ یہ رشتہ میں نے دل کی ایماء پر آپ کی رضا سے جوڑا ہے اور اسے آخری سانس تک نبھاؤں گا۔ ہاں کچھ وقت مجھے ہی نہیں یمانی کو بھی چاہیے اس لیے آپ بدگمان ہونے کے بجائے صرف دعا کریں۔'' وہ کچھ نہ کہہ کر بھی بہت کچھ کہتا اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔

''آپ آخر خود کو سمجھتی کیا ہیں؟ میری شکایتیں لگا کر اس کمرے کی باتیں چار عالم میں پھیلا کر ثابت کیا کرنا چاہتی ہیں کہ میں بہت ظالم ہوں اور آپ مجبور، بے کس مظلوم۔'' وہ جیسے اس سے سامنے کا ہی منتظر تھا کمرے میں داخل ہوتے ہی نہایت درشتگی سے پھنکارا تھا اور نرم لہجوں کی عادی اور اب تک شہباز کے نرم و ٹھنڈے مزاج سے واقف یمانی قدرے سہم گئی تھی۔

''جواب دیں مجھے یمانی کہ آپ نے کیا سوچ کر وہ سب اماں سے کہا؟'' اس کی خاموشی بے طرح کھلی تھی باز و دبوچ کر درشتگی سے استفسار کیا تھا۔

''انسان شکایت کسی اپنے سے کرتا ہے اور آپ کا رویہ جو میرے ساتھ ہے وہ میں برداشت نہیں کر سکتی اس لیے میں نے پھپو کو سب بتا دیا۔'' آنسو روانی سے متورم چہرے کو تر کرنے لگے تھے۔

''مجھ سے جو بھی شکایت ہے ڈائریکٹ مجھ سے کہیں، اماں کو درمیان میں کیوں لا رہی ہیں؟ یہ یاد رکھیئے کہ میں کچھ وقت آپ کو سنبھلنے اور خود کو سنبھالنے کے لیے دے رہا ہوں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم ہر بات کا رشتے کی نوعیت کا اشتہار لگاتے پھریں کہ یہ سب آپ کو بتانا اتنا ہی مناسب لگا تھا تو اماں کو اپنے رویے بھی آپ بتائیں صرف میرے رویے نہ جتائیں اور بتانے کے لیے میری ماں ہی نہیں

آپ کے پیرنٹس بھی ہیں ان سے کہتیں کہ آج کی آپ کی حرکت صاف کہہ رہی ہے کہ آپ نے اپنا امیج اچھا رکھنے کے لیے اماں سے میری شکایتیں لگائی ہیں۔‘‘

شہباز کو لگی لپٹی رکھنی نہیں آتی تھی وہ صاف دل، صاف زبان کا کھرا شخص تھا نہ اس سے پہلے کچھ جھوٹ کہہ کر دھوکا دیا تھا اور نہ ہی آج کوئی پردہ رکھا تھا جو بات محسوس کی تھی صاف گوئی سے کہہ گیا تھا اور اسی لیے یمانی کی رنگت اڑ گئی تھی کہ اسے اندازہ نہیں تھا کہ شہباز اتنا زیرک نگاہ ہوگا کہ اس کی چوری پہلے ہی قدم پر پکڑ لے گا۔ اس نے گڑبڑا کر پلکوں کی جھالر اس کی جانب اٹھائی تھی۔ دلکش نین کٹوروں میں ٹھہرے موتی اترتی گلابیاں اس کے بازو پر گرفت یکدم ڈھیلی پڑ گئی تھی اور نگاہ یمانی کے تیکھے نقوش سے مزین چہرے پر بھٹکنے لگی تھی۔ یہ چہرہ اسے بہت پیارا تھا اس سے پہلے کہ حسن کا جادو چلتا وہ فطری جذبوں کے زیر اثر آتا وہ پلٹتا اور بیڈ پر دراز ہو کر لائٹ آف کر کے کروٹ بدل گیا تھا جبکہ وہ کتنی ہی ساعتیں وہاں کھڑی رہی تھی کہ کچھ پل قبل شہباز کی آنکھوں میں اترنے والی جذبوں کی سرخی اس کے اندر تک اترتی اسے بے کل ہی نہیں کر گئی تھی شہباز کا مجرم بھی بنا گئی تھی کہ گزرے دنوں میں آج پہلی بار شہباز کی نگاہ نے اسے ٹھٹکایا تھا وگرنہ وہ شادی کی پہلی شب جو فیصلہ لے گیا تھا اس پر آج بھی قائم تھا جبکہ وہ جو خود ایسا ہی کرنے کا سوچے ہوئی تھی وہ کر گیا تھا تو ذلت سی محسوس کرتی، اس سے بدگمان ہوتی ایک بیر سا باندھ بیٹھی تھی کہ دل میں تو اس کے لیے پہلی ہی جگہ نہ تھی اور اب معاملات اور بگڑ گئے تھے۔

☆......☆......☆

’’شیریں کہاں ہے؟‘‘ کوئی آندھی طوفان کی طرح ڈائننگ ہال میں داخل ہوا تھا۔ گھر کے سب ہی افراد زعیزعہ خان سے زیادہ اس کے ساتھ کھڑی بلکتی ہوئی رویحا کو دیکھ کر چونکے تھے اور اس نے ڈائننگ ہال میں داخل ہوتیں نیناں شیرازی کو دیکھا اور رویحا کی کلائی چھوڑ کر تقریباً ان کے قدموں میں اسے چھینکتے ہوئے اشتعال سے پوچھا تھا۔ انہوں نے جھک کر اسے اپنے مقابل کھڑا کیا تھا اور وہ ان کے سینے میں سماتی اور شدتوں سے بلکنے لگی تھی۔

’’میں نے پوچھا ہے کہ شیریں کہاں ہے؟‘‘ وہ اب کے تقریباً دھاڑا تھا۔

’’بکواس بند کر کے یہاں سے دفع ہو جاؤ زعیزعہ کہ ہم تمہارے منہ سے اپنی بیٹی کا نام سننا بھی گوارہ نہیں کر سکتے۔‘‘ ارمان شیرازی کرسی دھکیل کر اس کے مقابل آن کھڑے ہوئے تھے۔

’’زندگی اور موت کا بھیانک کھیل تو دیکھ سکتے ہیں۔‘‘ اس نے کہتے ساتھ ہی ریوالور نکالی تھی اور حیران پریشان سی کھڑی نیناں شیرازی سے لگ کر روتی رویحا کو اپنی اور کھینچ کر اس پر ریوالور تان لی تھی۔ کتنی ہی چیخیں بے ساختہ کمرے کی ساکت فضا میں آزاد ہوئی تھیں۔

’’دو گھنٹے، اٹھارہ منٹ اور گیارہ سیکنڈ یہ لڑکی میرے ساتھ رہی ہے۔‘‘ وہ ریوالور رویحا کی کنپٹی پر دیکھ کر کوئی حرکت نہیں کر پائے تھے کہ ارمان شیرازی کے ریوالور ہٹا لینے کی استدعا پر وہ حقارت سے کہنا شروع ہوا تھا ان سب کی آنکھوں سے سامنے دن میں تارے دکھا گیا تھا۔

’’یہ کیا بکواس ہے۔‘‘ وہ غصے سے چیخے تھے۔

''آواز آہستہ رکھنا ارمان شیرازی کہ میں اگر آواز بلند کرنے پر آیا تو تمہاری عزت کا وہ تماشہ لگے گا کہ ایک دنیا دیکھے گی۔'' اس نے سرخ نگاہوں سے انہیں گھورتے ہوئے تنبیہہ کی تھی اور رویحا کو کڈنیپ کر کے واپس یہاں تک لانے کی تمام روداد سناتا چلا گیا تھا اور ریوالور کے سبب وہ سب بڑی بے بسی سے کھڑے تھے کہ ابیان کو وہاں سے ہلتے دیکھ کر اس نے ہوائی فائر کر کے وہاں سے کسی کو بھی جانے سے روک دیا تھا۔

''تم کیا چاہتے ہو آخر؟ پلیز رویحا پر سے پسٹل ہٹا لو۔'' نیناں روتے ہوئے بولی تھیں کہ ساری تفصیل ان کے لیے بہت اذیت ناک تھی اور اس کا رونا بلکنا ان کے اعصاب چٹخانے لگا تھا اسی لیے وہ باقاعدہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ گئی تھیں۔

''میں صرف شیریں کو چاہتا ہوں۔ یہ تو صرف شیریں تک پہنچنے کے لیے ایک مہرہ ہے۔ اگر اس کی زندگی عزیز ہے تو مجھے شیریں کا ایڈریس دے دو۔'' وہ بغور نیناں شیرازی کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا تھا اور ایک جھٹکے سے رویحا کو اپنی گرفت سے آزاد کر دیا تھا۔

''تم نے اب اپنے منہ سے میری بہن کا نام آزاد کیا تو میں تمہیں جان سے آزاد کر دوں گا۔'' ابران کف اڑانے لگا تھا اور اس نے ریوالور کا رخ اب ابران کی جانب موڑ دیا تھا۔

''تجھے کیا لگتا ہے مجھے موت سے ڈر لگتا ہے۔ دیکھنا چاہتا ہے کہ مجھے کتنا ڈر لگتا ہے تو لے دیکھ۔'' وہ اس پر ریوالور تانے بہت دوستانہ انداز میں کہہ رہا تھا جبکہ وہاں موجود ہر شخص کی اپنی جان پر بن آئی تھی جبکہ اس نے یکدم رخ اپنی جانب موڑا تھا اور گولی اپنے بائیں بازو کے پار کر دی تھی۔ گولی کی آواز کے ساتھ بے ساختہ چیخیں فضا میں آزاد ہوئی تھیں۔

''یہ ہے میرا ڈر۔'' وہ بے ہنگم ہنسی ہنسا تھا اس کے بازو سے خون بڑی تیزی سے نکل رہا تھا مگر چہرے پر درد کے آثار تک نہ تھے اور اس نے اب پھر پسٹل کا رخ ابران کی جانب موڑا تھا۔

''تم گولی نہیں چلاؤ گے۔'' وہ چیختے ہوئے یکدم بیٹے کے سامنے آ گئی تھیں اور وہ ہنستا چلا گیا تھا۔

''یہ ہے تم سب کا ڈر کہ میں یہاں موجود ہر شخص کی آنکھوں میں صاف دیکھ سکتا ہوں کہ تمہاری زندگی سب کو کتنی پیاری ہے۔ تمہاری موت کا ڈر ان سب کی سانسیں کھینچنے لگا ہے جبکہ مجھے ایسا کوئی ڈر لاحق نہیں ہے۔'' وہ گویا حقارت سے بولتا یکدم دایاں ہاتھ ریوالور سمیت شیشے کی مہنگی ترین ڈائننگ ٹیبل پر مار گیا تھا۔ چھناکے کی آواز کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل کیا ٹوٹی تھی مہنگی ترین کراکری بھی دھڑام سے زمین بوس ہوتی چلی گئی تھی۔

''تم میں سے کسی کو میری آنکھوں میں میرے لیے ہی رحم یا درد نظر آ رہا ہے؟'' وہ ان لوگوں کو دیکھنے لگا تھا جو اس کی دہشت کے سبب ساکت تھے جبکہ اس کے دونوں ہی ہاتھ تیزی سے لہو رنگ ہو رہے تھے۔

''تم پاگل ہو گئے ہو؟ کیوں کر رہے ہو ایسا؟ مت پہنچاؤ خود کو نقصان۔'' چڑیا سے دل کی مالک نیناں شیرازی اس کی آنکھوں میں وحشت سی ناچتے دیکھ کر اور اسے کانچ کا ٹکڑا اٹھاتے دیکھ کر کرب سے بولی تھیں۔

''ہاں پاگل ہوگیا ہوں، آپکی بیٹی شیریں کے عشق میں پاگل ہوگیا ہوں۔'' وہ اذیت سے چیخا تھا۔ ''میں زعیزعہ خان جو دنیا بھر کی برائیوں میں مبتلا ہے، جس کا نفس، جس کا وجود محض ایک گندگی کا ڈھیر ہے اور میں کب نفس کی راہ پر چلتا شیریں کی محبت میں گرفتار ہو گیا، نہیں جانتا۔''

وہ سب سانس روکے کھڑے تھے اور وہ صرف نیناں شیرازی کو دیکھ کر صرف ان سے ہی مخاطب تھا۔

''ان ہاتھوں نے (اس نے لہو چھلکاتے ہاتھ ان کے سامنے کیے تھے) کتنی ہی لڑکیوں کو چھوا مگر (وہ لحظہ بھر کو رکا تھا) اس دل نے (اس نے ہاتھ میں موجود کانچ کی نوک سے اپنے دل پر لکیر کھینچی تھی) جس کو چھوا جس کو دیکھ کر دھڑک اٹھا، محبت کے نام پر زعیزعہ خان بے دل ہو گیا، وہ زعیزعہ خان جو لڑکیوں کو صرف بستر کی زینت بنانے کو ترجیح دیتا تھا وہ ایک لڑکی کے عشق میں ایسا مبتلا ہوا کہ از خود شراب و شباب کی محفلیں تیاگ دیں۔ اس دل کی خوشی کے لیے سب کچھ تیاگ دیا (ایک اور ضرب لگائی تھی) میں ہوں گھٹیا نفس و ہوس پرست انسان، مگر میرا دل تو شفاف تھا آئینے کی طرح، میری محبت کی طرح، شیریں کی طرح، شیریں کے کردار کی طرح، تو میں چاہے شیریں کو ڈیزرو نہیں کرتا تھا مگر میرا دل (وہ دل پر زور دے کر بولا تھا) تو شیریں کو اس کی محبت کو ڈیزرو کرتا تھا تو پھر کیوں آپ لوگوں نے اسے مجھ سے چھین لیا، اسے کسی اور کا بنا دیا، کیوں؟'' اس نے کانچ کا ٹکڑا ہاتھ میں تھامے ہونے کے باوجود مٹھی بند کر دی تھی۔

''جواب دیں، کیوں کیا آپ سب نے میرے ساتھ ایسا، کیوں مجھ سے میری محبت کو چھین لیا؟ کیوں میرے موم ہو جانے والے دل کو پھر سے پتھر بنا دیا۔ کیوں؟'' وہ بے حد سرخ ہوتے چہرے اور لہو رنگ آنکھوں کے ساتھ دیوانگی کی حدوں کو چھو رہا تھا اور نیناں شیرازی منہ پر ہاتھ جمائے سسکیاں روکنے کی کوشش میں تھیں جبکہ اس کی دیوانگی کا فائدہ اٹھا کر ابیان وہاں سے کب کا نکل چکا تھا اور اس نے ساری بات اس کی آمد کا بتا کر سالار مصطفیٰ کو جلد پہنچنے کا کہہ دیا تھا۔

''خود کو خدا کے لیے تکلیف نہ دو۔'' اس کے کسی سوال کا جواب فی الحال کسی کے پاس نہ تھا کہ ان لوگوں کے علم میں ہی کہا تھا کہ وہ شخص شیریں کے لیے اس حد تک دیوانہ ہو چکا ہے۔ اس لیے نیناں شیرازی لرزتے ہوئے اس کی طرف بڑھی تھیں اور اس کے ہاتھ سے وہ کانچ نکالنا چاہا تھا کہ وہ اس وقت اس سے خوفزدہ نہ تھیں۔ اس وقت صرف اس کو دیکھ رہی تھیں جس کے ہاتھ لہو رنگ ہو رہے تھے اور ان کا دل اس کے لیے بے چین ہونے لگا تھا اور اس کی پرواہ کا خیال تھا اس وقت ان کی آنکھوں میں اس انجان سے شخص کی تکلیف کے احساس سے آنسو تھے۔

''مسز ارمان، آپ کو کیا لگ رہا ہے میں یہ سب یہاں آپ سب کی ہمدردیاں سمیٹنے کے لیے کر رہا ہوں تو آپ غلطی پر ہیں۔'' اس نے اشتعال میں آ کر انہیں دھکا دیا تھا۔ ابران نے ماں کو بروقت تھام لیا تھا اس کی آنکھوں میں یکدم اس کے لیے ترحم کے جذبات زائل ہوئے تھے اور غصہ کی چنگاریاں بھڑک اٹھی تھیں۔

''یہ سب صرف یہ بتانے کے لیے کیا تھا کہ مجھے زندگی سے کوئی رغبت نہیں ہے۔ وہ کمشنر سالار مصطفیٰ بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا چاہے کتنی ہی میری انکوائری کروا لے۔''

سالار مصطفیٰ کو آتے دیکھ کر اس نے بات بدل ڈالی تھی۔

''یو آر انڈر اریسٹ زعیزعہ خان۔'' اس کی بات سنی ضرور تھی مگر توجہ دیئے بغیر ہتھکڑی اس کی آنکھوں کے سامنے لہرائی تھی اور وہ ہنس دیا تھا۔

''اپنی ہتھکڑی واپس جیب میں رکھ لو کمشنر کہ تو کیا سمجھتا ہے، میں یہاں بے بات کا ہنگامہ کرنے آیا ہوں تاکہ تو یا تیرے جیسا کوئی بھی مجھے ہتھکڑی لگا کر حوالات میں بند کردے تو یہ تیری بے وقوفی ہے۔'' وہ نفرت و حقارت سے کہہ رہا تھا۔

''تم بڑھکیاں بہت مار چکے زعیزعہ خان، اب تم بس اپنے انجام کو پہنچے۔'' وہ فل یونیفارم میں تھے سختی سے پھنکارے تھے۔

''ٹھیک ہے لگاؤ مجھے ہتھکڑی مگر پہلے یہ ضرور دیکھ لو۔''

اس کے موبائل پر ویڈیو دیکھ کر ان کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ یہ رویحا کی ویڈیو تھی جو اس نے اس لیے بنائی تھی تاکہ اگر وہ کچھ نہ بتائے تو وہ یہی ویڈیو انہیں بھیج کر شیریں کا مطالبہ کرے گا۔

''ارے رک کیوں گئے، لگاؤ ہتھکڑی لے چلو مجھے حالات، مگر میرے ہتھکڑی لگنے کے دس منٹ بعد یہی ویڈیو ہر نیوز چینل پر چلے گی۔ کہو ڈیل منظور ہے۔'' وہ ہنس رہا تھا ان کی کنپٹیاں سلگ اٹھی تھیں۔ انہوں نے الٹے ہاتھ کا جھانپڑ اس کے منہ پر رسید کیا تھا۔

''یہی نہیں کمشنر، اگلے گیارہ گھنٹوں میں مجھے اگر شیریں نہیں ملی تو نہ صرف یہ ویڈیو بلکہ شیریں اور میری ایسی تصویریں ہر نیوز چینل پر لگواؤں گا کہ تمہاری سات نسلیں یاد رکھیں گی۔'' وہ تھپڑ کھا کر بھی ہنستے ہوئے بولا تھا انہوں نے اس کا گریبان جکڑ لیا تھا۔

''مجھے موت سے ڈر نہیں لگتا مگر مجھے جان سے مارنے سے قبل یہ سوچ لینا کہ جس محبت کے احترام میں نفس کی غلامی چھوڑی تھی اسی محبت سے بچھڑنے کے انتقام میں اس کی اور تم سب کی عزت کا جنازہ مرنے کے بعد بھی نکال دوں گا۔''

اس کے گریبان پر ان کی گرفت یکدم سست پڑ گئی تھی۔

''شیریں کو بہت چاہا ہے میں نے اور اسے بہت احترام بھی دیا ہے مگر اس کے لیے دھڑک اٹھنے والا دل آج پھر سے پتھر ہو گیا ہے اس لیے اب میں وہ سب کروں گا جو پہلے نہیں کیا، شیریں اگر میری نہیں ہو سکتی تو وہ کسی کی بھی نہیں ہو سکتی۔ اسے بدنام کر دوں گا، سر اٹھا کر جینے کے قابل نہیں چھوڑوں گا کہ دل تو نکال پھینکا ہے کمشنر، اور پتھروں کی پوجا بھی کی جائے تو وہ وفا نہیں کرتے۔''

اس کے خون ابھی بھی نکل رہا تھا اور تیزی سے نکلنے والے خون کے سبب اس کا چہرہ اب زرد ہو رہا تھا مگر اس میں کمال کی ہمت تھی۔ اس کے اعصاب کچھ زیادہ ہی مضبوط تھے جبھی وہ اب تک ان کے سامنے اپنے ہی پیروں پر کھڑا تھا۔

''شیریں تم سے محبت نہیں کرتی، وہ اپنی نئی زندگی شروع کر چکی ہے، بھول جاؤ اسے۔ ہمارا پیچھا چھوڑ دو۔'' نیناں شیرازی پھر سے اس کے آگے ہاتھ جوڑ گئی تھیں اور سالار مصطفیٰ نے اپنے لب بھینچ لیے تھے کہ جو کچھ اس نے ویڈیو میں دکھایا تھا اس کے بعد ان کے ہاتھ ہی نہیں لب بھی سل گئے تھے۔

''میں پیچھا چھوڑنے والوں میں سے نہیں ہوں، انتقام کی آگ سرد کیسے بنا تو آپ لوگوں کی جان نہیں چھوڑوں گا۔'' وہ نفرت سے پھنکارتا جس طرح آیا تھا ویسے ہی چلا گیا تھا۔ کمرے میں موت کا سا سناٹا چھا گیا تھا۔

''شہیر، شیریں کو لے کر واپس آ جاؤ۔'' ارمان شیرازی کی آواز سناٹے میں گونجی تھی۔ کتنی ہی نگاہیں سوالیہ انداز میں ان پر اٹھ گئی تھیں۔

''شیریں کی وجہ سے میں اب مزید کسی کو مشکل میں نہیں ڈال سکتا کہ اس کو محفوظ کرتے ہم رویحا کی عزت داؤ پر لگا گئے۔'' ان کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں کہ اتنے بے بس تو وہ کبھی نہ ہوئے تھے۔

''ایک شیریں کی زندگی سے اتنے مسئلے پیدا ہو گئے ہیں تو میں خود اسے جان سے مار کر سب کو ہر مسئلے سے آزاد کر دوں گا۔'' اسے فوراً بلانے کا مقصد بیان کرتے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے نکلتے چلے گئے تھے اور پھر موت کا سا سکوت چھا گیا تھا۔

''تھینکس۔'' شانیہ نے بھیگی پلکیں اٹھاتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا تھا جس نے عین وقت پر پہنچ کر اس کی بہت مدد کی تھی کہ آج اس کا پوائنٹ نکل گیا تھا اور وہ اسٹاپ پر اپین روڈ کی بس کا انتظار کر رہی تھی کہ وہ لڑکے اسے تنگ کرنے لگے تھے مگر جیسے ہی ایک گاڑی ان کے نزدیک آ کر رکی تھی وہ فرار ہو گئے تھے اور اس نے اپنے مسیحا کو دیکھا تھا اور ابران کو دیکھ کر اس کا پہلے سے سرخ چہرہ مارے شرمندگی کے مزید سرخ ہو گیا تھا جبکہ وہ اس کی حالت کے برعکس اس کی بھیگی آنکھوں کے سحر میں ڈوب سا گیا تھا اور وہ اسے یک ٹک دیکھنے پر گھبراہٹ کا شکار ہو گئی تھی کہ وہ ہارن کی آواز پر چونک اٹھا تھا اور گہری سانس خارج کرتے ہوئے اسے لفٹ کی آفر کر ڈالی تھی یہ ابران شیرازی کی زندگی کا پہلا واقعہ تھا جس میں اس نے ایک لڑکی کی نہ صرف مدد کی تھی بلکہ اسے لفٹ بھی آفر کی تھی۔

''جی نہیں شکریہ۔ میں چلی جاؤں گی۔'' وہ قطعیت سے بولی تھی اور دائیں ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرنے لگی تھی۔

''آپ مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہیں کہ آپ کو اس طرح چھوڑ کر جانا مجھے بالکل مناسب نہیں لگ رہا۔'' وہ شائستگی سے بولا تھا اور وہ تذبذب میں پڑ گئی تھی کہ اسے زیادہ نہیں جانتی تھی مگر بہر حال اس کی فیملی سے رشتہ داری تھی اور اس نے کچھ سوچ کر اس کی آفر قبول کر لی تھی کہ نہایت خوبرو ابران شیرازی کی آنکھوں میں نرم بہت اپنائیت اور احترام بھرا تاثر تھا جس کے زیر اثر وہ اسے انکار نہیں کر پائی تھی جبکہ وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کرنے لگا تھا کہ اسے ابران نے پہلی دفعہ یمانی کے مایوں کی شب دیکھا تھا۔ یلو انگرکھا اسٹائل قمیض اور چوڑی دار پاجامے میں اپنے سلکی بال کھولے اور میک اپ کے نام پر کاجل لگائے سادگی میں بھی وہ اپنی پیاری سی صورت کے ساتھ اس کے دل میں اتر گئی تھی۔ شادی کے بعد اس کے دل نے بارہا اس سے ملنا چاہا تھا اور دل کی خواہش آج سرِ راہ پوری ہو گئی تھی۔ ابران نے کن اکھیوں سے اسے دیکھا تھا وہ بڑی احتیاط سے فرنٹ سیٹ پر ڈور کی سائیڈ پر ہوئی بیٹھی تھی اس وقت وہ سیاہ رنگ کے عبایا میں تھی اور دھوپ کی تمازت سے اس کی رنگت دہک رہی تھی اور سیاہ آنکھوں میں رونے کے سبب دوڑتے گلابی ڈورے، ابران کا دل کر رہا تھا کہ وہ گاڑی روک دے اور اسے دیکھتا رہے مگر یکدم اس نے نظر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا اور وہ شرمندہ ہوتا نظر چرا گیا تھا اور بہت احتیاط سے گاڑی چلانے لگا تھا کہ اس کا سیل فون بجنے لگا تھا۔

''راستے میں ہوں ابھی، گھر پہنچ کر کال کروں گا۔'' کال ریس کر کے دھیمے سے کہا تھا۔

''آج سے پہلے تو ایسا نہیں کہا آج کوئی خاص وجہ۔'' فراز بے ساختہ بولا تھا۔

''جو بھی وجہ ہے تجھے بتا دوں گا۔ ابھی رکھتا ہوں۔'' فراز کو مزید کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر اس نے لائن کاٹ دی تھی۔

''آپ کون سی کلاس کی اسٹوڈنٹ ہیں؟'' اپنی نیچر کے برخلاف وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہوتا سوال کر گیا تھا وہ جو گود میں رکھے بیگ کی زپ سے کھیل رہی تھی یکدم چونک گئی تھی۔

''سیکنڈ ائیر فائن آرٹس کی اسٹوڈنٹ ہوں۔'' اس کی جانب دیکھا تھا جو مکمل طور پر ڈرائیونگ کی طرف متوجہ تھا اور دھیرے سے اس کے سوال کا جواب دے گئی تھی۔

''مصوری میرا جنون ہے۔'' ابران کے پوچھنے پر کہ یہی فیلڈ کیوں چنی وہ خود اعتمادی سے مگر دبے دبے جوش کے ساتھ بولی تھی اس کی نگاہ ایک بار پھر بھٹکی تھی اور وہ ماں سے بات کرنے کا ارادہ کرتا نگاہ ہٹا گیا تھا اور پھر کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ اترتے ہوئے اس نے نہ صرف ابران کا شکریہ ادا کیا تھا اسے ازراہِ مروت اندر آنے کی بھی دعوت دے ڈالی تھی مگر اس نے شائستگی سے معذرت کر لی تھی کہ وہ اپنے اندر یمانی کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں لا پاتا تھا اس لیے دل کی چاہت کو اگنور کیے انکار کر گیا تھا لیکن اسی وقت شہباز کی بائیک آ کر رکی تھی اور اس کے انسسٹ کرنے پر وہ نہ چاہ کر راضی ہو گیا تھا۔

''شانی! آج اتنی دیر کر دی، سب خیریت تو رہی ناں؟'' دروازہ کھولتے ہی یمانی پریشانی سے پوچھ گئی تھی لیکن جواب سننے کا خیال ہی شہباز کے ساتھ کھڑے ابران کو دیکھ کر ذہن سے نکل گیا تھا۔ ان دونوں کی نگاہ اس پر ایک ساتھ ہی پڑی تھی ابران کے دوسرے ہی لمحے نگاہ چرالی تھی جبکہ شہباز اس کے چہرے سے نگاہ نہیں ہٹا پایا تھا کہ اس کا چہرہ بے حد سرخ ہو رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو مچل رہے تھے وہ تو شانیہ نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تھا تو وہ نگاہ جھکاتی آنسو پینے کی کوشش کرتی تیزی سے اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔ وہ ایک گہری سانس خارج کرتا اسے اندر لے آیا تھا۔ شانیہ نے عبایا اتارتے ہوئے ساری بات ماں کو بتا دی تھی وہ اللہ کا شکر ادا کرتیں کمرے سے نکل آئی تھیں اور ابران سے بہت اچھی طرح ملی تھیں اور اس کا شکریہ بھی ادا کیا تھا وہ شرمندگی سی محسوس کرنے لگا تھا۔ یمانی اپنے کمرے میں بند ہو چکی تھی شانیہ نے ہی جلدی جلدی جوس بنا کر اس کے سامنے پیش کیا تھا۔ وہ اس وقت یمانی کے سامنے پر اور اس کے اندر غائب ہو جانے پر اس قدر اپنے اندر شرمندگی سی اترتی محسوس کر رہا تھا کہ اس کے سارے لطیف جذبات جیسے کہیں جا سوئے تھے اور وہ جیسے تیسے گلاس خالی کرتا فوراً ہی جانے کے لئے کھڑا ہو گیا تھا اس کے چہرے پر گلٹ شہناز ہی نہیں شہباز نے بھی صاف محسوس کر لیا تھا کہ اسے بیوی کا یوں منظر سے ہٹ جانا پسند نہیں آیا تھا وہ جس وقت کمرے میں آیا وہ رائٹنگ ٹیبل سے ٹیک لگائے نیچے کارپٹ پر بیٹھی تھی۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

''زندگی میں ہر انسان کو سب ہی کچھ اس کی خواہش و پسند کے مطابق نہیں ملا کرتا۔'' وہ دوزانو اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے نہایت نرمی سے بولا تھا۔

''کیوں شہباز، ایسا کیوں ہوتا ہے؟'' وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھتی سسکتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ ''ہمیں وہ کیوں نہیں ملتا جسے ہم دعاؤں میں بہت چاہت سے مانگتے ہیں۔ میں نے تو جب جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے صرف ابران کو مانگا اور وہ پھر بھی مجھے نہیں ملے، میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟'' وہ اس کی شرٹ کا کالر دبوچے ہذیانی انداز میں بول رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ یمانی، ابران سے محبت کرتی ہے اور یہ بات وہ کیسے سہہ رہا تھا بس وہی جانتا تھا کہ آج اس نے لبوں سے اظہار کر کے آخری کیل بھی ٹھونک دی تھی۔

''کیوں میرے جذبے ابران کے دل تک نہیں پہنچے؟ کیوں انہوں نے مجھے ٹھکرا دیا؟'' اس کی سسکیاں بلند ہو رہی تھیں اس نے ایک نظر یمانی کو دیکھا تھا۔ وہ کس قدر ٹوٹی بکھری لگ رہی تھی اس نے ہمیشہ سے بڑھ کر اعلیٰ ظرفی دکھائی اور اسے سینے سے لگا لیا۔ اس کے

رونے میں یکدم ہی شدت آ گئی تھی اور وہ اس کے سینے سے لگی اپنی محبت کے بچھڑ جانے کا گلہ کرتی، ماتم کر رہی تھی، بلک بلک کر رو رہی تھی اور اس نے اسے رونے دیا تھا، کئی طویل ساعتوں کے بعد جیسے ہی اسے اپنی پوزیشن کا احساس ہوا تھا وہ اسے پرے دھکیلتی کھڑی ہو گئی تھی، شہباز نے اسے دیکھا تھا اس کے چہرے پر شرمندگی اور آنکھوں میں عجب احساس ہلکورے لے رہا تھا مگر اس نے نہ اس کی حرکت پر برا منایا، نہ کچھ کہا۔ اسے شرمندہ نہ دیکھ پایا تو خود ہی اس کے سامنے سے ہٹ گیا اور یوں اس کے منظر سے جانا یمانی کے دل میں احساسِ شرمندگی سوا کر گیا تھا۔

''آئی ایم سوری شہباز، میں جانتی ہوں کہ میں آپ کے ساتھ غلط کر رہی ہوں، آپ کی نرمی اور شرافت کا ناجائزہ فائدہ اٹھا رہی ہوں مگر میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں، جو ابران کے علاوہ کسی کو سوچتا ہی نہیں، اس لیے اب میں یہاں سے چلی جاؤں گی کہ اپنا آپ، آپ کا مجرم لگتا ہے۔'' اس نے آنسو گڑتے ہوئے فیصلہ لیا تھا جبکہ دوسری جانب شیریں والے معاملے کو لے کر ڈسٹرب ابران اس کے گھر جا کر کچھ اور ڈسٹرب ہو گیا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ اگر دل کی بات ماں سے کہے گا اور دل کی خواہش پوری ہو جائے گی تو تمام عمر اس کا سامنے کیسے کرے گا؟ الجھن سی الجھن تھی۔

☆......☆......☆

''زعیز! مرنا ہے کیا اور کتنی ڈرنک کرو گے۔ راحیل اسے اور ڈرنک کرتے دیکھ کر پریشان ہو کر اس کے ہاتھ سے گلاس چھینتے ہوئے بولا تھا مگر اس نے راحیل کا ہاتھ جھٹک کر ایک ہی سانس میں پورا گلاس خالی کر دیا تھا۔

''تیری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، پورے دو دن بعد آج تو ہاسپٹل سے گھر آیا ہے۔ اتنی ڈرنک کرے گا تو مر جائے گا، مت بن اپنے لیے اتنا ظالم۔'' اسے نیا گلاس بناتے دیکھ کر وہ بے بسی سے بولا تھا کہ اس دن خون بہت بہہ گیا تھا۔ پورے اڑتالیس گھنٹے بعد اسے ہوش آیا تھا اور وہ ڈاکٹرز کے ڈسچارج نہ کرنے پر خود ہی اپنی سی کرتا کچھ دیر قبل ہی گھر آیا تھا اور جب سے ہی ڈرنک کیے جا رہا تھا۔

''جب وہ مجھ پر اتنا ظلم کر سکتی ہے، مجھ سے کیا وعدہ توڑ سکتی ہے، مجھے داغِ جدائی دے کر کسی اور پہلو میں جا کر سج سکتی ہے تو میں کیوں اپنے اوپر ظلم نہیں کر سکتا؟'' کہتے ساتھ ہی گلاس غٹا غٹ چڑھا گیا تھا۔

''یہ تکلیف تو کچھ بھی نہیں، کہ وجود پر لگے زخم تو ایک نہ ایک دن بھر ہی جائیں گے، دل کی تکلیف نہیں سہی جاتی مجھ سے راحیل۔'' وہ چکراتے سر کو تھامتا بیڈ پر گر سا گیا تھا کہ کبھی کسی سے شکست نہ کھانے والے زعیز عہ خان نے اپنے دل کے ہاتھوں ایسی شکست کھائی تھی کہ وجود ہی نہیں روح بھی قیامت کی زد پر تھی۔

''اسے کہیں سے لا دو، میرا دل بڑی تکلیف میں ہے۔'' اونچا لمبا زعیز عہ خان دوسروں کو تڑپا کر تسکین کرنے والے زعیز عہ خان کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے اور راحیل اب تک اس یک دیوانگی پر جتنا حیران ہوا تھا آج کی حیرانگی کے آگے وہ تو کچھ بھی نہ تھی کہ اس نے تو تصور بھی نہ کیا تھا کہ وہ کبھی زعیز عہ خان کو اتنا شکستہ دیکھے گا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے گا۔

"میں مر رہا ہوں راحیل! میری شکستگی تو دیکھ کہ جو چاہا وہ پایا مگر دل کی تمنا ہجر سمیٹ لائی ہے۔" اس کا دل ہی نہیں اس کا روم روم رو رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے گرتے آنسو راحیل اس لڑکی کی قسمت پر رشک کرنے لگا جس کے لئے وہ اسٹون مین تڑپ رہا تھا، رلانے والا آج خود رو رہا تھا کہ محبت اسی کا نام ہے۔

☆......☆......☆

"یہ سب قسمت کے کھیل ہیں نیناں، اس کے لئے خود کو یا شیریں کو الزام نہ دو کہ رویحا کی قسمت میں یہ بدنامی لکھی تھی جو اسے مل کر رہی۔" ثمینہ کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔

"کوئی کچھ بھی کہے، چاہے آپ ہمیں اپنا مجرم نہ سمجھیں مگر ہم احساس جرم سے نہیں نکل سکتے کہ رویحا کے ساتھ جو بھی ہوا صرف شیریں کا جاننے کے لئے ایسے میں وہی اصل قصوروار ہے رویحا کے ہم سب مجرم ہیں۔" نیناں شیرازی بہن کے سامنے ہاتھ جوڑے سسک رہی تھی۔

"کیا شیریں ہماری بیٹی نہیں ہے جو اسے مجرم سمجھ لیں کہ ہمارے لیے تو رویحا اور شیریں دونوں کی ہی عزت سانجھی ہے، ہاں جو ہو گیا ہے وہ بہت غلط ہوا ہے اس سے ہم سب کو خاص کر ریا کو سنبھلنے میں وقت لگے گا مگر دکھ چاہے بہت بڑا ہے مگر اپنوں کا ساتھ رہا تو ہم سب سنبھل جائیں گے۔ بس تم یوں شرمندگی ظاہر کر کے رشتوں میں دوریاں نہ لاؤ۔" ثمینہ بہن کے کاندھے سے لگیں تڑپ کر روئی تھیں کو واقعہ کچھ چھوٹا بھی نہ تھا کہ وہ جھیل جاتیں کہ ان کی تو بیٹی کی پوری زندگی کی نیک نامی داؤ پر لگ گئی تھی۔ جو جتنا تڑپتیں اتنا کم تھا۔

"بس دعا کرو کہ ریا اس سب سے سنبھل جائیے۔ میثم جلد سے جلد ہاسپٹل سے گھر آ جائیں۔" نیناں شیرازی ان کو سنبھالتے خود بکھر رہی تھیں۔

"ریا بھی سنبھل جائے گی۔ میثم بھیا بھی صحت یاب ہو جائیں گے۔" انہوں نے خود روتے ہوئے بہن کے آنسو پونچھے تھے۔

"کیسے ہو گا نیناں! بات چھوٹی تو نہیں ہے۔ اب میری ریا کیسے دنیا کا سامنا کر پائے گی، وہ ٹوٹ کر بکھر گئی ہے جس کی آنکھوں میں، میں نے اور میثم نے آنسو نہیں آنے دیئے اس کی پوری زندگی آنسو بن گئی ہے۔ مجھ سے نہیں دیکھی جاتی ریا کی اسی ٹوٹی بکھری حالت، اسے سنبھال لو نیناں، ورنہ میں مر جاؤں گی۔" ان کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

"مریں آپ کے دشمن، کچھ نہیں ہوا ہے، کوئی قیامت نہیں ٹوٹی ہے۔ ریا کل بھی عزت سے سر اٹھا کر چلتی تھی آئندہ بھی ہمیشہ سر اٹھا کر ہی چلے گی، ریا آپ کی نہیں میری بھی بیٹی ہے، آپ نے بہت رکھ لیا اسے اپنے پاس، بس اب مجھے دے دیں۔" انہوں نے بڑی سرعت سے اپنے آنسو پونچھ کر ان کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا تھا۔ وہ چونک کر بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگی تھیں۔

"آپی، ریا میری جھولی میں ڈال دیں۔ اسے بہو نہیں بیٹی بنا کر رکھوں گی۔" وہ گویا ملتجی تھیں ان کے سامنے کاسہ بلند کئے بیٹھی تھیں۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے نیناں کہ ریا......" وہ بے یقینی کا عالم گہرا تھا۔

"کچھ مت کہیں آپی اور بس ریا مجھے دے دیں۔ آپ جانتی ہیں ناں کہ ابران میں میری جان بنتی ہے، ریا کو اس کے سنگ بیاہ کر لے جاؤں گی تو ابران کی خاطر، اس کی خوشی کے لیے ابران سے بڑھ کر ریا کا خیال رکھوں گی۔ آپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دوں گی۔" وہ نہ جانے کیسے کہنے لگی تھی کہ نیناں نے موقع نہیں دیا تھا اور اپنے کاسہ کے خالی پن کا انہیں شدت سے احساس دلایا تھا تا کہ وہ ان کا خالی کاسہ بھر دیں۔

"تم کیا کر رہی ہو اس وقت ابران کی خوشی کا خیال کہ ابھی تم صرف ریا کی پرواہ کر رہی ہو۔ یہ سوچے بغیر کہ ریا تمہارے بیٹے کے قابل نہیں ہے۔" وہ کرب سے بولی تھیں۔

"آپی آج تو یہ کہہ دیا آئندہ مبت کہیے گا کہ ریا ہر لحاظ سے ابران کے ہی نہیں ہر اس شخص کے لئے پرفیکٹ ہے جو ریا کی طرح اجلے کردار اور اجلا پن رکھتا ہے۔" وہ ناگواری سے بہن کو ٹوک گئی تھیں۔ "آپ اگر میری بات کا یقین کرنا چاہیں تو کر سکتی ہیں کہ یہ بات میں نے کسی احسان کے لیے، یا قرض چکانے کے لئے نہیں کہی کہ یہ فیصلہ میں بہت پہلے لے چکی تھی۔ ارمان بھی راضی تھے، ہاں ابر سے نہیں پوچھ پائی تھی مگر مجھے اپنی اولاد پر اس وقت بھی بھروسہ تھا کہ بات کروں گی تو انکار نہیں کرے گا اور آج اسی بھروسے کے اوپر آپ کے آگے جھولی پھیلائی ہے اور امید ہے کہ آپ مجھے مایوس نہیں کریں گی۔" وہ ہر حال میں سچ بولنے کو اہمیت دیتی تھیں اس لیے اس وقت بھی اپنی سوچ سچائی سے بیان کر دی تھی۔

"اتنا کیوں سوچ رہی ہیں، شیریں کے معاملے میں سالار بھیا اور شہیر اعلیٰ ظرفی دکھا سکتے ہیں تو کیا آپ کو میں اور میرا بیٹا اتنے ہی کم ظرف لگتے ہیں کہ ہم مشکل وقت میں کسی کے کام نہیں آ سکتے جبکہ یہی دل کی خواہش و رضا بھی ہے۔" ان کی خاموشی پر وہ خفا ہونے لگی تھیں۔

"میں میثم سے بات کروں گی، تم ارمان بھائی اور ابران سے پوچھ لو کہ نیناں جو گواہی تمہارا دل دے رہا ہے، جو اعلیٰ ظرفی تم دکھا رہی ہو، ہوسکتا ہے وہ ابران نہ دکھا پائے کہ ابران مرد ہے، اپنی بیوی کے لیے بہت کچھ اس نے سوچ رکھا ہوگا جبکہ تم ماں بن کر فیصلہ لے رہی ہو اور تمہارا ابران تمہاری محبت میں یہی فیصلہ لے گیا تو بھی بات نہیں بنے گی کہ ضروری نہیں کہ جیسے ماں کے فیصلے پر بیٹا جھک جائے ایک مرد بھی جھک جائے۔" گزرا ستم انہیں بہت زیادہ حقیقت پسند بنا گیا تھا اور وہ کچھ کہتیں کہ ابران کی آواز پر وہ دونوں ہی متحیر رہ گئی تھیں۔

"آنی، جہاں دل محبت سے جھکتا ہے وہاں اقرار و انکار کی کیفیت کا امتزاج ساتھ چلتا ہے مگر جہاں دل احترام سے جھکتا ہے وہاں انکار کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی، صرف اقرار سر اٹھا کر چلتا ہے، میں جو کچھ بھی ہوں اس عورت کے سبب ہوں (اس نے ماں کو عقیدت سے دیکھا تھا) اس عورت کے خون کے ایک ایک قطرے نے باہم مل کر مجھے مجسم شکل دی۔ میرے وجود کی تشکیل کی، میرا تو کچھ بھی نہیں ہے، جب میرا کچھ نہیں ہے تو میں اپنے مرد ہونے پر کیسے فخر کر سکتا ہوں۔ کہ میرا فخر تو یہ عورت ہے جس نے نو ماہ مجھے اپنی کوکھ میں سینچا اور اس کے بوجود میں پل کر میں نے اپنی پہچان پائی۔ میرا فخر مرد ہونا نہیں ہے، میرا فخر میری پہچان میری ماں ہے اور جب میری ماں کے لیے میرا دل محبت سے جھک گیا، میرا دل احترام سے جھک گیا تو میں اپنی برتری کیسے ثابت کر سکتا ہوں ک میں مرد ہوں تو اس میں میرا تو اپنا کوئی کارنامہ ہی نہیں ہے۔"

وہ ان دونوں کے درمیان آن ٹکا تھا اور خالی کی سنی باتوں کا جواب اس قدر خوبصورتی سے دیا تھا کہ ان دونوں کی ہی آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے تھے۔

''اور خالہ بھی تو ماں کے برابر ہوتی ہے تو میرا دل تو آپ کے آگے بھی احترام سے ہی جھکا ہوا ہے آفی۔ آپ محبت سے خود کہتیں مجھ سے کہ میں ریا سے شادی کر لوں تو باخدا، میں انکار نہ کرتا کہ آپ کے لیے میرا احترام اتنا ہلکا نہیں ہے کہ مجھے کچھ سوچنے پڑا کستا تا۔'' وہ یکدم ان کا ہاتھ تھام گیا تھا اور وہ اس کے سینے پر سر ٹکا کر بلک اٹھی تھیں کہ اسے انہوں نے ہمیشہ اپنا بیٹا مانا تھا اور آج ان کا مان سلامت رہا تھا۔

''اور کیا میں ریا کو نہیں جانتا جو مجھے اعتراض ہوگا یا میری مردانگی پر حرف آئے گا کہ عورت کو اس کے کردار کے ساتھ پرکھا جاتا ہے اور میں کیا ریا کا کردار نہیں جانتا جو اسے پرکھوں گا؟'' وہ ان کے آنسو پونچھتا کہہ رہا تھا۔

''اب آپ دونوں لیڈیز رونا بند کیجئے، مجھے تکلیف ہو رہی ہے کہ ویسے بھی میں نہیں چاہتا کہ جب میری شادی کی بات ہو رہی ہے تو درمیان میں کوئی آئے، چاہے وہ آپ دونوں کے آنسو ہی کیوں نہ ہوں۔'' اس نے مسکرا کر ماں کو دیکھا تھا اور منہ بنا کر بولا تھا اور وہ دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھ کر یکدم ہنس دی تھیں۔

''شادی کی بات کے درمیان ہمارے آنسو برے لگ رہے ہیں اور جب ہم تمہارے اور ریا کے درمیان آئیں گے تو تمہیں ہم دونوں بہنیں ہی بری لگنے لگیں گی۔'' انہوں نے شرارت سے بیٹے کو دیکھا تھا کہ آج اس نے ان کا سر فخر سے بلند کر دیا تھا۔

''ہوگا تو ایسا ہی۔'' وہ دونوں کو مطمئن دیکھ کر چی ہوتے دل کے ساتھ متبسم ہوا تھا اور وہ دونوں ہی اسے گھورتے ہوئے اس کا دایاں اور بایاں کان پکڑ گئی تھیں۔

''مذاق کر رہا تھا، کان تو چھوڑ دیں ناں، آفی! پلیز ممی، مجھے درد ہو رہی ہے۔'' اس نے کان چھڑانے کو زبانی کلامی کوشش کیا تھی سچائی بیان کر دی تھی کہ ان دونوں کی خوشی کے لیے اس نے اپنے درد کا سودا کر لیا تھا کہ ہر محبت کے نصیب میں وصل جو نہیں ہوتا۔

ہجر کی نم آلود ہوا
ہر شام ڈھلے
آنکھ بھگو جاتی ہے
اور میں دھیرے سے
دروازہ بند کرتا ہوں
رو دیتا ہوں
(فرحت عباس شاہ)

اس کے شام و سحر کی آگ میں پلتے اسے زندگی کے ایک نئے رخ سے روشناس کروا رہے تھے جہاں صبر بھی کرنا تھا اور برداشت

کا چرچا بھی کہ ہجر بھی کہاں سب کو راس آتا ہے اور اس نے ہجر کو اپنے موافق کرنا تھا۔

☆......☆......☆

''آپ کی چائے۔'' مطالعہ کرتا شہباز دھیمی سی آواز پر چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔ نگاہ اس کے چہرے پر گئی تھی جو قدرے سرخی مائل ہو رہا تھا اور اس کی بھیگی پلکوں نے ان گنت سوالات اس کے ذہن میں ابھارے تھے مگر کچھ پوچھے بناء کپ لینے کو ہاتھ بڑھاتا تھا اس کی آنکھوں کے سوال حیرت سے بڑھ کر پریشانی میں ڈھل گئے تھے اور اس نے کپ لے کر ٹیبل پر رکھا تھا اور جاتی ہوئی یمانی کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ اس نے رک کر بے حد متحیر نگاہوں سے اسے دیکھا تھا کہ ان کی شادی کو ایک ماہ ہو گیا تھا اور فاصلے ہنوز تھے اور آج کی اس کی معمولی سی پیش رفت ہی اس کے لیے سوہان روح تھی۔

''ہاتھ چھوڑیں میرا شہباز۔'' کوشش کے ساتھ منمنائی تھی۔

''خود کو مظلوم ثابت کرنے کے لئے آپ اتنے تردد کیوں کر رہی ہیں۔'' گہری سنجیدگی سے بولا تھا اور وہ اس کی بات نہ سمجھتے ہوئے بھیگی پلکوں میں حیرت سموئے اسے دیکھنے لگی تھی اور اس نے برہم سے انداز میں اس کی توجہ اس کے جلے ہوئے ہاتھ کی جانب دلائی تھی۔

''یقیناً آپ کو لگا ہو گا کہ میں آپ کا علاج تک نہیں کروا سکتا ہوں اسی لیے اس جلے ہوئے ہاتھ کے ساتھ مظلوم بنی پھر رہی ہیں۔'' دودھیا کلائی پر سیاہ اور سرخ نشان واضح تھا۔

''میں نے آپ کا ہاتھ خود نہیں جلایا، کام کے دوران یہ سب چلتا ہی رہتا ہے ایسے میں مظلومیت کہاں سے درمیان میں آ گئی؟'' اس کا ہاتھ تو پہلے ہی درد کر رہا تھا اس کی بات پر آنسو گرنے لگے تھے۔

''میں نے برنال لگا لیا تھا، بات اتنی بھی بڑی نہ تھی کہ میں پرچار کرتی پھرتی۔ آپ اپنے دماغ کا علاج کروائیں کہ ہر چھوٹی بڑی بات کو آپ دولت کے ترازو میں تولنے لگتے ہیں جب میں کچھ کہہ نہیں ہی تو آپ کو فضول مفروضے قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' ہاتھ چھڑاتی، آنسو رگڑتے ہوئے وہ بیڈ کے کنارے پر ہی ٹک گئی تھی۔

''یہی تو سارا مسئلہ ہے کہ آپ کچھ کہہ نہیں رہیں۔ یہاں اس چھوٹے سے گھر میں بنا آسائشات کے آپ کے لیے رہنا دشوار کن ہے، آپ کے لیے جب مشکل ہے تو کیوں رہ رہی ہیں؟ کوئی فیصلہ کرلیں۔'' وہ برہمی سے بولا تھا۔

''آپ کو فیصلہ کروانے کا بہت ہی زیادہ شوق ہے اور جب فیصلہ کرنا تھا اس وقت ہی کیوں مجھ سے شادی کرنے کا غلط فیصلہ لیا؟ اب پچھتا بھی رہے ہیں تو غور سے سن لیں شہباز کہ اچھا برا فیصلہ آپ نے لینا ہے، میں نے نہیں کہ نہ شادی کے وقت فیصلے کی ڈور میرے ہاتھ میں تھی نہ آج ہے۔ آپ سے رشتہ مجبوری میں جوڑا کہ میرے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا اور بناء راستے کے میرے اپنوں نے آپ کو میری منزل سمجھ لیا تھا اور جب بڑوں کے فیصلے کو قبول کیا ہے تو اسے نبھانے تھی کہ آپ نہیں نبھا سکتے تو جو چاہے فیصلہ کرلیں۔'' وہ قدرے غصہ اور برہمی سے کہتی اس کے سمجھنے یا روکنے سے قبل ہی کمرے سے نکل گئی تھی اور وہ ساکت سا کھڑا رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

''یمانی نیناں ولا زگئی ہوئی ہے۔'' روٹی کی طرف جاتا اس کا ہاتھ رک گیا تھا۔اس نے ماں کو دیکھا تھا جو کافی سنجیدہ سی بیٹھی تھیں۔

''یمانی کو آپ نے اجازت دی تھی یا وہ خود سے گئی ہیں۔'' اس نے سرخ چہرے سے سوال کیا تھا۔

''ادیان اسے لینے آیا تھا اس لیے میں نے جانے کو کہہ دیا۔'' وہ سچائی سے کہہ گئی تھیں کہ ادیان کو اس نے بلایا تھا اور ان کو صرف چائے کا بتانے آئی تھی اور اس کے خراب موڈ اور متورم چہرے کو دیکھ کر انہوں نے بناء کچھ کہے اجازت دے دی تھی۔

''بھائی کھانا تو کھالیں۔'' اس کو اٹھتے دیکھ کر وہ بولی تھی۔

''آپ لوگ کھالیں مجھے بھوک نہیں ہے۔'' بہن کو نرمی سے کہا اور ہال کمرے سے نکل گیا۔

''یمانی آپی کو پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے وہ ایسی تو نہیں تھیں۔'' وہ آزردگی سے بولی تھی۔

''تم اس سب سے دور رہو، نہ اچھا کہنے کی ضرورت ہے نہ برا۔'' انہوں نے نرمی سے بیٹی کو ٹوک دیا تھا اور وہ دل مسوس کر رہ گئی تھی۔شہباز نے کمرے میں آ کر اس کا نمبر ڈائل کیا تھا جو تیسری بیل پر ریسیو کر لیا گیا تھا۔

''فوراً گھر پہنچیں۔'' چھوٹتے ہی بولا تھا۔۔

''مجھے نہیں آنا، آپ جو چاہیں فیصلہ کر لیں۔'' ضدی انداز میں بولی تھی۔

''بکواس بند کریں اپنی، آپ میری نرمی کا بہت فائدہ اٹھا چکیں۔ایک گھنٹہ میں گر آپ گھر نہ پہنچیں تو آپ کو بتاؤں گا کہ میں فیصلہ کا اختیار رکھتا ہوں اور کیا کر سکتا ہوں۔'' وہ انتہائی گہرے طنز کے ساتھ سخت لہجے میں بولا تھا۔

''آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں۔'' اس کو بھی غصہ آنے لگا تھا۔

''نہیں، صرف باور کروایا ہے کہ میں آپ کو بہت ڈھیل دے چکا۔اب بات ہو گی ہمارے حقوق و فرائض کی۔'' وہ کہہ رہا تھا کہ وہ بول پڑی۔

''میں نہ آپ کے حقوق مانتی ہوں نہ ہی فرائض ادا کرنے کا ارادہ ہے اور نہ ہی میں واپس آ رہی ہوں۔'' اس کا انداز بھی بے لچک تھا جو اس کے غصہ کو ہوا دے گیا تھا۔

''آپ نہ آئیں واپس میں پھر کیا کرتا ہوں یہ آپ ہی نہیں آپ کی فیملی بھی دیکھے گی۔'' اپنی بات کہہ کر لائن کاٹ دی تھی اور وہ قدرے ڈر سی گئی تھی مگر جیسے جیسے گزرے دنوں میں روا رکھے جانے والا شہباز کا سلوک یاد آیا تھا ڈر زائل ہوتا چلا گیا تھا اور اسی پل ملازمہ اسے کھانے کے لیے بلانے چلی آئی تھی۔وہ سر جھٹکتی باہر آ گئی تھی۔

''آپ تو چلی گئی تھیں ناں، پھر کہیں شہباز بھائی سے لڑ کر تو نہیں آ گئیں۔'' ابیان کی زبان کیا پھسلی تھی وہ گڑبڑا گئی تھی دل میں چور جو تھا۔

''کیا فضول بکواس ہے ابیان۔'' انہوں نے بیٹے کو ڈپٹا تھا۔تقریباً تین بجے واپس جا کر سات بجے واپس آ جانا ان سب کے

تشویش کا باعث تھا مگر کوئی کچھ بولا نہیں تھا کہ اس کی سرخ آنکھیں دیکھ کر ارمان شیرازی ٹھٹک گئے تھے اور انہوں نے بعد میں بات کرنے کے خیال سے کسی کو بھی سوال کرنے سے منع کر دیا تھا۔

''تم کھڑی کیوں ہو، آجاؤ بیٹا۔ یہ ایان تو بس فضول ہانکتا رہتا ہے۔'' اس کی بدلتی رنگت دیکھ کر یمنیٰ نے کہا تھا اور وہ کرسی کھسکا کر بیٹھ گئی تھی۔ آج کل اس کا ذہن بہت الجھا ہوا تھا اور اسی لیے وہ ایک کے بعد ایک غلطی کرتی جا رہی تھی۔ اس نے کھانا بھی برائے نام لیا تھا اور خاموشی سے اٹھ گئی تھی۔

''یمانی! بتاؤ مجھے کیا بات تمہیں پریشان کر رہی ہے؟'' یمانی ماں کو اپنے کمرے میں دیکھ کر چونکی تھی اور ان کے دودھ کا گلاس ٹیبل پر رکھنے کے بعد نرمی سے پوچھنا اسے ازحد متحیر کر گیا تھا۔

''میں جانتی ہوں تم اس شادی سے خوش نہیں ہو مگر کبھی ہم میں سے کسی نے کچھ نہیں کہا کہ اندازہ ہے بات اتنی بڑی ہے کہ تمہیں سیٹ میں ہونے میں وقت لگے گا اور گزرے مہینوں میں تمہارے انداز و رویے سے ہم مطمئن تھے لیکن آج وہ اطمینان رخصت ہو گیا ہے۔ اس لیے میں چاہتی ہوں کہ اگر تم مناسب سمجھو تو مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟ کیا شہباز سے جھگڑا ہو گیا ہے۔'' وہ بہت نرمی سے بول رہی تھیں کہ جب وہ شہباز سے فون پر بات کر رہی تھی تو وہ جو اسے بلانے آئی تھیں تمام بات سن لی تھی اس لیے دودھ لانے کے بہانے وہ اس کے کمرے میں بات کرنے کے ارادے سے آگئی تھیں۔

''جھگڑا نہیں ہوا ہے کہ جھگڑا کرنے کے لیے سامنے والے سے اچھے برے تعلق کا ہونا بہت ضروری ہوتا ہے اور لاتعلق وانجان سے شخص سے میں کیا جھگڑا کروں گی۔'' اس کے آنسو گرنے لگے تھے اور وہ مضطرب ہو گئی تھیں۔

''تم کیا کہہ رہی ہو بیٹا؟ شوہر بھی بیوی سے انجان ہوتا ہے۔'' دھیمے سے کہا تھا۔

''ہوتا ہے یا نہیں میں نہیں جانتی ممی، بٹ میرے لئے تو میرا شوہر انجان ہے۔ مجھ سے لاتعلق، رشتے سے گریزاں۔'' آنسوؤں میں روانی آگئی تھی۔

''صاف صاف بتاؤ مجھے بات کیا ہے؟'' کانپتے دل سے پوچھا تھا۔

''میں بہت بے حیثیت ہوں ممی، میری کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ رشتے اور انسان مجھ سے دور بھاگتے ہیں۔ مجھ سے تعلق نہیں جوڑنا چاہتے، جڑ جائے تو نبھانے سے گریزاں ہی رہتے ہیں۔'' وہ بری طرح سسکنے لگی تھی۔

''یمانی چندا! روؤ نہیں اور بتاؤ مجھے ساری بات۔'' اس کے آنسو پونچھے تھے اور اسے پچکارا تھا اور وہ سب کہتی چلی گئی تھی۔

''ممی، آپ ہی بتائیے کہ کیا میں اتنی بری ہوں کہ ابران نے مجھے ٹھکرا دیا اور شہباز مجھے اپنا نہیں سکتے۔'' وہ ان کے کاندھے سے لگی سسکتے ہوئے بولی کیا تھی ان کا دل چیر گئی تھی۔

''بات تمہاری برائی کی نہیں ہے چندا، بس کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ آزمائش کے لیے چن لیتے ہیں۔'' اس کے آنسو پونچھتے ہوئے

نرمی سے کہنا شروع کیا تھا۔

''عورت کی خوبصورتی میں اس کا کوئی کردار نہیں ہوتا مگر سیرت و کردار کی خوبصورتی میں ضرور ہوتا ہے اور میری یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ ابر نے نکاح کی شام فرار حاصل کیا تھا تو محض غصہ و ضد میں، اس میں تمہاری کوئی خطا نہیں ہے۔ اس نے نکاح سے انکار اس لیے نہیں کیا کہ خدانخواستہ تم بدصورت ہو یا تمہارے کردار میں جھول ہے اس لیے فضول واہموں سے باہر نکل آؤ۔'' وہ صاف گوئی سے بول رہی تھیں اور وہ رونا بھول کر انہیں سن رہی تھی۔

''اور رہ گئی بات شہباز کی اس سے میری بات ہوئی تھی۔ اس نے تم سے رشتہ محض ماں کی بات کا احترام کرنے کے لیے نہیں ذہن و دل کی آمادگی سے جوڑا ہے۔''

انہوں نے نکاح سے پہلے اس سے بات کی تھی کہ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ وہ پھر کسی نئے دکھ کا شکار ہو۔

''اگر وہ واقعی راضی تھے تو مجھے نظر انداز کیوں کر رہے ہیں؟'' الجھ کر منمنائی تھی انہوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''تم اس بات کو منفی کیوں لے رہی ہو، مثبت بھی تو لے سکتی ہو کہ وہ خود کو اور تمہیں وقت دے رہا ہے کہ شادی کچھ اچھے حالات میں بھی تو نہیں ہوئی۔''

وہ چونک کر ماں کو دیکھنے لگی تھی کہ وہ تو وہی کہہ گئی تھیں جو شہباز کہہ رہا اور جتا رہا تھا۔

''اتنی حیرت سے نہ دیکھو بیٹا کہ بات کچھ بھی ہو سکتی ہے اور اگر وہ نظر انداز کر رہا ہے تو تم کیوں اس کی روش پر چل رہی ہو، پہل تو تم بھی کر سکتی ہو؟''

اس نے یکدم ہی ان سے نظر چرا سی لی تھی۔

''یمانی! اگر تم پہل کرنے سے انا کے سبب گریزاں ہو تو تم غلطی پر ہو، شرم و حیا، نسوانی وقار کے سبب چاہتی ہو تو تمہارا شوہر پوری عزت کے ساتھ تمہیں تمہارے حقوق دے تو تم حق پر ہو۔'' انہوں نے اس کے انداز میں ہٹ دھرمی و انا کی برتری محسوس کی تھی اس لیے کھل کر بولی تھیں جبکہ اس کی رنگت دہک اٹھی تھی کہ لاکھ وہ ماں سے فرینک اور اٹیچڈ تھی مگر ان سے اس معاملے پر گفتگو کرنا اس کے لیے بڑا کٹھن تھا وہ انہیں بتا کر پچھتانے لگی تھی۔

''مگر بعض اوقات انسان کو حقوق کی باقاعدہ جنگ کرنی پڑتی ہے اور یہ جنگ ہتھیاروں سے نہیں، محبت و پرواہ کے احساس میں ڈوب کر لڑنی پڑتی ہے۔ تم اپنی اچھائی، اپنی توجہ و زحبت سے شہباز کا دل جیت سکتی ہو مگر جس طرح تم نے پہلے شہناز آپی سے سب کہا اور پھر اسے بناء بتائے گھر آ گئیں اس طرح تو تم اپنا مقام ہی کھو دو گی۔'' اس کی کیفیت بھانپنے کے باوجود بولی تھیں کہ بہ حیثیت ماں اپنی بیٹی کو درست جانب نشاندہی کرنا اپنا فرض سمجھتی تھیں۔

''بلیو می ممی، میں نے کسی غلط ارادے سے پھپھو کو سچائی سے آگاہ نہیں کیا، میں ڈسٹرب تھی پھپھو سے جھوٹ نہ کہہ سکی کہ مجھے لگا تھا

کہ وہ اس سب کا حل نکال لیں گی۔ ہاں غلطی میری بس اتنی ہے کہ میں نے پھپھو سے صرف شہباز کے برے رویے کی بابت تفصیل کہی اپنا رویہ نہیں بتایا۔'' وہ شرمندگی سے اپنی غلطی قبول کر رہی تھی۔

''کہ یہ سچ ہے ممی کہ شہباز کا رویہ مجھے برا لگتا ہے اس بات کے باوجود کہ میں نے ان سے شادی صرف ڈیڈی کی بات کا مان رکھنے کے لیے کی۔ وہ مجھے بالکل اچھے نہیں لگتے اسی لیے اپنی عادت وفطرت کے برخلاف ان سے اکثر بدتمیزی کر جاتی ہوں لیکن ممی وہ مجھے اس کے لیے مجبور کرتے ہیں۔ انہیں لگتا ہے کہ مجھے وہ اس لیے پسند نہیں کہ وہ غریب ہیں اور مجھے ڈیڈی کی دولت پر ناز ہے۔ ابران نکاح کے لیے انکار نہ کرتے تو میری ان سے شادی ہی نہ ہوتی اور یہ سچ بھی ہے کہ میں نے صرف ابران سے ہی محبت کی ہے۔'' انہوں نے اسے دیکھا تھا جس کی آنکھوں سے ابران کے لیے محبت جھلکتی تھی۔

''مگر جس طرح انہوں نے میری انسلٹ کی اس کے بعد میری نظروں میں ان کا مقام کچھ نہیں رہا۔ محبت پر مگر اختیار نہیں ہے اس لیے ناکام محبت میرے اندر بین کرتی رہتی ہے اور ایسے میں شہباز کا رویہ، ان کی باتیں، مجھے لگتا ہے جیسے انہوں نے مجھ پر احسان کیا ہے اور انہیں اس مجبوری سے آزاد کرنے کے لیے ہی میں یہاں آ گئی کہ شہباز کو میری جیسی لڑکی ڈیزرو نہیں کرتی۔ ان کے لیے ایسی لڑکی ہونی چاہیے جو ان کی پرواہ کرے، ان سے محبت کرے اور میں ان سے محبت نہیں کرتی اور نہ ہی ان کے بارے میں اچھا سوچ پاتی ہوں اسی لیے میں نے پھپھو سے ان کی برائی کی تاکہ وہ غصہ میں آ کر مجھے چھوڑ دیں۔'' وہ بہت حساس تھی ابران کے دیئے زخموں کو مندمل نہیں کر پائی تھی کہ رہی سہی کسر شہباز پوری کر رہا تھا اور اسے جس لمحے یہ لگا تھا کہ اس نے مجبوری میں شادی کی اس کے دوسرے لمحے سے اس نے شہباز کو اس مجبوری کے رشتے سے آزاد کرنے کے لیے کوششیں شروع کر دی تھیں اور اس کی پہلی کوشش یہ بھی تھی کہ وہ اسے اتنا زچ وعاجز کر دے کہ وہ اس سے خائف ہو کر غصہ میں اپنی زندگی کا من پسند فیصلہ کر لے کہ وہ نادان ابھی اس کی پسند جانتی ہی کب تھی۔

''میری ایک بات یاد رکھنا یمانی کہ شہباز کے ذہن ودل میں کہیں نہ کہیں تمہارے لیے جگہ تھی اسی سبب اس نے تمہیں بطور جیون ساتھی قبول کیا ورنہ اسے ایسی کوئی مجبوری لاحق نہ تھی کہ وہ ایسا کرتا۔'' وہ پرسوچ نگاہیں اس کے متورم چہرے پر ٹکائے کہہ رہی تھیں۔ ''ہاں تم نے رشتہ محض مجبوری میں باندھا، اسی سبب اس مجبوری کے بندھن کو توڑنے کے لئے بھی تم ہی کوشاں ہو کہ تمہارے دل میں شہباز کے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں ہے نہ ہی تم اسے اس کا اصل مقام دینا چاہتی ہو اسی لیے فرار چاہتی ہو مگر یاد رکھنا جو تمہارے دل میں تھا وہ تمہارا نصیب نہی بن سکتا اس لیے سراب کے پیچھے بھاگنے کے بجائے جو نصیب ہے اسے دل میں جگہ دے دو کہ محبت نہیں کر سکتیں تب بھی تمہیں رشتوں کو نبھانے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔''

اس نے نظر چرالی تھی کہ اس کے دل میں چور تھا اور اسی لیے وہ شہباز کے کاندھے پر رکھ کر بندوق چلانا چاہتی تھی لیکن شاید وہ بہت بے وقوف تھی یا پھر بہت معصوم کہ اس کی ذرا سی غلط کوشش بھی سب پر عیاں ہوتی جا رہی تھی کہ یہ بھی حقیقت تھی کہ وہ بہت سیدھی لڑکی تھی جھوٹ اور چالاکی سے نابلد!

''تمہیں مجھ سے نظر چرانے کی ضرورت نہیں ہے کہ مائیں بیٹیوں کے ہر سکھ، دکھ کو پہچان لیتی ہیں اور میں تمہاری ماں ہوں اور ماں بیٹی کی باتیں، ماں بیٹی کے درمیان ہی رہیں گی۔'' انہوں نے نرمی سے اپنے ساتھ کا یقین سونپا تھا وہ ان کی گود میں سر رکھ کر سسکنے لگی تھی۔

''ممی، میں ابران کو کبھی معاف نہیں کروں گی، صرف ان کی وجہ سے آج میں تکلیف میں ہوا اور میں جو پوری کوشش کیا کرتی تھی کہ میری ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، آپ سب کو، پھپو اور سب سے زیادہ شہباز کو تکلیف دے رہی ہوں۔ مجھے اپنا آپ شہباز کا مجرم لگتا ہے۔'' وہ ان کی گود میں منہ چھپائے بچوں کی طرح رو رہی تھی۔

''گزری باتیں بھول کر نئی زندگی شروع کرو۔''

''مجھ سے نہیں ہوگا ممی، میں شہباز کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔'' اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا جن کی آنکھوں سے آنسو گرتے رخساروں پر لڑھک رہے تھے۔ وہ کچھ کہتیں کہ دروازے پر دستک ہوئی تھی اور ان کی اجازت پا کر ملازمہ شہباز کے آنے کی اطلاع کے ساتھ اندر آ گئی تھی اور وہ اطلاع کیا تھی وہ ہراس میں مبتلا ہو گئی تھی۔ یمنیٰ شیرازی نے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور بمشکل قائل کر کے شہباز کے ساتھ بھیج دیا تھا کیونکہ وہ سب شیریں اور رویحا کی وجہ سے ہی کم پریشان نہ تھے کہ وہ ان سب کی پریشانی بڑھا رہی تھی۔ ہمیشہ سمجھداری اور عقل کو ساتھ لے کر چلنے والی یمانی اس قدر بے وقوفی کیے جا رہی تھی کہ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہی وہ یمانی ہے جس کی وہ شیریں اور خواہش کو مثالیں دیتے تھے کہ وہ اتنے نازک وقت میں گھر چھوڑ آئی تھی کہ انہوں نے کسی کے بھی علم میں لائے بغیر اسے سمجھا بجھا کر بھیج دیا تھا تاکہ سب کی پریشانی میں اس کی وجہ سے اضافہ نہ ہو۔ شہباز نے راستے میں تو کچھ نہ کہا تھا مگر گھر پہنچ کر اسے کافی سنائی تھیں مگر ماں کے سمجھانے کا اثر تھا کہ اپنی غلطی کا احساس وہ اس کی سخت سست سننے کے بعد ''سوری'' کرتی اسے حیران کر گئی تھی۔

☆......☆......☆

''آ...... آپ۔'' اسے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ گیٹ پر زعیزعہ خان ہوگا تو وہ کبھی گیٹ نہ کھولتی کہ اسے دیکھ کر تو اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

''ہاں میں کہ تم نے کیا سوچا تھا کہ تم مجھے اتنی آسانی سے سے دھوکا دے جاؤ گی؟''

وہ دروازہ بند کرنا چاہتی تھی مگر کر نہیں پائی تھی اور وہ اندر چلا آیا تھا اور خود ہی گیٹ بند کر دیا تھا۔

''آپ پلیز جائیں یہاں سے۔ کیوں آپ مجھے یہاں بھی پریشان کرنے چلے آئے ہیں۔'' وہ دل ہی دل میں شہیر کے آ جانے کی دعا کرتی قدرے غصہ سے بولی تھی کہ تقریباً ایک ہفتہ بعد آج کچھ دیر پہلے ہی وہ کال آنے پر گیا تھا اور انسپکٹر شائستہ بھی آن ڈیوٹی تھیں تو وہ اسے جلد آنے کا کہہ کر نہ ڈرنے کی ہدایت کرتا چلا گیا تھا۔

''اپنی پریشانی کا بڑا خیال ہے کبھی میرے بارے میں سوچا ہے کہ گزرے آٹھ، دس ماہ میں نے کس اذیت میں گزارے ہیں؟ میں نے تم پر بھروسہ کیا، تم پر یقین کر کے تمہیں اس شب جانے دیا اور تم نے کیا کیا میرے ساتھ! زبردستی جھوٹا وعدہ ہی کیا تھا تب بھی اپنے

وعدے کی لاج تو رکھتیں۔'' وہ سرخ ہوتی آنکھوں سے بول رہا تھا اور ساتھ ہی اسے کاندھوں سے تھام کر اسے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

''پلیز، آپ یہاں سے چلے جائیں، میں آپ سے محبت نہیں کرتی، مجھے آپ پسند نہیں، آپ کی موجودگی میں مجھے اپنا دم گھٹتا محسوس ہوتا ہے، میں مر جاؤں گی۔'' وہ فاصلے پر ہوتی سسکنے لگی تھی۔

''تمہارے مرنے سے کم از کم مجھے فرق نہیں پڑے گا کہ تمہارے جینے مرنے کی پرواہ تو جب کرتا، جب تم میری ہوتیں۔'' اس کے الفاظ اسے ہوا میں معلق کر گئے تھے جبکہ اس کے کہے بغیر بھی جانتا تھا اس حقیقت کو مگر اس کے لبوں سے سن کر جیسے روح تک جھلس اٹھی تھی مگر جب بولا تھا تو خود کو کمپوز ڈ کر کے گہرے تلخ لہجے میں۔

''آپ کو میرے جینے مرنے سے فرق نہیں پڑتا تو مجھے بھی مرنے سے ڈر نہیں لگتا اور آپ یوں مہینے در مہینے مجھے تنگ کرنا، پریشان کرنا بہت اچھا سمجھتے ہیں ناں، تو یوں ڈرا ڈرا کر مارنے سے تو کہیں بہتر ہے کہ آپ ایک دفعہ ہی مجھے جان سے مار دیں۔'' وہ چہرہ چھپائے بری طرح بلکنے لگی تھی۔

''میں تو مجبور ہوں ہرنی کہ خود کو جان سے مار سکتا ہوں مگر تمہیں آنچ بھی آئے یہ مجھے گوارا نہیں، فل لوڈ ڈ ریوالور لایا تھا کہ تمہیں شہیر سالار کے ساتھ دیکھ کر تم دونوں کو ہی مار ڈالوں گا مگر میں تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔'' وہ گھٹنوں کے بل زمین پر گرتا چلا گیا تھا اور وہ رونا بھول کر اسے دیکھنے لگی تھی جو زمین پر ہارے ہوئے انداز میں بیٹھا بچوں کی طرح رو رہا تھا۔

''بہت محبت کرتا ہوں تم سے، تمہارے بنا پل پل مر رہا ہوں۔ دیکھو میری آنکھوں میں صرف ایک بار توجہ سے، غور سے۔ تمہیں ان میں اپنے لیے ہوس و غلاظت نہیں صرف محبت نظر آئے گی۔'' وہ روتے روتے اٹھا تھا اور عین اس کے سامنے کارپٹ پر اس کے قدموں میں آن بیٹھا تھا اور اس لمحے میں کوئی جادو تھا کہ وہ خوف سے چیخی تھی نہ بدگمانی سے دور ہوئی تھی اور اس کی آنکھوں میں میکانکی انداز میں دیکھنے لگی تھی مگر اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھنا اس کے بس کا روگ نہ تھا۔ اس کی آنکھوں سے پھوٹتی روشنی نے اس کی آنکھیں خیرہ کر دی تھیں اور وہ پلکیں جھپک گئی تھی۔

''آج صرف میری بات کا یقین کر لو کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں، باخدا اس کے بعد پھر کبھی تمہاری راہ میں جان کر، شعوری کوشش سے نہ آؤں گا چاہے دیدار کی حسرت میرا مقبرہ ہی کیوں نہ تیار کر دے۔'' وہ اس کی جھکی پلکوں کو عقیدت سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے لب لرزنے لگے تھے جبکہ اس کے آنسو متواتر اس کے نرم و ملائم سفید ہاتھوں پر گرتے جا رہے تھے۔

''آپ کی باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں، آپ پلیز یہاں سے چلے جائیں۔'' وہ اس کی نظریں اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی کہ یکدم منمنائی تھی۔

''آج تمہاری بات مان کر جا رہا ہوں مگر یاد رکھنا ہرنی کہ تم مجھے کبھی شہیر سالار کے ساتھ نظر نہ آنا کہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا مگر رقیب کی جان لیتے لمحہ کو بھی نہیں سوچوں گا۔''

اس کے آنسو زعیزعہ خان کے چہرے پر گرے تھے اور وہ بے چین ہوتا انتقام لیے بغیر جانے کو کھڑا ہو گیا تھا کہ وہ چاہے یہاں تک کتنی ہی تگ ودو کے بعد دل میں انتقام کی آگ روشن کیے بیٹھا تھا جو اس کے چہرے کو دیکھ کر ہی سرد ہو گئی تھی اس لیے اب اس نے صرف اس کے شوہر کو مارنے کا سوچ لیا تھا اس کی بات پر اس نے تڑپ کر اسے دیکھا تھا۔

''جو کہا ہے اب اس سے نہیں پھروں گا۔'' اٹھا تھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا نکلتا چلا گیا تھا جبکہ وہ ساکت سی بیٹھی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

تمہیں دل لگی بھول جانی پڑے گی
محبت کی راہوں میں آ کر تو دیکھو
تڑپنے پر میرے نہ پھر تم ہنسو گے
کبھی دل کسی سے لگا کر تو دیکھو

ابران کو لگ رہا تھا جیسے اسے یمانی کی بددعا لگ گئی ہے کہ اپنا دل لہولہو ہوا تھا تو اس کی تکلیف کا احساس ہوا تھا کہ وہ تو دل میں چاہے نفرت وکدورت تھی اپنوں کے لیے یمانی سے شادی کرنے جا رہا تھا مگر اس کے دل کا حال پتہ چلا تھا تو راہ ہی بدل گیا تھا کہ اس کو خوش نہیں دیکھ پایا تھا۔ بچپن کے کتنے داغ جل اٹھے تھے اور آج جب خود اپنی ماں کے لئے اس کے فخر کے لئے ایک فیصلہ لیا تھا تو دل کرچی کرچی ہو گیا تھا کہ شانیہ حیدری تو اس کے دل میں بستی تھی اور وہ رویحا سے شادی کرنے جا رہا تھا، دل پر ہجر کی چادر پھیلی تھی اور وہ رو رہا تھا اپنی محبت اپنے ہاتھوں قربان کر کے دکھی تھا اور کیا ستم تھا کہ اپنا دل کسی سے تو کیا ماں سے بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس نے ماں کی خوشی کے لیے انہیں بے خبر رکھنا تھا تا کہ اس کا دکھ انہیں دکھی نہ کر سکے۔

☆......☆......☆

''پاپا! ہم آخر کب تک ان لوگوں کو آزاد چھوڑتے رہیں گے کہ یہ ہماری ہی نہیں قانون کی بھی تذلیل ہے۔'' وہ سخت مشتعل ہونے لگا تھا اور وہ چپ رہے تھے تا کہ وہ اپنی بھڑاس نکال لے۔

''گزرے سال میں، میں نے کتنی محنت کی اور میری اور میرے ساتھیوں کی انتھک کوششوں کے بعد جب زعیزعہ خان کے ساتھی گرفتار ہو گئے تو انہیں آزاد کر دینے کے (محض پانچ گھنٹے بعد ہی) آرڈر ہو گئے اور اب جب زعیزعہ خان نے ہمارا چین سے جینا دوبھر کر دیا ہے، شیریں کو ہراساں کرنے کے بعد، رویحا کا کڈنیپ، کیا یہ سب اتنا ہی معمولی ہے کہ ہم چپ سادھے بیٹھے رہیں۔'' اس کی رنگت خطرناک حد تک سرخ ہو چکی تھی۔

''ہم چپ سادھے بیٹھے رہنے پر مجبور ہیں کیونکہ ہم کبھی نہیں چاہیں گے کہ ہماری بہو، بیٹیوں کی خبریں، الٹی سیدھی تصویریں ٹی وی کی زینت بنیں۔'' وہ تحمل سے اسے سنتے یکدم بے بسی سے کہہ گئے تھے اور اس کی سوالیہ نگاہیں محسوس کر کے تمام تفصیل بتا دی تھی۔

''اس دن کے بعد سے رویحا اب تک نہیں سنبھلی، میثم الگ ہاسپٹل میں ہے اور ایسے میں کیسے میں اس کے خلاف کارروائی کروں؟ کہ خوف میں مبتلا ہوں کہ میں نے کوئی ایکشن لیا تو وہ کہیں وہ ویڈیو جاری نہ کر دے، شیریں کے متعلق الٹی سیدھی بکواس نہ کر دے۔'' وہ یکدم ہی بہت شکستہ نظر آنے لگے تھے کہ زعیزعہ خان نے ان لوگوں کی دکھتی رگ پکڑی ہوئی تھی کہ وہ عزت کو ہر چیز پر اولیت دیتے تھے اور وہی داؤ پر لگی تھی۔ شیریں کو محفوظ کرتے وہ خواہش اور رویحا کو مشکلات میں پھنسا کر غیر محفوظ کر گئے تھے۔ بے بسی بے بسی تھی، شکستگی کا وہ عالم تھا کہ اختیار میں ہوتا تو اپنی ہی جان لے لیتے۔

''پرسوں وہ یہاں آیا تھا، مجھ سے سامنا ہو جاتا تو جان سے مار دیتا۔'' وہ مٹھیاں بھینچ کر بولا تھا۔

''زعیزعہ یہاں آیا تھا؟'' وہ غیر یقینی سے اسے دیکھنے لگے تھے۔

''جی، اور میں کچھ دیر پہلے ہی پولیس اسٹیشن گیا تھا، لوٹا تو شیریں بہت ہراساں اور خاموش تھی، صرف اس کے آنے کا کہتی خاموش ہوگئی تھی اور اس دن سے اسے چپ لگی ہوئی ہے۔ وہ اسے کیا کہہ گیا ہے، کسی قسم کی الٹی سیدھی حرکت کر گیا ہے میں کچھ نہیں جانتا کہ وہ کچھ نہیں کہتی، اس کی خاموشی سے ڈر کر ہی میں نے آپ کو کہا کہ آپ مما کو لے کر آجائیں۔'' وہ ان کی بتائی تفصیل سن کر ساکت رہ گیا تھا۔ کافی دیر بعد خود کو کمپوزڈ کرتا ان سے تفصیل کیا کہہ گیا تھا کہ ان کی پریشانی کو دوگنا کر گیا تھا۔

''تم اس سے پوچھتے تو سہی۔'' متفکر سے بڑبڑائے تھے۔

''بہت پوچھا پاپا، مگر وہ اس دن سے مجھ سے گریزاں ہے، مجھ سے بات کرنا تو دور اس نے میرے ساتھ کھانا بھی نہیں کھایا، کہاں وہ اکیلے میں ڈر رہی تھی، کبھی اپنے کمرے میں بلاتی، تو کبھی میرے کمرے میں آکر سوتی رہی اور اس دن کے بعد سے اپنے کمرے میں ہی سو رہی ہے اور میں نے جب بھی دیکھا اسے بے فکری سے سوتا ہی پایا، اتنے سکون سے وہ یہاں آنے کے بعد آج کل ہی سو رہی ہے اور میں اس کایا پلٹ پر حیران ہوں کہ وہ یہاں آیا اور چلا گیا اور شیریں اتنے سکون سے ہے۔'' وہ اپنی الجھنوں سے گھبراتا واضح الفاظ میں ان سے اپنی الجھن کہہ رہا تھا تاکہ وہ سلجھ کر اسے ٹینشن فری کر دیں۔

''تم پریشان نہ ہو میں تمہاری مما سے کہتا ہوں وہ کریں گی شیریں سے بات، انشاءاللہ کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہوگی۔''

الجھ تو وہ بھی گئے تھے مگر ظاہر کیے بنا اسے تسلی دی تھی اور ان کے کہنے پر رابعہ نے اس سے بات کی تھی اور روتے ہوئے اس نے زعیزعہ خان کی نئی دھمکی بتا دی تھی۔

''بوا! پلیز مجھے نہیں رہنا شہیر کے ساتھ۔ آپ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں ورنہ وہ شہیر کو مار دیں گے۔'' وہ بری طرح رو رہی تھی اور وہ دونوں باپ بیٹا ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے تھے۔

''ایسی بھی کوئی اندھیر نہیں مچی، وہ صرف بکواس کرتا ہے، تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' لحظہ بھر کو ان کا دل کانپا تھا مگر وہ بہت حوصلے سے بولی تھیں۔

''نہیں بوا، میں نے ان کے پاس ریوالور دیکھی تھی اور انہوں نے وال پر لگی شہیر کی تصویر اٹھا کر پھینک دی تھی۔ مجھے نہیں رہنا شہیر کے ساتھ، میری نہیں چاہتی میری وجہ سے انہیں کچھ ہو۔'' وہ جاتے جاتے اسے نئے خوف میں مبتلا کر گیا تھا۔ وہ بہت بری طرح سسک رہی تھی۔

''موت تو برحق ہے۔ جس کی موت لکھی ہے ویسے ہی آئے گی کہ موت اپنا راستہ نہیں بدلتی اور میری موت اگر زعیزعہ خان کے ہاتھوں لکھی ہے تو اسے کوئی نہیں بدل سکتا، نہ ہمارا ساتھ رہنا، نہ ہمارا الگ ہو جانا۔'' وہ گہری سنجیدگی سے اس کے عین برابر صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا تھا اور وہ اسے بھیگی پلکوں سے دیکھنے لگی تھی۔

''شہیر بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' وہ دھیمے سے بیٹے کے ہمنوا ہو گئے تھے۔

''لل...... لیکن......'' اس نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

''لیکن ویکن کچھ نہیں، زعیزعہ خان کا مقصد صرف تمہیں ہراساں و پریشان کرنا تھا اس میں وہ ہمیشہ کامیاب رہا اور تم اس کی آخری سازش میں بھی آ گئیں کہ تم یہ تو جانتی ہی نہیں ہو کہ زعیزعہ خان اس ملک میں ہی نہیں ہے، وہ کل رات یو ایس اے چلا گیا ہے۔'' انہوں نے زور دینے والے انداز میں اسے حقیقت بتائی تھی۔

''وہ واپس آ جائیں گے کہ وہ کچھ ہفتے، تو کبھی مہینے بعد واپس آ جاتے ہیں۔'' وہ ڈر ڈر کر بولی تھی۔

''وہ واپس آ جائے گا تو ہم ہمت سے اس کا سامنا کریں گے، وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔'' شہیر نے اس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے تسلی دی تھی۔ وہ سمجھی تھی یا نہیں خاموش ضرور ہو گئی تھی۔ اس دن جس دن زعیزعہ خان نے نیناں ولاز میں ہنگامہ کیا تھا ارمان شیرازی نے انہیں واپس آ جانے کا کہہ دیا تھا مگر انہوں نے بیٹے کو منع کر دیا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے جو زعیزعہ خان کی حالت تھی اس کے سبب وہ فوراً کچھ نہیں کر پائے گا اور جب تک وہ سنبھلے گا وہ کوئی حل نکال ہی لیں گے اور اسی لیے انہوں نے زعیزعہ خان کی نگرانی شروع کروادی تھی۔ ان کے علم میں تھا کہ وہ دو دن ہاسپٹل میں رہا ہے اور جس دن وہ زبردستی ڈسچارج لے کر گھر پہنچا تھا وہ اس سے ملے تھے تاکہ آخری دفعہ بات چیت کے ذریعے معاملہ سلجھالیں تب اس نے یہی کہا تھا کہ اس نے شیریں کی تلاش شروع کر دی ہے وہ اس تک پہنچ کر ہی رہے گا۔ اس کے علاوہ اس نے نہ ان سے کچھ کہا تھا نہ ہی ان کی سنی تھی اور اسی وقت ان کا ان دونوں کو باہر بھیجنے کا فیصلہ مضبوط ہو گیا تھا اور جس شام ان دونوں کو لندن جانا تھا اس سے ایک دن پہلے شہیر نے انہیں کال کی تھی اور اسلام آباد بلا لیا تھا، رابعہ تو پہلے ہی اس کے لندن جانے سے پہلے ایک بار اس سے مل لینا چاہتی تھیں اس لیے وہ اسلام آباد روانہ ہو گئے تھے۔ راستے میں انہیں خبر ملی تھی کہ زعیزعہ خان کچھ گھنٹے بعد یو ایس اے جا رہا ہے، وہ حیران ہوئے تھے مگر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کر پائے تھے اور یہاں آئے تھے تو بیٹے و بہو نے نئی داستان سنائی تھی ان کی کڑی نگرانی کے باوجود وہ اس سے لاعلم رہے تھے کہ وہ شیریں تک اسلام آباد پہنچ گیا ہے مگر انہیں حیرانی بھی تھی کہ وہ پہنچ کر بھی خالی ہاتھ کیسے لوٹ گیا؟ اور اتنی آسانی سے کیسے ملک چھوڑ گیا؟ کتنے ہی سوال تھے مگر اس کا جواب ان میں سے اگر کسی کے پاس تھا تو وہ شیریں تھی مگر جسے چپ لگ

چکی تھی اس لیے اس کا جانا ان سب کے سکون کے ساتھ حیرانگی کا باعث بھی تھا۔

☆......☆......☆

''چائے لے لیں شہباز!'' اسے کمرے میں آتے دیکھ کر اس نے ہمیشہ کی طرح سگریٹ ایش ٹرے میں بجھا ڈالی تھی۔ ان کے ہاں کوئی اسموکنگ نہیں کرتا تھا اس لیے اسے اس کی یہ عادت ناگوار گزرتی تھی مگر وہ کہتی کچھ نہیں تھی اس وقت بھی ناگواری چھپاتی دھیمے سے کہتی چائے کی ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر وارڈروب کی جانب بڑھ گئی تھی کہ چاہے ان کے درمیان کتنی ہی دوریاں تھیں بے تکلفی نہ تھی مگر وہ اس کی چائے یا کوئی بھی چیز اجنبیوں کی طرح نہیں رکھتی تھی لامحالہ ہی صحیح اسے مخاطب کر کے انفارم کر دیتی تھی۔ اس نے اپنے کپڑے نکالے اور واش روم میں گھس گئی۔ کاہی گرین مشین کی کڑھائی کے دیدہ زیب سوٹ میں وہ نکھری نکھری دل میں اترتی جا رہی تھی۔

''آپ کہیں جا رہی ہیں۔'' اس کو تیار ہوتے دیکھ کر اس سے رہا نہ گیا تو سوال پوچھ ہی لیا تھا۔

''ایبان لینے آ رہا ہے، میں گھر جا رہی ہوں۔'' وہ اس کے پوچھنے پر حیران تو ہوئی مگر دھیمے سے جواب دے گئی جب سے وہ یمنیٰ شیرازی کے سمجھانے پر لوٹ کر آئی تھی اس کا رویہ پہلے سے کافی بہتر تھا اور وہ گھر میں ہی نہیں شہباز کے کاموں میں بھی دلچسپی لینے لگی تھی، خاموشی سے ہی سہی اس کی چھوٹی موٹی ضروریات کا خیال رکھتی تھی۔

''اس وقت، خیر تو ہے؟'' وہ فطری طور پر پریشان ہوا تھا کہ رات کے دس بج رہے تھے۔

''ادیان کی برتھ ڈے ہے۔ ایبان نے اس کے لیے سرپرائز ارینج کیا ہے۔ شیریں بھی نہیں ہے تو اس نے مجھ سے کہا کہ میں آ جاؤں اور میں نے پھپھو سے پوچھ کر ایبان سے کہہ دیا کہ وہ آ کر مجھے لے جائے۔'' اس نے تفصیل بتا کر اپنی پوزیشن بھی کلیئر کر دی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ وہ ابھی بھی آنے جانے کے معاملات اس کی مرضی سے طے نہیں کرتی تھی مگر اس نے جتانے کے بجائے خاموشی اختیار کر لی تھی اور جب وہ ایبان کے ساتھ نیناں ولاز پہنچی تھی تو اس کے دل پر کوئی قیامت گزر گئی تھی۔ ابران کی شادی کی خبر نے اسے ساکت کر ڈالا تھا جبکہ وہ سب سارے معاملات طے کرتے اس کی باقی ماندہ سانسیں بھی گویا چھیننے لگے تھے۔ ایک دو دن میں شہیر اور شیریں واپس آ رہے تھے اور ان کی واپسی پر ان دونوں کی ہی نہیں، ابران اور رویحا کی بھی دھوم دھام سے شادی منعقد ہو رہی تھی اور اس کی حالت بھی بڑی عجیب ہو گئی تھی کہ وہ تو شہباز کو اپنا ہی نہیں پائی تھی اور ایسے میں ابران کے کسی اور کا ہو جانے کا سن کر ہی اس کا دل تڑپ اٹھا تھا۔ اسے کسی اور کے ساتھ دیکھ کر کس قدر تڑپنے والا تھا یہ وہ نہیں جانتی تھی اس وقت بھی وہ بڑی خاموشی سے ان سب کے درمیان سے اٹھ گئی تھی کہ سیڑھیوں پر وہ دشمنِ جاں آن ٹکرایا تھا۔

''ابران، آپ کو میری خوشی اچھی نہیں لگتی تھی تو مطمئن رہیے میں خوش ہوں۔''

یہ پہلی دفعہ تھا جو وہ اس سے کوئی بات کر رہی تھی کہ ابران اسے موقع ہی کب دیتا تھا کہ بس کبھی وہ فون اٹھا لیتی تھی تو اس کی خیریت دریافت ہو جاتی تھی کہ وہ تو اس کی آواز سن کر ہی کسی اور کو فون دینے کا حکم نامہ جاری کر دیتا تھا اور ملتوی ہو جانے والے نکاح کے بعد وہ

دونوں ہی ایک دوسرے کے سامنے سے گریزاں رہتے تھے۔ ابران نے اس کی جانب دیکھا تھا اس کا حسین چہرہ، زرد ہو رہا تھا اور آنکھوں میں ناچتا کرب دیکھ کر ابران کی آنکھوں میں سرخی اترنے لگی تھی۔

''میں نے تمہیں کبھی ناخوش نہیں دیکھنا چاہا یمانی۔''

وہ اسے چونک کر دیکھنے لگی تھی۔

''میں آج تم سے جھوٹ نہیں کہوں گا، نہ خود کو دھوکا دوں گا کہ عداوت کی راہ نے مجھے بھی بہت ستایا ہے کہ تمہیں تنگ کر کے خوش تو میں بھی نہیں رہا۔''

آج موقع ملا تھا تو وہ اپنا گلٹ نکال دینا چاہتا تھا۔

''تم جب تک مشہود انکل اور یمنیٰ آنٹی کی بیٹی تھیں تو مجھے بہت اچھی لگتی تھیں مگر انکل کی ڈیتھ کے بعد جب تم مستقلاً ہمارے گھر آئیں اور میرے ڈیڈی کو ڈیڈی کہنے لگی تو مجھے بری لگنے لگیں۔''

اس نے کرب سے کہا تھا اور وہ آنکھوں میں آنسو لیے اسے سن رہی تھی۔ اسے دیکھ نہیں رہی تھی کہ دل کی خواہش اس کے چہرے کو تادیر دیکھنے ہی نہیں دیتی تھی۔

''میں چاہتا تھا کہ تم میرے گھر سے چلی جاؤ، اسی لیے میں نے تمہیں بہت ستایا اور تم تو نہیں میں ہی اپنے گھر سے چلا گیا (اس کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے تھے) اس لیے میں تمہارے وجود کو قبول نہیں کر سکا مگر میں نے تم سے کبھی نفرت نہیں کی۔''

اس نے بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

''اور اس کی گواہ تو تم بھی ہو کہ میں تم سے بات نہیں کرتا تھا مگر تمہیں ہاسٹل جانے کے بعد کبھی نہیں ستایا۔ تم سے میرے اندر کا بچہ خائف تھا جو اپنے ڈیڈی کی سو فیصدی توجہ و چاہت چاہتا تھا مگر وہ نفرت نہیں تھی اور نہ ہی عین نکاح کی شام میں نے نفرت نبھائی کہ تم سے شادی اس لیے کر رہا تھا کہ سب ایسا ہی چاہتے تھے اور فرار اس لیے ہو گیا کہ میرا دل تمہاری خواہش کے آگے آ گیا تھا۔ اپنوں کے لئے اپنی محبت تو قربان کر رہا تھا مگر جب مجھے یہ پتہ چلا کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو تو میں تم سے شادی نہیں کر پایا کہ میں تم سے محبت نہیں کرتا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ تمہاری محبت بے مول ہو کہ اس وقت میں نے سوچا کہ تمہاری شادی اس سے ہونی چاہیے جو تم سے محبت کرتا ہو، جو تمہاری قدر کرے، اس شام میں نفرت میں سب کچھ چھوڑ کر نہیں گیا تھا کہ اس شام ہی تو میں نے پہلی دفعہ تمہارا برا نہیں چاہا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اس شام ہی میں تمہارے ساتھ سب سے برا کر گیا تھا۔''

اس کی آنکھیں ضبط سے لہو رنگ ہو رہی تھیں جبکہ یمانی کے آنسو اس کے رخسار بھگونے لگے تھے۔

''یمانی! مجھے اپنے دل کی سلطنت سے بے دخل کر دو کہ میں تمہاری چاہت کے نہ قابل ہوں نہ ہی وفا کے بدلے وفا دے سکتا ہوں کہ میری چاہت کوئی اور ہے۔ یہ اور بات ہے کہ تم ہی نہیں میں بھی بہت بدقسمت ہوں میری محبت بھی ہجر کے کانٹوں پر پل رہی ہے،

میری محبت کا کاسہ پھیلا ہے اور تا عمر پھیلا ہی رہے گا۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو ٹمٹمانے لگے تھے۔

''آپ کہتے ہیں کہ آپ کی محبت کا کاسہ پھیلا رہے گا اور مجھ سے کہیں کہ میں اپنی سلطنتِ دل سے آپ کو بے دخل کر دوں یہ اتنا ہی آسان ہے تو آپ اپنا کاسۂ دل کیوں نہیں سمیٹ لیتے۔'' اس کی آواز میں نمی گھلی ہوئی تھی۔

''تمہارا محبت تمہارے دل کی خبر رکھتا ہے، تم اپنی قسمت بھی آزما چکیں اور محبت بھی لیکن میرے دل کی سلطنت کی ملکہ اپنی راجدھانی سے ہی انجان ہے اور جو کاسۂ محبت میں نے اپنی محبت کے سامنے پھیلا ہی نہیں اسے سمیٹ کیسے لوں؟'' وہ درد سے کہتا لحظہ بھر کو رکا تھا۔'' کہ میرا کاسۂ دل تو میرے دل کا روگ ہے جو نہ خالی ہے اور نہ ہی بھرتا ہے، اس میں نہ انکار کے بے رحم سکے گرے ہیں، نہ اقرار کی مدھم کھنک اس میں گونجی ہے، نہ توجہ کی نظر پڑی ہے اور نہ ہی اس دشمنِ جاں کو اس کاسہ کی خبر ہے، اس لیے میری محبت تو عصل کی خواہش میں ہجر جھیلتی رہے گی جبکہ تمہارا کاسۂ دل انکار سے بھر چکا ہے۔ اب تم بھرے ہوئے کاسہ کو نہ خالی کر سکتی ہو اور نہ ہی اسے مزید بھرنے کی اس میں گنجائش ہے اس لیے بے دخلی ہی اس محبت کا نصیب ہے اور میری محبت کا کاسہ میں جس لمحہ انکار یا اقرار کے پھول گرے اسی دن طے ہو جائے گا کہ محبت کو بے دخل کرنا ہے کہ نہیں۔'' اس نے آستین کی کف سے آنکھیں اور چہرہ رگڑ ڈالا تھا۔

''تم سراب کے پیچھے بہت بھاگ چکیں یمانی، اب بس محبت کے خواب کا سفر طے کرو کہ تمہارا ہر خواب شہباز بھائی ہیں، انہیں اپنا کر محبت کے خواب کو تعبیر دے دو کہ میں بند آنکھ کا سپنا تھا جو آنکھ کھلتے ہی ٹوٹ گیا جبکہ شہباز بھائی کھلی آنکھ کا وہ سپنا ہیں جس کی تعبیر تمہارا رشتہ ہے اور محبت کھو کر تو جی ہی لیا جاتا ہے رشتے کھو کر جی پانا ممکن ہی نہیں اس لیے اپنے رشتے کی طرف لوٹ جاؤ۔''

وہ اس کے آنسو نرمی سے اپنے پوروں پر چنتا وہاں سے نکل گیا تھا جبکہ اس کے دل کو ایسا قرار آیا تھا کہ وہ مسکرا دی تھی کہ آج آنسو دینے والا خود ہی سارے آنسو پونچھ گیا تھا۔

☆......☆......☆

''السلام علیکم!'' ابران نے سرخ شرارے میں بے حد حسین لگتی رویحا کے سامنے ٹکتے ہوئے اس پر سلامتی بھیجی تھی اور اس کی لرزتی پلکوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔

''مسز۔ سلام کا جواب آپ پر واجب ہے۔'' گولڈ شیروانی کی جیب سے مخملی کیس نکالتے ہوئے نرمی سے بولا تھا کہ جان کر اس کے آنسو نظر انداز کر گیا تھا۔

''یہ قیمتی رنگ میں نے بڑی محنت کے بعد تمہارے لیے پسند کی ہے۔ جلدی سے دیکھ کر بتاؤ کیسی ہے؟''

وہ رو رہی تھی اور اس نے اس کا مخملی حنائی ہاتھ تھام کر ہارٹ شپ ڈائمنڈ رنگ اس کی انگلی میں سجا دی تھی اور بہت نرمی سے اس کی رائے جاننا چاہتی تھی کہ وہ یکدم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

''ارے یار، آفی یاد آ رہی ہیں تو صاف کہو، میں ابھی تمہیں ان کے پاس لے جاؤں گا اس کے لیے رونے کی کیا ضرورت ہے کہ

تمہارے حسین روپ کو میں نے ابھی نظر بھر کر بھی نہیں دیکھا اور تم ہو کہ اپنا روپ ستیاناس کرنے پر تلی ہو۔" اس کا انداز بہت اپنائیت لیے ہوئے تھا وہ آگے بڑھ کر اس کا سر اپنے سینے سے لگا گیا تھا کہ رونے کا سبب تو جانتا تھا مگر اس نے بھی تو تہیہ کیا تھا کہ اسے اس برے حوالے سے کبھی رونے نہیں دے گا اس لیے آج روتے دیکھ کر اسے بہت دوستانہ ماحول فراہم کر رہا تھا۔

"میری زندگی بھر کی نیک نامی، میرا سکون، میرا اطمینان، میرا فخر سب کچھ تہس نہس ہو گیا ہے، یوں نارملی بی ہیو کر کے اپنی اچھائی کے جھنڈے نہ گاڑیں۔" وہ اس سے فاصلہ قائم کرتی چیختے لہجے میں بولی تھی۔ "آنی کے لئے، ان کی خوشی کے لئے اگر مجھ سے شادی کر بھی لی ہے تو تب بھی اتنے ڈرامے نہ کریں۔" و

وہ بلکتے ہوئے بیڈ سے اتر گئی تھی مگر اس نے اس کی کلائی گرفت میں لے کر اسے حرکت کرنے سے روک دیا تھا۔

"مسز ابران شیرازی۔ مجھے نہ اچھا بننے کا شوق ہے، نہ میں ڈرامے باز ہوں۔ اتنا یاد رکھنا تمام عمر کہ میں ممی کو ان کے لئے، ان کی خوشی کے لئے خوش رکھتا ہوں اور ان کی خوشی کے لئے خود خوش رہتا ہوں اور میرا اختیار اس سے آگے نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو ممی کی خوشی جانتے ہوئے بھی ڈیڈی سے فاصلے رکھ کر ممی کو دکھی نہ کرتا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ممی ہرٹ ہوں گی عین نکاح کی شام گھر سے بھاگ نہ جاتا۔" وہ بہت سنجیدگی سے مگر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولتا جا رہا تھا۔

"کچھ چیزیں آپ کے اختیار میں ہوتیں ریا! اسی طرح ممی کو ہر لمحہ خوشی دینا تو چاہتا ہوں مگر دے نہیں پاتا، اور تم سے شادی بے شک ممی کی اور آنی کی خوشی کے لئے کی ہے مگر میں تمہیں تمہارے لیے خوش رکھنا چاہوں گا کہ ممی کے لیے اگر تمہیں خوش رکھنا چاہوں تو ایسا ہر لحظہ نہیں ہوسکتا کہ ایسا ممکن ہو پاتا تو میں ڈیڈی سے ہر ناراضگی ممی کے لئے دور کر دیتا مگر نہیں کر پایا کہ ممی اور ڈیڈی دونوں الگ ہیں۔ ممی کے لئے ڈیڈی کو خوش نہیں کر سکتا، ڈیڈی کے لئے ممی سے ناراضگی دوور نہیں کر سکتا کہ ہر شخص کے لیے ہر رشتے کے لئے میرے جذبات الگ ہیں۔ تم سب لوگ میرے ہر جذبے کو بیٹے کو جذبات سے کیوں نتھی کر دیتے ہو کہ کیا تم نہیں کرتی آنی سے محبت! کرتی ہوناں۔"

خود ہی مثبت جواب دے کر اپنی جانب حیرانی سے تکتیں اس کی بھگی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"تو پھر کیوں آنی کے لئے ہر بری یاد نہیں فراموش کر دیتیں؟ کیوں آنسوؤں کو مسکراہٹ کا پیرہن نہیں دے سکتیں؟"

اس نے کلائی آزاد کرائی اور نظریں چراتی بیڈ کے کونے پر ٹک گئی۔

"تمہارے جذبات واحساسات کو ٹھیس لگی ہے، تمہیں سنبھلنے میں وقت لگ گا کہ تم چاہو بھی تو اپنی ماں کی خوشی کے لیے بھی یکدم سب کچھ فراموش نہیں کر سکتیں کہ یہی انسانی فطرت ہے اور میں بھی انسان ہوں، ممی کے لئے تو جی رہا ہوں مگر اپنے لیے بھی جیتا ہوں، ممی کی رضا جان کر تم سے شادی کی مگر میں اس فیصلے سے، اپنے رشتے سے خوش ہوں اور تمہیں تمہارے لئے، اپنی خوشی کی خاطر خوش رکھوں گا کہ تم ناخوش ہوگی تو میں دکھی ہوں گا اور میری ناخوشی ممی کی ناخوشی کا سبب بنے گی۔ یہ سب کڑیاں ہیں جو ہمیں رشتوں سے باندھتی ہیں کہ ویسے بھی اپنا دکھ برداشت ہو جاتا ہے مگر کسی اپنے کا دکھ برداشت نہیں ہوتا جیسے تمہارے دکھ سب کو دکھی کر رہا ہے۔" وہ اس کے برابر ہی ٹک گیا تھا

اور اس کی ہچکیاں بندھنے لگی تھیں۔

''آپ کچھ بھی کہیں، آپ مجھ جیسی لڑکی ڈیزرو نہیں کرتے تھے۔'' اس کی سوئی تکلیف دہ واقعہ پر اٹک گئی تھی۔

''ہاں، یہ تم نے بالکل ٹھیک کہا میں ایک بدکردار لڑکی کو ہرگز ڈیزرو نہیں کرتا تھا۔'' وہ اس کے پہلو سے اٹھ گیا تھا اور اس نے اسے بہت تڑپ کر دیکھا تھا۔

''میں بدکردار نہیں ہوں ابران۔ یہ تو آپ بھی جانتے ہیں۔'' وہ اس کے الزام پر تڑپ کر بولی تھی۔

''سارا مسئلہ ہی تو یہی ہے کہ میں جانتا ہوں۔'' وہ شیروانی کے بٹن کھولنے لگا تھا اس کی طرف جان کر نہیں دیکھا تھا۔ ''میں تمہیں بچپن سے جانتا ہوں، تمہاری پوری زندگی میرے لیے کھلی کتاب کی مانند ہے، تمہارا حسنِ اخلاق، حسنِ سیرت اور حسنِ کردار سب جانتا ہوں اور میں نے اگر تمہارے اخلاق و سیرت اور کردار کو دیکھتے ہوئے اس بات کو نظر انداز کر کے کہ تم ایک اغوا شدہ لڑکی ہو تمہیں اپنا لیا ہے تو کیا کوئی غلطی کی ہے؟ کہ تمہارے اغوا ہونے میں تو تمہارا ہاتھ ہی نہ تھا اور یہ بات بھولی بھی جاسکتی ہے اور میں بھول سکتا تھا اس لیے تمہیں اپنی زندگی میں شامل کر لیا۔'' وہ اپنے مخصوص ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہتا جا رہا تھا۔ اس نے شیروانی اتار کر صوفے پر ڈال دی تھی اور کرتے کے بٹن کھول رہا تھا۔

''میں بدکرداری نہ بھول سکتا ہوں، نہ ہی برداشت کر سکتا ہوں۔ تم اغوا شدہ لڑکی ہو، میری عزت ہو، میں تمہیں چاہت و عزت سے ہی رکھوں گا اس لئے تم مجھ پر ترس بھی نہ کھاؤ کہ تم مجھے ڈیزرو ہی نہیں کرتیں ہاں اگر تمہارے کردار میں جھول ہے تو ضرور میرے ساتھ زیادتی ہوگئی ہے اور میں تم سے اتنے انصاف کی تو امید رکھوں گا کہ تم اگر اچھی لڑکی نہیں ہو تو خود سے میری زندگی سے چلی جاؤ گی کہ ایک لڑکی اغوا شدہ ہے مگر باکردار ہے تو اس سے بڑی خوبی نہیں ہے مگر ایک لڑکی بدکردار ہے تو پھر کسی قسم کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی اس لیے یاد رکھنا کہ تمہارا کردار تمہیں میرا بنا گیا ہے اور مجھے تمہارے ساتھ پر تمہارے حسن سیرت و کردار کے سبب ہمیشہ فخر رہے گا یونہی تم بھی میرے اخلاق و سیرت کے سبب نہ سہی میرے کدار کے سبب تو فخر کر ہی سکتی ہو۔'' وہ کرتا شیروانی کے ساتھ ڈالتا واش روم میں چلا گیا تھا اور جو اس نے رویحا کو سمجھانے کی کوشش کی تھی وہ کسی حد تک اسے سمجھتی اپنے آنسو صاف کر گئی تھی۔

☆......☆......☆

''یہ...... یہ کیا بدتمیزی ہے۔'' وہ جو گہری نیند میں تھی ہڑبڑا کر جاگی تھی اور شہیر سالار کے ہاتھ میں پانی سے بھرا جگ دیکھ کر ناگواری سے بولتی اٹھ بیٹھی تھی۔

''بدتمیزی یہ نہیں، وہ تھی جو آپ میری کارروائی سے پہلے انجام دے رہی تھیں۔'' اس کا اشارہ اس کے سونے کی جانب تھا جبکہ وہ خاک بھی نہ سمجھی تھی اور چہرے پر سے پانی کی بوندیں صاف کر رہی تھی۔ اپنا کام روک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''سونے کے علاوہ کوئی اور کام نہیں ہے تمہیں؟ وہاں اسلام آباد میں بھی ہر وقت سوتی رہتی تھیں اور آج بھی سو رہی ہو۔'' وہ اس

کے برابر ٹکتا "آج" پر زور دے کر بولا تھا۔

"نیند آ رہی تھی تو کیا سوتی بھی نہیں؟ اور کسی کو جگانے کا یہ انتہائی خراب طریقہ ہے۔" منہ بنا کر بولی تھی اور اٹھتی کہ وہ اس کا بازو جکڑ گیا تھا۔

"کتنے ہی خواب سجا کر کمرے میں آیا تھا کہ تم شرمائی سی میری سیج سجائے، میری منتظر ہو گی میں سیج بھی تھی، دلہن بھی تھی مگر دلہن منتظر نہ تھی اور مزے سے خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی۔ مجھے اتنا غصہ آیا کہ لاکھ تم حسین لگ رہی تھیں، سوتے ہوئے معصوم لگ رہی تھیں میں نے تم پر پانی انڈیل دیا اور یہ شکر کرو کہ محض پانی کے چھینٹے مارے تھے وگرنہ تب تو اتنی چڑھی تھی کہ پورا جگ ہی تم پر انڈیل دیتا۔"

وہ خفا اور تپے ہوئے لہجے میں بولتا اس کی پلکیں لرزا گیا تھا۔ اس نے بڑی سرعت سے اپنا بازو آزاد کروایا تھا۔

"میں چینج کر کے آتی ہوں، یہ ڈریس بہت بھاری ہے، وہ تو میں بیٹھے بیٹھے ہی سو گئی ورنہ چینج کر کے آرام سے سو جاتی۔" ڈریس ٹیبل کے سامنے رکتی دوپٹے کی پنیں نکالنے لگی تھی۔

"ایسے کیسے سو جاتیں، آج تمہیں سونے دینے کا میرا بالکل ارادہ نہیں ہے کہ تم اب تک میرا چین اور نیندیں اڑا کر مزے سے سوتی رہی ہو، آج وصل کی رات ہے، جسے جذبوں کے قرب کی آنچ سے مہکائیں گے، یاد رہے مسز شہیر آج ہماری شبِ زفاف ہے، نہ میں خود سوؤں گا اور نہ ہی تمہیں سونے دوں گا۔" وہ اس تک پہنچا تھا اور انتہائی دلفریب لہجے میں قدرے بے باکی سے بولا تھا کہ وہ پہلے ہی خود پر کئی پہرے بٹھا چکا تھا مگر آج اس نے ہر خود ساختہ پہرہ از خود ہی ختم کر دینا تھا۔ اس کا ہاتھ لرز اٹھا تھا اور پن اس کی گردن میں چبھ سی گئی تھی۔

"سی" وہ جو اس کے بہت نزدیک آن ٹھہرا تھا اور اس کے چہرے کی بدلتی رنگت اور پلکوں کا حیا آمیز رقص دیکھ کر جی جان سے اس کی "سی" پر اس کی جانب متوجہ ہوتا تمام تر توجہ کے سرے گردن پر لگا گیا تھا کہ اس کی دودھیا صراحی دار گردن پر خون کا قطرہ بڑا ہی نمایاں ہو رہا تھا جسے وہ پور پر چنتا اس کی گردن پر جھکتا چلا گیا تھا جبکہ وہ پورے وجود سے ہی نہیں پوری ہستی سے کانپ اٹھی کہ لمس اور قربت اس کی بول رہی تھی مگر ذہن و دل سے کسی اور کا خیال آسیب کی طرح آن چمٹا تھا کہ جیسے وہ زعیزعہ خان کے ذہن و دل پر سوار تھی ویسے ہی وہ شیریں کے ذہن اور حواس پر سوار تھا کسی آسیب کی طرح جس سے چھٹکارا ممکن نہ تھا۔

☆......☆......☆

"میں کیسے چائے بنا سکتی ہوں کہ آپ تو جانتے ہیں ناں کہ میں کچن میں ہی نہیں جاتی، مجھے آگ سے ڈر لگتا ہے۔" وہ کچھ دیر پہلے ہی نیناں ولاز سے آئے تھے۔ شہیر نے دکھتے سر کو انگلیوں سے دباتے ہوئے بے خیالی میں اس سے چائے بنانے کو کہہ دیا تھا۔

"الیکٹرک کیٹل سے چائے بنا لاؤ، سچ اس وقت سر میں بہت درد ہو رہا ہے، مما سو گئی ہوں گی ورنہ تم سے نہ کہتا کہ چائے پیئے بغیر تو اب نیند ہی نہیں آئے گی۔"

سر درد میں اسٹرانگ چائے اس کے لیے میڈیسن کا سا درجہ رکھتی تھی اس لیے وہ کافی وضاحت سے بولا تھا مگر کاموں سے نابلد

نازک مزاج لڑکی شیریں شیرازی صاف منع کر گئی تھی۔

''نہ بابا میں نے تو کبھی چائے نہیں بنائی، آپ ڈسپرین لے لیں۔'' اس کا کورا جواب اس کو مشتعل کر گیا تھا کہ وہ ہی نہیں گھر کا ہر فرد کسی نازک کانچ کی طرح اس کی پرواہ کرتا تھا اور وہ کتنے آرام سے کورا جواب دے گئی تھی کہ چاہتی تو چائے بنا لاتی کہ الیکٹرک کیٹل میں چائے بنانا کون سا مشکل ہوتا ہے۔ اس کی بے مروتی اسے بے طرح کھلی تھی کہ وہ بہت حساس انسان تھا اپنی چیزوں کو کیئر کرنے والا، اپنے کام خود سے انجام دینے والا اس لیے اب دل میں دبی دبی سی خواہش جاگی تھی کہ وہ اس کے کام کرے، اس کو چائے بنا کر دے، اس کے لئے کھانا بنائے، اس کے کپڑوں اور دیگر ضروریات کا خیال رکھے مگر وہ اس کی عادت وڈر جانتا تھا اس لیے کچھ کہتا نہیں تھا جبکہ اب اس کی حیثیت و مقام بدلا تھا تو اسے خود اپنے اندر تبدیلیاں لانی چاہئے تھی زیادہ نہیں تو تھوڑا بہت ہی اس کی ضروریات کا خیال رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے تھی مگر وہ ایسا کچھ نہیں کر رہی تھی جیسی بے فکری زندگی باپ کے گھر کنوار پن میں گزار رہی تھی وہی بے فکرا پن شوہر کے گھر میں بھی ہنوز تھا۔

''ضروری نہیں جو کام تم نے پہلے نہیں کئے وہ اب بھی نہیں کرو گی کہ پہلے تو تمہاری شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔'' وہ گہرے طنز سے بولا تھا کہ نازک مزاجی تو اس میں بھی بھری پڑی تھی مگر اس کی محبت میں وہ چپ رہتا تھا۔ کمپرومائز کر لیتا تھا مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ صرف اس کی ہی پسند ناپسند کا خیال کرتا اپنی ہر پسند سے دستبردار ہوتا چلا جاتا وہ اس کے تیز لہجے پر خائف ہوتی اسے بے یقینی سے دیکھنے لگی تھی۔

''ہماری شادی کو تقریباً تین ماہ ہوگئے ہیں، اب تمہیں گھر کے خاص میرے کاموں میں دلچسپی لینی چاہیے کہ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ شادی کے بعد بھی میرے کھانے پینے اور کپڑوں وغیرہ کا خیال مما، اور خوی ہی رکھتی ہیں اس لیے تمہیں کام کرنا نہیں آتا تو مما سے سیکھو۔'' وہ بات جواب تک چاہ کر بھی نہیں کہہ سکا تھا غصہ میں کہتا اٹھا تھا اور وہ اس کے تیز لہجے اور حکمیہ انداز سے خائف پلکیں جھپکنے لگی تھی۔

''آؤ میرے ساتھ میں تمہیں الیکٹرک کیٹل میں چائے بنانا سکھا دیتا ہوں کہ اب روزانہ مجھے تمہارے ہی ہاتھ کی بنی ہوئی چاہئے چاہیے ہوا کرے گی۔'' پیر میں سلیپر پہنتے ہوئے کہا تھا۔ اس نے بھیگی پلکوں سے اسے دیکھا تھا کافی عرصے بعد اسے شہیر وہی غصیلہ شہیر لگا تھا جس سے اس کی نہیں بنتی تھی، جس سے وہ ڈر جایا کرتی تھی اسی لئے اس وقت وہ اسی ڈر کے زیر اثر بڑی فرمانبرداری سے اٹھ گئی تھی اور اس کے پیچھے چلتی البتہ آنسوؤں سے رو رہی تھی۔ شہیر نے کچن میں آکر کیبنٹ سے کیٹل نکالی تھی، چینی، پتی اور دودھ اس میں ڈال کر سوئچ آن کر دیا تھا اور وہ اس وقت ہرگز بھی اس کے رونے سے متاثر نہیں ہوا تھا اور کیٹل دھو کر رکھنے کی ہدایت کرتا چائے کا مگ لیے کچن سے نکلتا چلا گیا تھا جبکہ وہ وہیں ڈائننگ ٹیبل سے ٹیک لگائے روتی چلی گئی تھی۔

''شیریں۔'' کچن میں پانی لینے آئیں رابعہ اسے دیکھ کر پریشان ہوگئی تھیں اور وہ یکدم ایک ہمدرد پا کر ان کے کاندھے سے لگی زور و شور سے رونے لگی تھی۔

''کیا ہوا ہے، تم اتنی رات گئے یہاں کیا کر رہی ہو؟ کیا شہیر سے جھگڑا ہو گیا ہے؟'' اس کی کچن میں موجودگی ہی نہیں اس کا رونا بھی ان کی پریشانی کا باعث تھا۔

''نہیں، شہیر نے مجھے ڈانٹا، بہت برے لہجے میں مجھ سے بات کی۔''

وہ حق دق رہ گئی تھیں۔

''لیکن کیوں، کیا تم نے اس سے کچھ کہا تھا؟'' نرمی سے پوچھا تھا۔

''نہیں، انہوں نے مجھ سے چائے بنانے کو کہا تو میں نے منع کر دیا اور وہ پھر مجھ پر غصہ ہونے لگے، انہوں نے کہا کہ میں آپ سے گھر داری سیکھوں کہ وہ چاہتے ہیں ان کا ہر کام میں خود کیا کروں اسی لیے وہ یہاں مجھے کچن میں لائے، مجھے چائے بنانا سکھائی اور کہا کہ میں ہی اب روزانہ ان کے لیے چائے بنایا کروں گی۔'' وہ روتے ہوئے ایک ہی سانس میں پوری تفصیل کہہ گئی تھی۔

''اچھا، ابھی تم رونا بند کر کے اپنے کمرے میں جاؤ، میں صبح شہیر سے بات کروں گی۔''

انہیں سمجھ نہیں آیا تھا کہ کیا کہیں کہ وہ کچھ دن سے بیٹے کی بے چینی محسوس کر رہی تھیں کہ اس نے پرسوں ان سے بھی تو کہا تھا جب انہوں نے خوشی سے اس کی شرٹ استری کرنے کو کہا تھا تب اس نے کہا تھا کہ وہ خوشی کے بجائے شیریں سے کہہ دیں اس وقت تو وہ ہنس کر ٹال گئی تھیں مگر اب بات ٹالی نہیں جا سکتی تھی مگر اس سے کچھ کہے بناء اسے سمجھا بجھا کر روم میں بھیجا تھا اور الیکٹرک کیٹل اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھتیں، جگ میں پانی لے کر کمرے میں آ گئی تھیں۔

''میں اس مسئلہ کو مما سے ڈسکس کروں گی کہ سالار سے کہا تو یہ شیریں کی ہی سائیڈ لیں گے، مما کا جو بھی مشورہ ہو گا پھر وہ خود ہی انہیں بھی راضی کر لیں گی۔'' وہ ساس سے بات کرنے کا سوچتیں سونے کے لئے لیٹ گئی تھیں جبکہ وہ جس وقت کمرے میں آئی شہیر الٹا اپنے مخصوص انداز میں سو رہا تھا اور وہ ایک ناراض نظر اس کی پشت پر ڈالتی اس کی طرف پیٹھ کر کے سونے لیٹ گئی تھی۔ یہ ان کی پہلی ناراضگی تھی کہ وہ ایک دوسرے سے منہ پھیرے سونے کی کوشش کر رہے تھے۔

☆......☆......☆

''رویحا، جلدی سے چائے لے آؤ، مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' ابران نے ہانک لگائی تھی۔

''ناشتہ تو آرام سے کر لو، چائے بھی آ جائے گی۔'' اپنی مخصوص چیئر پر بیٹھیں اخبار کا مطالعہ کرتیں یمنیٰ اس کی آواز پر چونک کر دھیمے سے بولی تھیں۔

''بڑی ممی، میری اہم میٹنگ ہے، ناشتہ کرنے کا ٹائم بالکل نہیں ہے۔'' وہ کھڑے کھڑے ہی اسے سلام کر کے دعائیں لیتے ہوئے بولا تھا۔

''بھوکے پیٹ جانا اچھی بات نہیں ہوتی، صحت پر بھی برا اثر پڑتا ہے، اس لیے بیٹھ کر ناشتہ کرو پھر آفس جانا۔'' نرمی سے کہا تھا اور وہ ناچار بیٹھ گیا تھا۔ جتنی دیر میں رویحا چائے لے کر آئی تھی انہوں نے اسے سلائس پر بٹر لگا کر دو سلائس اسے پکڑا دیئے تھے۔

''تم اتنی خاموش کیوں ہو، طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔'' رویحا کی غیر معمولی خاموشی پر ہی نہیں وہ اس کی سرخ آنکھوں پر بھی

مضطرب ہوئی تھیں کہ اس واقعہ نے اس کی ہنسی ہی نہیں بذلہ سنجی بھی چھین لی تھی۔ وہ بہت خاموش طبیعت ہوگئی تھی۔

’’سر میں درد ہے آنی۔‘‘ وہ دھیمے سے منمنائی تھی اور اس کا بریف کیس لینے چلی گئی تھی۔

’’میٹنگ کے بعد گھر آ کر رویحا کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا کہ مجھے لگ رہا ہے جیسے اسے فیور ہے۔‘‘ انہوں نے عجلت میں چائے پیتے ابران سے کہا تھا۔

’’اسے فیور ہے، اسی لیے میں نے کہا تھا کہ وہ آرام کرلے مگر مانی ہی نہیں، آپ ایسا کیجئے گا، ممی سے کہہ دیجئے گا کہ وہ ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گی اور واپسی پر اسے آفی کے پاس چھوڑ آئیں گی کہ رات کو آفی کے ہاں جانے کا کہہ رہی تھی اور میں نے منع کردیا تو جب سے ہی مجھ سے ناراض ہے۔‘‘ وہ جلدی جلدی کہتا انہیں خدا حافظ کہتا ہال سے نکلا تھا اور وہیں آئی رویحا سے بریف کیس لے لیا تھا۔

’’تم مما کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چلی جانا اور واپی میں اپنے گھر، کل تمہیں پھر میں خود لے آؤں گا۔ ایک ہفتہ کی اجازت نہیں دے سکتا۔ بس ایک رات رک جانا۔‘‘ اس نے رویحا کے خفا خفا چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے کہا تھا اور وہ منع کردینا چاہتی تھی مگر کر نہیں پائی، ابران کو وہ لب کچلتی، پلکیں جھپکاتی ہمیشہ سے زیادہ پیاری لگی تھی۔

’’آئی ول مس یو۔‘‘ اس نے نرمی سے کہا تھا اور وہ اسے دیکھنے لگی تھی اس کے چہرے پر پیار و نرمی سی پھیلی تھی اور رویحا کے سمجھنے سے قبل اس نے چند قدم کا فاصلہ طے کیا تھا اور اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیئے تھے۔

’’تم تو مجھے یاد کرو گی نہیں بے وفا لڑکی، مگر میں تمہیں مس کروں گا۔‘‘

وہ اپنی حرکت پر متبسم تھا اور شرارتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا کہ نگاہ ایبان پر پڑی تھی۔

’’میں نے کچھ نہیں دیکھا۔‘‘ ایبان شوخی سے بولا تھا اس کی رنگت خطرناک حد تک سرخ پڑ گئی تھی اور وہ بڑی تیزی سے وہاں سے نکل گئی تھی اور وہ جھینپ مٹانے کو اس کے کاندھے پر ہاتھ مارتا اس کے ہنسنے پر مسکراتا ہوا آفس چلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

’’پھپھو ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ لڑکے اور اس کی فیملی سے ملنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔‘‘

شانیہ کا ایک پرپوزل آیا تھا اور وہ ہمیشہ کی طرح سنتے ہی انکاری ہوگیا تھا تب شہناز نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی اور وہ بھی ساس کی ہمنوا ہوگئی تھی۔ شہباز نے اس کی جانب دیکھا تھا وہ اب کافی بدل گئی تھی۔ گھر میں خود کو اس نے ایڈجسٹ کرلیا تھا اور اس کا بھی خیال رکھنے لگی تھی اور اسے یہ کایا پلٹ جانے کے سبب ابران کی شادی لگتا تھا اس لیے بہت کچھ ٹھیک ہوجانے کے باوجود ان کے درمیان ہنوز فاصلے ہی تھے کہ شہباز کی سوچ اب بھی وہی تھی کہ وہ دل سے اسے قبول کرلے جبکہ وہ رشتہ نبھانے کی جانب راغب ہوئی تھی اس لیے وہ آگے بھی پرامید ہی تھا۔

’’آپ لوگ شانی کی مرضی معلوم کر کے کوئی فیصلہ کرلیں۔‘‘ ماں کو ناراض ہوتے دیکھ کر اس نے سنجیدگی سے کہا اور اپنا چائے کا

کپ لیے کمرے میں چلا گیا جبکہ وہ اپنا کپ لیے شانیہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی کہ اس کی رائے لینے کی ذمہ داری شہناز نے اسے سونپ دی تھی۔ یمانی نے دھیمے لہجے میں اسے پرپوزل کی تفصیل بتائی تھی اور وہ بے چینی سے لب کچلنے لگی تھی۔

''پھپھو تمہاری شادی کو لے کر بہت پریشان ہیں شانیہ اور یہ پرپوزل ہر لحاظ سے تمہارے لیے پرفیکٹ ہے اس لیے تم سوچ سمجھ کر فیصلہ کرلو۔'' اس کی خاموشی محسوس کرتے ہوئے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام گئی تھی۔

''آپ امی سے کہہ دیں ناں کہ وہ پریشان نہ ہوں، کچھ سالوں تک کرلوں گی شادی بھی کہ ابھی تو میری ایجوکیشن بھی ان کمپلیٹ ہے۔'' وہ منمنائی تھی۔

''کیا تم کسی کو پسند کرتی ہو۔'' اس کی آنکھوں میں اضطراب سا محسوس کر کے وہ صاف گوئی سے پوچھ گئی تھی جبکہ وہ تو دھک سے رہ گئی تھی۔ چہرے کی رنگت بھی زرد ہوگئی تھی۔

''تم مجھ پر بھروسہ کرسکتی ہو شانی۔'' اس کی پریشانی محسوس کر کے نرمی سے بولی تھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے آپی، آپ امی سے کہہ دیں کہ میں راضی ہوں۔'' وہ چاہے راضی نہ تھی کسی کی محبت دل میں بسائے اس کی منتظر تھی مگر خود کو آج اس کی نگاہ میں مشکوک پا کر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی سخت فیصلہ لے گئی تھی کہ اس کی امیدیں زندہ تھیں لیکن وہ نہیں چاہتی تھی کہ جو بات اس کے ذہن میں آئی اس کے بھائی اور ماں کے ذہن میں بھی آئے اور اسکا کردار مشکوک بنادے جبکہ شانی متحیر سی اس کے سامنے سے اٹھ گئی تھی۔

☆......☆......☆

''شہی کو اپنے دادا کی طرح ملازموں کے ہاتھ کا کیا ہوا کام پسند نہیں ہے اس لیے ایسا شخص ضرور چاہے گا کہ اس کا ہر کام اس کی بیوی خود کرے اس لیے ہمیں دھیرے دھیرے نامحسوس طریقے سے شیریں کو اس جانب راغب کرنا ہوگا۔'' فاطمہ ساری بات سن کر بولی تھیں۔

''لیکن مما، شیریں کے ساتھ جو پرابلم ہے اس کے ساتھ وہ یہ سب مینیج نہیں کرسکتی۔'' وہ پریشان ہوگئی تھیں۔

''اس میں سراسر نیناں کی غلطی ہے کہ اس نے لاڈ پیار میں شیریں پر اس قدر توجہ دی کہ وہ حادثے سے سنبھل ہی نہ سکی۔'' انہیں بیٹی سے ہی اصل شکایت تھی مگر نیناں بھی کیا کرتیں اپنی مامتا سے مجبور تھیں۔

''وگرنہ دھیرے دھیرے اس کا ڈر کم کیا جاسکتا تھا اور میں تو تم سے یہی کہوں گی کہ نیناں والی غلطی تم نے دہراؤ، شیریں کو دھیرے دھیرے گھر کے کاموں کی طرف لاؤ اور پھر دیکھنا ایک وقت آئے گا جب اس کے ذہن سے آگ اور اسمیل سے متعلق ہر ڈر نکل جائے گا۔'' وہ بات جو وہ بیٹی کو نہیں سمجھا پائی تھیں وہی بہو کو سمجھا رہی تھیں کہ شیریں جب گیارہ سال کی تھی سوئے اتفاق اس دن لائٹ کا مسئلہ ہوگیا تھا۔ الیکٹریشن اپنے طور پر لائٹ صحیح کر کے چلا گیا تھا مگر اس کے جانے کے پندرہ منٹ بعد شارٹ سرکٹ ہوا تھا اور کتنے ہی کمروں میں آگ لگ گئی تھی اس دن نیناں ولاز میں صرف نیناں، ارمان شیرازی اور شیریں ہی تھے کہ باقی سب مصطفیٰ ہاؤس عبیر کی برتھ

ڈے میں گئے ہوئے تھے اور وہ صرف بیٹی کی وجہ سے نہیں گئے تھے کہ اسے تیز بخار تھا۔ نیناں نے اسے میڈیسن دے کر سلایا تھا اور کمرے سے نکل آئی تھیں دروازہ بند نہیں کیا تھا کہ ڈور لاک کچھ پرابلم کر رہا تھا اور شیریں اکیلے میں ڈر جایا کرتی تھی۔ وہ لاؤنج میں بیٹھے ارمان کو اس کی طرف سے اطمینان دلا رہی تھیں کہ وہ دونوں ہی اٹھتے دھوئیں سے گھبرا گئے تھے۔ کتنے ہی کمرے شعلوں کی لپیٹ میں تھے اور وہ دونوں ہی اندھا دھند لاؤنج سے شیریں کے روم کی جانب بھاگے تھے مگر دروازہ ہوا سے بند ہو چکا تھا۔ وہ وم کی چابی لینے بھاگی تھیں اور انہوں نے اسی وقت فائر بریگیڈ کو کال کر دی تھی۔

''پلیز ارمان، کچھ بھی کر کے دروازہ کھولیں۔ شیریں اندر کمرے میں ہے اور سب سے زیادہ دھواں اسی کمرے سے اٹھ رہا ہے۔''

لاک خراب تھا اس لیے چابی سے بھی کھل کر نہیں دے رہا تھا جب وہ بری طرح روتے ہوئے بولی تھیں۔

''تم لاک کھولنے کی کوشش کرو میں لان سے جاتا ہوں، شاید کھڑکی کھلی ہو۔'' وہ ننگے پیر لان میں بھاگے تھے کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور اندر کا منظر ان کا دل بند کرنے لگا تھا کہ کمرے کے اطراف میں آگ کے شعلے لپک رہے تھے اور ان کی بیٹی بڑے سکون سے بیڈ پر سو رہی تھی۔

''شیریں۔'' وہ پوری جان لگا کر چیخے تھے کہ کھڑکی میں لگی بھاری لوہے کی گرل انہیں محض تماشائی بنا گئی تھی۔

''شیریں۔'' وہ یہاں سے چیخے تھے اور وہاں انہوں نے دروازہ پیٹتے ہوئے اسے پکارا تھا اس کی نیند ٹوٹی تھی اور وہ چہار اطراف پھیلی آگ دیکھ کر سہم گئی تھی۔

''شیریں۔ بیڈ سے نہ اترنا بیٹا۔''

وہ روتے ہوئے گھبرا کر بیڈ سے اتر رہی تھی کہ وہ چیخ اٹھے تھے۔

''ڈیڈی۔ مجھے یہاں سے باہر نکالیں، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' وہ بہت بری طرح رو رہی تھی۔

''ڈرو نہیں، ڈیڈی ہیں ناں، تمہیں کچھ نہیں ہوگا بیٹا۔'' کانپتے دل سے اسے پچکار کر پھر کال ملائی تھی۔ لاک کھولنے میں ناکام ہو کر نیناں بھی وہیں چلی آئی تھیں اور اندر کا منظر دیکھ کر بے قابو ہونے لگی تھیں ارمان نے انہیں بہت مشکل سے سنبھالا تھا اور واچ مین کی مدد سے دروازہ توڑ ڈالا تھا اور جتنی دیر میں فائر بریگیڈ کی گاڑی آئی تھی۔ آگ و دھوئیں کی ناگوار بو کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گئی تھی اور یہ سب اس کے ننھے ذہن کو بری طرح متاثر کر گیا تھا کہ وہ ماچس کی جلتی تیلی بھی دیکھ کر چیخنے لگی تھی۔ دھوئیں کی ناگوار بو اس کے حواسوں پر اس بری طرح سوار ہوئی تھی کہ ہر طرح کی بو (اسمیل) ہی ناگوار گزرنے لگی تھی۔ اسے مختلف ڈاکٹرز کے ساتھ سائیکاٹرسٹ کو بھی دکھایا گیا تھا سب اسی بات پر متفق تھے کہ وہ وقت کے ساتھ ٹھیک ہو جائے گی مگر نیناں شیرازی اس کو موت کے منہ میں دیکھ کر اس قدر ہراساں ہو چکی تھیں کہ یہاں اس کا ایک آنسو گرا، یہاں وہ چیخی انہوں نے ہر وہ چیز اس کے سامنے سے ہٹا دی جو اس کی تکلیف کا سبب بنی تھی اور یہی وجہ تھی جو وہ

اتنے برس گزر جانے کے باوجود بھی آگ سے یونہی خوفزدہ ہو جاتی تھی اور ڈسٹ وغیرہ سے الرجی کا مسئلہ تو اسے پیدائشی طور پر تھا اور وہ اس معاملے میں نیناں پر پڑی تھی کہ ڈسٹ ہی نہیں اسمیل سے انہیں بھی الرجی تھی اور اس حادثے کے بعد اس کی یہ معمولی نوعیت کی الرجی کافی حد تک بڑھ گئی تھی۔

''کیونکہ الرجی پرابلم تو بچپن سے ہی نیناں کو بھی تھا مگر میں نے کبھی نیناں کی طرح پرفیوم کا استعمال کرنا نہیں چھوڑا تھا اور نہ ہی اس کو کام نہ کرنے کی کھلی چھوٹ دی تھی، اپنی نگرانی میں اس سے ڈسٹنگ تک کروالیتی تھی اور جہاں محسوس ہوا کہ نیناں کو پرابلم ہو رہی ہے اسے روک دیتی تھی، نیناں کی طرح نہیں کہ اس نے شیریں کی وجہ سے پرفیوم لگانا چھوڑ دیا، کمرے میں ایئر فریشنر نہیں کرتی تھی، ڈسٹنگ تو دور کی بات کبھی اسے کچن میں قدم نہیں رکھنے دیا، کیا نتیجہ ہوا اس ساری احتیاط کا پرابلم اپنی جگہ رہی اور محترمہ کے نخرے بھی آسمان کو جا پہنچے۔''

وہ بیٹی اور نواسی دونوں سے سخت نالاں تھیں۔

''مما! شیریں کا علاج ہوتا رہا ہے۔''

''ارے رہنے دو بی بی، یہ موئے سائکاٹرسٹ کے پاس فضول کے مشوروں کے علاج ہوتا کیا ہے، ہم نے بھی ایک عمر گزاری ہے، بچے پالے ہیں، یوں تمہاری نند کی طرح کرتے تو شیریں کو تم لوگ چالیس، پچاس سال پہلے ہی نیناں سالار کے روپ میں دیکھ چکے ہوتے کہ بی بی احتیاط علاج سے بہتر ہوتی ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ دوائی مٹھی میں دبا کر خود کو بس احتیاط کی نظر ہی کر دو۔ جیسے ہم نے نیناں کو احتیاط کے ساتھ علاج بھی دیا، میٹھی تو کڑوی گولیاں بھی دیں تمہاری لاڈلی نند کی طرح نہیں کبھی احتیاط کا پلہ تھاما تو کبھی علاج کے پیچھے چل پڑیں اور لے کر بچی کا ناس مار دیا۔'' وہ ترشی سے کہہ رہی تھیں اور رابعہ چپ کی چپ رہ گئی تھیں کہ ان کی باتوں سے قائل جو ہوتی جا رہی تھیں۔

''اور سچ کہوں تو رہی سہی کسر سالار پوری کرے گا، ماں سے زیادہ تو ماموں کے سر چڑھی ہوئی ہے۔'' وہ تو جیسے بھری ہی بیٹھی تھیں۔

''اصل مسئلہ تو یہی ہے میں نے تو کچھ کہہ ہی نہیں سکتی کہ شہیر کی سوچ اگر ان تک پہنچی تو سب سے پہلے تو وہی شہیر کی حمایت کریں گے۔'' وہ بھی ترنت بولی تھیں۔

''تم تو بس رہنے ہی دو جوانی سے بڑھاپا آ گیا اور تم ایک میاں کو قابو نہ کر سکیں۔''

وہ حیرانگی سے ساس کی شکل دیکھنے لگی تھیں جو ان کی شان میں دنیا بھر کے قلابے ملا رہی تھیں کہ یہی حقیقت بھی تھی کہ انہیں پوری زندگی میں کبھی اپنی بہو سے شکایت نہیں ہوئی تھی کہ وہ بیٹے کو بھی جانتی تھیں جو تھا تو بہت نرم خو، مگر اپنے آگے کسی کو کچھ سمجھتا ہی نہیں تھا اس کے منہ سے جو نکل گیا وہی حرفِ آخر اور ایسے شخص کے ساتھ رابعہ نے بہت اچھے سے نباہیا تھا کہ انہیں اپنی بات سے اختلاف پسند نہ تھا اور وہ اختلاف کا ہر پہلو اپنی نرم فطرت میں دبا جاتی تھیں۔

''اس لیے شیریں سے ہی نہیں اس کے سارے حمایتیوں سے بھی میں خود ہی نبٹوں گی تو تم بس دور سے تماشا دیکھنا یا میری مخالفت کر کے بہو اور شوہر کی نظروں میں اچھا بننا۔'' وہ دھیمے سے ہنسی تھیں اور رابعہ بھی جھینپ کر مسکرا دی تھیں۔

''تھینکس مما!'' وہ ان کا ہاتھ تھام کر بولی تھیں۔

''ابھی صرف مسئلہ کا حل نکلا ہے بی بی، اس لیے اپنے تھینکس کامیابی تک کے لئے اٹھا رکھو۔'' مصنوعی طنز سے بولی تھیں۔

''یہ تھینکس تو میں نے اپنی طرف سے کیا ہے مما، کہ آپ نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا، ایک بیٹی کی طرح نہ صرف میری راہنمائی کی، مجھے عزت و مان بھی دیا۔'' رابعہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''بھول گئیں بی بی، ہم نے تمہیں محبت بھی دی ہے۔'' انہوں نے رابعہ کا کان پکڑا تھا اور وہ ہنس دی تھیں۔

''پہلی بہو ہو گی جو اپنی بہو کے خلاف سازش کرنے کے لئے اپنی ساس کو مکھن لگا رہی ہے۔'' مصنوعی پن سے کہہ کر بہو کے سر پر ہاتھ رکھا تھا اور دل میں اس نعمت کا شکر ادا کرنے لگی تھیں۔

☆......☆......☆

''مجھے نہیں رہنا یہاں، میں اپنے گھر جا رہی ہوں۔'' وہ اسے روتے دیکھ کر پریشان ہوا تھا تب وہ کپڑے بیگ میں ٹھونسی اسے دیکھنے بناء کہہ گئی تھی۔

''فار یو کائنڈ انفارمیشن مسز شہیر، اب آپ کا یہی گھر ہے۔'' وجہ وہ کہیں نہ کہیں جانتا ہی تھا اس لیے نارمل لہجے میں بولا تھا۔

''میں نہیں مانتی، یہاں میری کسی کو پرواہ ہی نہیں ہے، اپنے گھر میں، میں کتنے مزے اور عیش سے رہتی تھی اور یہاں تو جیسے سب نے مجھے نوکرانی ہی سمجھ لیا ہے۔'' اس کے رونے میں شدت آ گئی تھی۔

''ایسے کیوں کہہ رہی ہو، اپنے گھر کے کام کرنے سے کوئی نوکرانی نہیں ہو جاتا کہ کام تو مما اور خواہش بھی کرتی ہیں اور کیا نیناں ولاز کی خواتین کام نہیں کرتیں۔'' نرمی سے اسے شانوں سے تھام کر پوچھ رہا تھا۔

''ممی بھی کرتی ہیں اور بڑی ممی بھی، بٹ میں نے تو کبھی نہیں کئے نا کام، تو پھر یہاں مجھ سے کام کیوں کروائے جا رہے ہیں؟ ننیا ہر وقت میرے پیچھے پڑی رہتی ہیں، کل آپ کی شرٹ استری کروائی تھی، آج کہہ دیا کہ میں ٹیبل لگانے میں خوشی کی مدد کروں۔ وہ پچھلے ایک ہفتے سے مجھ سے یونہی کام کروا رہی ہیں اور میں انہیں تو منع بھی نہیں کر سکتی ناں۔'' روتے روتے کہتے اس نے یکدم منہ بنایا تھا اس کے لبوں پر مسکان بکھر گئی تھی کہ وہ کتنی ہی نخریلی و موڈی سہی مگر بدتمیز نہیں تھی کہ بڑوں کا احترام کرنا ان کی فرمانبرداری کرنا اس کی تربیت میں شامل تھا۔

''آپ کو ہنسی آ رہی ہے نا، کیوں نہیں آئے گی یہ سب میں جانتی ہوں آپ کے کہنے پر ہی ہو رہا ہے۔ میرے اصل دشمن تو آپ ہی ہیں، جس دن آپ الٹی میٹم جاری کر کے مجھے پہلی دفعہ کچن میں لے گئے تھے تب ہی مجھ پر یہ عذاب نازل ہے، اسی لیے میں اب یہاں نہیں رہوں گی۔'' وہ اسے غصہ سے دیکھتی خجالت میں مبتلا کر گئی تھی۔

''میں تو تمہیں بہت معصوم سمجھتا تھا مگر تم تو بڑی چالاک نکلیں۔'' وہ خجالت مٹانے کو کہہ گیا تھا۔

''میں بھی اتنی بے وقوف نہیں ہوں جتنا سب سمجھتے ہیں۔'' اس وقت برا منائے بغیر بولی تھی۔

''دیکھو شیریں! سب لڑکیوں ک گھر کے کام کرنے پڑتے ہیں، اس لیے دادو تم سے اب کام کروانے لگی ہیں اس میں غصہ ہونے یا گھر چھوڑنے کا سوچنا تو اچھی بات نہیں ہے۔'' وہ اسے زبردستی بیڈ پر بٹھاتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام گیا تھا۔ ''اور دادو نے یکدم پورے گھر کی ذمہ داری تو تمہارے سر نہیں ڈالی جبکہ اصولی طور پر اس گھر کی بڑی بہو ہونے کے ناطے اب اس گھر کی ذمہ داری اٹھانا تمہارا ہی فرض ہے کہ بیچلر اور شادی شدہ زندگی میں ذمہ داریوں کا ہی تو فرق ہوتا ہے۔'' وہ بہت نرمی سے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''یمانی آپی کو مامی نے انٹر کے بعد گھر داری میں لگایا تھا اور اگر تمہاری شادی اتنی جلدی نہ ہوتی تو انٹر کے بعد تمہیں بھی یہ سب کام سکھائے جاتے، جیسے نکاں کے بعد سے مما خوشی کو یہ سب سکھا رہی ہیں۔'' وہ اس کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر اسے مثالوں کے ذریعے سمجھانے میں کوشاں تھا۔

''مجھے ممی یہ سب کیسے سکھاتیں شہیر کہ مجھے تو آگ سے ڈر لگتا ہے۔'' اس کی خاموشی ٹوٹی تھی اور ڈر ظاہر ہوا تھا۔

''ڈر نکالا بھی تو جا سکتا ہے۔'' نرمی سے کہہ کر اس کے آنسو پونچھے تھے۔

''آپ کو نہیں پتا شہیر، مجھے کتنا ڈر لگتا ہے۔ آج جب میں پانی لینے کچن میں گئی تو چولہا جل رہا تھا تب مجھے لگا آپ میری طرف بڑھ رہی ہے۔ میں کتنی مشکل سے بھاگ کر اپنے کمرے میں آئی اور میں نے سوچ لیا اب میں یہاں نہیں رہوں گی کہ مجھے جل کر مرنے سے بہت ڈر لگتا ہے۔''

وہ اس کے کاندھے سے لگی سسکتے ہوئے اپنے لیے فیصلے کا سبب بتا گئی تھی اور وہ اسے چپ کرواتے ہوئے نرمی سے سمجھانے لگا تھا کہ وہ سب اس لیے نہیں کر رہا تھا کہ وہ چاہتا تھا کہ اس کی بیوی اس کے کام کرے کہ وہ ایسا صرف اس کا ڈر نکالنے کے لیے کر رہا تھا کہ وہ چاہتا تھا کہ وہ ایک نارمل لائف گزارے کیونکہ اس کے ڈر کی وجہ سے اس کی کتنی ہی صلاحیتیں باہر نہیں آ سکتی تھیں کہ زعیزعہ خان والے معاملے کو بھی اس کے ڈرنے ہی بڑھاوا دے کر الجھا دیا تھا اور وہ یہ سب ایک سائیکاٹرسٹ کے مشورے پر کر رہا تھا تاکہ اس کے ڈر کو ختم کر کے اس کی سوچ اور عمل میں یکسانیت پیدا کی جا سکے۔ وہ اس کے پیارے سے روکنے پر ٹھہر گئی تھی اور اسی کے سمجھانے کا اثر تھا کہ وہ کہے گئے کاموں کے علاوہ آگے بڑھ کر بھی خود سے کام کرنے لگی تھی مگر یہ تمام کام کچن کی حدود سے باہر تھے کہ اسے ذرا سا بھی پتہ ہوتا کہ اس وقت کھانا وغیرہ پک رہا ہوگا تو وہ کچن کے آس پاس بھی نہیں پھٹکتی تھی اور اسے کافی حد تک گھر کے کاموں میں انوالو دیکھ کر اب اسے دھیرے دھیرے کچن تک لے جانے کا مرحلہ شروع کرنا تھا اور وہ اس میں کامیاب بھی ہونے لگے تھے کہ چھوٹی موٹی چیزیں لینے اور رکھنے کے لیے کچن میں جانے لگی تھی اور یہ اس سب کو شروع کیے دو ماہ کے بعد کی بات ہے جب خوشی اور شیریں مل کر ٹیبل سے برتن اٹھا رہی تھیں تب وہ کچن میں داخل ہوا تھا اور اس نے خوشی سے چائے بنانے کو کہا تھا اس نے ماچس اٹھائی تھی کہ وہ کچن سے نکلنے لگی تھی۔

''شیریں! ایک گلاس پانی دینا۔''

شیریں آواز پر رکی تھی تب شہیر نے اس کی آنکھوں میں انجانا سا خوف دیکھا تھا اور وہ جو اس کی فرمائش کو ان سنا کرتی جانے لگی تھی

کہ ہاتھ پکڑ کر اسے روک کر اپنی بات دہرائی تھی وہ لامحالہ فریج کی جانب بڑھی تھی اور جان کر پیچھے نہیں دیکھا تھا اس نے گلاس خالی کر کے اسے دیا تھا تب ہی شہیر کے اشارے پر خوشی اسے مخاطب کر گئی تھی۔

''شیریں! تم چائے پیو گی؟''

وہ خواہش کی آواز پر یکدم مڑی تھی اور جلتے چولہے سے نکلتیں اورنج وزرد شعاعیں اس کا رنگ تیزی سے متغیر ہوا تھا اور اس کی آنکھوں میں ہراس اترنے لگا تھا وہ ڈر کر بھاگنا چاہتی تھی کہ وہ اسے شانوں سے تھام گیا تھا اور وہ بری طرح چیخنے لگی تھی۔

''شیریں، وہاں دیکھو، وہاں خوشی کھڑی ہوئی ہے۔'' اس کے چیخنے چلانے کی پرواہ کیے بغیر وہ اسے بازوؤں میں سنبھالے بولا تھا۔

''ہٹ جاؤ، وہاں سے ہٹ جاؤ خوشی، آگ تمہاری طرف بڑھ رہی ہے، تمہیں جلا دے گی۔ تمہارا دم گھٹ جائے گا، تمہیں سانس لینے میں دشواری ہوگی۔ ہٹو وہاں سے۔''

اس نے زبردستی شیریں کا رخ وہاں موڑا تھا جہاں چولہا جل رہا تھا اور تھوڑے فاصلے پر خواہش کھڑی تھی اور وہ جس تکلیف سے گزر رہی تھی، جو اس کے احساسات تھے جو اس کے ذہن میں اب تک چمٹے ہوئے تھے وہ اپنا ڈر اس کے حوالے سے محسوس کرتی اسے ہٹانے کو چیخنے لگی تھی اور یہ پہلی دفعہ تھا کہ وہ ڈر اپنے لیے نہیں کسی اور کے لئے محسوس کر رہی تھی۔

''شیریں، دیکھو میں ٹھیک ہوں۔ آگ نے مجھے کچھ نہیں کہا۔'' وہ اس کے سامنے آئی تھی اور اب اس کی جگہ پر عبیر اور رابعہ کھڑی ہوگئی تھیں۔

''شیریں، وہاں دیکھو، خوشی بھی ٹھیک ہے مما اور عبیر بھی ٹھیک ہے جبکہ آگ جل رہی ہے، تم یہاں پورے دس منٹ سے موجود ہو نہ آگ تمہاری طرف بڑھی او نہ ہی تمہارا سانس رکا، دیکھو محسوس کرو، تمہارا دم نہیں گھٹ رہا، تم اور ہم سب سکون سے بالکل محفوظ کھڑے ہیں۔'' اس نے شیریں کا ہاتھ تھاما تھا۔ اس کی آنکھوں سے ہراس ٹپک رہا تھا تب وہ اسے خود سے لگائے نرمی سے بولتا چلا گیا تھا اور وہ اس کے سینے سے لگی بری طرح بلکتے ہوئے یکدم ہوش وخرد سے بے گانہ ہوگئی تھی اور شہیر ہی نہیں ان تینوں کو بھی پریشانی نے آ گھیرا تھا۔

☆......☆......☆

''شیریں کی طبیعت اب کیسی ہے؟'' اس نے نیناں شیرازی سے پوچھا تھا۔

''یو ڈونٹ وری شہی، وہ ٹھیک ہے۔'' انہوں نے بھانجے کے سرخ چہرے کو دیکھ کر نرمی سے تسلی دی تھی کہ وہ شکل سے ہی پریشان لگ رہا تھا۔

''اس کی اس حالت کا ذمہ دار صرف میں ہوں لیکن یقین کریں آنی، میں صرف شیریں کی ہی بھلائی چاہ رہا تھا۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے تھے۔

''آئی نو میری جان۔'' انہوں نے نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''سب کو یہی لگتا ہے کہ میں نے شیریں کی ایکسٹرا کیئر کر کے اس حادثے سے نکلنے نہیں دیا جبکہ ایسا نہیں ہے کہ وہ حادثہ اس کے ذہن و دل پر بری طرح نقش ہو گیا تھا کہ وہ سنبھل ہی نہیں سکی، ڈاکٹرز کے ساتھ کتنی ہی میٹنگز ہوئیں اور وہ کافی حد تک سنبھل گئی مگر وہ بات وہ بھول نہیں پائی ڈاکٹر رئیس نے یہی کہا تھا کہ اس پر زیادہ زور ڈالا گیا یا اسے وہ سب بھولنے کے لیے یا ذہن سے ڈر نکالنے کے لیے مجبور کیا گیا تو یہ سب اس کے دماغ پر اور بری طرح متاثر ہو سکتا ہے اس لیے میں نے ہر کوشش ترک کر دی کہ مجھے اس کی زندگی زیادہ عزیز ہے۔''
ان کے آنسو گرنے لگے تھے اور اس کی شرمندگی تھی کہ کئی گنا بڑھ گئی تھی۔

''آئی ایم ایکسٹریمی سوری آنی، مجھے وہ ڈری سہمی اچھی نہیں لگتی اس لیے میں نے چاہا کہ اس کے ذہن سے ڈر نکل جائے، مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ میں نے آپ سے کچھ ڈسکس نہیں کیا، آپ سے مشورہ کر لیتا تو بات یہاں تک نہ پہنچ پاتی۔'' وہ نہایت آزردہ و شرمندہ تھا کہ اس نے تو اپنے طور پر اس کی بھلائی چاہی تھی مگر الٹا ہو گیا تھا جو اسے دکھایا سمجھایا گیا وہ کچھ نہیں سمجھی تھی اور کئی سال پیچھے چلی گئی تھی اور اتنے ماں کی جو ذہنی ٹینشن تھی اور پھر یہ افتاد اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا اور وہ پورے گیارہ گھنٹے ہاسپٹل میں گزار کر نیناں ولاز آ گئی تھی کہ مصطفیٰ ہاؤس کے مکینوں سے ہی سامنے پر وہ ڈر کر چیخنے لگی تھی کجا کہ وہاں جاتی اور اس کی حالت کے پیش نظر شہیر تو اس کے سامنے ہی نہیں گیا تھا۔

''تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہم سب تمہاری محبت اور فکر جانتے ہیں۔'' انہوں نے آنسو پونچھتے ہوئے اسے دھیمے سے کہا تھا۔

شرمندہ تو رابعہ بھی تھیں مگر کوئی بھی نہ ان لوگوں کو برا کہہ رہا تھا نہ ہی ان کی نیت پر شک کر رہا تھا۔

''اور تم نے تو ایکسپریمنٹ کیا تھا جو ناکام ہو گیا اگر کامیاب ہو جاتا تو ہم سب کی ہی مشکل ختم ہو جاتی۔'' اندر آتے ارمان شیرازی بولے تھے۔

''ارے یار، بس کرو، یہ ڈرامہ تمہارے میلوسین دیکھ کر تو ہمیں وحید مراد یاد آنے لگا ہے۔'' وہ شرمندگی سے کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ وہ شوخی سے بولے تھے۔

''ہاں اور کیا بھئی جو ہوا سو ہوا، اس سب کو بھول کر یہ سوچو کہ بیوی کو کیسے مناؤ گے کہ جب تک نہیں مناؤ گے یونہی میلوسین کرتے پھرو گے۔'' سائرہ بیگم نے بھی شرارت سے نواسے کو دیکھا تھا اور وہ جھینپ گیا تھا۔

''چچ، چچ۔ ایس پی شہیر سالار ایک بیوی کو قابو نہیں کر سکتے تو تم مجرموں کو کیسے اور کیونکہ کنٹرول کر پاؤ گے۔'' ارمان شیرازی نے جھینپے جھینپے سے داماد کو دیکھ کر مزید اس کی ٹانگ کھینچی تھی۔

''ماما! مجرموں کو کنٹرول کرنا پھر آسان ہے مگر آپ کی لاڈلی کو نہیں کہ جتنے میرے سر پر بال نہیں ہیں اتنے تو ان محترمہ کے حمایتی ہیں۔ میں بے چارہ تو اُف تک نہیں کر سکتا ہوں۔'' وہ جھینپ مٹانے کو منہ بنا کر بولا تھا لاؤنج میں ہنسی اور قہقہے بکھر گئے تھے۔

''کہتے تم تو ٹھیک ہو۔'' یمنیٰ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولی تھیں۔

''دیکھو شہیر بیٹا، شیریں فی الحال ڈری ہوئی ہے اور جب وہ خواہش اور رابعہ کو دیکھ کر ری ایکٹ کر رہی ہے تو تمہیں دیکھ کر تو لازمی پریشان ہوگی اور جو اس کی کنڈیشن ہے اس میں اسے سکون کی ٹینشن فری رہنے کی ضرورت ہے۔'' سائرہ بیگم نرمی سے کہہ رہی تھیں۔

''نانو! آپ سب کو کسی قسم کی وضاحت دینے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں یہاں فی الحال آپ سب سے معافی مانگنے آیا تھا اس سے ملنے نہیں کہ مجھے اندازہ ہے اسے سنبھلنے میں کچھ وقت لگے گا۔'' وہ شائستگی سے ان کی بات کے درمیان میں ہی کہہ اٹھا تھا اور اسی وقت رابعہ اور سالار بھی چلے آئے تھے۔

''آپ سب لوگ مما کو غلط مت سمجھئے گا کہ مما تو خود اس سب کے لئے راضی نہ تھیں میں نے انہیں اپنی قسم دے کر منایا تھا۔'' اس کی وضاحت پر سب ہی مسکرا دیئے تھے۔

''او مسٹر اموشنل، ایسا کرو گھر جاؤ، جا کر شکرانے کے نفل پڑھو، مٹھائیاں بانٹو کہ اپنے غم میں ڈوب کر کیا آنے والی اولاد کے لئے کوئی جشن کا اہتمام بھی نہ کرو گے۔'' سائرہ بیگم کی غیر متوقع بات پر وہ ہی نہیں اندر داخل ہوئے رابعہ اور سالار بھی بے یقینی کی کیفیت میں گھرتے انہیں دیکھنے لگے تھے۔

''اتنی بے یقینی سے نہ دیکھو مجھے، کہ اللہ نے اپنا کرم کیا ہے، خیر سے تم باپ اور تم دونوں دادا، دادی بننے والے ہو۔'' سائرہ بیگم نے ان کی حیرت و بے یقینی کو انجوائے کرتے ہوئے مزے سے کہا تھا۔

''آپ سچ کہہ رہی ہیں نانو۔'' شہیر کا چہرہ یکدم فرطِ مسرت سے سرخیاں چھلکانے لگا تھا۔ وہ سب اس کے انداز پر مطمئن سے ہنس دیئے تھے۔

''بہت بہت مبارک ہو بھیا۔'' نیناں شیرازی نے اسی وقت مٹھائی منگوالی تھی پہلے شہیر کا منہ میٹھا کروایا تھا اور پھر سالار مصطفیٰ کی جانب بڑھی تھیں جن کا چہرہ صاف کہہ رہا تھا کہ اس خبر نے ان کی روح تک کو سرشار کر دیا ہے۔

''خیر مبارک۔'' وہ دل سے مسکراتے تھے۔ وہ بھی نرمی سے مسکراتیں رابعہ کی جانب بڑھ گئی تھیں جنہوں نے سب سے پہلے شیریں کے بارے میں پوچھا تھا۔

''سو رہی ہے مگر تم پریشان نہ ہو صبح کی نسبت اب اس کی طبیعت کافی بہتر ہے۔'' نرمی سے دلاسہ دیا تھا۔

''میں آیا تو تمہارے کان کھینچنے تھا مگر خوشی کی خبر پا کر تمہیں معاف کر دیا ہے۔'' سالار مصطفیٰ نے آگے بڑھ کر سرشاری سے بیٹے کو گلے لگا لیا تھا۔

''آئی ایم سوری پاپا، آپ کی غیر موجودگی میں، میں آپ کی شیریں کا خیال نہیں رکھ سکا۔'' وہ اس سب کو لے کر اتنا مضطرب و پریشان تھا کہ نہ پریشانی ختم ہو رہی تھی اور نہ ہی شرمندگی۔

''زندگی ہے میری جان، انسان کو اپنوں کی بھلائی کے لئے چھوٹے بڑے رسک لینا پڑتے ہیں۔ مجھے افسوس تو اس بات کا ہے کہ میرے بیٹے کی کوشش کامیاب نہ ہوسکی مگر جذبے صادق ہوں تو بھلائی کی راہیں ہزار ہوتی ہیں۔'' سالار مصطفیٰ کا اپنا ہی مخصوص انداز تھا سب سے زیادہ وہ ان سے ہی شرمندہ تھا اور سب سے زیادہ ڈھارس بھی انہوں نے ہی دی تھی۔

''پاپا! آپ مجھ پر خفا تو نہیں ہیں۔'' امید بھری نگاہوں سے انہیں دیکھا تھا۔

''یہاں آنے سے پہلے تک تھا مگر یہاں آکر جو خوشی ملی ہے اس نے ہر غم کو ہی جلا کر خاکستر کر دیا ہے۔'' وہ قدرے شرارت سے بولے تھے اور وہ جھینپ گیا تھا۔

''ارے آپ دونوں باپ بیٹے زبانی کلامی خوشی کا اظہار کرتے رہیں گے جناب مٹھائی وٹھائی منگوانے کا بھی ارادہ ہے کہ نہیں؟'' رابعہ نے مداخلت کی تھی۔

''آپ صرف مٹھائی کی بات کرتی ہیں آج تو خزانوں کے منہ بھی کھول دیں تو کم ہے، کیوں برخوردار؟'' وہ شوخی سے کہتے شہیر کو شامل کرتے اسے جھینپا گئے تھے۔ بہت عرصے بعد وہ دل سے خوش تھے۔

☆......☆......☆

''اب کب تک روٹھا رہے گا؟ کہہ رہا ہوں ناں کہ حالات اس نہج پر پہنچ گئے تھے کہ ارجنٹ لی شادی ہوگئی۔'' ابران کی شادی کا سن کر وہ اس پر خفا ہو رہا تھا تب ابران نے نرمی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''ایک فون تو کر ہی سکتا تھا ناں مگر تو نے مجھے اتنا اہم سمجھا ہی نہیں۔'' اس کی ناراضگی بڑھتی جا رہی تھی کہ وہ اپنے ڈیڈ کے کام کے سلسلے میں آؤٹ آف کنٹری تھا اسی لیے ابران اپنی زندگی کے اتنے اہم موقع پر اس کے ساتھ سے محروم رہ گیا تھا اور اس کی بڑھتی ہوئی ناراضگی کے سبب اس نے تمام صورت حال اسے بتا دی تھی۔

''ممی چاہتی تھیں کہ میں رویحا سے شادی کرلوں تو بس میں نے کر لی اور تیری غیر موجودگی سب سے زیادہ میں نے ہی محسوس کی تھی۔'' وہ قدرے آزردہ ہوگیا تھا۔

''رویحا! نام تو میں نے پہلی دفعہ سنا ہے یہ تیری کون سی کزن ہیں اور تُو تو کسی اور سے محبت کرنے لگا تھا ناں تو پھر تو نے کیسے اپنی کزن سے شادی کر لی؟'' وہ ساری تفصیل سن کر دکھی ہوگیا تھا مگر ذہن میں امڈتے سوال بھی کرنے سے خود کو روک نہ پایا تھا۔

''محبت تو ہر کسی کو نہیں ملتی فراز! اور میں نے تو محبت پانے کی کوشش تو دور اس بارے میں سوچا بھی نہیں کہ محبت اور رشتوں کے مان میں سے مجھے کسی ایک کو منتخب کرنا تھا اور میں نے رشتوں کی بقاء، ان کے احترام وعزت کے لیے اپنی محبت چھوڑ دی۔''

فراز اسے دیکھنے لگا تھا جو کچھ دیر قبل کی نسبت اب بہت دکھی نظر آ رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے کہ اس نے بہت کڑا فیصلہ لیا تھا اور اس پر ثابت قدمی سے قائم تھا مگر دل کی حالت بھی تو نازک تھی اور وہ جو کسی سے کہہ نہیں پایا تھا اس سے کیسے چھپاتا جو

اس کا ہمراز اور دمساز تھا کہ جب اس کے دل میں شانیہ کی محبت سمائی تھی تو وہی تو تھا جس سے اس نے پوشیدہ نہیں رکھی تھی۔ اپنے تمام احساسات اس کے گوش گزار کر دیئے تھے اور وہ کئی ماہ بعد آج حقیقی معنوں میں اپنی محبت سے بچھڑنے کا غم منا رہا تھا اس کے لئے اداس ہوتے ہوئے وہ نہیں جانتا تھا کہ ایسی ہی تکلیف سے وہ خود بھی گزرنے والا ہے اور اسے تو پھر بھی رونے کو فراز کا کاندھا مل گیا تھا، فراز کو کون کاندھا دیتا کہ جو دوست و ہمنوا تھا وہی تو رقیب بن بیٹھا تھا۔ وہ اسے نرمی سے سمجھا کر اس کے جذبہ واقدام کو سراہا رہا تھا کہ دروازہ جھٹکے سے کھلا تھا۔

''ابران، آپ مجھے لینے......'' وہ جو غصہ و جوش میں کہتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی تھی فراز کو دیکھ کر اس کی زبان کو بریک لگے تھے اور فراز اس کا تو وہ حال تھا کہ دن میں تارے نظر آ گئے تھے۔ ابران کے شانے پر اس کے ہاتھ کی گرفت کمزور ہوئی تھی۔ ابران نے آنسو پونچھے، خود کو کمپوزڈ کیا اور اس کی جانب گھوما جو شرمندہ سی کھڑی تھی۔

''آئی ایم سوری، مجھے نہیں پتہ تھا کہ آپ کے دوست آئے ہوئے ہیں۔'' وہ لب کچلنے لگی تھی۔ اس حقیقت کو قبول کرنا اس کے لئے بڑا دشوار تھا اس کی آنکھوں میں موتی چمکنے لگے تھے۔

''اٹس او کے رویحا! اس میں شرمندہ ہونے والی کوئی بات نہیں ہے ویسے بھی یہ میرا جگری یار ہے اس سے ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس پر تو خود سے زیادہ بھروسہ ہے۔'' وہ خود کو کمپوزڈ کر چکا تھا دھیمے سے مسکرا کر بولا تھا تا کہ وہ نارمل ہو جائے جبکہ اب وہ اس کی جانب گھوما تھا جو ساکت کھڑا تھا۔

''آر یو او کے فراز؟'' وہ اس کی زرد ہوتی رنگت اور سرخ ہوتی آنکھوں کو دیکھ کر مضطرب ہو گیا تھا اور وہ کچھ بول نہیں پایا تھا ایک نظر اس گلابی چہرے والی لڑکی کو دیکھا تھا جس کے کتنے ہی سپنے اس کی آنکھوں میں بستے تھے۔ اس نے آنکھیں ہی سختی سے میچ لی تھیں کہ وہ شجرِ ممنوعہ ہو گئی تھی اور جب ابران رشتوں کے مان کے لیے اپنی چاہت سے دستبردار ہو سکتا تھا تو وہ دوستی کے لیے اس کے مان اور سلامتی کے لیے اپنے دل کو کند چھری سے ذبح کر سکتا تھا مگر یہ سب اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ خود کو سنبھال ہی نہیں پا رہا تھا اس کا سر بری طرح چکرانے لگا تھا اس کے ڈولتے وجود کو ابران نے بروقت سنبھال لیا تھا مگر اب صرف اس کے وجود کو ہی سنبھالا جا سکتا تھا کہ دل اور روح سنبھلنے کی حدود سے نکل چکے تھے۔

''ہمیشہ میرے ساتھ ہی کیوں ایسا ہوتا ہے؟ آخر میں ہی کیوں اکیلا رہ جاتا ہوں۔'' وہ چکراتے سر کو تھامے تکلیف سے گزر رہا تھا، جسمانی ہی نہیں قلبی تکلیف کا بھی شکار فراز اس وقت خود کو بہت تنہا محسوس کر رہا تھا۔

''جس لڑکی کو میں نے چاہا، وہ ضروری تھا کہ ابران کا مقدر بن جاتی کہ اس سے جدائی کا دکھ سہوں، یا دوست کے رقیب بن جانے کا ماتم کروں؟ کہ اسے ہر روق میں برداشت کر سکتا ہوں، ابران کی بیوی کے روپ میں دیکھ کر تو جان کنی کے سخت مرحلے سے گزر رہا ہوں۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔ تب ہی دروازہ ہلکے سے ناک ہوا اور دوسرے ہی پل کھلتا چلا گیا۔ ابران کو دیکھ کر اس نے آنسو رگڑ ڈالے تھے۔

''اب کیسی ہے طبیعت؟'' ابران کا چہرہ ستا ہوا تھا آنکھیں الگ لہو رنگ تھیں جیسے روتا رہا ہو۔

''میں ٹھیک نہیں ہوں ابر، میں مر رہا ہوں۔'' وہ اس کے گلے سے لگ کر زاروقطار رو رہا تھا۔

نیناں کے بعد وہ واحد تھا جو اسے ابر کہتا تھا۔ ابران کے اس کی تکلیف پر ایک بار پھر آنسو گرنے لگے تھے۔

''تجھے کچھ نہیں ہوگا فراز، میں تجھے کچھ نہیں ہونے دوں گا۔'' وہ بچوں کی طرح روتے ہوئے اسے تسلی دے رہا تھا۔

''محبت اور موت کا کوئی علاج نہیں ہوتا ابر۔'' وہ اس سے الگ ہوا تھا۔

''تو ہمت نہیں ہارے گا، زندگی کی آخری سانس تک موت کا مقابلہ کرے گا۔'' ابران نے اس کے آنسو رگڑے تھے جبکہ خود رو رہا تھا۔

''جب موت کو جیتنا ہے تو مقابلہ کرنے سے کیا حاصل۔'' وہ بہت مایوس ہو رہا تھا کہ اس پر دو غم ایک ساتھ ٹوٹے تھے۔ ایک محبت کا بچھڑنا اور وہ خود کو زندگی اور موت کے درمیان محسوس کر رہا تھا کہ موت کی آہٹ بہت قریب سے ہونے لگی تھی۔ اسے اندازہ ہی کب تھا کہ کچھ عرصے سے ہونے والا سر درد معمولی نوعیت کا نہیں ہے۔ برین ہیمبرج بن کر اس کی زندگی کی معیاد کو کم کر گیا ہے۔

''موت تو مجھے بھی آنی ہے، کہہ تو ابھی اس پنکھے سے لٹک جاؤں کہ جتنا تو موت لئے ہی ہے تو پھر کیوں زندگی جیئے جاؤں۔''

ابران اب اپنے آنسو پونچھتا اس پر برہم ہوا تھا فراز اسے دیکھنے لگا تھا وہ اس وقت اپنے لیے پریشان اور دکھی لگتا تھا۔

''دیکھ فراز، میں تیری تکلیف سمجھ سکتا ہوں مگر بیماری کا علاج کروایا جاتا ہے یوں مایوس نہیں ہوتے۔'' اس نے یکدم اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

''میں مایوس نہیں ہوں تو کیا کروں، زندگی مجھ پر کبھی زندگی کی طرح مہربان نہیں ہوئی، رشتوں کو ان کی محبتوں کو ترستا رہا، مجھے برین ہیمبرج ہے یہ سن کر بھی مما کینیڈا سے نہیں آئیں کہ انہیں مجھ سے محبت نہیں ہے۔ ضرورت نہیں ہے انہیں میری اور ڈیڈ انہوں نے میر بیماری کی خبر یوں سن لی جیسے کوئی بریکنگ نیوز پانچ منٹ کا ردعمل اور پھر سب کچھ پہلے جیسا! میرا تو بھری دنیا میں کوئی نہیں ہے تو پھر کس کے لیے جیوں۔'' اس کا لہجہ اذیت ناک تھا اور آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔

''میرے لیے فراز کہ مجھے تیری تجھ سے زیادہ ضرورت ہے۔ تو میرا واحد دوست ہے، تجھے کچھ ہو گیا ناں تو میں بھی جی نہیں پاؤں گا، اور مجھے کچھ ہو گیا تو ممی جی نہیں پائیں گی اس لیے تجھے میرے لیے جینا ہوگا۔'' وہ اس کے دونوں ہاتھ تھامے بھیگے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''اور میرے لیے بھی جینا ہوگا۔'' آواز پر وہ دونوں چونکے سامنے ہی بھیگی آنکھیں لیے نیناں شیرازی کھڑی تھیں۔

''میں نے تمہیں بیٹا کہا ہے فراز، اور ابران یا ایان کو اللہ نہ کرے کچھ ہو تو مجھے تکلیف ہوتی ہے اور میں آج بھی تکلیف میں ہوں کیونکہ میرا بیٹا فراز تکلیف میں ہے۔'' وہ ابران کے برابر بیٹھ گئی تھیں اور دیکھ اسے رہی تھیں جو بہت بے یقین نظر آ رہا تھا۔

''ایسے کیوں دیکھ رہے ہو، کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں تم سے جھوٹ بول رہی ہوں۔'' اس کی بے یقینی پر وہ دکھ کے باوجود مسکرائی تھیں۔

''سچ کہوں تو اس پوری دنیا میں اگر کسی پر اعتبار ہے تو وہ آپ ہی ہیں آنٹی۔'' اس کے آنسو گالوں پر لڑھکنے لگے تھے۔ ''میں نے زندگی میں اللہ سے کبھی کوئی شکوہ نہیں کیا، ڈیڈ اور ممی کی لاتعلقی پر دکھی ضرور ہوا مگر سب کچھ صبر سے برداشت کیا مگر جب جب آپ کو دیکھا، جب جب ابران کے لیے آپ کی محبت کو محسوس کیا دل سے صدا نکلی کہ کاش انعم صدیقی میری ماں نہ ہوتیں، میں آپ کا بیٹا ہوتا۔'' وہ جو دکھی تھا دل و جسم کی تکلیف سے نبرد آزمائی کر رہا تھا دل سے جنہیں ہمیشہ قریب محسوس کیا تھا ان کی ہمدردی اور ساتھ پا کر وہ بکھر گیا تھا۔ بلکتے ہوئے کہتا یکدم ان کے سینے سے جا لگا تھا اور وہ لمحہ بھر کو ساکت سی رہ گئی تیں جبکہ اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے ماں کی نرم آغوش اسے میسر آ گئی ہو۔ وہ بے تحاشا رو رہا تھا اور اسے سنبھالنا انہیں مشکل ہونے لگا تھا۔

''پلیز فراز بیٹا! چپ کر جاؤ۔ مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔'' اس کو خود سے الگ کر کے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے بولی تھیں۔

''لیکن مجھے بہت سکون مل رہا ہے۔ مجھے لگ رہا ہے جیسے آپ کے وجود میں آج مجھے میری ماں مل گئی ہے آپ مجھے مما کی طرح چھوڑ کر تو نہیں چلی جائیں گی؟'' اس نے ان کے ہاتھ تھام لیے تھے۔

''نہیں، میں اپنے بیٹے کو چھوڑ کر کہیں جا ہی نہیں سکتی کہ رشتے صرف خون کے نہیں دل کے اور اپنائیت کے بھی ہوتے ہیں۔ میرا تم سے خون کا نہیں قلبی رشتہ ہے۔ تم سے ایک اپنائیت سی محسوس ہوتی ہے۔ تمہاری مما کیوں تم سے محبت نہیں کر سکیں یہ تو میں نہیں جانتی مگر میں تم سے محبت کرتی ہوں کہ تم میرے لیے ابران کے برابر ہو، بھروسہ رکھنا کہ میں یہ قلبی و اپنائیت کا رشتہ توڑ کر کبھی کہیں نہیں جاؤں گی، میں تمہاری ماں نہیں ہوں لیکن تم میرے لیے میرے بیٹے جسے ہو اور میرا بیٹا روئے یا تکلیف میں ہو یہ میں برداشت نہیں کر سکتی۔ شاباش، آنسو صاف کرو اور ہمت کرو کہ تم میرے لئے اپنی بیماری سے لڑو گے اور اپنی بیماری کو تم شکست دو گے۔'' وہ اس کی کم مائیگی کے احساس کو مٹا دینا چاہتی تھیں۔ مایوسی سے نکالنا چاہتی تھیں اس لیے اس کے لیے جو محسوس کرتی تھیں آج اس پر آشکار کر گئی تھیں۔ فراز اب بھی بے یقین تھا اسے سب کچھ خواب کا سا لگ رہا مگر اس نے بڑی سرعت سے اپنے آنسو پونچھ ڈالے تھے۔

''تم جلدی سے جا کر فریش ہو کر آؤ، پھر ہم نیناں ولاز چلیں گے کہ اب تم یہاں اکیلے نہیں رہو گے، نیناں ولاز میں ہم سب کے ساتھ رہو گے۔''

یہ فیصلہ وہ بہت اچانک ہی لے گئی تھیں اور وہ پریشان ہو گیا تھا کہ کہاں پہلے وہ نیناں ولاز میں رہنے کی دعائیں کرتا تھا اور وہ وقت اس کے نزدیک اس کی زندگی کا سب سے حسین وقت تھا جب اس نے کچھ ہفتے نیناں ولاز میں ان سب کی محبتوں کے درمیان گزارے تھے مگر اب اس کی سوچ تو نہیں قسمت بدل گئی تھی اس لیے وہ وہاں رہنے کا سن کر خوش ہون کے بجائے پریشان ہو گیا تھا اور دل کے نہ چاہتے ہوئے بھی سلیقے سے انہیں منع کر گیا تھا۔

''تمہیں وہاں رہ کر چلنے میں آخر پرابلم کیا ہے؟ یہاں اکیلے رہو گے کون رکھے تمہارا خیال؟ وہاں سب ہوں گے تمہارا خیال رکھنے کو خاص ممی ہوں گی جو تمہاری کیئر کریں گی، تمہیں کیئر کی ضرورت ہے فراز، منع مت کرو اور چلو ہمارے ساتھ۔'' ابران اسے نرمی سے قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''مجھے اکیلے رہنے کی عادت ہے۔ میں اپنا خیال خود سے رکھ لوں گا۔ تم سب کو اپنی وجہ سے پریشان نہیں کر سکتا، ہاں میں وہاں آتا جاتا رہوں گا۔'' دھیمے سے بھاری لہجے میں بولا تھا۔

''تمہیں نیناں ولاز میں رکنے میں حرج محسوس ہو رہا ہے تو کوئی بات نہیں۔ میں یہاں تمہارے پاس آ جاتی ہوں۔'' وہ اس کا گریز بھانپتے ہوئے کہتیں ان دونوں کو ہی حیران کر گئی تھیں۔

''آ...... آپ یہاں میرے ساتھ، میرے گھر میں رہیں گی۔'' وہ ہکلایا تھا۔

''ہاں، اگر تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا تو کہ میں ناں زبردستی تمہیں نیناں ولاز میں روک سکتی ہوں نہ خود تمہاری مرضی کے بنا یہاں رک سکتی ہوں۔'' گہری سنجیدگی سے بولی تھیں۔

''اتنی محبت اور اپنائیت سے نواز کر یکدم مجھے پر ایا مت کریں کہ آپ کا ادنیٰ سا لفظ بھی میرے لیے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ میں آپ کو اپنی وجہ سے پریشان نہیں کرنا چاہتا اس لیے انکار کر دیا ورنہ جو زندگی کے چند دن بچے ہیں، آپ کے ساتھ گزاروں گا تو لگے گا زندگی کا ہر دکھ موت کی دہلیز پر آ کر ہی سہی مٹ ضرور گیا ہے۔''

وہ اذیت میں گھر چکا تھا کہ جب سے اسے پتہ چلا تھا کہ اسے برین ہیمبرج ہے وہ پل پل جی اور مر رہا تھا۔

''مایوسی کی باتیں کیں تو زور سے ایک تھپڑ لگاؤں گی۔ بہادر بنو، تمہارا مرض لاعلاج نہیں ہے۔ میں خود تمہارا علاج کرواؤں گی، تمہیں کچھ نہیں ہو گا اور آئندہ بکواس کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔'' ڈپٹنے کے ساتھ تسلی بھی دی تھی تب ہی ان کا موبائل بجنے لگا تھا۔

''فراز کی طرف ہوں، آپ کا نمبر بزی تھا اس لیے انفارم نہیں کر سکی تھی۔''

ارمان ان پر غصہ ہو رہے تھے کہ وہ بغیر بتائے کہاں چلی گئیں کہ عمر کی کئی طویل منزلیں طے کر لینے کے بعد بھی ان کی دلی خواہش بیجا ہوتی تھی کہ جب گھر میں قدم رکھیں تو سامنے وہ موجود ہوں اور آج ان کو غیر موجود پا کر پہلی فرصت میں فون گھڑکایا تھا اور وہ ان کا نم لہجہ صاف محسوس کر گئے تھے مگر بولے کچھ نہ تھے کہ فراز کی بیماری نے تو انہیں ہلا ڈالا تھا اور پھر وہ تو وہ تھیں جو عزیزعہ خان کی تلیف پر تڑپ اٹھی

تھیں یہاں تو پھر اپنائیت کا رشتہ موجود تھا۔

''کس کے ساتھ گئی ہو؟ میں لینے آ جاؤں؟'' فوراً ہی اپنی خدمات پیش کی تھیں اور وہ کمرے سے نکل گئی تھیں۔

''اف! ایک تو تم ہمیشہ مجھے ستانے والے ہی فیصلے لیا کرو۔'' وہ ان کا فراز کے گھر رکنے کا ارادہ سن کر بولے تھے۔

''فضول باتیں نہ کریں کہ میں فراز کے لئے پریشان ہوں اور یوں اکیلے رکنا بھی عجیب لگے گا، آپ آ جائیں ناں۔''

وہ ان کی بات پر بے ساختہ قہقہہ لگا گئے تھے۔

''فراز کو تمہارے ساتھ سے بہت ڈھارس ملے گی، تمہارا فیصلہ بہت اچھا ہے، تم کچھ دن فراز کے پاس ہی ٹھہر جاؤ اور ساتھ ابران کو روک لو۔'' انہوں نے انکار نہیں کیا تھا کہ انہیں انکار کر ہی نہیں سکتے تھے مگر دھیمے سے اپنی مرضی بتا دی تھی۔

''ٹھیک ہے، آپ مگر شیریں کا خیال رکھئے گا۔'' وہ کچن کی جانب آ چکی تھیں اور سوپ بنانے کے لئے سامان تلاش کرنے کے درمیان ان سے بات بھی کر رہی تھیں۔

''شیریں اب ٹھیک ہے اور تم پریشان ہو جیسے وہ خوشی اور رابعہ سے بات کرنے لگی ہے، شہیر سے بھی کرنے لگے گی۔'' انہیں تسلی دی تھی کہ رابعہ اس سے ملی تھیں مگر اس نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا اور ان کے بات کرنے پر نارملی بات کرنے لگی تھی کہ اصل ناراضگی یا ڈر کہیں تو شہیر اور خوشی سے تھا اسی لئے خواہش اس سے ملی تھی نرمی سے اسے اپنی بات کا یقین دلانا چاہا تھا اور اس کی کوشش ہی تھی کہ وہ کافی حد تک نارمل ہو کر اس سے بات کرنے لگی تھی اور ان سب کی یہی کوشش تھی کہ وہ ان سب سے بات کرنے لگے پھر کہیں جا کر شہیر اس سے ملے اس لیے ایک ہفتہ سے وہ صرف اس کی طرف سے پریشان اسے مس کر رہا تھا۔

''اب تو ایک ہفتہ گزر گیا ہے، آپ شہی کو ڈنر پر بلا لیں اور پھر دیکھیں کہ وہ کیا ردعمل ظاہر کرتی ہے کہ مجھے لگتا ہے کہ وہ بس حادثے کے دن سب سے خوفزدہ تھی جیسے خوشی سے بات کرنے لگی ہے شہیر سے بھی کرنے لگے گی کہ اب کب تک وہ نیناں ولا زمیں رہے گی کہ شہیر اس کے لیے پریشان ہے۔ آج ایک اور ایکسپیریمنٹ کر کے دیکھ لیں پھر جو ہو گا دیکھا جائے گا۔'' وہ بات ختم کر کے سوپ تیار کرنے لگی تھیں۔

''آپ سچ میں میرے پاس ٹھہر رہی ہیں؟'' وہ اب بھی بے یقین تھا۔

''تم بالکل اپنے دوست پر پڑے ہو، جب یہ اسلام آباد کے بورڈنگ اسکول میں تھا میں اس کے پاس ٹھہرتی تھی تو یونہی حیرانی سے بار بار مجھ سے پوچھتا تھا۔ وہ مسکرا کر ان دونوں کو دیکھتیں اب بکھرا کمرہ سمیٹ رہی تھیں۔

''اور تھوڑی تھوڑی دیر میں مجھے چھو کر دیکھتا کہ کہیں میں غائب تو نہیں ہو گئی۔''

ابران یکدم جھینپ گیا تھا انہوں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بیٹے کے بال بکھیر دیئے تھے۔

''یہ یقین تم بھی وقتاً فوقتاً حاصل کر سکتے ہو، فی الحال سوپ پیئو۔'' نرمی سے اس کے سر پر چپت لگائی تھی اور انہیں دیکھتا وہ مسکرا دیا

تھا اوران کے کہنے پر ابران بھی رک گیا تھا کہ اس کا خود بھی یہی ارادہ تھا، فرازان سے بات کرتے ہوئے جھجک رہا تھا مگر وہ اس سے چھوٹی چھوٹی باتیں کر کے نہ صرف اس کا دھیان بٹانے میں کامیاب رہی تھیں اس کی جھجک بھی کم کر گئی تھیں اور اب وہ خود ان سے سوال کر رہا تھا انہیں اپنے بارے میں بتا رہا تھا۔ وہ دونوں ماں بیٹے اسے ایک پرفیکٹ فیملی کا احساس دے گئے تھے اس کی آنکھیں خوشی سے بار بار بھیگ رہی تھیں اور وہ اپنے رب کا شکر ادا کرنے لگا تھا کہ ایک غم کے ساتھ کتنی راحتیں آئی ہیں یہ ہم اندازہ لگا نا تو دور جان تک نہیں پائے کہ ہر غم میں اتنے ڈوب جاتے ہیں کہ خوشیاں ہمارے نزدیک آنے کی کوشش میں ساحل پر کھڑی رہ جاتی ہیں۔

☆......☆......☆

''السلام علیکم!''

وہ سب ڈائننگ ہال میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ شہیر کی آواز پر چونک اٹھے تھے۔

''وعلیکم السلام۔ آؤ بیٹا بالکل صحیح وقت پر آئے ہو۔'' سائرہ بیگم مسکرائی تھیں اور ارمان شیرازی نے اس کے سلام کا جواب دے کر نیناں شیرازی کی خالی سیٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کر دیا تھا کہ وہ فراز کے گھر پر تھیں اور فی الحال یہی کرسی شیریں کے برابر اسے بیٹھنے میں مدد دے سکتی تھیں کہ وہ آج ماں کے برابر مخصوص ابران کی جگہ پر بیٹھی تھی جبکہ اس کی مخصوص جگہ دادی کی جگہ سے نزدیک تھی کہ بچپن میں وہی اسے کھانا کھلاتی تھیں اسی لیے اب تک وہ سائرہ بیگم کے ساتھ والی کرسی پر ہی بیٹھتی تھیں۔ دوپہر میں نے انہوں نے اسے مصطفیٰ ہاؤس جانے کا کہہ دیا تھا بس جب سے ہی وہ ان سے خفا تھی اور بچپن سے اس کی یہی عادت تھی کہ جہاں ان سے خفا ہوئی وہیں وہ ابران کی کرسی پر آ بیٹھی کہ اس کے ہاسٹل میں ہونے کی وجہ سے وہی چیئر خالی ہوتی تھی۔ شہیر نے اس کی طرف دیکھا تھا جس کا چہرہ بہت تیزی سے سرخ ہوا تھا اور وہ جیسے ہی کرسی پر بیٹھا وہ ایک تیز ناراض نظر اس پر ڈالتی اٹھ گئی تھی۔

''شیریں، واپس بیٹھو، کہا ہے ناں ہزار دفعہ کہ کھانا چھوڑ کر نہیں اٹھتے۔'' سائرہ بیگم نے نرمی سے اسے ڈپٹا تھا اور وہ آنسوؤں پر بند باندھنے میں ناکام ہوتی، آنسو بہاتی واپس بیٹھ گئی تھی اور سب نے سکون کا سانس لیا تھا۔ شہیر کھا کم رہا تھا اس پر توجہ زیادہ تھی جو بار بار اپنے آنسو اور ناک دوپٹے سے رگڑتی محض پلیٹ میں چمچہ گھما رہی تھی وہ سب ایک ایک کر کے نامحسوس طریقے سے اٹھ کر چلے گئے تھے۔

''اب کیسی طبیعت ہے شیریں!'' وہ شہیر کی نرم سی آواز پر چونکی کہ وہ اپنے شغل میں اس قدر مصروف تھی کہ سب کب گئے جان ہی نہیں سکی تھی حیران ہوتی اسے ناگواری سے دیکھنے لگی تھی۔

''آپ کو اس سے کیا، میں جیئوں یا مروں؟'' وہ روتے ہوئے کہتی کھڑی ہو گئی تھی۔

''ایسے کیوں بول رہی ہو، مریں تمہارے دشمن۔'' وہ جو اس کے دوسری طرف کے ری ایکشن کو سوچ کر آیا تھا بالکل مختلف انداز دیکھ کر حیران تھا کہ وہ اس سے ڈرنے کے بجائے اس سے شکوے کرتی لڑ رہی تھی۔

''دشمن تو آپ کی میں تھی ناں، جبھی تو آگ کے حوالے کر کے ہسپتال پہنچا دیا اور ایک ہفتہ بعد خبر گیری کرنے آئے ہیں کہ زندہ

بھی ہوں یا مر مرا گئی ہوں۔'' اس نے اپنے بازو پر آ ٹھہرنے والے شہیر کے ہاتھ کو بے دردی سے جھٹکا تھا اور بھڑک کر بولتی چلی گئی تھی۔

''میں نے تمہیں آگ کے حوالے نہیں کیا تھا، میں تو بس اتنا چاہتا تھا کہ آگ کے حوالے سے تمہارا ہر خوف و اندیشہ ذہن و دل سے نکل جائے اسی لیے وہ سب کیا تھا مگر جب تم بے ہوش ہوئیں تو میں کتنا ڈر گیا تھا، کیسے پاگلوں کی طرح تمہیں بازوؤں میں اٹھا کر ہسپتال لے گیا تھا، کیسے ہر گزرتا لمحہ میری سانسیں چھین رہا تھا اور جب ڈاکٹرز نے تمہارے ہوش میں آنے کی خوشخبری دی تھی کیسے دیوانہ وار میں آئی سی یو کی جانب بھاگا تھا اور تم آنی سے لگ کر بلک بلک کر رو رہی تھیں، میری شکایتیں لگا رہی تھیں اور مجھے ماما نے اندر جانے سے روک لیا تھا اور پھر جب تم خوشی کو دیکھ کر خوف سے چیخ رہی تھیں تو میں بہت چاہتے ہوئے بھی ہاسٹل میں نہیں ٹھہرا تھا اور ایک ہفتہ میں کیسے تمہارے لیے پریشان رہا، روز تمہاری خیریت آنی اور ماما سے پوچھتا رہا اور تم کہتی ہو کہ مجھے تمہاری پرواہ نہیں ہے۔''

وہ وہاں سے جانے لگی تھی کہ اس نے اس کا بازو جارحانہ انداز میں پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا تھا مگر جب بولنا شروع ہوا تھا تو انداز کی تپش نہ تھی کہ اس کا لہجہ جذبات سے چور تھا جس میں وہ موم بن کر پگھلنے لگی تھی۔

''جبکہ میں تو تمہاری پرواہ کے خیال سے ہی تو تم سے نہ چاہتے ہوئے بھی دور رہا کہ تم خوشی اور مما کو دیکھ کر خوفزدہ ہو رہی تھیں تو مجھے اور سب کو یہی لگا کہ مجھے دیکھ کر تم زیادہ ڈسٹرب ہو گی اس لیے میں نے تمہیں سنبھلنے کا موقع دیا کہ یہ کہاں جانتا تھا کہ تم مجھ سے یوں بدگمان ہو جاؤ گی۔'' نرمی سے اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

''میں اس دن بہت ڈر گئی تھی، خوشی کو دیکھ کر مجھے وہ سب یاد آنے لگا تھا اس لیے میرا ڈر پھر سے زندہ ہو گیا تھا مگر پھر دھیرے دھیرے ہمیشہ کی طرح مما نے میرا ڈر اپنی محبت اور شفقت میں چھپا لیا تھا۔ انہوں نے مجھے اس بات پر قائل کر لیا تھا کہ آپ سب نے جو کچھ کیا میری بھلائی کے خیال سے کیا، تب ہی تو میں بوا اور خوشی کو دیکھ کر نارمل بی ہیو کرنے لگی تھی اور میں آپ کی راہ دیکھ رہی تھی، ہر آہٹ پر چونکتی رہی کہ آپ اب آ گئے ہو لیکن آپ نہیں آئے، جو کوشش خوشی نے اگلے دن ہی کر لی اس کوشش میں آپ نے ایک ہفتہ لگا دیا۔'' اس کے رونے میں اضافہ ہو گیا تھا۔

''میری وجہ سے تمہیں تکلیف پہنچی اس کے لیے سوری، بٹ یقین کرو تکلیف میں تو میں خود بھی رہا ہوں، تم سے ملنے کو بے تاب تھا مگر تمہاری صحت کے خیال سے بے تابی کو دل میں ہی دبائے رکھا اور تم مجھ سے بدگمان ہوتی رہیں، اتنا نہیں ہوا کہ میں نے اگر رابطہ نہیں کیا تو تم خود رابطہ کر لیتیں۔ اپنے گھر خود آ جاتیں۔'' آنسو پونچھتے ہوئے وہ بھی شکوؤں پر اتر آیا تھا اور وہ لب چبانے لگی تھی کہ اس سے کہہ نہیں سکی تھی کہ وہ اپنی ''میں'' سے گزر کر اس سے رابطہ نہیں کر سکتی تھی مگر وہ اس کے بن کہے بھی جان گیا تھا کہ اس کی ''میں'' سے واقف ہی تھا کہ ''میں'' تو اس میں بھی کم نہ تھی مگر انا کو اس نے رشتوں اور محبتوں کے آگے کبھی نہیں آنے دیا تھا اس لیے وہ ہر بار رشتوں اور محبتوں کے سامنے جھکنے کو ان کا حق سمجھ کر ترجیح دیتا تھا۔

''میں آپ کی منتظر تھی شہیر۔'' وہ لب چباتے ہوئے نگاہ جھکا کر منمنائی تھی اور وہ اس کے اتنے سے بھی اظہار پر خوش ہو گیا تھا۔

''اسی لیے تو میں آ گیا ہوں، تیار ہو جاؤ گھر چلتے ہیں، مصطفیٰ ہاؤس کے مکین اور در و دیوار بھی تمہاری راہ دیکھ رہے ہیں۔'' اسے نرمی سے خود سے لگا کر کہتے ہوئے اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

''آپ پھر سے مجھے کچن میں تو نہیں بھیجیں گے ناں؟'' وہ شرما کر اس کے حصار سے نکلی تھی اور اس کی آنکھوں میں بے چینی اور ہراس سا سمٹنے لگا تھا۔

''یاد رکھنا شیریں، میرا مقصد تم سے کام کروانا اس کے باوجود بھی نہیں تھا کہ میری خواہش ہے کہ میرا ہر کام تم کرو کہ میں نے وہ سب صرف تمہارے لیے کیا کہ تم مجھے ڈری سہمی اچھی نہیں لگتیں۔'' وہ بہت ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا تھا۔

''میں جہاں تک مجھ سے ہو سکا آپ کی خواہش کا احترام کروں گی۔''

وہ اس کی بات پر متحیر ہوا تھا اور وہ مسکرا دی تھی کہ نیناں نے اس کی بہت اچھے انداز میں برین واشنگ کی تھی تب ہی وہ دل سے اپنی خوشی سے کام کرنے کے لیے کہہ رہی تھی۔

''مجھے آپ کی نیت پر کسی قسم کا شک نہیں ہے، جانتی ہوں کہ آپ میری بہتری چاہتے ہیں لیکن وہ سب میرے ذہن و دل میں بس سا گیا ہے میں اس کے حصار سے نکل نہیں پاتی، اس لیے آپ کھانا بنانے کے علاوہ مجھ سے جو بھی کہیں گے میں آپ کا ہر ایک کام خوشی خوشی کر دوں گی۔'' اس نے اس کا تحیر دیکھ کر اپنے جملے کی کھل کر وضاحت دی تھی اور وہ مطمئن سا مسکرا دیا تھا۔

''کیا بات ہے، آنی نے تمہیں ایک ہفتہ میں بڑی نیک زوجہ کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔'' وہ اب اس کے حسین چہرے کو دیکھ کر شرارت سے کہہ رہا تھا۔

''آئی ایم سوری شہیر۔'' اس کے یکدم کان پکڑ لینے وہ متحیر ہوا تھا۔

''سوری کس لیے۔'' شہیر نے اس کے ہاتھ تھام لیے تھے۔

''ممی کے احساس دلانے پر مجھے احساس ہوا کہ میں آپ کے ساتھ بہت غلط کر جاتی ہوں، مجھے میرے ہر برے رویے کے لیے معاف کر دیں شہیر! اور پکا پرامس اب آئندہ آپ سے بدتمیزی بالکل نہیں کروں گی، آپ سے تیز لہجے میں بھی بات نہیں کروں گی اور آپ کی ہر بات مانوں گی۔'' وہ اپنے سابقہ رویوں کی معذرت کر رہی تھی۔

''سوچ لو جو کہہ رہی ہو محض کہنے کی حد تک نہ ہو۔''

وہ شرمندہ شرمندہ سی چہرے پر معصومیت بھرا تاثر لیے اسے ہمیشہ سے زیادہ اچھی لگی تھی۔

''میں آپ سے کوئی وعدہ یا دعویٰ نہیں کر رہی کہ میں تو بس کوشش کروں گی کہ ممی نے کہا ہے کہ کوئی کام بھی کوشش کے بغیر کامیاب یا ناکام نہیں ہو سکتا۔'' وہ مسکرائی تھی اور وہ ہنسنے لگا تھا۔

''یعنی طے ہوا کہ جہاں تم نے مجھے پریشان کیا وہیں میں نے تمہیں ہفتہ کے لیے آنی کے حوالے کر دیا تا کہ وہ تمہارا دماغ درست

کر دیں۔‘‘ وہ ہنستے ہوئے اسے چھیڑ رہا تھا اور وہ اپنے مخصوص انداز میں کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ اس زور سے ابکائی آئی تھی کہ وہ کچھ کہے بغیر کچھ فاصلے پر موجود کچن کی طرف بھاگی تھی جبکہ وہ بے حد پریشان ہو گیا تھا۔ ایک کے بعد ایک الٹی سے وہ بے حال ہوتی زرد چہرے کے ساتھ پلٹی تھی تو اس نے سہارا دے کر اسے کرسی گھسیٹ کر اس پر بٹھایا تھا اور پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا تھا۔ اس نے ایک گھونٹ پانی پی کر گلاس صلیب پر رکھا اور دوپٹہ سے گیلا چہرہ صاف کرنے لگی تھی۔

’’آر یو او کے شیریں! میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں۔‘‘ اس کی خطرناک حد تک پیلی رنگت اس کے اوسان خطا کر گئی تھی اس لیے وہ نہایت متفکر انداز میں بولا تھا۔

’’اس کی ضرورت نہیں ہے شہیر، کچھ دنوں سے مجھے یہ سب شکایات ہو رہی ہیں، ممی کہہ رہی تھیں کہ یہ سب کچھ ماہ تک لگا ہی رہے گا۔‘‘ اس نے دوپٹہ کے پلو سے آنکھوں کے گوشے صاف کیے تھے اور اس کی بات پر وہ چونک گیا تھا۔ وہ بات اس کے ذہن میں کلک کر گئی تھی جسے وہ فی الوقت فراموش کر گیا تھا۔ اس نے بے ساختہ اس کے چہرے کی جانب دیکھا تھا اس کی رنگت کچھ بحال ہونے لگی تھی۔

’’کیوں؟‘‘ معنی خیزی سے پوچھا تھا کہ اسے یہی لگا تھا کہ وہ اب تک اس خوشخبری سے انجان نہ ہو گی۔

’’پتہ نہیں، ممی نے کچھ بتایا ہی نہیں اور ڈاکٹر فردوس بھی صرف میڈیسن کے ساتھ نہ جانے کون کون سی ہدایات دے کر چلی گئی تھیں جبکہ مجھے آج کل کچھ اچھا نہیں لگتا، وومیٹنگ، متلی، دل گھبرانا، اس سب سے میرا برا حال ہے اور ممی سے کہو تو وہ ’’کچھ نہیں ہوا ہے‘‘ کہہ کر پتہ نہیں کہاں کہاں کی نصیحتیں کرنے لگتی ہیں۔‘‘ وہ منہ بنا کر اپنی ازلی معصومیت سے کہہ رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں معنی خیزی اور جذبوں کا رنگ مزید گہرا ہو گیا تھا۔

’’تم نے کبھی غور کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ آخر یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟‘‘ اس کا لہجہ معنی خیزی لیے ہوئے تھا۔

’’مجھے کیا پتہ کیوں ہو رہا ہے؟ اور آپ غور کرنے کو تو ایسے کہہ رہے ہیں کہ جیسے خدانخواستہ بیمار ہو جائیں تو ہر وجہ پر ہی غور کرتے رہتے ہیں۔‘‘ وہ اس کی معنی خیزی سمجھے بناء تپ کر بولی تھی۔ اس نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔

’’یہاں میں تکلیف میں ہوں اور آپ کو قہقہے سوجھ رہے ہیں، بات بھی مت کیجئے گا مجھ سے، اور میں آپ کے ساتھ گھر بھی نہیں جاؤں گی، سب کو میری غلطی میری بدتمیزیاں تو نظر آتی ہیں، آپ کا رویہ دکھائی نہیں دیتا کہ آپ میرے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں۔‘‘ وہ عجیب سا محسوس کر رہی تھی اس لیے اس کے ہنسنے پر رونے لگی تھی۔

’’میں تمہارے ساتھ اچھا پیار بھرا سلوک رکھے ہوئے ہوں جبھی کوئی مجھ سے کچھ نہیں کہتا۔‘‘ اس نے مسکراتے ہوئے جاتی ہوئی شیریں کے عین سامنے آ کر اس کے جانے کی راہ بند کر دی تھی۔

’’اپنے منہ میاں مٹھو بننے کی ضرورت نہیں ہے آپ کو، آپ کتنے اچھے ہیں میں یہ اچھے سے جانتی ہوں۔‘‘ اس کے انداز میں ہنوز خفگی تھی۔

''میری اچھائی تسلیم کرنے کا شکریہ مادام۔ لیکن میں لاکھ اچھا سہی، مجھے اپنی بیٹی تمہارے جیسی ہی اچھی چاہیے۔'' اس نے یکدم اس کا ہاتھ تھام کر ذومعنی لہجے میں کہہ کر اس کی شربتی آنکھوں میں جھانکا تھا اور وہ حیرانی سے عجب نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''یہ الٹیاں، دل متلانا یونہی بے سبب نہیں ہے۔'' وہ اس کی آنکھوں کی حیرانگی انجوائے کرتا ذومعنی لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ''جانِ شہیر، تم پریگنٹ ہو، میں پاپا بننے والا ہوں۔''

وہ بے اختیار اپنا ہاتھ کھینچتی چند قدم پیچھے ہوئی تھی اس کی آنکھوں میں لاکھ بے یقینی سی کیفیت ابھری تھی مگر چہرہ لہو چھلکانے لگا تھا اور وہ اس کی کیفیت سے حظ اٹھاتے ہوئے اپنی بات کو طول دے کر اس کی بے یقینی کی کیفیت زائل کرنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

''کیا ہوا شیریں، تم خوش نہیں ہوا تنی بڑی خبر پا کر۔''

وہ اس قدر گھبرائی تھی، کنفیوز ہوئی تھی کہ بے اختیار رونے لگی تھی اور وہ پریشانی سے اسے خود سے لگاتا دھیمے سے استفسار کر گیا تھا۔

''پتہ نہیں۔'' وہ سوں سوں کرتی منمنائی تھی کہ اس وقت اس کے جذبات اس کے احساسات عجیب سے ہو رہے تھے کہ اس کے تو سان و گماں میں بھی نہ تھا کہ بات یہ ہوگی۔ اس نے اس کا چہرہ دیکھا جو بے حد سرخ ہو رہا تھا لب ہی نہیں پلکیں بھی لرز رہی تھیں وہ اس کی کیفیت پر مسکرا دیا تھا۔

''میں بہت خوش ہوں شیریں، اور جب مجھے پتہ چلا تو میں بھی ایسے ہی بے یقین رہ گیا تھا تمہاری بھی بے یقینی ختم ہوگی تو تم ایک ایسی خوشی اپنے اندر سے اٹھتی محسوس کرو گی جس کا تمہارے پاس سے کبھی گزر بھی نہیں ہوا ہوگا۔'' نرمی سے اس کی پلکوں پر اٹکے آنسو پوروں پر چن لئے تھے۔ اس کا چہرہ مزید جھک گیا تھا۔

''باقی باتیں گھر جا کر، فوراً چلنے کی تیاری کرو۔'' وہ اسے اتنے عرصے میں تو اتنا جان گیا تھا کہ وہ بہت گہری تھی اتنی آسانی سے اپنے دل کی بات، اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرتی تھی اس لیے اس کے جذبات بعد میں جاننے کا ارادہ کرتا وہ خود ہی موضوع بدل گیا تھا۔

''میں آپ کے ساتھ نہیں جا رہی، ابھی تو ممی بھی گھر پر نہیں ہیں، میں ان سے ملے بغیر کیسے جا سکتی ہوں۔'' اس نے صاف کتر ائی تھی مگر اس کی جھجک اور گریز کو کسی خاطر میں ہی نہیں لایا تھا اور اس کا ہاتھ تھامے وہاں سے نکلا تھا۔ ڈائننگ ہال تو کیا لاؤنج میں بھی کوئی نہ تھا تب ہی اسے رو بیحا نظر آئی تھی جو سائرہ بیگم کے کمرے میں جانے کے لئے کمرے سے نکلی تھی اور وہ اسے جانے کا بتا کر اس کے ہزار واویلے کہ اسے اپنا سامان لینا ہے، گھر والوں کو جانے کا بتانا ہے ہر ایک بات کو نظر انداز کیے یونہی زبردستی اپنے ساتھ لیے گیراج تک آیا تھا۔

''بیٹھ رہی ہو یا یہ سعادت میں خود ہی اٹھاتے ہوئے تمہیں خود سے گاڑی میں بٹھا دوں۔''

قدرے تپے تپے انداز میں اس کا لہو رنگ چہرہ دیکھا تھا۔

''میں ڈیڈی سے آپ کی شکایت لگاؤں گی۔'' وہ اس کے یوں اپنے ساتھ کھینچ کر لانے کے سبب برہمی سے بولی تھی۔

''ماما سے ہی نہیں پاپا سے بھی شکایت لگا دینا کہ ویسے بھی مصطفیٰ ہاؤس میں ماما تھوڑی ہوں گے وہاں تو تمہارے سب سے بڑے

سپورٹر تمہارے پیارے ماموں جان ہوں گے۔ تمہیں سر آنکھوں پر بٹھانے کے لیے اور تمہارے سبب میرے کان کھینچنے کے لئے۔'' اس کے لیے فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے وہ متبسم لہجے میں بولا تھا اور وہ اسے گھورتی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی اور اس نے بھی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی اور ڈرائیونگ کے دوران بھی اس کی شوخیاں عروج پر رہی تھیں۔

☆......☆......☆

مصطفیٰ ہاؤس میں اس کا استقبال بہت خلوص و چاہت سے نہایت والہانہ انداز میں ہوا تھا کہ وہ تخلیق کے مرحلے سے گزر رہی تھی، اس گھر کو وارث دینے والی تھی اس لئے اس کی اہمیت کئی گنا بڑھ گئی تھی۔

''میں نے کھانا کھا لیا تھا بوا، آپ پریشان نہ ہوں۔'' رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ شہیر چونکہ اسے لینے گیا ہوا تھا اندازہ تھا کہ کھانا کھا کر آئے گا لیکن اس کے استقبال کے لئے وہ سب (بھوکے) پلکیں بچھائے بیٹھے تھے اور وہ اس سے انجان ایک ایک کے مبارکباد دینے پر سرخ پڑتی خفیف سی بولی تھی۔

''جھوٹ بول رہی ہے مما آپ کی لاڈلی! کہ مجھے دیکھ کر چہرے پر بارہ بج گئے تھے اور پورے ٹائم پلیٹ میں چمچہ ہی گھماتی رہی تھی، اس کی وجہ سے تو میں نے بھی ڈھنگ سے کچھ نہیں کھایا تھا۔'' وہ مسکرا کر بولا تھا اور اس کی گردن کچھ اور جھک گئی تھی، اس کے بعد ان سب نے مل کر خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا تھا، آج تمام ڈشز شیریں کی پسند کی بنی ہوئی تھیں مگر اس نے رابعہ کی وجہ سے ہی تھوڑا بہت کھایا تھا اور ایکسکیوز کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی اور وہ کھانا کھاتے بیٹے کو ہدایات دینے لگی تھیں۔

''ان محترمہ کے مزاج تو پہلے ہی ساتویں آسمان پر پہنچے رہتے ہیں، رہی سہی کسر آپ لوگ اب نکال دیں گے۔'' اس نے ماں اور دادی کو دیکھا تھا وہ دونوں ہی مسکرا دی تھیں۔

''شیریں میں ہم سب کی ہی جان بستی ہے اور اب تو اس کی اہمیت کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ اپنی پلکوں پر بھی بٹھا لیں تو بھی کم ہو گا۔'' رابعہ کے لہجے میں شیریں کے لئے چاہت کا ایک جہاں سمایا ہوا تھا وہ مسکرا کر اٹھ گیا تھا کہ ان سب کے خلوص کے آگے کچھ کہنا معنی نہیں رکھتا تھا مگر کچھ دنوں میں ہی وہ گھبرا گئی تھی کہ اس کے اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے پر اس طرح نظر رکھی جا رہی تھی کہ اسے چڑ ہونے لگی تھی کو طبیعت ویسے ہی بوجھل رہتی تھی۔ اس پر روک ٹوک الگ وہ پریشان ہو کر رہ گئی تھی مگر بول کچھ نہیں پا رہی تھی کہ سسرال سے چند دن میکے رہنے گئی تھی تو وہاں بھی یہی حال تھا۔ ایسے میں ان سب کی چاہتوں و توجہ کی عادی شیریں مزید عادی ہوتی جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

''شانیہ نے شادی کے لئے رضامندی دے دی ہے۔'' شہباز کو چائے دیتے ہوئے بولتی وہ اسے چونکا گئی تھی۔ ''پھپھو کہہ رہی تھیں کہ آپ لڑکے سے مل لیں، چھان بین کر لیں کہ آپ کے تسلی بخش جواب کے بعد ہی وہ آگے بات بڑھائیں گی۔'' وہ صوفے پر ٹک گئی تھی اس نے دھیمے سے ''ٹھیک ہے'' کہا اور چائے پینے لگا اور وہ اس کی غیر معمولی خاموشی کو محسوس کرتی بے اختیار پوچھ گئی تھی۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

وہ حیرانگی سے اسے دیکھنے لگا تھا وہ چاہے اس گھر میں رچ بس گئی تھی مگر ان کے درمیان اجنبیت نہ سہی، دوری بہت طویل تھی۔ جسے وہ دونوں ہی پانا نہیں چاہتے تھے۔

''اوہوں، سر میں تھوڑا درد ہے۔'' وہ اس کی نظر خود پر محسوس کرتی نگاہ چرا گئی تھی اور وہ اس کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ کر نرمی سے جواب دے گیا تھا۔ وہ اس کو دیکھنے لگی تھی، اس کا خوبصورت چہرہ ریا سے پاک، نرمیاں بکھیر رہا تھا اسے یکدم یہ احساس کچوکے لگانے لگا تھا کہ وہ اس شخص کے ساتھ نہایت برا کر رہی ہے۔ ابران سے ہوئی آخری بات کے بعد وہ سراب کو وہیں سیڑھیوں پر چھوڑ آئی تھی کہ اس کے آنسو تو ابران اپنی پوروں پر چن کر لے گیا تھا اور اس نے خوش رہنا سیکھنا شروع کر دیا تھا مگر جس سے اصل خوشی جڑی تھی اس کی جانب پیش قدمی کرتے اس کی انا بھی آڑے آئی تھی اور اس کی حیا بھی! کہ وہ بھی تو ہر بات محسوس کر کے بھی انجان بنا ہوا تھا۔ اس کے خیال رکھنے پر متحیر ہوتا تھا، حق سمجھ کر اس خیال رکھنے والی کو پہلو میں جگہ نہیں دے رہا تھا جبکہ دل آباد تو اس کے دم سے تھا، بے اختیار اس کے آنسو گرنے لگے تھے جبکہ وہ اس تک آیا تھا اور گھٹنوں کے بل کارپٹ پر اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا وہ رونا بھول کر اسے حیرانگی سے دیکھنے لگی تھی اور اس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

''میرے کھانے پینے، کپڑوں کا خیال رکھنے لگی ہو مگر میر ذات کو بھی تو تمہاری توجہ درکار ہے۔'' وہ نرمی سے کہہ رہا تھا اور وہ حیرانگی سے بس اسے دیکھے جا رہی تھی۔

''میرے لیے میری پسند کا کھانا بناتی ہو مگر میری تعریف کی پرواہ نہیں کرتیں، کبھی نہیں پوچھتیں کہ مجھے کھانا کیسا لگا؟'' وہ اس کی متحیر آنکھوں میں نرمی سے دیکھنے لگا تھا۔

''میرے لیے بلا مبالغہ ہر گھنٹے بعد چائے لاتی ہو، کبھی حق سے میری چائے کو جھوٹا نہیں کرتیں، کبھی حق سے میری چائے میں حصہ دار نہیں بنتیں۔''

جو ہاتھ تھاما ہوا تھا اسی پر دباؤ ڈال کر اسے کھڑا کیا تھا اور شانے تھام لیے تھے۔

''میرے لباس میں رچی میری خوشبو کو دھو ڈالتی ہو، میرے لباس کی صفائی و خوبصورتی کا خیال رکھتی ہو مگر میری زندگی کو بے رنگ چھوڑا ہوا ہے، کبھی چاہا ہی نہیں کہ میرے تن کی خوشبو تمہارے پیرہن سے لپٹ جائے، تمہیں تم سے چرا لے اور میری ذات، تمہاری ذات کو رنگ کر خوبصورت ہو جائے۔''

وہ اب با قاعدہ لرزتی لب کچل رہی تھی۔

''تم بہت بے رحم ہو یمانی، میرا خیال تو رکھتی ہو مگر مجھے اپنا خیال رکھنے نہیں دیتی ہو، میرے چھوٹے موٹے کام کر کے اسی بہانے سے میرے قریب رہتی ہو مگر مجھے خود اپنے قریب نہیں آنے دیتی ہو۔'' اس کی انگلیاں یمانی کی لرزتی پلکیں چھو رہی تھیں۔ ''کبھی مجھے بھی تو

میرا حق جتانے دو، یہ بتانے دو کہ تمہاری بے رخی کے باوجود، یہ جاننے کے باوجود کہ میں تمہاری محبت نہیں ہوں، میرے دل کی سب سے اونچی مسند پر تم برسہا برس سے کسی ملکہ کی طرح براجمان ہو۔"

اس کا لہجہ ہموار مگر کافی گھمبیر تا اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھا وہ کچھ اور حیرت سے اس کو دیکھنے لگی تھی وہ دلکشی سے مسکرا دیا تھا۔

"جب دل نے دھڑکنا سیکھا، نظر کے سامنے تم تھیں، جب نظر نے نگاہ کے راستے دل میں اتارنا سیکھا تو تم دل بن کر سینے میں دھڑک رہی تھیں، میری پہلی چاہت تم ہو یمانی، میں نے اگر کسی کو چاہا ہے تو وہ تم ہو۔" وہ اس کے سرد ہاتھوں کو اپنی ہتھیلی میں قید کرتا ایک جذب سے بولتا اس کی تو بولتی ہی بند کیے ہوئے تھا۔

"مگر تم کسی اور چاہتی تھیں اس لیے کبھی اپنے لیے تمہیں نہیں مانگا لیکن تم میری بن مانگی دعا بن کر مجھے یوں ملیں کہ ہر سدا ہی دعا ہو جیسے۔" وہ اس کو بیڈ تک لے آیا تھا۔ اسے بیڈ پر بٹھا کر خود اس کے برابر ہی ٹک گیا تھا۔

"میں نے تمہیں کسی احسان یا فرمانبرداری میں اپنی زندگی میں شامل نہیں کیا تھا بلکہ تمہیں شامل کرتے ہوئے میرا دل خوش و مطمئن تھا، میرے اللہ نے میری محبت کے نصیب میں وصل لکھ دیا تھا، شادی کی پہلی رات وہ سب اس لیے کہا تھا تا کہ تم ہمارے رشتے کو سمجھ لو کہ میں نے تمہاری اور عالیہ کی وہ تمام باتیں سن لی تھیں جو تم نے اور اس نے یونیورسٹی کی کینٹین میں کی تھیں۔"

وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"تمہارے دل کی خبر تھی اس لیے چاہتا تھا کہ تم اپنی محبت کو بھلانے میں کامیاب ہو جاؤ تب ہمارے رشتے کی ابتداء ہو اسی لیے رخصتی بھی نہیں چاہتا تھا مگر امی کی وجہ سے مجبور ہو گیا اور تم سے وہ سب کہہ دیا جو تمہیں مجھ سے بدگمان کر گیا تھا لیکن یقین کرو کہ میں نے تمہیں چاہا ضرور تھا مگر یہ نہیں چاہا تھا کہ تم اپنی محبت سے دور ہو جاؤ مگر قسمت کے آگے ہماری نہیں چلی، تم میری بن گئیں اور میں تو چاہتا ہی صرف تمہیں وقت دینا تھا اور کچھ عرصے سے میں محسوس کر رہا تھا کہ تم نے ہمارا رشتہ قبول کر لیا ہے اور یہ احساس آج شدت سے ہوا اس لیے تم تک چلا آیا کہ تم سے انجان بھی رہا تو تمہارے لیے۔"

وہ ثابت کر گیا تھا کہ اس نے سچی محبت کی تھی اس لیے انا کو درمیان میں نہیں لایا تھا، محبت وانا ایک ساتھ نہیں رہ سکتے اور اس نے یہ جانتے ہوئے کہ وہ ابران سے محبت کرتی ہے شادی کی تھی اور وہ کم ظرف ثابت ہو سکتا تھا مگر اس کی چاہت بے لوث تھی اور محبت کا ظرف تو بہت بڑا ہوتا ہے جیسے اس نے یمانی کے ہر برے رویے واس کی محبت کو فراموش کر دیا تھا۔

"آئی ایم سوری شہباز۔" وہ روتے ہوئے بولی تھی۔ "میں آپ سے آج آپ کی طرح کچھ نہیں چھپاؤں گی نہ ہی جھوٹ بولوں گی۔ یہ سچ ہے کہ میں نے ابران سے محبت کی تھی اور وہ محبت پوری طرح میرے دل سے نہیں نکلی اس کے باوجود کہ میرے دل میں آپ کی محبت بھی سما گئی ہے۔"

وہ بہتی آنکھوں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

''بڑی ممی نے کہا تھا کہ نکاح کے بولوں میں بڑی طاقت ہوتی ہے یہ اجنبیوں کو رشتے کی ہی نہیں محبت کے ڈور میں بھی باندھ دیتے ہیں اور میرا دل بھی آپ کی چاہت سے لبریز ہے۔ سچ کہوں نہ تو دوریاں آپ کو ہی نہیں مجھے بھی بری لگ رہی تھیں۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دیں کہ میں آپ کو آپ کی طرح نہیں چاہتی مگر اتنا یقین رکھیں شہباز کہ چاہتی تو آپ کو میں بھی بہت ہوں۔''

وہ روتے ہوئے اس کے کاندھے پر سر ٹکا گئی تھی۔

''ابران اب صرف میرا ماضی ہیں اور پلیز میرے ماضی کو فراموش کر کے مجھے اپنا حال بنا لیں کہ میں اب سے زندگی کا ہر لمحہ زندگی کی موت تک آپ کے ساتھ، آپ کی وفا کی چھاؤں میں گزارنا چاہتی ہوں۔''

وہ اس کو بہت آس سے دیکھ رہی تھی۔

''میری ذات وچاہت کا شجر صرف تمہارے لیے تھا، تمہارے لیے ہے اور تم پر سایہ کیے رہے گا۔'' اس کے آنسو پونچھے تھے اور اس کو مسکراتے دیکھ کر وہ نظر جھکاتی حیا سے مسکا دی تھی کہ غم کی رات کو وصل نے تابانی بخش کر اسے سحر سے زیادہ پرنور بنا دیا تھا اور رات تو اب بھی باقی تھی مگر غم پانی کے بلبلے کی مانند رات سے سرگوشیاں کرتی ہوا میں تحلیل ہو گیا تھا کہ اب تو صرف وہ تھے اور ان پر اللہ کی مہربانیاں کہ اللہ غم دیتا ہے تو اسے اڑانے کو ہوا بھی تو چلاتا ہے۔ یمانی کا دل اللہ کے آگے سجدہ ریز ہو گیا تھا۔ اس کے رب نے اسے سراب کے پیچھے سرپٹ بھاگنے سے بچا کر ایک مہربان شخص کی ہمراہی عطا کر دی تھی اور اللہ کی دی نعمتیں یونہی اطمینان وسکون کا باعث بن جاتی ہیں جیسے وہ اس کے سینے سے لگی خود کو بہت پرسکون اور ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی اور یہی کچھ حال شہباز کا تھا کہ اس نے ناشکری نہیں کی تھی اور نہ ہی صبر کو بکھرنے دیا تھا اس لیے اطمینان سے مسکرا رہا تھا۔

☆......☆......☆

''ادیان! کھانا کیوں نہیں کھا رہے؟''

وہ سب کافی دیر سے اسے خالی پلیٹ میں غائب دماغی سے چمچہ گھماتے دیکھ رہے تھے کہ یمنیٰ ضبط کھوتیں بالآخر اسے ٹوک گئی تھیں۔

''جی۔'' بری طرح سے چونک کر اس نے ماں کو دیکھا تھا۔

''کیا ہوا بیٹا، پریشان لگ رہے ہو، طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔'' یمنیٰ نے نرمی سے استفسار کیا تھا کہ وہ کچھ کہے بغیر کرسی کھسکا کر اٹھ گیا۔

''کہاں جا رہے ہو؟ کھانا تو کھا لو۔'' یمنیٰ بولی تھیں باقی سب اسے حیرانگی سے دیکھ رہے تھے۔

''ممی! میں کھا چکا ہوں۔'' وہ کہہ کر بڑی تیزی سے نکل گیا تھا اور وہ سب پریشان ہو گئے تھے کہ وہ کھائے بغیر ہی اٹھ گیا تھا۔

''یمنیٰ بیٹا، ابھی کھانا کھا لو بعد میں اس کے لئے کھانا لے جانا، کچھ پریشان لگ رہا تھا، اس لیے نرمی سے وجہ بھی پوچھ لینا۔''

سائرہ بیگم کے نرمی سے کہنے پر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی واپس بیٹھ گئی تھیں۔

''ممی! ریئلی کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ اپنے دل سے مجبور دس منٹ بعد ہی بیٹے کے سامنے موجود تھیں۔

''کیسے کوئی بات نہیں ہے، تم مجھے کل رات سے ہی ڈسٹرب لگ رہے ہو، بیٹا ماں تمہاری، اپنی ماں سے کہہ دو جو بھی مسئلہ ہے۔'' انہوں نے شفقت سے کہہ کر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''ممی، بلیومی، کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ ماں کی گود میں سر رکھ گیا تھا اور وہ اس کے لہجے میں نمی سی محسوس کر کے مزید بے چین ہو گئی تھیں۔

''بیٹا، دل کی بات کہہ دینے سے بوجھ نہیں رہتا۔'' وہ اس کے سیاہ گھنیرے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی تھیں کہ وہ چاہے کچھ بتانے کو راضی نہ تھا مگر اس کی اداس آنکھیں اور سرخ چہرہ چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ کوئی بات ضرور ہے مگر وہ ان کے پرشفیق اصرار پر بھی کچھ نہیں بولا تھا۔

''اوکے، تم اٹھ کر فرش ہو جاؤ۔ میں تمہارے لیے کھانا لے آتی ہوں۔'' سر پر بوسہ دیتی کہہ گئی تھیں کہ بات پھر کبھی کر لینے کا سوچ لیا تھا۔

''آپ جا کر سو جائیں ممی، مجھے بھوک نہیں ہے۔'' اس نے کہہ کر سر اٹھایا تھا اور واش روم میں گھس گیا تھا جبکہ اس کی آنکھوں کے بھیگے گوشے ان کا رہا سہا اطمینان بھی غارت کر گئے تھے اور وہ بوجھل دل کے ساتھ اس کے کمرے سے نکل گئی تھیں، نیند ان کی آنکھوں سے دور تھی کہ رہ رہ کر بیٹے کی پریشانی کا خیال آ رہا تھا اور وہ کچھ سوچ کر کچن میں چلی آئی تھیں تاکہ اس کے لیے دودھ ہی لے جائیں کہ اس نے تو کھانا بھی نہیں کھایا تھا مگر جس وقت وہ بیٹے کے کمرے میں آئیں اسے وہاں نہ پا کر زمین اپنے پیروں تلے سے نکلتی محسوس کرنے لگی تھیں۔ پریشانی سے اس کا نمبر ڈائل کیا تھا مگر سوئچ آف تھا انہوں نے ساڑھے گیارہ بجاتی گھڑی کو دیکھ کر متفکر انداز میں بیٹے کے واحد دوست کو کال ملائی تھی اور کوئی مثبت جواب نہ پا کر وہ اس کے کمرے سے نکلی تھیں۔ آنسو ان کی آنکھوں سے روانی سے بہہ رہے تھے اور اسی عالمِ پریشانی میں انہوں نے دروازہ بجا ڈالا تھا۔ دوسری دستک پر نیناں شیرازی نے دروازہ کھولا تھا۔ عمر نے چاہے کتنی ہی طویل ساعتیں طے کر لی تھیں مگر اس طرح کا سامنا ان دونوں کے لیے ہی آزمائش ثابت ہوا تھا اور وہ ہزار پریشانی کے باوجود سامنے کھڑی ارمان شیرازی کی پہلی بیوی سے یہ نہیں کہہ سکی تھیں کہ وہ بیٹے کی وجہ سے بہت پریشان ہیں اور اپنے شوہر کی ضرورت ہے اس لیے اسے بھیج دو، وہ میکانکی انداز میں پلٹ گئی تھی اس وقت بیٹے کی فکر بھی کہیں جا سوئی تھی کہ شادی کے طویل سالوں میں بھی کبھی دونوں جانب سے ہی ایسا نہیں ہوا تھا کہ دوسرے کی باری میں مخل ہوا جاتا۔ یمنیٰ نے اپنے لیے تو دور کبھی بچوں کی وجہ سے بھی ارمان شیرازی کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس نے انہیں طلب نہیں کیا تھا جبکہ وہ اپنے دل سے مجبور، چاہت کے آگے بے بس، کبھی خود سے یمنیٰ کی ضرورت کو اتنی گہرائی سے سمجھ نہیں سکے تھے کہ جب بھی نیناں شیرازی اور ان کے بچوں کو ان کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ پہلے سے ہی موجود ہوتے تھے۔ یمنیٰ دوسری بیوی تھیں اور تاعمر دوسری ہی رہتی تھیں کہ وہ ان سے صرف رشتہ نبھاتے تھے اور نیناں شیرازی کے ساتھ اپنے خوبصورت احساس تلے جیا کرتے تھے کہ زندگی گزارنے اور زندگی جینے میں فرق ہوتا ہے اور ان کے ساتھ وہ زندگی گزار رہے تھے اور نیناں شیرازی کے ساتھ زندگی کو جی رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں تیزی سے آنسو جمع ہو رہے تھے وہ لمحہ لمحہ نیناں شیرازی کی آنکھوں سے اوجھل ہو رہی تھیں اور ان کا ٹھہر جانے والا احساس

بھی جیسے زندہ ہونے لگا تھا۔

''یقیناً کوئی بڑی بات ہوگی وگرنہ یمنیٰ رات کے اس پہر ہمارے دروازے پر دستک نہ دیتی۔''

یہ پہلی سوچ تھی جو ذہن میں ابھری تھی اور وہ بے چین ہوگئی تھیں کہ دوسرا خیال ادیان کے حوالے سے تھا۔

''نیناں، کہاں رہ گئی ہو یار، کون ہے دروازے پر؟'' انہوں نے شوہر کی آواز پر بڑی سرعت سے آنسو پونچھے اور مڑ کر انہیں دیکھنے لگی تھیں جو سوالیہ انداز میں انہی کو دیکھ رہے تھے اور انہیں سمجھ نہیں آیا تھا کہ کیسے آنے والے اس سائل کا بتائیں جو ہر حق کے باوجود بھی نہ صرف سائل کی حیثیت سے ان کے دروازے تک آئی تھیں اور تمام تر حقوق کے باوجود صدا بلند کیے بنا ہی خالی کاسہ لیے لوٹ گئی تھیں کہ کچھ در ایسے بھی ہوتے ہیں جن پر قسمت کے مارے دستک تو دے دیتے ہیں مگر وہاں سے کچھ ملنا مقدر میں ہی نہیں ہوتا اور مل بھی جائے تو سکون واطمینان غارت ہو جاتے ہیں جیسے وہ اپنا سکون گنوا کر رو رہی تھیں اور وہ کسی قصور کے نہ ہوتے ہوئے بھی خود کو یمنیٰ کا مجرم سمجھنے لگی تھیں کہ وہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر مجبور تھیں اور مجبوری یونہی کسی بھی دروازے کا سائل بنا دیتی ہے۔

''نیناں۔'' ان کی آنکھوں میں مچلتے آنسو دیکھ کر وہ لمحہ کے ہزارویں حصے میں بے چین ہوتے ان تک پہنچے۔

''دروازے پر یمنیٰ تھیں۔'' ان کی جانب بڑھا ہاتھ ہوا میں معلق رہ گیا تھا۔ وہ بھی حد درجے بے یقین تھے جبکہ وہ سرخ چہرے ساتھ پلٹ گئی تھیں۔

''شاید کوئی بات ہوئی ہے آپ جا کر دیکھیں۔'' ان کا لہجہ بھیگا ہوا تھا اور وہ بے چینی محسوس کرتے ان کی طرف بڑھ رہے تھے کہ پھر کچھ سوچتے نائٹ گاؤن کی ڈوریاں کستے کمرے سے نکل گئے تھے اور کب کے ٹھہرے آنسوؤں کو بہنے کا راستہ مل گیا تھا۔ وہ بیڈ پر ہارے ہوئے انداز میں گر سی گئی تھیں۔

''یمنیٰ۔'' بے چینی سے ٹہلتیں یمنیٰ شیرازی نے چونک کر ان کی جانب دیکھا تھا اور وہ ان کی نم آنکھوں کو دیکھ کر نہ جانے کیوں شرمندگی محسوس کرنے لگے تھے۔

''آر یو او کے؟'' آج اپنی ہی بیوی سے بات کرتے انہیں لفظوں کا چناؤ کرنا بہت مشکل لگ رہا تھا۔

''میں تو ٹھیک ہی ہوں مجھے کیا ہونا ہے۔'' وہ جس اذیت سے گزری تھیں اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ تلخ ہوگئی تھیں اور وہ بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگے تھے۔

''ادیان نہ جانے کہاں چلا گیا ہے، کال بھی ریسیو نہیں کر رہا۔'' گہری سنجیدگی سے بولی تھیں اور لفظوں کا چناؤ کرتے ارمان شیرازی متفکر ہو گئے تھے۔

''یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ اتنی رات گئے وہ آخر کہاں جا سکتا ہے؟'' وہ خود کو شرمندگی وہر احساس سے نکالنے میں کامیاب ہوتے بیٹے کے لیے فکر دکھا رہے تھے۔

''مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا تو یوں رات گئے آپ کو ڈسٹرب نہ کرتی۔'' دل پر ایسی چوٹ لگی تھی کہ زبان پر طنز آلپٹا تھا اور وہ کچھ کہے بغیر بیٹے کا نمبر ڈائل کرنے لگے تھے مگر اس کا نمبر بند تھا اور فواد بھی لاعلم ہی تھا کہ وہ کہاں ہے اور اسی نے انہیں بتایا تھا کہ وہ اکثر بیچ پر چلا جاتا ہے اور وہ اسے وہیں تلاشنے کا ارادہ کرتے گیراج کی جانب بڑھنے لگے تھے۔

''پلیز یمنیٰ، ڈونٹ وری، میں جا رہا ہوں ناں وہ مل جائے گا۔'' انہوں نے ساتھ چلنے کا کہا تھا تب وہ رک کر نرمی سے دلاسہ دینے والے انداز میں بولے تھے اور وہ کچھ کہتیں کہ مین گیٹ پر آہٹ ہوئی تھی اور چوکیدار کے گیٹ کھولتے ہی وہ بائیک اندر لے آیا تھا۔ وہ لپک کر سوگواریت چہرے پر طاری کیے سرخ آنکھوں والے بیٹے تک آئی تھیں۔

''ادیان! کہاں چلے گئے تھے بیٹا؟'' وہ شدتوں سے رو رہی تھیں اور اسے یکدم شرمندگی نے گھیرا تھا کہ اس نے اپنے دکھ میں ڈوب کر انہیں حد درجہ تکلیف پہنچائی تھی۔

''گھر میں میرا دم گھٹ رہا تھا اس لیے ہوا خوری کے لئے چلا گیا تھا۔''

اس کی آنکھوں میں کرب سا سمٹ آیا تھا۔

''مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ، کیوں کر رہے ہو ایسا؟ بتاؤ مجھے کیا بات ہے؟ کیوں پریشان ہو۔'' وہ اس کا بازو تھام کر چیخ اٹھی تھیں۔ ''کہاں سے آرہے ہو اتنی رات کو؟''

ان کے ہاں دس بجے ہی رات ہو جاتی تھی اس لیے ساڑھے بجے اس کا باہر سے آنا تشویش کا باعث تھا کہ اس صورت میں خاص طور پر کہ وہ جاتے ہوئے کچھ بتا کر بھی نہیں گیا تھا۔

''کچھ نہیں ہوا ہے، ٹھیک ہوں میں، آپ پریشان نہ ہوں۔'' وہ بڑی تیزی سے واگس سے نکلتا چلا گیا تھا۔

''آپ نہ روئیں یمنیٰ، میں بات کروں گا اس سے، یو ڈونٹ وری۔'' بیٹے کی شکستہ حال، آزردہ چہرے، سرخ آنکھیں انہیں پریشان کر گئی تھیں مگر وہ اس کے پیچھے جانے کے بجائے نرمی سے انہیں دلاسہ دے رہے تھے۔

''آپ کو کوئی ضرورت نہیں ہے میرے بیٹے سے بات کرنے کی، آپ جا کر آرام سے سو جائیے۔'' وہ ان کا ہاتھ کاندھے سے ہٹاتیں وہاں سے نکلتی چلی گئی تھیں۔

''یمنیٰ، آپ اس طرح بی ہیو کیوں کر رہی ہیں۔'' وہ ان کے پیچھے ہی کمرے میں آئے تھے جو بیڈ پر بیٹھیں بری طرح رو رہی تھیں۔

''میں کیسا بی ہیو کر رہی ہوں؟ میں نے تو آپ سے کچھ کہا ہی نہیں کہ کچھ کہنے کا حق ہی کب رکھتی ہوں، میں تو آپ سے شرمندہ ہوں کہ اپنی پریشانی میں آپ کے آرام کا خیال ہی نہیں رہا اور خواہ مخواہ آپ کو ڈسٹرب کر دیا۔'' ان کے رونے میں بدستور اضافہ ہو رہا تھا۔

''یمنیٰ، ایسے کیوں کہہ رہی ہیں، مانتا ہوں آپ ادیان کو لے کر پریشان ہیں اور مجھے بھی اپنے بیٹے کی اتنی ہی فکر ہے جتنی آپ کو۔'' وہ چل کر ان کے برابر آ ٹکے تھے اور نرمی سے کہنے لگے تھے کہ وہ بول پڑی تھیں۔

''آپ کو ہوتی ادیان کی ذراسی فکر تو جب وہ کھانا کھائے بغیر دستر خوان سے اٹھ گیا تھا تو آپ اس کے پاس جاتے، نرمی سے وجہ پوچھتے مگر آپ نے ضرورت ہی نہیں سمجھی اور آرام کرنے چلے گئے کہ آپ کے نزدیک ادیان کی پریشانی اہم نہ تھی۔'' وہ ان کے پہلو سے اٹھتیں چیخ پڑی تھیں جبکہ وہ نرم خو اور صابر یمنیٰ کا یہ روپ انتہائی حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

''آپ فضول میں غصہ ہو رہی ہیں کہ ادیان مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہے، اس کی فکر تھی مجھے جب ہی۔''

''او پلیز، بند کر دیں یہ کتابی باتیں، آپ کو اس کی فکر ہوتی تو وہ کھانا کھائے بغیر نہ اٹھتا، آپ کو صرف اپنی پرواہ رہتی ہے، میں یا میری اولاد چاہے جیئے یا مرے۔''

وہ ان کو بے یقینی سے دیکھ رہے تھے۔

''آپ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ میں ادیان کو لے کر کس قدر مضطرب تھی، اسے کمرے میں نہ پا کر کتنا ڈر گئی تھی اور یہی ڈر مجھے اس در تک لے گیا جہاں میں نہ سر اٹھا کر جانا چاہتی تھی، نہ نگاہ چرا کر، مگر بے سوچے سمجھے، میری ممتا بھری فکر مجھے اس در پر کسی بھکارن کی طرح لے گئی جہاں میں اپنے ہر حق کے باوجود یہ تک نہیں کہہ سکی کہ میرے شوہر کو بھیج دو کہ مجھے اس کی ضرورت ہے۔'' وہ بری طرح بلک رہی تھیں۔ آج کے سامنے نے انہیں اندر تک توڑا ہی نہ تھا ان کے صبر کی طنابیں بھی کھینچ ڈالی تھیں۔ وہ بلکتی ہوئی یمنیٰ کو بے یقینی سے دیکھ رہے تھے کہ ایسی ٹوٹی پھوٹی حالت میں انہوں ین اپنی دشمنِ جاں کو تو بارہا سنبھالا تھا مگر سامنے کھڑی عورت پر ہر شرعی حق رکھتے ہوئے بھی دلاسہ دینے کی ان میں ہمت نہ تھی کہ آج ان کو اس حالت میں دیکھ کر انہیں احساس ہو رہا تھا کہ ان تینوں کی خوشگوار زندگی میں ان دونوں کا تو کمال ہی نہ تھا کہ سارا کمال تو یمنیٰ کے صبر، ان کی برداشت و معاملہ فہمی کا تھا کہ انہوں ین جہاں جہاں حوصلہ دکھایا تھا وہاں برداشت کا مظاہرہ کرنا ہر عورت کے بس کی بات نہیں ہوتی اور وہ تو زندگی کی ہر آزمائش پر کھری اتری تھیں اور آج انہیں احساس ہو رہا تھا کہ اپنے عشق کی راہ پر چلتے ہوئے انہوں نے اس عورت کو بڑا ہی آزمایا تھا کہ اگر ان کی سچی خوشی نیناں سے جڑی تھی تو انہوں نے صرف ارمان شیرازی کی خوشی کے لیے اپنی خوشی تیاگ دی تھی، خود دکھی رہ کر ان کے سکھ کا ساماں کیا تھا۔ بلکتی ہوئی یمنیٰ کو دیکھ کر شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ آج ان کی انا بری طرح متاثر ہوئی ہے کہ ایک عورت کی انا بہت مضبوط ہوتی ہے جس کے لئے وہ خود کو اپنی خوشی تیاگ دیتی ہے جبکہ ایک ماں میں انا سے زیادہ ممتا ہوتی ہے اور وہی ممتا آج اس کے لیے امتحان بن گئی تھی۔

''آپ کی تکلیف محسوس کر رہا ہوں، سمجھ سکتا ہوں کہ آپ اس وقت بہت تکلیف میں ہیں مگر میرا یقین رکھیں یمنیٰ کہ میں نے آپ کو یا ہماری اولاد کو کبھی غیر اہم نہیں سمجھا، آپ میرے لئے بہت معنی رکھتی ہیں۔ آپ میرے لئے اتنی ہی اہم ہیں جتنی ایک بیوی ہوتی ہے۔'' وہ بلکتی ہوئیں یمنیٰ کو خود سے لگا گئے تھے۔ ''شادی کیسے ہی حالات میں ہوئی، دل کا ناطہ چاہے کسی سے بھی جڑا رہا مگر جب آپ کو زندگی میں شامل کیا تو پورے خلوص و سچائی کے ساتھ کیا، خلوص اور محبت کے بغیر تو رشتے بے جان ہو جاتے ہیں اور کیا آپ کو ہمارا رشتہ بے جان لگتا ہے؟''

وہ ان کا چہرہ اوپر کیے سوال کر رہے تھے۔

''آئی ایم سوری ارمان، زندگی میں کبھی آپ کی ضرورت بہت زیادہ محسوس ہوئی اور آپ پاس نہ تھے تو بھی قسمت کے لکھے پر قادر رہی لیکن آج ضبط نہیں کر سکی۔'' وہ یکدم شرمندہ نظر آنے لگی تھیں۔

''معافی تو آپ سے مجھے مانگنی ہے آپ کو میں نے بہت ہرٹ کیا ہے، بٹ یقین رکھیں یمنٰی کہ آپ میرے لئے بہت اہم ہیں، محبت کرتا ہوں آپ سے مگر آپ کی بدگمانی جان کو محسوس ہو رہا ہے کہ میری محبت میں ہی کمی رہ گئی ہے۔'' وہ ان کے سرخ چہرے کو دیکھ کر آزردگی سے بولے تھے۔

''میں آپ سے، آپ کی محبت سے بدگماں نہیں ہوں ارمان مگر آج کے محسوسات اور پھر اپنی جذباتیت کی وضاحت نہیں دے پاؤں گی۔'' ان کی آنکھوں میں یکدم سرخ بڑھ گئی تھی۔

''مجھے آپ سے وضاحت چاہیے بھی نہیں کہ میں آپ کو جانتا ہوں کہ آج ہی تو مجھے احساس ہوا ہے کہ آپ کے جذبات آپ کے پاس بھی تھے مگر میرے جذبات کے لئے آپ نے اپنے جذبات کو کیسے کچل کر رکھا۔'' احساسِ ندامت واحساسِ زیاں کا احساس تھا کہ ہر لحظہ بڑھ رہا تھا۔

''نہ میں نے کچھ بہت اچھا کیا، نہ آپ نے غلط، پلیز ارمان اس قصے کو جانے دیں۔'' انہوں نے محسوس کیا تھا کہ وہ اپنے خول میں سمٹ گئی ہیں اسی خول میں جس کے سبب وہ ان کو، ان کے جذبات کو جان نہیں سکے تھے اور وہ کچھ کہنا چاہتے تھے کہ ان کی آنکھوں میں التجا دیکھ کر لب بھینچ گئے تھے کہ انہیں اپنی انا متاثر ہوتی محسوس ہو رہی تھی اور انہوں نے ان کی انا کا بھرم رکھ لیا تھا اور وہ موضوع ہی بدل گئے تھے اور دھیمے لہجے میں انہیں بتانے لگے تھے کہ انہوں نے کھانے سے فراغت کے بعد بیٹے سے بات کی تھی اور وہ اپنے غلط اندازے و بدگمانی پر شرمندگی محسوس کرنے لگی تھیں۔

☆......☆......☆

''بات بتاؤ گے نہیں تو یونہی پریشان رہو گے۔ اپنے ڈیڈی سے شیئر کر لو دیان۔'' نرمی سے اسے بولنے پر اکسایا تھا۔

''شیئر کرنے سے پریشانی ختم نہیں ہوتی ڈیڈی۔ اور کچھ دکھ ایسے ہوتے ہیں جنہیں انسان کو اکیلے ہی برداشت کرنا پڑتا ہے اسی لیے میں اپنا یہ دکھ کسی کے بھی ساتھ نہیں بانٹنا چاہتا، آپ کے ساتھ بھی نہیں ڈیڈی۔''

بیٹے کی بات انہیں حد درجے مضطرب کر گئی تھی مگر اس کا صاف جواب انہیں آگے کچھ بھی کہنے سے روک گیا تھا۔

''جیسے تمہاری مرضی بیٹا، مگر تم خود کو مجھ سے الگ مت سمجھنا، میں ہر وقت تمہارے ساتھ ہوں۔'' وہ نرمی سے بولے تھے وہ شرمندگی محسوس کرنے لگا تھا۔

''تم میری ہمت ہو بیٹا، اتنا یاد رکھنا کہ چاہے تم مجھ سے اپنا دکھ بانٹنا نہیں چاہتے لیکن میں تمہیں دکھ میں نہیں دیکھ سکتا، تمہارا دکھ

نہیں جانتا تو بھی دکھی ہوں، جان کر بھی دکھی ہوں گا کہ ہم والدین بس اولاد کے سکھ کے لئے دعا کر سکتے ہیں، قسمت کے لکھے دکھ کو از خود چاہ کر بھی نہیں مٹا سکتے اور میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں اور مجھے یقین ہے کہ میرا اللہ میری اولاد کے لیے کی میری دعا رد نہیں کرے گا۔'' وہ مسکرائے تھے۔

''ڈیڈی۔ مجھے بس آپ کی اور ممی کی دعائیں ہی چاہئیں کہ جس تکلیف سے نبرد آزمائی کر رہا ہوں بہت خواہش کے باوجود اس کا حصہ دار کسی کو بھی نہیں بنا سکتا، آپ ممی سے کہہ دیں میں ٹھیک ہوں۔ وہ پریشان نہ ہوں کہ میں جس الجھن میں پھنسا ہوں، جو سوال مجھے پریشان کر رہے ہیں ان کے جواب میں ممی اور آپ کو نہیں دے سکتا اس لیے کچھ مت پوچھیئے گا۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے وہ بیٹے کے کاندھے پر ہاتھ رکھ گئے تھے۔

''دکھ انسان کو کبھی کمزور تو کبھی بہت مضبوط بنا دیتے ہیں اور جو دکھ عیاں ہو جائیں وہ انسان کو بہت کمزور بنا دیتے ہیں اور جو کمزور پڑ جائیں وہ دکھوں کے حصار سے نکل نہیں پاتے اور تم نے خود کمزور نہیں پڑنا، اپنے دکھوں کو کمزور کر کے انہیں ہرا کر خود کو خوشیوں کی طرف لانا ہے۔'' وہ اس کا دکھ جانے بغیر اس کی خواہش کے مطابق اس کی راہنمائی کر گئے گئے تھے۔

''میں کوشش کروں گا۔'' اتنی دیر میں وہ اب مسکرایا تھا اور دکھ کے باوجود وہ اسے پرسکون محسوس کر کے خود بھی ریلکس فیل کرنے لگے تھے اور اس کو گڈ نائٹ کہتے اس کے روم سے نکلے تھے۔ ارادہ یمنیٰ کے کمرے کی طرف جانے کا تھا کہ اسی وقت ابران اور نیناں کو آتے دیکھ کر وہ رک گئے تھے کہ وہ دونوں فراز کو سی آف کرنے گئے ہوئے تھے کہ فراز کی مام سے ابران نے خود بات کی تھی اور اس کی بیماری کی شدت اور اس کے تمام احساسات بتا کر ان سے التجا کی تھی کہ وہ اس کے پاس آجائیں، بیٹے کی بیماری تھی یا اس کی لاسٹ کال جس میں اس نے بہت رو رو کر ان کو اپنے پاس آنے کا کہا تھا۔ اس کا اثر تھا کہ ابران کی کال جس وقت انہوں نے ریسیو کی وہ ائیر پورٹ پر کھڑی تھیں کہ انہوں نے بھی ثابت کر ہی دیا تھا کہ وہ ماں ہیں کہ وہ بیٹے کی التجا سن کر لوٹ آئی تھیں اور کچھ دن بعد ہی اسے علاج کے لئے لندن لے گئی تھیں۔ وہ ارمان کو فراز کے بارے میں بتا رہی تھیں اور وہ بات کرتے ان کے ساتھ ہی کمرے میں آ گئے تھے کہ آج ان کی باری تھی۔ ان سے بات کرتے خیال آیا بھی تھا تو انہو نے صحیح بات کرنے کا ارادہ کر لیا تھا جو ارادہ ہی بن رہ گیا تھا۔

''اب آپ پلیز، ادیان سے کچھ مت پوچھیئے گا۔'' ساری تفصیل بتا کر کہا تھا۔

''مگر ایسی بھی بات ہو گئی ہے۔'' وہ یکدم پریشان ہو گئی تھیں۔

''زندگی ہے اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے، ہم جانتے نہیں ہیں بات کیا ہے مگر جاننے کی کوشش کریں تو ہمارا بیٹا کمزور پڑ جائے گا۔ اس لیے اسے سنبھل جانے دیں۔'' انہوں نے نرمی سے سمجھایا تھا اور وہ خاموش ہو گئی تھیں کہ اس وقت اس مسئلہ کا کوئی اور حل انہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

''ناراض تو نہیں ہیں۔'' ان کی خاموشی محسوس کر کے نہ جانے کیا جاننا چاہا تھا۔

''نہیں، میں اپنی زندگی سے ناراض نہیں ہو سکتی۔'' وہ کہہ کر مسکرا انہیں دیکھتیں بستر کی جانب بڑھ گئی تھیں۔

''آپ جا کر آرام کرلیں ارمان ورنہ صبح آفس سے دیر ہو جائے گی آپ کو۔'' انہیں کچھ کہنے کو لب وا کرتے دیکھ کر بولیں اور ان کے جانے نہ جانے کا انتظار کیے بغیر بستر پر دراز ہو گئیں اور وہ اس انا پرست عورت کا بھرم رکھنے کو وہاں ٹھہرے نہ تھے اور دروازہ کھل کر بند ہونے کی آواز پر اٹھ بیٹھی تھیں۔

''ارمان، آپ کچھ نہیں سمجھ سکتے کہ عورت اپنے لیے کبھی سوال نہیں کرتی، خیرات میں ملنے والی توجہ سے بہتر اسے ٹوٹ کر بکھرنا لگتا ہے کہ عورت جھکتی وہیں ہے جہاں جھکنا اس کی مجبوری ہوتا ہے کہ مجبوری میں تو مردہ بھی حلال ہوتا ہے اور میں نے بھی کبھی بہت چاہ کر بھی آپ سے کبھی اپنے لیے سوال نہ کیا، نہ محبت، نہ عزت، نہ توجہ کچھ بھی طلب نہ کیا کہ ہم عورتوں کو اپنے لیے کبھی کچھ نہیں چاہیے ہوتا کہ چاہیے تھی ہو تو اظہار نہیں کر پاتیں ہم مگر جب بات ہمارے رشتوں کی آتی ہے تو ہم ہر چیز، ہر بات فراموش کر دیتی ہیں، ہمیں ہمارے رشتے مانگنا سکھا دیتے ہیں جیسے آج میں اپنے بیٹے کے لیے اس کے باپ کو اس در سے مانگ لائی جہاں میری انا میرے ہی قدموں میں آن گری تھی۔'' ان کے رخسار تیزی سے بھیگ رہے تھے اور وہ بڑی بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہی تھیں اور سکون تو نیناں کو بھی نہ تھا وہ تکیے میں منہ چھپائے آنسو روکنے کی چاہ میں سسک رہی تھیں کہ کچھ دکھ جتنے پرانے ہو جائیں اتنی ہی تکلیف دیتے ہیں اور وہ اسی تکلیف سے آج پھر نبرد آزمائی کر رہی تھیں کہ جو کچھ جھیلنا تھا اپنی ذات پر ہی جھیلنا تھا کہ وہ اس دکھ کو اپنے ہمسفر سے بھی نہیں بانٹ سکتی تھیں کہ اس دکھ کا سرا جڑا جو اسی سے تھا اور ہر دکھ ان کے کاندھے پر سر ٹکا کر بہانے والی نیناں شیرازی اس دکھ کو اپنی ذات پر ہی جھیلا کرتی تھیں یہ اور بات تھی کہ ان کی رگ رگ سے واقف ارمان شیرازی ان کے دکھ سے انجان رہتے تو نہیں تھے مگر انجان ظاہر کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے کہ وہ نیناں شیرازی کو کھونے سے ڈرتے تھے اس لیے انہیں تکلیف دے کر خود تکلیف میں تھے مگر چرچا نہیں کرتے تھے کہ ان کے پاس کوئی حل نہیں تھا نہ ہی کوئی دوسری راہ ہی تھی۔

☆......☆......☆

''یار، اب موڈ تو ٹھیک کرلو، سب تمہارے سڑی ہوئی مولی جیسے منہ کو دیکھ کر کیا سوچیں گے۔'' اسے خراب موڈ کے ساتھ گاڑی سے اترتے دیکھ کر شہیر نہ صرف شرارت سے بولا تھا اسے روکنے کی غرض سے ہاتھ بھی تھام لیا تھا۔

''کوئی کچھ بھی سوچے مجھے کیا کہ یہاں کسی کو جانتی تک ہوں نہیں۔'' کاٹ کھانے والے انداز میں کہتی ہاتھ چھڑا گئی تھی۔

''تم نہیں جانتی ہو تو کیا ہوا ڈیئر مگر پاپا کو تو اچھے سے جانتے ہیں اسی لیے تو ہمیں بھیجا ہے، اس طرح منہ بنائے رکھو گی تو پاپا کا ہی امپریشن خراب ہو گا۔'' قدرے ناصحانہ انداز میں بولا تھا۔

''ماموں جان کی تو آپ بات ہی نہ کریں انہوں نے ہی تو مجھے یہاں آنے پر مجبور کیا ہے۔ میں انہیں انکار نہیں کر سکتی تھی کم از کم آپ ہی منع کر دیتے، ویسے تو آپ کے پاس ٹائم نہیں ہوتا ہر وقت ذہن و دل پولیس اسٹیشن میں اٹکے رہتے ہیں مگر آج کوئی کام ہی نہیں تھا بن ٹھن کے آ گئے بیگانی شادی میں عبداللہ دیوانے بن کر۔'' وہ منہ بنا کر کہتی چلی گئی تھی اور اس کے انداز پر وہ ہنستا چلا گیا تھا۔

سالار مصطفیٰ کے قریبی دوست کے بیٹے کا ولیمہ تھا اور وہ بزی تھے اس لیے انہوں نے ان دونوں کو بھیج دیا تھا وہ سالار سے تو کچھ نہیں بولی تھی مگر اس کا موڈ بہت خراب تھا۔

''انکار کر دیتا یا مصروفیت نکال لیتا تو اپنی حسین مگر لڑاکا بیوی کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع کیسے ملتا۔'' شوخی سے بولتا اس کو حیا کے زیر اثر لے گیا تھا۔

''آپ بہت فضول بولتے ہیں۔'' وہ سرخ پڑتی کار سے اتر آئی تھی۔ یاور حیات اور ان کی مسز ان دونوں سے بہت اچھے طریقے سے ملی تھیں اور شہیر اسے یاور حیات کی اکلوتی بیٹی کے ساتھ چھوڑ کر مردوں کی طرف بڑھ گیا تھا کہ باپ کے توسط سے اور اپنی جاب کی وجہ سے بھی وہ وہاں کافی لوگوں کو جانتا تھا۔ شیریں، ہما سے بات کر رہی تھی کہ عقب سے جانی پہچانی آواز ابھری تھی اور اس نے سہم کر گردن موڑ کر دیکھا اور وہی نہیں زعیزعہ خان بھی ساکت رہ گیا تھا۔ ڈارک بلیو ائیر لائن لانگ شرٹ اور ٹراؤزر میں نک سک سے تیار وہ اپنے حسین چہرے و دلنشین آنکھوں میں ہراس لیے اسی کو دیکھتی اسے مبہوت کر گئی تھی کہ گزرے مہینوں میں وہ اس چہرے کو لمحہ بھر کے لیے بھی فراموش نہیں کر پایا تھا اور اسے کیا پتہ تھا جس سے بچنے کو وہ دیارِ غیر میں خاک چھانتا پھرتا تھا وہ دشمنِ جاں اس کی واپسی کے اگلے دن ہی اپنے حشر سے سراپے سنگ آن ٹکرائے گی۔

''واٹ آ پلیزنٹ سرپرائز زعیزعہ۔'' ہما اس کو دیکھ کر گرمجوشی سے والہانہ انداز میں اس کی جانب بڑھی کیا تھی اس کا ٹرانس توڑ گئی تھی اور وہ خود کو کمپوزڈ کرتا مصنوعی گرمجوشی کا مظاہرہ کرنے لگا تھا کہ اس کی تمام تر توجہ کانپتے ہاتھوں سے نازک سلور کلچ کو کھولنے کی کوشش کرتی شیریں پر لگی تھی جس کی آنکھیں کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔

''ہما، یہ کون ہیں ان سے تعارف نہیں کرواؤ گی؟''

ہما ہی نہیں شیریں بھی اسے دیکھنے لگی تھی اسے لگا تھا کہ آج تو وہ اس کی سیاہ کجراری آنکھوں کے سحر سے نکل ہی نہیں پائے گا اس کی نگاہ بے اختیار ہونے لگی تھی کہ ہما دھیمے سے ہنس دی تھی۔

''کیوں نہیں ڈیئر۔'' اس نے زعیزعہ خان کو چاہت بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔ ''یہ شیریں ہے، ڈیڈ کے دوست کی بہو، اور شیریں، ہی از مائی فرینڈ زعیزعہ خان۔'' اس نے مسکرا کر ایک ساتھ ہی دونوں کے تعارف کی رسم نبھائی تھی۔

''نائس ٹو میٹ یو مس شیریں۔'' وہ اپنے آخری الفاظ بھولے، اپنے انتقام کی خواہش وغصہ کو فراموش کیے اسے دیکھ کر آنکھوں کے راستے دل میں اتار رہا تھا اس کے دو قدم آگے بڑھانے پر وہ خوف سے کانپ اٹھی تھی۔ موبائل نہیں کلچ بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ ہما نے اس کی غیر ہوتی حالت کو اچنبھے سے دیکھا تھا۔

''آر یو او کے؟'' حیرانگی سے پوچھا تھا اور وہ بہتی آنکھوں کے ساتھ نفی میں سر ہلاتی اپنا سامان اٹھانے لگی تھی۔ اسی پل زعیزعہ کے دماغ نے کام کیا تھا۔

"ہمنی، مجھے شدید پیاس لگی ہے، کیا تم میرے لیے ایک گلاس فرش ڈاٹر لے آؤ گی؟" زعیزعہ نے نرمی سے کہہ کر اس انداز میں اسے اپنے قریب کیا تھا کہ وہ جو اس کی پیش رفت کی منتظر رہا کرتی تھی خوشی سے کھل اٹھی تھی اور اسی خوشی و جوش میں سامنے دکھائی دیتے ویٹر کو آواز دینے کے بجائے وہ خود اس کے لیے پانی لینے چلی گئی تھی۔ وہ پنجوں کے بل اس کے سامنے آ بیٹھا تھا وہ ڈر کر کھڑی ہوگئی تھی۔

"میں نے بہت چاہ کر بھی کبھی تمہیں نقصان نہیں پہنچایا۔ میرے تمام ارادے و عزائم تمہیں دیکھ کر ہی اڑن چھو ہو جاتے ہیں اور تم ہو کہ مجھے دیکھ کر یوں خوفزدہ ہوتی ہو جیسے میں نے تمہیں بہت بڑا نقصان پہنچایا ہو۔" وہ چند قدموں کی دوری پاٹتا عین اس کے سامنے نہ صرف ٹھہرا تھا بلکہ اس کا بازو جکڑ کر اسے بھاگنے اور تراشیدہ لبوں پر ہتھیلی جما کر بولنے کی راہیں مسدود کر دی تھیں جبکہ وہ بری طرح مچلتی ہراس کے زیر اثر تھی۔ محفل اپنے عروج پر تھی مگر مکس گیدرنگ اور اپر ہائی کلاس کی پارٹی میں اس طرح کے مناظر ہرگز بھی معنی نہیں رکھتے تھے اس لیے کوئی متوجہ تک نہیں ہوا تھا اور وہ اسے یونہی اپنے ساتھ کھینچتا قدرے سائیڈ پر ہو گیا تھا تاکہ کسی کی ان پر نظر نہ پڑے کہ یہ احتیاط بھی اس کے لیے تھی۔

"تم میں ایسا نہ جانے کیا ہے کہ میں اپنے آپ میں نہیں رہتا، وگرنہ کل تک اپنے رقیب سے بدلہ لینے کے کتنے ہی عزائم بنا ڈالے تھے لیکن تمہاری محبت میرے انتقام کی راہ میں آن کھڑی ہوتی ہے جبکہ جب جب یہ بات ذہن و دل میں گردش کرتی ہے کہ تم میری نہیں رہیں، تمہارے تمام تر حقوق وہ ایس پی شہیر حاصل کر چکا ہے تو دل کرتا ہے کہ شہیر سمیت اس دنیا کو آگ لگا دوں اور تمہیں شہیر سے، اس کی قسمت سے چرا کر اپنا نصیب بنا لوں۔"

وہ اس کی بہتی آنکھوں میں جھانکتا کہہ رہا تھا کہ اس کی برداشت ختم ہوگئی تھی اور وہ اس سے ہراساں تھی اور اس کی بانہوں میں سدھ بدھ کھوتی جھول گئی تھی۔

"شیریں!" اسے بازوؤں میں سہارا دیتا بے قراری سے پکارا تھا کہ ہما چلی آئی تھی۔

"اسے کیا ہو گیا ہے؟" حیرانگی سے بولی تھی کہ اس نے ہما کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لے کر اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے تھے اور وہ اسے ہوش میں لانے کی تدبیر ہی کر رہا تھا کہ شہیر چلا آیا تھا جو اسے دیکھ کر حیران اور شیریں کو اس کے سہارے، اس کے نزدیک دیکھ کر پریشان ہوتا چیل کی طرح جھپٹا تھا۔

"شیریں! آنکھیں کھولو۔" اسے اپنے سہارے پر بمشکل کھڑا کیے وہ نرمی سے گال تھپتھپا رہا تھا کہ اس نے آنکھیں کھولی تھیں۔

"شیریں۔"

وہ شہیر کو بے یقینی سے نہ سمجھ آنے والے انداز میں دیکھ رہی تھی کہ اس نے نرمی سے پکارا تھا اور وہ جیسے ہوش میں آتی اس سے لپٹ گئی تھی اور بری طرح بلکنے لگی تھی۔ یہ دیکھ پانا زعیزعہ جیسے مضبوط اعصاب کے مالک شخص کے اختیار سے بھی باہر تھا اسی لئے وہ ہما کی پکار نظر انداز کیے لمبے لمبے ڈگ بھرتا نکلتا چلا گیا تھا جبکہ وہ خود کو کمپوز کیے اسے چپ کروانے کی ناکام سی کوشش کر رہا تھا اور سب کو اپنی جانب

متوجہ پا کر اس نے دبے دبے انداز میں اسے ڈپٹ کر خود سے الگ کیا تھا اور یاور حیات سے معذرت کرتا اس کا ہاتھ تھامے پارکنگ کی جانب بڑھا تھا جو مسلسل روئے جا رہی تھی۔

"فار گاڈ سیک شیریں! بند کر دو رونا، ہر وقت، ہر جگہ بچوں کی طرح ری ایکٹ کرتی ہو۔"

شیریں کو زعیزعہ خان کے نزدیک دیکھ کر اس پر جو قیامت گزری تھی یہ وہی جانتا تھا اسی لیے چٹختے اعصاب اسے غصہ کرنے پر مجبور کر گئے تھے اور وہ رونا بند تو کیا کرتی اور زیادہ بلکنے لگی تھی اور اس نے لب بھینچتے ہوئے اسپیڈ کچھ اور بڑھا دی تھی۔ گاڑی مصطفیٰ ہاؤس میں داخل ہوئی تھی، گیراج میں گاڑی پارک کر کے وہ غصے سے کھولتا تن فن کرتا نکلتا چلا گیا تھا جبکہ وہ تو اپنی جگہ سے ہلی تک بھی نہیں تھی۔

"شہیر! اتنے غصے میں کیوں ہو؟ اور یہ شیریں کہاں ہے؟" رابعہ بیٹے کے سرخ چہرے کو دیکھ کر اس تک آئی تھی۔

"گاڑی میں بیٹھی رو رہی ہے آپ کی لاڈلی۔" وہ سخت لہجے میں کہتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا اور وہ ساس وشوہر کی شکل دیکھتیں باہر کی جانب بڑھی تھیں اور اسے اپنے ساتھ لاؤنج میں لے آئی تھیں، پانی پلا کر نرمی سے بات پوچھی تھی اور اس نے روتے کہا تھا۔

"وہاں زعیزعہ خان بھی تھے انہیں دیکھ کر میں بہت ڈر گئی تھی۔" وہ ان تینوں کو ہی مضطرب کر گئی تھی اور ان میں سے کسی نے بھی مزید کچھ نہیں پوچھا تھا۔

"رابعہ، آپ اسے کمرے میں لے جائیں۔"

"لیکن شہیر، وہ غصہ میں......"

"شہیر کو آپ میرے پاس کمرے میں بھیج دیں۔" سالار مصطفیٰ اٹھ گئے تھے اور وہ بہو کا ہاتھ تھامے اسے اس کے کمرے تک لائی تھیں۔

"شہیر، تمہارے پاپا کمرے میں بلا رہے ہیں۔" ٹاول سے منہ خشک کرتے بیٹے کی جانب دیکھے بغیر بولی تھیں اور وہ بھی ان دونوں کی جانب دیکھے بغیر باہر نکل گیا تھا۔ رابعہ نے اس کے لیے سادا سا کاٹن کا سوٹ نکالا تھا۔

"کپڑے چینج کر لو اور پریشان نہ ہو، ہم سب ہیں ناں، کچھ نہیں ہوگا۔" ڈری ڈری سی زرد پڑتی شیریں سے نرمی سے بولی تھیں اور زبردستی واش روم میں بھیج دیا تھا اور زبردستی ہی اسے دودھ پلا کر سونے کے لیے لٹایا تھا اور اس کے سو جانے کے بعد ہی کمرے سے نکل آئی تھیں جبکہ ماتھے پر پرسوچ شکنیں سی ابھر آئی تھی کہ بیٹے کا غصہ اگر انہیں ہولا گیا تھا تو بہو کی حالت نے بھی کافی ڈسٹرب کیا تھا کہ بار بار چونک کر اٹھتی نیند میں بے چین شیریں نے صحیح معنوں میں ان کے ہوش اڑا دیئے تھے۔

☆......☆......☆

ادیان کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا کہ اذیت ناک انکشاف اس کے کانوں میں گونجنے لگا تھا جس کی بازگشت اسے بے انتہا ڈسٹرب کرنے لگی تھی، شور سے گھبرا کر اس نے فریش ہونے کا ارادہ کیا تھا کہ شرٹ اتارتے ہوئے سگریٹ اس کے ہاتھ میں آ گئی تھی۔

"لے لو یار کہ زندگی میں دکھ بڑھ جائیں تو انہیں رو دھو کر بڑھانے سے بہتر ہے دھوئیں میں اڑا دیا جائے۔"

وہ پرسوں رات سے جس اذیت ناک انکشاف کے زیراثر تھا اس نے اس کی سدھ بدھ ہی کھو دی تھی اور پریشان ہو کر وہ بیچ پر چلا گیا تھا جہاں وہ اکثر فواد کے ساتھ ہی نہیں اکثر اکیلے بھی چلا جاتا تھا اور وہیں اونچے سے پتھر پر بیٹھا تھا کہ تیس، پینتیس سال کا وہ نوجوان اچانک ہی اس کی تنہائی میں مخل ہو گیا تھا۔ ادیان نے بہت چونک کر اسے دیکھا تھا کہ وہ اس کے چہرے سے انجان نہ تھا کہ اسے ادیان نے اکثر بیچ پر ہی دیکھا تھا اور کثرت سے سگریٹ نوشی کرتا وہ شخص اسے دکھ و تاسف میں مبتلا کر دیتا تھا آج وہ نہ صرف پہلی دفعہ اس سے مخاطب ہوا تھا اسے سگریٹ بھی آفر کر گیا تھا۔

''میں اسموکنگ نہیں کرتا اور آپ پلیز یہاں سے چلے جائیں کہ اس کی اسمیل مجھے پسند نہیں ہے۔'' نہایت دھیمے سے بھاری لہجے میں بولا تھا۔

''یہ پسند تو مجھے بھی نہیں ہے، اس کی اسمیل بھی بری لگتی ہے مگر یار ہجر بھی تو پسند نہ تھا، غمِ یار بھی تو برا لگتا ہے۔'' وہ کش لگاتے ہوئے فلسفیانہ انداز میں بولا تھا۔ ''مگر وصل کی خواہش میں جب ہجر کو گلے لگانا پڑا، غمِ یار، وصل کی خوش گمانیوں کا ساتھی بنا تو اتنی ناپسندیدہ چیزیں ازخود زندگی کا حصہ بنتی چلی گئیں کہ اس کو میں نے خود ہی اپنا لیا۔''

اس کا اشارہ سگریٹ کی جانب تھا اب کے ادیان کچھ نہیں بولا تھا کہ وہ بھی تو وصل کی خواہش میں ہجر کاٹ رہا تھا۔

''پہلے پہل یہ مجھے بری لگتی تھی مگر جب غمِ یار کی تپش اس کے دھوئیں میں مدغم ہونے لگی تو یہ میرے لیے لازم ہو گئی۔'' اس کا انداز بہت دوستانہ تھا۔

''یہ دھواں آپ کو ہی مبارک ہو کہ میں اپنے دکھ فراموش کرنا ہی نہیں چاہتا۔'' وہ دکھ و تلخی سے بولا تھا۔

''ہاں ٹھیک کہا یار۔ یہ دھواں مجھے تو بڑا ہی عزیز ہے کہ بھولنا تو اسے میں بھی نہیں چاہتا اور اس دھوئیں کے مرغولے میں بنتا اس کا چہرہ مجھے خود سے بےگانہ کرنے لگتا ہے تو یہ دھواں ازخود زندگی کا حاصل لگنے لگتا ہے۔''

اس اجنبی کے لہجے میں کانچ کی سی کھنک تھی وہ یکدم چونکا تھا اور اس نے سگریٹ سلگا کر ایک کش لگایا تھا، اسے بری طرح کھانسی ہونے لگی تھی مگر جیسے ہی کچھ سنبھلا تھا دوسرا کش لگایا تھا، آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے تھے، دل الگ متلانے لگا تھا، تیسرا کش لگاتے ہی اسے لگا تھا کہ اسے قے ہو جائے گی مگر اس نے ایک اور کش لگایا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا کمرہ دھوئیں سے بھر گیا تھا۔

''غمِ دنیا بھی غمِ یار میں شامل کر لو
نشہ بڑھتا ہے شرابیں جو شرابوں سے ملیں
اب کے ہم بچھڑے تو شاید.................''

☆......☆......☆

سالار مصطفیٰ کو سمجھ نہیں آ رہا تھا بات کہاں سے شروع کریں کہ اس نے خود ہی اپنے ضبط کو آزماتے ہوئے ساری تفصیل کہہ سنائی

تھی اور وہ لب بھینچ کر خود کو کمپوز کرتے اسے سمجھانے ہی لگے تھے کہ وہ بول پڑا تھا۔

”میں اس شخص کو جان سے مار دوں گا۔“

انہوں نے بیٹے کو تنبیہہ کرتی نگاہوں سے دیکھا اور وہ بے بسی سے لب کچل کر رہ گیا۔

”پاپا! آپ میری تکلیف کا اندازہ تک نہیں لگا سکتے۔ اپنی بیوی کو اس کے نزدیک دیکھ کر مجھ پر کیسی قیامت سی گزر گئی، شیریں کے چہرے پر ٹھہریں اس کی نظریں، اس کے رخسار کو چھوتا اس کا ہاتھ، اسے گرنے سے بچانے کو کاندھا فراہم کیے وہ شخص مجھے کس قدر بے بس کر گیا تھا کہ میں شیریں کو وہاں سے تو لے آیا مگر اس کی نظریں، میری نگاہوں میں ٹھہر گئی ہیں۔“

ضبط سے اس کا چہرہ لہو چھلکا رہا تھا۔

”آپ سب تو مزے سے یہ کہہ کر کہ اس سب میں شیریں کا کیا قصور پیچھے ہٹ جاتے ہیں، میرا بھی تو سوچیں، جو اپنی معمولی سی چیز کے لیے بھی انتہائی حساس رہا، جس نے اپنے کمرے میں اپنوں کے آنے پر بھی کمفرٹ فیل نہیں کیا وہی شخص اپنی بیوی کے لیے کسی اور کو پریشان ہوتا کیسے دیکھے؟ کیسے اس کی نظریں برداشت کرے؟ یہی چلتا رہا ناں پاپا تو یا تو میں خود کو شوٹ کرلوں گا یا پھر اسے جان سے مار دوں گا۔“ وہ ضبط کرتے کرتے بھی چیخ پڑا تھا۔

”یہ سب برداشت کرنا انتہائی مشکل ہے مگر ضبط کرنا بھی مجبوری ہے کہ اس پہلو پر ہم چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتے۔“ وہ بیٹے کی حالت و بے بسی کو محسوس کرتے ہوئے قدرے نرمی سے مگر بے چارگی سے بولے تھے۔

”پاپا! یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا، وہ شخص اتنے برے طریقے سے شیریں کے ذہن پر اثر انداز ہو چکا ہے کہ وہ اکثر نیند سے جاگ کر چیخنے لگتی ہے تو کبھی راستوں میں نہ جانے کس خیال کے تحت خوفزدہ ہو جاتی ہے۔“ وہ بے بسی سے وہ بھی کہہ گیا تھا جو اب تک چاہ کر بھی نہیں بتا پایا تھا۔ ”اور وہ اب تو دھیرے دھیرے نارمل ہونے لگی تھی، مجھے بھی لگا تھا کہ مجھے میرے صبر کا پھل ملنے لگا ہے کہ پھر سے وہی سب، میں پاگل ہو جاؤں گا پاپا۔“

اس کی شدت پسندی و حساسیت اس کی آنکھیں نم کرنے لگی تھیں۔

”تمہاری شدت پسندی سے واقف تھا جبھی تمام صورتحال سے تمہیں آگاہ کر دیا تھا۔“

”آپ نے آگاہ کر دیا، میں آگاہ ہو گیا مگر آگاہی ہی تو اصل عذاب ہے، جو مجھے اذیت کی اتھاہ کھائی میں دھکیلتی جا رہی ہے۔“

وہ آزردگی سے بولا تھا کہ آج اس پر ایک اور آگاہی کا در کھلا تھا جو اسے اندر تک جھنجھوڑ گیا تھا کہ اس نے زعیزعہ خان کی آنکھوں میں شیریں کے لیے چاہت دیکھی تھی اور اس کا دل ڈوبتا چلا گیا تھا کہ شیریں اس کی محبت ہی نہیں اس کی عزت بھی تھی اور اسی لیے آگاہی اس کے لیے عذاب جاں کا عذاب بن گئی تھی۔

☆......☆......☆

''کیا بات ہوئی آپ کی شہی سے؟'' رابعہ متفکر سی پوچھ گئی تھیں۔

''شہیر کو تو جانتی ہوناں، کتنا پازسیو نیچر ہے، بس اسی لیے زعیزعہ کے سامنا ہونے پر ڈسٹرب ہو گیا بٹ ڈونٹ وری، وہ ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ پریشان تھے مگر ظاہر کیے بنا بولے تھے۔

''آپ پلیز شہی اور شیریں کو آؤٹ آف کنٹری بھیج دیں۔''

وہ حیرانگی سے اسے دیکھنے لگے تھے۔

''ساری صورتحال سے تو آپ مجھ سے زیادہ واقف ہیں سالار، بٹ پہلے کی بات اور تھی، شیریں اب شہی کی بیوی ہے اس شخص نے پریشان کیا تو ان دونوں کی لائف ڈسٹرب ہی نہیں ڈسٹرائے بھی ہو جائے گی کہ جو کنڈیشن شیریں کی ہے اس میں اسٹریس اس کے لیے ہی نہیں اس کے بچے کے لیے بھی نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔'' وہ بیٹے اور شیریں کی کنڈیشن دیکھ کر کافی ڈر گئی تھیں۔

''اس شخص نے شیریں کو ہی نہیں خوشی اور ریا کو بھی پریشان کیا، ریا اتنے ماہ گزر جانے کے بعد بھی سیٹ نہیں ہو سکی اور میں اب مزید کوئی نقصان نہیں چاہتی، ہم سب نہیں تو کم از کم ان دونوں کو باہر بھیج دیتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی حل نہیں ہے کہ جس طرح کا وہ بندہ ہے ہم اختیارات رکھتے ہوئے بھی اپنی عزت کے لئے کبھی کچھ نہیں کر پائیں گے۔'' وہ کافی غور وخوض کے بعد بولی تھیں۔

''کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو، میں شہیر سے بات کروں گا، دیکھتے ہیں وہ کیا کہتا ہے؟'' انہوں نے نیم رضامندی ظاہر کر دی تھی کہ انہیں بھی کوئی دوسرا حل نظر نہیں آ رہا تھا کہ جو انداز آج بیٹے کا دیکھا تھا وہ دوبارہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے کہ وہ یہ کبھی چاہ ہی نہیں سکتے تھے کہ ان کے بیٹے اور بہو کے درمیان دوریاں آئیں ان کا بیٹا ان کی لاڈلی بہو سے بدگمان ہو جائے۔

''وہ تو پہلے بھی راضی نہ تھا مگر ہمیں اسے ہر حال میں راضی کرنا ہو گا کہ مجھے اپنا بیٹا ہی نہیں اس کی آنے والی اولاد بھی عزیز ہے اور میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ یہ سب یونہی چلتا رہے اور شہیر، شیریں سے بدگمان ہو جائے کہ چاہے اس سارے قصے میں شیریں بے قصور ہے مگر وہ شخص یونہی سرِ راہ ملتا رہا اور شیریں کو ڈسٹرب کرتا رہا تو شہیر اس سے بدگمان ہو جائے گا اور اللہ نہ کرے ایسا ہو گیا تو زندگی تو ہمارے ہی بچوں کی خراب ہو گی اس لیے ہمیں ہی کوئی ایسا حل نکالنا ہو گا کہ ہمارے بچے محفوظ ہو جائیں۔''

وہ رو رہی تھیں اور وہ گہری سوچ میں ڈوب گئے تھے کہ ان کی فکر غلط نہ تھی۔

☆......☆......☆

شہیر رات گئے کمرے میں داخل ہوا تھا اس نے جان کر اس کی جانب نگاہ تک نہیں اٹھائی تھی اور کھڑکی میں جا کھڑا ہوا تھا اور اسے سوچوں میں گھرے نہ جانے کتنی دیر ہوئی تھی کہ وہ چیخ مارتی اٹھ بیٹھی تھی۔ اس نے نگاہ اس کی طرف کی تھی جو پسینے میں شرابور زرد رنگت کے ساتھ بری طرح کانپتی سسکیاں بھر رہی تھی۔ وہ اس سے ناراض ضرور ہو گیا تھا مگر بدگمان اب بھی نہ تھا اس کے قدم بے ساختہ اس کی اور چلے آئے تھے اور وہ اس سے لگ کر رونے لگی تھی۔

''شیریں! کچھ نہیں ہوا ہے یار، سنبھالو خود کو، اس طرح روؤ گی تو طبیعت خراب ہو جائے گی۔'' اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے نہایت

نرمی سے بولا تھا۔

''شہیر، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، وہ واپس آ گئے ہیں۔'' وہ بری طرح بلکنے لگی تھی۔

''آ گیا ہے واپس تو ہمیں کیا اور میں ہوں ناں وہ تمہیں پریشان نہیں کر پائے گا۔'' خود کو وہ اس کی حالت کے پیش نظر سنبھال گیا تھا بہت نرمی سے اس کے چہرے پر آئے بال ہٹاتے ہوئے بولا تھا۔

''یقین کرو میرا، وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ میں ہوں ناں تمہاری حفاظت کروں گا۔'' اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لے کر سہارا دینے والے انداز میں بولا تھا۔

''وہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے کہ وہ مجھے نقصان پہنچا ہی نہیں سکتے۔''

اس کے الفاظ کیا تھے شہیر کی روح کھینچ لے گئے تھے اس کے ہاتھ بے جان ہو کر اپنے مقام پر آ گرے تھے، وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کی باتوں کے زیر اثر کہا جانے والا جملہ شہیر پر کیسا کاری وار کر گیا ہے۔

''وہ آپ کو نہیں چھوڑیں گے کیونکہ وہ آپ کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں اور آپ کو کچھ ہو گیا تو میں مر جاؤں گی۔'' وہ سسکتے ہوئے اس کا گریبان جکڑ گئی تھی۔

''تم پریشان نہ ہو، وہ اگر میرا دشمن ہے تو میں نے بھی کوئی چوڑیاں نہیں پہنیں، جوابی کارروائی کرنی مجھے بھی آتی ہے۔'' وہ اس کا ہاتھ جھٹکتا بیڈ سے اتر گیا تھا۔

''اچھا کیا تم نے کہ آج تم نے مجھے بتا دیا کہ اس کا اصل ٹارگٹ میں ہوں۔'' وہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا اور وہ اس کے سرد اجنبی سے انداز پر سسکیاں بھول گئی تھی۔

☆......☆......☆

''بالکل اپنے باپ پر گیا ہے۔'' بہو کی بڑبڑاہٹ سن اور بیٹے کو آتے دیکھ کر نرمی سے بولی تھیں۔ وہ مسکرا دیئے تھے جبکہ وہ غصہ کا اظہار کرتیں واک آؤٹ کر گئی تھیں۔

''رات سے ڈسٹرب ہے آپ کی بہو۔'' ماں کی سوالیہ نظروں کے جواب میں بولے تھے اور کچھ سوچ کر رات ان کی بتائی تجویز ماں کے سامنے رکھ گئے تھے۔

''رابعہ! بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے کہ رات جس طرح شہی نے بی ہیو کیا، میں بھی کافی ڈر گئی تھی کہ ویسے بھی مرد کے ذہن میں ایک بار شک آ جائے تو اسے دنیا کی کوئی طاقت مٹا نہیں سکتی۔'' وہ فوراً ہی بہو کی ہمنوا بن گئی تھیں۔

''اوہوں، میں آج رات شہیر سے بات کروں گا کہ حتمی فیصلہ تو اسی کا ہو گا۔'' ماں کی رضامندی کے بعد تو وہ اور اپنے فیصلہ کو درست تصور کرنے لگے تھے۔

☆......☆......☆

''ممی! میرے کمرے میں صبح کون آیا تھا؟'' وہ سرخ چہرے ولہورنگ آنکھیں لیے، ننگے پیر کچن کی دہلیز پر کھڑا ماں سے پوچھ رہا تھا اس کے لیے سوپ بناتیں یمنیٰ یکدم اس کی جانب مڑی تھیں۔

''تم یہاں کیوں آ گئے، تمہیں بہت تیز بخار ہے، ادی، تم جا کر.....'' وہ لپک کر اس تک پہنچ کر نہایت فکر سے بولی تھیں اور وہ ان کی بات درمیان سے کاٹ کر اپنا سوال دہرا گیا تھا۔

''میں ہی صبح تمہیں اٹھانے گئی تھی تو پتہ چلا کہ تمہیں تیز بخار ہے، ڈاکٹر کو کال کی، ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھیں تب کہیں جا کر بخار میں کمی آئی تو میں تمہارے لیے سوپ بنانے آ گئی۔ تم بخار کی شدت کے سبب نیم غنودگی میں تھے اس لیے تمہیں کچھ پتہ نہیں چلا۔'' وہ نرمی سے اس کا گال تھپتھپا کر سادگی سے ساری تفصیل بتاتی چلی گئی تھیں جبکہ وہ ماں کو بہت غور سے دیکھتا الجھ گیا تھا۔

''میرے کمرے کی صفائی کس نے کی ہے؟'' ماں کے انداز میں غصہ و ناراضگی نہ پا کر بے بسی سے پوچھ گیا۔

''بات کیا ہے ادی، اتنے پریشان کیوں ہو، کیا بات ہے ڈسٹرب کر رہی ہے؟ کیا کچھ کھو گیا ہے؟'' بیٹے کی پریشانی بھانپ کر نرمی سے استفسار کیا تھا۔

''ہاں، وہ میرا ایک پین نہیں مل رہا۔'' گڑبڑا کر جھوٹ بولا تھا کہ اصل پریشانی تو کچھ اور ہی تھی۔

''تم کمرے میں چلو، میں ہاجراں سے پوچھتی ہوں، روز کی طرح صفائی تو آج بھی اسی نے کی ہے۔'' ان کے کہنے کی دیر تھی کہ وہ خود ہی ہاجراں کو آوازیں دینے لگا تھا۔

''تم نے میرے کمرے کی صفائی کے دوران کیا کچھ صاف کیا ہے۔'' وہ قدرے غصے سے پوچھ رہا تھا جبکہ وہ یمنیٰ کو دیکھنے لگی تھی۔

''ادیان کا ایک پین نہیں مل رہا تم نے اٹھایا ہے؟'' انہوں نے پوچھا تھا۔

''نہیں بیگم صاحبہ، کمرے کی صفائی تو آپ کے سامنے ہی کی تھی اور میں نے ادیان صاحب کا صاف ستھرا کمرہ دیکھ کر آپ سے کہا بھی تھا کہ پورے گھر میں سب سے زیادہ ادیان صاحب کا ہی کمرہ صاف ہوتا ہے بالکل محنت نہیں کرنی پڑتی اور آج تو لگتا ہے کہ کمرہ کوئی پہلے سے ہی صاف کر چکا ہے کہ ائیر فریشنر کی بھینی بھینی خوشبو کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔'' اس نے صفائی دینے کی خاطر اپنے کہے جملے کیا دہرائے تھے ادیان کی پریشانی بڑھ گئی تھی۔

''میرے کمرے کی صفائی کوئی اور کیوں کرے گا؟'' وہ گڑبڑائے سے انداز میں منمنایا تھا۔

''چھوڑو ادیان، ابھی کمرے میں جاؤ، بعد میں، میں خود تمہارا قلم تمہیں ڈھونڈ دوں گی۔'' وہ اس کے رات کے رویے سے پریشان تھیں کہ اس کی طبیعت نے پریشانی بڑھا دی تھی ایسے میں اس کی تفتیش انہیں بری لگی تھی نرمی سے ڈپٹنے والے انداز میں بات ہی ختم کر دی تھی اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہاں سے نکلا تھا مگر پریشانی ہنوز تھی کہ ٹینشن میں جو رات کر گیا تھا نہیں چاہتا تھا اس کا گھر میں کسی کو پتہ لگے۔

''ممی اور ہاجراں نے اگر سگریٹ کے ٹوٹے اور لائٹر نہیں دیکھا تو لائٹر گیا کہاں، اس کا مطلب ممی سے پہلے میرے کمرے میں

کوئی آیا تھا مگر کون؟'' وہ خود سے الجھتا سیڑھیاں چڑھ رہا تھا کہ دھیان نہ ہونے کے سبب لڑکھڑا گیا تھا اور اپنے کمرے سے نکل کر اسی طرف آتے ابران نے اسے آگے بڑھ کر یوں تھاما تھا کہ وہ گرنے سے بچ گیا تھا مگر ادیان نے جلتی آنکھوں سے اپنا بازو آزاد کروایا اور بڑی تیزی سے وہاں سے نکل گیا جبکہ وہ اس کے رویے پر حیران ہوتا اس کے پیچھے ہی اس کے کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔

''کوئی بات نہیں ہے، آپ سب لوگ کیوں میرے پیچھے پڑ رہے ہیں؟'' اس نے فکرمندی صحیح طور ظاہر بھی نہ کی تھی کہ وہ بے بس سے انداز میں اسے درمیان میں ہی ٹوک گیا تھا اور ابران جو ماں کی طرح بے حد نازک مزاج تھا فوری جواب نہ پا کر بھڑک اٹھا تھا۔

''مجھے بھی تمہارے پیچھے پڑنے کا کوئی شوق نہیں ہے مگر رات جو کارنامہ تم نے سرانجام دیا ہے بڑا بھائی ہونے کے ناطے جواب طلبی کرنے کا حق رکھتا ہوں۔''

وہ بری طرح سے چونکا تھا۔ ابران کی جب سے غلط فہمی دور ہوئی تھی وہ اس کی پرواہ اور خیال ایبان اور شیریں کی مانند ہی رکھنے لگا تھا۔

''جواب دو ادیان، تم نے اسموکنگ کیوں کی؟'' وہ اس کے گڑبڑائے انداز دیکھ کر تاسف سے صاف پوچھ گیا تھا جبکہ اس کا سر شرمندگی سے جھک گیا تھا۔

''مجھے جواب چاہیے ادیان کہ میں چاہتا تو گھر میں بتا دیتا مگر جب ایبان کی غلطی میرے سامنے آئی تھی تو اس مسئلے کو پہلے میں نے اپنے طور پر حل کرنے کی کوشش کی تھی اور ناکام ہو کر مسئلہ سب کے سامنے رکھا تھا اور ایبان کا کارنامہ ایسا تھا کہ سب کو دیر سویر پتہ چل ہی جانا تھا مگر تمہاری غلطی بہت بڑی ہے مگر میں سب کو پریشانی سے بچانے کے لئے تمہاری غلطی کو چھپا بھی سکتا ہوں لیکن اس وقت جب مجھے وجہ پتہ چلے گی اور ساتھ میں آئندہ یہ گھٹیا حرکت نہ کرنے کی یقین دہانی بھی۔'' وہ سنجیدگی سے کہتا چلا گیا تھا جبکہ وہ کچھ نہیں بولا تھا۔

''تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ بڑی ممی تمہاری وجہ سے کل رات سے کس قدر پریشان ہیں اور جب انہیں تمہارے اسموکنگ کرنے کا پتہ چلے گا تو وہ بالکل ہی ٹوٹ جائیں گی۔'' اس نے نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''غلطی ہو گئی ابران بھیا، بٹ آپ سے میرا وعدہ ہے آئندہ سگریٹ پینا تو دور سوچوں گا بھی نہیں۔ بس آپ ممی کو مت بتایئے گا۔'' وہ آنسو روکنے کی کوشش کے درمیان بولا تھا۔

''لیکن ایسا کیا ہوا ہے ادیان، کیا بات تمہیں ڈسٹرب کر رہی ہے اور یہ لت تمہیں لگی کیسے کہ ٹوٹے دیکھ کر تو میں ڈر ہی گیا تھا کہ لاتعداد ٹوٹے تو چین اسموکر کی جانب نشاندہی کر رہے ہیں۔ کب سے تم اسموکنگ کر رہے ہو؟'' ناراضگی سے اسے دیکھا تھا۔

''کل فرسٹ ٹائم کی تھی۔'' وہ منمنایا تھا مگر اسے یقین نہیں آیا جس کا اس نے اظہار بھی کیا تھا۔

''بلیو می ابران بھیا، کل رات فرسٹ ٹائم اسموکنگ کی تھی۔'' اس نے نم لہجے میں ساری تفصیل بتا دی تھی کہ کیسے اس اجنبی نے اسے سگریٹوں سے بھرا پیکٹ دیا تھا اور منتشر ذہن کے ساتھ اس نے ایک کے بعد ایک سگریٹ ختم کر ڈالی تھی۔

''میں اسموکنگ کرنا نہیں چاہتا تھا، پہلا کش بہت تکلیف دہ تھا، مجھے میرا دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا، لگ رہا تھا کسی بھی پل سانس تھم

جائے گی اور سانس تھم جانے کی آس میں، میں نے پورا پیکٹ خالی کر دیا تھا مگر سگریٹ کا وجود تو باقی نہ رہا مگر میرا وجود یونہی باقی رہا سگریٹ کے ٹوٹوں کی طرح ٹوٹا بکھرا۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔

''ادیان۔'' اس نے بہت فکر مند ہوتے ہوئے بہت پیار سے پکار کر نرمی سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا اور وہ بھیگی آنکھوں سے ابران کو دیکھنے لگا تھا۔ ابران نے اس سے کبھی نفرت تو نہیں کی تھی مگر اس کی فکر بھی نہیں کرسکا تھا مگر آج اس کی فکر میں ڈوبا اس کی فکر جانکر اسے ختم کر دینے کی خواہش آنکھوں میں بسائے وہ اسے دیکھ رہا تھا جس نے نگاہ چرالی تھی کہ وہ اس چہرے سے نفرت نہیں کرسکتا تھا اپنے تمام تر دکھ اور اذیت کے باوجود بھی۔

''تم مجھ پر بھروسہ کرسکتے ہو ادیان، بتاؤ مجھے کیوں اس قدر ڈسٹرب ہو۔''

''میں کسی کو بھی کچھ نہیں بتاسکتا ہوں نہ بتانا چاہتا ہوں۔'' وہ یکدم ابران تو نہیں بنا تھا مگر اس کا انداز اسے یہی لگا تھا کہ جیسے وہ اب تک اس کے ساتھ مس بی ہیو کرتا آیا ہے اسی کے سبب وہ اپنے دل کی بات اس سے نہیں کرسکتا۔

''اٹس اوکے ادیان، کہ میں نے جب تمہیں کبھی چھوٹا بھائی نہیں سمجھا تھا تو تم کیوں میرے بڑے بھائی کے کسی حق کو تسلیم کرو گے، ایکسٹریملی سوری، کہ میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا، بٹ یقین رکھنا کہ میں تمہاری حرکت کا گھر میں کسی کو نہیں بتاؤں گا مگر تمہیں غلطی سے بھی دوبارہ یہ حرکت کرتے دیکھا تو نہ صرف تم پر سے میرا اعتبار اٹھ جائے گا میں ڈیڈی سے بھی کچھ نہیں چھپاؤں گا۔'' وہ بڑی تیزی سے وہاں سے نکل گیا تھا۔

''آپ میرے لیے کیا ہو میں یہ آپ کو کبھی بتا نہیں سکوں گا کہ آج کل میں جس عذاب میں ہوں اس کا ہر سرا آپ تک ہی جاتا ہے۔ کبھی آپ مجھے میرے مجرم لگتے ہیں، کبھی خود کو آپ کا مجرم پاتا ہوں، کبھی آپ سے نظر ملانے سے کتراتا ہوں تو کبھی خود سے نظر تک نہیں ملا پارہا۔ مگر اس سب کے باوجود آپ کا رتبہ کم نہیں ہو رہا ابران بھیا کہ آپ میرا عشق، میری عقیدت ہیں اور عشق، محبت سے تو ٹکرا سکتا ہے مگر محبت، عقیدت کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اور ایسے میں، میں خود کو آپ کا مجرم پاتا ہوں اور جس طرح دکھی ہو کر آج آپ میرے کمرے سے گئے ہیں اس کے میں خود کو کبھی معاف نہیں کرپاؤں گا۔'' وہ بیڈ پر گر سا گیا تھا اور وہ بچوں کی طرح بلک رہا تھا۔ اسے یوں روتا دیکھ کر اندر آتے ارمان شیرازی بے حد متفکر ہو گئے تھے اور انہوں نے اسے پکارا تھا اور وہ ان کے سینے سے لگ کر اور شدتوں سے رونے لگا تھا اور وہ اس سے کچھ پوچھنے اور اسے چپ کروانے میں ناکام ہی ٹھہرے تھے کہ وہ یکدم ان کے سینے سے سر اٹھا تا دور ہوا اور پلٹ کر واش روم میں گھس گیا اور وہ ذہن و دل میں ہزار ہا سوال لیے ساکت سے کھڑے رہ گئے تھے جبکہ وہ شاور کے نیچے کھڑا بچوں کی طرح رو رہا تھا کہ وہ ایسے نقصان سے دوچار تھا جس کی بھرپائی ممکن ہی نہ تھی۔

''خوشی کہاں ہے؟'' اس نے مصطفیٰ ہاؤس میں داخل ہونے کے بعد ملازمہ سے پوچھا تھا۔

''چھوٹی بی بی تو اپنے کمرے میں ہیں، آپ کہیں تو بلا کر لاؤں۔'' اس نے فوراً اپنی خدمات پیش کی تھیں۔

''نہیں رہنے دو، گھر والے سب کہاں ہیں، کوئی نظر نہیں آ رہا۔'' سوال کیا تھا۔

''کل رات سے شیریں بی بی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، سب ان کے کمرے میں ہیں۔''

وہ ملازمہ کی بات پر پریشان ہوتا اس کے کمرے کی طرف بڑھا تھا اور اس سے مل کر لوٹ رہا تو رابعہ سے ٹاکرا ہو گیا تھا جنہیں اس نے بہت پیار سے سلام کیا تھا۔

''کہاں مصروف ہوتے ہو بھئی۔ اب تو بالکل ہی کہیں نظر نہیں آتے۔'' سلام کا جواب دے کر نہایت شفیق انداز میں شکوہ کیا تھا۔

''آنی، کچھ کنسرٹس وغیرہ میں بزی تھا۔'' نرمی سے کہہ کر اس کی آنکھیں کچھ تلاشنے لگی تھیں اور رابعہ نے مسکرا کر ماسی سے خواہش کو بلا کر لانے کو کہا تھا اور وہ جھینپ سا گیا تھا اپنی چوری پکڑے جانے پر مگر وہ کچھ ظاہر کیے بناء اس سے اگلا سوال کر گئی تھیں۔

''خواہش شاید مجھ سے کچھ خفا ہے، فون اٹینڈ نہیں کر رہی تھی اس لیے خود چلا آیا اگر آپ اجازت دیں تو میں خواہش کو کچھ دیر کے لیے اپنے ساتھ باہر لے جاؤں؟'' اس کے انداز میں قدرے جھجک تھی اور انہوں نے مسکرا کر اجازت دی تھی کہ اندر آتی خواہش اسے دیکھ کر ٹھٹکی تھی اور پلٹ کر جاتی کہ وہ آواز دے گئی تھیں۔

''خوشی۔ ایان تمہیں لینے آیا ہے، تیار ہو کر اس کے ساتھ چلی جاؤ۔'' اس نے نظر اٹھا کر ایان کو دیکھا اس نے فوراً مسکراہٹ اچھالی تھی اور اس نے خفگی سے نظر پھیر لی تھی۔

''میرے سر میں درد ہے مما، میں نہیں جا پاؤں گی۔'' صاف انکار کرتی وہ نکلتی چلی گئی تھی۔

''پتہ نہیں کچھ عرصہ سے اسے نہ جانے کیا ہوتا جا رہا ہے، اداس اور خفا خفا رہنے لگی ہے۔'' انہوں نے ایان کو دیکھ کر کہا تھا جو اس کے جانے پر متحیر ہی نہیں دکھی بھی تھا۔

''جو بھی بات ہے تم اس سے کلیئر کرو، اس طرح کیسے چلے گا؟''

اور وہ کچھ سوچ کر ان کی اجازت سے اس کے کمرے تک آ گیا تھا، دروازہ تیسری دستک پر کھولا تھا۔

''آپ چلے جائیں یہاں سے، میں نے آپ سے بات نہیں کرنی ہے۔'' وہ دروازہ آدھا کھولے سرخ چہرے و نم لہجے میں بولی تھی۔

''کیوں کر رہی ہو ایسا خوشی؟ بات کیا ہے؟ کیوں مجھ سے ناراض ہو۔'' وہ کہہ ہی رہا تھا کہ وہ ٹوک گئی تھی۔

''میں آپ سے ناراض کیوں ہوں گی بھلا؟ آخر آپ کی لگتی ہی کیا ہوں۔''

وہ حیرانگی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''خوشی۔'' بے یقینی سے محض اسے پکار کر رہ گیا تھا جبکہ وہ کمرے میں چلی گئی تھی اور وہ بھی دروازہ دھکیل کر اندر تک آ گیا تھا۔

''یونہی پریشان کرتی رہو گی یا کچھ بتاؤ گی بھی کہ آخر کیا مسئلہ ہے، کیوں مجھے اگنور کر رہی ہو۔'' وہ ضبط سے سرخ پڑتا غصہ سے بولا تھا۔

''اپنا اگنور کیے جانا کتنا برا لگ رہا ہے اور جب خود کسی کو اگنور کرتے ہیں تو احساس تک نہیں ہوتا۔'' وہ اس کے غصے سے خائف روتے ہوئے بولی تھی۔ ''میں نے دو دفعہ کال رسیو نہیں کی تو جواب طلبی کرنے چلے آئے اور جب میں آپ کو کال کرتی رہی تو کوئی جواب دینا آپ نے ضروری نہیں سمجھا۔''

اس کے رونے میں اور ابیان کی حیرانگی میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا۔

''میں کچھ دن سے بزی زیادہ تھا خوشی ورنہ میں تمہیں جان کر اگنور کیوں کروں گا، تم خوامخواہ میں بدگمان ہو رہی ہو۔'' سنجیدگی سے بولا تھا۔

''آپ کو ایسا ہی لگے گا کہ میں غلط ہوں کہ آپ اپنی غلطی سمجھتے ہی کب ہیں جو آپ کو اپنے غلط ہونے کا احساس ہو گا۔'' وہ چیخ کر بولی تھی۔

''اب تم مجھے غصہ دلا رہی ہو خوشی۔'' وہ اس کے انداز پر تپ کر کہہ گیا تھا۔

''میں نے تو نہیں بلایا ناں، مجھ سے بات کرنا، میرا کچھ کہنا اتنا ہی ناگوار گزر رہا ہے تو چلے جائیں یہاں سے۔'' وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے سسک اٹھی تھی۔

''خوشی، میں نہیں جانتا کہ تم میری کس بات سے ہرٹ ہو گئی ہو، بٹ بلیوی یار، تم سے بات کرنا مجھے ہمیشہ اچھا لگتا ہے، جان ہو یار تم تو میری۔'' وہ اس کے یوں رونے پر پریشان ہوا تھا پھر خود کو کمپوز کرتا نرمی سے کہتا چلا گیا۔

''جھوٹ مت بولیں، میں ہوتی ناں اتنی ہی عزیز تو اتنے عرصے سے اگنور تو نہ کرتے، مجھ سے بات کرنے کی فرصت نہیں ملی اور نہ جانے کتنی لڑکیوں سے بات کرتے پھرتے ہیں، ہر وقت آپ کا نمبر بزی ملتا ہے۔'' اس کے رونے میں بدستور اضافہ ہو رہا تھا۔

''او مائی گاڈ! ایسا کچھ نہیں ہے، تمہاری قسم خوشی میں کسی لڑکی سے بات نہیں کرتا، میری فینز مجھے کال کر بھی لیں تب بھی نہیں۔''

''جھوٹ، بکواس، پرسوں آپ کو میں نے خود شاپنگ مال میں ایک لڑکی سے ہنس ہنس کر باتیں کرتے دیکھا تھا اور تو اور میں نے آپ کو جب گھر آ کر کال کی تو ایک لڑکی نے کال رسیو کی تھی، میں جانتی تھی آپ یہی سب کرو گے اسی لیے میں نہیں چاہتی تھی کہ آپ اس فیلڈ کو چوز کرو۔''

وہ کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی کہ اسے ہنستے دیکھ کر بے چین رہ گئی تھی۔

''تم کتنی پاگل ہو، جس لڑکی کو تم میرے ساتھ دیکھ کر بدگمان ہو گئی تھی وہ یمانی آپی تھیں۔'' ہنستے ہوئے بولا تھا مگر اس نے یقین نہیں کیا تھا اس کی بات پر اسی لیے اس نے پوچھا تھا۔

''تم نے اس لڑکی کا چہرہ دیکھا تھا؟''

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''نہیں۔ بٹ میں یمانی آپی کو ان کی بیک سے بھی پہچان سکتی ہوں۔'' وہ تپ کو بولی تھی۔

''مگر پہچان نہیں سکیں کہ ویسے بھی آپی نے عبایا پہنا ہوا تھا۔'' وہ اب اسے ساری تفصیل بتا رہا تھا۔

''مگر آپی تو عبایا نہیں پہنتیں۔''

''پہننے لگی ہیں اور پرسوں وہ فرسٹ ٹائم شہباز بھائی کے ساتھ شاپنگ کرنے آئی تھیں اسی لیے عبایا پہنا تھا کہ آپی نے مجھے شاپنگ مال میں ہی بتایا تھا کہ یہ تبدیلی شہباز بھائی کی پسند پر ان میں آئی ہے۔'' وہ تفصیل بتاتا چلا گیا تھا۔

''اور پھر کال کس نے رسیو کی تھی؟'' اب شرمندگی سے پوچھ رہی تھی۔

''سیلز گرل نے کہ میں نے اپنا موبائل کاؤنٹر پر رکھا تھا اور آپی کو دیکھ کر ان کی جانب متوجہ ہوا تھا تو موبائل اٹھانا یاد نہیں رہا تھا اور جب یاد آیا تھا تو میرے اندازے کے مطابق اسی شاپ پر ملا تھا اور وہاں موجود سیلز گرل نے مجھے میرا موبائل سوری کے ساتھ یہ کہہ کر پکڑایا تھا کہ اس نے میرے موبائل پر آنے والی میری بیوی کی کال یہ سوچ کر رسیو کی تھی تاکہ اسے بتادے کہ میں اپنا موبائل بھول گیا ہوں آ کر لے لوں، بٹ تم نے اس کے ہیلو کہتے ہی لائن کٹ کردی اور کال بیک کرنے پر اپنا موبائل ہی آف کر دیا۔''

وہ اب اور مزید شرمندہ ہوگئی تھی۔ ایان نے اس کا نمبر ''مائی سویٹ وائف'' کے نام سے سیو کیا ہوا تھا۔ اس کی بدگمانی دور کرنے کے بعد اب وہ اس پر خفا ہو رہا تھا۔

''مجھے یہ جان کر افسوس ہوا کہ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔''

وہ اس کے کہتے ساتھ ہی نفی میں سر ہلا گئی تھی۔

''اعتبار تو بہت ہے مگر آپ کو کھونے سے ڈرتی ہوں اور جب سے آپ نے میوزک انڈسٹری جوائن کی ہے نہ جانے کون کون سے وہم مجھے ستانے لگے ہیں۔'' وہ پھر سے رونا شروع ہوگئی تھی۔

''ڈونٹ کرائے یار، تم میرے لیے مجھ سے بڑھ کر عزیز ہو اور کوئی بھی تمہاری جگہ نہیں لے سکتا۔'' وہ بے اختیار اسے خود سے لگا گیا تھا مگر وہ دوسرے ہی پل فاصلہ قائم کر گئی تھی۔

''دور جاتا ہوں تو غصہ ہوتی ہو، قریب آتا ہوں تو نظر چرانے لگتی ہو، چاہتی کیا ہو؟'' وہ شرارت سے بولا تھا۔

''فری مت ہوں اور جائیں یہاں سے۔'' ہاتھ چھڑاتی سرخ چہرے کے ساتھ بولی تھی۔

''اچھی بھلی رخصتی ہو رہی تھی، میں ہی پاگل تھا جو تمہاری باتوں میں آ گیا۔'' بھاگنے کو پر تولتی خواہش کی وہ کلائی تھام گیا تھا۔

''ایان۔'' سہم کر اسے دیکھا تھا۔

''جی جانِ ایبان۔''اس کا انداز فدا ہونے والا تھا۔

''ایبان، ہاتھ چھوڑیں میرا اور جائیں یہاں سے۔'' کلائی آزاد کرانے کی کوشش کرتی وہ اس سے نظر نہیں ملا رہی تھی جبکہ اس کی نگاہ اس کے صبیح چہرے کے گرد طواف کر رہی تھی۔

''تم نے مجھے اتنا ستایا ہے، کچھ تو سزا ملے گی ناں، یونہی تو نہیں چھوڑ سکتا۔کوئی پھڑکتی ہوئی سی سزا ہونی چاہیے کہ تم کم از کم آئندہ مجھے ستانے سے پہلے ہزار بار سوچو۔''

کلائی کو ایسے جھٹکا دیا تھا کہ وہ اس کے سینے سے آلگی تھی۔

''ایبان۔'' وہ مچل کر دور ہونا چاہتی تھی مگر وہ اس کی کوشش ناکام بنا گیا تھا۔

''تم لڑتے ہوئے پیاری لگتی ہو اور مجھ سے شرماتے ہوئے بہت پیاری۔'' وہ ہنوز شرارت پر آمادہ تھا اور وہ بچاؤ کی کوئی راہ نہ پا کر یکدم رونے لگی تھی اور اس نے گھبرا کر خود ہی فاصلہ قائم کر دیا تھا۔

''میری توبہ، جو آئندہ آپ پر بھروسہ کر کے آپ کو اپنے کمرے میں آنے دیا۔''

ایبان نے اس سے چپ ہو جانے کی ریکوئسٹ کی تھی تب اس نے اسے جانے کو کہہ دیا تھا اور وہ جو محض اسے ستا رہا تھا فوراً کمرے سے نکل گیا تھا اور اس نے دروازے کا پٹ تھامتے ہوئے خود کو جذبے لٹاتی نگاہوں سے دیکھتے ایبان کو دیکھ کر حیا سے سرخ پڑتے ہوئے تقریباً منمنائے لہجے میں کہا تھا اور اس کے بے ساختہ قہقہہ لگانے پر کچھ گھبرا کر کچھ جھینپ کر دروازہ بند کرتی مسکرا دی تھی۔

☆......☆......☆

''تم آخر چاہتے کیا ہو زعیزعہ؟ تم نے مجھے پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔''

اس نے سرخ آنکھوں سے باپ کے غصہ چھلکاتے چہرے کی جانب دیکھا تھا۔

''دیکھو زعیزعہ، تم میرے اکلوتے بیٹے ہو، میری امیدوں کا واحد مرکز، اس طرح تم خود سے ہی بے گانہ رہو گے تو میں تو تباہ ہو جاؤں گا، ضرورت ہے مجھے تمہاری۔'' وہ بے بس نظر آنے لگے تھے۔

''میں سب جانتا ہوں ڈیڈ لیکن کچھ بھی میرے اختیار میں نہیں ہے۔''اس نے ریک سے بوتل نکال کر گلاس میں بھرا تھا اور زہر گھونٹ گھونٹ کر کے اپنے اندر اتارنے لگا تھا۔

''تم شادی کر لو زعیزعہ۔''انہوں نے اچانک ہی کہہ دیا تھا اسے اچھو لگ گیا تھا، بری طرح کھانسنے کے بعد وہ نم آنکھوں سے ان کی جانب دیکھنے لگا تھا۔

''میں جس سے شادی کرنا چاہتا تھا اس کی شادی تو ہو گئی ہے اب میں کس سے شادی کروں؟''

وہ باپ کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''تمہاری اتنی شکستہ حالت مجھ سے نہیں دیکھی جاتی زعیزعہ، تل تل مرنے سے بہتر ہے فیصلہ کرلو۔'' وہ اپنے بیٹے کو اس حالت میں ٹوٹا بکھرا نہیں دیکھ پا رہے تھے۔

''فیصلہ تو نہیں ہوتا ڈیڈ۔ اس کو دیکھ کر میرے سارے دعوے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں، فیصلہ کیا تھا کہ اس نے مجھ سے بے وفائی کی ہے اس لیے میں اسے جان سے ماردوں گا مگر جب وہ سامنے آئی تو دل نے اسے نقصان پہنچانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔''

اسے اسلام آباد کی وہ شام یاد آ گئی تھی جہاں وہ بڑی دقتوں کے بعد مارنے مرنے کے ارادے سے پہنچا تھا مگر اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکا تھا۔

''کہ میں نفس وہوس پرست سہی مگر دل اس کے آگے احتراماً جھک گیا ہے، اس کا نقصان نہیں کرنے دیتا اسی لیے نہ کبھی تنہائی کا فائدہ اٹھایا نہ انتقام کی آگ کو سرد کیا اس شام دل سے تہیہ کیا تھا کہ میں اس شخص کی جان لے لوں گا جس نے میری محبت کو مجھ سے اپنی قسمت سے چرا لیا ہے مگر جب اسے اس شخص کے ساتھ خوش دیکھا، اس کی آنکھوں میں ٹھہری مسرت دیکھی تو دل نے انتقام وغصہ پر چاہت کی بوچھاڑ کردی، اتنا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں کہ اس کی آنکھوں کے جگنو بجھادوں۔'' وہ ہارے ہوئے انداز میں کارپٹ پر گرتا چلا گیا تھا۔

''وہ میری محبت نہیں، میرا عشق ہے ڈیڈ اور عشق کی راہیں تو بڑی کٹھن، صبر آزما ہوتی ہیں اور میں بھی نہ چاہتے ہوئے صبر کے گھونٹ پی رہا ہوں، اس کو نہ پا کر تکلیف میں ہوں، اسے کسی اور کے ساتھ خوش دیکھ کر اذیت سہہ رہا ہوں مگر کچھ نہیں کرسکتا کیونکہ میرے عشق نے میرے ہاتھ باندھ کر مجھے بے بس ولاچار کردیا ہے، اب میں تڑپ تو سکتا ہوں، چرچا نہیں کرسکتا۔'' وہ پہلی بار ہارے ہوئے انداز میں اپنی دشمن جاں کے سامنے بلک بلک کر رو رہا تھا اور آج دوسری بار باپ کے سامنے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے تھے اور وہ بیٹے کو کچھ کہنے یا سمجھانے کی بجائے اس کا درد بانٹنے کے بجائے بہت کچھ منفی سوچنے لگے تھے کہ وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا، ان کی امیدوں کا مرکز، وہ اب تک ان کی ہر امید پر پورا اترا تھا ان کے ہر کام کو اس نے بہ احسنِ خوبی سرانجام دیا تھا مگر کچھ عرصے سے سب کچھ تلپٹ ہو کر رہ گیا تھا اس کی بے توجہی ہی تھی کہ ان کے کتنے ہی اڈوں پر پولیس ریٹ پڑ چکی تھی، انہیں کروڑوں کا نقصان ہو گیا تھا اور وہ اس نقصان سے انجان اپنے آپ میں مگن تھا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس کی یہی حالت رہے اور وہ ان کا مزید نقصان کرلے اور اسی لیے انہوں نے بہت کچھ سوچنے کے بعد ایک فیصلہ لے لیا تھا انہوں نے کچھ بھی کر کے اس کے اندر بدلے وانتقام کی آگ روشن کرنی تھی کہ اسی طرح وہ پرانے زعیزعہ خان کو واپس حاصل کرسکتے تھے مگر وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ کیا کریں؟ کیسے سب کچھ اپنے فیور میں کریں؟ انہیں الجھا پا کر عکاشہ پوچھے بغیر نہیں رہی تھیں اور انہیں بھی تو مشورے کی ضرورت تھی وہ کچھ ان سے کہتے چلے گئے تھے اور وہ جو کئی دن گزار کر حل نہیں نکال پائے تھے انہوں نے اگلے ہی سیکنڈ حل ان کے سامنے رکھ دیا تھا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے تمہارا پلان ورک کرے گا؟''

وہ دلکشی سے ہنس دی تھیں۔

''ہنڈرڈ پرسنٹ کرے گا۔'' وہ شیور تھیں لیکن وہ تعامل کا شکار تھے۔

''حمزہ، جس طرح زعیزعہ اس کے لیے مضطرب ہے اس کے باوجود کچھ غلط نہیں کر رہا ہے تو اس کا مطلب یہی نکلتا ہے کہ دنیا کے پچھتر فیصد مردوں کی طرح زعیزعہ کی زندگی کو بھی ایک عورت نے بدل دیا ہے وہ اچھائی کو قبول کرنے لگا ہے، اچھائی کے پیچھے بھاگنے لگا ہے اور اس کی یہ دوڑ آپ کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگی اس لیے آپ کو اس کے اندر جنم لینے والی اچھائی کا گلا گھونٹنا ہوگا۔'' ان کا انداز کافی پراسرار مگر قائل کر لینے والا تھا اور وہ تو ان کے ایک بار کہہ دینے پر راضی ہو جاتے تھے اور اب تو وہ معہ دلائل کے ان سے بات کر رہی تھیں اس لیے وہ رضامند ہونے لگے تھے۔

''اور اس کے لیے میرا آئیڈیا پرفیکٹ ہے کیونکہ وہ اس لڑکی کو نقصان نہیں پہنچا پا رہا مگر آپ اس لڑکی کے ساتھ اس لڑکی کی فیملی کو بھی پریشان کریں گے تو نتائج ہماری سوچ کے مطابق نکلیں گے۔'' وہ پر یقین تھیں۔

''اور اگر نہیں نکلے تو......''

''ہاہاہا! کیوں نہیں نکلیں گے، آپ خود سوچیں ناں زعیزعہ بدل رہا ہے، وہ اس لڑکی کے لیے اتنا حساس ہو گیا ہے کہ اسے پریشان نہیں کر رہا مگر اسے ہم پریشان کریں گے اور ثبوت زعیزعہ کے خلاف چھوڑیں گے تو یہ بات اس کے سامنے آئے گی اور وہ کچھ غلط نہ کر کے ہر بات کا قصوروار ٹھہرایا جائے گا تو اس کے اندر سونے لگی برائی جاگنے لگے گی، زعیزعہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گا کہ وہ کچھ غلط نہ کر کے بھی مجرم بن رہا ہے، وہ لڑکی میرا اعتبار تک نہیں کر رہی تو پھر وہ سب کر کے اپنے آپ کو مجرم کہلانا زیادہ پسند کرے گا۔'' وہ اپنے خوبصورت ابرو چڑھا کر بولی تھیں۔ حمزہ خان نے موبائل نکال کر کسی کا نمبر ڈائل کیا تھا اور کچھ ہدایات دی تھیں اور وہ جو مطمئن سی فاتحانہ انداز میں سن رہی تھیں آخری بات پر متحیر ہو گئی تھیں اور ان کی بات کے اختتام پر جس کا اظہار بھی کر گئی تھیں۔

''میں نے بھی کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلیں ڈارلنگ، تم دیکھتی جاؤ میں کرتا کیا ہوں۔'' وہ اب ان سے زیادہ پرسکون نظر آ رہے تھے۔

''لیکن میں سمجھی نہیں کہ آپ نے حملہ کرنے والوں کو یہ کیوں کہا کہ وہ ملک نعمان کا نام لیں۔'' وہ کافی الجھی ہوئی تھیں۔

''اس لیے ڈارلنگ کہ وہ کمشنر سالار اور اس کا ایس پی بیٹا خاموش تو بیٹھے گے نہیں، جان کر ثبوت چھوڑنے کی میں بے وقوفی کر نہیں سکتا اس لیے داؤ پیچ تو لڑانا پڑیں گے تاکہ وہ چھان بین کے بعد اصل مجرم تک پہنچنے میں کم از کم اتنی دیر تو لگائیں گے ناں کہ میں اس عرصہ میں باآسانی دوسرا وار کر دوں۔'' وہ قہقہہ لگا کر بولے تھے اور ان کی ہنسی کی جلترنگ توصیفی انداز میں ان کے قہقہوں میں شامل ہو گئی تھی۔

''اب تم دیکھتی جاؤ میں کیسے ایک تیر سے دو نشانے لگاتا ہوں کہ کمشنر سالار اور اس کے ایس پی بیٹے سے میرے بھی کئی حساب نکلتے ہیں، سارے حساب ایک ساتھ ہی بے باک کر لوں گا وہ بھی ایسے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔'' وہ بہت آگے تک کا سوچ رہے تھے۔

''مگر اس طرح ملک نعمان جو تمہارا دشمن بن جائے گا۔'' انہوں نے نیا نکتہ اٹھایا تھا۔

''ڈارلنگ، تو وہ میرا دوست کب ہے؟ اس سے بھی کئی حساب نکلتے ہیں، اور جس طرح وہ حوالات میں بند اپنے بیٹے کو باہر نکالنے کی تگ ودو میں لگا ہے میں جانتا ہوں اس کی یہ کوششیں کتنی مثبت ہیں، ڈیئر، اس کا نام کچھ سوچ کر ہی لیا ہے، دو کام وہ خود کرے گا او ردو کام اس کے نام پر ہم کریں گے، اسی کا نام سیاست ہے۔'' وہ ان کی سوچ سے زیادہ شاطر تھے وہ آنکھ دبا کر معنی خیزی سے دیکھتے کسی کا نمبر ڈائل کرتے باہر نکل گئے تھے۔

''تم کتنے ہی شاطر سہی حمزہ خان مگر میرا یہ پلان تم سے زیادہ میرے لیے کامیابی لے کر آئے گا، تم دونوں باپ بیٹوں کو میں ایک دوسرے کے مقابل لا کر تمہاری کروڑوں کی جائیداد پر کیسے قابض ہو جاؤں گی یہ تم جان بھی نہ سکو گے۔'' وہ مکاری سے سوچتیں بلند و بانگ قہقہہ لگا گئی تھیں۔

☆......☆......☆

''ریا! کل سنڈے ہے۔ ابر کل گھر پر ہی ہو گا اس لئے باہر ڈنر کا پروگرام تشکیل دے لینا۔'' وہ بہو کے سر میں تیل لگاتے ہوئے بولی تھیں جبکہ وہ گڑبڑا گئی تھی کہ چاہے شادی کے بعد وقت بڑی تیزی سے گزر رہا تھا مگر ان کے درمیان ہنوز فاصلے ہی تھے کہ وہ اپنے خول سے نکلنے کو تیار نہ تھی اور وہ پتھر میں چوٹ لگا تا رہتا تھا مگر اسے اب تک مشق میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

''ابران آنے جانے کا ویسے ہی بہت چور ہے۔ تم یونہی اسے ڈھیل دیتی رہیں تو اس کی عادتیں سدھرنے کے بجائے مزید بگڑتی چلی جائیں گی اس لئے اس سے ضد کیا کرو، آنے جانے کی فرمائش کیا کرو۔'' وہ اس کی نیچر بھی جانتی تھیں اور اب اس کی لاتعلقی سی بھی محسوس کرتی تھیں مگر کچھ جتانے یا کہنے کے بجائے نامحسوس طریقے سے اسے سمجھایا کرتی تھیں۔

''ممی، آپ اپنی بہو کو بیٹے کے خلاف بھڑکا رہی ہیں۔ ناٹ فیئر۔'' وہ ماں کے کمرے میں داخل ہوتا شرارت سے بولا تھا۔

''ہاں! تو کام ایسے نہ کیا کرو ناں کہ مجھے بہو کی سائیڈ لینی پڑے۔'' وہ اس کو مصنوعی ناراضگی سے گھورتیں دھیمے سے بولی تھیں۔ وہ اس کو دلچسپی سے دیکھنے لگا اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور وہ بڑے ریلکس موڈ میں تیل لگواتے بیٹھی تھی، گڑبڑا کر دوپٹہ کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگی تھی جو اسے قدرے فاصلے پر صوفے پر پڑا نظر آ گیا تھا اور وہ اٹھنے لگی تھی کہ انہوں نے بازو سے پکڑ کر اسے واپس بٹھا لیا تھا۔

''بال تو بنانے دو۔''

وہ لب کچلنے لگی تھی۔ ابران نے اس کا چہرہ دیکھا تھا جو لہو چھلکا رہا تھا اور اس کی نظروں کے تعاقب میں جونہی اس نے نظریں گھمائی تھیں اس کے لب مسکرانے لگے تھے اور وہ صوفے پر بیٹھ کر دوپٹہ کا پلو ہاتھ میں لپیٹنے لگا تھا اس نے یکدم نظریں چرا سی لی تھیں وہ اسے دیکھنے لگا تھا جس کا چہرہ حیا سے دہک رہا تھا اور اس نے پاؤں موڑ کر ہاتھ گھٹنوں کے گرد باندھ لیے تھے۔ وہ اس کے گریز وحیا پر زیر لب مسکراتا شرارت کا ارادہ ترک کرتا اٹھا اور دوپٹہ اس کی جانب بڑھا دیا اس نے نظریں اٹھائیں وہ بھی نرمی سے مسکرایا تو اس نے پرسکون انداز میں دوپٹہ اس کے ہاتھوں سے لے کر کاندھوں پر پھیلا لیا تھا۔ نیناں نے بیٹے کو کن اکھیوں سے دیکھا تھا۔ سنجیدہ سا ابران اسے آج اور

بھی پیارا لگا تھا کہ جب اس نے صوفے پر بیٹھ کر دوپٹہ سے کھیلنا شروع کیا تھا تو اس کی آنکھوں میں شرارت کا عکس نمایاں تھا مگر ماں کے سامنے وہ غیر اخلاقی حرکت کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا اس لئے لمحہ کے ہزارویں حصہ میں وہ سنجیدہ ہو چکا تھا اور وہ بھی مطمئن ہو گئی تھیں کہ وہ بیٹے پر کسی قسم کی قدغن نہیں لگا سکتی تھیں مگر بہ حیثیت ماں اس سے جس بات جس سنجیدگی کی متقاضی تھیں وہ اس پر کھرا اترا تھا کہ انہیں تو اپنے بیٹے کا یہ انداز بھی بہت اچھا لگتا تھا کہ وہ سب کے سامنے اسے ''ریا'' نہیں کہتا تھا جبکہ سب ہی اسے ''ریا'' کہتے تھے مگر اسے ''ریا'' کہنا بے تکلفی کا سا احساس دلاتا تھا اس لئے وہ سب بڑوں کے سامنے محتاط ہی رہتا تھا۔

''ممی! بہو کی ناز برداریوں سے فارغ ہو جائیں تو کچھ نظرِ کرم اپنے پیارے سے بیٹے کی جانب بھی کر لیجئے گا کہ آج آفس میں ہی سوچ لیا تھا کہ گھر جا کر آپ سے تیل لگواؤں گا کہ آج صبح سے ہی سر میں درد ہو رہا ہے۔'' وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا تھا اور وہ مسکرا دی تھیں۔

''مجھے تو اب معاف ہی رکھو، شادی ہو گئی ہے تمہاری۔ اب اپنی خدمتیں اپنی بیوی سے کروایا کرو۔'' وہ جو بال بندھنے کے بعد اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی تھی ان کی مسکراتی نگاہیں خود پر محسوس کرتی جھینپ کر سرخ پڑ گئی تھی اور رہی سہی کسر ان کے اگلے جملے نے پوری کر دی تھی۔

''ریا! تیل کی شیشی لے جاؤ بیٹا اور ابر کے سر میں تیل لگا دینا۔ میں اب عشاء کی نماز پڑھوں گی کہ تم سے باتیں کرتے تو آج وقت گزرنے کا خیال ہی نہیں آیا۔''

وہ لب کچل رہی تھی اور انہوں نے اس کی بدلتی رنگت دیکھ کر ہی بڑی سہولت سے ذمہ داری اسے سونپ کر موضوع ہی بدل ڈالا تھا۔

''ممی کو کیا پتہ کہ ان کی بہو ان کے بیٹے سے بات کرنا پسند نہیں کرتی۔ اس کی خدمتیں کیا کرے گی۔'' ابران کی آواز اس کے بہت نزدیک سے گونجی تھی تب وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ پہلی دفعہ اسے اپنے عین سامنے کھڑے ابران کی آنکھوں میں شکایت نظر آئی تھی اور اس کی آنکھیں دیکھ کر رویحا کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

''آئی ایم ساری۔'' وہ اپنا رویہ جانتی تھی تب ہی شرمساری سے کہتی لاچاری سے رو پڑی تھی۔

''میں کچھ کہتا نہیں ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے مگر اتنا یاد رکھنا کہ تمہارے رویے سے زیادہ مجھے شرمساری ہرٹ کرتی ہے۔'' پہلی دفعہ اس نے لبوں سے اس کے رویے کی بدصورتی کا ذرا سا ہی سہی بتانا ضرور تھا اور پہلی ہی دفعہ بڑی نرمی سے اس کے آنسو صاف کرنے لگا تھا۔

''ممی وضو کر کے کسی بھی وقت آ سکتی ہیں، تمہیں روتے دیکھ کر پریشان ہوں گی اس لیے رونا بند کر دو اور تمہیں ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے، ممی نے چاہے میری محبت میں تمہیں ایک ذمہ داری سونپ دی ہے مگر میری طرف سے تم آزاد ہو کہ خدمتیں وہاں کروائی جاتی ہیں جہاں محبت یا پرواہ کی ڈوری بندھی ہو، بائے فورس ہی کچھ کروانا ہوتا تو شادی کے بعد اپنے کپڑے خود نہ استری کر رہا ہوتا۔'' آج وہ نہ جانے کس موڈ میں تھا کہ نرمی سے شکوے کرتا جا رہا تھا اور وہ حیرانگی سے اس کی اور ڈھنگ سے دیکھ بھی نہ پائی تھی کہ وہ مڑا تھا اور سائیڈ ٹیبل پر سے تیل کی بوتل اٹھاتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا اور وہ ہونق سی کھڑی رہ گئی تھی کہ اس نے کبھی بہت چاہ کر بھی ابران سے نہیں کہا تھا

کہ وہ اس کے کپڑے استری کر دے گی اور نہ ہی خود سے اس کی غیر موجودگی میں یہ کام سرانجام دیا تھا جبکہ جانتی تھی کہ گھر کے سب افراد کے کپڑے ماسی دھو کر استری کرتی تھی ایک واحد ابران تھا جس کے کپڑے نیناں شیرازی ماسی سے دھلوا کر خود استری کرتی تھیں اور چونکہ اس کا بھی ابھی کھیر میں ہاتھ نہیں ڈلوایا تھا اس لئے کپڑے ماسی سے دھلوا کر دے دیتی تھیں مگر یہ ان کو اندازہ نہ تھا کہ نامحسوس طریقے سے بہو کو جو ذمہ داری دی تھی اسے بیٹا نبھا رہا تھا کہ انہیں یہی لگتا تھا کہ رویحا اب اس کے چھوٹے موٹے کام کرنے لگی ہے جبکہ ایسا نہ تھا کہ ماں کے سامنے ان کا انا پرست بیٹا بھرم رکھ رہا تھا کہ انہیں ہرٹ بھی تو نہیں کر سکتا تھا۔☆

☆......☆......☆

''واٹ! کون سے ہاسپٹل؟'' کھانے کے دوران آتی مسلسل کال کو انہوں نے فاطمہ بیگم کے گھورنے کو نظرانداز کر کے ریسیو کر لیا تھا اور ان کے منہ سے نکلنے والے الفاظ ان سب کو بھی پریشانی سے ان کی جانب متوجہ کر گئے تھے۔

''ٹھیک ہے۔ میں کچھ دیر میں پہنچ رہا ہوں، تم وہیں رہنا۔'' انہوں نے شہیر کے ڈرائیور کو ہدایت دی اور کرسی کھسکا کر اٹھ گئے۔

''کیا ہوا ہے سالار؟ کون ہاسپٹل میں ہے؟'' رابعہ ان کی تقلید میں انہیں پریشانی سے پوچھ رہی تھیں اور انہوں نے ذرا سے پریشان ہو جانے والی بیوی کو دیکھ کر بہو کو دیکھا تھا اس کے چہرے پر بھی پریشانی صاف لکھی تھی۔

''موسیٰ (شہیر کا ڈرائیور) کا فون تھا، کسی نے شہیر پر جان لیوا حملہ کیا ہے مگر اللہ کے کرم سے ہمارا شہیر محفوظ رہا ہے۔'' بہت سبھاؤ سے انہوں نے بات ان سب کے سامنے رکھی تھی اور وہ سب آناً فاناً ہاسپٹل دوڑے تھے۔ شیریں کے رونے، ضد کرنے پر بھی وہ اسے ساتھ نہیں لے گئے تھے اور اس کے ساتھ خواہش کو چھوڑ گئے تھے۔

''شیریں، پلیز روؤ نہیں، شہیر بھیا انشاء اللہ بالکل ٹھیک ہوں گے۔'' خوشی نے روتے دل سے اسے تسلی دی تھی۔

''ماموں جان مجھے کیوں ساتھ نہیں لے گئے؟ میں نے شہیر کے پاس جانا ہے۔'' اس کے رونے میں اضافہ ہو گیا تھا۔

''تمہاری طبیعت کے پیش نظر نہیں لے گئے، یو ڈونٹ وری۔'' اس نے نرمی سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا کہ شیریں کی ہم عمر تھی لیکن اس کی نسبت زیادہ سمجھدار تھی، سچوایشن کے لحاظ سے خود کو ڈھال کر اموشنز پر کنٹرول کر لیا کرتی تھی جبکہ وہ اس سے نابلد تھی۔

''شٹ اپ خوشی، کیا ہوا ہے میری طبیعت کو، ٹھیک ہوں میں، طبیعت، طبیعت کا رونا رو کر سب نے میرا چین سے جینا محال کر دیا ہے۔ کچھ نہیں ہوا ہے مجھے میں ٹھیک ہوں۔ مجھے شہیر کے پاس جانا ہے۔'' وہ بری طرح سے چیخی کیا تھی خواہش کو پریشان کر گئی تھی کہ آج کل جس طرح نصیحتیں کر کے اسے ہر معاملے میں باؤنڈ کیا جا رہا تھا وہ اس سے تنگ آئی ہوئی تھی اس لئے آج اس بے چاری پر پھٹ پڑی تھی۔

''شیریں۔'' اس نے اسے دیکھا تھا جس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔

''پلیز خوشی، مجھے ہاسپٹل لے جاؤ ورنہ وہ، وہ شہیر کو مار دے گا۔ وہ مار دے گا شہیر کو۔'' وہ بری طرح سے بلک رہی تھی۔

''کون مار دے گا؟ کیا فضول بولے جا رہی ہو تم۔'' وہ اس کے چہرے پر سمٹتے ہراس کو دیکھ کر ہی سمجھ گئی تھی کہ ''وہ'' کوئی اور نہیں

زعیزعہ خان ہے مگر ظاہر کئے بنا اس پر غصہ ہوئی تھی۔

''پلیز خوشی، میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ زعیزعہ خان شہیر کی جان لے لیں گے۔ تم مجھے ان کے پاس لے جاؤ۔'' وہ ہراس میں ڈوبی سسکتے ہوئے اس کی منت کرنے لگی تھی۔

''وہ کیوں بھیا کو مارے گا؟ تم پلیز ریلیکس ہو جاؤ۔ وہ تو پاکستان میں ہی نہیں ہے۔'' اس کا ہاتھ تھام کر اسے ریلیکس کرنا چاہا تھا۔

''خوشی، وہ پاکستان واپس آ گئے ہیں، پرسوں پارٹی میں میرا ان سے سامنا ہوا تھا۔'' اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

''تم مجھ سے صبح پوچھ رہی تھیں ناں کہ میں پریشان ہوں؟ تو میں واقعی پریشان ہوں، بہت خوفزدہ ہوں۔'' اس کی رنگت خطرناک حد تک زرد پڑ چکی تھی جسے دیکھ کر خواہش کے اوسان خطا ہونے لگے تھے کہ اچانک ہی وہاں ایان چلا آیا تھا اور اسے دیکھ کر وہ بھی پریشان ہو گیا تھا کہ اس کی طبیعت کے پیش نظر وہ ایان و خوشی کو چھوڑ کر ہاسپٹل چلے گئے تھے۔ ان دونوں نے اسے بڑی مشکل سے قابو کر کے تحمل سے ساری بات بتانے کو کہا تھا اور وہ سسکتے ہوئے کل رات کے سامنے سے بڑھ کر اس سے آخری سامنے کا تذکرہ بھی کر گئی تھی۔

☆......☆......☆

''میں ممی کے سامنے ہمارا بھرم قائم رکھنا چاہتا ہوں اسی سلسلے کی یہ بھی ایک کڑی ہے۔'' اس کی آنکھوں میں ناچتی حیرانگی دیکھ کر اس نے نرمی سے وضاحت دی تھی اور تیل کی شیشی ڈریسنگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بالوں میں کنگھا کرنے لگا تھا جبکہ وہ خود کو اس کے سامنے بہت چھوٹا محسوس کرنے لگی تھی۔

''میں آنی کو سب کچھ بتا دوں گی کہ میں انہیں مزید دھوکا نہیں دے سکتی۔'' اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''کیا بتاؤ گی ممی کو؟'' سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''سب کچھ، اپنے سرد رویے سے لے کر آپ کی برداشت تک۔'' آنسو گرتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں بولی تھی۔

''تم یہ حماقت نہیں کرو گی۔'' قدرے ناگواری سے حکم صادر کیا تھا۔

''میں ایسا ہی کروں گی کہ میں نہیں چاہتی کہ جب کچھ وقت گزرنے کے بعد آنی کو پتہ لگے تو وہ ہرٹ ہوں۔''

''اور ابھی تو جیسے ممی بڑی مسرت محسوس کریں گی۔'' تپ کر اس کی بات کے درمیان ٹکڑا لگایا تھا۔

''ہرٹ ہوں گی مگر ابھی کم ہوں گی کہ جتنی توقعات وابستہ ہو جائیں گی وقت کے ساتھ، وہ اتنا ہی ہرٹ ہوں گی اس لئے میں انہیں بتا دینا چاہتی ہوں کہ انہوں نے اور ممی نے میری محبت میں غلط فیصلہ لیا ہے، آپ کے ساتھ ناانصافی کی ہے، آپ مجھ سے بہت اچھی لڑکی ڈیزرو کرتے تھے۔'' اس کے آنسو اور زبان ایک روانی سے چل رہے تھے۔

''اے بری لڑکی، مجھے یہ بتاؤ کہ اچھی لڑکی کیسی ہوتی ہے؟'' اس کا انداز بہت نارمل قدرے مضحکہ خیز تھا اور وہ رونا بھول کر اسے دیکھنے لگی تھی جو اپنی بات کے برعکس چہرے سے کافی سنجیدہ لگ رہا تھا۔

''اچھا، عموماً وہ نہیں ہوتا جو سامنے اچھا ہوتا ہے یا جسے زمانہ اچھا کہتا ہے کہ اچھا وہ ہوتا ہے جس کی اچھائی کے آگے آپ خود ہی نہیں آپ کی روح بھی جھک جائے اور میرے نزدیک اچھائی کا پیمانہ وہ نہیں ہے جو نوے فیصد افراد کا ہوتا ہے۔ جو اچھا دکھے وہ اچھا، جسے سب اچھا کہیں وہ اچھا کہ میرے نزدیک اچھا وہ ہے جو اچھا محسوس ہو کہ اچھائی کا تعلق دیکھنے سے نہیں محسوس کرنے سے ہوتا ہے کہ اچھائی دیکھنے کی محتاج ہوتی تو کبھی ہم اللہ پر بن دیکھے یقین نہ کر پاتے۔'' اس کا لہجہ ہمیشہ کی طرح بہت ٹھہرا ہوا تھا۔ ''کہ اللہ دِکھتا نہیں ہے محسوس ہوتا ہے، اس کی اچھائی، اس کی بڑائی کائنات کی ہر شے سے عیاں ہوتی ہے اور اس کے بندوں کی اچھائی اور برائی بھی دیکھی نہیں جاتی محسوس کی جاتی ہے۔''

اس کے لہجے میں گہری سچائی بول رہی تھی اور اس کے آنسو روانی سے گالوں کو تر کرتے جا رہے تھے۔

''میں تمہارے تن کی خوبصورتی کو دیکھ سکتا ہوں، میری نظر جب جب تم پر اٹھتی ہے مجھ سے کہتی ہے کہ تم بہت خوبصورت ہو، بے حد حسین ہو۔'' وہ عین اس کے سامنے آن ٹھہرا تھا۔ وہ بھیگی پلکوں میں حیرت لئے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''میری نظر مگر تمہارے من کی خوبصورتی کو دیکھ نہیں پاتی، میری نظر مجھے تمہارے کردار کا اجلا پن نہیں دکھاتی مگر جب میری عقل، میرا دل، میری روح آپس میں سرگوشیاں کر کے محسوسات کی کرنیں بکھیرتی ہیں تو مجھے احساس ہوتا ہے اور میں تب تمہارے من کی خوبصورتی، کردار کا اجلا پن محسوس کر پاتا ہوں اور انسان کی نظر اسے دھوکا دے سکتی ہے، چاند میں لگے داغ کو چھپا سکتی ہے لیکن محسوسات کبھی دھوکا نہیں دیتے، یہ شعور کی وہ کھڑکی ہوتے ہیں جس کے ذریعے ہم اچھائی اور برائی میں تمیز کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں کہ ایسا نہ ہو تو کبھی کیچڑ میں کھلا کنول کا پھول انسان کی توجہ اور اس کے جذبات کا مرکز نہ بنے کہ ہم کنول کے پھول کو کیچڑ میں پروان چڑھتے دیکھتے ہیں مگر ہمارے محسوسات ہمیں کنول کے پھول سے نفرت کرنے نہیں دیتے۔'' اس کا لہجہ جذبات سے بوجھل ہو گیا تھا اور وہ اس کے سینے میں سماتی بلکنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

''بس چپ کر جاؤ۔ وہ شخص تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔'' ساری تفصیل سن کر وہ غصہ سے کھولتا بمشکل کمپوزڈ کئے اسے خود سے لگائے نرمی سے سر تھپکتے ہوئے بولا تھا۔

''مگر شہیر، ابیان بھیا، انہیں کچھ ہو گیا تو......'' وہ بہت سہمی ہوئی تھی۔

''شہیر بھیا کو کچھ نہیں ہو گا، اللہ پر بھروسہ رکھو۔'' نرمی سے دلاسہ دیا تھا اور اسی وقت ملازمہ کارڈلیس اٹھائے چلی آئی تھی، فون کی دوسری جانب سالار تھے جنہوں نے اس کی خیریت کی اطلاع دی تھی۔

شہیر پولیس اسٹیشن سے واپس آ رہا تھا کہ اس کی گاڑی پر فائرنگ ہوئی تھی جس میں وہ محفوظ رہا تھا مگر گولی مار کر ٹائر پنکچر کر دیا گیا تھا اور اسے گاڑی سے باہر گھسیٹ کر اس پر تشدد کیا گیا تھا کہ مقصد اس کی جان لینا نہیں تھا صرف اسے ڈرانا تھا اس لیے جاتے جاتے وہ اس

کے بازو پر گولی مار گئے تھے مگر وہ بچ گیا تھا اور یہی بات ایان نے خوشی خوشی ان دونوں کو بھی بتادی تھی۔

''اب تو مجھے بھی ہاسپٹل لے جائیں ناں۔'' وہ پھر بضد ہوگئی تھی۔

''یو ڈونٹ وری شیریں، بھیا ٹھیک ہیں اور کچھ گھنٹوں تک پاپا انہیں لے کر گھر آ جائیں گے۔'' خواہش نے نرمی سے کہا تھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی اسے اس کے کمرے میں لے گئی تھی۔

☆......☆......☆

سالار مصطفیٰ نے اسے دیکھا تھا جس کا چہرہ نیلوں نیل ہو رہا تھا۔ سینے اور بازو پر الگ پٹی بندھی تھی۔

''اندازہ ہے تمہیں کہ وہ کون لوگ تھے؟'' دھیمے سے استفسار کیا تھا۔

''ملک صاحب کے آدمی تھے، آج کل انہیں کے کیس پر کام کر رہا ہوں۔'' اس نے دھیمے سے بتایا تھا کہ ملک نعمان کا تعلق جاگیردار گھرانے سے تھا ان کے اکلوتے بیٹے نے ایک لڑکی کا ریپ کیا تھا اور وہ اسی کے متعلق شواہد جمع کر رہا تھا۔ ملک صاحب کی ہر آفر ٹھکرا کر جب وہ اپنی کارروائی کرتا رہا اور آج صبح جلدی اسی لئے گھر سے نکلا تھا کہ اس کی دن رات کی محنت رائیگاں نہیں گئی تھی اس کے خلاف وارنٹ جاری ہو گئے تھے وہ ملک صاحب کے بیٹے کو حوالات میں بند کرتا مطمئن سا گھر جا رہا تھا کہ اسے رہا کرنے کے لئے اسے ڈرایا گیا تھا تا کہ وہ رشوت لینے پر تو راضی نہ تھا اسی طرح اسے آزاد کر دے۔

''تم یقین سے کہہ رہے ہو؟'' انداز خاص تفتیشی تھا۔

''جی پاپا۔ یہ حرکت اسی کی ہے کہ جنہوں نے مجھ پر حملہ کیا، وہ بازو پر یہ کہہ کر گولی مار گئے تھے کہ اگر ملک صاحب کے بیٹے کو کچھ ہوا تو وہ مجھ سے زندہ رہنے کا حق چھین لیں گے۔'' وہ جسم سے اٹھتی تکلیف کی ٹیسیں برداشت کرتا کہہ رہا تھا۔

''اوہوں، لیکن تم تو جانتے ہو ناں کہ دوسرے کا نام لے کر کوئی بھی با آسانی حملہ کروا سکتا ہے۔'' وہ ماننے کو تیار نہ تھے کہ یہ کوشش ملک نعمان کی تھی۔

''اوہو، میں سمجھ رہا ہوں جو آپ کہنا چاہتے ہیں، اگر وہ خود نہ بھی ظاہر کرتے تو بھی مجھے یقین ہے کہ فی الوقت یہ حرکت ملک صاحب کی ہی ہے۔ آپ زعیزعہ خان پر شک نہ کریں۔'' وہ بیٹے کو تکلیف نہ دینے کے خیال سے براہ راست نہ پوچھ رہے تھے مگر وہ جیسے سمجھ گیا تھا۔

''وہ شخص جتنی مجھ سے نفرت کرتا ہے، وہ صرف تشدد کی راہ نہ اپناتا، ڈائریکٹ میرے سینے میں گولی مارتا، اس لیے آپ اس کی طرف سے بدگمان نہ ہوں۔'' اس نے کہہ کر آنکھیں موند لی تھیں اور وہ کچھ سوچتے باہر نکل گئے تھے۔

☆......☆......☆

ابران اس پر مہربان ہو رہا تھا کہ بجتے ہوئے موبائل فون نے ساری توجہ اپنی جانب کھینچ لی تھی۔ وہ یکدم گڑبڑا کر اس سے الگ ہو

گئی تھی اس نے ایک نظر اس کے بے حد سرخ چہرے پر ڈالی اور گہری سانس کھینچ کر کال ریسیو کر لی تھی۔فون کی دوسری جانب ایان تھا جس نے شہیر کے بارے میں بتانے کے لیے فون کیا تھا۔

''میں اور خوشی شیریں کی وجہ سے ہاسپٹل نہیں گئے، باقی سب وہیں ہاسپٹل میں ہیں، ماموں جان نے منع کیا تھا کہ میں آپ لوگوں کو کچھ بھی نہ بتاؤں کہ ممی کو کچھ پتہ چلے اور وہ پریشان ہوں۔ بٹ میں نے آپ کو بتا دیا ہے تا کہ آپ ہاسپٹل چلے جائیں، نہ جانے شہیر بھیا کس حال میں ہیں۔'' وہ پریشانی سے کہتا چلا گیا تھا۔

''تم پریشان نہ ہو، میں ہاسپٹل جا رہا ہوں۔'' عجلت میں کہتا گاڑی کی چابی اور والٹ اٹھا کر باہر کی طرف بڑھا تھا کہ وہ متفکر سی اس کی راہ میں آ گئی تھی۔

''شہیر ہاسپٹل میں ہے، میں وہاں جا رہا ہوں، تم گھر میں مت بتانا خاص کر ممی کو کہ ماموں جان نے منع کیا ہے۔'' وہ عجلت میں ہدایت دیتا باہر نکلا تھا کہ پہلا ٹاکرا پاپ سے ہوا تھا اور اس نے انہیں بھی بتا دیا تھا اور وہ دونوں ہی ہاسپٹل پہنچ گئے تھے، شہیر کی کنڈیشن اچھی تو نہ تھی لیکن ان سب کے لیے یہی بات اطمینان کے لئے کافی تھی کہ وہ خطرے سے باہر ہے۔

''میں نے اسی لیے آپ سے کہا تھا کہ آپ شہیر کو باہر بھیج دیں۔'' رابعہ بیٹے کی حالت دیکھ کر سسک رہی تھیں۔

''بچوں کی طرح بی ہیومت کیا کرو رابعہ کہ تم کوئی عام آدمی کی بیوی نہیں ہو، ایک کمشنر کی بیوی، ایک ایس پی کی ماں ہو، یہ سب ہمارے لئے بہت عام سی باتیں ہیں۔'' وہ ان کے رونے اور بے وقت کی راگنی پر چڑ گئے تھے۔

''مجھے یہ باتیں کبھی عام نہیں لگتیں کہ نہ آپ کبھی میرے لئے عام تھے نہ ہی میرا بیٹا ہے، آپ دونوں سے تو میری سانسوں کی ڈوری بندھی ہے، جب جب آپ پر اس طرح کا حملہ ہوا کس قدر بے چین رہی اور اسی لئے نہیں چاہتی تھی کہ شہیر آپ کی طرح یہ فیلڈ منتخب کرے۔'' ان کے رونے میں اضافہ ہو گیا تھا۔

''اس طرح ہر بیوی اور ماں سوچنے لگی تو ملک وقوم کی حفاظت کی ذمہ داری کون اٹھائے گا؟ مانا شہیر پر ہونے والا حملہ ہمارے لئے تکلیف کا باعث ہے مگر اپنے ملک کی عزت اور اس کی بہن بیٹیوں کی رداؤں کی حرمت کے لئے ہمیں یہ رسک لینا پڑے گا کہ یاد رکھو کہ اس سب کے پیچھے وہ نہیں ہے جسے تم سمجھ رہی ہو، اس لئے یوں رو دھو کر اپنے بیٹے کو کمزور نہ کرو بلکہ اس کی ہمت بندھاؤ، اسے حوصلہ دو کہ جب تک وجود میں خون کی ایک بوند بھی باقی ہے ملک اور ملک کی بیٹیوں کی عزت کی حفاظت کرنی ہے کہ مائیں کمزور پڑنے لگیں تو بیٹے کبھی میدانِ جنگ سے غازی اور شہید بن کر نہیں لوٹیں گے کہ مجاہد کے ماتھے پر ہر غازی اور شہید کی شمع ماں کا عزم وحوصلہ ہی روشن کرتا ہے ورنہ یہ چراغ جلنے سے پہلے ہی بجھ جائیں۔'' انہوں نے ناصحانہ انداز میں انہیں خود سے لگا کر بہت کچھ باور کروایا تھا اور وہ آنسو پونچھتی ان سے الگ ہو گئی تھیں اور نئے عزم سے بیٹے کو حوصلہ دینے بڑھی تھیں تو وہ ہی نہیں وہاں موجود تمام لوگ بھی مطمئن ہو گئے تھے۔

☆......☆......☆

"پلیز شہیر، یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ میں عبیر کو بلا لائی ہوں۔"

ایک ہفتہ میں اس کے زخم کافی حد تک ہلکے پڑ گئے تھے، کل تک ڈاکٹر خود اس کے بازو اور سینے پر دائیں جانب مرہم پٹی کر کے جاتا رہا تھا مگر اب بینڈیج کی ضرورت نہ تھی باقاعدگی سے مرہم لگانا ہی کافی تھا اور اس نے احتیاط سے شرٹ اتار کر اسے مرہم لگانے کو کہا تھا کہ وہ سرخ نشانات اور مسخ شدہ جلد کو دیکھ کر ہی آنکھوں میں آنسو لیے پیٹھ ہی موڑ گئی تھی اور اس کے اصرار پر تو باقاعدہ رو ہی پڑی تھی۔

"مجھ سے نہیں ہوگا شہیر، آپ کو اس طرح تکلیف میں دیکھنا مجھے تکلیف دے رہا ہے۔" وہ جان کر اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی اس نے چڑیا سے دل کی مالک اپنی بیوی کو دیکھا تھا جو باقاعدہ لرز رہی تھی۔ اسے ہاتھ بڑھا کر بیڈ پر بیٹھا لیا تھا۔

"اف، ایک تو تمہاری یہ نازک مزاجی۔" اسے چھیڑا تھا اس نے نظر اٹھائی تھی اور چہرے سے ہوتی نادانستگی میں زخم تک گئی تھی اور اس نے "سی" کر کے آنکھیں ہی بند کر لی تھیں۔

"ایس پی کی بیوی ہو کر اس قدر ڈرپوک ہو تم۔" ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

"میرے زخم تمہاری مسیحائی کے منتظر ہیں اور تمہیں ڈر سے ہی فرصت نہیں ہے۔" متبسم سا اسے چھیڑا تھا اور وہ لب کچلتی کھڑی ہو گئی تھی اور اس نے سائیڈ پر پڑی شرٹ اٹھا کر پہن لی تھی۔

"کیا وقت آیا ہے ہم پر، بیوی اتنے پاس ہے اور ہم اسے سینے تک نہیں لگا سکتے۔" بٹن لگاتے ہوئے شوخی سے بولا تھا اور اس کا چہرہ تپ اٹھا تھا۔

"میں عبیر کو بلا لاتی ہوں، وہ آپ کے مرہم لگا دے گا۔" جھینپ مٹانے کو بولی تھی۔

"رہنے دو کہ اب میں اسے صفائیاں دیتا یا یہ بتاتا اچھا تو نہیں لگوں گا کہ میری بیوی اتنی کم ہمت ہے کہ اپنے ہی شوہر کی مسیحا و تیمار دار تک نہیں بن سکی۔" اس کے انداز میں شوخی و شرارت تھی۔

"زیادہ فضول بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔" جھینپ کر قدرے خفگی سے بولی تھی اور باہر کی جانب بڑھی تھی مگر وہ روک گیا تھا۔

"آپ فضول کی ضد کیوں لگا رہے ہیں، جانتے ہیں نا میں یہ نہیں کر پاؤں گی۔" وہ ناگواری سے بولی تھی۔

"جانتا ہوں مگر ضد تو ضد ہی سہی، اب مرہم لگے گا تو تمہارے ہاتھوں سے ورنہ نہیں۔" اس کا انداز دوٹوک تھا جس پر وہ مجبور سی ہو گئی تھی کہ وہ ٹیوب ہاتھ میں لیے اس کی جانب ہاتھ بڑھائے نیم دراز تھا۔ اس نے ناچار اس کے بڑھتے ہوئے ہاتھ سے ٹیوب لی تھی۔

"اب شرٹ اتارنے کی زحمت بھی کریں گے یا نہیں۔" وہ اس سے فاصلے پر بیٹھی چڑے ہوئے انداز میں بولی تھی۔ اس کا لہجہ ایسا تھا جیسے احسان کر رہی ہو مگر آنکھوں میں ٹھہرا بے بسی لیے ہراس و بے چینی کا تاثر اسے اپنی شرارت سے دست بردار ہونے پر مجبور کر گیا تھا اور وہ اسے منع کرتا یا کچھ کہتا کہ اس نے ٹیوب سائیڈ میں رکھی اور ہاتھ بڑھا کر خود ہی شرٹ کے بٹن کھولنے لگی تھی وہ بڑی دلچسپی سے لرزتے ہاتھوں کو حرکت کرتے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ایک ایک کر کے سارے بٹن کھولے تھے اور بٹن پٹی پکڑ کر شرٹ تقریباً اتار دی تھی اور ٹیوب اٹھا کر انگلی پر نکالی تھی اور متاثرہ جگہ پر لگانے لگی تھی، شہیر کی نگاہ اس کی لرزتی پلکوں سے ٹکرانے لگی تھی کہ اس کی لرزتی پلکوں سے آنسو

ٹوٹ کراس کے سینے پر گرے تھے اوراس نے شیریں کا ہاتھ تھام لیا تھا، اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے وہ مستقل اسے بزدلی کا طعنہ دے رہا تھا اور وہ مسکراتے ہوئے شہیر کو محض خفگی بھری نگاہ سے دیکھتی کھڑی ہوگئی تھی۔

''ایسے نہ مجھے تم دیکھو
سینے سے لگا لوں گا
تم کو میں چرا لوں گا تم سے
اپنا بنا لوں گا۔''

وہ اس کے دیکھنے پر شوخی سے برجستہ خوبصورت لہجے میں گنگنایا تھا۔

''اتنی سکت کہاں آپ کے زخم زخم سینے میں۔'' وہ پہلے تو جھینپی تھی پھر کچھ دیر قبل کی اس کی بے بسی یاد کر کے ترنت سے بولی تھی اور چیلنجنگ انداز میں اسے دیکھنے لگی تھی۔

''مرد کا سینہ ہے ڈئیر، ایک لڑکی تو کیا ہزار لڑکیاں سما سکتی ہیں۔'' اس کی گلابی آنکھوں میں جھانک کر بے باکی سے جملہ کسا تھا۔

''ایویں فضول بکواس کہ جب کوئی چیز دور جاتی ہے تو یونہی بلی کو خواب میں چھچھڑے نظر آنے لگتے ہیں۔'' وہ برا منائے بغیر سابقہ انداز میں بولی تھی اور وہ بیڈ سے اتر کر اس تک چلا آیا تھا۔

''اب کہو ذرا جو کہہ رہی تھیں۔'' اس کو شانوں سے تھامے چیلنجنگ انداز میں کہتا اسے گڑبڑا گیا تھا۔

''میں تو بس مذاق کر رہی تھی۔'' فاصلے پر ہوتی منمنائی تھی۔

''شیرنی صاحبہ، میرے اندر کے ببر شیر کو جگا کر بی بکری کیوں بن گئی ہیں۔'' کلائی تھام کر یوں جھٹکا دیا تھا کہ وہ اس کے سینے سے آ لگی تھی اور وہ آگے سے کچھ کہہ نہیں پائی تھی کہ اس کی شرارت کا جواب شرارت سے دینے کے چکر میں وہ اسے اپنے پیچھے لگا گئی تھی۔

''شہیر، وہ کہہ رہی تھی۔'' وہ اس سے بچنے کو اس کی توجہ بٹانا چاہتی تھی مگر اس نے اس کی اس کوشش کو اگلے ہی لمحے ناکام بنا دیا تھا۔

''ابھی سانس لینے کی فرصت نہیں ہے
کہ تم میری بانہوں میں ہو............''

وہ اس پر مہربان ہوتا دلکشی سے گنگنایا تھا جبکہ ہر گزرتا لمحہ اس کی بولتی بند کرتا چلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

''بس یار، چپ کر جاؤ۔'' وہ اسے خود سے لگائے بوجھل لہجے میں بولا تھا۔

''شہباز، ہمارے پاس کچھ بھی نہیں بچا، خوشیاں ہمارے گھر کی چوکھٹ سے ہی پلٹ گئی ہیں، میری گود خالی ہوگئی ہے۔'' وہ مزید بلکنے لگی تھی۔

''یمانی، یہ سب اللہ کے فیصلے ہیں، صبر کرو۔'' وہ اس کو سنبھالتے خود بکھرنے لگا تھا کہ دکھ چھوٹا بھی تو نہ تھا کہ صبر آ جاتا۔

''مجھ سے نہیں ہوتا صبر شہباز، کیوں ہوا ایسا، ہمارے ساتھ ہی کیوں۔'' اس کی ہچکیاں بندھنے لگی تھیں۔

''اللہ کی مصلحتیں اللہ ہی جانتا ہے یمانی، تم حوصلہ کرو، اللہ سب بہتر کردے گا۔'' نرمی سے کہہ کر اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

''اللہ تو سب کچھ کرتا ہے ناں شہباز، تو اس نے ہمیں کیوں اتنی بڑی آزمائش میں ڈالا، اس نے کیوں میرے بچے کو دنیا میں آنے سے پہلے ہی مجھ سے چھین لیا؟'' اس کے رونے میں بدستور اضافہ ہو رہا تھا۔

''ایسے نہیں کہتے یمانی، صبر و شکر سے کام لو۔ اللہ کبھی دے کر آزماتا ہے تو کبھی لے کر۔ اس لیے اللہ کی رضا میں راضی ہونا سیکھو۔''

اس کے آنسو یمانی کے بالوں میں جذب ہونے لگے تھے۔ کل تک وہ کتنے مسرور تھے، اپنے آنے والے بچے کے لئے خواب سجائے، اس کی آمد کی تیاریاں کرنے میں مگن تھے مگر ایک ہی پل میں سب کچھ بکھر گیا تھا۔ وہ سب نیناں ولاز میں جمع تھے ایک رونق سی لگی تھی۔ شیریں احتیاط سے سیڑھیاں اتر رہی تھی لیکن احتیاط کے باوجود اس کا پیر پھسلا تھا اور وہ گرتی کہ اس کے پیچھے آتی یمانی اس کو پکڑتے خود سیڑھیوں سے گرتی چلی گئی تھی اور اس کا یہ گرنا اس کے آنے والے بچے کے لئے نقصان دہ ثابت ہوا تھا اور وہ رات سے اپنے دکھ پر اتنا رو چکی تھی کہ سنبھالنے والے کم پڑنے لگے تھے۔

☆......☆......☆

''شیریں۔'' وہ بے حد بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''ہم کیسے اپنا بچہ کسی کو دے سکتے ہیں؟ کبھی نہیں ہرگز نہیں، ہم اپنا بچہ کسی کو نہیں دیں گے۔''

وہ تو سنتے ہی صاف انکاری ہو گیا تھا۔

''یمانی آپی کیسی ہیں شہیر۔'' وہ دکھ سے بولی تھی۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں شیریں، اپنی اولاد بھی بھلا کسی کو دی جاتی ہے۔'' وہ ناراضگی سے شیریں کو دیکھنے لگا تھا۔

''شہیر، یہ فیصلہ لینا بہت مشکل ہے۔ میں نے خود یہ فیصلہ بڑی مشکل سے لیا ہے، ہم ایسا کرلیں گے تو ہمارا کوئی نقصان نہیں ہوگا البتہ یمانی آپی کی محرومی ختم ہو جائے گی۔'' وہ نم پلکوں سے اسے دیکھتی اس کا ہاتھ تھام گئی تھی۔

''پلیز شیریں، اس ذکر کو یہیں ہمیشہ کے لئے ختم کردو، میں اس سب کے لئے کبھی راضی نہیں ہوں گا۔'' وہ ہاتھ چھڑاتا کھڑا ہو گیا تھا۔

''آپ کیوں راضی نہیں ہو سکتے شہیر، یہ مت بھولیں کہ ہمارا بچہ گر زندہ ہے تو یمانی آپی کی وجہ سے، جنہوں نے میری اور میرے بچے کی حفاظت کرتے ہوئے اپنی گود سونی کرلی۔'' وہ اب رو رہی تھی اس کے بڑھتے قدم تھم گئے تھے۔

''میں ہمیشہ سب کی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہوں، میری وجہ سے سب ہمیشہ تکلیف میں رہتے ہیں، پہلے سب گھر والوں کو خاص کر خوشی اور ریا کو میری وجہ سے اتنا کچھ سہنا پڑا اور اب یمانی آپی نہ صرف اپنی اولاد سے محروم ہوئیں، ماں بننے کی صلاحیت ہی کھو بیٹھیں۔'' وہ بری طرح رو رہی تھی۔

''پلیز شیریں، اس طرح کی باتیں نہ کرو۔''

''کیوں نہ کہوں، ایک لفظ بھی غلط کب کہا میں نے، میری وجہ سے میرے اپنے اذیت میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور میں اتنی بدقسمت و خودغرض ہوں کہ کسی کے لئے کچھ نہیں کر سکتی، احسان کا بدلہ تک نہیں اتار سکتی۔'' اس کی ہچکیاں بندھنے لگی تھیں اور اس نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لیا تھا۔

''پلیز شہیر، مان جایئے ناں کہ ہماری اولاد پر ہم سے وابستہ رشتوں کا بھی تو حق ہے ناں اور جب آپی اپنی حالت فراموش کر کے میرے لئے اپنی جان پر کھیل سکتی ہیں تو کیا ہم اتنا سا نہیں کر سکتے۔'' وہ اس کے سینے سے لگی منت بھرے لہجے میں بولی تھی۔

''یہ اتنا آسان نہیں ہے شیریں، تم ہمارے وجود کا حصہ دینے کو بول رہی ہو، ہماری اولاد جس کے لئے ہم نے کتنے ہی سپنے سجائے ہیں، سات ماہ سے پل پل جس کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں وہی اولاد تم دے دینا چاہتی ہو۔'' وہ نہایت کرب سے بولا تھا۔

''سپنے تو آپی اور شہباز بھائی نے بھی سجائے ہوں گے، اپنے بچے کا شدت سے انتظار تو انہیں بھی ہوگا، سب کچھ میری وجہ سے ختم ہو گیا۔'' وہ خوداذیتی کا شکار تھی۔

''تم فضول بات نہ کرو، ہوتا وہی ہے جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے۔ دکھ مجھے بھی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اپنی اولاد انہیں دے دیں۔'' وہ جھنجھلا کر دکھ و غصہ کی آمیزش کے ساتھ کہتا کمرے سے ہی نکل گیا تھا اور شادی کے بعد پہلی دفعہ تھا کہ اس نے غصہ کے اظہار کے لئے پوری رات کمرے سے باہر گزاری تھی۔ گھر میں ہمیشہ کی طرح سب سے پہلے سالار مصطفیٰ اٹھے تھے کہ ان کی بچپن سے عادت تھی کہ وہ سردی ہو یا گرمی فجر کی نماز مسجد میں باجماعت ہی ادا کرتے تھے کہ ان کے پاپا مصطفیٰ صاحب نے کبھی کوئی نماز قضا نہیں کی تھی۔ لاؤنج میں اسے صوفے پر سوتے دیکھ کر وہ ٹھٹک کر رک گئے تھے۔ اس کی وہاں موجودگی ان کے لئے پریشانی ہی نہیں غصہ کا باعث تھی انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا کاندھا ہلایا تو وہ باپ کو دیکھ کر شرمندگی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''نماز کے بعد بات کروں گا تم سے۔'' وہ ایک غصیلی نگاہ اس پر ڈالتے نکلتے چلے گئے تھے۔

''اف، یہ کیا ہو گیا۔ اب تو پاپا بالکل ہی نہیں چھوڑیں گے، اصل بات ان کو کیسے بتاؤں گا، شیریں کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' وہ پریشانی سے سوچتا کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا اور اس کی سوچ کے مطابق ناشتے سے پہلے ہی اسٹڈی میں اس کی پیشی لگ گئی تھی۔

''پاپا، وہ۔'' وہ ان کی آنکھ کے اشارے سے سمجھ گیا تھا کہ وہ اصل بات جاننا چاہتے ہیں۔

''جھوٹ نہیں سنوں گا۔'' تمہید باندھتے دیکھ کر وارن کیا تھا۔

''پاپا، شیریں سے لڑائی ہو گئی تھی اس لئے......''

''میاں بیوی میں اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے شہیر مگر دونوں کے معاملات دونوں تک ہی محدود رہنے چاہئیں۔'' انہوں نے ناگواری سے بیٹے کو ٹوکا تھا۔ ''تمہیں یہاں لانے کا یہ مقصد نہیں تھا کہ میں تمہارے آپسی معاملات میں الجھنا چاہتا ہوں، صرف اس لئے بلایا کہ یہ سمجھا سکوں کہ میاں بیوی کو اپنے رشتے کی حرمت کا خود خیال رکھنا پڑتا ہے، تمہارے چھوٹے بھائی بہن بھی رہتے ہیں اس گھر میں، وہ ایسے تمہیں

صوفے پر سوتے دیکھ لیتے تو کتنا برا امپریشن پڑتا ان پر۔''

وہ شرمندہ نظر آنے لگا تھا۔

''آئی ایم ساری پاپا، بٹ آئندہ خیال رکھوں گا۔'' وہ نظر چرائے شرمندگی سے بولا تھا۔

''اپنی مما سے کہنا چائے مجھے اسٹڈی روم میں دے دیں، طبیعت کچھ بوجھل سی ہے فی الحال ناشتہ نہیں کروں گا۔'' انہوں نے یکدم ہی موضوع بدلا تھا۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں پاپا۔'' وہ یکدم مضطرب ہوا تھا۔ وہ نرمی سے مسکرا دیئے تھے۔

''ہاں، پاپا کی جان، پاپا بالکل ٹھیک ہیں، ڈونٹ وری۔'' وہ نرمی سے بولے تھے اور وہ مطمئن سا باہر نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

''شہیر، آئی ایم ساری، میں آپ کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتی تھی۔'' وہ شرمندہ و دکھی سی اس کے سامنے کھڑی تھی۔

''تم نے مجھے ہرٹ نہیں کیا شیریں، میں تمہارے جذبات کی قدر کرتا ہوں مگر یہ فیصلہ بہت بڑا ہے۔'' وہ رونے کو مچلتی شیریں کو خود سے لگا گیا تھا۔

''آپ ایک دفعہ میری جگہ خود کو رکھ کر تو دیکھیں شہیر، میں نے بھی یہ فیصلہ آسانی سے نہیں لیا ہے، جس لمحے میں نے یہ سوچا کہ میں اپنا بچہ آپی کو دے دوں گی دوسرے لمحے مجھے اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا، مجھے لگا کسی بھی پل میرا سانس تھم جائے گا لیکن جب آپی کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے آیا میرا دل قرار پانے لگا، آپی کوئی غیر تو نہیں ہیں، انہوں نے بچپن سے میرا بے حد خیال رکھا، میرے لیے اپنے کھلونوں سے دستبردار ہو گئیں، انہیں لگا کہ میں مشکل میں ہوں تو انہوں نے اپنا نہیں سوچا، ہمیشہ وہ مجھے دیتی آئی ہیں، آج تک میں چاہ کر بھی انہیں کچھ نہیں دے سکی۔'' وہ اس کے کاندھے پر سر رکھے نم لہجے میں بول رہی تھی۔

''آپی کا میری وجہ سے میس کیرج ہو گیا، بات صرف اتنی بھی ہوتی ناں تو میں شاید اتنا بڑا فیصلہ نہ لیتی شہیر مگر آپی اب کبھی ماں نہیں بن سکیں گی، ہماری اولاد پر ان کا بھی تو کچھ حق ہے ناں، اگر ہم ہر حق ہی انہیں دے دیں گے تو کوئی برائی نہیں ہو گی کہ آپی ہمارے بچے کا بہت خیال رکھیں گی، یقین کریں شہیر، وہ مجھ سے زیادہ اچھی ماں ثابت ہوں گی اور یہ جو ہماری پہلی خوشی ہے اللہ نہ کرے آخری تو نہیں ہے ناں، اللہ ہمیں پھر اس خوشی سے نواز دے گا۔'' وہ اس سے لگی اسے منانے کو بلاتکان بول رہی تھی۔ وہ اسے خود سے الگ کرتا کچھ کہے بغیر وارڈروب کی جانب بڑھ گیا تھا وہ بے بسی سے رونے لگی تھی۔

''یمانی بیٹا، حوصلہ رکھو، میں مانتی ہوں تمہارا دکھ بہت بڑا ہے مگر چندا، اللہ کی مرضی کے آگے ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔'' اس کو خالی پلیٹ میں دھیان سے چمچہ گھماتے دیکھ کر شہناز اس کا ہاتھ تھام کر دلگرفتگی سے بولی تھیں اور اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''ہم اللہ کے فیصلے بدل نہیں سکتے لیکن اس کے فیصلوں کے آگے صبر و شکر سے سرِ تسلیم خم کر کے اس کے نیک اور اچھے بندوں کی فہرست میں شامل ہو سکتے ہیں کہ اگر ناشکری و بے صبری دکھائیں گے تو قسمت کا لکھا تو نہیں بدلے گا اور اللہ بھی ناراض ہو جائے گا تو کیا تم اللہ کو ناراض کرنا چاہتی ہو؟'' وہ اس کے ہاتھ تھام کر نرم لہجے میں بول رہی تھیں اور وہ نفی میں سر ہلاتی ان سے لپٹ گئی تھی۔ شہناز اور شہباز نے اسے بکھرنے سے بچا لیا تھا ان کی توجہ وہ محبت پر وہ دھیرے دھیرے سنبھلنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

''میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ حرکت زعیزعہ خان کی ہی ہے۔'' وہ ثبوت سامنے آنے کے بعد بھی نہ جانے کیوں یقین نہیں کر پایا تھا۔

''پاپا، سارے ثبوت بے شک اس کے خلاف ہیں مگر میں اب بھی یقین کرنے میں تعامل کا شکار ہوں۔'' وہ الجھا الجھا سا کہتا انہیں غصہ دلا گیا تھا۔

''بس بہت ہو گیا شہیر، تمہارے یقین کرنے نہ کرنے سے تو حقیقت نہیں بدلے گی اس لیے اس سب میں الجھنے کی بجائے باہر جانے کی تیاری کرو۔'' وہ صاف بولے تھے۔

''ہمارا یہاں سے چلے جانا حل نہیں ہے پاپا، کہ وہ پھر آپ لوگوں کو پریشان کرے گا اور میں اتنا تو جان گیا ہوں کہ وہ شیریں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، اگر ہم یہاں سے گئے تو وہ خوشی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا جو مجھے کسی طور گوارہ نہیں، اس لئے جانے کا تو آپ مجھے بالکل نہ کہیں اور رہ گئی بات زعیزعہ کی، جس طرح اس کے اڈوں پر چھاپہ مار کر انہیں سیل کر کے اس کے آدمیوں کو حراست میں لیا ہے، بہت جلد وہ اور اس کا باپ بھی حوالات کے اندر ہوں گے اس لیے ہمیں بزدلانہ فیصلے کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔''

وہ ان سب کی توجہ کے باعث بڑی تیزی سے روبہ صحت ہوا تھا وہ بیٹے کو ناگواری سے دیکھنے لگے تھے۔

''میں اپنی عزت کے سبب خاموش رہا ہوں اب تک، میری غیرت کو میری بزدلی نہ سمجھو۔'' ان کا چہرہ دہک اٹھا تھا۔

''جانتا ہوں نہ پاپا، اسی عزت و غیرت کی سلامتی کے لئے ہی تو ہم سب خوار ہو رہے ہیں اور جب اب تک معاملات کو سنبھال لیا ہے تو آگے کے بھی معاملات اللہ بہتر کرے گا، آپ میں جانتا ہوں مما کے دباؤ میں آ کر جانے کو کہہ رہے ہیں مگر میں کہیں نہیں جاؤں گا، عزت کی وجہ سے خاموش ہوں، عزت پر جان قربان کر دوں گا مگر یہاں سے بھاگ کر نہیں جاؤں گا۔'' اس کا انداز بے لچک تھا۔

''کچھ عرصے کے لئے چلے جاؤ کہ رابعہ تم سے زیادہ شیریں کو لے کر پریشان ہے کہ اس کی جو کنڈیشن ہے۔ ذرا سی بے احتیاطی

سے بہت بڑا نقصان ہوسکتا ہے اور ہم نہ شیریں کو کھونا چاہتے ہیں نہ تمہاری اولاد کو، حالات کے تحت جیسے خاموش رہے ہو، حالات کے پیشِ نظر ہی شیریں کی ڈلیوری تک چلے جاؤ۔'' انہوں نے نہایت نرمی سے رابعہ کی ہر فکر کہہ ڈالی تھی۔

''پاپا، زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے، میرے بچے کی زندگی ہوگی تو وہ دنیا میں بھی آئے گا اور اس دنیا میں سانس بھی لے گا، مجھے اللہ کی ذات پر کامل یقین ہے۔ آپ نہ خود ٹینشن لیں نہ ہی مما کو لینے دیں کہ آپ نے بھی تو کیسے حالات کا سامنا کیا ہے۔ میں بھی کرلوں گا اور وقت کے ساتھ میری بیوی بھی اتنی بہادر ہوجائے گی کہ ہر اچھے برے وقت کا ڈٹ کر مقابلہ کرسکے۔'' وہ اپنے فیصلے سے ایک انچ ہٹنے کو تیار نہ تھا۔ ''اور مجھے اندازہ ہورہا ہے کہ میرے اس دن کے رویے نے آپ کو اور مما کو زیادہ پریشان کیا ہے، بٹ پاپا، انسان ہوں ناں، برداشت کھو گیا تھا مگر وہ سب وقتی تھا پاپا، شیریں میری بیوی ہے میں اسے کبھی کسی مقام پر بھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔ شک نہ اس دن کیا تھا نہ آگے کبھی کروں گا کہ پاپا آپ کا بیٹا اتنا تنگ نظر نہیں ہے۔''

وہ یکدم ہی مسکرا دیئے تھے کہ وہ ان کے بناء کہے بھی بہت کچھ سمجھ گیا تھا۔

''ایس پی صاحب، آپ سے ہمیں محتاط رہنا پڑے گا، بھئی آپ تو بنا کہے بھی سب کچھ کھوج لگا لیتے ہیں۔'' ان کا انداز چھیڑنے والا تھا اور وہ ہنس دیا تھا۔ تب ہی اسٹڈی میں رابعہ چلی آئی تھیں اور کافی غصہ میں تھیں۔

''کیا ہوا ہے مما، کافی اشتعال میں لگ رہی ہیں۔'' وہ فوراً ماں کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

''آپ لوگوں کی لاڈلی نے دماغ خراب کیا ہوا ہے۔'' وہ تپ کر بولی تھیں۔

''اب کیا کردیا شیریں نے؟'' متبسم لہجے میں استفسار کیا تھا۔

''وہی ایک رٹ لگائی ہوئی ہے کہ شادی میں نہیں جانا ہے۔'' وہ ان کو ہنستے دیکھ کر چڑ کر بولی تھیں۔

''نہیں جانا چاہتی تو رہنے دو ناں، اتنا بھی ضروری نہیں ہے۔'' شیریں جو ان کے خفا ہوکر آنے پر ان کے پیچھے آئی تھی اسے دیکھ کر وہ سنجیدگی سے بولے تھے۔

''کیسے ضروری نہیں ہے، گھر کی سی بات ہے، شہناز آپی سے رشتے داری تو ہے ہی، اب تو ان کے گھر میں ہماری بیٹی بھی ہے، ہمیں اس کی وجہ سے تو جانا ہی پڑے گا۔'' وہ اس کی آمد سے انجان تپے تپے انداز میں کہتی چلی گئی تھیں۔

''ہاں، جانا پڑے گا اور ہم سب جائیں گے بھی، شیریں نہیں جانا چاہتی اسے فورس نہ کرو، شہیر تو جا ہی رہا ہے ناں۔'' وہ اس سنجیدگی سے بولے تھے۔

''سب مطلب، ماموں جان؟ پھر میں اکیلے کیسے رہوں گی۔'' اس نے فوراً مداخلت کی تھی۔

''رشتہ قریبی ہے ہم سب لازمی جائیں گے، رہ گئیں تم، تمہارا موڈ نہیں ہے تو نہ چلو ساتھ، نوراں ہوگی ناں گھر پر تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔'' وہ مسکرا کر نرمی سے بولے تھے۔

’’نوراں تو انیکسی میں چلی جائے گی، تب میں اکیلے کیسے رہوں گی، آپ مجھے ڈیڈی کے پاس چھوڑ دیں۔‘‘ وہ روہانسی ہونے لگی تھی۔

’’فار یور کائنڈ انفارمیشن، وہ سب شادی میں جارہے ہیں، گھر پر صرف ملازم ہوں گے۔‘‘ رابعہ کے انداز میں گہرا طنز تھا۔

’’پھر میں بھی آپ سب کے ساتھ جارہی ہوں، اکیلے نہیں رک سکتی میں۔‘‘ وہ نم لہجے میں کہتی پلٹ گئی تھی۔ رابعہ حیرانگی سے ان دونوں کو دیکھنے لگی تھیں۔

’’مسز، آپ بہت بھولی ہیں، بندے کو اس کے مزاج کے مطابق ٹریٹ کرنا نہیں آتا آپ کو۔‘‘ وہ مذاق اڑا رہے تھے۔

’’اف۔ یہ کتنی آسانی سے مان گئی جبکہ میں اسے کل سے راضی کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔‘‘ وہ اب تک حیران تھیں اور وہ ہنسنے لگے تھے۔

’’ہوشیار انسان کو عقل سے اور جذباتی انسان کو بلیک میلنگ کے ذریعے راستے پر لایا جاتا ہے، اور یہ بات مگر آپ دونوں ہی نہیں سمجھ پائے۔‘‘ انہوں نے بیٹے کو بھی رگیدا تھا کہ وہ بھی تو متحیر سا کھڑا تھا۔ ان کے چوٹ کرنے پر جھینپ گیا تھا۔

’’شیریں بہت حساس اور جذباتی ہے اسے منانا تو دنیا کا سب سے آسان کام ہے اگر بندے کے پاس عقل ہو۔‘‘ وہ فخر سے کالر کھڑے کرتے مسکراتے ہوئے نکل گئے تھے اور وہ ماں بیٹا ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا کر رہ گئے تھے۔

☆......☆......☆

’’محترمہ، آپ کے ارادہ بندۂ ناچیز کو قتل کر دینے کے ہیں۔‘‘

مسٹرڈ کلر کی بے حد اسٹائلش ساڑھی میں نیچرل میک اپ کیے وہ ہوش اڑا دینے کی حد تک حسین لگ رہی تھی۔ وہ اس کو دیکھ کر مبہوت سا کھڑا دلکشی سے کہہ گیا تھا اور وہ جو پہلے ہی نروس تھی مزید گھبرا گئی تھی جبکہ اس کے چہرے پر پھیلتے رنگ ابران کو اپنی اور کھینچنے لگے تھے۔

’’بندہ آپ کو دیکھتے ہی گھائل ہو گیا ہے۔‘‘ وہ عین اس کے سامنے ٹھہر کر بولا تھا تو اس کی پلکیں لرزنے لگی تھیں، چہرہ الگ پر حجاب انداز میں جھکتا چلا گیا تھا۔

’’وہ آنی کے فورس کرنے پر۔‘‘ اس کے ماتھے پر شبنمی قطرے چمکنے لگے تھے اس کی گھبراہٹ لئے وضاحت پر وہ بے ساختہ قہقہہ لگا گیا تھا۔

’’اوہوں، اندازہ ہے مجھے کہ یہ دلکش انداز ہماری بیوی کے کہاں ہیں، ہم غریب بے چارے سے شوہر پر ہماری بیوی کو رحم ہی نہیں آتا وہ تو بھلا ہو ہماری ممی جان کا جو یہ حسین نظارہ دیکھنے کا ہماری آنکھوں کو مقدر سے موقع مل گیا ہے۔‘‘ اس کا انداز متبسم چھیڑنے والا تھا اور وہ لب کچلنے لگی تھی۔

خوبصورت ہے وہ اتنا سہا نہیں جاتا
کیسے ہم خود کو روک لیں رہا نہیں جاتا

وہ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے کن اکھیوں سے اسے دیکھتا گنگنا رہا تھا اور وہ اپنی نروسیں فراموش کیے سنجیدہ سے ابران کا یہ شوخ وغیر سنجیدہ انداز دیکھنے لگی تھی۔

دیکھا ہے پہلی بار ساجن کی آنکھوں میں پیار
اب جا کے آیا میرے بے چین دل کو قرار

وہ اس کی نظریں خود پر محسوس کر کے شوخی سے گنگناتا عین اس کے سامنے آن ٹھہرا تھا۔

''میں نے سوچا تم ٹھہریں مشرقی لڑکی، اظہار کے معاملے پر حیا پرور، تو بس تمہاری طرف سے بھی میں نے گانا گا لیا۔ تم یہ نہ سمجھ لینا کہ میرا ٹیسٹ اتنا خراب ہے۔'' وہ دلکشی سے اسے چھیڑ رہا تھا۔

''خراب تو نہیں ہے یہ سونگ تو بہت اچھا ہے، مجھے بہت پسند ہے۔'' وہ بے ساختہ بولتی یکدم اس کی نظریں خود پر محسوس کرتی لب کا کونا دانتوں تلے دبا گئی تھی۔

''اوہوں، خراب تو واقعی نہیں ہے، خالص زنانہ ضرور ہے اور ڈیئر میں اپنی طرف سے گاؤں گا تو خاص میری پسند کا، میرے جذبات کی ترجمانی کرتا سونگ گاؤں گا ناں۔''

وہ نک سک سے تیار ہمیشہ سے زیادہ حسین لگ رہی تھی اور اس کے چہرے پر پھیلتے حیا کے رنگ، اسے یہ گواہی دے رہے تھے کہ وہ پتھر میں جونک لگانے میں کامیاب ٹھہرا ہے۔ وہ اس کے بدلے بدلے روپ پر گھبرا کر پلٹی تھی کہ اس نے رویحا کی حنائی چوڑیوں سے مزین بانہہ تھام لی تھی۔

کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے
کہ جیسے تجھ کو بنایا گیا ہے میرے لئے
تو اب سے پہلے ستاروں میں بس رہی تھی کہیں
تجھے زمین پر اتارا گیا ہے میرے لئے

وہ بہت خوبصورتی سے گا کیا رہا تھا اپنے جذبات اس پر عیاں کر رہا تھا۔ اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''باہر سب ہمارا ویٹ کر رہے ہیں۔'' وہ منمنائی تھی اور وہ اس کی شبنمی پیشانی چومتا فاصلہ قائم کر گیا تھا۔

''ساڑھی تم پر بہت سوٹ کر رہی ہے۔ اگرچہ یہ پہناوا مجھے کوئی خاص پسند نہیں ہے۔'' وہ بیڈ پر کوٹ اچھالتا وارڈروب سے اپنے کپڑے نکالتے ہوئے بولا تھا۔

''میں چینج کر لیتی ہوں۔''

اس نے رویحا کی جانب دیکھا تھا۔

''مجھے پسند نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم اپنی پسند سے دستبردار ہو جاؤ'' وہ اسے ڈپٹنے والے انداز میں بولا تھا۔''میں کوئی مشکل پسند و حاکمیت پسند شخص نہیں ہوں۔ میرے لیے جتنی اہم میری پسند ہے اتنی ہی اہمیت تمہاری پسند بھی رکھتی ہے۔'' وہ یکدم سنجیدگی سے بولا تھا۔

''یاد رکھنا ریا کہ میری خوشی اب تمہاری خوشی سے جڑی ہے اور تم اداس رہتی ہو اس لیے میں بھی اداس رہتا ہوں کہ میری ریا غمزدہ ہو تو میں خوش کیسے رہ سکتا ہوں۔'' وہ سچائی سے بول رہا تھا مگر نہ جانے کیوں وہ یقین نہیں کر پائی تھی۔

گزر گیا جو زمانہ اسے اب بھلا ہی دو

میں اپنے خون سے لکھتا ہوں تم گواہی دو

وہ اس کی بے یقینی محسوس کر کے گنگنایا تھا اور وہ شرمندہ ہو گئی تھی۔

''میرے جذبات، میرے احساسات میں کوئی کھوٹ نہیں ہے رویحا، تم سے میرا ایک بہت مضبوط رشتہ جڑا ہے۔ تم بیوی ہو میری، میرے لئے مجھ سے زیادہ اہم ہو۔'' وہ سنجیدگی سے سے کہتا چلا گیا تھا کہ اس کی بے یقینی کو بھانپ گیا تھا۔

''میں بیوی ہوں بس آپ کی مگر محبت تو نہیں ہوں کہ آپ مجھ سے صرف رشتہ نبھا رہے ہیں، آنی کو مما کو دکھ نہ ہو اس لئے مجھے خوش رکھنا چاہتے ہیں۔'' وہ دل ہی دل میں بولی تھی اور وہ اسے خود سے الجھتا چھوڑ کر کپڑے لئے واش روم میں گھس گیا تھا۔ آج شانیہ کی شادی تھی۔ سب کچھ بہت جلدی میں طے ہوتا چلا گیا تھا۔ جب ابران کو پتہ چلا تھا تو دل کی بھی عجیب حالت تھی مگر اس نے کمال کا ضبط دکھایا تھا اور یہ ضبط ہی کی کرامت تھی کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی، دل کو آندھیوں کی زد پر محسوس کرنے کے باوجود اس کی شادی میں جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا اور وہ اس کے سنجیدہ ہو جانے پر شرمندگی محسوس کرتی ایکسکیوز کرنے کی چاہ میں ناکام ہو کر کمرے سے نکل آئی تھی۔ نیناں نے اس کی بلائیں لی تھیں، نظر اتاری تھی۔

''ایسے ہی ہر وقت تیار رہو تو کیا برائی ہے۔'' نرمی سے چھیڑا تھا اور اس کے آنسو گرنے لگے تھے اور جس پر وہی نہیں اسی طرف آتا ابران بھی پریشان ہو گیا تھا۔

''ریا، کیا ہوا ہے چندا، کیا ابران نے کچھ کہا ہے؟'' نرمی سے پوچھا تھا۔

''نہیں، وہ کچھ نہیں کہتے، کم از کم وہ تو نہیں کہتے جو کہنا چاہتے ہیں۔'' اس کے آنسو روانی سے بہہ رہے تھے۔

''تم کیا کہہ رہی ہو، میں بالکل نہیں سمجھی۔'' وہ حد درجہ الجھ کر رہ گئی تھیں۔

''وہ میری جیسی لڑکی کو ڈیزرو نہیں کرتے تھے تو پھر کیوں آپ نے انہیں مجھ سے شادی کرنے پر مجبور کیا۔'' وہ جو محسوس کرتی تھی اور جو گلٹ آج فیل کیا تھا اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ آج ان کے سامنے اپنی چپ توڑ گئی تھی۔

''کیا فضول بول رہی ہو، میں کیوں بھلا ابر کو مجبور کرنے لگی اور تمہاری جیسی لڑکی کیا مطلب کیا برائی ہے تم میں؟'' نیناں غصہ میں

آ گئی تھی جبکہ وہ فاصلہ پر لب بھینچے کھڑا تھا۔

''کوئی اچھائی بھی نہیں ہے مجھ میں کہ ایک اغوا شدہ لڑکی میں کوئی اچھائی سرے سے ہی نہیں ہوتی۔'' وہ بلک اٹھی تھی اور ان کی برداشت جواب دے گئی تھی۔

''تڑاخ۔'' گال پر ہاتھ رکھے وہی نہیں خاموش تماشائی بنا ابران بھی ماں کی حرکت پر متحیر رہ گیا تھا۔

''فضول بکواس کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' وہ ناگواری سے کہہ رہی تھیں۔

''یہ بکواس نہیں یہی حقیقت ہے، آپ نے اور مما نے ابران کے ساتھ اچھا نہیں کیا، آپ جانتی تھیں کہ ابران آپ کو کسی بات کے لئے انکار نہیں کر سکتے اسی کا آپ نے فائدہ اٹھایا اور آپ کی فرمانبرداری کے لئے آپ کی چاہت میں ابران نے نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے اپنایا'' وہ بری طرح روتی انہیں پریشان کر گئی تھی۔ ''وہ آپ کے لئے، مما کے لئے، میرے لئے مجھے خوش رکھنا چاہتے ہیں مگر خود ان کا کیا؟ ان کی خوشی کا کیا آنی؟ وہ مجھ سے محبت نہیں کرتے مگر مجھ سے محبت جتلاتے ہیں تاکہ میں خوش رہوں، انہیں ساڑھی نہیں پسند مگر وہ میری تعریف کرتے ہیں کیونکہ یہ لباس مجھے پسند ہے مگر ان کی بھی تو کوئی پسند ہے، وہ بھی تو کسی کو چاہتے ہیں مگر سب نے صرف میرا خیال کیا، میری خوشی کے لئے ان کی خوبیوں کی کسی نے پرواہ ہی نہیں کی۔'' روتے ہوئے اس کا کیا جانے والا انکشاف نیناں شیرازی کے قدموں تلے سے زمین نکال لے گیا تھا۔

''میں آپ کو اس کے لئے کبھی معاف نہیں کروں گی آنی، کہ آپ نے میری محبت میں خود غرضی دکھائی اور ابران سے ان کی محبت چھین لی۔'' وہ اس کے اس نئے انکشاف پر یکدم ہوا میں معلق ہو گیا تھا۔

''تم کیا بول رہی ہو، مجھے نہیں سمجھ آ رہا۔ دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا، نہ جانے کیا بکواس کیے جا رہی ہو۔'' وہ بے بسی و حیرانگی کو غصہ میں چھپاتیں پلٹی تھیں کہ سامنے ہی تو وہ ساکت سا کھڑا تھا۔ انہوں نے یکدم اس کی پتھرائی آنکھوں سے نگاہ چرالی تھی۔

''آپ انجان بننے کی کوشش مت کریں آنی کہ میں مان ہی نہیں سکتی جو بات میں نے محسوس کی اس سے آپ انجان رہی ہوں۔'' وہ نم پلکوں سے انہیں دیکھ رہی تھی وہ ایسی جگہ کھڑا تھا کہ وہ اسے نہیں دیکھ پا رہی تھی مگر وہ ان دونوں کو صاف دیکھ ہی نہیں سن بھی رہا تھا۔

''اب مجھے کیا پتہ کہ تم نے کیا محسوس کیا ہے۔'' وہ گڑبڑا کر بولی تھیں یہ تو اچھا تھا کہ گھر میں اس وقت صرف تین ہی نفوس تھے۔ باقی سب شادی ہال میں چلے گئے تھے۔ ابران کو آفس میں دیر ہو گئی تھی اسی لئے وہ رویحا کے اکیلے پن کے خیال سے رک گئی تھیں کہ ویسے بھی اس کی تیاری انہوں نے ہی کروائی تھی کہ اس سے انہیں خود سے کچھ کرنے کی توقع ہی نہ تھی۔

''آپ کو ابران کی قسم ہے آنی، آپ جھوٹ نہیں بولیں گی۔''

اس نے آنسو رگڑے تھے۔ میک اپ بگڑتا جا رہا تھا مگر اسے پرواہ کہاں تھی۔

''ریا۔'' بے بسی سے محض اس کا نام لے کر رہ گئی تھیں۔

''آپ جانتی تھیں ناں آنی کہ ابران کسی سے محبت کرتے ہیں تو کیوں آپ نے ان کی شادی مجھ سے کروائی؟ اسی لئے ناں کہ میں ایک اغوا شدہ لڑکی تھی، مجھے کوئی اور نہیں اپناتا۔''

آنسو پھر بہنے لگے تھے۔

''ہاں، جانتی تھی کہ ابران کسی اور کو چاہتا ہے اس کے باوجود تمہاری شادی ابران سے صرف تمہارے لئے کروائی مگر اس لیے نہیں کہ تم اغوا شدہ تھیں اور میری بیٹی کے جرم کی سزا تمہیں ملی تھی اس لئے مجھے کوئی قرض چکانا تھا یا تم پر یہ تمہاری ممی پر کوئی احسان چڑھانا تھا۔ تم سے ابران کی شادی صرف اس لئے کروائی کہ میں جانتی تھی کہ تم ابران سے محبت کرتی ہو۔'' ان کی طرف سے کئے ہوئے انکشاف پر وہ دونوں ہی حیران رہ گئے تھے۔

''میں لیکن تمہاری محبت میں بھی خود غرض نہیں بنی تھی کہ تمہاری محبت میں خود غرضی دکھاتی تو کبھی یمانی اور ابران کی نکاح کی شام نہ آتی، جب وہ حادثہ پیش آیا تو آپی تمہیں لے کر پریشان تھیں اور میں نے ابران و تمہاری شادی کی بات بے حد اچانک ہی کر دی تھی اس سے پہلے سوچا بھی تھا تو ابران کا خیال رکاوٹ بنا رہا تھا مگر اس دن جب منہ سے بات نکلی اور اسی پل ابران نے نہ صرف سنی اقرار بھی کر لیا تو میں بھی حیران رہ گئی تھی کہ مجھے لگتا تھا کہ ابران کسی لڑکی میں انٹرسٹڈ ہے لیکن اب میں نے تمہارے لئے دکھائی خود غرضی، جان کر انجان بن گئی۔ ابران سے اقرار کی وجہ نہیں پوچھی، ابران سے یہ نہیں پوچھا کہ میری انٹینشن کیا غلط تھیں؟ میں اس سے اس لڑکی کے بارے میں نہیں پوچھ سکی کہ میں نہیں چاہتی تھی کہ میرا بیٹا فیصلہ لینے کے بعد کمزور پڑے۔'' ان کے آنسو بہہ رہے تھے۔

''آپ نے میرے لئے کیوں کیا اتنا سب، ابران کو کس بات کی سزا ملی؟'' اس کے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

''اس لیے کہ تم میری بیٹی تھیں، میرے دو بچوں میں سے کسی ایک کو خوشی مل سکتی تھی تو میں نے وہی فیصلہ لیا جس سے کم از کم ایک تو خوشی سے محروم نہ رہتا کہ میں یہ فیصلہ نہ لیتی تب بھی تمہاری و ابران کی شادی ہونے والی تھی کیونکہ یہ اللہ کا فیصلہ تھا اور تم اللہ کے فیصلے کے خلاف جا رہی ہو، حقیقت و دلائل میں الجھ رہی ہو جبکہ اللہ کے فیصلے تو بلا چوں چرا مانے جاتے ہیں کہ جو اللہ کے فیصلوں کے اسباب و گہرائی میں اترنے کی کوشش کرتا ہے وہ تمہاری طرح دکھی رہتا ہے۔ یہ تم بھول جاؤ کیا ہوا؟ کیوں کیسے ہوا؟ بس اتنا یاد رکھا کرو کہ جو ہوا ایسے ہی ہونا تھا۔ ابران تمہارا نصیب تھا تمہیں مل گیا کہ انسان کو نصیب سے نہ کم ملتا ہے نہ زیادہ کہ اگر انسان کے چاہنے نہ چاہنے سے کچھ ہوتا تو ارمان شیرازی کی دو بیویاں نہ ہوتیں، سب کچھ انسان کی چاہت پر منحصر ہوتا تو میں ارمان کی دوسری شادی کے بعد ان کے ساتھ نہ ہوتی کہ ہمارے اختیار میں نہ کسی کی زندگی میں آنا ہوتا ہے نہ کسی کی زندگی سے جانا، ہاں محبت و نفرت کرنا، اچھائی و برائی کو اپنانا ہمارے اختیار میں ہوتا ہے اور جو اللہ کے اختیارات کو سمجھ لیتے ہیں وہ محبت کو بھی نفرت اور نفرت کو بھی محبت بنا لیتے ہیں کہ محبت تو ہوتی رہتی ہے اس کی شکلیں بدلتی رہی ہیں کہ یکتا تو صرف اللہ کی ذات ہے۔'' وہ وہاں سے نکلتی چلی گئی تھیں اور وہ ساکت سی اپنی جگہ پر کھڑی رہ گئی تھی اور اسے کھڑے

کچھ ہی پل گزرے تھے کہ وہ اس کے سامنے آ گیا تھا۔

''رویحا میثم، آج جو کچھ آپ نے کہا اور کیا اس کے لئے میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔''

رویحا نے اسے دیکھا تھا اس کا چہرہ لہو چھلکا رہا تھا۔

''آپ نے میرے جذبات، میرے احساسات کی توہین کی ہے۔'' اس کی آنکھوں میں موتی چمکنے لگے تھے۔

''ابران۔'' اس نے پکارا تھا۔

''کچھ مت کہو، جو تمہیں کہنا تھا، جو کرنا تھا تم کر چکیں رویحا، اب کہنے اور کرنے کو کچھ نہیں بچا۔'' وہ بری طرح سے چیخا تھا جبکہ وہ سہم گئی تھی اور کافی دیر سے نیناں اور رویحا کو الجھتے دیکھتا ادیان ان دونوں کو بھی بڑی خاموشی سے الجھتا دیکھ رہا تھا۔

''تمہیں اگر یہ محسوس ہوا تھا کہ میں تم سے محبت نہیں کرتا، میری محبت کوئی اور ہے تو مجھ سے کرتیں بات، ممی کے سامنے میرے سارے بھرم توڑ ڈالے۔ مجھے میری ماں کی نظروں سے گرا دیا۔'' ابران کے آنسو گالوں پر لڑھکنے لگے تھے۔

''اگر تم اپنے محسوسات مجھ سے شیئر کرتیں تو ممی کی قسم رویحا، میں تم سے جھوٹ نہیں بولتا، تم سے کہہ دیتا کہ ہاں، کرتا ہوں میں کسی اور سے محبت۔'' وہی نہیں ادیان بھی اسے تڑپ کر دیکھنے لگا تھا۔ ''کہ محبت کرنا نہ جرم ہے نہ کوئی گناہ ہے جسے میں چھپاؤں گا، بس یہ یاد رکھنا رویحا کہ محبت کرنے میں بے اختیار تھا مگر آگے کے مراحل میرے جہاں تک اختیار میں تھے میں نے اسی کے تحت فیصلے لئے، جس شام میں نے مما اور آنٹی کی باتیں سنیں صرف ان دونوں کے لئے میں اپنی محبت سے دستبردار ہو گیا کہ اس لڑکی سے میری محض چند ماہ کی محبت تھی مگر آنٹی اور ممی سے میری محبت کے سرے میرے دنیا میں آنے سے پہلے سے جڑے تھے اور میں چند ماہ کی محبت کے لئے سالوں کی محبتوں کو نہیں چھوڑ سکتا تھا اس لئے میں نے اپنی محبت دل میں ہی دفن کر کے تم سے شادی کا فیصلہ کیا، کبھی میری محبت نے دل پر دستک دی بھی تو میں تمہارے لئے، اپنے رشتے کے لئے بہرا بن گیا۔ اور جس محبت کا اظہار لب سے نہیں کیا، جس کو پانے کی ذرا کوشش نہ کی اس محبت کے لئے آج تم نے مجھے میری ماں کے سامنے نظر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔''

اس کے آنسو روانی سے گر رہے تھے۔ رو تو وہ بھی رہی تھی کچھ کہنا بھی چاہتی تھی مگر ہمت نہیں پڑ رہی تھی اس لئے صرف اس کو سن رہی تھی۔

''میرا بھرم ٹوٹ گیا کہ ممی کچھ نہیں جانتیں، ممی کا بھرم ٹوٹ گیا کہ میں کچھ نہیں جانتا، جبکہ جانتے تو ہم دونوں ہی تھے مگر ایک دوسرے کو دکھ سے بچانے کے لئے ڈرامے کر رہے تھے اور آج تم نے ہمارے ڈرامے کا ڈراپ سین کر دیا اور اب ممی اس گلٹ کے ساتھ رہیں گی کہ انہوں نے میرے لئے کچھ نہیں کیا جبکہ میں جانتا ہوں کہ انہوں نے میرے لئے کیا کچھ کیا ہے، مجھے مقدر پر قادر رہنا سکھایا ہے، ایسی لڑکی کو میری زندگی میں شامل کیا جس پر فخر کیا جا سکتا ہے مگر تم کبھی اپنی اہمیت خود نہیں سمجھ سکیں۔ آنٹی اور ممی نے تمہاری محبت میں میری محبت کی پرواہ نہیں کی، تمہاری محبت کے لئے میں نے اپنی محبت چھوڑ دی۔ تمہاری خوشی کو اپنی خوشی بنا لیا اس کے باوجود تمہیں یہ یقین نہیں آ

سکا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں جبکہ حقیقت یہی ہے کہ میں نے پہلی نظر کی محبت کسی اور سے کی اور وہ محبت میرے دل کے سب سے پوشیدہ خانے میں ہمیشہ رہے گی لیکن میرے لئے محبت کا ہر احساس تم ہو، میرا عشق، میرے رشتے کی چاہت ہو تم۔'' اس نے آنسو گڑے تھے۔

''اور تم نے اس چاہت پر انگلی اٹھا کر، بدگمانی کی گرد سے آلودہ کر دیا ہے اور یاد رکھنا میں نے تم سے ہر بات، ہر احساس سچائی سے کہا ہے مگر اپنی محبت کا تمہارے سامنے نام نہیں لیا ہے کہ ڈرتا نہیں ہوں میں رویحا، لیکن اپنی محبت کا پاس رکھنا ہے، اس کا نام لبوں پر نہیں لا سکتا جو کسی اور کی امانت ہے اور جتنا میں تمہیں سمجھ پایا ہوں تم لفظ ''کسی'' پر مطمئن نہیں ہو سکتیں مگر یاد رکھنا کہ اگر تم نے اس ''کسی'' کی کھوج لگانی چاہی تو رہے سہے بھرم بھی ٹوٹ جائیں گے۔'' اس نے نم چہرے پر ہاتھ پھیرے تھے، گہرا سانس لے کر خود کو کمپوز کیا تھا۔

''فریش ہو کر آ جاؤ، شادی ہال میں سب ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔'' وہ کچھ کہنے لگی تھی کہ اس نے اطمینان سے کہا تھا۔ ''یاد رکھنا رویحا، میں اسی عورت کا بیٹا ہوں جس نے زندگی کی سب سے تلخ حقیقت کو ایسے قبول کیا کہ ہر ایک لاجواب ہو گیا، کسی کے پاس نہ سوال رہا نہ ہی کوئی جواب! ممی نے ہر صدمہ خود پر جھیلا، اپنا بھرم رکھنے کو خون کے آنسو رونا پڑا بھی تو روئیں مگر بھرم ٹوٹنے نہیں دیا اور ان کے بھرم ان کے مان کو سلامت رکھنے میں ڈیڈی نے پورا ساتھ دیا، ان کا مان بھی رکھا اور اپنے رشتے کا تقدس وحقوق فرائض بھی ادا کئے اور مجھے تم سے صرف یہی گلہ ہے کہ تم نے میرے سارے بھرم توڑ ڈالے، میرا مان کرچی کرچی کر دیا، میں کل کو اپنے پورے وجود پر کھڑا بھی ہو گیا تو میرا ٹوٹا مان اپنی کوئی کرچی سمیٹ نہیں پائے گا اور میں مکمل ہو کر بھی ادھورا رہوں گا کہ رشتوں کا مان رشتے ہی رکھتے ہیں اور میرے سب سے قریبی رشتے نے میرا مان بکھیر کر میری ذات کو تنکے سے بھی ہلکا کر دیا ہے اور اب میں نہ زمین پر گر سکتا ہوں نہ آسمان پر اڑ سکتا ہوں، زمین وآسمان کے درمیان تاعمر معلق رہوں گا۔''

وہ اسے ساکت چھوڑ کر نکلتا چلا گیا، دھیرے دھیرے لاؤنج کی خاموش فضا میں اس کی سسکیاں گونجنے لگی تھیں، ادیان بھی کب کا وہاں سے پلٹ گیا تھا۔ وہ یونہی بے مقصد گھر سے نکل گیا تھا کہ صبح ہی تو یمنیٰ نے اس سے کہا تھا کہ آج ان سب کو شانیہ کی شادی میں جانا ہے اور وہاں وہ جا نہیں سکتا تھا اسی لئے یونیورسٹی سے ہمیشہ کی طرح سیدھا گھر نہیں آیا تھا جبکہ ماں کی کالز مسلسل آ رہی تھیں اور وہ جھوٹے بہانے بنا تا رہا تھا اور جب سب کے چلے جانے کی امید سی بندھی تو وہ گھر آ گیا تھا مگر اس وقت گھر آنا اس کی اذیتوں کو کئی گنا بڑھا گیا تھا۔ وہ نم ہوتی پلکوں کے ساتھ یونہی بے مقصد چلتا جا رہا تھا کہ اس کے نمبر پر کال آنے لگی تھی اس نے مگر توجہ نہیں دی تھی مگر مسلسل بجتا موبائل اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی جیب سے نکالا اور کال ریسیو کر لی۔

''ادی! کہاں ہو تم؟ فوراً شادی ہال میں پہنچو۔'' یمنیٰ چھوٹتے ہی بولی تھیں اور وہ خود پریشان تھا اس لئے ماں کے لہجے میں ان کی پریشانی بھانپ نہیں سکا تھا۔

''ممی! میں نہیں آ رہا، میں کچھ بزی ہوں۔'' وہ ایک بار پھر چلنے لگا تھا۔

''میں کچھ نہیں جانتی تم فوراً پہنچو۔ یہاں بہت بڑا مسئلہ ہو گیا ہے۔''

وہ یکدم رک گیا تھا اور وہ جلدی جلدی سے اسے تفصیل بتانے لگی تھیں اور وہ سن ہوتا جا رہا تھا کہ تفصیل ہی ایسی تھی کہ شانیہ کی جس سے شادی ہو رہی تھی اس نے عین نکاح کے وقت انکار کر دیا تھا کہ اس کی بیوی جو وہاں پہنچ گئی تھی، احمر جس لڑکی سے محبت کرتا تھا گھر والے اسے پسند نہیں کرتے تھے اس لئے اس نے کورٹ میرج کر لی تھی مگر وہ شانیہ سے شادی سے انکار نہیں کر پایا تھا کہ باپ نے عاق کرنے کی دھمکی جو دے دی تھی مگر اچانک اس کی بیوی شادی ہال میں پہنچی تھی تو وہ اس کے سامنے اچھا بننے کو نکاح سے انکار کر گیا تھا جبکہ حقیقت سامنے آنے کے بعد تو شہباز بھی کبھی اس سے اپنی بہن کی شادی کرنے کے لئے راضی نہیں ہوتا اور اسی لئے اس نے ان لوگوں کو نہ اچھا کہا نہ ہی برا بس چلے جانے کا کہہ دیا۔ صورتحال کے بدلتے ہی شہناز کی حالت خراب ہو گئی تھی ایسے میں یمنیٰ نے ارمان سے ایک بات کی تھی اور انہوں نے اپنی طرف سے رضامندی دے دی تھی مگر ساتھ ہی کہا تھا کہ پہلے وہ ادیان سے بات کر لیں اور یہی ان کا بھی ارادہ تھا لیکن شہناز کی حالت کی وجہ سے ٹوٹ گیا تھا اور انہوں نے آگے بڑھ کر ادیان اور شانیہ کی شادی کی بات کی تھی، شہناز کے تو مردہ تن میں گویا انہوں نے زندگی کی روح پھونک دی تھی۔ سائرہ بیگم بھی بہو کے فیصلے سے خوش تھیں اور انہوں نے ہی ان سے کہا تھا کہ باقی معاملات وہ لوگ دیکھ لیں گے۔ وہ ادیان کو کال کر کے بلا لیں جبکہ ارمان شیرازی سے کہا تھا کہ وہ نیناں کو فون کر کے پوچھیں وہ تینوں ابھی تک کیوں نہیں پہنچے؟

”پلیز ادیان، جلدی سے آ جاؤ بیٹا۔“ مختصراً تفصیل بتا کر پہنچنے کا کہا تھا۔

”ممی، میں نہیں آ رہا، میں نے شانیہ سے شادی نہیں کرنی ہے۔“ وہ سرخ ہوتی آنکھوں سے کہہ گیا تھا۔

”شٹ اپ، ادیان میں کوئی فضول بکواس نہیں سنوں گی، اور یہ مت بھولو جب ہمارے گھر کی عزت داؤ پر لگی تھی تو آپی نے ہی آگے بڑھ کر سہارا دیا تھا اور آج وہ مشکل میں ہیں تو تم کم ظرفی دکھا رہے ہو۔“

اس کا صاف انکار انہیں غصہ دلا گیا تھا اسی لئے نرم خو یمنیٰ نے اسے زبردست انداز میں جھاڑ کر رکھ دیا تھا۔

”شہباز بھائی کا میں احسان مند ہوں اور زندگی بھر ان کا قرض نہیں اتار سکتا۔“ وہ بے بسی سے کہہ گیا تھا۔

”قسمت سے موقع مل تو رہا ہے تمہیں قرض اتارنے کا، تم حالات کو سمجھو ادیان، آپی کی کنڈیشن اچھی نہیں ہے۔“ ان کے آنسو گرنے لگے تھے۔ انہیں بے بسی کا شدت سے احساس ہوا تھا کہ ان کے پاس اتنا بھی وقت نہ تھا کہ وہ اس سے فیس ٹو فیس بات کر لیتیں کہ اس طرح سمجھانا آسان ہوتا۔

”آپ کچھ بھی کہیں میں نہیں کر سکتا، سوری۔“ اس نے لائن ہی کاٹ دی تھی اور وہ بے بسی سے موبائل دیکھنے لگی تھیں۔

”ہوئی آپ کی ادیان سے بات؟“ ارمان کی آواز پر وہ چونک اٹھی تھیں۔

”ادیان نے صاف انکار کر دیا ہے ارمان۔“ وہ انہیں مضطرب و متحیر کر گئی تھیں۔

”آپ نے تمام صورت حال بتائی تھی اسے؟“

”جی، مگر اس نے انکار کر کے لائن ہی کاٹ دی۔ اب کیا ہوگا ارمان۔“ وہ بہت خوفزدہ ہو گئی تھیں۔

''میں نے اسی لیے کہا تھا کہ آپ پہلے ادیان سے پوچھ لیں کہ وہ کچھ عرصے سے پریشان ہے، کوئی بات ہم سے چھپا رہا ہے اور اس کی حالت سے ہمیں بارہا اندازہ ہوا کہ چکر لڑکی کا ہی ہے مگر نہ اس نے بتایا نہ ہم نے زور ڈالا کہ وہ کچھ بتانا ہی نہیں چاہتا تھا ایسے میں مجھے لگا تھا کہ وہ شانیہ سے شادی کے لئے شاید ہی راضی ہو، اور آپ نے اس کی مرضی جانے بغیر سب کے سامنے بات کہہ دی۔'' وہ آگے کی مشکلات کا سوچ کر ہی تفکرات کے جال میں الجھتے چلے گئے تھے۔

''میں بھی پہلے ادیان سے بات کرنا چاہتی تھی مگر جو حالت آپی کی تھی، مجھے لگا کہ ہماری بات ان پر اچھا اثر ڈالے گی مگر ادیان کا انکار تو ان کی جان لے لے گا، آپ کریں ناں ادیان سے بات، سمجھائیں اسے۔'' پریشانی سی پریشانی تھی اور انہوں نے ادیان کا نمبر ڈائل کیا تھا مگر اس نے انہیں بھی وہی جواب دیا تھا۔

''ادیان، تم غلط کر رہے ہو بیٹا، مشکل میں اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں اور شانیہ تو ہر لحاظ سے اچھی لڑکی ہے اور ہم بات کر چکے ہیں تم نہیں آؤ گے تو ہماری بہت بے عزتی ہوگی۔ اپنے والدین کے فیصلے کی لاج رکھ لو کہ اب تمہارا انکار رشتے بکھیر دے گا۔'' وہ بیٹے کو سمجھا رہے تھے۔

''اور میرا اقرار میری ذات بکھیر دے گا۔'' اس نے بے بسی سے سوچا تھا اور اپنی کہی بات پر قائم رہا تھا۔

''اگر آج تم نے ہمارے فیصلے کی لاج نہ رکھی اور یہ وقت ہمارے سروں پر خاک ڈالتا گزر گیا تو تمہارا اور میرا رشتہ ختم، دودھ تک نہیں بخشوں گی تمہیں۔'' انہوں نے ارمان شیرازی کے ہاتھ سے سیل جھپٹا اور غصہ سے کہہ کر اس کی بات سنے بغیر لائن کاٹ دی تھی۔

''یہ آپ نے کیا کہہ دیا یمنیٰ۔'' وہ آنسو روکنے کی کوشش کرتیں یمنیٰ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ گئے تھے۔

''یہ ضروری ہو گیا تھا، وہ آ تو جائے گا ناں۔''

وہ شکوک وشبہات کا شکار کافی سہی ہوئی لگی تھی۔

''اسے یوں فورس کرنا ٹھیک نہیں ہے۔''

''کیا ٹھیک ہے، کیا غلط میں نہیں جانتی، بس دعا کریں کہ وہ وقت گزرنے سے قبل آ جائے کہ وقت گزرتا گیا تو میں اپنے کہے پر عمل کروں گی۔'' وہ آنسو صاف کرتیں پنڈال کی جانب بڑھ گئی تھیں جہاں دسیوں لوگوں کی موجودگی میں بھی خاموشی کا راج تھا۔

''مامی، آپ نے ادیان سے تو بات کر لی ناں، اسے کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟'' وہ شہباز کو دیکھ کر رکی تھیں اور وہ نرمی سے پوچھ گیا تھا۔

''اگر اسے اعتراض ہے تو کوئی بات نہیں بس آپ اسے فورس مت کیجئے گا۔'' وہ ان کی خاموشی کو محسوس کر کے بولا تھا۔

''ادیان کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ وہ کچھ دیر میں پہنچ رہا ہے۔'' جواب ان کی جگہ آگے بڑھ کر ارمان نے دیا تھا اور وہ دل وذہن سے چاہے کتنے خوفزدہ تھے مگر انہوں نے اسے بھرپور انداز میں تسلی دی تھی۔

''میں آپ لوگوں کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔'' اس کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے۔

''احسان کرنے کے انداز ہم نے تم سے ہی تو سیکھے ہیں۔'' وہ نرمی سے اسے جتا گئے تھے۔

''اگر آپ لوگوں نے یہ فیصلہ میرا احسان اتارنے کے لئے لیا ہے تو میری طرف سے انکار ہے کیونکہ میں نے یمانی سے شادی کسی احسان کے لئے نہیں، خود اپنے لئے کی تھی، احسان تو آپ لوگوں کا مجھ پر ہے کہ آپ نے میرا پرپوزل ایکسپٹ کیا۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا تھا۔

''ہم نے بھی یہ فیصلہ کسی احسان کے لئے نہیں لیا کہ بس حالات کے تحت لے لیا ہے اور یہ ہماری اور ہمارے بیٹے کی خوش نصیبی ہے کہ شانیہ جیسی باسیرت و باکردار لڑکی ہمارے گھر کی عزت بننے جا رہی ہے۔'' انہوں نے سنجیدگی سے کہہ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے نیناں۔ اس نے صاف انکار کر دیا ہے اگر وہ نہیں آیا تو......؟'' ارمان شیرازی نے فون کر کے ساری صورتحال انہیں بتا دی تھی اور وہ جو ردیحا کی بے وقت کی راگنی کے بعد جانے نہ جانے کی الجھن میں تھیں کہ ان کی کال کے بعد تو ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں ٹھہری تھیں۔

''تم کرو نہ اسے فون، وہ تمہاری بہت مانتا ہے، تم کہو گی تو فوراً آ جائے گا۔'' وہ نیناں کو بہت آس سے دیکھ رہی تھیں اور وہ جو ادیان کے انکار کا سن کر ہی متحیر تھیں ان کی فرمائش پر پریشان ہو گئی تھیں۔ وہ کچھ کہتیں یا ان کے کہے پر عمل کرتیں وہ چلا آیا تھا۔

''لایئے ممی، دیجئے میری موت کا سرٹیفکیٹ، سائن کر دیتا ہوں۔''

وہ تینوں ہی اس کے بے تاثر چہرے اور لہو رنگ آنکھوں کو دیکھ کر ہی مضطرب ہو گئے تھے کہ اس کی بات پر دہل کر اسے دیکھنے لگے تھے۔

''یہ کیا بکواس ہے ادیان۔'' یمنیٰ تڑپ کر بے بسی سے بولی تھیں۔

''بکواس نہیں یہی حقیقت ہے۔ میں نکاح نامے پر نہیں اپنے ڈیتھ سرٹیفکیٹ پر سائن کرنے آیا ہوں۔''

وہ ان تینوں کو ہی بہت اجنبی سا محسوس ہوا تھا۔

''تمہیں نہیں کرنی ہے ناں شادی تو ٹھیک ہے نہ کرو۔ بکواس کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔'' نیناں شیرازی نے اسے ڈپٹا تھا۔

''شادی تو مجھے واقعی نہیں کرنی ہے مگر انکار کا حق مجھ سے میری ماں نے چھین لیا ہے اور میں جانتا ہوں آج خود کو قربان کر کے بھی ماں کے دودھ کا حق ادا نہیں کر سکوں گا۔'' وہ ناراض نظر ماں پر ڈالتا خود ہی پنڈال کی جانب بڑھ گیا تھا۔

''ادیان جب شادی ہی نہیں کرنا چاہتا تو آپ دونوں نے کیوں اسے فورس کیا؟ زبردستی کے جوڑے رشتے صرف دکھ و پچھتاوے دیتے ہیں۔''

ان کے آنسو گرنے لگے تھے۔ یمنیٰ کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گئی تھیں تو وہ ارمان کو بے بسی سے دیکھنے لگی تھیں۔

''جو ہو رہا ہے ہو جانے دو اور اللہ سے اچھے کی امید رکھو، اللہ ہے ناں وہ سب ٹھیک کر دے گا۔'' وہ دھیمے سے کہتے انہیں آنے کا

کہتے آگے بڑھ گئے تھے۔اس کی شکل دیکھ کر شہباز کافی الجھ گیا تھا۔

''ادیان، تم اس رشتے کے لئے خود سے راضی ہوئے ہوناں، ایسا نہیں ہے تو تم پر کوئی زبردستی نہیں ہے۔''اس کا بے تاثر چہرہ سرخ آنکھیں شہباز کو ٹھٹکا گئی تھیں اسی لئے اس نے بلا جھجک دوٹوک بات کہہ دی تھی۔

''مجھے کسی نے فورس نہیں کیا ہے آپ بے فکر رہیں۔'' وہ دھیمے سے مگر اپنے مخصوص سنجیدہ انداز میں ہی بولا تھا مگر اس کی تو کیا وہاں موجود افراد کی بھی تسلی نہیں ہوئی تھی۔

''میرے ایک دوست کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا، میں دوپہر سے ہاسپٹل میں ہی تھا اسی لئے آنے میں بھی دیر ہو گئی۔''

سب کی نظریں خود پر محسوس کر کے اس نے سب کی تسلی کو من گھڑت کہانی سنائی تھی جسے سن کر وہ سب مطمئن ہو گئے تھے کہ وہ نہیں مگر اس کی آنکھیں بہت کچھ کہہ رہی تھیں۔قاضی صاحب نے بسم اللہ پڑھ کر ایجاب وقبول کے مراحل کا آغاز کیا تھا اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تھا وہ اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر تو کھڑا تھا اس کے چہرے پر پھیلی کشمکش، آنکھوں میں ٹھہری بے چین سی اداسی، ادیان کے اندر کے سناٹے کو بڑھا گئی تھی اور اس نے ابران کے چہرے سے نگاہ چرالی تھی، کچھ دیر بعد شانیہ کو اس کے پہلو میں لا کر بٹھا دیا گیا تھا، ابران کی نگاہ بھٹک گئی تھی، دل پھڑ پھڑانے لگا تھا اور وہ تیزی سے وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا جبکہ ادیان کو وہاں بیٹھنا دشوار لگنے لگا تھا۔اس کی آنکھوں میں سرخی بڑھنے لگی تھی۔

''میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا ممی، مجھے گر زندگی آپ نے ہی دی ہے تو آج میری موت کا ساماں بھی خود ہی کر دیا ہے۔''

وہ شہناز کا ہاتھ تھامے دھیمے دھیمے بات کرتی ماں کو دیکھ کر خود سے بولا تھا اور اس کے پہلو میں ٹکے رہنا دشوار لگنے لگا تو وہ کھڑا ہو گیا تھا اس کے کھڑے ہو جانے پر سب اس کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔یمانی لپک کر اس تک پہنچی تھی۔

''آپی، میرا سر درد سے پھٹ رہا ہے، بہتر ہو گا رسمیں جلد سے جلد ادا کر لی جائیں۔''اس نے اپنے سے کافی سال چھوٹے بھائی کو دیکھا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''بہت شکریہ ادیان، آج تم نے ہمارا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔اللہ تمہیں بہت خوشیاں عطا فرمائے۔میری دعا ہے تم اور شانیہ ہمیشہ ایک ساتھ بہت خوش رہو۔''فرط جذبات سے کہتی وہ نم پلکوں سے اس کے بے تاثر چہرے کو دیکھتی فرط مسرت سے اس کی پیشانی چوم گئی تھی۔

''آپ سب کا تو سر فخر سے بلند ہو گیا مگر میرا وجود مٹی میں مل گیا ہے، میں تو خود سے بھی نظر ملانے کے قابل نہیں رہا۔''اس نے بے بسی سے سوچا تھا۔باقی کے مراحل بڑی تیزی سے طے ہوئے تھے، ماں اور بھائی کی دعاؤں کے سائے میں وہ ان چاہی بیوی بن کر نیناں ولاز میں چلی آئی تھی جہاں اس کا شاندار استقبال ہوا تھا۔رسمیں چل ہی رہی تھیں وہ کسی کو بھی موقع دیئے بغیر وہاں سے ہی نہیں گھر سے بھی نکل گیا تھا۔سائرہ بیگم کے اشارے پر خواہش اور رویحا اسے ادیان کے کمرے میں لے گئی تھیں اور سب سوالیہ نگاہوں سے ارمان اور یمنیٰ کو دیکھنے لگے تھے۔وہ کچھ کہتیں کہ ارمان شیرازی کا موبائل بجنے لگا تھا۔دیکھا تو شہباز کا نمبر تھا۔انہوں نے پریشان ہوتے ہوئے

کال ریسیو کر لی تھی۔

''یمانی کا فون آیا تھا، شہناز آپی کی طبیعت اچانک بگڑ گئی ہے۔'' ارمان اور یمنیٰ کے ساتھ سالار اور رابعہ بھی ہاسپٹل پہنچ گئے تھے اور وہ سب ہی شہناز لغاری کی زندگی کی دعائیں کر رہے تھے لیکن موت بازی لے گئی تھی۔ شہباز قسمت کے اس وار پر بالکل ہی ٹوٹ کر رہ گیا تھا۔ خوشیوں نے دکھ کی چادر اوڑھ کر انہیں سوگوار کر دیا تھا۔ ان سب کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس قیامت کا شانیہ کو کیسے بتائیں گے جو ایک قیامت سے گزر کر دوسری سے گزر رہی تھی کہ نئی قیامت ٹوٹ پڑی تھی جس کا حل اور بچاؤ کی راہ بھی ان کے پاس نہ تھی اور وہ اس دشمنِ جاں کی سیج پر اس کی منتظر اچھے لمحوں سے ان کے گزر جانے تک کا سوچتی نیر بہار ہی تھی کہ آج اس کی لاتعلقی و سرد مہری دل میں اتر گئی تھی۔

محبتوں کے یہ دریا اتر نہ جائیں کہیں
جو دل گلاب ہیں زخموں سے بھر نہ جائیں کہیں
جھلک رہا ہے جن آنکھوں میں اب وجود میرا
یہ آنکھیں، ہائے یہ آنکھیں مکر نہ جائیں کہیں

☆......☆......☆

''ابران۔''

اس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

''پلیز رویحا، مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی ہے۔'' وہ رکھائی سے بولا تھا اور اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''آئی ایم ساری۔'' وہ یکدم اس کے سامنے آتی ہاتھ جوڑ گئی تھی۔

''فار گاڈ سیک رویحا۔ تم اس طرح مجھے مزید اذیت سے دوچار کر رہی ہو۔'' بازو تھام کر یکدم جھنجلائے ہوئے انداز میں آزاد کرتا بے بسی سے بولا تھا۔

''میں نے آپ کو بہت ہرٹ کیا ہے ابران، لیکن میں نے کچھ بھی جان کر نہیں کیا۔ بس کڈنیپنگ کے حادثے کے بعد سے مجھے خود پر کنٹرول نہیں رہتا، مجھے خود سمجھ نہیں آتا میں نے کیا اور کیوں کہہ دیا۔'' اس کے آنسو روانی سے بہہ رہے تھے اور اس نے لب بھینچ لئے تھے۔

''اس حادثے نے میری تمام صلاحیتیں ہی سلب کر لی ہیں، میں خود اعتمادی اور بھروسے کے مطالب بھی بھول گئی ہوں۔ آنی کی محبت پر کوئی شک نہیں ہے نہ ہی آپ کی محبت پر کوئی شبہ ہے لیکن پھر بھی ایک بے اختیار سا اعتبار نہیں ہوتا نہ آپ پر، نہ آنی پر یہاں تک کہ مما پر بھی نہیں۔'' وہ روتے ہوئے کہتی جا رہی تھی۔ ''میں جانتی ہوں، آپ سے شادی مما نے میری خوشی کے لئے کروائی لیکن......''

''گزری باتیں رہنے دو رویحا کہ میں تمہاری کہی ان کہی اچھے سے سمجھتا ہوں۔ مجھے افسوس تو بس اس بات کا ہے کہ میری طرف سے جو بھی بے یقینی تھی مجھ تک رہنے دیتیں۔ میں تمہارا اعتبار لوٹنے کا انتظار کر تو رہا تھا اور کیا کرتا؟ میں نے شادی کے بعد سے آج تک

صرف تمہاری مرضی کا خیال رکھا، تمہیں ویسے ٹریٹ کیا جیسے تم چاہتی تھیں اور تم نے مجھے اپنی نہیں، میری نہیں، ممی کی بھی نظروں سے گرا دیا۔" اس کی آنکھوں میں سرخی بڑھنے لگی تھی۔"اور میں اس کے لئے تمہیں تو وقت کے چلتے معاف کر دوں گا لیکن کبھی خود کو معاف نہیں کر پاؤں گا کیونکہ جو بات چھپانے کو زندگی میں پہلی دفعہ ممی سے جھوٹ بولا تم نے وہ بات یوں ان پر عیاں کی کہ میری ذات کا مان ہی بکھر گیا۔"

اس کے آنسو گرنے لگے تھے اور اس کے رونے میں بھی شدت آتی جا رہی تھی۔

"ممی نے میرے جھوٹ کو بھی مان بخشا تا کہ میں اور تم خوش رہیں لیکن تم نے سب کچھ ختم کر دیا۔ ممی اب زندگی میں کبھی اس گلٹ سے باہر نہیں آسکیں گی کہ میں نے ان کے لئے اپنی محبت تیاگ دی اور یہ حقیقت ہے لیکن ہر حقیقت عیاں ہونے کے لئے نہیں ہوتی کہ یہ ممی کو جتانا ضروری نہیں تھا رویحا، کہ ممی نے میری پیدائش سے آج تک میرے لیے کیا کچھ نہیں کیا، میرے لئے کیا کچھ تیاگ دیا انہوں نے لیکن کبھی جتایا نہیں، میں نے خود سے محسوس کر لیا وہ الگ بات ہے اور ممی کے محسوسات ان کو بتا رہے تھے کہ میری محبت کوئی اور ہے لیکن وہ قسمت کے فیصلے پر ہمیشہ کی طرح رضامند ہو گئیں لیکن تم نے سب کچھ ختم کر دیا۔ ممی اور میرے احساسات کو بکھیر دیا، ممی کو میرا اور مجھے ممی کا مجرم بنایا اور یہ گلٹ ہم دونوں کو ہی تاعمر ستاتا رہے گا۔" اس نے رخ پھیر کر آنسو صاف کئے تھے۔

"براہ مہربانی جو ہوا اسے بھول جاؤ کہ چاہے مجھے تم پر کتنا ہی غصہ ہے، ناراض نہیں ہوں تم سے لیکن سب کچھ سیٹ ہونے میں کچھ وقت لگے گا۔" وہ خود کو کمپوز کرتا اس کی جانب مڑا تھا۔"بس ایک فیور چاہیے تم سے کہ اب مزید تم کوئی حماقت نہیں کرو گی، نہ ہی اس ذکر کو پھر کبھی کسی کے بھی سامنے نکالو گی کہ جو ہوا اس کے بعد بھی ہمارے درمیان کبھی دوریاں نہیں آئیں گی کہ میں تمہیں غلط نہیں کہہ رہا تم اپنی جگہ درست ہو، بس میں اور ممی ہی اپنے نظریئے کے مطابق زندگی گزارنے کے عادی ہیں اس لئے تکلیف میں ہیں اور نظریہ ہمارا الگ ہے اس لئے تکلیف بھی ہمارا مقدر ہے اور تم جانتی ہو کہ میں اپنے نظریئے اور سوچ کو نہیں بدل سکتا، اس لئے اس قصے کو ختم کرو۔ بس یہ یقین رکھنا کہ چاہے شادی تم سے آنی اور ممی کے لئے کی تھی مگر اسے نبھانا اپنے لئے چاہتا ہوں۔ پہلے ممی کی خوشی پیش نظر تھی لیکن اب میں تمہیں تمہارے لئے خوش رکھنا چاہتا ہوں۔" وہ نرمی سے کہتا چلا گیا تھا اور وہ اس کے سینے سے آلگی تھی۔

"آئی لو یو ابران۔" وہ اس سے اظہار محبت کر گئی تھی۔ وہ بھی ایسے وقت میں جب اس کا ذہن منتشر تھا اور دل آندھیوں کی زد پر تھا کہ سارے صدمے اس پر ایک ہی دن ٹوٹ پڑے تھے۔ وہ ماں کی عدالت میں جانے سے خوفزدہ تھا کہ اسے نیا خوف لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں ادیان کو یہ بات نہ پتہ چل جائے کہ وہ "شانیہ" سے محبت کرتا ہے کہ وہ اتنا دکھی اس وقت نہیں ہوا تھا جب اس نے محبت چھوڑنے کا فیصلہ لیا تھا مگر آج اندر سے ٹوٹ گیا تھا۔ نکاح کی تقریب اس نے جس ضبط سے گزرتے ہوئے اٹینڈ کی تھی یہ بس وہی جانتا تھا اس لئے ہی وہ نکاح کے بعد وہاں ٹھہرا نہ تھا مگر جانتا تھا کہ وہ جس سے بچ کر وہاں سے نکلا ہے اب اس سے فرار ممکن نہ تھا کہ اس کی محبت اس کی بھابی بن کر اسی گھر میں آرہی تھی جہاں وہ رہتا، بستا تھا۔ وہ تقدیر کے اس وار پر بکھر گیا تھا اور ستم یہ تھا کہ وہ اپنی اس اذیت کو کسی سے بانٹ نہیں سکتا تھا۔ وہ خود سے لڑ رہا تھا کہ رویحا اس کے لئے امتحان بن گئی تھی۔ اتنے عرصے میں آج پہلی دفعہ اس نے از خود پیشرفت کی تھی، انداز میں خود

سپردگی تھی تو لبوں پر محبت کا اظہار، ایسے میں وہ اسے خود سے دور کر کے یقین و بے یقینی کے درمیان ڈولتے یکدم بدگمانی کی نظر نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے ذہن و دل کی حالت چاہے کیسی بھی تھی، وہ چاہے اس سب کے لئے فی الحال تیار نہ تھا مگر صرف اس کو اعتبار بخشنے کی خاطر اس کے بازوؤں کا حصار خود بہ خود اس کی پشت کو اپنے ہونے کا احساس بخش گیا تھا۔ اس نے محبت اور آنسو دل میں اتارے اور اپنی خوشی کو صرف اس کی خوشی کے لئے پس پشت ڈالتے ہوئے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیئے۔

''آئی لو یوٹو۔'' وہ سچائی سے بولتا اسے اس کا ہر حق سونپ گیا تھا۔

☆......☆......☆

''نیناں، فار گاڈ سیک، رونا بند کرو اور بتاؤ مجھے کیا بات ہے؟ کیوں رو رہی ہو؟'' وہ انہیں مستقل روتے دیکھ کر جھنجلا کر رہ گئے تھے۔ ''ابران کو لے کر پریشان ہو۔''

وہ ان کے نفس آشنا خاموشی کے جواب میں نرمی سے ہاتھ تھامے بولے تھے اور انہوں نے اثبات میں گردن ہلا کر ان کے یقین پر مہر ثبت کر دی تھی اور ان کے استفسار پر تمام تفصیل کہتی چلی گئی تھیں۔

''میں نے صرف ریا کی خوشی کے لئے ابر کی خوشی کے بارے میں سوچا تک نہیں اور اس کے جھوٹ پر اس کا اور اپنا بھرم رکھتی رہی لیکن آج ریا نے سارے بھرم توڑ ڈالے۔'' ان کے رونے میں شدت آتی جا رہی تھی۔

''نیناں! حقیقت سے چاہے نظر کتنی ہی چرائی جائے وہ بدلتی نہیں ہے اور ریا کے عیاں کرنے نہ کرنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولے تھے۔

''فرق پڑتا ہے ارمان، ریا نے غیر واضح بات کو، گمان کو یقین بنا دیا ہے۔'' انہوں نے قدرے ناپسندیدگی سے شوہر کو دیکھا تھا۔

''تم خود کو دھوکا دے رہی تھیں ریا نے حقیقت میں لا پٹخا تو مجھے نہیں لگتا کہ اس میں ریا کی کوئی غلطی ہے۔ یقیناً ابران کا اس کے ساتھ ایسا رویہ ہو گا کہ وہ یہ سب کہنے پر مجبور ہو گئی۔'' وہ سابقہ انداز میں ہی بولے تھے۔

''آپ ہمیشہ ابر سے ہی بدگمان ہوتے ہیں مگر فار یور کائنڈ انفارمیشن مسٹر ارمان! کہ ریا، ابران کے برے رویے کو لے کر ڈسٹرب نہیں ہوئی اسے ابر کی اچھائی نے ڈسٹرب کیا ہے کہ کڈنیپنگ کے واقعہ نے اس کی خود اعتمادی کو ہی سلب کر لیا ہے اور اسے لگتا ہے کہ میں نے صرف احسان چڑھانے اور قرض اتارنے کی نیت سے ابر سے قربانی لی ہے اور ابر کی محبت اس کی توجہ کو بھی احسان کا ہی کوئی رنگ سمجھتی ہے اسی لئے اس نے مجھ سے کہا کہ اگر ابر کی محبت کوئی اور ہے تو مجھے اسے بلی کا بکرا نہیں بنانا چاہئے تھا۔'' وہ بیٹے کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتی تھیں تپے ہوئے انداز میں کہتی چلی گئی تھیں۔ ''جبکہ شادی کا فیصلہ تو بہت اچانک ہوا تھا کہ میں آپی کا رونا برداشت نہیں کر سکی تو از خود وہ فیصلہ ہو گیا اور میرے بیٹے نے اپنی محبت قربان کر کے میرے منہ سے نکلے الفاظ کی لاج رکھی اور شادی کر لی اور میں نے اس کی دل کی حالت محسوس کرتے ہوئے بھی صرف ریا کی خوشیوں کے خیال سے چپ لگا لی تو میں کہاں سے غلط ہوں کہ ریا چاہے بے قصور ہے مگر

ہمارا معاشرہ کب اس حقیقت کو قبول کر سکتا ہے تو ایسے میں، میں نے صرف ریا کی ماں بن کر سوچا تو میں خود غرض کیسے ہوگئی۔'' وہ سوں سوں کر رہی تھیں۔ وہ مسکرا دیئے تھے۔

''تمہیں یا تمہارے لاڈلے کو کوئی غلط نہیں کہہ رہا تم دونوں ہی اپنے نظریئے سے ہٹنے کو اور ایک دوسرے کے نظریئے کو سمجھنے کو تیار نہیں ہوتے اس لئے مسئلے مسائل ہوتے ہیں۔ ریا نے اگر کچھ کہہ دیا تو اتنا ڈسٹرب ہونے یا رونے دھونے کی کیا ضرورت ہے؟'' وہ اب کے تاسف سے بول رہے تھے۔

''تم نے تو خیر رو دھو کا دل ہلکا کر لیا۔ وہ تمہارا لاڈلا اندر ہی اندر گھٹتا رہے گا پوری تقریب میں کیسے منہ لٹکایا ہوا تھا اس نے۔''

''جو بات مجھے ڈسٹرب کر گئی ہے وہی بات اس کے لئے بھی پریشانی کا باعث ہے کہ ابر کے بنا کہے بھی میں اس کی دل کی حالت سمجھ رہی تھی مگر نہ میں نے کچھ کہا نہ اس نے ظاہر کرنے کی کوشش کی اور اب سچ کہوں نا ارمان تو اب میرا بیٹا چاہے کتنا ہی مسرور کیوں نہ ہو میرے اندر بے یقینی سر اٹھاتی رہے گی۔''

وہ ان کے سرخ متورم چہرے کی جانب دیکھنے لگے تھے۔

''جتنے عرصے ابر ہاسٹل میں رہا، میں اس کے یقین دلانے پر بھی چاہتے ہوئے بھی یقین نہیں کر پائی تھی، مجھے ہی لگتا تھا کہ میرا بیٹا مجھے دکھ سے بچانے کو اپنے سکھ کی داستان سنا رہا ہے جبکہ میں جانتی تھی کہ وہ محض داستان نہ تھی میرا بیٹا مجھ سے دور تھا مگر خوش تھا، اللہ کے کرم سے اسے کوئی پریشانی نہ تھی مگر مجھے مکمل تسلی اسے دیکھ کر ہی ہوتی تھی اس کی کہی بات پر یقین ہو ہی نہیں پاتا تھا اور اب بھی یہی سب ہوگا ارمان، ابر امجھے کتنا ہی یقین دلائے کہ وہ خوش ہے۔ مجھے یقین نہیں آئے گا اور میرا گلٹ کہ میں جانتے بوجھتے اس کے ساتھ ایسا کیا اس کے چہرے کی طرف دیکھنے نہ دے گا اس لئے میری تسلی بھی نہ ہوگی۔'' وہ آنسو گرتیں بیڈ سے اتر گئی تھیں۔

''اب چاہے آپ اسے میرا فضول نظریہ کہیں یا میری جذباتی حماقت مگر میں ایسی ہی ہوں کہ میں خود کو معاف تو کبھی کر بھی نہیں پاؤں گی کہ یہ بھی حقیقت ہے کہ زندگی میں پہلی دفعہ میں نے اپنے ابر کو وہ دینے کی کوشش تک نہ کی جو وہ پانا چاہتا تھا اور میری خوشی کے لئے میرے بیٹے نے خود بھی کوشش نہ کی اور یہ کوشش نہ کرنے کی تشنگی قسمت کے فیصلوں کو قبول کر لینے کے باوجود دل سے نہیں جائے گی اور جب تشنگی نہیں جائے گی تو یقین بھی نہیں آئے گا کہ میرا بیٹا خوش ہے وہ بھی اپنی خوشی کے لئے۔'' وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہوتیں جیولری اتارنے لگی تھیں۔

''جیسے تم نے اپنی خوشی کے لئے کبھی نہیں جیا۔''

وہ بہت چونک کر انہیں دیکھنے لگی تھیں۔

''میری دوسری شادی کے بعد تم نے خود کو مجھ سے ہی نہیں اپنی خوشی سے بھی دور کر لیا۔''

ان کی بات پر نیناں شیرازی کی آنکھیں اذیت سے سرخ ہونے لگی تھیں۔

ایسا نہیں ہے ارمان۔''

''بس کر دو نیناں، خود کو اور مجھے دھوکا دینا بند کر دو کہ میں جانتا ہوں کہ تم میری زندگی میں دوبارہ لوٹ کر آئیں تو صرف ابران کے لئے، اور ابران کی خوشی میں خوش رہنا سیکھ لیا۔ ایان وشیریں کی خوشی کو اپنی خوشی بنا لیا۔ کبھی میرے لئے مسکرائیں تو ابران کے لئے ہنستی رہیں مگر اس سب میں تم کہیں نہیں ہو، وہ نیناں کہیں نہیں ہے جو اپنے لئے مسکراتی تھی، اپنے حق کے لئے لڑتی تھی۔'' وہ انہیں دیکھ رہے تھے جن کا چہرہ ضبط کی لالی چھلکانے لگا تھا۔

''آپ میرا حق بانٹنے والی لے آئے تھے تو بٹے ہوئے حق کے لئے کیا لڑتی میں۔'' وہ نظریں چرا گئی تھیں۔

''تم نے سب کچھ خاموشی سے سہہ کر مجھے تکلیف دی ہے نیناں۔'' آج پہلی دفعہ وہ شکوہ کر گئے تھے۔

''سہنا میں چاہتی نہیں تھی مگر آپ کی اور ابر کی محبت کے آگے مجبور ہو گئی اور مجبوری میں تو صرف رشتے نباہے جاتے ہیں، بھرم قائم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے اور میں بائیس، تیئس سالوں سے بس اسی کوشش میں ہوں۔'' آنسو پھر گالوں پر بکھرنے لگے تھے۔

''تو یہی کوشش اپنے لئے بھی کر لیتیں، میری خوشی کے خیال سے چپ رہیں تو اپنی خوشی کے لئے چپ کو توڑ دو نیناں۔'' وہ یکدم اٹھ کر ان کے سامنے چلے آئے تھے۔

''میری چپ میں سب کا بھرم، رشتوں کا مان سمٹا ہوا ہے ارمان، میری چپ ٹوٹی تو سب کچھ بکھر جائے گا۔'' وہ ان کے چہرے کی طرف نظر اٹھانے سے گریزاں تھیں۔

''بہت ظالم ہو نیناں، تیئس سالوں سے ناراض ہو، اب تو مان جاؤ یار، کہ اب تو زندگی کے بھی بس گنے چنے ہی دن رہ گئے ہیں۔'' وہ انہیں شانوں سے تھامے بوجھل لہجے میں بولے تھے۔

''جو ستم آپ نے مجھ پر کیا ہے اس کے بعد بھی آپ کے ساتھ ہوں تو اس میں ہاتھ میری محبت کا ہی ہے کہ اپنی نہ سہی آپ کی خوشیوں کے لئے جیا ہے میں نے۔'' آنسو بڑی روانی سے بہہ رہے تھے۔

''بات کو گھماؤ مت نیناں، کہ تمہاری محبت کی شدت نے جتنی راحتیں دی ہیں اتنا ہی اذیتوں سے بھی دوچار کیا ہے۔ تم تو میری خوشی میں اپنی خوشی ڈھونڈ کر چپ رہیں، میرا کیا، میری خوشیاں تو آج تک نامکمل ہیں، تمہاری اجلی ناراضی سے پاک مسکراہٹ کی منتظر ہیں۔'' ان کے شانوں پر دباؤ کچھ بڑھا تھا۔

''وصل ہر کسی کو راس نہیں آتا ارمان۔ ادھورا پن ہمارا نصیب ہے اور نصیب کے لکھے کو قبول کرنا ہی پڑتا ہے اور ہماری خوشیوں میں دوڑتا نامکمل سا احساس ہی اب ہماری تکمیل کا سبب ہے کہ نہ آپ مکمل میرے ہو سکتے ہیں اور نہ ہی میں یہ بات بھلا سکتی ہوں اس لئے جو کئی سالوں سے چل رہا ہے یونہی چلتا رہے گا۔'' وہ ہمیشہ کی طرح اس موضوع کو سمیٹ گئی تھیں اور وہ ایک نظر ان کے چہرے کو دیکھ کر پلٹ گئے تھے کہ تیئس سال قبل سنائی سزا پر وہ آج بھی قائم تھیں ان کے پاس رہ کر بھی ان سے یوں روٹھی ہوئی تھیں کہ وہ چاہ کر بھی نہ منا پائے تھے نہ منا پا

رہے تھے کہ ان کو روٹھے رہنے دینا ان کی محبت کی سب سے بڑی مجبوری تھی کہ وہ انہیں جانتے تھے کہ اگر ایسا نہ کرتے تو وہ کسی مجبوری تو کیا دل سے مجبور ہو کر بھی ان کے ساتھ نہ رہتیں اس لئے انہوں نے انہیں کھونے کے ڈر سے آدھا ادھورا ناراضگی میں لپیٹا ہی اپنا لیا تھا مگر انہیں یہ احساس کچوکے لگاتا رہتا تھا کہ جنونِ عشق کی کتنی ہی رتیں روٹھ کر چلی گئی تھیں کسی ایک حسین رت کو بھی تو وہ اس کے حق کی طرح نہیں گزار پائے تھے کہ ہر رت اپنے اندر تشنگیٔ عشق سمیٹ لائی تھی اور ان کا عشق جنون بن گیا تھا اور عشق حاصل ہو کر بھی جنون لاحاصل ہی رہتا ہے۔

☆......☆......☆

''آنی، میں امی کے چہلم تک یہیں رہنا چاہتی ہوں۔'' شانیہ سے انہوں نے ساتھ چلنے کا کہا تھا تب وہ دھیمے سے بولی تھی۔

''یہ تمہارا گھر ہے شانی، تم جس وقت چاہو آ سکتی ہو، اس گھر کے دروازے اور تمہارے بھائی کے دل وشفقت کے دروازے تمہارے لئے ہمیشہ کھلے رہیں گے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اب تم اپنے گھر چلی جاؤ کہ میں اپنی بہن کو اس کے گھر میں ہی شاد و آباد دیکھنا چاہتا ہوں۔'' وہ کوئی جواب دیتیں کہ شہباز کی مداخلت کے سبب انہیں کچھ نہیں کہنا پڑا تھا۔ اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''بھائی۔'' وہ اس کے کاندھے سے لگ کر سسکنے لگی تھی۔

''امی کی اتنی ہی زندگی تھی شانی، اب تم نے امی کو یاد کر کے رونا نہیں ہے، صرف ان کی مغفرت کی دعا کرنی ہے۔'' اس نے بہن کا سر تھپکتے ہوئے شفقت سے کہا تھا۔

''بھائی، امی ہمیں چھوڑ کر کیوں چلی گئیں؟'' اس کے رونے میں شدت آ گئی تھی۔

''موت برحق ہے شانی، ایک نہ ایک دن ہم سب نے ہی مرنا ہے۔ ہم اپنی ماں کی خدمتوں وقربانیوں کا حق ادا کرنا بھی چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ بس ہم نے اپنی ماں کے ایصالِ ثواب کے لئے قرآن پڑھ کر انہیں بخشنا ہے تاکہ ہم کچھ تو ان کے کام آ سکیں اور تم نے رونا نہیں ہے، امی نہیں رہیں مگر میں ہوں تمہارا بھائی، اور جب تک میں ہوں، میرے دم سے تمہارا میکا آباد رہے گا، کبھی خود کو اکیلا نہ سمجھنا۔'' اس نے بڑے ہونے کا ہر حق ادا کر دیا تھا۔ ''سسرال میں بھی تم نے امی کی پرورش وتربیت کی لاج رکھنی ہے مگر خود کو اکیلا نہ سمجھنا، ہر اچھے، برے وقت میں، تم اپنے بھائی کو ہمیشہ اپنے ساتھ پاؤ گی۔'' اس نے نرمی سے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا اور اس کا ہاتھ تھامے یمنیٰ کی جانب گھوم گیا تھا۔

''بہت بھروسہ کر کے آپ لوگوں کو اپنی بہن سونپی ہے، اس کا خیال رکھیئے گا۔'' وہ دھیمے سے بولا تھا اور یہ اس نے ایسے ہی نہیں کہا تھا، نہ ہی شانیہ کو کچھ بھی بے مقصد سمجھانے کی کوشش کی تھی کیونکہ وہ کوئی کم عقل بچہ نہیں تھا، باشعور، سمجھدار انسان تھا۔ ادیان کا جنازے پر گھڑی بھر کے لئے آنا اور سوئم پر آنے کا تردد تک نہ کرنا اسے بہت کچھ سمجھا رہا تھا مگر کچھ ظاہر نہیں کیا تھا کہ ابھی ماں کی موت کا صدمہ ہی ایسا تھا کہ وہ دوسرے مسائل چھیڑنا تک نہیں چاہتا تھا۔

''ہم تمہارا بھروسہ نہیں توڑیں گے، شانیہ کو بہو نہیں، بیٹی بنا کر لے جا رہے ہیں۔ اسے شیریں اور یمانی سے بڑھ کر چاہت و مان

دیں گے۔'' وہ بیٹے کے تیور دیکھ رہی تھیں مگر شہباز کو بھرپور انداز میں تسلی دی تھی کہ چاہے ادیان کا رویہ کیسا ہی کیوں نہ ہو، اس کے دل میں کچھ بھی ہو، ان کے دل میں کوئی کھوٹ نہ تھا وہ ہر بات ایمانداری سے بولی تھیں اور شہناز حیدری کے سوئم تک شانیہ کو انہوں نے ساتھ چلنے کو نہیں کہا تھا مگر آج وہ ارمان خصوصی طور پر اسی کو لینے آئے تھے اور وہ شانیہ کو ان کے ساتھ ہی روانہ کر رہا تھا ان سے ادیان کا پوچھا تک نہ تھا جبکہ آج اس کا نہ آنا اسے بری طرح کھل گیا تھا۔

''آپ لوگ کھانا کھا کر جائیں گے مجھے زیادہ خوشی ہوگی۔'' انہوں نے اجازت طلب کی تھی تب وہ شائستگی سے بولا تھا۔

''کھانا پھر کبھی سہی کہ ابھی تو گھر میں سب شانیہ بیٹی کا بے صبری سے انتظار کر رہے ہیں۔'' وہ مسکرا کر بولے تھے اور باری باری ان دونوں کے سر پر ہاتھ رکھتے اجازت طلب کر بیٹھے تھے۔

''تم نے اپنا اور شہباز کا بہت خیال رکھنا ہے۔ شہناز آپی کے جانے کے بعد تم خود کو اکیلا مت سمجھنا، اگر یہ تمہیں ذرا بھی پریشان کرے تو مجھ سے کہنا، کان کھینچوں گی میں شہباز کے۔'' انہوں نے یمانی کے رونے پر اسے خود سے ساتھ لگا کر نرمی سے کہا تھا۔

''انکل، گر جو آپ کی لاڈلی نے مجھے پریشان کیا تو'' اس کے انداز میں نرم سی شرارت تھی۔ وہ سب ہی مسکرا دیئے تھے جبکہ یمانی سرخ پڑ گئی تھی۔

''تو تم مجھ سے بلا جھجک کہہ دینا کہ ہم ماؤں کو بیٹیاں کتنی ہی پیاری کیوں نہ ہوں، رکھتی ہم بیٹوں کو ہی عزیز ہیں۔'' یمنیٰ کے انداز میں بھی شرارت در آئی تھی جبکہ وہ ماں کو خفگی بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی تھی۔

''مجھے کیا دیکھ رہی ہو ایسے، میں چاہے کچھ بھی کہہ لوں۔ تمہارے سپورٹر ہیں تو تمہارے ڈیڈی، تمہیں بگاڑنے میں ان ہی کا تو ہاتھ ہے۔'' وہ ہنوز مسکرا رہی تھیں۔

''دیکھ رہے ہیں آپ ڈیڈی، ممی میرے ساتھ ہمیشہ ایسا ہی کرتی ہیں، ادیان اور میری لڑائی میں ہمیشہ ادیان کی سائیڈ لیتی تھیں ممی، میں تو جیسے سوتیلی ہوں۔'' وہ روہانسی ہوگئی تھی۔

''تو تمہارے ڈیڈی بھی تو ہمیشہ تمہاری سائیڈ لیتے ہیں کیونکہ ڈیڈی کو ادیان، یمانی سے تھوڑا سا کم پیارا ہے۔'' انہوں نے شوخی سے کہہ کر بیٹی کی ناک کھینچی تھی وہ جھینپ کر مسکرا دی تھی اور وہ اجازت لے کر نیناں ولاز کے لئے روانہ ہو گئے تھے جہاں سب شانیہ کے استقبال کے لئے جمع تھے۔ انہوں نے ناشتہ کی ٹیبل پر اپنے ارادے سے ادیان کو نہ صرف آگاہ کیا تھا پہنچنے کا بھی کہا تھا مگر وہ نہیں آیا تھا اس لئے وہ دونوں میاں بیوی خود جا کر اسے لے آئے تھے اور گھر آئے تھے تو پتہ چلا تھا کہ ادیان ابھی تک گھر نہیں آیا۔

''یمنیٰ۔ کوئی بات ایسی ضرور ہے جو ہمارے علم میں نہیں ہے۔ تم صاف صاف بتاتی کیوں نہیں ہو یہ ادیان ہے کن چکروں میں؟'' سائرہ بیگم کی برداشت جواب دے گئی تھی اور انہوں نے ساری بات بتا دی تھی۔

''ایسی بات تھی تو تمہیں ادیان کو فورس نہیں کرنا چاہئے تھا کہ اب اس کا رویہ کس قدر خراب ہے۔ وہ نئے رشتے تو کیا نبھاتا پرانے

رشتوں کا بھی اس نے پاس نہ رکھا۔ جنازے پر دو گھڑی کو پہنچا، سوئم میں جانے کی زحمت ہی نہ کی اور آج کل تو گھر پر بھی کم کم ہی پایا جاتا ہے۔ آخر سوچ کیا رکھا ہے اس نے؟ اس طرح بی ہیو کرے گا تو تم لوگ سوچو یمانی کے لئے بھی پریشانیاں کھڑی ہوں گی کہ اس گھر کی بچی شانیہ کے بھائی کے نکاح میں ہے اور جب ادیان بیوی کو یوں نظر انداز کرے گا تو شہباز کب تک برداشت کرے گا اس کا رویہ یمانی کے ساتھ ہی خراب ہوگا ناں۔ ادیان کے انکار کا کم از کم مجھے تو بتاتے تم لوگ، ہر چھوٹا بڑا فیصلہ خود کرنے بیٹھ جاتے ہو، میری کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔'' وہ غصہ میں دوٹوک ہر بات کہتی چلی گئی تھیں اور یمنیٰ آگے سے کچھ نہیں بولی تھیں۔

''غلطی ہماری نہیں ہے مما، ہم نے تو اولاد پر بھروسہ کیا، مان تھا ادیان پر کہ وہ ہمارے فیصلے کی لاج رکھے گا مگر اس نے اپنا انکار جوتے کی طرح ہمارے منہ پر مار دیا۔ میں مانتا ہوں یمنیٰ نے اس پر زور ڈال کر غلط کیا لیکن بحیثیت ماں کیا ان کا اتنا بھی حق نہ تھا کہ یہ ادیان کی زندگی کا فیصلہ کرتیں اور ادیان ان کے فیصلے کا احترام کرتا مگر اس نے فورس کرنے پر نکاح تو کر لیا مگر جب سے ہی جو بی ہیو کر رہا ہے اس سے تو بہتر تھا کہ انکار کر دیتا۔'' وہ نہایت دکھی نظر آنے لگے تھے۔

''ادیان کا رویہ غلط ہے۔ اسے ہمیں سمجھانا ہوگا کہ شانیہ اب اس کی بیوی ہے اور وہ بچی تو پہلے ہی ماں کی موت کا صدمہ جھیل رہی ہے، نیا کوئی صدمہ نہیں جھیل پائے گی۔'' نیناں شیرازی سنجیدگی سے بولی تھیں۔

''ہاں، نیناں ٹھیک کہہ رہی ہے، ابران تم اس کا نمبر ملاؤ اور اس سے گھر آنے کا کہو کہ شہناز کے ہاسپٹل میں ہونے کی خبر آنے کے بعد تو باقی رسومات بھی ادھوری رہ گئی تھیں۔ تمام رسمیں پورے قاعدے سے آج ہی ادا ہوں گی۔'' سائرہ بیگم نے ابران کو ہدایت دے کر فیصلہ سنایا تھا۔ ابران نے لینڈ لائن نمبر سے ادیان کا نمبر ڈائل کیا تھا اور پہلی بیل پر کال ریسیو کرنے والے ادیان نے آٹھویں بیل پر بھی کوئی توجہ نہیں دی تھی۔

''وہ کال ریسیو نہیں کر رہا۔'' ابران نے دھیمے سے بتایا تھا۔

''پاگل ہو گیا ہے وہ اور کوئی بات نہیں ہے، آ جائے گھر میں خود بات کروں گی، شادی کی رات بھی رسمیں ادھوری چھوڑ کر گھر سے چلا گیا تھا، کمرے میں تو گیا تک نہیں۔ اس بچی کے سامنے ہم سب کا بھرم رہنے بھی دے گا یا نہیں۔ ان حرکتوں سے ثابت کیا کرنا چاہتا ہے؟ یہی کہ اس نے شادی جبراً کی ہے۔'' سائرہ بیگم اپنے پورے جلال میں آ چکی تھیں وہ کافی ٹھہرے ہوئے مزاج کی حامل تھیں مگر غصہ آ جاتا تھا تو ارمان بھی ان کے سامنے کچھ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔

''کہاں تھے تم صبح سے؟'' سائرہ بیگم غصے کا اظہار کر رہی تھیں کہ وہ چلا آیا تھا اور وہ اس کے سامنے آن ٹھہری تھیں مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

''جواب دو۔ جب یمنیٰ نے تم سے کہا تھا کہ گھر جلدی آ جانا شانیہ کو لینے جانا ہے تو تم کیوں نہیں آئے تھے؟'' وہ مشتعل سی پوچھ رہی تھیں۔

''کیونکہ مجھے ممی کے ساتھ نہیں جانا تھا۔ میں ممی کو نکاح کی شام ہی بتا چکا ہوں کہ میں نے ان کے فورس کرنے پر جسٹ نکاح کیا ہے وہ اس سے زیادہ کی مجھ سے امید مت رکھیں تو پھر کیوں آپ لوگ بار بار مجھے کال کر رہے تھے؟ گھر آنے کا کہہ رہے تھے میں نہیں آنا چاہتا گھر، یہاں دم گھٹنے لگا ہے میرا۔'' وہ بدلحاظی سے کہتا چلا گیا۔

''تڑاخ۔'' ارمان شیرازی نے اسے بازو سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا تھا اور کھینچ کر تھپڑ لگایا تھا۔

''شٹ اپ، یہ تم مما سے کس انداز میں بات کر رہے ہو، ساری تمیز، تمام لحاظ ہی بھول چکے ہو۔'' وہ غصہ سے غرانے لگے تھے مگر وہ اتنے لوگوں کی موجودگی میں باپ سے پہلی دفعہ تھپڑ کھا کر بھی بہت نارمل کھڑا رہا تھا اس کے چہرے نہ شرمندگی آئی تھی نہ ہی تکلیف نے ہی جگہ بنائی تھی۔

''مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ، ایسا کون سا صدمہ لگا ہے تمہیں کہ تم یوں بدلحاظ و بدتمیز ہو گئے ہو۔'' ارمان شیرازی ناگواری سے اس کے بے تاثر چہرے کو دیکھ رہے تھے۔

''منہ سے بولو کچھ، تب ہی تو ہم تمہارے لئے کچھ کر پائیں گے۔'' اس کی خاموشی سے چڑ کر بے بسی سے بولے تھے۔

''میں آپ لوگوں کو پریشان نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے کسی کے سہارے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ آپ لوگ میرے لئے کچھ کرنا چاہتے ہیں نا تو پلیز ڈیڈی، مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔'' اس کا لہجہ بھیگ گیا تھا۔

''تمہارے ریکوئسٹ کرنے پر میں نے تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا تھا ادیان، مگر اب حالات بدل گئے ہیں، قسمت نے تم پر بہت بڑی ذمہ داری ڈال دی ہے۔ تم رشتوں سے جتنا بھاگ رہے ہو یہ تمہاری اور آرہے ہیں، شانیہ سے تمہارا نکاح ہوا ہے، کچھ حقوق و فرائض اس کے تم پر لاگو ہو گئے ہیں جن سے تم بھاگ نہیں سکتے۔'' وہ اس سے پہلے بھی بات کرنے کی کوشش کر چکے تھے اس نے چاہے کچھ نہیں بتایا تھا مگر وہ کافی سمجھ گئے تھے اسی لئے تو انہوں نے یمنیٰ سے کہا تھا کہ وہ کوئی بھی بات کرنے سے پہلے ادیان کی مرضی معلوم کر لیں لیکن وہ ایسا نہیں کر پائی تھیں کہ قسمت میں ان دونوں کا ساتھ جو ایسے ہی لکھا تھا۔

''نہ میں نے رشتہ اپنی مرضی سے جوڑا ہے نہ ہی حقوق و فرائض کے مسئلہ میں خود کو الجھاؤں گا، ممی جانیں اور ان کی بہو۔'' اس کا صاف دوٹوک انکار ان سب کے ہی اوسان خطا کر گیا تھا۔

''یہ کیا بکواس ہے ادیان۔ تم نے شادی بیاہ کو کھیل سمجھا ہے۔'' سائرہ بیگم نے تنبیہ کرتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے درشتگی سے ڈپٹ کر رکھ دیا تھا۔

''ممی نے جو مجھ سے کہا وہ میں نے کر لیا مگر آگے سے مجھے کسی بھی چیز کے لئے مجبور نہ کیا جائے ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔'' وہ بری طرح سے چیخا تھا۔

''ادیان، کیوں کر رہے ہو ایسا، کیوں نہیں بتاتے مسئلہ کیا ہے۔ بات کرنے سے دکھ کم ہو جاتا ہے بیٹا۔'' خاموش تماشائی بنیں

نیناں آنسو گراتیں آگے بڑھی تھیں اور اس کے لئے مخصوص نرمی وچاہت سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھ گئی تھیں۔

''میں بہت اذیت میں ہوں بڑی ممی، بس مجھے آپ لوگ اس اذیت سے نمٹنے تک وقت دے دیں۔ مجھے نئے رشتے میں نہ الجھائیں ورنہ میرا دم گھٹ جائے گا۔ مجھ سے نہ سوال کریں نہ جواب پوچھیں۔ میں جس اذیت میں ہوں خود سے نہیں کہہ پا رہا کچھ آپ سب کو کیا بتاؤں؟ اللہ کا واسطہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔'' اس کا لہجہ بھیگا ہوا تھا اور آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔

''ہم سب سے ایسی کیا غلطی ہوگئی ہے ادیان کہ تم نے ہم سب کو بہت پرایا کر دیا ہے۔ کیا تمہیں اپنے والدین پر بھی بھروسہ نہیں ہے کہ وہ تمہارے دکھ کو اپنے پیار کی چھاؤں میں چھپا لیں گے''۔

اس کو روتا دیکھ کر وہ سب ہی تکلیف محسوس کرنے لگے تھے تب یمنیٰ روتے ہوئے بولی تھیں۔

''بھروسہ ہے آپ سب پر مگر میں اب بھروسہ کرنا نہیں چاہتا۔ یاد رکھیئے گا آپ لوگ۔ آپ لوگوں نے زیادہ تشویش ظاہر کی یا میرے پیچھے پڑے تو میں یہ گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا کہ میں اپنی اذیت، اپنا دکھ کسی سے نہیں کہنا چاہتا۔ اور آپ لوگ کریدتے رہے تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔'' وہ آنسو گراتا گہری سنجیدگی سے کہتا باہر کی جانب بڑھا تھا کہ ارمان شیرازی اس کی راہ میں آ گئے تھے۔

''جب تم کہنا ہی نہیں چاہتے، درد بتانا ہی نہیں چاہتے تو اپنے درد کا پرچار کیوں کر رہے ہو۔'' وہ اسے غصہ سے کہتے ہوئے ناراضگی سے دیکھ رہے تھے مگر وہ کچھ نہیں بولا تھا۔ ''ہمیں تمہارے درد سے کیا لینا دینا، تم جیو یا مرو، ہمیں کوئی لینا دینا نہیں ہے۔''

وہ جارحانہ انداز میں اس کا بازو دبوچ کر جھٹکے سے چھوڑ گئے تھے۔ وہ بری طرح لڑکھڑا گیا تھا۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ارمان، ہمیں کیسے لینا دینا نہیں ہے۔'' نیناں شیرازی ناگواری سے مداخلت کر گئی تھیں۔

''شٹ اپ نیناں، اب کوئی درمیان میں کچھ نہیں بولے گا۔'' وہ انہیں بری طرح جھڑک گئے تھے۔ ''اور تم گھر سے جانے کی دھمکی کسے دے رہے ہو؟ جانا ہے گھر چھوڑ کر شوق سے جاؤ مگر یاد رکھنا تمہاری کسی بھی حماقت کا اثر میری بیٹی کی زندگی پر پڑا تو میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔'' وہ غصے سے کف اڑا رہے تھے ان کے تیور دیکھ کر سب کو سانپ سونگھ گیا تھا کہ ان کے اس اشتعال سے تو سب ہی بچوں کی جان جاتی تھی۔ یمنیٰ تو یمنیٰ سائرہ بیگم بھی خائف ہو جایا کرتی تھیں۔ ایک جو تھوڑا حوصلہ کر لیتی تھیں انہیں وہ تھوڑی دیر پہلے جھڑک کر چپ کروا گئے تھے۔ اسے دھمکی لگاتے وہ یکدم ساکت کھڑے بچوں کی طرف گھومے تھے اور ان کے ایک اشارے پر ابران وابیان اور روبیحاو شیریں لاؤنج سے نکل گئے تھے۔ لاؤنج میں اب وہ دونوں باپ بیٹا، ان کی دونوں بیویاں اور ماں رہ گئی تھیں۔

''یمانی سے بڑھ کر مجھے کوئی عزیز نہیں ہے ادیان۔ اگر تمہاری وجہ سے اس کی زندگی متاثر ہوئی تو میں بالکل معاف نہیں کروں گا اور جو ڈرامے تم نے کرنے تھے کر چکے، بات نہیں بتانا چاہتے تھے، ہم میں سے کسی نے زور نہیں ڈالا، ہاں غلطی ہوئی ہم سے کہ ہم نے تمہاری زندگی کا اتنا اہم وبڑا فیصلہ تمہاری مرضی کے خلاف تم سے زبردستی کروایا۔ اور اس کے لئے ہم تم سے شرمندہ ہیں، کہو تو ہاتھ جوڑ کر، پیر پکڑ کر معافی بھی مانگ لیتے ہیں۔''

بے حس و بے تاثر بنے ادیان کے دل پر چوٹ لگی تھی وہ تڑپ کر انہیں دیکھنے لگا تھا۔

''مگر اس سے زیادہ اب ہم تیر کمان سے نکلنے کے بعد کچھ نہیں کر سکتے، التجا کر رہے ہیں تم سے کہ زندگی میں مسئلے مسائل آتے رہتے ہیں، ہم بھی اذیتوں سے گزرے ہیں، مگر یوں سب کے سامنے بھی خود کو نہیں لائے کہ اپنا بھرم انسان خود کو رکھنا پڑتا ہے اور اب تو تم اکیلے بھی نہیں ہو زبردستی ہی سہی ایک لڑکی تمہاری زندگی میں شامل ہوگئی ہے، کم عمر ہو لیکن کم عقل تو نہیں ہو کہ شادی شدہ زندگی کے تقاضے نہ سمجھ سکو کہ انسان کو دکھ اپنے اندر اتار کر اپنوں کی خوشی کے لئے مسکرانا پڑتا ہے اور تم بھی ہم سب کے لئے خوش بھلے نہ ہو، خوش ظاہر ضرور کرنا ہوگا، نہ چاہتے ہوئے بھی شانیہ سے رشتہ نبھانا ہوگا اس کو خوش رکھنا ہوگا کہ وہ اب اس گھر کی بہو، اس گھر کی بیٹی ہے۔ اگر اسے تم نے تکلیف دی تو یاد رکھنا ادیان۔ میں اپنی بیٹی کو تکلیف دینے والوں کو اتنی آسانی سے معاف نہیں کرتا اور وہ کسی چاہے میرا اپنا لختِ جگر ہی کیوں نہ ہو، اور تمہاری یہی روش رہی تو میری دو بیٹیوں کی زندگی متاثر ہوگی جو میں برداشت نہیں کروں گا۔'' وہ ہر بات واضح انداز میں کہہ گئے تھے۔

''ابھی اسی وقت اپنے کمرے میں جاؤ، شانیہ تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ اسے تمہاری فضول باتوں و حرکتوں کی بھنک بھی نہیں پڑنی چاہئے۔'' انہوں نے دوٹوک انداز میں فیصلہ سنا دیا تھا۔

''لیکن ڈیڈی۔''

''لیکن ویکن کچھ نہیں ادیان۔ میں اندازہ کر سکتا ہوں کہ کوئی بہت بڑی بات ہے جس نے تمہارے ذہن و دل پر گہرا اثر مرتب کیا ہے مگر میری جان، ذہنی و قلبی کشمکش سے ہم سب گزرے ہیں کہ زندگی پھولوں کی سیج نہیں ہوتی، تمہاری ممی و بڑی ممی کے درمیان میں سینڈوچ بن کر رہ گیا مگر کس سے کہا، کسی سے نہیں، عقل اور بردباری سے معاملات کو سنبھالا۔ تم بھی معاملات کو سنبھالنا سیکھو کہ اگر ہم بھی یہی کرتے تو مشہود کی موت کے بعد اس سے کئے وعدے کے مطابق اس کی بیوی کو بیوی بناتے جس اذیتوں سے گزرا تھا ان کا شمار کرنے لگوں تو تم یہاں میرے سامنے ٹھہر بھی نہ سکو گے مگر اذیتوں کو جھیلا، نہ پاگل ہوا، نہ کسی کو پاگل کیا اور تم خود بھی پاگل ہو رہے ہو اور ہمیں بھی کر رہے ہو، اپنی بڑی ممی کی طرح جذباتی ہو کر نہیں اپنی ممی کی طرح عقل سے فیصلے لینا سیکھو کہ زندگی جذبات کے سہارے گزرتی ہے تو عقل کے سہارے سنور جاتی ہے اور تم اس اسٹیج پر کھڑے ہو کہ تمہیں زندگی گزارنی نہیں ہے، سنوارنی ہے کہ اگر آج تم نے اسے سنوار لیا تو گزر تو یہ جائے گی ہی لیکن آج اسے مزید بگاڑ کی طرف لے گئے تو یہ گزر کر بھی نہیں گزرے گی۔'' وہ اس کے شانے پر دباؤ ڈالتے وہاں سے نکلتے چلے گئے اور ان تینوں خواتین کے جانے کے بعد وہ اکیلا، الجھا و بے چین سا کھڑا رہ گیا تھا۔

ادیان نے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے کمرے میں قدم رکھا تھا۔ کمرے کے ایک سائیڈ میں وہ مصلہ بچھائے اللہ کے حضور سجدہ ریز تھی۔

''یا اللہ! یہ کیسی آزمائش ہے۔'' کرب سے فریاد کرتے ہوئے ادیان کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ وہ ساکت سا کھڑا تھا اور وہ نماز سے فارغ ہو کر اسے روتے دیکھ کر چونک گئی تھی۔

''ادیان۔'' وہ حیرانگی سے اسے پکار گئی تھی۔ وہ چونک اٹھا تھا بے ساختہ نگاہ اس پر اٹھی تھی اور دوسرے ہی پل وہ نگاہ چرا گیا تھا اور پیٹھ بھی موڑ لی تھی۔

''فراز! ہاں ہوں میں پریشان، اور کیا محبت کو کھونے کے بعد دکھی ہونا تو دور پریشان ہونے کا بھی مجھے حق نہیں ہے؟'' اس کے کانوں میں ابران کی آواز گونجنے لگی تھی۔

''زندگی میں پہلی دفعہ کوئی لڑکی اچھی لگی، پہلی ہی نظر میں دل میں اتر گئی۔ اس کے خیالوں سے میرے خواب سج گئے، میری سوچوں پر صرف اس کا پہرا ہو گیا۔ جب جب اسے سوچا زندگی حسین تر لگی، اس کو سوچنا، اس سے من ہی من باتیں کرنا اچھا لگنے لگا، میری دعاؤں میں وہ خود بہ خود شامل ہو گئی اور میں نے خود ہی ہجر کی راہ چن لی۔ اس کے سامنے اپنا کاسۂ دل بلند تک نہ کیا اور یہ کسک ساری زندگی میرے دل میں کسی خنجر کی نوک کی طرح چبھتی رہے گی۔''

ابران کا اذیت بھرا لہجہ ادیان کے کانوں میں گونجتا اس کے دل کو چھلنی کر رہا تھا۔ وہ ماضی کی باتوں میں ایسا الجھا تھا کہ وہ اسے آواز دے رہی تھی، اس کا حال اسے پکار رہا تھا مگر وہ کچھ نہیں سن رہا تھا۔

''تم نہیں سمجھو گے فراز کہ میں نے جو کیا صرف آنی اور ممی کے لئے کیا، ان کو درد سے بچانے کے لئے میں نے اپنے دل کے لئے درد خرید لئے، تڑپنا تو اب مجھے عمر بھر ہے کہ میں شانیہ سے محبت تو کرتا ہوں، کبھی اس سے کہہ نہیں سکتا اور جب جب وہ مجھے نظر آئے گی میرا دل اس کی طرف اپنا کاسہ لئے ہمکنے کی کوشش کرے گا تاکہ وہ میرے کاسہ میں اقرار کے پھول یا انکار کے پتھر کچھ تو ڈال دے تاکہ میرے کاسہ کا خالی پن مجھے جینے نہیں لینے دے رہا کہ میں نے رویحا سے خود شادی کی ہے۔ میں کسی سے شکوہ تک نہیں کر سکتا اور مجھے اسے خوش بھی رکھنا ہے مگر میں خود خوش نہیں ہوں کہ میری خوشیاں تو شانیہ کے سیاہ پلکوں میں اٹکی رہ گئی ہیں اور میں اس کے بغیر خوش نہیں رہ سکتا، میں کس سے کہوں کہ وہ مجھے میری خوشیاں کہیں سے لا دے۔ مجھے میری محبت شانیہ دلا دے کہ اس کے بغیر، اس کی چاہت دل میں سموئے ہوئے بھی میں نامکمل ہوں اور میرا ادھورا پن مجھے بہت تکلیف دیتا ہے فراز، جب میری قسمت میں رویحا کا ساتھ تھا تو میرے کورے من میں شانیہ کی تصویر کیوں بن گئی، جس کے نقش مجھے کبھی چین سے جینے نہیں دیں گے۔''

اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے مگر ابران کا لفظ لفظ تو اس کے ذہن و دل میں نقش ہو چکے تھے جن کی سازگشت کانوں پر ہاتھ رکھ

لینے کے باوجود بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ گھوم کر اس کی طرف آ گئی تھی اور لب کچلتی اس کے عجیب وغریب انداز دیکھتی مسلسل اسے روتا دیکھتی بالآخر اس کا کاندھا ہلا گئی تھی۔ اس نے چونک کر اسے دیکھا اور اس کے چہرے کو دیکھ کر بدک کر دور ہو گیا تھا۔

''ادیان! آپ ٹھیک تو ہیں۔'' اس نے ان سب کے درمیان ہونے والی گفتگو کا لفظ بہ لفظ تو نہیں مگر کافی کچھ سنا تھا کہ ادیان کا کمرہ اوپر تھا۔ روبیحا اسے چھوڑ کر آ گئی تھی لیکن ارمان شیرازی اتنی بلند آواز میں چیخے تھے کہ وہ بھی ڈر کر کمرے سے نکل آئی تھی اور اس نے وہیں کھڑے رہ کر کافی باتیں سن لی تھیں اور اس کا دل صدمے سے بھرتا چلا گیا تھا۔ یہ بات اس کے لئے تکلیف دہ تھی کہ ادیان اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا اور اسے یقین اس لئے نہیں آیا تھا کہ اس نے اس کی خوبصورت آنکھوں میں اپنا عکس دیکھا تھا جو اس کی نظر کا دھوکا نہیں تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ ضرور اپنا پرپوزل دے گا مگر ایسا نہیں ہو رہا تھا اور اس کی ماں اس کی شادی کے لئے فکرمند تھیں اور اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی ماں کی خوشی و رضا کے لئے رضامندی دے دی تھی اس کے ذہن میں یہ بھی خیال تھا کہ ادیان اس کی شادی کی خبر سن کر ضرور اپنے پیرنٹس کو بھیجے گا مگر ایسا بھی نہیں ہوا تھا اور شادی کا دن آ گیا تھا اس نے رو دھو کر اپنی محبت پر فاتحہ پڑھ لی تھی کہ قسمت نے وہی محبت اس کی جھولی میں ڈال دی تھی وہ خوش تھی مطمئن تھی اور جب اس کے پہلو میں عروسی جوڑے میں بیٹھی تھی تو اس کی غیر معمولی سنجیدگی بھانپ گئی تھی اور اسے اپنا دل اندر ہی اندر ڈوبتا محسوس ہوا تھا اور وہ پورے تین گھنٹے اس کی سیج پر منتظر رہی تھی مگر وہ تو نہیں آیا تھا اس کی ماں کی موت کی خبر آ گئی تھی اور پھر وہ ہر بات ہی بھول گئی تھی اور اپنی ماں کے لئے روتی تڑپتی ایک ایک کا پرسہ اور ہمدردیاں لیتی وہ لاشعوری طور پر اس کی ہمدردی کی بھی منتظر تھی مگر تین گھنٹوں کی طرح تین دن بھی گزر گئے تھے اور آج اسے پتہ چلا تھا کہ وہ اس سے شادی ہی نہیں کرنا چاہتا تھا اور وہ خود سے لڑنے لگی تھی کہ اگر اس کے دل میں چاہت نہ تھی، وہ اس کی نگاہ میں کبھی سمائی ہی نہ تھی تو اسے خوش فہمی و غلط فہمیاں کیوں لاحق ہو گئی تھیں؟ یہ ایسا سوال تھا جس کا جواب اب وہی دے سکتا تھا جو اس کی جانب دیکھنے تک سے گریز کر رہا تھا اور وہ اس کی گریز کا مطلب نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں، مجھے کچھ نہیں ہوا ہے۔'' وہ بڑی تیزی سے وارڈروب کی جانب بڑھ گیا تھا جبکہ وہ وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی اور جب وہ چینج کر کے ٹیرس کی طرف کھلنے والے دروازے کو کھول کر اس کی نظروں سے غائب ہو گیا تو اس کے کب کے رکے آنسو مژگانوں کو تر کرنے لگے تھے۔

''آپ یہاں کیوں آئے ہیں ادیان؟'' وہ ابھی نہیں ٹیرس کی بائیں جانب کھڑا ابران بھی آواز پر چونک اٹھا تھا۔

''آپ کمرے میں جائیے، میں کچھ دیر تک آ جاؤں گا۔'' وہ اس کے سامنے آ گئی تھی تب اسے لامحالہ اپنے پیروں پر نگاہ جماتے ہوئے کہنا ہی پڑا تھا۔

''آپ مجھے کسی بات سے انجان مت سمجھئے ادیان، کہ میں نے آج گھر میں ہونے والی ہر بات سن لی ہے۔''

اس کے انکشاف پر اس نے نظر اٹھائی اور نہ ہی کوئی ردعمل ظاہر کیا جبکہ ابران بے چین ہو گیا تھا اور اس جانب دیکھنے لگا تھا جہاں

وہ آمنے سامنے کھڑے تھے۔ خود وہ ایسی جگہ کھڑا تھا جہاں گہری تاریکی تھی جبکہ وہ ان دونوں کو صاف دیکھ پا رہا تھا وہ ادیان کو دیکھ رہی تھی اور ادیان اپنے پیروں کو، اور یہ بات ابران کو کافی عجیب بھی محسوس ہوئی تھی۔

''میں جان گئی ہوں کہ آپ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتے تھے اور مجھ سے فرار حاصل کرنے کو آج آپ ٹیرس پر آئے ہیں، کل کو گھر سے باہر جائیں گے اس لئے میں خود یہاں سے چلی جاؤں گی۔'' اس کے آنسو بڑی روانی سے بہہ رہے تھے۔

''یہ آپ کا مجھ پر احسان ہوگا جو میں زندگی کے کسی موڑ پر اتارنا بھی چاہوں گا تو اتار نہیں پاؤں گا۔'' وہ یکدم ہی رخ موڑ تا ریلنگ تھامے کہتا چلا گیا تھا۔ اس کا جواب ایسا تھا کہ شانیہ کے تمام لفظ کھو گئے تھے وہ خود کو ہوا میں معلق تصور کرنے لگی تھی کہ چلے جانے کی بات تو اس نے بھرم میں کی تھی کہ وہ فوراً اپنا سرد مہری و گریز کا چولا اتار پھینکے گا اور اسے نہ جانے کا کہہ کر حالِ دل سنائے گا۔ اس کے یقین پر اقرار کی مہر لگائے گا مگر وہ ہمیشہ ہی اس کی کسی سوچ پر پورا نہیں اترا تھا۔ اس کا الٹ ہی کیا تھا جبکہ شانیہ کو روتے دیکھ کر ابران کے دل کی بھی عجیب حالت ہونے لگی تھی اسی لئے وہ بے بسی سے لب کچلنے لگا تھا۔

''ادیان! آپ کیوں ایسا کر رہے ہیں میرے ساتھ، آپ تو مجھ سے محبت کرتے ہیں ناں۔'' وہ لپک کر اس تک پہنچی تھی اور حیا و گریز کو سائیڈ میں رکھتی اپنے منہ سے وہ بھی کہہ گئی تھی جو اس کی نظر نے تو بارہا کہا تھا مگر نظر کی بات لبوں سے ادا نہیں ہوئی تھی اور اس کا انکشاف ایسا تھا کہ ابران پورے وجود سے ڈھے گیا تھا۔

''یہ کیا بکواس ہے، میں آپ سے کبھی محبت نہیں کی۔'' وہ بدک کر دور ہوتا دبے دبے انداز میں غرایا تھا۔

''یہ بکواس نہیں ہے حقیقت ہے اور میں بکواس کر رہی ہوں تو میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہیں، میرے چہرے کی اور دیکھ کر کہیں کہ آپ نے مجھ سے کبھی محبت نہیں کی۔'' وہ روتے ہوئے کہتی اس کا بازو تھام گئی تھی۔

''پلیز شانیہ، دور رہیں مجھ سے، نہیں کی میں نے کبھی آپ سے محبت۔'' وہ اپنا بازو کھینچتا دور ہو گیا تھا۔

''یہی بات مجھے دیکھ کر کیوں نہیں کہتے؟ کیوں میری طرف دیکھنے سے گریزاں ہیں، کیوں ڈر رہے ہیں کہ آپ کی آنکھیں میرے چہرے پر اٹھیں گی تو حالِ دل کہہ دیں گی اور نہیں ڈر رہے، نہیں ہے مجھ سے محبت تو دیکھئے میرے چہرے کی طرف۔'' وہ اشتعال میں آتی چیخ پڑی تھی۔

''محبت نہیں ہے، عقیدت ہے، محبت ہوتی تو نگاہ اٹھ جاتی، اٹھ کر ٹھہر بھی جاتی مگر میرے دل میں کسی کی محبت نے عقیدت کی جو شمع روشن کی ہے وہ نظر اٹھانے ہی نہیں دیتی تو ٹھہر جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' عقیدت سے کہتے ہوئے ادیان کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔

''آپ کیا کہہ رہے ہیں مجھے نہیں سمجھ آ رہا کچھ بھی۔ گیارہ سال کی عمر میں پہلی دفعہ آپ کی نظر خود پر محسوس کی تھی، وہ احساس اتنا مضبوط تھا کہ اس کے بعد کتنی ہی نگاہیں اٹھی ہوں میں نے محسوس تک نہ کیں اور آپ کے احساس کی شمع کو روشن کر کے محبت کے دیپ جلائے

اوراب ان دیپوں سے وصل کی رات کو روشن کرنے کا وقت آیا ہے تو آپ ہر احساس سے منکر ہو رہے ہیں۔'' وہ کہہ رہی تھی، وہ سن رہا تھا مگر ان کی گہرائی کو محسوس نہیں کر رہا تھا کہ محسوس کرنا ہی نہیں چاہتا تھا جبکہ ابران تو ادیان کے منہ سے ادا ہوئے چند لفظوں ''کسی کی محبت'' پر ہی اٹک گیا تھا اس کی نظریں ادیان پر سوالیہ و تفتیشی انداز میں ٹھہر گئی تھیں۔

''ہر بار میرے چہرے پر اپنی آنکھیں بھول آئے اور آج کہتے ہیں کہ نظر نہیں اٹھ سکتی تو پھر اپنے چہرے پر میں نے محبت سے ٹھہریں کس کی نگاہیں محسوس کی تھیں؟ میرے چہرے پر ٹھہریں وہ نگاہیں آپ کی نہ تھیں تو پھر کس کی تھیں ادیان؟ آپ کو مجھ سے محبت تھی ہی نہیں تو میں نے خود سے کیسے فرض کرلیا کہ آپ کو مجھ سے محبت ہے؟'' وہ بری طرح رو رہی تھی اپنی ہر الجھن کا سوال چاہتی تھی مگر وہ تو اپنی ہی الجھنوں میں الجھا تھا اس کے سوالوں کے جواب کیا دیتا۔ادیان کی خاموشی ان دونوں پر ہی گراں گزری تھی۔

''کی ہے ناں مجھ سے محبت، ہے ناں مجھ سے محبت، تو نظر کیوں چرا رہے ہیں، نظر ملا کر کہیئے، جو عکس آج سے پہلے تک آپ کی آنکھوں میں دیکھا وہ آج بھی دیکھ لینے دیں کہ محبت جرم تو نہیں ہے ناں ادیان، کہ اس سے یوں گریز برتا جائے۔'' وہ اس سے محض چار قدم کے فاصلے پر آ رکی تھی۔ابران کا ہر عضو کان بن گیا تھا۔

''آپ پلیز چلی جایئے، آپ جو قصے مجھے سنا رہی ہیں، ان سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے۔میرے دل و نگاہ میں آپ کے لئے عقیدت ہے، احترام کرتا ہوں آپ کا کسی مقدس صحیفے کی طرح اس سے زیادہ کچھ نہیں، میری نگاہ میں آپ کے لئے صرف عقیدت ہے اور کچھ نہیں ہے، محبت بھی نہیں۔اس نے اتنی دیر میں پہلی دفعہ اس کے چہرے پر نظر کی تھی، اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا تھا۔شانیہ کے قدم یکدم لڑکھڑا گئے تھے کہ اس کا لفظ لفظ سچا تھا اس کی بے حد سرخ آنکھوں میں سوائے عقیدت کے کچھ نہ تھا وہ اس کی جانب یوں دیکھ رہا تھا جیسے کوئی مرید اپنے مرشد کو دیکھتا ہے۔

''میں نے اب تک کئی سالوں میں جو محسوس کیا وہ غلط نہیں ہو سکتا۔'' اس کی آواز بہت دھیمی لڑکھڑاتی ہوئی تھی۔وہ متحیر تھی، جو دیکھ رہی تھی اس پر یقین نہیں کر پا رہی تھی۔

''محسوسات غلط نہیں ہوتے، ہاں بدل ضرور جاتے ہیں، وقت بدل گیا ہے، شام و سحر وہ نہیں رہے تو محسوسات وہی کیسے رہ سکتے ہیں؟ بدل گیا ہے سب کچھ۔'' وہ اپنے پیروں پر نظر جمائے بولتا جا رہا تھا اور ابران کا ذہن جو تانے بانے بننے لگا تھا وہ اسے برزخ میں اتار دینے کو کافی تھا۔

''محبت تھی تو صرف محبت تھی، وصل کی آرزو میں پلتی ہجر کے نام سے ہی ڈرتی، اب محبت نے عقیدت کا پیرہن پہن لیا ہے اور عقیدت وصل و ہجر کی گھڑیوں سے بالاتر ہوتی ہے، آرزو نہیں کرتی، کسی شے سے نہیں ڈرتی، عشق کی راہ پر لے جاتی ہے اور اس کے پنکھ بہت دور اڑا لے جاتے ہیں اور میری عقیدت بھی مجھے نگر نگر، ایک شخص سے دوسرے شخص تک اڑائے پھر رہی ہے اور اڑتی ہوئی شے ہاتھ نہیں آتی کہ وہ آزاد ہوتی ہے اور اس کی آزادی کو مصلوب کیا جائے تو وہ ہاتھ آنے کے بجائے قدموں میں آ گرتی ہے اور میری عقیدت مجھے اڑائے

پھر رہی ہے، میں جب جہاں گروں گا تو وہ اپنے قدم تو ہو سکتے ہیں، آپ کی آنکھیں نہیں کہ ہم عقیدت مندوں کو ہماری عقیدت پیروں سے اوپر اٹھنے نہیں دیتی اس لئے آپ مجھے اٹھانے کی کوشش نہ کریں۔" وہ اس کے قدموں میں گر سا گیا تھا، گھٹنوں کے بل ہاتھ جوڑے ادیان پھوٹ پھوٹ کر روتا اس کے سامنے تھا جبکہ وہ بدک کر دور ہوگئی تھی۔

"مجھے آپ کی عقیدت نہیں چاہئے کہ میں تو خود خاک ہوں ادیان، مجھے اتنا معتبر نہ کریں کہ مجھ سے میری خوشیاں روٹھ جائیں کہ آپ نے اپنی عقیدت کے لئے میری محبت مٹا ڈالی ہے اب میرا کیا ہوگا، میں کیسے آپ کی محبت کے بغیر رہوں گی؟ آپ مجھے مندر میں رکھے بت کی مانند نہ پوجیں، زمین پر پڑے پتھر کی طرح ٹھوکر کا محتاج بنا دیں۔" وہ بھی اس کے سامنے گر سی گئی تھی۔

"میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے، عقیدت سے عقیدت نہیں رکھوں گا تو مر جاؤں گا، میری آزمائش نہ بنیں۔" اس کے رونے میں شدت آگئی تھی جبکہ ابران کی بے یقینی وہ شانیہ کی شکستگی زور پکڑنے لگی تھی۔

"میرے لئے جو محبت تھی وہ عقیدت میں کیسے بدل گئی، یہ جواب لئے بغیر میں یہاں سے نہیں ہلوں گی، آپ کو میری ہر بات کا جواب دینا ہوگا کہ آپ کہتے ہیں کہ آپ مر جائیں گے جبکہ مر تو میں بھی رہی ہوں اور کیا مجھے مر نہیں جانا چاہئے کہ میری آنکھوں نے مجھے جھوٹے خواب دکھائے، جن آنکھوں سے آپ کی آنکھوں میں محبت دیکھی اب انہیں آنکھوں میں محبت کی جگہ عقیدت کیسے دیکھوں؟ میں نہ مندر میں رکھا بت ہوں اور نہ ہی کوئی صلیب و پاک صحیفہ، میں تو ایک عام سی عورت ہوں جس کی خواہش بھی بہت عام سی ہیں، مجھے تھوڑی عزت، تھوڑی سی محبت چاہئے، بہت ساری عقیدت نہیں چاہئے کہ جب میری زندگی تھوڑی سی عزت کے سہارے گزر سکتی ہے تو میں لامحدود عقیدت کا کیا کروں گی؟ مجھے میری محبت لوٹا دو ادیان، ورنہ میں مر جاؤں گی۔" وہ ٹھنڈے فرش پر کسی بھکارن کی طرح بیٹھی سسک رہی تھی۔

"میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔" ادیان لاچاری سے بولا تھا اور شانیہ کی سسکیاں بڑھنے لگی تھیں اور ابران کی برداشت جواب دے گئی تھی۔

"ابران بھیا آپ! آپ کو مجھ سے کوئی کام تھا تو مجھے بلا لیا ہوتا۔" وہ اس کے پیر دیکھ کر ہی پہچان کا مرحلہ طے کرتا اس کے کچھ کہنے سے قبل کھڑا ہوتا دھیمے سے پوچھ گیا تھا اور اس کا یہ انداز اس کے لئے نیا نہیں تھا مگر نہ جانے کیوں اسے آج بہت برا لگا تھا۔

"معذرت چاہتا ہوں کہ تم دونوں کی آپسی گفتگو سننے کی خطا کی ہے۔" ابران کا غیر معمولی سنجیدہ لہجہ اس کے قدم لڑکھڑا گیا تھا جبکہ وہ سرخ چہرے کے ساتھ خائف نظر آنے لگی تھی۔

"تمہارے پاس کوئی جواب نہیں ہے اس کے باوجود مجھے تم سے جواب چاہئے۔" وہ ناگواری سے اس کے زرد چہرے کو دیکھ رہا تھا جبکہ وہ ایک نظر اسے دیکھنے کے بعد ادیان کو دیکھنے لگی تھی جس کا چہرہ زرد تھا اور آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔

"مجھے تم سے جواب چاہئے ادیان کہ تم کس عقیدت کی بات کر رہے ہو؟" کاندھا پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا تھا۔

"ابران بھیا! پلیز آپ میرا بھرم رہنے دیں، جس عقیدت نے مجھے برزخ میں اتارا ہے میں اس کی تپش آپ تک نہیں پہنچنے

دے سکتا۔''

اس نے ذرا کی ذرا نظریں ابران پر اٹھائی تھیں اور اس کی آنکھوں میں وہی عقیدت جو شانیہ نے تھوڑی دیر پہلے محسوس کی تھی اور اب جسے دوبارہ دیکھ کر زمین آسمان نگاہوں کے سامنے گھومتے محسوس کئے تھے۔

''تم کس حقیقت کی بات کر رہے ہو ادیان؟ اگر میں اور تم کسی ایک ہی لڑکی کی محبت میں مبتلا ہو تو یہ اتنی بڑی بات کم از کم نہیں ہے کہ تم برزخ میں اتر جاؤ، یا میں خود کو قیامت کی زد پر محسوس کروں۔'' ابران جس عام انداز میں بولا تھا یہ ان دونوں پر ہی عیاں تھا جبکہ دلی کیفیت سے صرف وہی واقف تھا کہ جو انکشاف آج اس پر ہوا تھا وہ اذیت ناک تھا اور جس سے نکلنے کے لئے اسے طویل مدت درکار تھی اور کہاں وہ اس کو عذاب سے نکالنے کو ایسے بی ہیو کر رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو جبکہ ادیان یوں ساکت ہوا تھا کہ جیسے کبھی حرکت ہی نہیں کر پائے گا اور شانیہ ایک کے بعد ایک انکشاف پر ڈھنگ سے متحیر بھی نہیں ہو پا رہی تھی۔

''آپ خود بہت خاص ہیں ناں ابران بھیا! اس لئے آپ کو ہر بات ہی عام لگتی ہے جبکہ یہ بات میرے نزدیک عام ہرگز نہیں ہے۔'' اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''میں نے زندگی میں بہت کچھ چاہا مگر میں نے کبھی آپ سے شدید محبت کے باوجود کبھی آپ جیسا بننے کی خواہش نہ کی کہ میں آپ کے پیر کی دھول بن کر آپ کے پیچھے چلنا چاہتا تھا، آپ کے جیسا بن کر آپ کے مقابل آنے کا تو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں کہ میں آپ کے جیسا بن ہی نہیں سکتا تھا اس لئے آپ جیسا بننے کی خواہش کبھی نہیں کی۔'' ادیان کا چہرہ بہت اجلا ہو گیا تھا کہ اس کے اندر کی سچائی نے نور کا ہالا سا بنا دیا تھا۔

''آپ میرے بڑے بھائی ہیں، بچپن سے آپ نے مجھے ناپسند کیا، جتنا آپ کی ناپسندیدگی کا گراف بلند ہوتا اتنی ہی میری چاہت پرواز کرنے لگتی اور یہی چاہت کب عقیدت میں ڈھل گئی میں نہیں جانتا، ہاں اتنا جانتا ہوں کہ آپ کی کسی بات سے مجھے انکار نہیں ہو سکا، کبھی آپ کے کھڑے ہونے پر میں بیٹھا نہیں رہ سکا، کبھی آپ کو پلٹ کر جواب نہ دے سکا، آپ سے بحث کرنے کی جرأت نہ کر سکا کہ آپ سے محبت نہیں عقیدت ہے مجھے۔'' وہ ابران کو احترام بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا جبکہ وہ دونوں تحیر زدہ نگاہیں اس پر جمائے ہوئے تھے۔

''ہاں کی ہے میں نے شانیہ سے محبت، کئی سال اس محبت میں گرفتار رہا اور جب شانیہ کی شادی کا پتہ چلا تو اندر سے ٹوٹ گیا تھا، دل و نگاہ ہی نہیں پورا جسم کرب ناک اذیت سہہ رہا تھا، دل کرتا تھا کہ ممی سے بات کروں اور ان سے کہوں کہ وہ پھپھو سے شانیہ کو میرے لئے مانگ لائیں مگر ہمت نہیں پڑی اور اسی بے بسی میں میرے پاس میری محبت کی جو نشانیاں تھی ان کو ختم کرنے کی کوشش کر بیٹھا، تمام تصاویر جلا ڈالیں، تمام گفٹس توڑ پھوڑ ڈالے اور اسی تکلیف سے گزر رہا تھا کہ مجھ پر منکشف ہوا کہ آپ کی محبت شانیہ ہیں اور یہ جاننے کے بعد میرے دل سے شانیہ کے لئے موجود ہر جذبہ مندمل ہو گیا کہ آپ کی محبت کو دل میں بسا کر میں زندہ رہ جاتا تو میری روح بے چین رہتی کہ اس انکشاف نے تو میری روح پر وار کیا تھا، میری عقیدت کی راہیں کھوٹی کر دی تھیں، میں ہوا میں معلق تھا سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا کروں؟ مگر

عقیدت کے سامنے محبت کی کیا اوقات ہے میں نے اپنے دل سے اپنی محبت کو نکال دیا۔ ہر پھاڑی ہوئی تصویر، ہر توڑا ہوا تحفہ سب جمع کر کے دریا میں تعویزات کی مانند ٹھنڈا کر دیا کہ میرے اندر کی عقیدت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ میں آپ کی محبت کو دل میں بساؤں یا اس کی نشانیاں اپنے پاس رکھوں یا ان کو کہیں ایسی جگہ پھینک دوں جہاں ان کی بے حرمتی ہو اس لئے میں نے وہ سب سمندر کے سپرد کر دیا۔'' اب وہ رو نہیں رہا تھا مگر اس کے لہجے میں سچائی اپنی شدتوں سے بول رہی تھی۔

''میں بیچ پر روزانہ جاتا تھا مگر اس شب کے بعد پھر کبھی نہیں گیا کہ مرید کے لئے مرشد کا وجود آستانہ ہوتا ہے اس لئے آستانہ پر نہیں مرشد کے وجود پر حاضری دی جاتی ہے اس لئے میں نے وہ سب سمندر کے سپرد کر کے اس آستانے کا پتہ ذہن سے محو کر دیا کہ وہاں میں حاضری دے ہی نہیں سکتا تھا۔''

ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ وہ ہوا سے اپنا اڑتا آنچل سنبھالے اس دیوانے کو دیکھ رہی تھی جو اس سے بے گانہ ہو چکا تھا اور وہ ٹھنڈے فرش پر ننگے پاؤں ابران کے سامنے کسی عقیدت مند کی طرح کھڑا تھا۔

''شٹ اپ ادیان! پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے تمہیں، بند کرو اپنی بکواس۔'' ابران کو اس سے ڈر سا محسوس ہوا تھا وہ اسے ڈپٹ گیا تھا۔

''ابران بھیا! آپ کے آگے بولنے کی جرأت تو کر ہی نہیں سکتا۔ آپ کو جواب چاہئے تھا اس لئے مجھے اپنی چپ توڑنی پڑی، آپ نہیں چاہتے تو اب یہ زبان کبھی نہیں کھلے گی۔'' اس کا انداز لبیک کہنے والا تھا اور وہ چڑ گیا تھا۔

''بکواس کی تو جان سے مار دوں گا، میں کوئی دینی بزرگ یا درویش نہیں ہوں کہ مجھ سے اتنی عقیدت رکھی جائے، میں تو خود ایک بہت عام سا، گناہگار شخص ہوں جو اللہ کو تو کیا ایک وقت میں اپنے ماں، باپ تک کو راضی نہ کر سکا اور تم نہ جانے مجھے کیا سمجھے بیٹھے ہو۔'' وہ بھرپور خفگی کا تاثر لیے اپنی ساحرانہ آنکھوں سے ادیان کو دیکھ رہا تھا۔

''میں آپ کو کسی درویش کا درجہ دیئے ہوئے بھی نہیں ہوں ابران بھیا، میں تو بس آپ سے محبت کرتا ہوں اور اس کا احترام کرتا ہوں، ممی اور ڈیڈی سے بحث کر لیتا ہوں کیونکہ احترام تو ان کا کرتا ہوں مگر ان سے بے تکلف ہوں اور وہی بے تکلفی بحث و ضد مجھ سے کروا لیتی ہے جبکہ بڑی ممی سے میں نے پوری زندگی میں کبھی بحث نہیں کی، ان سے ضد نہیں کی کیونکہ میں بڑی ممی سے محبت تو کرتا ہوں مگر آپ کے لئے موجود میرے دل میں احترام وہ ان سے بحث نہیں کرنے دیتا جن سے آپ نے بحث نہ کی ہو، جن کی بات سے کبھی آپ نے انکار نہیں کیا۔'' وہ دھیمے و نرم لہجے میں کہہ رہا تھا اور ان دونوں کے درمیان شانیہ کو اپنی زندگی بے معنی لگ رہی تھی۔

''تمہیں کیا لگتا ہے میں نے ممی سے کبھی بحث نہیں کی؟ ان سے بدتمیزی بھی نہیں کی؟ ان کی کسی بات سے انکار بھی نہیں کیا تو تم غلطی پر ہو کیونکہ میں نے ممی سے بحث بھی کی ہے اور بدتمیزی بھی، اس کے باوجود بھی کہ میں ان سے شدید محبت کرتا ہوں، ان کا بے حد احترام کرتا ہوں۔'' وہ ناگواری سے جتانے والے انداز میں بولا تھا۔

''آپ رشتے کا حق سمجھتے ہوئے، بے تکلفی میں ضد کر لیتے ہیں لیکن مانتے بڑی ممی کی ہیں، کبھی ضد سے پہلے اور کبھی ضد کرنے

کے بعد اور یہ بڑی ممی کے لئے آپ کی چاہت اور احترام ہی تھا کہ آپ نے دل کی رضا نہ ہوتے ہوئے بھی صرف بڑی ممی کی خوشی کے لئے بھابھی سے شادی کی۔'' اس کی بات پر ابران نے لب بھینچ لئے تھے۔ ادیان واحد تھا جو رویحا کو اس کے رشتے سے پکارنے لگا تھا وگرنہ وہ سب کے لئے ''ریا'' ہی تھی۔ ''کیونکہ آپ بڑی ممی کو دکھی نہیں دیکھنا چاہتے تھے، نہ ہی یہ چاہتے تھے کہ بھابھی کی زندگی صرف ہماری شیریں کی وجہ سے برباد ہو اور کوئی بڑی ممی پر سوال اٹھائے، صرف اس لئے آپ اپنی محبت سے دستبردار ہو گئے مگر آپ کی یہ دستبرداری تو میرے دل پر نقش ہو گئی ہے جسے آپ نے چاہا، جس کو آپ نے سوچا، میں اسے اپنی سوچ کا محور نہیں بنا سکتا ابران بھیا، کہ میں محبت کرنا چھوڑ سکتا ہوں، احترام کرنا نہیں اور آپ سے میں محبت بعد میں کرتا ہوں پہلے آپ کا احترام کرتا ہوں۔'' اس کا انداز نہایت نرمی و سنجیدگی لئے ہوئے تھا۔

''میں نہ آپ کو خدا سمجھتا ہوں، نہ ہی کوئی فرشتہ، اس کے باوجود آپ کا احترام کرتا ہوں، کیوں کرتا ہوں نہیں جانتا مگر یہ حقیقت ہے کہ انسانوں میں مجھ سے وابستہ رشتوں ولوگوں میں اگر میرے نزدیک سب سے قابل احترام کوئی ہے تو وہ آپ ہیں، ممی اور ڈیڈی سے بھی زیادہ کہ ابران بھیا، عشق حقیقی کے راستے عشق مجازی سے ہو کر گزرتے ہیں اور آپ میرے لئے احترام و محبت بھرا وہ راستہ ہیں جو مجھے اللہ کے قریب کر دیتا ہے کہ چلو خلق کائنات میں سے کوئی ایک تو ایسا ہے جو ہمیں بندوں کے حقوق کی ادائیگی کے قریب لے جاتا ہے۔''

اس نے نرمی سے واضح کر دیا تھا کہ وہ اسے انسان ہی سمجھے ہوئے ہے کہ عقل و شعور رکھتا ہے۔

''اور آپ سے احترام کا تقاضا تو میں کبھی نہیں سمجھ سکا، بس اتنا ہے کہ جب مجھے آپ کی محبت کا پتہ چلا تو میں اپنی محبت آپ کی محبت کے احترام میں فراموش کر گیا۔ جس وقت ممی نے فون کر کے مجھ سے کہا کہ میں شانیہ سے شادی کر لوں میں نے انکار کر دیا۔''

وہ جو پلٹنے لگی تھی اپنی جگہ تھم گئی تھی مگر اب اس مانوس اجنبی کی اور نگاہ نہیں کی تھی۔

''ممی نے کہا اگر میں نے نکاح نہیں کیا تو وہ مجھ سے اپنا ہر ایک رشتہ ختم کر لیں گی، میں نے پھر بھی انکار کر دیا کہ دل کہتا تھا ماں کی ناراضگی تو جھاگ کی مانند ہوتی ہے ذرا سی نرمی پر دور ہو جائے گی۔''

اس کی آنکھوں میں پھر آنسو جمع ہونے لگے تھے۔

''میرا انکار ممی کو دکھی کر گیا تھا اور مجھے راضی کرنے کے لئے انہوں نے ایک اور پیار بھری دھمکی لگائی کہ وہ مجھے دودھ نہیں بخشیں گی اور میں نے پھر انکار کر دیا کہ دل تو کہہ رہا تھا ناں کہ جب میں ماں کی نافرمانی کے سبب الٹا لٹکایا جاؤں گا تو ماں اپنی دھمکی بھول کر مجھے سب کچھ بخش دیں گی۔''

دو آنسو آنکھوں سے ٹپک پڑے تھے۔

''ایک بار پھر میرا انکار ممی کی آنکھوں میں ساون کی جھڑی لگا گیا۔ وہ بلکتے ہوئے بولیں کہ میں نے اگر آج ان کا کہنا نہ مانا تو اگر وہ مر جائیں تو میں ان کے جنازے کو کاندھا بھی نہ دوں اور میں نے اپنے کاندھوں کو بے جان محسوس کرتے ہوئے بھی انکار کر دیا۔''

وہ اب شدتوں سے رو رہا تھا وہ اس کو دیکھنے لگے تھے جو خود ہی روتا خود ہی چپ ہوتا جا رہا تھا۔

''ڈیڈی نے سمجھایا مگر اقرار نہ کر سکا اور رابطہ منقطع کرتا کہ ممی نے میری روح یہ کہہ کر کھینچ لی۔''

اس کی سسکیاں بلند ہو گئی تھیں اور اس نے ماں کا حکم حرف بہ حرف دہرا دیا تھا۔

''ادیان! تمہیں اس محبت کا واسطہ جو تم ابران سے کرتے ہو، خدارا انکار نہ کرو اور شانیہ سے نکاح کر لو ورنہ رشتے بکھر جائیں گے۔''

ادیان گھٹنوں کے بل زمین پر گر گیا تھا اور ابران نے بے ساختہ پتھر کی مورت کے قالب میں ڈھلی شانیہ کی طرف دیکھا تھا مگر وہ ابران کی طرف کہاں دیکھ پائی تھی کہ وہ تو پتھرائی آنکھوں سے ادیان کو دیکھے جا رہی تھی۔

''میں رشتوں کو بکھرنے سے بچانا چاہتا بھی تھا تو اس وقت میں نے ایسی کوئی کوشش نہ کی ہر بار، ہر بلیک میلنگ کے باوجود انکار کرتا گیا اور جس کے لئے، جس کی محبت کی خاطر میں نے اذیتیں سہتا انکار پر انکار کر رہا تھا ممی نے اسی کا واسطہ دے کر میرے لب سی دیئے کہ ممی جانتی تھیں کہ میں ان سے ضد کر سکتا ہوں، انہیں منانے کے لئے اپنی منوانے کے لئے اپنی بات پر ڈٹا رہ سکتا ہوں اور مجھے میرے فیصلے سے صرف ایک ذات کا حوالہ ہٹا سکتا ہے اور جب ممی نے آپ کا نام لیا ابران بھیا، تو میں ممی کو انکار نہیں کر سکا۔ مجھے اس کے لئے معاف کر دیں اور یقین رکھیں کہ شانیہ کے لئے میرے ذہن و دل میں کچھ نہیں ہے، ان سے اب صرف احترام، عقیدت کا رشتہ ہے۔ ڈیڈی کہتے ہیں کہ میں اپنے دکھ کا پرچار نہ کروں اور نئے رشتے کے تقاضوں کو سمجھوں اور نئے رشتے نبھاؤں، آپ انہیں بتایئے کہ میں نے دکھ کر چرچا نہیں کیا، وہ مجھے اس رشتے کے تقاضے وضروریات، حقوق وفرائض نہ سمجھائیں کہ میں نے آپ کی محبت کا واسطہ ملنے پر نکاح تو کر لیا مگر میں اندر سے بے روح ہو گیا ہوں، مر گیا ہوں میں، میرا جسم میری روح ملنے کو بے قرار ہیں، مجھے چین سے مرنے دیں، مجھ سے ایسی کوئی ڈیمانڈ نہ کریں کہ میری روح پرواز تک نہ کر سکے کہ کوئی کچھ بھی کہے، آپ خود کچھ بھی سوچیں مگر حقیقت یہی ہے کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور آپ کی محبت کے لئے میں نے اپنی محبت چھوڑ دی کہ میں آپ کو نہیں کھونا چاہتا، پلیز مجھے آپ غلط مت سمجھئے گا، میری نیت پر شک بھی نہ کیجئے گا کہ آپ تو خود جانتے ہیں ناں کہ جب دل میں محبت کی جڑ سے عقیدت جنم لے تو سب کچھ پیچھے رہ جاتا ہے جیسے آپ کو بڑی ممی کے آگے کبھی نہیں دکھائی دیا، نہ اپنی ذات نہ ہی ڈیڈی، تو میں بھی آپ کی ذات کے پیچھے چلتے اپنی ذات، اپنی خوشیاں، اپنی مرضی، اپنا سب چھوڑتا چلا جا رہا ہوں اور میں اس میں بہت خوش ہوں، اگر آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں، میری نیت پر شک نہیں کرتے تو میں خوش ہوں۔ مرتے ہوئے بھی مجھے کوئی افسوس نہ ہو گا، اذیت میں تھا تو صرف اس ڈر سے کہ کہیں آپ غلط نہ سمجھیں مجھے، اور اسی ڈر سے میں نے بہت حماقتیں کیں، ممی، ڈیڈی سب گھر والوں کو پریشان کیا۔ بس آپ ایک بار کہہ دیں کہ آپ کو مجھ پر اعتبار ہے، میری نیت پر، میرے کہے لفظوں کے جم غفیر میں سب سے ادنیٰ لفظ پر اعتبار ہے۔'' وہ اس کے پاؤں جکڑ گیا تھا۔

''ادیان! تم پر بھروسہ ہے مجھے، تمہارے منہ سے نکلے حرف بہ حرف پر یقین ہے۔'' وہ اپنے پیر چھڑاتا اس کے نزدیک ہی بیٹھ گیا تھا اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں وہ بے ساختہ والہانہ انداز میں اس سے لپٹ گیا تھا۔

''آئی لو یو ابران بھیا۔'' وہ اس سے لپٹا شدتوں سے روتے ہوئے بولا تھا۔

''یہ سچ ہے کہ میں تم سے تمہارے وجود سے خائف رہا مگر یقین رکھنا ادیان، کہ تم سے کبھی نفرت نہیں کی، آئی لو یو ٹو ادیان۔'' وہ ادیان کے سے والہانہ انداز میں بولا تھا اور ادیان کا زخم خوردہ دل اتنی بڑی خوشی سہار نہیں پایا تھا۔ اس کے کان بچپن سے یہ تین لفظ ابران کے لبوں سے سننے کو ترس رہے تھے اور جب خواہش پوری ہوئی تھی تو ہر خواہش سے اسے آزاد کر گئی تھی اور وہ اس کے بے جان ہو جانے والے وجود کو دیکھ کر چیخ پڑا تھا۔

''ادیان۔''

نیناں ولاز کے در و دیوار لرز اٹھے تھے، جاگے ہوئے لوگ بے چینی سے باہر کی طرف لپکے تھے، سوئے ہوئے لوگ ہڑبڑا کر جاگ اٹھے تھے۔

''ادیان۔'' اس کا سر زانو پر رکھتے ہوئے پھر چیخا تھا۔ باقی افراد بھی باہر نکل آئے تھے جبکہ وہ ساکت سی کھڑی یکدم سیڑھیاں اترنے لگی تھی۔

''آئی لو یو ابران بھیا۔'' اس کی عام سی پکار پر بھی وہ لبیک کہتا تھا تو آج تو وہ شدتوں سے پکار رہا تھا اس کے لب لرز اٹھے تھے اور وہ اسے بازوؤں میں اٹھائے تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگا تھا تاکہ اسے ہاسپٹل لے جائے۔

☆......☆......☆

''کیسے ہو ایس پی شہیر سالار۔'' وہ ایک کیس کے سلسلے میں اسلام آباد جا رہا تھا، زعیزعہ خان کی آواز پر اس نے گردن ترچھی کی تھی اور وہ خیر مقدمی مسکراہٹ اچھالتا اس کے برابر خالی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا جبکہ اس نے نگاہ کا زاویہ ہی بدل لیا تھا یہاں تک کہ اس کی بات کا جواب بھی نہیں دیا تھا۔

''کیا وقت آیا ہے، چور اور پولیس ساتھ ساتھ اپنی اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہیں۔'' وہ مسکرا رہا تھا اور اس نے لب بھینچ لئے تھے۔

''تم چاہو تو سیٹ چینج کر سکتے ہو کہ یار جانتے ہی ہوناں، آج کل کتنا برا وقت ہے چور نہیں پولیس راستہ بدل لیتی ہے۔'' اس نے آنکھ دبائی تھی۔

''شٹ اپ زعیزعہ، بہتر ہوگا کہ تم اپنے کام سے کام رکھو، ڈونٹ ڈسٹرب می اوکے۔'' ناگواری سے بالآخر وہ اسے ٹوک ہی گیا تھا۔

''مجھے تم پر ہونے والے حملے کا پتہ چلا تھا، اس وقت فرصت نہیں ملی ورنہ آتا تمہاری خیریت پوچھنے، خیر جانے دو اور بتاؤ کیسے ہو؟'' اس کا انداز دوستانہ تھا۔

''اداکاری تمہارا پروفیشن نہیں ہے زعیزعہ خان، اس لئے اداکاری نہ کرو کہ میں جانتا ہوں کہ وہ گھٹیا حرکت تمہاری ہی تھی۔'' وہ اسے گھور رہا تھا جبکہ وہ قہقہہ لگا گیا تھا۔ کتنے ہی لوگ اس کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔

''ڈیئر ایس پی! شاید تم بھول گئے، میں تمہیں ایک دفعہ پھر یاد دلا دوں کہ میں بے ایمانی بھی بڑے ایمان کے ساتھ کرتا ہوں۔''

وہ چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگا تھا۔

''تمہارے شواہد اگر میرے خلاف ہیں تو دوبارہ انکوائری کرواؤ کہ وہ میں نے نہیں کروایا تھا کہ اگر میں تم پر حملہ کرواؤں گا تو ہڈیاں پسلیاں نہیں تڑواؤں گا، ڈائریکٹ گولی سینے کے پار یا بھیجے کے اندر، اور کام تمام کہ چوہے، بلی کا کھیل مجھے نہیں پسند۔'' وہ بڑی حقارت سے کہتا چلا گیا تھا اور وہ آگے سے کچھ نہیں بولا تھا کہ وہ تو خود شواہد سامنے آنے کے بعد بھی بے یقین تھا تو ایسے میں کچھ کہنا ہی بے جواز تھا۔ دونوں کے درمیان خاموشی سی چھا گئی تھی اور اسی وقت اس کا سیل بجنے لگا تھا، فلائٹ میں سیل فون آن رکھنا الاؤ نہیں تھا لیکن وہ چونکہ اہم میٹنگ کے لئے جا رہا تھا کسی بھی وقت انسٹرکشنز دینے کے لئے کال آ سکتی تھی اس لئے اس کا سیل سوئچ آف نہیں تھا اس نے بڑی عجلت میں پینٹ کی پچھلی جیب سے موبائل فون نکالا تھا مگر ''شیریں کالنگ'' دیکھ کر وہ رک گیا تھا کہ وہ نہ جانے کیوں زعیزعہ کی موجودگی سے یکدم خائف ہو گیا تھا اور اس کی موجودگی میں شیریں سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا اور موبائل مستقل بجے جا رہا تھا سب اس کی جانب متوجہ ہونے لگے تھے اور اس نے لائن کاٹ دی تھی مگر بیل شد و مد سے پھر ہونے لگی تھی۔

''تم اگر میری موجودگی سے خائف ہو تو یقین رکھو میں کان کا کچا بالکل نہیں ہوں۔''

وہ اس کو دیکھنے لگا تھا جو اس وقت کافی سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

''ایسے نہ دیکھو کال ریسیو کرو کیوں اپنی نوکری پر لات مارنے پر تلے ہو، تمہارا اس وقت وردی میں موجود ہونا صاف کہہ رہا ہے کہ تم ارجنٹ لی کسی کیس کے سلسلے میں جا رہے ہو، میں اعتبار کے لائق نہیں ہوں لیکن اس وقت تم مجھ پر اعتبار کر سکتے ہو، کوئی سیکرٹ جان کر بھی انجان بنا رہوں گا۔'' وہ اپنی خدمات پیش کر گیا تھا اور اسے غصہ آنے لگا تھا شیریں پر کہ اس نے اسے کئی بار سمجھایا تھا کہ اگر وہ ایک سے دوسری بار کال کٹ کرے تو وہ سمجھ جائے کہ وہ کال ریسیو کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے، بزی ہے مگر وہ کبھی کچھ سمجھ لے ایسا ممکن ہی نہ تھا، متواتر بجتی رنگ ٹون اس کے دماغ پر ہتھوڑے برسا رہی تھی۔ اس نے ناچار کال ریسیو کی اور اس کے کچھ کہنے سے قبل انتہائی سرد لہجے میں بولا تھا۔

''اس وقت بزی ہوں کچھ، فری ہو کر کال بیک کروں گا۔''

چونک کر زعیزعہ نے اس کے سرخ چہرے کی جانب دیکھا۔ ایک خیال سا برقی رو کی طرح ذہن و دل میں دوڑ گیا اور خیال کے دوسرے ہی لمحے اس نے نگاہ چرا لی اور اضطراری کیفیت میں پاؤں ہلانے لگا۔

''شہیر۔'' وہ سسکی کیا تھی وہ لائن کاٹتے کاٹتے رک گیا تھا۔

''کیا ہوا ہے شیریں، تم ٹھیک تو ہو؟'' وہ ہر مصلحت بھلا گیا تھا جبکہ زعیزعہ لب بھینچ گیا تھا۔

''یہاں کچھ ٹھیک نہیں ہے شہیر، ادیان بھیا کی طبیعت اچانک ہی خراب ہو گئی ہے۔ سب انہیں لے کر ہاسپٹل گئے ہیں، بٹ مجھے کوئی ساتھ نہیں لے گیا۔'' وہ بری طرح رو رہی تھی۔ اس کے دل کی حالت چاہے کیسی بھی مگر اس کا ہر عضو کان بنا ہوا تھا۔

''یو ڈونٹ وری، ادیان کو کچھ نہیں ہوگا۔ تم اپنا خیال رکھو، اس طرح مت رو، تمہاری طبیعت خراب ہو جائے گی۔'' وہ ادیان کا سن کر فطری طور پر پریشان ہوا تھا مگر اس کی کنڈیشن کے مدِ نظر نرمی سے ہدایت دی تھی۔

''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' اس کے رونے میں شدت آ گئی تھی۔

''ڈرو نہیں، کہا ناں میں نے، ادی کو کچھ نہیں ہوگا اور تمہارے ساتھ گھر پر کون ہے؟'' اسے نئی فکر لاحق ہوئی تھی۔

''دادو اور ریا ہیں میرے پاس، بٹ مجھے ڈر لگ رہا ہے اور آپ آ جاؤ ناں میرے پاس شہیر، مجھے بہت درد ہو رہا ہے۔'' اسے کال کرنے کی اصل وجہ تو اب کہی تھی اور وہ پریشان ہو گیا تھا۔

''کیا بہت زیادہ تکلیف ہو رہی ہے؟''

وہ اس کے متفکر انداز پر اسے بے اختیار دیکھنے لگا تھا۔

''بہت زیادہ شہیر، ایسا لگ رہا ہے، درد کے مارے میری جان نکل جائے گی۔''

اس کی ہچکیاں بندھنے لگی تھیں۔

''تم میری بات دادو سے کرواؤ۔'' اس نے گھڑی پر نظر ڈالی تھی جو ساڑھے گیارہ بجا رہی تھی تب ہی لائن کٹ گئی تھی۔ اس نے کچھ سوچ کر کال بیک کرنے کے بجائے ڈاکٹر فردوس کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

''ڈاکٹر آنٹی، شیریں کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے آپ پلیز نیناں ولاز چلی جائیں۔'' سلام دعا کے بعد بولا تھا۔

''ایسی کنڈیشن میں طبیعت اپ اینڈ ڈاؤن ہوتی رہتی ہے شہیر۔'' انہوں نے سنجیدگی سے کہنا شروع کیا تھا کہ وہ درمیان ہی میں بول پڑا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ بٹ اس وقت آپ جا کر اسے چیک کر لیں گی تو زیادہ بہتر رہے گا کہ ادیان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، گھر والے اسے ہاسپٹل لے گئے ہیں۔ وہ اس سب سے گھبرا گئی ہے آپ کے جانے سے اسے ڈھارس ملے گی۔'' اس کا انداز نہایت نرمی لئے ہوئے تھے۔ انہوں نے حامی بھر لی تھی اور اس جانب سے مطمئن ہو کر اس نے سالار مصطفیٰ کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ وہ جو بے خبر سو رہے تھے انہیں اس نے پریشان کر دیا تھا اور وہ رابعہ و خوشی کو نیناں ولاز ڈراپ کرتے خود ہاسپٹل چلے گئے تھے۔

''میں ابھی نہیں آ سکتا ہوں، بٹ یو ڈونٹ وری ڈاکٹر آنٹی اور مما کچھ دیر میں تمہارے پاس پہنچنے والی ہیں۔'' اس نے ڈائریکٹ شیریں کا نمبر ڈائل کیا تھا اور نرمی سے نہ رونے کی استدعا کے ساتھ اس کی ڈھارس بندھائی تھی۔

''ہر وقت کی ضد اچھی نہیں ہوتی شیریں، اور تم اس طرح روؤ گی تو تمہاری صحت پر ہی نہیں، ہمارے بچے پر بھی اثر پڑے گا۔''

آج اس نے تابوت میں آخری کیل بھی ٹھونک دی تھی وہ برداشت سے ضبط کا مظاہرہ کر چکا تھا مگر یہ بات اس کے لئے مرنے کے مترادف تھی کہ شیریں ماں بننے والی تھی یعنی اس کو پانے کی آج آخری امید بھی اس نے کھو دی تھی اس کو نرمی سے سمجھا کر شہیر نے لائٹ

کاٹی تھی تو نگاہ اس پر پڑی تھی جس کا چہرہ لہو رنگ ہو رہا تھا اور آنکھوں میں ناچتی وحشت، شہیر نے اپنے لب بھینچ لئے تھے، اسی وقت پلین ٹیک آف ہونے کی اناؤنسمنٹ ہونے لگی تھی وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور تیزی میں آگے بڑھنے لگا اس کی سیٹ پر پڑا سیل فون دیکھ کر اس نے آواز لگانی چاہی تھی اور پھر کچھ سوچ کر اس نے زعیزعہ خان کا موبائل اپنی تحویل میں لے لیا تھا اور اپنے موبائل پر کال ریسیو کر کے انسٹرکشنز لینے لگا تھا۔

☆......☆......☆

''ڈاکٹر، میرا بیٹا اب کیسا ہے؟ وہ ٹھیک تو ہو جائے گا ناں؟'' یمنیٰ شدتوں سے رو رہی تھیں۔

''ہم اپنی سی پوری کوشش کر رہے ہیں، آپ لوگ دعا کیجئے۔'' ڈاکٹر سلطان دھیمے سے بولے تھے۔

''میرے بیٹے کو ہوا کیا ہے ڈاکٹر، وہ تو بالکل ٹھیک تھا۔'' ایان نے انہیں آکر شانوں سے تھام لیا تھا۔

''وہ ٹھیک نہیں تھا، اس کے دماغ پر بے حد دباؤ تھا، کوئی ٹینشن اسے ڈسٹرب کر رہی تھی اور اسی ٹینشن میں ان کے دماغ کی سب سے حساس نس متاثر ہو گئی تھی اور اتنی سی عمر میں ہارٹ اٹیک ہونا معمولی بات نہیں ہے، پیشنٹ کی کافی کریٹیکل حالت ہے، کوئی معجزہ ہی انہیں محفوظ رکھ سکتا ہے کہ پیشنٹ کے دماغ و دل دونوں ہی دھیرے دھیرے کام کرنا چھوڑ رہے ہیں۔'' وہ پیشہ ورانہ انداز میں تمام صورتحال سے آگاہ کرتے سی سی یو کی جانب بڑھ گئے تھے کہ اسے آئی سی یو سے وہیں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ تمام صورتحال ان سب کے لئے تشویش کا باعث تھی مگر یمنیٰ کو سنبھالنا ان سب کے لئے مشکل ہونے لگا تھا۔ ایان کے بعد ارمان شیرازی بھی انہیں ریلیکس کرنے میں ناکام ہو گئے تھے۔

''پلیز یمنیٰ، خود کو سنبھالیں، ادیان ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ بری طرح بلکتی ہوئیں یمنیٰ کو بازوؤں میں سنبھالے دکھ سے بولے تھے۔

''اس کی اس حالت کی صرف میں ذمہ دار ہوں، وہ تو پہلے ہی ڈسٹرب تھا اور میں نے اس کو سمجھے بنا اس کی حالت کا سبب جانے بغیر بائے فورس اس کی شادی کروا دی۔ ہم سب نے مل کر اسے اس حالت میں پہنچا دیا ہے ارمان۔'' وہ تسلی بھرا ایک لفظ زبان سے ادا نہیں کر پائے تھے کہ وہ کہہ تو صحیح ہی رہی تھیں کہ وہ تو پہلے ہی پریشان تھا اور وہ اس کی پریشانی محسوس کرنے کے باوجود اس پر نئی ذمہ داریاں ڈال گئے تھے۔

''بڑی ممی، آپ یقین رکھیں کہ آج ادیان کو کچھ نہیں ہو گا، میں اسے کچھ نہیں ہونے دوں گا۔ اسے میرے لئے، آپ کے لئے، ہم سب کے لئے موت کو شکست دینی ہو گی۔ اس کی جو بھی حالت ہے سبب میں ہوں اور میں ہی اسے زندگی کی طرف لاؤں گا۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔'' وہ جو کب سے خاموش کھڑا تھا یکدم ان کے سامنے آکر بولتا چلا گیا تھا۔

''کیا کیا ہے ابران تم نے میرے بیٹے کے ساتھ؟'' وہ یکدم اس کا گریبان مٹھیوں میں جکڑ گئی تھیں۔

''جواب دو، پہلے تم نے میری بیٹی کی زندگی برباد کی اور اب میرے بیٹے کو اس حالت تک پہنچا دیا ہے۔ آخر کیا کیا ہے تم نے میرے ادی کے ساتھ۔'' وہ اس کا گریبان جھنجھوڑتیں ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھیں۔

''پیشنٹ کی حالت کافی بگڑ گئی ہے۔'' نرس کو باہر آتے دیکھ کر ابیان اس کی جانب لپکا تھا اور وہ جلدی سے کہتی عجلت میں آگے بڑھ گئی تھی۔

''میں نے کچھ نہیں کیا بڑی ممی، مگر اس کے دل میں موجود میرے لئے محبت آج اسے اس نہج پر لے گئی ہے کہ وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے۔'' اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔ سی سی یو کا دروازہ کھلا تھا۔ عجلت میں نرس وہاں سے نکل گئی تھی ایک عجیب سی افراتفری سی پھیل گئی تھی۔ نرسز آ جا رہی تھیں۔

''ڈاکٹر، میرا بھائی کیسا ہے؟ وہ ٹھیک تو ہو جائے گا ناں۔'' اس نے نرس کو آگے بڑھنے سے روک لیا تھا۔

''ہم اپنی سی کوشش کر رہے ہیں، بٹ پیشنٹ کی حالت بہت نازک ہے، ہم کچھ بھی یقین سے نہیں کہہ سکتے۔'' وہ سی سی یو روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی تھی اور وہ بھی اس کے پیچھے وہیں چلا آیا تھا۔

''آپ اندر کیسے آ گئے، باہر ویٹ کریں۔'' روم میں دو ڈاکٹرز اور کئی نرسز موجود تھیں۔ ایک ڈاکٹر آکسیجن ماسک اتارتے ہوئے بولا تھا مگر وہ اس تک چلا آیا تھا۔ کچھ کرتا یا اسے پکارتا ڈاکٹرز نے ایک دوسرے کو مایوسی سے دیکھا تھا۔

''آئی ایم ساری، ہی از نو مور۔'' ڈاکٹر نے ابران کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اس نے تڑپ کر انہیں دیکھا اور اس کی بے یقینی محسوس کرتے وہ اپنی بات دوبارہ دہرا گئے تھے۔

''نہیں، اسے کچھ نہیں ہو سکتا، سنا آپ نے ڈاکٹر، اسے کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں مر سکتا۔'' وہ ہذیانی انداز میں چیخا تھا اور نرس جو اس کے منہ پر چادر ڈالنے لگی تھی وہ چادر ہی کھینچ گیا تھا۔

''ادیان۔'' وہ اس کے نزدیک آ کر پکار اٹھا۔ ''آنکھیں کھولو، بات کرو مجھ سے۔ ادیان۔''

وہ اسے شانے سے تھام کر ہلاتے ہوئے شدتوں سے پکار رہا تھا۔ ڈاکٹر اور نرس کے لئے یہ روز کی ہی بات تھی کہ اپنوں کی موت کا یقین کرنے میں تو صدیاں لگ جاتی ہیں تو وہ ایک لمحہ میں کیسے یقین کر لیتا۔ ادیان جو اس کی پہلی پکار پر لبیک کہتا تھا آج اس کے شدتوں سے پکارنے پر بھی بے حس و حرکت رہا تھا۔

''تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے ادیان، مجھے اپنا اور شانیہ کا مجرم بنا کر نہیں جا سکتے، آنکھیں کھولو، خدا کے لئے آنکھیں کھولو ادیان، ورنہ میں بھی جی نہیں پاؤں گا اور احساسِ جرم مجھے مار ڈالے گا۔'' وہ اس کو گریبان سے جکڑے جھنجوڑ رہا تھا۔ اس کے آنسو اس کے چہرے اور سینے پر گرے تھے مگر اس میں ہلچل نہ ہوئی تھی۔ ڈاکٹر باہر کی جانب بڑھنے لگا تھا۔

''تم نے کہا تھا ادیان میری معمولی سی کہی ہوئی بات بھی تمہارے لئے حکم کا درجہ رکھتی ہے تو میں حکم دیتا ہوں آنکھیں کھولو، بات کرو مجھ سے ورنہ میں سمجھوں گا تمہیں مجھ سے محبت نہیں، نہ ہی مجھ سے کوئی عقیدت ہے، جھوٹ بولا تھا تم نے، دھوکا دیا مجھے۔'' وہ ہذیانی انداز میں بے سوچے سمجھے بولتا جا رہا تھا کہ اس نے ہچکی لی تھی، اس کی بند پلکیں لرزنے لگی تھیں اس کو آنکھیں کھولتے دیکھ کر وہ بے یقینی و

خوشگوار حیرت سے کچھ اور اس کے نزدیک آیا تھا جبکہ اس کو آنکھیں کھولنے کی کوشش کرتے دیکھ کر نرس چلا اٹھی تھی۔

''ڈاکٹر، یہ زندہ ہے، ابھی مرا نہیں ہے۔''

ڈور کی ناب سے ہاتھ ہٹا کر ڈاکٹر نے گردن موڑی تھی، اس کو سانس لینے کی کوشش کرتے دیکھ کر لپک کر اس تک پہنچا تھا۔

''ابران بھیا'' اس کے لب بمشکل ملے تھے۔ ڈاکٹر ایک بار پھر مستعد ہو گیا تھا۔ آکسیجن سیٹ کرتے ہوئے اس نے ابران کو باہر جانے کا کہا تھا۔

''ڈاکٹر صاحب، انہیں یہیں رہنے دیں۔ یہ معجزہ انہی کی وجہ سے ہوا ہے ان دونوں میں بہت گہرا تعلق ہے۔'' نرس نے مداخلت کی تھی اسی پل اس کی سانس بگڑنے لگی تھی۔ ڈاکٹر مصنوعی سانس دینے کی پوری کوشش کر رہا تھا اس کا وجود جھٹکے کھانے لگا تھا اور اس کو یوں تڑپتا دیکھ کر ابران کو اپنی سانس رکتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ زار و قطار روتا بیڈ تک آیا تھا۔ نرس فوراً فاصلے پر ہو گئی تھی اس نے ادیان کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''ادیان، تم میرے لئے بہت اہم ہو، میں تمہیں شانیہ کے ساتھ ایک خوشگوار زندگی گزارتے دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم نے میرے لئے موت کو شکست دینی ہے ورنہ یہ میری دوسری خواہش ہو گی جو نامکمل رہ جائے گی اور مجھے یقین ہے تم ایسا نہیں چاہو گے۔ پلیز لوٹ آؤ شانیہ کے لئے، بڑی ممی کے لئے اور میرے لئے، میں تمہارے بغیر بہت کمزور ہو جاؤں گا، ایبان میرا ایک بازو ہے اور تم میرے دوسرے بازو ہو۔ مجھے ادھورا کر کے کہیں نہ جانا ادیان، کیونکہ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ آئی لو یو ادیان، آئی ریئلی لو یو۔'' وہ شدتوں سے روتا اس کا ہاتھ چوم گیا تھا اور ایک نظر اس کے تڑپتے وجود پر ڈالتا وہاں سے نکل گیا تھا۔ اس کو باہر آتے دیکھ کر سب اس کی طرف لپکے تھے اور وہ ماں سے لپٹ کر بچوں کی طرح رونے لگا تھا۔ اندر ڈاکٹر اپنی سی پوری کوشش کر رہا تھا اس کے لب ایک سے دو بار ملے تھے۔ ''ابران بھیا'' کی گردان کرتے مہر بہ لب ہوتے چلے گئے تھے اس کے دل کی رفتار مدھم ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر نے محسوس کیا تھا کہ پیشنٹ ان کے ساتھ بھرپور کوآپریٹ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے جینے کی خواہش تھی اور وہ مزید مستعد ہو گیا تھا۔ تقریباً پورے بیس منٹ بعد ڈاکٹر سی سی یو روم سے نکلا تھا۔ سب امید بھری نگاہوں سے ڈاکٹر کو دیکھنے لگے تھے۔

''پیشنٹ کومہ میں چلا گیا ہے۔

یمنیٰ کے قدم لڑکھڑا گئے تھے۔ ایبان انہیں تھام گیا تھا۔ ان سب کی سوچیں مضطرب ہو گئی تھیں اور الفاظ کھو سے گئے تھے۔

''کسی بات کا پیشنٹ نے بہت گہرا اثر لیا ہے جس کا اثر ڈائریکٹ ان کے دماغ پر پڑا ہے یہ تو آپ لوگوں کی خوش قسمتی ہے کہ اتنی کریٹیکل حالت کے بعد جب ہم اپنے طور پر مریض کو مردہ سمجھ چکے تھے، میڈیکل سائنس بالکل ہار گئی تھی اللہ نے معجزہ کر دیا اور مریض کی سانس پھر چلنے لگی۔''

ڈاکٹر اب تک حیرت کے زیر اثر تھا کہ آج جو ہوا تھا ایسا سو میں سے کسی ایک کیس کے ساتھ ہی ہوتا ہے اس لئے اس کی حیرت اتنی بے جا بھی نہ تھی۔

''ڈاکٹر وہ اس کیفیت سے کتنے عرصے میں باہر آ جائے گا؟'' ارمان شیرازی نے حوصلہ کر کے پوچھا تھا۔

''مریض کی فی الحال صرف سانس چل رہی ہے، ایسے پیشنٹ کو میڈیکل سائنس مردہ ہی تصور کرتی ہے۔'' ڈاکٹر کی صاف گوئی ان سب کی تکلیف بڑھا گئی تھی۔

''لیکن مریض کی ول پاور حیرت انگیز طور پر بہت مضبوط ہے۔ وہ جینا چاہتا ہے اور اسی سب کی بنیاد پر پچاس فیصد چانسز ہیں ریکوری کے، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ آپ لوگ اسے اسٹریس نہ دیں کہ آپ لوگ یقیناً اس کے اسٹریس کی وجہ جانتے ہوں گے اس سب سے دور رکھیں پھر چند دنوں میں دیکھتے ہیں کیا ہو سکتا ہے۔'' ڈاکٹر ابران کو آنے کا اشارہ کرتا وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ ارمان شیرازی نہ محسوس طریقے سے ابران کے پیچھے ڈاکٹر روم میں داخل ہوئے تھے۔

''میں ادیان کا بڑا بھائی ہوں۔'' ڈاکٹر نے بیٹھنے کا اشارہ کر کے پوچھا تھا اس کا پیشنٹ کے ساتھ کیا رشتہ ہے؟ تب وہ دھیمے سے بولا تھا۔

''آپ دونوں کا ریلیشن شپ کافی اسٹرانگ ہے۔'' ڈاکٹر کہتے ہوئے مسکرایا تھا جبکہ ارمان شیرازی بیٹے کو دیکھنے لگے تھے۔

''ڈاکٹر صاحب، آپ کیا جاننا چاہتے ہیں، پلیز کھل کر کہیے۔'' وہ الجھ کر بولا تھا۔

''جس وقت پیشنٹ کا ٹریٹمنٹ شروع کیا گیا، پیشنٹ نے ہمارے ساتھ کوئی کا پریٹ نہیں کیا اور اس کی سانس کی رفتار دھیمے ہوتے ہوتے رک گئی۔'' ڈاکٹر کی باتیں ان دونوں کے لئے ہی حیرانگی و تشویش کا باعث تھیں۔

''مگر جب آپ نے اسے پکارا تو اس نے رپلائی کیا جبکہ میڈیکل سائنس یہی کہتی ہے کہ ڈیڈ باڈی رپلائی نہیں کرتی، نہ وہ سن سکتی ہے نہ محسوس کرتی ہے مگر آج ایسا ہوا جس پر میڈیکل سائنس حیران ہے لیکن ہمارا یقین معجزات پر ہے اس لئے ہم اس انوکھے کیس پر بھی مطمئن ہیں، اور آپ سے یہ سب باتیں کرنے کا مقصد صرف اتنا ہی ہے کہ آپ کے بات کرنے کے بعد پیشنٹ میں حیرت انگیز طور پر تبدیلی آئی اس کی ول پاور اسٹرانگ ہوگئی اور اس کے دل میں جینے کی خواہش پیدا ہوگئی اور شاید یہی وجہ ہے کہ اب اس کی سانس چل رہی ہے مگر اس کا دل، دماغ سائلنٹ موڈ پر ہیں، کوئی اس سے بات کرے گا تو وہ سن نہیں سکے گا، سن بھی لے گا تو اس کا رپلائی نہیں کر پائے گا کہ آواز سماعت اور دماغ تک پہنچ نہیں پائے گی کہ آواز کا تعلق سماعت سے سماعت تک ہوتا ہے لیکن اس تعلق میں انسان کا دماغ خاص طرح سے ایکٹو ہوتا ہے اسی لئے انسان آوازوں کو پہچان کر ان کا صحیح رپلائی کرتا ہے۔'' ڈاکٹر کافی تفصیل سے ان سے بات کر رہا تھا جسے وہ توجہ سے سن رہے تھے۔

''کچھ آوازیں صرف سماعت تک نہیں دل تک دستک دیتی ہیں اور مجھے یہی لگتا ہے کہ آپ کی آواز کا تعلق پیشنٹ کی سماعت تک نہیں اس کے دل تک ہے اور پیشنٹ اس وقت جس حالت میں ہے یہ حالت زندوں میں شمار نہیں ہوتی میڈیکل سائنس ایسے پیشنٹ کو صرف ایک جسم کاؤنٹ کرتا ہے اور یہ حالت اس کی بہتر بھی ہو سکتی ہے اور اسی حالت میں اس کی زندہ اور مردہ کی ٹینشن بھی ختم ہو سکتی ہے لیکن......'' ڈاکٹر کہتے کہتے لحظہ بھر کو رکا تھا اور ان دونوں کو لگا تھا کہ ان کے دل کی حالت بھی رکنے لگی ہے۔

''آپ مسٹرابران، اگر پیشنٹ کو وقت دیں، پیشنٹ جس طرح آپ سے ایکسپکٹیشنز رکھتا ہے اس کے مطابق اسے ٹریٹ کریں تو بہت ممکن ہے کہ وہ جلد سے جلد کومہ سے باہر آجائے۔''

اب ڈاکٹر اسے دیکھنے لگا تھا اور ارمان شیرازی کی بھی متحیر نگاہیں اسی پر ٹک گئی تھیں اور وہ دھیمے لہجے میں بچپن کی تمام بے رخیاں انہیں بتاتا چلا گیا تھا۔

''اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہمارا کوئی اپنا ہمیں اگنور کرے تو ہم اس کے قریب جانے کی شعوری کوشش کرنے لگتے ہیں اور اس میں ناکامی کے بعد لاشعوری دنیا بسا لیتے ہیں، پیشنٹ کے سی ٹی اسکین کے ذریعے کافی باتیں سامنے آئی ہیں۔'' وہ مختصر الفاظ میں ادیان کی محبت و عقیدت کو بیان کر رہا تھا تب ڈاکٹر نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

''ڈاکٹر، ادیان کے ٹھیک ہونے کے کتنے چانسز ہیں؟'' ارمان شیرازی کے لب ہلے تھے۔

''سچ کہوں تو ایک فیصد بھی نہیں۔''

وہ دونوں صدماتی کیفیت میں ڈاکٹر کو دیکھنے لگے تھے۔

''مگر میں خود چاہتا ہوں کہ یہ پیشنٹ ٹھیک ہو اور نارمل لائف گزارے اور سچ بات تو یہ ہے مسٹر ارمان کہ اس طرح کے پیشنٹ کو مشینوں کے سہارے چھوڑ دیا جاتا ہے لیکن یہ کیس تھوڑا سا مختلف ہے اسی لئے میں نے آپ لوگوں سے اتنی طویل بات چیت کی ہے کہ میں خود اس سب کا حل چاہتا ہوں کہ میں ایک ڈاکٹر ہوں، زندگی دینا میرے اختیار میں نہیں ہے مگر کوشش کرنا میرے اختیار میں ہے اور ہم ڈاکٹرز ایک پرسنٹ چانسز اور ایک کلیو کو بھی مکمل سو پرسنٹ کی طرح اہمیت دیتے ہیں۔ یہ میری زندگی کا سب سے انوکھا کیس ہے اور میں زندگی میں پہلی بار میڈیکل سائنس سے ہٹ کر جذباتی باتیں بھی کر رہا ہوں کہ اگر محض اپنے علم کی روشنی میں بات کروں گا تو پیشنٹ صرف ایک باڈی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں اور کب ٹھیک ہوگا، ہوگا بھی یا نہیں میں کیا دنیا کا کوئی ڈاکٹر نہیں بتا سکتا مگر جو معجزہ ہوتے میں نے دیکھا اس کے بعد میں بحیثیت ڈاکٹر اور ایک انسان محسوس کیا اسی کی بنیاد پر میں نے مسٹر ابران کو ایک مشورہ دیا ہے۔ اٹس جسٹ اینڈ آئیڈیا، اس سے ہوسکتا ہے بہتری آجائے مگر ہوسکتا ہے یعنی ون پرسنٹ چانسز ہیں آگے آپ لوگوں کی مرضی کہ آپ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ پیشنٹ کی زندگی آپ کے لئے کتنی معنی رکھتی ہے اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی کیا مرضی ہے کہ زندگی دینا اور نہ دینا سب اس کے اختیار میں ہے۔'' ڈاکٹر نے گہری سنجیدگی سے ہر بات کھول کر ان کے سامنے رکھ دی تھی۔

''ڈاکٹر، میں ادیان کو زندگی کی طرف لانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔'' وہ آنسو صاف کرتا عزم سے بولا تھا۔ ''وہ اس حالت تک میری چاہت میں پہنچا اور اب میری توجہ اسے زندگی کی طرف لائے گی میں اپنے طور پر کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا اور اپنی کوششوں کو اللہ کے سپرد کر کے کامیابی کی امید رکھوں گا۔''

ڈاکٹر کے مسکرانے پر وہ دونوں بھی مسکرا دیئے تھے اور وہ ڈاکٹر سے چند ایک اہم معلومات اور سجیشن لیتا ان کے روم سے نکلا تھا۔

''ڈیڈی، آپ سب کو لے کر خاص کر شانیہ کو گھر لے جائیں۔'' وہ باپ کے ہمقدم ہوتا ہوا بولا تھا وہ سوالیہ نگاہوں سے بیٹے کو دیکھنے لگا تھا۔

''ڈیڈی، باتیں بہت ساری ہیں، میں وہ بھی جان گیا ہوں جس کے جاننے کے لئے آپ اور بڑی ممی بے چین و مضطرب تھے مگر ابھی وقت نہیں ہے۔ گھر آؤں گا تو آپ سے بات کروں گا۔'' وہ دھیمے سے باپ کے کاندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا تھا۔ ''اور آپ کوشش کیجئے گا ڈاکٹر سے ہوئی بات ہم دونوں کے علاوہ کسی کے علم میں نہ آئے۔''

وہ اس سے یہی بات کہنا چاہ رہے تھے اس کے کہہ دینے پر سانس خارج کی تھی اور ہاسپٹل میں ادیان کے پاس ابران کے ساتھ ابیان کو چھوڑتے وہ باقی سب کو گھر لے گئے تھے۔ یہ اور بات تھی کہ شانیہ ایک زہر خند نفرت زدہ نظر ابران پر ڈالتی خامشی سے جبکہ یمنیٰ ایک ناراض نظر اس پر ڈالتیں بمشکل وہاں سے گئی تھیں اور وہ ہارے ہوئے انداز میں بینچ پر گرتا چلا گیا تھا۔ اس کی آنکھیں بے بسی سے بھیگنے لگی تھیں کہ زندگی اسے عجیب دوراہے پر لے آئی تھی۔ کچھ محبتوں نے اور کچھ نفرتوں نے اس کے گرد گہرا شکنجہ ترتیب دے دیا تھا اور محبت اور نفرت کے درمیان اس کو اپنی سانس گھٹتی محسوس ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

ابران جس وقت ڈائننگ ہال میں داخل ہوا سوئے اتفاق پہلا سامنا ہی اس سے ہوا تھا جس نے اسے دیکھ کر نفرت سے نگاہ پھیر لی تھی اور بے دلی سے ناشتہ کرنے لگی تھی۔ اس وقت ڈائننگ ہال میں تقریباً گھر کے تمام افراد موجود تھے مگر خاموشی کا عالم ایسا تھا کہ جیسے کوئی ذی نفس وہاں موجود نہ ہو۔ یمنیٰ نے نظر اٹھائی تو ان کی بہو نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ یاد دلایا اور وہ شوہر کو مخاطب کر گئیں۔

''ارمان! آپ کیا آفس جاتے ہوئے شانیہ کو ہاسپٹل ڈراپ کر دیں گے؟'' بے دلی سے ناشتہ کرتی ہوئیں یمنیٰ نے دھیمے سے پوچھا تھا۔

''اوہوں، نہیں کہ مجھے ابھی آفس پہنچنا ہے البتہ ابران ہاسپٹل ہی جا رہا ہے تو شانیہ بیٹا، آپ ابران کے ساتھ چلی جاؤ۔'' بیوی کو جواب دیتے دیتے وہ چہرہ جھکائے چائے کے مگ پر انگلیاں پھیرتی بہو سے بڑی نرمی سے بولے تھے۔ اس نے نگاہ اٹھائی تھی اسی پل ابران نے اس کی جانب دیکھا تھا اور وہ قہر بار نگاہوں سے اسے دیکھتی ہوئی جانے کے لئے کھڑی ہو گئی تھی۔

''میں ہاسپٹل شام تک جاؤں گی۔'' وہ کہہ کر رکی نہیں تھی جبکہ ابران کا چہرہ ضبط سے لہو چھلکانے لگا تھا اور وہ تیزی میں ادھورا ناشتہ چھوڑ کر نکلتا چلا گیا تھا۔

''یمنیٰ، جب میں نے آپ سے کہا تھا کہ شانیہ بیٹی ہاسپٹل نہیں جائے گی تو آپ نے کیوں صبح صبح مجھ سے کہا کہ میں اسے ہاسپٹل لے جاؤں۔'' وہ قدرے غصہ سے بولے تھے۔

''شانیہ، ادیان کی بیوی ہے۔ اس کے وہاں جانے میں مجھے کوئی حرج نظر نہیں آ رہا اس لئے میں نے کہہ دیا۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولی تھیں۔

''حرج نہیں ہے مگر آپ صورتحال کی سنگینی سے واقف نہیں ہیں۔''

''تو کیوں نہیں ہوں میں کسی بھی بات سے باخبر؟'' وہ ان کی بات قطع کر کے چیخی تھیں اور ان کے اس انداز پر ارمان ہی نہیں، نیناں اور سائرہ بیگم بھی متحیر سی انہیں دیکھنے لگی تھیں۔

''میرا بیٹا آج نہ زندوں میں ہے نہ مردوں میں اور میں یہ تک نہیں جانتی کہ اس کی اس حالت کا سبب کیا ہے؟ وہ اس حالت تک کس کے سبب پہنچ گیا ہے؟'' وہ اب رو رہی تھیں۔ ''مجھ سے آخر اتنی راز داری کیوں برتی جا رہی ہے؟ صرف ابران کی غلطیاں چھپانے کے لئے۔''

وہ روتے ہوئے بدگمانی سے شوہر کو دیکھ رہی تھیں۔ نیناں نے ایک نظر ان کے چہرے پر ڈالی اور پلٹ کر وہاں سے نکلتی چلی گئی تھیں کہ وہ اپنے بیٹے کے متعلق آدھا لفظ نہیں سن سکتی تھیں اور نہ ہی وہ ایک ماں سے الجھنا چاہتی تھیں اس لئے وہاں سے ہٹ گئی تھیں۔

''فار گاڈ سیک یمنیٰ، فضول باتیں نہ کریں آپ کہ ایک ہفتہ سے آپ کا ابران کے ساتھ برا رویہ برداشت کر رہا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ ہر بات کا الزام ہی اس پر ڈالتی چلی جائیں گی۔'' وہ انہیں ڈپٹنے والے انداز میں بولے تھے۔

''ارمان، یمنیٰ ہی نہیں ہم سب الجھن کا شکار ہیں کہ ہاسپٹل میں ابران نے خود کہا تھا کہ وہ ادیان کی اس حالت کا ذمہ دار ہے اور میں جانتی ہوں ایسا نہیں ہے مگر جو ہے وہ تم جانتے ہو تو ہم سب کو خاص یمنیٰ کو بتاؤ کہ یہ ادیان کی ماں ہے، اس کی حالت کے سبب آزردہ ہے ایسے وقت میں اس کا حوصلہ بڑھانا، اس کی بدگمانیاں دور کرنا تمہارا فرض ہے۔'' یمنیٰ کے کچھ کہنے سے پہلے انہوں نے بیٹے کو مخاطب کر کے سنجیدگی سے کہا تھا۔

''میں کب اپنے فرض سے غافل ہو رہا ہوں، صرف کچھ دن ہی تو گزرے ہیں، ہاسپٹل سے گھر، گھر سے ہاسپٹل، پھر آفس، میرے پاس اتنا وقت کب میسر آیا ہے کہ میں ان کی خود ساختہ بدگمانیوں کو دور کرنے لگ جاؤں۔'' انہوں نے ناراضگی بھری نظر ان پر ڈالی تھی۔ ''اور ابران نے اگر وہ سب کہہ دیا تھا تو یہ بات کیسے ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ ہی اس سب کا قصور وار ہے؟'' انہوں نے ماں کو دیکھا تھا۔

''ادیان کی اس حالت کے ذمہ دار ابران شیرازی ہیں اور یہ ایسی حقیقت ہے جو آپ اور آپ کی مسز نیناں شیرازی نہیں بدل سکتیں۔'' شانیہ کی آواز پر وہ تینوں ہی اسے دیکھنے لگے تھے۔

''شانیہ۔''

''پلیز انکل، میں جس دوراہے پر کھڑی ہوں وہاں نہ کوئی دلیل اثر کرے گی نہ کوئی وضاحت کیونکہ میں نے وہ سب اپنی ذات پر جھیلا ہے، ابران شیرازی کے لئے میری محبت سے انکاری، ہمارے رشتے سے منکر ادیان آج جس حالت میں ہے سبب ابران شیرازی ہی ہیں۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ ''ادیان کو کچھ ہوا تو میں ادیان کی بیوی ابران شیرازی کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔''

وہ تقریباً بھاگتے ہوئے وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی جبکہ وہ کرسی پر گر سے گئے تھے۔

''ارمان۔'' وہ بیٹے کی زرد ہوتی رنگت دیکھ کر پریشان ہوئی تھیں۔

''میں ٹھیک ہوں مما۔'' دھیمے سے کہہ کر پانی پینے لگے تھے۔

''آپ دونوں بیٹھ جایئے، میں ساری تفصیل آپ کو بتا دیتا ہوں پھر جو چاہیں آپ فیصلہ کریں۔'' ان کے کہنے پر وہ ڈائننگ ٹیبل کی چیئرز گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھیں اور وہ دھیمے لہجے میں ساری تفصیل جو ابران نے انہیں بتائی تھی وہ بتاتے چلے گئے تھے جسے سن کر وہ دونوں ہی شاکڈ رہ گئی تھیں۔

''اس سارے قصے میں ابران کا کوئی قصور نہیں ہے۔'' کافی دیر بعد وہ اپنے آنسو گرتے ہوئے صاف دلی اور سچائی سے پُر لہجے میں بولی تھیں اور وہ انہیں بے یقینی سے دیکھنے لگے تھے اور وہ شرمندہ ہو گئی تھیں۔

''ابران کو میں نے ہمیشہ اپنا بیٹا ہی سمجھا ہے۔ اس سے میری کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے ایسا ہوتا تو جو کچھ اس نے یمانی کے ساتھ کیا تھا اس کے بعد ضرور میرا رویہ بدلتا مگر ایسا نہیں ہوا کیونکہ میں نے اسے غیر نہیں سمجھا اور اس مشکل وقت میں بھی میں اس سے بدگمان نہیں ہوئی، ہاں بس ہاسپٹل میں اس کی باتیں سن کر جذباتی ہو گئی تھی اسی لئے اس دن بھی اس پر غصہ ہوئی تھی۔'' وہ نظر جھکا کر بولتی جا رہی تھیں۔

''کل مجھ سے شانیہ نے بھی یہی کہا کہ ادیان کی اس حالت کا ذمہ دار ابران ہے مگر اس نے میرے لاکھ پوچھنے پر بھی کچھ نہیں بتایا۔ آپ نے بھی مجھے ٹالنے کی کوشش کی بس میں تو ساری سچائی جاننا چاہتی تھی وہ بھی اس لئے کہ کافی عرصے سے ادیان پریشان تھا اور صرف ادیان کی فکر میں ڈوب کر میں ابران کے ساتھ مس بی ہیو کر گئی بٹ یقین کریں ارمان، میں اس سے بدگمان نہیں ہوئی تھی۔''

وہ سرخ آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگی تھیں انہوں نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا تھا ان کے رونے میں اضافہ ہونے لگا تھا سائرہ بیگم نے بہو کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''مما، کیا میں اس انسان سے بدگمان ہو سکتی ہوں جسے میرا بیٹا عقیدت کی حد تک چاہتا ہے۔'' وہ ساس کو دیکھنے لگی تھیں۔ ''میں ادیان کی ماں ہوں جانتی ہوں اپنے بیٹے کو، بچپن سے اس نے ابران کو آئیڈیلائز کیا ہے، جب ابران اسے نظر انداز کرتا تھا تو وہ میرے شانے پر ہی سر رکھ کر اپنے آنسو بہاتا تھا۔ مجھ سے کہتا تھا ممی، کبھی ابران بھیا مجھ سے ایان اور شیریں کی طرح بات نہیں کریں گے؟ کبھی مجھ سے محبت نہیں کریں گے؟ میں تو اسے صرف تسلیاں ہی دیا کرتی تھی اور جب ابران کی خودساختہ نفرت ختم ہوئی تب ادیان کتنا خوش تھا۔ مجھ سے کہتا تھا ممی یہ سب مجھے خواب کی طرح لگتا ہے۔ آپ دعا کیجئے گا کہ یہ خواب، یہ حقیقت کبھی نہ بدلے۔'' وہ دھیمے دھیمے کئی رازوں سے پردہ اٹھا رہی تھیں کہ ادیان کی ابران کے لئے محبت سب ہی محسوس کرتے تھے مگر آج وہ کئی حقیقتیں منکشف کر گئی تھیں کہ ارمان شیرازی بہت اچھے تھے انہوں نے دونوں بیویوں میں انصاف کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی مگر دل سے مجبور تھے اسی لئے نیناں شیرازی اور ان کی اولاد کے معاملات سے وہ مکمل آگاہ رہتے تھے جبکہ یمنیٰ اور ان کے بیٹے کی زندگی کے کئی معاملات ایسے تھے جن پر انہوں نے کبھی توجہ نہ دی تھی کہ یمنیٰ شیرازی سے وہ صرف ایک عہد کے تحت رشتہ نبھا رہے تھے اسی لئے ادیان کے بھی کئی معاملات ان کی نظر سے پوشیدہ رہ جاتے

تھے کیونکہ وہ بھی ماں کی طرح حرفِ شکایت بلند نہ کرنے والا کافی صابر شخصیت کا حامل تھا اور بعض جگہ اپنے ہونے کا باقاعدہ احساس دلانا پڑتا ہے اور ان دونوں ماں بیٹے نے یہ کبھی نہیں کیا تھا جتنا قسمت سے ملا صبر و شکر کے ساتھ وصول کرتے رہے۔

''میں جانتی تھی کہ ادیان، شانیہ سے محبت کرتا ہے اور جب شانیہ کی شادی کی بات چلی تھی تب میں نے اس سے بات کی تھی اور اس نے مجھ سے کہا کہ شانیہ اس سے محبت نہیں کرتی اس لئے میں اس قصے کو فراموش کر دوں اور پرپوزل لے جانے کا خیال بھی دل سے نکال دوں اور اسی سارے عرصے میں ہی ادیان کافی ڈسٹرب تھا میں اس کی فیلنگز سمجھ رہی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ میں شانیہ سے بات کرتی ہوں لیکن ادیان نے مجھے قسم دے کر روک دیا اور شانیہ کی شادی کا دن بھی آ پہنچا اور جس طرح اس کی شادی ٹوٹی اور میں نے ادیان کے رشتے کی بات کی تو میرا مقصد یہی تھا کہ آپی کی عزت رہ جائے اور میرے بیٹے کو اس کی محبت مل جائے۔'' وہ خود کو کمپوز کر چکی تھیں، دھیمے وٹھہرے ہوئے لہجے میں بول رہی تھیں۔

''لیکن ادیان کا اتنا واضح انکار میری سمجھ سے بالاتر تھا اور اس کے باوجود صرف اس کی پرواہ کے خیال سے میں نے اسے فورس کیا جس میں ناکام ہوئی تو میں نے اس سے کہا کہ وہ ابران کے لئے اس شادی سے انکار نہ کرے اور اس نے نکاح تو کر لیا مگر ابران کے لئے دل میں موجود محبت وعقیدت کے سبب شانیہ کی محبت اس نے دل سے ہی نکال پھینکی اور خود سے لڑتے، خود پر ضبط کے پہرے بٹھاتا، ابران کیا سوچے گا؟ ابران خفا ہوگا؟ ابران کو دکھ ہوگا نہ جانے کیا کچھ سوچتا وہ آج اس حال تک پہنچ گیا ہے اور اس سب کا سبب میں ہوں کہ کوئی بھی کچھ بھی نہیں جانتا تھا مگر میں تو اپنے بیٹے کی حساسیت سے واقف تھی اور میں نے اس کی خوشیوں کا سوچتے، اس کی موت کا سامان کر دیا، کیوں کیا میں نے ادیان کو شادی کے لئے فورس، کیوں'' وہ ضبط کھو کر بلکنے لگی تھیں۔

''ڈیمنی، خود کو کسی بھی بات کا الزام نہ دیں کہ ہوتا وہی ہے جو ہونا ہوتا ہے۔'' انہوں نے اٹھ کر انہیں خود سے لگا لیا تھا۔

''میرا بیٹا مجھ سے ناراض ہو گیا ہے، آپ جانتے ہیں ناں، ادیان کی تو بچپن سے یہی عادت ہے اگر اس کی مرضی وخوشی کے مطابق نہ ہو تو شکوہ نہیں کرتا، اندر ہی اندر گھٹتا رہتا ہے۔ ہمارا ادیان مر رہا ہے ارمان، پلیز اس سے کہیں وہ مجھ سے ناراض نہ ہو، ہمیں چھوڑ کر نہ جائے۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میں اپنے ادی کے بغیر نہیں رہ سکتی۔'' وہ ان سے لگی اور شدتوں سے رو رہی تھیں۔

''حوصلہ رکھو، ڈاکٹرز پر امید ہیں۔ انشاء اللہ ہمارا بیٹا ٹھیک ہو جائے گا۔'' نرمی سے دلاسہ دیا تھا۔

''شانیہ کو تم نے ہاسپٹل جانے سے کیوں منع کیا ہے۔'' بہو کو پانی پلاتے ہوئے بیٹے سے پوچھا تھا۔

''ڈاکٹر نے کہا ہے کہ ادیان کے سامنے صرف وہ چہرے چاہئیں جنہیں دیکھ کر اسے اچھا محسوس ہو، اس کے دماغ پر مثبت اثر پڑے اس لئے مجھے لگا کہ جس طرح کے حالات ہیں، ادیان ہاسپٹل پہنچا ہے شانیہ بیٹی کا اس کے سامنے نہ جانا ہی بہتر ہوگا کہ اسے دیکھ کر یقیناً اسے اسٹریس وٹینشن کا احساس ہوگا۔'' انہوں نے سنجیدہ انداز میں ڈاکٹر سے ہوئی گفتگو بتانی شروع کی تھی۔

''تو ایسے میں ابران کا اس کے سامنے جانا ٹھیک ہوگا؟'' بات کے درمیان بولی تھیں اور انہوں نے ماں کی بات پر ایک گہری

سانس بھری تھی اور تمام تر تفصیل ان دونوں کے گوش گزار کر دی تھی۔

''گھر کے کسی بھی فرد کے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔بس شانیہ کی بات دوسری ہے، جب سے نکاح ہوا ہے وہ کس طرح گھر سے غائب رہا ہے آپ دونوں کے علم میں ہے۔کچھ وقت گزرے گا تو دیکھیں گے کہ ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟ ہم کیا کر سکتے ہیں؟'' یمنیٰ نے اپنی بات کی تھی تب انہوں نے کہا تھا۔

''شانیہ کو کیسے روک سکتے ہیں، ابھی آپ نے اس کی باتیں سنی تھیں ناں۔''انہیں نئی فکر لاحق ہوئی تھی۔

''یہی تو میں بھی نہیں سمجھ پایا کہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اس سب میں سب سے زیادہ نقصان شانیہ کا ہی ہو رہا ہے۔'' وہ گہرے دکھ سے بولے تھے۔

''آپ پریشان نہ ہوں، میں بات کروں گی، سمجھاؤں گی اسے۔'' وہ سب اپنی اپنی جگہ پریشان و مضطرب تھے۔

''مجھے تم پر ترس آتا ہے ایس پی، تم جتنا میرے کالے کرتوتوں کی چھان بین کرتے ہو، جتنی مجھے صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے کوشش کرتے ہو، اتنی کوشش تو کبھی کسی نے بھی نہیں کی۔ ملک غدار کہہ کر مجھ سے لگتا ہے کوئی ذاتی پرخاش نکالنا چاہتے ہو۔'' زعیز عہ خان کے انداز میں اتنی حقارت تھی کہ شہیر کا چہرہ تپ اٹھا۔

''اپنی بکواس بند کرو زعیز عہ خان۔'' شہیر نے اس کے مزید کچھ کہنے پر قدغن لگانا چاہی تھی کہ وہ چھت پھاڑ قہقہہ لگا گیا تھا۔ لامحالہ شہیر کو ضبط کے کڑے مرحلوں سے گزرنا پڑا تھا۔

''تم نے مجھے اتنا احمق سمجھا ہے کہ میں اس چھوٹے سے پرزے میں اپنے راز لیے پھروں گا۔'' وہ یکدم سنجیدہ ہوتا ضبط سے گزرتے شہیر کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا تھا اور کچھ دیر قبل جیب سے نکال کر رکھے گئے اپنے موبائل کو اس نے اٹھا کر دیوار پر دے مارا تھا۔

''اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ اپنے راز یوں اپنی ہتھیلی پر لیے پھرتا پھروں کہ میں تمہاری سوچ سے زیادہ چالاک ہوں، چند ایک راز جو تم میرے موبائل کے سبب جان گئے ہو انہیں میں نے اسی دن اپنے حق میں کر لیا تھا جب میں اپنا سیل فون جہاز میں تمہارے پہلو میں بھول گیا تھا۔'' وہ ثابت کر رہا تھا کہ اس کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔

''احمق تو تم واقعی نہیں ہو مگر عقل مند بھی نہیں ہو کہ تم شہیر سالار کو نہیں جانتے۔'' وہ خود کو کمپوز کرتا گہری سنجیدگی سے بولتا زعیز عہ کو متحیر کر گیا تھا۔

''زعیز عہ خان! میرا دین ایمان، ایمانداری ہے، بے ایمانی سے تو میں اپنے دشمن پر بھی وار نہیں کرتا اسی لیے اپنی غلط فہمی کو دور کر لو کہ میں نے تمہارے موبائل کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا تھا کوئی راز جاننے کی کوشش تو بہت دور کی بات ہے۔'' اس کا انکشاف زعیز عہ خان کو بے یقین کر گیا تھا۔ ''میرے اندر کی اچھائی مجھے برائی کی طرف اور تمہارے اندر کی برائی تمہیں اچھائی کی طرف چلنے نہیں دیتی اور یہی فرق ہے ہم دونوں میں۔''

وہ اب گہرے سکون سے کافی کے سپ لینے لگا تھا۔

''یاد رکھنا زعیز عہ خان کہ تم برائی کی طرف کتنا ہی سرپٹ دوڑو گے ایک دن تمہاری برائی تمہیں تھکا دے گی اور طمانیت و راحت کے لئے تمہیں اچھائی کی طرف پلٹنا ہوگا اور کہیں اتنی دیر ہو جائے کہ واپسی کا در تمہارے لئے بند ہو جائے اس سے قبل ہی تم اپنی برائی کو خیر باد کہہ دو۔''

اس کا انداز ناصحانہ تھا۔ وہ تحیر زدہ نگاہوں سے نصیحت کرتے شہیر کو دیکھنے لگا کہ اس شخص کی اچھائی و نیک نیتی پر اسے کوئی شبہ نہ تھا کہ اس کی اچھائی ہی تو درحقیقت اس کے من کا روگ بن گئی تھی کہ وہ بہت چاہ کر بھی شہیر کی اچھائی کے باعث شہیر کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا پایا تھا جبکہ ایسا کرنا اس کے لئے مشکل نہ تھا۔ یہ مشکل ہی نہ تھا اس کے لیے کہ وہ شہیر کو اپنے راستے ہٹا دیتا اور شیریں کو پا لیتا مگر شہیر کی

اچھائی اس کی راہ کی رکاوٹ بن گئی تھی جس کے باعث وہ شہیر کو اور اپنی محبت سے مجبور ہو کر شیریں کو نقصان پہنچانے سے قاصر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہزار منصوبے بنانے کے بعد بھی اس میں ایک پر بھی عمل نہیں کر پایا تھا۔

''اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔ ایسا کیوں لگتا ہے تمہیں کہ تم بہت اچھے ہو اور پوری دنیا خراب ہے۔ اتنا زعم کیوں ہے تمہیں اپنی اچھائی پر؟'' وہ ضبط کرتے کرتے بھی چیخ پڑا تھا۔ وہ اس وقت شہر کے ایک مشہور ترین کافی شاپ میں موجود تھے۔ اس کے ایک دم چیخنے پر جہاں کتنے ہی لوگ متوجہ ہوئے تھے شہیر کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔

''بی ہیو یور سیلف زعیز عہ، یہ تمہارے گھر کا ڈرائنگ روم نہیں ہے۔'' وہ دبے دبے غصہ سے غرایا تھا اور وہ ہنستا چلا گیا۔

''اُف! ایک تو تم اور تمہاری مصلحتیں، جان جائے آن نہ جائے۔'' وہ ہنسی کے درمیان بمشکل بولا تھا اور شہیر بس ایک نظر اس پر ڈالتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''زندگی کی اتنی بڑی خواہش، اتنی بڑی خوشی تم صرف اپنی برائیوں کے سبب پا نہ سکے اور پھر بھی تمہیں اپنی برائیاں عزیز ہیں اور اس کے باوجود تم خود کو عقلِ کل سمجھتے ہو۔ عقل ہو سکتا ہے تم میں ہو مگر تمہیں زندگی گزارنا اور زندگی سے خوشیاں کشید کرنا نہیں آیا اس لیے تم میرے نزدیک بدنصیب نہیں بدعقل ہو کہ قسمت کو تدبیر سے بدلا جا سکتا ہے......''

''تم مجھے چیلنج کر رہے ہو ایس پی! مگر یہ مت بھولو کہ میں اگر تدبیر لڑانے پر آیا تو تم خالی ہاتھ رہ جاؤ گے۔'' وہ شہیر کی بات درمیان سے کاٹتا اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تنفر سے بولا تھا۔

''کوئی کسی کی قسمت نہیں چرا سکتا زعیز عہ خان، اتنا یاد رکھنا جو تم نہ پا سکے وہ تمہاری قسمت ہی نہ تھی۔ آگے پھر زندگی میں محض اپنی برائیوں کے سبب کہیں تم پھر کچھ نہ پا سکو صرف اس لئے تمہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ برائی کی دلدل سے نکل آؤ، حسین زندگی کہیں نہ کہیں تمہاری منتظر ہے۔'' وہ اس کے واضح طنز پر بھی گہری سنجیدگی و متانت سے بولا تھا۔

''یاد رکھنا ایس پی کہ جو میں کھو چکا وہ پا نہیں سکتا کہ زندگی کے چلتے کچھ سمجھ آیا یا نہیں میں یہ ضرور جان گیا ہوں کہ طاقت سے سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے، محبت نہیں، اور تم مجھے نصیحتوں کی مار مار سکتے ہو کہ تم نے محبت نہیں کھوئی ایک شب بھی کبھی اپنی محبت کے بناء گزارنی پڑ گئی تو پوچھوں گا کہ اچھائی کس چڑیا کا نام ہے۔''

وہ بہت چونک کر اسے دیکھنے لگا جس کی بے حد سرخ آنکھوں میں نمکین پانی کی تہہ شہیر کو بے حد بے چین کر گئی تھی۔

''تم اچھائی کا ڈھول گلے میں لٹکا کر پھر سکتے ہو، وقتاً فوقتاً اس پر اپنی اچھائی اور دوسروں کی برائی کی تھاپ فضا میں بکھیر سکتے ہو کہ تم حاصل کی بانہوں میں جھولنے والے لاحاصل کا کرب نہیں سمجھ سکتے اور یاد رکھنا میں تمہاری سوچ سے بڑھ کر برا ہوں مگر میرے اندر کی گندگی و برائی کبھی میری محبت کی راہ میں نہیں آئی میں نے برا ہونے کے باوجود کبھی اپنی محبت کے نصیب میں کوئی برائی نہیں لکھی اس کے باوجود تم مجھے برا کہتے ہو اور 'وہ' مجھے برا سمجھتی ہے جس کے لئے میں نے ہر برائی ترک کر دی کہ میں 'اس' سے ملنے سے قبل والا زعیز عہ خان

ہوتا تو ’وہ‘ نہ تمہاری بنتی نہ ہی ’تم‘ اسے پانے کے بعد زندہ ہوتے۔ میرے اندر کی برائی میری فطرت کی دین ہے تو میرے اندر کی اچھائی میرے محبت کی دین ہے۔ اگر ’تم‘ بہت اچھے ہونا تو اتنے برے تو ہم بھی نہیں، بس سب نصیبوں کا کھیل ہے، تمہارے نصیب نے تمہیں بخت اور ہیرا اور میرے نصیب نے مجھے بے مول پتھر بنا دیا ہے۔‘‘

وہ اپنی آنکھیں رگڑتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا اسے ساکت چھوڑ کر جا چکا تھا اور شہیر کو لگا تھا کہ رہی سہی کسر آج پوری ہوگئی۔ زعیزعہ خان کی آنکھوں میں جو چاہت کی جھلک اس نے چند دن قبل محسوس کی تھی آج وہ ہی محبت اسے شدتوں سے محسوس ہوئی تھی اور اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہونے لگا تھا۔

☆......☆......☆

’’ابران! اس طرح کیسے چلے گا، آپ اپنی صحت کی طرف سے بالکل ہی لاپرواہ ہوتے جا رہے ہیں۔‘‘ رویحا کی فکر میں ڈوبی آواز پر اس نے آنکھیں کھولی تھیں اور اس کی آنکھوں میں مچلتے آنسو دیکھ کر وہ مضطرب سا اٹھ بیٹھا تھا۔

’’ریا! میں بالکل ٹھیک ہوں، تم پریشان نہ ہو۔‘‘ وہ اپنے ازلی نرم لہجے میں بولا تھا اور اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

’’جس طرح آپ صبح وشام ہاسپٹل کے تو کبھی فراز بھائی کے گھر کے چکر لگا رہے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ آپ خدا نہ کرے بیمار نہ پڑ جائیں۔‘‘ وہ سوں سوں کرتی بولی تھی یکدم اس کی بے انتہا فکر پر وہ دھیمے سے ہنس دیا تھا۔

’’بھئی جس کی تمہارے جیسی کیئرنگ بیوی ہو اسے کچھ نہیں ہوسکتا۔‘‘ اس کے انداز میں شرارت تھی اور وہ اس کی اتنی لاپرواہی کے بعد بات ٹالنے پر تپ اٹھی تھی۔

’’فضول جوکز نہ سنائیں۔ میں یہاں اتنی پریشان ہوں اور آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے۔‘‘ وہ منہ بنا کر بولی تھی۔

’’تو کیوں پریشان ہو، میں بالکل ٹھیک ہوں فضول کی تم فکریں پال رہی ہو اور چاہتی ہو کہ میں تمہاری حماقت میں تمہارا ساتھ دوں تو خود بتاؤ کیسے کروں یہ بے وقوفی......‘‘

وہ صبح نو بجے کے قریب گھر سے نکلا تھا اور شام کے سات بجے گھر میں گھسا تھا۔ آفس کے کام اور میٹنگز بھگتائی تھیں۔ لنچ ٹائم میں ہاسپٹل ادیان کو دیکھنے اور واپسی میں فراز کی طرف ہوتا ہوا آیا تھا۔ گزشتہ ماہ سے یہی اس کی روٹین تھی، جس سے تنگ آ کر وہ بولی تھی کہ وہ چہرے سے ہی اداس وتھکا تھکا سا لگتا تھا کہ ادیان وفراز کی بیماری نے اسے ذہنی وجذباتی دونوں طرح سے متاثر کیا تھا، فراز تو ہمیشہ سے ہی اس کے لیے بہت اہم تھا اور ادیان جن حالات سے گزر کر کومہ میں گیا تھا یہ اس جیسے انسان کی برداشت سے باہر کی بات تھی اور وہ اپنی غلطیوں کے ازالے کے لئے جس طرح صبح وشام ہاسپٹل کے چکر کاٹ رہا تھا سب ہی اس کی صحت کو لے کر مضطرب تھے اور وہ بس سب ٹال جاتا تھا یہاں تک کہ نیناں شیرازی بھی بے حد مضطرب تھیں مگر ایک واحد وہ ہی تھیں جو اظہار نہیں کرتی تھیں کہ جانتی تھیں کہ ان کے بیٹے کو جب تک سکون نہیں ملے گا، جب تک ادیان صحت یاب ہو کر گھر لوٹ نہیں آئے گا۔

''آپ کو میری فکر، میری محبت بے وقوفی لگتی ہے......'' وہ رونا بھول کر قدرے ناگواری سے کہتی ناپسندیدہ نگاہوں سے اس کے خوبرو چہرے کو دیکھ رہی تھی جہاں تھکن نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔

''میری اتنی مجال کہ میں اپنی بیوی کے جذبات کی اتنی ناقدری کروں۔'' وہ نرمی سے مسکرا کر کہا اس کا ہاتھ تھام گیا تھا۔

''جب تم میری اتنی فکر کرتی ہو بہت اچھی لگتی ہو ریا، بہت زیادہ اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔ جب تم آنکھوں میں آنسو لیے مضطرب سی میرے چہرے کی اور نظر کرتی ہو، میری تکلیف اور تھکن کو بانٹ لینے کی خواہش کو جب میں تمہاری آنکھوں میں محسوس کرتا ہوں تو مجھے بہت اچھا لگتا ہے، مجھے اپنی تھکن اترتی سی محسوس ہوتی ہے۔'' وہ اس کے گلابی ہاتھ کی پشت کو انگلیوں سے نرمی سے سہلاتا نہایت ٹھہرے ہوئے لہجے میں بول رہا تھا۔ یکدم ہی اس کی پلکیں ارتعاش کا شکار ہونے لگی تھیں۔

''آپ مجھے باتوں میں لگا کر اصل موضوع سے ہٹا دینا چاہتے ہیں۔'' وہ دھیمے سے منمنائی تھی اور وہ ہنس دیا تھا۔

''بالکل بھی نہیں، کہ توجہ و محبت کی نظر کس کو بری لگتی ہے۔'' وہ نرمی سے اس کی بات کی نفی کرتا اس کے چہرے پر قوسِ وقزح کے رنگ بکھیرنے کا سبب بن گیا تھا۔

''بہت پریشان ہوں اور آفس اور ہاسپٹل کے چکر مجھے تھکا دیتے ہیں مگر جب میں تھکا ہارا گھر لوٹتا ہوں، تمہارے چہرے کی طرف دیکھتا ہوں تو میری تھکن اتر جاتی ہے، میں تو دن بھر مایوس رہتا ہوں، کبھی ادیان کی تو کبھی فراز کی حالت مجھے مضطرب کرتی ہے مگر جب میں ان کی تیمارداری کر کے گھر آتا ہوں تو تم مجھے سنبھال لیتی ہو، تمہارا فکر میں ڈوبا ایک جملہ، میری پیشانی پر ٹھہرا تمہارے ہاتھ کا لمس تمہاری آنکھوں میں ہلکورے لیتا نمکین پانی میرے اضطراب کو پرسکون کر دیتے ہیں، تمہاری پرواہ کرنا میری پریشانی کو دور کر دیتا ہے اور میں پھر نئے دن کے لئے تازہ دم ہو جاتا ہوں، تم ان برے حالات و برے وقت میں میرے لئے بہت بڑا جذباتی سہارا ہو ریا، اور تم یونہی میری دلجوئی کرتی رہو گی تو یقین رکھو مجھے کچھ نہیں ہوگا۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا دلکشی سے مسکرایا تھا۔

''میں آپ کے ساتھ ہوں ابران، اور یہ ہم سب کو ہی بہت اچھا لگتا ہے کہ آپ کو ادیان کی اتنی پرواہ ہے۔ آپ دن رات کا فرق بھلائے ادیان کو زندگی کی طرف لانے میں کوشاں ہیں مگر اپنا بھی تو خیال رکھیں نا آپ، کہ آنی آپ کو لے کر کتنی پریشان رہتی ہیں۔ جانتے ہیں نا ادیان کی وجہ سے ہی آنی کم تکلیف میں نہیں ہیں اور آپ کی وجہ سے کس قدر پریشان رہتی ہیں۔ ادیان کی فکر کریں، فراز بھائی کا بھی خیال رکھیں مگر خود کو بھی فراموش نہ کریں کہ آنی کو اور مجھے آپ کی بے حد ضرورت ہے۔'' ابران نے اس کی فکر کا اتنا خوبصورت جواب دیا تھا کہ وہ لاجواب ہو گئی تھی تا دیر کمرے میں گہری خاموشی چھائی رہی تھی مگر پھر وہ نیناں شیرازی کا خیال آتے ہی نرمی سے بولتی چلی گئی تھی۔ وہ یکدم مسکرا دیا تھا۔

''یہ ساری پٹیاں تمہیں ممی نے پڑھائی ہیں۔'' اس نے مصنوعی غصہ سے کہتے ہوئے اس کا کان پکڑ کر کھینچا تھا۔

''دادو نے پڑھائی ہیں کہ وہ ادیان کو ہی نہیں آپ کو اور آنی کو لے کر بھی بہت پریشان ہیں کہ آپ ادیان کی وجہ سے اپنی طرف

سے لاپرواہی برت رہے ہیں اور آنی آپ کی وجہ سے......'' وہ کان چھڑاتی اچھے بچوں کی طرح قبول کر گئی تھی۔ ''آپ کی زندگی میں زیادہ مسائل صرف اس لئے رہے کہ آپ نے زندگی میں توازن نہیں رکھا جب کہ زندگی میں، ہر رشتہ میں توازن ہو تب ہی رشتہ بہتر طور پر پنپ پاتے ہیں۔'' وہ دھیمے سے اس کی کمی بتاتی اسے بہت اچھی لگی تھی۔

''صحیح کہا تم نے، مگر میں اپنی شدت پسندی کے سبب توازن قائم رکھنے میں اکثر ناکام ہو جاتا ہوں۔'' اس نے نرمی سے اپنی کمی کا اعتراف کر لیا تھا۔

''ادیان کی حالت کا سبب کہیں نہ کہیں میری ذات بنی ہے اس لیے جب تک وہ صحت یاب نہیں ہو جاتا میں سکون نہیں پا سکتا ریا! کہ ادیان کو زندگی بھر میں نے کچھ نہ دیا اور وہ مجھ سے اتنی شدید محبت اتنی والہانہ عقیدت رکھتا ہے کہ مجھے اپنی ذات ادیان کے آگے بہت چھوٹی، بہت کمتر لگنے لگی ہے۔''

وہ آج پہلی دفعہ اس سے، اس سے ہٹ کر کوئی بات کر رہا تھا، اپنے احساسات اس کے ساتھ بانٹ رہا تھا۔

''شانیہ اس سب کے باعث جس طرح مجھ سے خائف ہیں یہ برداشت نہیں ہوتا ریا۔ کہ میں نے ادیان کا کبھی برا چاہا بھی تو کبھی اس کے ساتھ برا کر نہیں پایا، تو شانیہ، ادیان کی بیوی ہیں میں ان کا برا کیسے چاہ سکتا ہوں۔ ادیان کی بے پناہ محبت و عقیدت شانیہ کو مجھ سے اتنا خائف کر چکی ہے کہ وہ مجھے دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لیتی ہیں اور کوئی مجھ سے نفرت کرے یہ برداشت نہیں ہوتا، کوئی مجھ سے روٹھا ہے تو میں زندگی کو حسین کیسے محسوس کر سکتا ہوں۔'' اس کی آنکھیں ضبط سے لہو سمیٹ لائی تھیں۔

''بعض دفعہ ہمیں خود نہیں پتہ ہوتا کہ ہم کیا کر رہے ہیں، آپ کے ساتھ میرا رویہ کس قدر خراب رہا، شانیہ کی شادی کی شام میں نے آپ کو، آنی کو کس قدر تکلیف پہنچائی اس کے باوجود آپ دونوں نے ہی درگزر سے کام لیا، شانیہ بھی ادیان کی وجہ سے بس کچھ پریشان ہے، جن حالات میں شادی ہوئی پھر، شہناز آنٹی کی وفات اور ادیان کی بیماری کچھ بھی نظر انداز کئے جانے کے لائق نہیں اور شانیہ کو سنبھلنے میں وقت لگے گا اور جب ہم بہت پریشان، دکھی ہوتے ہیں تو ہم اپنے سے وابستہ لوگوں کو ہی تو جانے انجانے میں تکلیف دے جاتے ہیں جیسے میں نے آپ کو اور آنی کو دی اور جیسے اب شانیہ آپ کو اور سب کو ہرٹ کر رہی ہے مگر وقت کے ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بس آپ خود کو کسی بھی بات کے لئے بلیم کرنا چھوڑ دیں۔''

اس نے جو غلطیاں کی تھیں وہی غلطیاں شانیہ کر رہی تھی کہ انسان غلطی کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ اس کے اتنے اچھے انداز میں شانیہ کا دفاع کرنے پر نرمی سے مسکرا دیا تھا۔

''میری ریا کچھ سمجھدار ہوتی جا رہی ہے۔'' اس کے نرمی سے چھیڑنے پر وہ جھینپ کر ہنس دی تھی۔

''ویسے آپ مجھ سے خفا تو نہیں ہیں نا......؟'' وہ لب کا کونہ دانتوں تلے دبائے بڑی آس سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ناراض تو ہوں کہ جو میں ممی کے سامنے ظاہر ہونے کے باوجود عیاں کرنے سے خائف تھا تم نے سب کچھ ممی پر کھول دیا اور ممی

نے سب کچھ جان لینے کے بعد بھی اس بارے میں بات نہیں کی کہ ممی اس سب سے میری طرح خائف ہیں کہ کچھ باتیں عیاں نہ ہوں تب ہی زندگی کی خوبصورتی قائم رہتی ہے۔'' وہ جھوٹ نہیں بول پایا تھا جو بات دل میں تھی کہہ دی۔

''آپ بھول نہیں سکتے کہ آپ کی ناراضگی تو صاف محسوس ہوتی ہے۔ آج جھوٹ بول دیتے تو جھوٹی ہی تسلی ہو جاتی۔'' اس کی آنکھیں یکدم بھیگنے لگی تھیں۔

''جھوٹ ہی تو نہیں بول پاتا کہ منافقت نہیں آتی۔ تم نہیں جانتیں کہ تم نے مجھے سمجھا ہی نہیں کہ میں کتنا سینسئر ہوں۔ تم نے میری محبت پر شک کیا، مجھے کٹہرے میں کھڑا کر دیا اور تمہارے ہر سوال کا تو جواب دے رہا تھا، کوشش کر رہا تھا تمہیں اپنی وفا کا یقین دلانے کی مگر ممی کے سامنے عیاں ہو جانا سب کچھ میری انا کی موت کے مترادف ہے کہ تم نے ہم ماں بیٹے کی انا پر ضرب لگائی ہے اور ایسا کر کے تم نے مجھے بہت ہرٹ کیا مگر سچ یہ ہے کہ میں کتنا ہی ہرٹ کیوں نہ ہوا مگر تمہیں سزا نہیں دے سکتا کہ تم اب میرے وجود کا حصہ ہو اور اگر وجود کے ایک حصے میں تکلیف ہو تو نکال کر تو نہیں پھینکا جا سکتا نا، میں تم سے ناراض ہوں مگر تمہیں تکلیف بھی نہیں دینا چاہتا، بھول جانا چاہتا ہوں مگر بھول نہیں پاتا کہ توازن نہیں لا پاتا میں، میری شدت پسندی نے پہلے بھی خوار کیا اب بھی خواری ہی میرا نصیب ہے۔'' اس کے انداز میں تھکان در آئی تھی۔

''میرے لیے یہ کافی ہے کہ آپ نے مجھ سے جھوٹ نہیں بولا، دل میں ناراضگی رکھ کر دکھاوے کی تسلی نہیں دی۔ میرے ایک عمل نے آپ کو بہت ہرٹ کیا، ہمارے درمیان بہت سے فاصلے آ گئے ہیں مگر میں پھر بھی مطمئن ہوں کہ مجھے یقین ہے کہ چند رتیں جو روٹھ کر گزر جائیں گی انہیں ہم ایک دن منانے میں کامیاب ہو جائیں گے کہ زندگی کی خوبصورتی تو مشروط ہی روٹھنے، منانے سے ہے اس لئے مجھے پوری امید ہے کہ میری محبت میری توجہ ایک دن آپ کی ناراضگی کو سمیٹ لے گی اور پھر ہم آنے والی ہر رت کو اس کے حق کی طرح گزاریں گے۔''

وہ اسے دیکھنے لگا جو اظہار کے معاملے میں بہت کنجوس تھی مگر جب اظہار کی منزل طے کرتی تھی تو اسے اندر تک شانت کر دیتی تھی۔ وہ یکدم خود کو بہت پرسکون محسوس کرنے لگا تھا۔

''میں بس اتنا کہوں گی آپ سے کہ آپ میری وجہ سے آنی کو تکلیف نہ دیں ان سے اپنی ناراضگی دور کر لیں کہ انہوں نے......''

''پلیز ریا! ممی اور میرے درمیان نہ آؤ کہ یہ حق تو ڈیڈی کو بھی نہیں دیا......''

وہ اس کی غیر معمولی سنجیدگی سے یکدم خائف ہو گئی تھی۔

''میں ممی سے ناراض ہوں یا نہیں، یہ ممی اور میرا آپسی معاملہ ہے۔''

''جی لیکن......اس بار وجہ میں......''

''نہیں ریا، ممی اور میں ایک دوسرے سے اپنے لیے خفا ہیں۔ وجہ تم نہیں ہو کہ ممی اور میرا رشتہ اتنا کمزور نہیں ہے کہ کسی بھی وجہ سے

ہمارے درمیان فاصلے آجائیں، ممی تو میرا عشق ہیں اور عشق کے مرحلے بڑے دشوار کن ہوتے ہیں، ممی ایک لمحہ کے لئے مجھے بھول گئیں اور تمہیں یاد رکھا یہ میرے عشق پر ضرب کے مترادف ہے۔ ابھی میں اور ممی ایک دوسرے سے بھاگ رہے ہیں مگر کب تک کہ ممی سے زیادہ دن خفا رہا تو مر ہی جاؤں گا۔''

وہ دہل کر اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔

''بھول جاؤ وہ سب ریا کہ وہ سب ایسے ہی ہونا تھا، بس تم خوش رہا کرو کہ تمہاری خوشی سے میری خوشیاں وابستہ ہیں اور تم سے میں نہیں میرا وہ عشق روٹھا ہے جو سچے من سے تمہارے لئے خوشیاں تلاشنے لگا تھا کہ شادی کیسے ہی حالات میں ہوئی جب تمہیں اپنا لیا تو سب کچھ مان لیا اور جس دن تم مجھ پر سو فیصد دل کی گہرائیوں سے من کی سچائی سے اعتبار کر لو گی میرے جنون کو سمجھ لو گی۔ میرا عشق اوڑھ لو گی اسی پل جنونِ عشق کی روٹھی رت ہمارے اچھے برے وقت کا صدقہ بن کر ہماری زندگی سے غائب ہو جائے گی اور پھر میں اور تم ہوں گے اور پیار کی رتیں ہوں گی، عشق کے مرحلے ہوں گے، جنوں کی بازیاں لگیں گی بس تم اپنے دل سے ہر ایک شک، ہر ایک گلہ، ہر ایک بدگمانی نکال دو، میری وفاؤں پر یقین رکھو کہ پہلی نظر کی محبت جو تھی وہ اٹھی، بنی دل کے نہاں خانوں میں کب کی دفن ہو چکی اب تو میرا عشق، میرا جنوں میرے پیار کی رت صرف 'تم' ہو۔ میری زندگی کی ہر بہار تمہارے دم سے ہے، اس لیے تم مان جاؤ، میں بھی مان جاؤں گا۔ میں روٹھا ہوں تم منا لو، تم روٹھو گی میں منا لوں گا کہ جنونِ عشق کی رت کو روٹھا رہنے نہیں دیں گے۔'' وہ دھیمے مخمور لہجے میں کہتا اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا تھا وہ یکدم نظر چرا گئی تھی اس سے یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ اعتبار تو آ گیا ہے مگر یہ وہ بھول نہیں پاتی کہ ابران اپنی محبت صرف اس کی وجہ سے نہ پا سکا اور احساسِ شرمندگی سے نکلنے کو کچھ اور وقت درکار تھا۔ وہ اس کے نظر چرانے پر بے چین ہوا تھا مگر پھر خود کو سنبھال گیا تھا کہ جانتا تھا کہ اس کی نسوانی انا مجروح ہوئی تھی اسے اعتبار آنے میں وقت لگے گا اور وہ پر امید تھا کہ وہ اس کے ساتھ بہت مخلص تھا اور مخلص انسان کو دیر سے ہی سہی زندگی کی سچی راحتیں نصیب ضرور ہو جاتی ہیں۔ ابران نے اس کے مان جانے کی دعا کرتے ہوئے اسے اپنی اور کھینچا تھا اور وہ حیا سے سرخ پڑتی اس کے مان جانے کی دعا کرتی اس کے سینے پر سر ٹکا گئی تھی کہ اسے امید ہو چلی تھی کہ جنونِ عشق کی روٹھی رت زیادہ سے تلک انہیں نہیں تڑپائے گی کہ ہر خزاں کے بعد بہار کی رت ضرور جلوہ گر ہوتی ہے۔

سنا ہے جنونِ عشق کی روٹھی رت بھی دعا دیتی ہے اسے
ہجر کی رات میں وصلِ امید کو جو پھر سے زندہ کر دے!

☆......☆......☆

''فار گاڈ سیک شیریں! بند کر دو پاگل پنے کی باتیں۔'' وہ ضبط ہارتا چیخ پڑا تھا وہ سہم کر اسے دیکھنے لگی تھی کہ شادی کے بعد یہ پہلی دفعہ تھا کہ وہ اس پر یوں غصہ ہو رہا تھا۔

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ہم اپنی اولاد کسی کو نہیں دے سکتے۔ سنا تم نے میں اپنی اولاد کسی کو نہیں دوں گا۔''

وہ تقریباً ماہ، دو ماہ سے اس پر دباؤ ڈال رہی تھی اور آج اس کی برداشت ختم ہوگئی تھی جبکہ دستک کو اٹھا رابعہ سالار کا ہاتھ ہوا میں معلق ہوگیا تھا۔ بند دروازے کو توڑ کر آتی بیٹے کی آواز پر وہ بھونچکارہ گئی تھیں۔

''آپ بھی سن لیں کہ آپی کسی نہیں ہیں اور آپی کے ایثار کو آپ فراموش کر گئے ہوں گے، میں ان کی قربانی کو بھولی نہیں ہوں۔'' وہ بری طرح روتے ہوئے بولی تھی مگر اس کا لہجہ اتنا مدھم تھا کہ آواز کمرے کی فضا میں ہی گھٹ گئی تھی جبکہ یکدم ہو جانے والی خاموشی انہیں بے چین کرنے لگی تھی کہ تھی تو غیر اخلاقی حرکت مگر جو وہ سن چکی تھیں اس کے بعد وہ وہیں جم گئی تھیں انہیں یاد آنے لگا تھا کہ کچھ دنوں سے وہ سب ہی شیریں اور شہیر کے درمیان سرد مہری سی محسوس کر رہے تھے سبب یہ ہوگا کہ انہوں نے تصور بھی نہ کیا تھا وہ بیٹے کی آواز پر یکدم چونک اٹھی تھیں۔

''بکواس بند کرو شیریں، بار بار یہ مت جتاؤ کہ یمانی آپی سے ہمارا کیا رشتہ ہے۔ وہ کسی نہیں ہیں اور وہ ہمارے لیے کیا قربانی دے چکی ہیں۔ بس اتنا یاد رکھنا کہ آپی کا یہ فرض زندگی میں کبھی نہیں اتار سکتے ہم، اور جو راہ تم نے سوچی یہ بالکل بھی ممکن نہیں کہ جو تمہیں ابھی آسان لگ رہا ہے یہ انتہائی مشکل ہے۔ اپنی اولاد کسی کی جھولی میں ڈال دینا اتنا ہی آسان ہوتا تو دنیا میں کوئی بے اولاد ہو کر بھی بے اولاد نہ ہوتا سب اولاد کا سکھ اٹھا رہے ہوتے۔''

غصہ، بے بسی و دکھ میں ڈھل گیا تھا اور وہ اسے بحث پر آمادہ دیکھ کر دروازہ کھول کر باہر نکلنے کو تھا کہ ماں کو دیکھ کر ٹھٹک کر رک گیا تھا جبکہ وہ خود کو کمپوز کرنے میں ناکام ہوتیں اسے اپنے کمرے میں آنے کا کہتیں وہاں سے ہٹ گئی تھیں اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ماں کی خدمت میں نہ صرف حاضر ہوا، انہیں شیریں کی ضد سے بھی آگاہ کر گیا تھا۔

''جو تمہیں شیریں کی ضد لگ رہی ہے یہ اس کی یمانی کے لیے محبت ہے شہیر، اور یہ فیصلہ تم مت سمجھنا کہ شیریں نے بہت آسانی سے لیا ہوگا۔'' وہ جو ماں کی حمایت کے انتظار میں تھا انہیں حیرانگی سے دیکھنے لگا تھا۔

''جس اولاد کو تم نے دیکھا نہیں، جس کو تم نے محسوس تک نہیں کیا اسے کسی کو دینے کے خیال سے ہی تم ہراساں ہو اور شیریں جو پل پل اپنے وجود میں سینچتی اپنی اولاد کو یمانی کی جھولی میں ڈالتے ذرا بھی خوف کا شکار نہیں تو یہ صرف اس کی محبت، اس کی اچھائی ہے کہ جو کمی اس کے باعث یمانی کی زندگی میں آگئی وہ بس اسے دور کرنا چاہتی ہے اور تم اس کے احساسات کو سمجھنے کی بجائے، اس کے جذبات کی قدر کرنے کے بجائے الٹا اس پر خفا ہو رہے ہو۔ کس لہجے میں تم شیریں سے بات کر رہے تھے اندازہ ہے تمہیں؟'' وہ نرمی سے کہتیں، خفگی سے بیٹے کو دیکھنے لگی تھیں۔

''سب اندازہ ہے اور میں شیریں کے جذبات کی قدر کرتا ہوں مگر یہ فیصلہ بہت برا ہے مما۔ میں ایسا بہت چاہ کر بھی نہیں کر سکتا......''

''شیریں کر سکتی ہے تو تم کیوں نہیں؟''

وہ ماں کے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پر انہیں حیرانگی سے دیکھنے لگا تھا۔

''مما، آپ شیریں کے فیصلے کے ساتھ ہیں......'' اس کی آواز جیسے گہری کھائی سے نکلی تھی۔

''نہیں...... کہ تمہاری اولاد کے لیے تم نے ہی نہیں میں نے، ہم سب نے بھی بہت سے خواب سجائے ہیں اور شیریں اگر ایسا چاہتی ہے تو غلط نہیں ہے، ہاں مشکل ضرور ہے اور تمہیں یا شیریں کے فیصلے کا ساتھ دینا ہے یا نرمی سے اسے اپنے فیصلے پر راضی کرنا ہے جو بات آج میرے علم میں آئی، کل کو کسی اور کے علم میں بھی آ سکتی ہے اور یاد رکھنا کہ اب یہ بات اس گھر کی چار دیوار سے نکلی اور یمانی و شہباز تک پہنچی تو وہ کتنا ہرٹ ہوں گے اس لیے میں نہ یہ کہوں گی کہ تم شیریں کی بات مان لو نہ ہی شیریں کے ماننے سے منع کروں گی کہ میں نے زندگی میں کبھی یکطرفہ فیصلہ نہیں کیا۔ میرے پیش نظر ہمیشہ سب کی بھلائی رہی اس لیے شیریں کے فیصلے سے دکھ ضرور پہنچا ہے مگر مجھے اپنی بہو پر فخر بھی محسوس ہو رہا ہے۔'' وہ انتہائی سچائی اور صاف دلی سے بولی تھیں۔ وہ آگے سے کچھ نہیں بولا تھا کہ ماں کی اچھائی کا معترف تھا کہ آج وہ جو کچھ بھی تھا سب وہ ہی تو تھیں کہ ان کی نیک تربیت نے ہی ہمیشہ زندگی کے ہر مقام پر اس کا سر فخر سے بلند رکھا تھا اور یہ رابعہ سالار کا ہی حوصلہ تھا کہ بیٹے کی جان کو خطرے میں محسوس کرنے کے باوجود شیریں کو بہو بنایا تھا کوئی عام عورت ہوتی تو ایسا نہ کر پاتی۔

''یاد رکھنا شہیر، زندگی میں اپنوں کے لئے قربانیاں دینی پڑتی ہیں اور وہی خوش و مطمئن رہتے ہیں جن کی ذات سے ان سے وابستہ لوگ کچھ نہ کچھ حاصل کرتے رہتے ہیں کہ لینے والے سے دینے والا زیادہ بڑا ہوتا ہے۔'' وہ نرمی سے بولتے ہوئے مسکرائی تھیں کہ تکلیف تو ہوئی تھی مگر کہیں نہ کہیں وہ شیریں کے فیصلے سے کافی مطمئن تھیں کہ یمانی کی سونی ہو جانے والی گود اور ختم ہو جانے والی آس تو انہیں اب تک بے چین رکھے ہوئے تھی۔ شیریں کے فیصلہ پر ان کا دل جھک گیا تھا۔

''مما، میں اپنا بیٹا یمانی آپی کو دے دوں گا......'' اندر آتے سالار مصطفیٰ بری طرح ٹھٹک گئے تھے۔ انہوں نے ایک نظر بیٹے پر ڈال کر بیوی کو دیکھا تھا جو کافی مطمئن لگی تھیں۔ انہیں یکدم گونا گو سکون کا احساس ہوا تھا اور شہیر کی اگلی بات رابعہ سالار کو متحیر کر گئی تھی جبکہ وہ بہت پرسکون رہے تھے کہ بیٹے کے فیصلے سے پہلے سے ہی آگاہ تھے۔

''جب شیریں نے پہلی دفعہ اس خواہش کا اظہار کیا تو میں حیران ہی نہیں ہوا تھا اس پر بہت خفا بھی ہوا تھا اور اس سے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے جب کمرے سے باہر رات گزاری تھی یہ بات پاپا سے چھپی نہیں رہی تھی اور میں ہمیشہ کی طرح پاپا سے کچھ نہیں چھپا پایا تھا اور یہ میں بہت فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ میرے والدین دنیا کے بہترین والدین ہی نہیں، بہترین انسان بھی ہیں۔ آپ کا اور پاپا کا ردعمل تقریباً ایک سا ہی تھا۔ پاپا نے سب کچھ مجھ پر اور شیریں پر چھوڑ دیا تھا۔ شیریں کا ہر گزرتے دن کے ساتھ مطالبہ بڑھ رہا تھا اور میری ناراضگی و غصہ بھی بڑھتا جا رہا تھا کہ کچھ ہفتوں قبل پولیس اسٹیشن سے واپسی پر میری ملاقات یمانی آپی اور شہباز بھائی سے ہوگئی۔'' وہ دھیمے دھیمے تمام تر تفصیل ان کے گوش گزار کر رہا تھا۔

''نیناں ولاز سے واپسی پر شہباز بھائی کی بائیک کا ٹائر پنکچر ہو گیا تھا اور انہیں سڑک کے کنارے پریشان دیکھ کر میں ان تک پہنچا ہی تھا کہ تب ہی وہاں سے ایک ینگ کپل گزرا تھا۔ لڑکی کی گود میں ایک چھوٹا بچہ تھا اور یمانی آپی کی نظریں اس پر لگی تھیں۔ ان کی آنکھوں

میں حسرت دیکھ کر مجھے اپنی حسرتیں کم پڑتی محسوس ہوئی تھیں۔ وہ عورت وہاں سے جا چکی تھی مگر آپی کی نظریں وہیں لگی تھیں اور ان کی آنکھوں سے گرتا نمکین پانی، میرے اندر وحشت سی اتار گیا تھا کہ کانوں میں شیریں کا مطالبہ گردش کرنے لگا تھا۔ میں نے خود کو کمپوز کر کے شہباز بھائی کو لفٹ آفر کی تھی اور انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ مجھے پریشانی نہ ہو تو میں یمانی آپی کو گھر چھوڑ دوں وہ پنکچر لگوا کر خود ہی گھر پہنچ جائیں گے اور یوں یمانی آپی کو میں نے ان کے گھر چھوڑا تھا پورے راستے وہ بہت خاموش رہی تھیں اور ان کی بھیگی پلکیں مجھے مضطرب کرتی رہی تھیں اور آگے سے میں بھی ان سے کچھ کہہ نہیں پایا تھا اور ان کا گھر آ گیا تھا۔ آپی اسی خاموشی سے گاڑی سے اتر گئی تھیں، فارمیلٹی کے طور پر بھی نہ انہوں نے شکریہ ادا کیا تھا نہ ہی مجھے اپنے گھر میں آنے کو کہا تھا اور مجھے پھر بھی برا نہیں لگا تھا کہ میں ان کی ذہنی حالت کو سمجھ رہا تھا میں نے دکھی دل کے ساتھ گاڑی بیک کی تھی اور میری نظر ان کے پرس پر پڑی تھی اور نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے دروازے پر دستک دی تھی۔ کوئی آواز نہ پا کر میں نے کھلے دروازے سے اندر قدم رکھ دیا تھا اور اس دن میں وہاں نہ جاتا تو شاید کبھی اتنا بڑا فیصلہ نہیں کر پاتا۔'' وہ لحظہ بھر کو رکا تھا۔ وہ گہری سنجیدگی سے مکمل بیٹے کی جانب متوجہ تھیں جو پھر اپنی بات جاری کر چکا تھا۔ ''یمانی آپی صحن میں رکھی چارپائی پر گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھیں۔ میں نے انہیں آواز دی تھی اور انہوں نے سر اٹھا کر میری جانب دیکھا تھا۔ ان کی آنکھوں کی ویرانی، ان کی آنکھوں کا خالی پن دیکھ کر میرے ہاتھ سے بیگ چھوٹا تھا اور میں الٹے قدم ان کے گھر سے نکل آیا تھا بعد میں جب جب شیریں کا مطالبہ بڑھا میری آنکھوں کے سامنے آپی کا اداس چہرہ آ گیا۔ میں فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ میں نے تمام بات پاپا کو بتا دی تھی اور پاپا نے سب سن کر مجھ سے کہا تھا۔'' وہ لحظہ بھر کو رکا اور باپ کے الفاظ دہراتا چلا گیا تھا۔

''شہیر۔ اولاد کے لئے جو درد ایک ماں سہتی ہے وہ باپ تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ایک ماں نے درد سے گزر کر صرف شیریں کی محبت میں، اس کی حفاظت کے خیال سے اپنی اولاد کھو دی اور ایک ماں، اسی ایثار کو سمجھ کر اپنی ممتا تقسیم کر لینا چاہتی ہے اور یہ حوصلہ ایک ماں ہی دکھا سکتی ہے۔ یہ حوصلہ باپ کے بس کا نہیں مگر تم اگر یہ حوصلہ کرتے ہو تو بہت سے لوگوں کی محرومیاں ختم ہو جائیں گی کہ شیریں کا مطالبہ اور پھر یمانی کا درد تم پر عیاں ہونا، یہ عام بات نہیں ہے یہ خدا کا فیصلہ ہے اور جب ایک ماں کے لیے ایک ماں اپنی ممتا کی قربانی دے سکتی ہے تو ایک باپ کیوں نہیں؟ اگر تم ایسا کرتے ہو تو شہباز و یمانی کی محرومی ہی ختم نہیں ہوگی رب تم سے راضی ہو جائے گا کہ اپنوں کے لیے اپنی پیاری چیز قربان کر دینا ہی تو اصل محبت ہے اور اگر یمانی اپنی محبت کا حق ادا کر سکتی ہے تو تم اور شیریں کیوں نہیں؟ کہ یہ سچ ہے کہ یمانی کے ساتھ جو ہوا رب کی رضا تھی کہ تمام فیصلے تو وہی کرتا ہے اور کہیں نہ کہیں یہ بھی رب کا فیصلہ ہے تم اس پر غور ضرور کرو اور اگر ذہن و دل آمادہ ہوں تو اپنی اولاد شہباز و یمانی کو سونپ دو۔ آگے جو تمہیں ٹھیک لگے کہ یہ فیصلہ جبر سے نہیں محبت سے لو گے تو ہی بات سنے گی۔''

سالار مصطفیٰ کے الفاظ دہرا کر وہ خاموش ہو گیا تھا۔ خاموشی بڑھنے لگی تھی اور وہ بے چینی سے محسوس کرنے لگی تھیں انہوں نے بیوی کے ہاتھ پر دباؤ ڈال کر پرسکون رہنے کو کہا تھا تب ہی وہ پھر بولنے لگا تھا۔

''میں نے جب زیادہ غور کیا تو مجھے لگا کہ ایسا تو کہیں نہ کہیں میں بھی چاہ رہا تھا مگر یہ فیصلہ لینا اتنا آسان نہ تھا اس لیے میں نے

اللہ سے دعا کی، استخارہ کیا اور مثبت اشارے محسوس کرنے کے بعد کچھ مطمئن ہو گیا اور میں نے پاپا سے کہا کہ ہم اپنی اولاد یمانی آپی کو دے دیں گے۔ پاپا میرے فیصلے سے اداس ہوئے مگر مطمئن بھی تھے انہوں نے میرے فیصلے کو بہت سراہا۔ میں شیریں کو بھی اپنے فیصلے سے آگاہ کرنے والا تھا کہ میرے ذہن میں آیا کہ کہیں میں اور شیریں کمزور نہ پڑ جائیں اس لیے میں نے شیریں کو اپنے فیصلے سے آگاہ نہیں کیا اور اب تک اس کے فیصلے کی مخالفت کر رہا ہوں مجھے بس اب اس دن کا انتظار ہے جب میرا بیٹا اس دنیا میں آنکھ کھولے گا اور اسے دیکھنے کے بعد بھی میں اور شیریں اپنے فیصلے پر قائم رہے تو ہم اپنی پہلی اولاد یمانی آپی کو سونپ دیں گے اور اگر ناکام ہو گئے تو......‘‘

وہ یکدم رکا تھا، پلٹا تھا اور کمرے سے نکل گیا تھا۔ اس کے یوں بات ادھوری چھوڑ کر جانے پر رابعہ ہی نہیں وہ بھی مضطرب ہو گئے تھے۔

’’یہ شہیر اس طرح بات ادھوری کیوں چھوڑ گیا......؟‘‘

’’جو فیصلہ شہیر و شیریں لینا چاہ رہے ہیں، لینا آسان ہرگز نہیں ہے دونوں کو اپنی ہمتیں خود بکھیرنے اور سمیٹنے کے مرحلوں سے گزار لینے دو کہ ذہن و دل کی آمادگی سے ہی فیصلہ کریں گے تو پرسکون رہیں گے ورنہ جانتی ہو نا اولاد کتنی بڑی آزمائش بن جاتی ہے۔‘‘ وہ آزردگی سے بولے تھے۔

’’آپ ان بچوں کے فیصلے سے خوش ہیں؟‘‘ آنسو ان کی آنکھوں سے گرنے لگے تھے۔

’’خوش تو نہیں ہوں مطمئن ضرور ہوں کہ یمانی کو کبھی خوشی سے کم نہیں سمجھا اور جب خوشی کی خوشی کے لئے ہر ممکن کوشش کرتا ہوں تو اس فیصلے سے یمانی کی خوشی جڑی ہے تو میں مخالفت نہیں کر سکتا کہ بیٹاں تو سانجھی ہوتی ہیں، جب اپنی بیٹی کو دکھی نہیں دیکھ سکتا تو شہود کی بیٹی کو کیسے دکھ میں دیکھ سکتا ہوں۔‘‘ وہ ان کے پہلو سے اٹھ گئے تھے۔ یعنی اپنا دکھ ان سے چھپانا چاہ رہے تھے۔

’’یمانی، شہود کے حوالے سے ہمیشہ عزیز رہی، اس بچی پر بہت بڑا غم کا پہاڑ آن گرا ہے اور سچ کہوں نا رابی، تو اس بار میں خودغرض بن کر فیصلہ کرنا چاہتا ہوں......‘‘ وہ ضبط سے پڑتے سرخ چہرے کے ساتھ ان کی طرف گھومے تھے جو ان کی ہی طرح کی فیلنگز کا شکار تھیں۔

’’مگر جب سیڑھیوں کا وہ منظر آنکھوں میں گھومتا ہے کہ کیسے یمانی ہماری شیریں کو محفوظ کرتے ہوئے خود گر گئی تھی تو اس کا وہ قرض اس کا وہ احسان مجھے پہلی دفعہ خودغرض تک بننے نہیں دے رہا۔‘‘ ان کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں ان کے اندر کی اچھائی کسی کا برا نہیں چاہ سکتی تھی اور انجانے میں جو تکلیف ان کی اولاد کی وجہ سے یمانی و شہباز کو پہنچ گئی تھی وہ اس کا ہر حال میں ازالہ چاہتے تھے۔

’’میں جانتا ہوں جو یمانی نے کیا اس کے بعد ہم اس کا قرض زندگی بھر نہیں چکا سکتے مگر کوشش تو کر سکتے ہیں اسی خیال سے میں نے شیریں کے فیصلے کی حمایت کی۔‘‘

’’کیوں ایسے بول رہے ہیں کیا میں آپ کو جانتی نہیں، جو آپ اپنی اچھائی و نیکی کو قرض کا نام دینا چاہ رہے ہیں۔‘‘ وہ ان کی بات کاٹتے ہوئے بولی تھیں اور وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دیئے تھے۔

’’دعا کرنا رابی کہ ہمارے بچے کمزور نہ پڑیں کہ واقعی یہ قرض چکانے کی کوشش نہیں بس محبت کی ترویج کی اک کوشش ہو گی۔

رشتوں کو مضبوط کرنے، جوڑے رکھنے کی ایک کڑی، یمانی وشہباز کی خوشیاں واپس لانے کے لئے ایک احسن قدم جسے ہمارا اللہ ہم سب کے حق میں، خاص کر شیریں وشہیر کے حق میں بہتر کر دے کہ ہمارے شہیر کی آنے والی اولاد ہمارے شہیر کی کمزوری نہیں طاقت بن جائے اوراس طاقت سے رشتے مضبوط ہو جائیں۔'' وہ یکدم خود کو سنبھالتے ہمیشہ کی طرح بہت پرامید تھے۔

''آمین۔'' وہ نم لہجے میں بولی تھیں اور سالار مصطفیٰ بیوی کے متورم چہرے کو دیکھتے دھیمے سے پوچھ گئے تھے۔

''تمہیں اس فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں......''

''والدین کا فرض ہوتا ہے کہ اولاد کی نیک کاموں میں حوصلہ افزائی کریں اور میرا بیٹا اگر ایک اچھا کام کرنے جا رہا ہے تو میں رکاوٹ کیسے بن سکتی ہوں۔'' وہ نم آنکھوں سے مسکرائی تھیں وہ یکدم مطمئن ہو گئے تھے ان دونوں کی سوچ بہت بلند تھی وہ تمام عمر اپنے لیے نہیں خود سے وابستہ لوگوں کے لئے جیئے تھے اور خود سے وابستہ لوگوں کے لئے روشن مینار ثابت ہوئے تھے کہ فی زمانہ اتنا مخلص ہونا اور بے لوث محبت کرنا بھی خاصے کی بات تھی اور وہ اپنے رب کی مہربانی سے ایسے خاص لوگوں میں شمار ہوتے تھے جو دوسروں کی راحت کے لئے دکھ تک ہنسی خوشی برداشت کر لیتے ہیں۔ یہ سالار مصطفیٰ ہی تھے جنہوں نے مرتے ہوئے شہود کے سکون کے لیے ارمان شیرازی کو وعدہ پر اکسایا تھا جبکہ اس وجہ سے انہوں نے کتنا سفر کیا تھا ان کی جان سے پیاری بہن کیسے کیسے تڑپی تھی اور آج تک تڑپ رہی تھی مگر انہوں نے دوسروں کے سکھ کے لیے اپنے دکھوں کی بھی پرواہ نہیں کی تھی۔ نیناں ان سے خفا ہوئی تھی، بدگمان ہوئی تھی اور وہ سب بھی حوصلہ سے سہہ گئے تھے اور ان کا حوصلہ ہر بار رابعہ بنی تھیں کہ اگر وہ خود اچھے تھے تو ان کی بیوی بہت اچھی تھیں اور ان دونوں کی نیک سوچ ان کی اولاد میں پروان چڑھی تھی اور وہ اپنے ماضی سے مطمئن تھے، حال سے مطمئن تھے اور مستقبل کی ڈور مستقبل لکھنے والے اللہ پر چھوڑے سکون سے مسکرا دیئے تھے۔

☆......☆......☆

''شانیہ!'' رویحا اس کی اور اپنی چائے کا مگ ٹیبل پر رکھتی عین اس کے سامنے والی کین کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے اسے پکار گئی تھی جو اس کی پکار پر خیالوں سے نکلتی مسکرا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''شکریہ! اس وقت چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی۔'' اس نے نرمی سے بولتی شانیہ کو دیکھا تھا جو بہت خوبصورت تھی اور اس کی سوگواریت اس کے حسن کو چار چاند لگاتی تھی وہ گہری سانس کھینچتی نظر اس کے حسین چہرے سے ہٹا گئی تھی وہ کافی عرصہ سے شانیہ سے بات کرنا چاہ رہی تھی مگر اس کی ہمت نہیں پڑتی اور وہ یہ ہمت کبھی چاہ کر بھی کر نہیں سکتی تھی کہ جانتی تھی ایسا کرے گی تو ابران کی انا اور وفا مجروح ہوں گے اور وہ جو ماں کے سامنے کھلی کتاب کی مانند تھا ان کے سامنے اس کی کچھ کہنے پر اب تک اس سے ہی نہیں خود سے بھی روٹھا ہوا تھا اگر وہ شانیہ سے کچھ کہہ دیتی، کچھ پوچھ لیتی تو ایک اور ناقابل تلافی جرم اپنے اعمال میں شامل کرنے کی سزاوار ٹھہرتی اس لیے وہ اس سے بہت چاہ کر بھی کچھ نہیں پوچھتی تھی۔

''تم اتنی خاموش کیوں رہتی ہو، سب کے ساتھ مل کر ہنسا بولا کرو۔'' رویحا کے انداز میں اس کے لیے فکر تھی۔

''خاموش تو نہیں رہتی کہ عادت ہی نہیں بولنے کی گھر میں صرف امی اور بھائی ہوتے تھے۔امی ضرورتاً بولتی تھیں اور بھائی کی اپنی مصروفیات تھیں اس لیے کبھی سوچنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی کہ میں خاموش رہتی ہوں یا بہت بولتی ہوں۔'' وہ چائے کے سپ لیتے ہوئے دھیمے سے بولی تھی۔

''ویسے انسان کو اکلوتا نہیں ہونا چاہئے کہ دکھ سکھ بانٹنے والا تو زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر مل جاتا ہے مگر شوخی وشرارت کی تو ایک عمر ہوتی ہے جو بیت جائے تو ان کہی کسک چھوڑ جاتی ہے کہ دکھ سکھ ضروری نہیں کہ بھائی بہنوں سے ہی بانٹے جائیں البتہ شوخی وشرارت کے بے فکرے لمحے تو بھائی بہنوں کے ساتھ میں ہی خوبصورتی سے بیتتے چلے جاتے ہیں۔'' رویحا یکدم اداس نظر آنے لگی تھی اور وہ اس کی کسی بھی بات سے اختلاف نہیں کر پائی تھی کہ کچھ ایسے محسوسات کا وہ خود بھی تو بچپن سے شکار رہی تھی۔

''ٹھیک کہا آپ نے بھابھی......'' وہ آزردگی سے مسکرائی تھی۔

''اس گھر میں ادیان کے بعد تم مجھے بھابھی کہتی ہو ورنہ مجال ہے جو کبھی ایمان، شیریں وغیرہ قابو میں آجائیں۔'' رویحا ماحول کے بوجھل پن کو دور کرتے کرتے دھیمے سے بولتی مسکرائی تھی جبکہ شانیہ کے چہرے پر سائے سے لہرانے لگے تھے۔

''اللہ پر بھروسہ رکھو شانیہ، ہمارے ادیان کو کچھ نہیں ہوگا۔'' وہ اتنے یقین سے بولی تھی کہ شانیہ کی آنکھوں میں آنسو ٹھہر گئے تھے۔

''زندگی ایک دم کتنی اجنبی سی ہوگئی ہے۔امی نہیں رہیں اور ادیان......'' اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''زندگی اور موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے اور جب تک سانس ہے، جب تک آس ہے۔تم اللہ کی رحمت سے کبھی بھی مایوس مت ہونا کہ رات کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہو، ہوتی رات ہی ہے جس کے پہلو سے صبح کی کرن نمودار ہوتی ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ ایک دن سب ٹھیک ہو جائے گا، ادیان تمہارے لئے موت کو شکست دے کر زندگی کی طرف لوٹ آئے گا۔'' رویحا نیر بہاتی شانیہ کو دیکھتے ہوئے پریقین لہجے میں بولی تھی۔

''مایوس نہیں ہوں میں، لیکن مجھے زندگی کے ہوتے ہوئے بھی زندگی محسوس نہیں ہوتی......''

شام کا آخری پہر تھا وہ دونوں لان میں کین کی کرسیوں پر آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔لان کی ہر شے سوگوار تھی اور اڑتے، بھاگتے، دوڑتے پنچھی اپنے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے اور اسے تو یہ تک اندازہ نہ تھا کہ اس کو آنسو دے کر جانے والا کبھی لوٹ کر آنے بھی والا تھا کہ نہیں......؟

''میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا، جب میں کڈنیپ ہوئی، اس کے بعد مجھے زندگی محسوس نہیں ہوتی تھی، چارسو اندھیر انظر آتا تھا اور اس گھپ اندھیرے میں ابران زندگی کا پیام بن کر آئے مگر پھر بھی مجھے زندگی محسوس نہیں ہوتی تھی......''

وہ اس کی بات کی حمایت یا تردید کرنے کے بجائے اپنی داستان لے بیٹھی تھی اور وہ اپنے آنسو رگڑتی، آنسو پینے کی کوشش کرتی رویحا کو دیکھنے لگی تھی۔وہ اتنی خوبصورت تھی کہ اٹھنے والی نگاہ ساکت ہو جائے اور اب اسے اپنی خوبصورتی کا ادراک نہیں تھا، گر تھا بھی تو اس

نے کبھی اہمیت نہیں دی تھی اور اس کی یہی بے نیازی تو اس کے حسن کو چار چاند لگاتی تھی اور یہی اس کی بے نیازی کسی کے من کا روگ بن گئی تھی، زندگی سے محبت نہیں رہی تھی، دل تکلیف کا اور دماغ بیماری کا شکار ہو چکا تھا وہ یہ جانتی نہیں تھی کہ کوئی ہے جو اس کی مسیحائی کے انتظار میں زندگی کے گنے چنے دن کاٹ رہا ہے اگر جان جاتی وہ فراز کی حالت تو بے نیازی کا خول کچھ تو چٹختا مگر اس کے سکون کے دن تھے اسی لیے وہ لاعلم تھی اور ابران بھی تو سکون کی بانسری بجا رہا تھا۔ گر جان لیتا فراز کے من کی بات تو کھڑے کھڑے فنا ہو جاتا جیسے ایک شب بڑی خاموشی سے ادیان ہی نہیں وہ خود بھی فنا ہو گیا تھا۔

''ابران کی ہی کوششیں یا یہ کہنا درست ہوگا ان کی توجہ و محبت نہ صرف مجھے زندگی کی طرف لائی مجھے زندگی کو پھر سے محسوس کرنا سکھا دیا۔'' اس نے اپنے آنسو صاف کیے تھے کہ وہ ابران کی ہمرائی میں بہت خوش وہ مطمئن تھی۔ ابران اس کی آنکھ کا پہلا خواب، اس کی پہلی چاہت مگر اسے رویحا نے کبھی بھول کر بھی دعا میں نہیں مانگا تھا کہ وہ جانتی تھی کہ ابران اور یمانی کی بات طے ہے اور یمانی، ابران سے محبت کرتی ہے اور اس نے یمانی کی محبت کے لئے جنونِ عشق کی روٹھی رت کو ہنس کر گلے لگا لیا تھا کہ وہ یہ سمجھتی تھی کہ ابران اس کا نصیب نہیں ہے مگر جب وہ بن مانگی دعا کی مانند اس کی زندگی میں جنونِ عشق کی وصال کی رت بن کر شامل ہوا تھا تو اس کا رب پر بھروسہ اور مضبوط ہو گیا تھا کہ اللہ اپنے بندوں کو ایسے نوازتا ہے کہ کمی، کمی نہیں رہتی مگر اس نے ناشکری کی تھی، ابران سے بہت بھاگی تھی، رشتہ سے خائف رہی تھی مگر رحمت و رحیم اللہ نے اس کی پکڑ نہیں کی تھی۔ وہ جتنا بھاگ رہی تھی اللہ ابران کو اتنا ہی مہربان کرتا جا رہا تھا اور وہ اپنے عمل پر، اپنی سوچ پر نادم ہوتی زندگی کو پھر سے محسوس کرنے کے قابل ہو گئی تھی۔

''جو فیصلے اللہ کے ہوتے ہیں انہیں اللہ کی رضا سمجھ کر قبول کر لیا جائے تو دکھ کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ ملنا، بچھڑنا، تندرستی، بیماری سب اللہ کے فیصلے ہیں جو بدل نہیں سکتے۔ اس لئے انہیں قبول کر لینا چاہئے کہ صبر و شکر ہی ایسے راستے ہیں جن پر چلنے والے ناکامیاب نہیں ٹھہرتے۔ آج دکھ کی شام ہے صبر کر لو، شکر کی شام کسی کا ساتھ لے کر آئے گی کہ دکھ ہوں یا سکھ بھی ہمیشہ نہیں رہے۔'' رویحا نے زندگی سے جو سیکھا تھا وہ اسے سکھا رہی تھی جو اس کی طرف دیکھتی مسکرا دی تھی۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ اتنی اچھی باتیں کرتی ہیں......'' رویحا اس کی بے ساختہ تعریف پر جھینپ گئی تھی۔

''اندازہ تو مجھے بھی نہیں تھا۔'' وہ اپنی کہی بات پر خود ہی کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

''ویسے اس کا سارا کریڈٹ ابران کو جاتا ہے۔ مجھے زندگی کی طرف لانے والے اور مجھے زندگی کے نئے روپ سے روشناس کروانے والے وہی ہیں جنہوں نے مجھے محبت کرنا، زندگی کو محسوس کرنا سکھا دیا ہے۔'' اس کے انداز میں ابران کے لئے بے پناہ چاہت و احترام محسوس کرتی وہ لب بھینچ گئی تھی۔

''وہ جو خود زندگی کے شیریں و تلخ معاملات کو سمجھ نہ پائے، زندگی میں توازن نہیں رکھ پائے وہ کیا کسی کو زندگی کو محسوس کرنا سکھائیں گے۔'' اس کے انداز میں تلخی تھی اور تلخی سے بڑھ کر جو نفرت کی آنچ تھی اسے محسوس کرتے ہوئے رویحا کی مسکراہٹ سمٹ گئی تھی۔

''جو خود برسوں کی آگ میں جلے ہوں نارویجا، تو وہ کبھی بھی کسی کو اس آگ کی نذر ہوتے نہیں دیکھ سکتے۔'' اس کا لہجہ اب بھی نرمی لئے ہوئے تھا اور شانیہ آگے سے کچھ نہیں بولی تھی۔

''یاد رکھنا، تجربہ ہمیشہ بال سفید ہونے کے بعد نہیں آتا، کچھ تجربے زندگی کے تلخ حقائق و تلخ واقعات کے ذریعے بھی حاصل ہو جاتے ہیں کہ انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ ٹھوکر کھا کر ہی سنبھلتا ہے اور جو سنبھل جاتے ہیں وہ مطمئن زندگی گزارتے ہیں اور جو ٹھوکر کھا کر بھی نہیں سنبھلتے وہ بانہیں پھیلائے ان کی تاک میں رہتا ہے۔'' وہ اس پر اپنی ناپسندیدگی ظاہر کرنے کے بعد اس کی اتنی نرم سی وضاحت پر اپنے آپ میں چُور ہو گئی تھی۔

''آئی ایم سوری......''

''معذرت کرنے کی ضرورت نہیں ہے شانیہ کہ تم اپنی جگہ درست ہو مگر میں بس اتنا کہوں گی کہ تلخ یادوں میں گھرے رہنے سے بہتر ہے کہ زندگی کو با مقصد بناؤ، تم فائن آرٹس کی اسٹوڈنٹ ہو، اچھی مصوری کر لیتی ہو، خود کو ضائع مت کرو کہ مجھے تو یقین ہے کہ ادیان ٹھیک ہو جائے گا، اس یقین کی ڈور کو تھام کر ادیان کی واپسی کا انتظار کرو مگر ایسے کہ جب وہ لوٹ آئے زندگی کی طرف تو تمہارے دامن میں اسے دینے کو خوشگوار یادیں ہوں، تمہارا دامن پچھتاوؤں سے بھرا نہ ہو کہ تم اسے کچھ دے ہی نہ سکو کہ تمہارے عشق کی رت روٹھ گئی ہے مگر زندگی ہے جب تک منانے کی آرزو کو فنا نہ کرو کہ روٹھنے والوں کو منایا جاتا ہے، روٹھنے والوں کے ساتھ روٹھا نہیں جاتا۔'' وہ اس کو بہت کچھ کہہ گئی تھی، اسے آگے زندگی گزارنے کے لئے زادِ راہ دے گئی تھی کہ وہ رنگوں سے محبت کرنے والی، رنگوں سے کھیلنے والی زندگی کیا بے رنگ ہوئی تھی، رنگوں سے ہی دور ہو گئی تھی اور آج رویجا کے احساس دلانے پر اسے کیا کچھ یاد نہیں آ گیا تھا کہ اس کی کتنی خواہش تھی کہ وہ ملک کی مایہ ناز مصورہ ہے، اس کی پینٹنگز کی ایگزیبیشن ہو، لوگ اس کے کام کو سراہیں مگر ادیان کیا دور ہوا تھا وہ تو جیسے ہر خواہش سے ہی دور ہو گئی تھی۔

''میں اپنے اندر زندگی کو پھر سے ڈھونڈوں گی کہ میں نہ خود کو مرنے دوں گی، نہ اپنے ادیان کو، میں ہم دونوں کی زندگی کو پھر سے زندگی کے رنگوں میں سے ڈھونڈ کر لاؤں گی۔'' وہ ایک نئے عزم سے سوچتی اپنے آنسو صاف کر گئی تھی۔

''بس ادیان، میری ہمت ٹوٹنے سے پہلے لوٹ آنا کہ بہت چاہا ہے میں نے تمہیں اور تم چاہے اپنی محبت کو عقیدت کا رنگ دے کر فراموش کر چکے مگر میرے لئے آج بھی زندگی بھی صرف تم ہو، اور محبت بھی۔ تمہارے جنوں میں میرا دم نکلے اس سے قبل لوٹ آنا ادیان، کہ تمہاری شانیہ کو تمہاری بے حد ضرورت ہے۔'' وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی اور سائیڈ ٹیبل پر رکھی ادیان کی تصویر کو سینے سے لگائے بری طرح بلکتے ہوئے فریاد کناں لہجے میں بولی تھی۔

''میں تمہارا انتظار اپنی آخری سانس تک کروں گی، بس تم میری خاطر نہ سہی، اس گم گشتہ محبت کے لئے جو کبھی مجھ سے تھی زندگی کی طرف لوٹ آنا، تمہارے لئے، صرف تمہاری چاہت میں جنونِ عشق کی روٹھی رت کو بھی میں نے گلے لگا لیا ہے۔ تم موت کو گلے نہ لگا لینا کہ میرے عشق کو تمہاری ضرورت ہے ادیان، خدا کے لئے زندگی کی طرف لوٹ آنا، زندگی کو الوداع نہ کہنا، قسم ہے تمہیں ہماری محبت کی، قسم ہے

تمہیں جنونِ عشق کی روٹھی رت کی، زندگی کی رت لے آنا، موت کی رت کو الوداع کہہ دینا۔موت سے کہہ دینا کہ کوئی تمہارا منتظر ہے......“

وہ بے حد خوبرو وادیان کی تصویر سے کہتی اس کی پیشانی پر لب رکھ گئی تھی اور ایک پل کو لگا تھا اسے کہ زندگی پھر سے لوٹ آئی ہے۔

☆......☆......☆

”شیریں! کیا ابھی تک ناراض ہو؟“

چوٹی بناتے ہاتھ لمحہ بھر کو رکے تھے،اس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”کیا ناراض نہیں ہونا چاہئے؟“ وہ آنکھوں میں آنسو لئے الٹا اسی سے سوال پوچھ گئی تھی۔

”آئی ایم سوری۔ مجھے تم سے اتنے غصے میں بات نہیں کرنی چاہئے تھی۔“ وہ اس کے ہاتھ سے کنگھا لے کر ڈریسنگ ٹیبل پر ڈالتے ہوئے، اس کا ہاتھ تھامے بیڈ کی طرف بڑھا تھا اور اسے بیڈ پر بٹھاتے ہوئے نرمی سے اپنی غلطی کا اعتراف کرتا سوری کر گیا تھا۔

”آپ کو نہیں لگتا کہ کچھ عرصہ سے ہمارے درمیان صرف غصہ، ناراضگی اور معافی ہی رہ گئی ہے۔ کبھی آپ مجھ سے خفا تو میں منانے کے لئے کوشاں، کبھی میں آپ سے ناراض تو آپ منا لینے کے طالب۔“ وہ نیم پلکوں سے اس کے حسین چہرے کو دیکھ کر آزردگی سے بولی تھی۔

”ہماری زندگی بس ایک پوائنٹ پر ٹھہر گئی ہے شیریں، نہ تم اس سے ہٹ کر بات کرتی ہو نہ میں تمہیں کسی دوسرے موضوع پر لا پاتا ہوں۔ ایسے میں شکوے ہی بڑھیں گے اور شکوے تو فاصلوں کی راہ کھول دیتے ہیں اور مجھے لگتا ہے ہمارے درمیان نامحسوس طریقے سے فاصلے پیدا ہونے لگے ہیں۔“ وہ اس کی بات کی مخالفت نہ کر پاتے ہوئے دھیمے سے اس کی بات کو ہی آگے بڑھا گیا تھا۔

”ایسا کیوں ہو رہا ہے شہیر! کیا میرا اپنوں کے بارے میں محبت سے سوچنا اتنا غلط ہے کہ آپ کو ہمارے درمیان آجانے والے فاصلے برداشت ہیں مگر میرا محبت سے اپنوں کی بھلائی کے خیال سے لیا جانے والا فیصلہ منظور نہیں ہے۔“ وہ سسکی تھی اور شہیر کے ضبط کا امتحان شروع ہو گیا تھا۔

”تمہیں کیا لگتا ہے کہ مجھے اپنوں کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔“

”میں نے ایسا کچھ نہیں کہا شہیر کہ میں ایسا کہہ ہی نہیں سکتی کہ آپ ماموں جان کے بیٹے ہیں۔ اس آدمی کی اولاد جس نے تمام عمر شناسا و غیر آشنا لوگوں پر بھی بے لوث چاہتیں نچھاور کیں۔ جس کا ہاتھ ہمیشہ دینے والا رہا، ایسے میں، میں اس شخص کی اولاد کی نیت پر شک کر کے، اس نیک انسان کی اچھی سوچ و تربیت کو سوالیہ نشان نہیں بنا سکتی۔“ وہ ترنت اس کی بات کاٹتے ہوئے نہایت ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔ یہ سنجیدگی و متانت اس کا خاصہ نہ تھی مگر جیسے جیسے وقت عمر کی منازل طے کر رہا تھا وہ میچور ہوتی جا رہی تھی۔

”میں جانتی ہوں آپ کو بھی آپی کی پرواہ ہے، آپ بھی چاہتے ہیں کہ انہیں ان کی خوشیاں مل جائیں اور آپ سوچیں نا شہیر کہ ہماری اولاد اگر کسی کی خوشی و طمانیت کا باعث بنے گی، کسی کے آنگن کی روٹھی رت بہار کا پیرہن اوڑھ کر حسین رت کا قالب ڈھال لے گی تو

اس سے بڑھ کر ہمارے لئے خوشی کی کیا بات ہوگی۔'' وہ اپنے پہلو سے اٹھتے شہیر کا ہاتھ تھام کر نہایت مسحور کن لہجے میں بولی تھی اور وہ اس کے لفظوں کے ہی نہیں لہجہ کے سحر میں بھی جکڑ سا گیا تھا۔

''ہمارا بیٹا بس ہر لمحہ، ہر گھڑی، ہمارے پاس نہیں ہوگا شہیر مگر اس کا ہر پل کسی کی طمانیت کا باعث ہوگا، مائیں تو ملک کی عزت و آبرو کے لئے بیٹے قربان کر دیتی ہیں، اگر ہم اپنا بیٹا اپنی آپی کی خوشی کے لئے انہیں سونپ کر اس کی دوری برداشت کر لیں گے تو یہ تو اس سے بہت ہی کم ہوگا نا جب جوان بیٹے وطن و بہنوں کی حرمت کے لئے جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔''

''اولاد مر جائے تو کبھی نہ کبھی صبر آ ہی جاتا ہے شیریں، مگر اولاد بچھڑ جائے تو صبر نہیں آتا کہ دو لخت دل کے ساتھ جینا، مرنے کے مترادف ہوتا ہے۔'' وہ اس کی بات کے درمیان سرخ ہوتی آنکھوں کے ساتھ بولا تھا اور اس کے سارے لفظ جیسے کہیں کھو سے گئے تھے۔ وہ بڑی خاموشی سے ٹکر ٹکر اسے دیکھ رہی تھی۔

''ہماری دس اولادیں بھی اس ایک اولاد کا نعم البدل نہیں ہو سکتیں شیریں!'' اس کے انداز میں شکست کے رنگ بڑے گہرے تھے۔

''یہ تو آپ مانتے ہیں نا شہیر! کہ سکھ کبھی بھی طمانیتِ قلب کا مقابلہ نہیں کر سکتا چاہے طمانیت کے لمحے بہت مختصر اور سکھ کے لمحات طویل ترین ہوں۔'' اس کی خاموشی آواز کے قالب میں ڈھلتی خاموشی سے ہرنا تا توڑ گئی تھی۔ اس نے شیریں کی بات پر بے ساختہ انداز میں اثبات میں گردن ہلائی تھی۔

''اسی لئے سکھ کا تو نعم البدل اطمینان بن جاتا ہے مگر طمانیت وسکون کا کوئی نعم البدل نہیں ہوتا۔'' اس نے اپنے آنسو پونچھے تھے اور وہ اسے دیکھے گیا تھا۔ اس کی خوبصورتی میں چار چاند لگ چکے تھے، انتہائی سرخ ناک اور آنکھیں کافی دیدہ زیب لگ رہی تھیں۔

''ہماری دس اولادیں اس ایک اولاد کی نعم البدل نہیں ہو سکتیں مگر ہمارا بیٹا ہماری خوشی کا اور آپی کی طمانیت کا باعث ہوگا اور کیا ہم اپنی خوشی لٹا کر آپی کی طمانیت کا سامان نہیں کر سکتے؟ کہ والدین کے لئے تو یہ بھی بہت ہوتا ہے، اس کی اولاد نظر سے اوجھل رہے مگر خوش ہو، ہمارا بیٹا پل پل ہمارے ساتھ نہیں ہوگا مگر ہمارے دل میں تو ہوگا کسی سکون اور اطمینان کی مانند، تو ہم اگر اطمینان کے لئے خوشی کا سودا کر لیں گے تو برا تو نہیں ہوگا۔'' وہ انچ بھر کے فاصلے پر بیٹھے شہیر کے کاندھے پر سر رکھتے ہوئے سسکنے لگی تھی۔

''میں نے اچھائی، قربانی دینا ممی اور ماموں جان سے سیکھا ہے شہیر اور آپ ماموں جان کے بیٹے ہیں یقین ہے، مان ہے آپ قربانی دینے سے نہیں بھاگ رہے، آپ کا یہ فرار میرے لئے ہے۔'' وہ اس کی شرٹ بازو سے دبوچ کہتی اسے آندھیوں کی زد پر لے گئی تھی۔ ''میں مانتی ہوں آپ کا شدید انکار صرف مجھے دکھ سے بچانے کو ہے کہ آپ نہیں چاہتے کہ میں دکھی ہوں، زندگی کے کسی بھی موڑ پر اپنے فیصلے پر مجھے پچھتاوا ہو صرف اس لئے آپ مخالفت کر رہے ہیں ورنہ آپ تو کسی غیر کے لئے قربانی دینے سے کبھی نہیں گھبرائے، تو آپی کے لئے کچھ کرتے ہوئے آپ کو سوچنا پڑ رہا ہے تو وجہ صرف میں ہوں، مگر شہیر میں اتنی بھی کمزور نہیں ہوں......'' اس نے ذرا کی ذرا نم پلکیں اٹھا کر ساکت بیٹھے شہیر کو دیکھا تھا جو اسی کی طرف متوجہ تھا اس کے دیکھنے پر نظر چرا گیا تھا۔

''زندگی بھر سب نے، میرے ہر ایک رشتے نے مجھے صرف 'دیا'' بغیر کسی صلے کی تمنا کے، ہمیشہ مجھ پر چاہتیں نچھاور کیں، اب قرض چکانے کا وقت ہے اب فرائض کی ادائیگی کا وقت ہے تو میں پیچھے نہیں ہٹ سکتی، چاہے اس سب میں مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ ابھی یہ محض خیال ہے کہ سانسیں چھین رہا ہے اور جب عمل بنے گا، ہم اپنا بیٹا آپی کو دیں گے تو لگتا ہے میری سانس تھم جائے گی۔'' اس کے رونے میں شدت آ گئی تھی اور وہ دہل کر رہ گیا تھا۔

''سچ میں شہیر، میں ایسا نہیں چاہتی کہ آپ ٹھیک کہتے ہیں کہ اپنی اولاد کسی بہت اپنے کو بھی دیتے روح کا سودا کرنا پڑتا ہے مگر ہم کریں گے شہیر کہ اس سے آپی کی خوشیاں ان کا سکون جڑا ہے، ہم نہ چاہتے ہوئے بھی ایسا کریں گے کہ رشتوں کے لئے قربانی دینی پڑتی ہے۔ اس لئے آپ میرا خیال نہ کریں کہ میں دکھی ہوں گی تو بس آپ مجھے سنبھال لیجئے گا کہ مجھے صرف آپ کا ساتھ چاہئے۔'' وہ اس کے سینے پر سر اٹھاتی آس سے اسے دیکھتی بھیگی پلکوں سے مسکرائی تھی اور آج وہ بھی اقرار کر گیا تھا کہ وہ اس کے بن کہے اس کے من کی بات نہ صرف جان گئی تھی اظہار بھی کر دیا تھا جس کے بعد شہیر کے ظاہر نہ کرنے کی وجہ نہیں رہی تھی۔

''آپ سچ میں راضی ہیں.....'' وہ جیسے یکدم کھل اٹھی تھی وہ مسکرا کر حامی بھر گیا تھا۔

''تم نے ٹھیک کہا ہے کہ کچھ تمہاری فکر تھی، کچھ اپنا خیال تھا مگر اپنوں کے لئے بھی تو قربانی دینی پڑتی ہے اس لئے ذہن و دل آمادہ تھے کہ تم ٹھیک ہی تو کہتی ہو کہ یمانی آپی کسی نہیں ہیں۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا تھا اور وہ اس کا ہاتھ تھامتی لبوں سے لگا گئی تھی۔

''تھینک یو شہیر۔''

وہ بہت مسرور تھی اور وہ متحیر کہ اس کا اتنا والہانہ انداز پہلے کہاں دیکھا تھا۔

''آئی لو یو شہیر۔ آپ بہت اچھے ہیں۔'' وہ دھیمے سے کہتی اسے دیکھتے ہوئے کھلکھلائی تھی۔

''خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا۔'' وہ سکون سا محسوس کرتا شوخی سے بولا تھا اس کی پلکیں عارضوں کو سجدہ کرنے لگی تھیں۔ اس نے شیریں کے دلنشین روپ کو استحقاق سے دیکھا تھا اور شرارت سے بولا تھا۔

''آج سورج کہاں سے نکلا تھا جو آنسہ شیریں صاحبہ اور اظہار محبت کر رہی ہیں وہ بھی شہیر سالار سے۔'' اس کا انداز محبت والا تھا۔

''شیریں کی محبت جب شہیر سالار ہیں تو اظہار محبت بھی تو شیریں اپنے شہیر سے ہی کرے گی۔'' وہ لب دانتوں تلے دباتی چہرے پر حیا کے رنگ لیے اسے دیکھ رہی تھی جس کی آنکھیں خوشگوار حیرت سے پوری کی پوری کھل گئی تھیں۔

''ہوش میں تو ہو نا شیریں۔'' وہ اس کے انداز پر بن پیے بہکتا اس کے ہوش کا سوال کر رہا تھا جو بری طرح جھینپ گئی تھی۔

''ہوش میں تو ہوں۔ بس کسی کے ہوش کی خبر نہیں دے سکتی۔'' وہ شرارت سے مسکرائی تھی اور وہ یکدم قہقہہ لگا گیا تھا۔

''آلو یو ٹو جانِ شہیر۔'' وہ حیرانگی کے پردے سمیٹتا شرارت کا ارادہ ترک کرتے ہوئے اسے نرمی سے اپنے قریب کرتا پیشانی چومتے ہوئے پھر سے اقرار و اظہار کی منزل طے کر گیا تھا کہ محبت کو اظہار کی ہر لحظہ ضرورت رہتی ہے کہ جیسے ایک درخت کی نشو ونما کے لئے

پانی زندگی کا کام کرتا ہے اسی طرح محبت اظہار مانگتی ہے کہ محبت کے لئے اظہارِ محبت زندگی کی مانند ہوتا ہے۔ کمرے کی خاموش فضا میں جذبے گنگنا رہے تھے اور چاند کی نرم روشنی ان پر سایہ کئے دھیرے دھیرے بیتتی رات میں مدغم ہونے لگی تھی۔

☆......☆......☆

''ادیان! میں جانتا ہوں تم میری آواز سن نہیں رہے مگر تم میری موجودگی کو، میری آواز کو محسوس کر رہے ہو۔''

آج کافی مدت کے بعد وہ مشینوں میں جکڑے ساکت پڑے ادیان شیرازی سے مخاطب تھا۔ ابران کو دیکھ کر ادب سے کھڑا ہو جانے والا ادیان بہت خاموشی سے پڑا رہا تھا۔ اس کے وجود میں بس سانسیں دوڑ رہی تھیں۔ زندگی تو ٹیرس کی چھت پر ہی کہیں رہ گئی تھی اور سانس ہے تو آس ہے کے مترادف وہ سب اس کی صحت یابی کے لئے دعا گو تھے۔ نیناں ولاز میں قرآن خوانی، میلاد اور آیت کریمہ کا ورد کے ختم کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ہر گزرتا دن ان سب کے تفکرات میں اضافہ کرتا ادیان کی زندگی کے لئے دعاؤں میں اضافہ کرتا جا رہا تھا۔ ابران صبح وشام بلا ناغہ آتا تھا۔ ساکت پڑے وجود کو تا دیر دیکھنے کے بعد اٹھ کر چل دیتا تھا آج وہ اس سے گفتگو کرنے لگا تھا جس نے زندگی گزاری ہی اس خواہش میں تھی کہ ابران اسے وقت دے۔ اس سے بات کرے اور آج خواہشات نے تکمیل کا روپ دھارا تھا تو وہ گونگا بہرا ہو چکا تھا کہ خواہشات کی پوجا زندگی تک ہی ہوتی ہے۔ زندگی ختم تو ادھوری ومکمل ہر خواہش بھی ختم......

''ادیان۔ تم مجھے بہت برے لگتے تھے، مجھے لگتا تھا کہ یمنیٰ آنٹی، یمانی اور تم نے مل کر میرے ڈیڈی کو مجھ سے چھین لیا ہے، میری ممی سے ان کے ارمان کو چھین لیا ہے اور کھو دینے کی تکلیف بہت جان لیوا ہوتی ہے، میں شکست وریخت سے گزرتا بڑی ممی، یمانی اور تمہیں ناپسند کرنے لگا تا عمر میں نے صرف تم سب کو ہمارے درمیان سے نکالنے کے لئے سوچا مگر کبھی میری ایک سوچ بھی عمل کا روپ نہ دھار سکی کہ میں تم سب کے اس ناپسندیدہ ساتھ کا بھی عادی ہو گیا تھا۔'' اس کی نظریں ادیان کے پرسکون چہرے پر ٹکی تھیں جہاں زندگی کے آثار دم توڑ چکے تھے مگر امید ابھی زندہ تھی اس لئے وہ اس کے سامنے موجود آج احتساب کے عمل سے گزر رہا تھا یہ جاننے کے باوجود کہ وہ کچھ سن نہیں رہا، وہ جواب میں اسے خاموشی کی وہی مار مارے گا جو وہ بچپن سے اسے مارتا آیا تھا۔

''جب میں ہاسٹل میں تھا میں ایبان اور شیریں سے فون پر بات کرتا تھا اور جب تم لائن پر آتے تھے 'ہیلو ہیلو' کرتے تھے اور میں لائن کاٹ دیتا تھا، اس وقت ادیان صرف تمہاری آنکھوں سے گرم سیال مادہ نہیں بہتا تھا میری آنکھیں بھی لہو بہایا کرتی تھیں۔ تم ناکردہ گناہ کی سزا کاٹ رہے تھے اور میں تمہیں سزا دینے کی سزا کاٹ رہا ہوں۔'' ابران کی آنکھوں سے آنسو قطرہ قطرہ اس کے گالوں کو بھگونے لگے تھے۔

''تمہاری محبت نے اگر عقیدت اوڑھ لی ہے تو میری محبت تو مجبوری لپیٹے تاحیات میرے ساتھ چلی ہے۔ تم تو وقتاً فوقتاً اپنی محبت کا اظہار کرتے، میری اور لپکتے مجھے اپنے ہونے کا احساس دلاتے، عقیدتیں نچھاور کرتے آج حالوں کو پہنچے ہوئے ہو میں اپنی محبت کو لے کر کہاں جاؤں جسے کدورت کی چادر میں چھپائے رکھا، اب تھک گیا ہوں محبت کرتے کرتے تھک گیا ہوں، ادیان میری تھکن سمیٹ لو۔ مجھے آپ کہنے دو ادیان کہ اگر تمہیں اپنے بھائی ابران شیرازی سے عشق ہے تو ابران بھی اپنے بھائی ادیان شیرازی سے بہت محبت کرتا

ہے......آج مجھے بتانے دو ادیان کہ جب تم فون پر آتے تھے تو میں لائن کاٹ دیتا تھا تو دل میں تمہیں جواب دیتا تھا، کہتا تھا 'یو ڈونٹ وری ادی! میں ٹھیک ہوں، تم بھی اپنا خیال رکھنا' اور تم نے یہ رکھا اپنا خیال، آج یوں بے جان ہوئے پڑے ہو یہ کیوں نہیں سمجھتے ادی! کہ میرا ایک بازو ادیان ہے تو دوسرا بازو تم ہو......" وہ اس کے بستر پر پڑے اس کے بے جان سے ہاتھ کو اٹھا کر لبوں سے لگاتے ہوئے سسک رہا تھا۔ اس کا وجود بے جان تھا مگر اس کی روح ابران کی تڑپ پر تڑپنے لگی تھی۔ ابران کی سرگوشیاں ادیان کی روح میں اترتی جارہی تھیں۔

"میں نے ایان کی برتھ ڈے پر ہمیشہ گفٹ دیا اور تمہارا ہر گفٹ آج بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ میں تمہیں کبھی نہیں دے سکا، ممی کہتی تھیں کہ 'محبت کے لئے کچھ چھوڑا جائے یا نہیں مگر اپنوں کے لئے اپنی انا، خوشی، ضد یہاں تک کہ زندگی بھی چھوڑنی پڑے تو چھوڑ دینی چاہئے' میں ممی کی یہ بات مانتا آیا بس عمل نہیں کر سکا اور آج دیکھو مجھ سے کتنے لوگ روٹھ گئے ہیں، بڑی ممی کو میں نے ہمیشہ تکلیف دی مگر انہوں نے جواب میں صرف مجھے محبت واپنائیت دی۔ میں یمانی کو روتا چھوڑ گیا اور پھر بھی بڑی ممی نے مجھے بددعا تک نہ دی اور ان کی محبت کے رنگ کچھ اور گہرے ہو گئے مگر اب جب سے تم یہاں زندگی سے ناتا توڑ کر کومے میں پڑے ہو بڑی ممی کچھ کہتی ہیں، ان کی چاہت، اپنائیت کا وہی سابقہ رنگ ہے مگر اب محسوس ہوتا ہے بڑی ممی مجھ سے روٹھ گئی ہیں۔" وہ اپنے آنسو گرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ یمنٰی کی خاموش نظریں، ادیان کے لئے فکر ابران کے من کا روگ بنتی جارہی تھیں۔

"یمانی! جس سے نفرت نہیں کی تو محبت بھی کبھی نہیں کر پایا اور جب یمانی کو یمانی کے خیال سے نکاح کی شام چھوڑ کر گیا، وہ شہباز بھائی کی بن گئی اس کی آنکھوں میں اپنی چاہت کے رنگ مندمل ہوتے دیکھے، رشتہ نبھانے کی لگن دیکھی مگر آنکھ دہلیز پر اٹکا آنسو ہمیشہ یہی کہتا لگا کہ جنونِ عشق کی روٹھی رت، کبھی نہیں مانے گی جو روٹھ گیا وہ روٹھ گیا اور یمانی نے شکوہ نہیں کیا، مجھے ایک لفظ نہیں کہا اس کی محبت میرے لئے دعا گو ہی رہی مگر وہ مجھ سے خفا ہے۔ ہاں ادیان! اس کا عشق مجھ سے روٹھ گیا ہے۔ یمانی کا عشق خود یمانی سے بھی روٹھ گیا ہے وہ تو بس زندگی کے کاسہ میں زندگی کے رنگ بھرتی، زندگی کو ہنستے مسکراتی جی رہی ہے، رشتوں کو جی رہی ہے میری وجہ سے، صرف میری وجہ سے اس نے اپنے لیے جینا چھوڑ دیا ہے وہ میری وجہ سے خود سے ہی روٹھ گئی ہے۔ میں اسے منا نہیں سکتا اور وہ خود سے مان نہیں سکتی کہ جنونِ عشق کی روٹھی رت صرف میری وجہ سے اس کا مقدر بن گئی ہے۔" وہ بیڈ کے سامنے رکھے اسٹول سے اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑا ہوا تھا کہ کچھ اعترافات اندر سے مار دیتے ہیں اور آج وہ مرنے کی تکلیف سہہ رہا تھا۔

"ثانیہ کو پہلی دفعہ دیکھا تو لگا زندگی کتنی حسین ہے، چہرے سے دل کا سفر لمحوں میں طے کیا مگر تدبیر سے تقدیر کا سفر ناکام ہو گیا۔ آفی اور ممی، رویحا کو لے کر اس کے مستقبل کو لے کر مضطرب تھیں۔ دولہنیں، مائیں سہانے خواب دیکھ رہی تھیں، میں نے بہت چاہا تا عمر کہ ممی کو کوئی تکلیف نہ دوں مگر تم سب کو ستاتے، خود کو تکلیف دیتے، ڈیڈی سے روٹھتے، سب سے زیادہ تکلیف ممی کو دی، ممی کی پرواہ کئے بغیر یمانی سے نکاح کی شام فرار ہو گیا۔ اس کے باوجود ممی نے آفی سے کتنے مان سے کہا کہ ان کا ابر، انہیں انکار نہیں کرے گا۔ آفی جنہوں نے مجھے ہمیشہ بیٹا کہا اس وقت ان کی آنکھوں میں کیسا فخر تھا مجھے لے کر، کیسا یقین تھا کہ میں رویحا سے شادی سے انکار نہیں کروں گا اور اس بار

سچ میں، میں نے ایسا ہی کیا آفی کے لئے، ممی کے لئے، رویحا کے لئے اور تمہارے لئے ادیان......" وہ کھڑکی سے ہٹتا اس کے بیڈ تک آیا، تکیہ کے دائیں بائیں ہاتھ جماتا قدرے جھک کر اس کی بند پلکوں کو دیکھتے ہوئے سرسراتے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

"سنا تم نے ادیان شیرازی، کہ میں نے اپنی پہلی چاہت تمہارے لئے تیاگ دی، صرف تمہارے لئے ادی کہ میں تم سے نفرت نہیں کرتا تھا۔ مجھے نفرت کرنی نہیں آتی ادیان۔" ابران کے آنسو ساکت چہرے کو تر کرتے جا رہے تھے۔

"تم نے چھپا کر رکھا تھا مگر میری خوش قسمتی تھی کہ بد قسمتی میں جان گیا تھا کہ تم شانیہ سے محبت کرتے ہو اور مجھ پر بہت سے قرض تھے۔ بڑی ممی، یمانی اور تمہارے قرض، میں اس رات بہت رویا تھا ادیان جب مجھے پتہ چلا کہ تم شانیہ سے محبت کرتے ہو، تمہاری یہ ڈائری۔" اس نے ساتھ لائی ہوئی نیلی ویلوٹ کی خوبصورت ڈائری اس کے دھڑکتے دل والے سینے پر رکھ دی تھی۔

"ہاں، یہ ہے وہ جس نے مجھے بتایا کہ تم شانیہ سے محبت اور مجھ سے عشق کرتے ہو، تم نے اس ڈائری کو راز داں بنایا مگر یہ میری دوست بن گئی ادیان۔ اس نے مجھے آگاہی دی اور میں نے تمہارا کبھی برا نہیں چاہا تھا میں نے، میں نے شانیہ کی محبت کو اپنے اندر دفن کر دیا، میرے اندر جنونِ عشق کی روٹھی رت بین کرنے لگی مگر اس بار میں نے اپنا نہیں تمہارا سوچا، میں نے رویحا سے شادی کر لی تا کہ تم شانیہ کو اپنی محبت کو پالو، میں نے تمہارا سوچا ادیان، میں نے رویحا کا سوچا جو مجھ سے محبت کرتی تھی، میں نے یمانی کی قسمت میں آنسو لکھے تھے، میں نے رویحا کی زندگی سے اس کی قسمت کے آنسو چرا لئے مگر وہ میرے اس ایثار کو سمجھ نہیں سکی۔ اس نے مجھے ممی کے سامنے ذلیل کیا اور میری بے عزتی تم نے خود دیکھی، سنی اور کتنی خاموشی سے پلٹ گئے۔ شانیہ سے شادی سے منکر ہو گئے صرف میرے لئے، شانیہ کے سپنے توڑ دیئے صرف میرے لئے، زندگی جینا چھوڑ دی صرف میرے لئے، یہ بے جان وجود بن گئے صرف میرے لئے، تو کیوں...... کہ جب میں یہ جان کر زندہ رہا کہ تم میری محبت شانیہ سے محبت کرتے ہو تو تمہیں کیوں اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا یہ جان کر کہ تم میری محبت شانیہ سے محبت کرتے ہو......فراز کا دم کیوں گھٹ رہا ہے...... کیوں کہ اس کا ذہن و دل اس حقیقت کو تسلیم نہیں کر پا رہے کہ اس کی محبت رویحا میثم، اس کے جگری یار ابران شیرازی کی بیوی بن گئی ہے۔ میں تمام تلخ حقیقتوں کے باوجود زندہ ہوں تو تم اور فراز کیوں مر رہے ہو...... کیوں مجھے اس غلطی کی سزا دے رہے ہو جو میں نے نہیں کی...... مجھے پتہ چلا کہ تم شانیہ سے محبت کرتے ہو میں نے محبت چھوڑ دی، تم مانو، نہ مانو صرف تمہارے لئے کیا ایسا میں نے......اور جب سے یہ جانا ہے کہ فراز کی محبت رویحا ہے جان کنی کے مرحلے سے گزر رہا ہوں مگر کہوں کس سے کہ وہاں وہ (فراز) روٹھا زندگی کی آخری سانسیں لے رہا ہے اور یہاں تم ہوش سے ناتا توڑ کر، موت کی بانہوں میں جانے کو بے قرار ہو، جہاں شانیہ مجھ سے نفرت کرنے لگی ہیں، وہیں رویحا کو مجھ پر، میری محبت پر اعتبار نہیں، جس عورت کے لئے اپنی محبت کو روٹھ جانے دیا، وہ عورت مجھ پر اعتبار تک کرنے کو نہیں راضی...... دم میرا ابھی گھٹ رہا ہے ادیان، مر میں بھی رہا ہوں، کسی کی نفرت، کسی کی محبت، کسی کا عشق، کسی کی عقیدت میرے گلے کا پھندا بن گئی ہے۔ تم لوگ مجھے بھی جینے دو، مجھ سے کب تک روٹھے رہو گے سب، مجھے بھی زندہ رہنے دو، میں بھی جینا چاہتا ہوں ادیان، اور جب میں تلخ حقائق، تلخ سچائیوں کے باوجود زندہ رہنا چاہتا ہوں تو تم اور فراز کیوں مجھ سے روٹھ کر مجھے اکیلا کر دینا چاہتے

ہو، مجھے مت دو سزا ان گناہوں کی جو مجھ سے سرزد نہیں ہوئے، میرا اجرم 'محبت' ہے اور میری محبت کے لئے زندگی کی طرف لوٹ آؤ۔ مت ستاؤ اتنا ادیان کہ کسی روز چپکے سے میری سانس تھم جائے۔'' وہ ادیان کی پیشانی پر سر ٹکا تا بلک بلک کر رو رہا تھا اور واش روم کا ادھ کھلا دروازہ جکڑے کھڑی شانیہ ہتھیلیاں منہ پر جمائے سسکیاں روکتی بیٹھتی چلی گئی تھی کہ وہ کوئی ہفتہ دو ہفتہ بعد ادیان کو دیکھنے ہاسپٹل آئی تھی اسے اس حالت میں دیکھ نہ پائی تھی تو وضو کرنے چلی گئی تھی اور اس کی وہاں موجودگی سے انجان ابران، ادیان سے سب کچھ ہی کہہ گیا تھا اور خدا جانے ادیان نے کچھ سنا و محسوس کیا تھا یا نہیں مگر شانیہ کی تو پوری ہستی ہی ہل گئی تھی کہ اس نے ابران کو کتنا غلط سمجھا تھا۔ وہ جھٹکے سے سیدھا ہوتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا اور شانیہ کو لگا تھا کہ وہ کبھی ابران سے نظر نہیں ملا پائے گی۔ وہ بچوں کی طرح رو رہی تھی کہ زندگی میں ایسا بھی وقت آتا ہے جب ہم روتے ہیں تو ہمیں چپ کروانے والا، ہمارے آنسو چن لینے والا اپنوں کے میلے اور غیروں کے جھمیلوں کے باوجود میسر نہیں آتا کہ ذات پر ہونے والی تکلیف کو اپنی ذات پر ہی سہنا پڑتا ہے کہ زندگی کی لاش کو چار کاندھے میسر آجاتے ہیں مگر ذات کی لاش تو اپنے ہی کاندھوں پر تا حیات اٹھائے پھرنی پڑتی ہے کہ ذات کی لاش کو تو چار کاندھے بھی میسر نہیں آتے۔

زندگی جب چپکے سے سرک گئی میرے ہاتھوں سے
اپنی ذات کی کرچیاں میں نے سمیٹیں میرے ہاتھوں سے
وہ پل پل دور جاتا گیا، میں ہوتا گیا کہیں گم
ارمانوں کی لاش سرکتی گئی میرے ہاتھوں سے
شکوہ کرتا تھی تو کیسے میں اُس دیار پہ جا کر
روٹھا رہا میرا عشق، جنوں چلا میرے ہاتھوں سے
کربِ مسلسل ہے، ذات بہہ رہی ہے زندگی میں
وہ چپکے سے اٹھا لے گیا عشق میرے ہاتھوں سے
اُس کو جس شام پایا، اُسی شام کھویا میں نے
ہجر یوں آیا قریب وصلِ یار بکھرا میرے ہاتھوں سے
محبت کے مرقد پہ کبھی نہ جائیں گے بھول کر جلانے دیا
جنونِ عشق کی روٹھی رت پھسل رہی ہے میرے ہاتھوں سے

☆......☆......☆

''مما......'' فراز کی آنکھیں بے یقینی سے پھٹ سی گئی تھیں اور فراز کی مما لپک کر اپنے بیٹے سے لپٹ گئی تھیں۔

''مجھے معاف کر دینا فراز، میں ایک اچھی ماں نہیں بن پائی۔'' وہ ماں کی موجودگی کو ہی قبول نہیں کر پایا تھا کہ ان کا اعتراف اس

کی آنکھوں سے لہو رسنے لگا تھا۔

''ایسے مت بولیں مما، آج جب مجھے سب سے زیادہ آپ کی ضرورت ہے آپ میرے پاس آ گئی ہیں تو سمجھیں ہر تشنگی سمٹ گئی ہے۔'' وہ ماں کا ہاتھ لبوں سے لگاتے ہوئے بولا تھا۔

''ابران کی ممی کبھی احساس نہ دلاتیں تو میں بے حسی کی چادر اوڑھے، مامتا کے احساس کو فراموش کیئے زندگی کے باقی ماندہ سال بھی گزار دیتی مگر اس عورت نے مجھے احساس دلایا کہ میں ماں ہوں......اور میرے بیٹے کو میری ضرورت ہے۔'' وہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتیں، نیناں شیرازی کی تعریفوں میں رطب اللسان تھیں وہ یکدم مسکرا دیا تھا۔

''ابران کی ممی، مامتا کا سچا روپ محسوس ہوئیں مجھے اور آج ایک طویل عمر گزارنے کے بعد وہی مامتا کا روپ میں آپ کے وجود میں محسوس کر پا رہا ہوں مما۔'' وہ بچوں کی طرح رونے لگا تھا۔

''مجھے میری کوتاہیوں کے لئے معاف کر دینا فراز......'' احساس جاگ گیا تھا تو چین ہی نہیں پڑ رہا تھا کہاں بے حسی میں صدیاں گزر گئی تھیں۔

''مما، آپ میرے پاس آ گئی ہیں تو آپ کا ہر جرم بخش گیا ہے خود بہ خود، بس اب مجھے کبھی چھوڑ کر مت جایئے گا۔'' وہ تڑپ کر ماں کو دیکھتا کہہ رہا تھا اور وہ نفی میں سر ہلانے لگی تھیں۔

''میں چاہتا ہوں مما کہ اب مجھے آخری سانس آپ کی آغوش میں آئے......''

''مریں تمہارے دشمن، تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ میں تمہارا علاج کرواؤں گی فراز۔'' وہ بیٹے کے منہ پر ہاتھ رکھتیں اسے امید دلا رہی تھیں۔

''میں جینا چاہتا ہوں مما، اپنی زندگی کا باقی ہر دن آپ کے ساتھ، آپ کی محبت کے ساتھ جینا چاہتا ہوں۔'' اسے یکدم موت بری لگنے لگی تھی، موت کی آہٹ بری لگنے لگی تھی۔ وہ پورے انتظام سے آئی تھیں اور وہ محض چار دن بعد ہی واپس لندن جا رہی تھیں اور اس بار وہ اکیلی نہیں تھیں فراز ان کا بیٹا ان کے ساتھ جا رہا تھا۔ ائیر پورٹ پر نیناں شیرازی اور ابران اسے چھوڑنے آئے تھے۔

''آنٹی! میں آپ کو بہت مس کروں گا۔'' اس نے ان کا شکریہ تو کئی بار کیا تھا اور ان کے خفا ہونے پر چپ ہوتا بھیگی پلکوں سے بولا تھا۔ نیناں شیرازی کی آنکھیں بھی بھیگ گئی تھیں۔

''میں یہاں شدت سے تمہاری واپسی کی منتظر رہوں گی۔ تم نے اپنی بیماری کو شکست دے کر واپس آنا ہے۔ یہ مت بھولنا کہ ایک ماں کے ساتھ جا رہے ہو تو ایک ماں کو منتظر بھی چھوڑ کر جا رہے ہو۔'' وہ فراز کی پیشانی چومتیں مامتا کا سچا عکس لگ رہی تھیں۔ وہ دلکشی سے مسکرا دیا تھا۔

''زندگی کی طرف تو میں لوٹ آنا چاہتا ہوں مگر موت بازی لے جائے تو آپ دکھی مت ہویئے گا کہ آپ سے کہنے کو کوئی رشتہ نہیں مگر قلب کا رشتہ آپ سے یوں جڑا ہے کہ آپ کی تکلیف کا احساس مجھے بے چین رکھے گا۔'' وہ نیناں شیرازی کا ہاتھ نرمی سے تھامتا

عقیدت سے چومتے ہوئے بولا تھا۔وہ آگے سے کچھ بول نہیں پائی تھیں۔

''اللہ محافظ۔'' اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے ان کے لب کانپے تھے۔

''خود کو اس بات کی سزا نہ دینا کبھی جس میں تیرا کوئی ہاتھ نہیں۔'' ابران سے بغل گیر ہوتے وہ نم لہجے میں بولا تھا۔ابران حیران رہ گیا تھا۔

''جیسے تو جان گیا، ویسے ہی میں جان گیا کہ تو جان گیا ہے، تیری شدت پسندی سے میں تاعمر خائف رہا، اس بات کے لئے خود کو سزا نہ دینا ورنہ میں مر کر بھی چین نہیں پا سکوں گا۔'' وہ ایک نظر ابران کے ضبط سے سرخ پڑتے چہرے اور بھیگی آنکھوں کو دیکھ کر کہتا جانے کے لئے آگے بڑھ گیا تھا اور ابران کو لگا تھا کہ آج وہ فراز کو آخری بار دیکھ رہا ہے اور یہ احساس بڑا جان لیوا تھا۔

''بہت مبارک ہو شہیر، تم بیٹے کے باپ بن گئے ہو۔'' اسے کوئی گھنٹہ بھر پہلے باپ نے کال کر کے ہاسپٹل پہنچنے کا کہا تھا اور وہ بہت جلدی جلدی کرتا بھی سارے کام نمٹاتا جس وقت ہاسپٹل پہنچا تھا، خاندان کے چھوٹے بڑے افراد ہی نہیں اس کا بیٹا بھی اس کا منتظر تھا۔ وہ ایک ایک سے مبارک باد وصول کرتا آج خود کو بہت مکمل، بہت معتبر محسوس کر رہا تھا۔ ابران کی کسی بات پر وہ دل سے مسکرایا تھا اسی وقت سب کے درمیان سے نکل کر شہباز نے اسے مبارک باد دی تھی۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا، نگاہ شہباز کے چہرے تک گئی تھی وہ شہیر کے دیکھنے پر مسکرایا تھا اور وہ شہباز کو بغور دیکھنے لگا تھا۔ وہ اسے خوش دلی سے مبارک باد دے رہا تھا۔ اس کے لبوں پر بے ریا، ملاوٹ سے پاک مسکراہٹ تھی مگر اس کی آنکھیں ان میں دوڑتی مسکراہٹ کے پیچھے سے جھانکتا دکھ یکدم اسے اپنا اور شیریں کا فیصلہ یاد آیا تھا اور دل نفی کرنے لگا تھا، نگاہ شہباز کے ان کہے دکھ سے ہوتی شوہر کے برابر آ ٹھہرنے والی یمانی تک گئی تھی۔ وہ شہیر کے لئے مسکرا رہی تھی اور مسکراہٹ کے پیچھے سے جھانکتی تکلیف محسوس کرتا شہیر سالار اپنی پوری ہستی سے کانپ اٹھا تھا اور اسے یکدم اپنا اور شیریں کا فیصلہ درست لگا تھا کہ جو فیصلہ منجدھار میں پھنسا کشمکش کا شکار تھا۔ وہ ان دونوں کے دکھ پر کشمکش سے نکلتا کنارے آ لگا تھا۔

''جب یمانی آپی اور شہباز بھائی اپنا درد چھپا کر میری خوشی میں شامل ہو سکتے ہیں تو میں اپنی خوشی ان سے کیوں نہیں بانٹ سکتا۔'' اس نے ان دونوں کو باری باری دیکھتے ہوئے سوچا اور ماں کی طرف بڑھا تھا۔

''شیریں کہاں ہے، وہ ٹھیک تو ہے؟'' اس کی نرم سی فکر پر دبی ہنسی گردش کرنے لگی تھی۔

''بیوی کی نہیں بیٹے کی فکر کا وقت ہے، خیر سے باپ بن گئے ہو۔'' سائرہ بیگم کی نرم سی شرارت پر وہ جھینپ گیا تھا۔

''مجھے شیریں سے ملنا ہے۔'' اس کے کہتے ساتھ ہی دبی دبی ہنسی پھر فضا میں رس گھولنے لگی تھی۔ ان دونوں میاں بیوی کی نظر بے ساختہ ایک ساتھ بیٹے کی جانب اٹھی تھی، ان کے بیٹے کے چہرے پر سکون و عزم کا واضح رنگ تھا وہ ایک دوسرے کو دیکھتے مسکرا دیئے تھے اور وہ ماں کے بتائے ایک پرائیویٹ روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔

''شیریں۔''

اس نے شہیر کی آواز پر آنکھیں کھولی تھیں۔

''کیا تم اپنے فیصلے پر اب بھی قائم ہو۔'' وہ اسے دیکھ رہا تھا جس کی رنگت زرد تھی، آنکھیں لہو رنگ، وہ یکدم ہی مسکرا دی تھی۔

''دماغ کے فیصلوں کو نظر ثانی کی ضرورت پڑتی ہے شہیر، دل کے فیصلے تو پتھر پر لکیر کی مانند ہوتے ہیں، ایک بار ہو گیا فیصلہ تو ہو گیا، تبدیلی کی نظر ثانی کی گنجائش ہی نہیں نکلتی۔'' وہ نقاہت زدہ لہجے میں بولی تھی کہ ایک درد کا صحرا پار کر کے آئی تھی۔ اس نے شیریں کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''مجھے تم پر فخر ہے شیریں! ہمیشہ اتنی ہی اچھی رہنا۔'' وہ اس کا گداز ہاتھ لبوں سے لگاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''میں بھی آپ سے اگر یہی کہوں......'' وہ جاتے ہوئے شہیر کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولی تھی وہ پلٹا تھا اس کی ڈبڈبائی آنکھوں میں تادیر دیکھنے کا حوصلہ نہیں تھا۔

''آئی لو یو شیریں......'' وہ بھیگتے لہجے میں کہتا اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر الٹے قدموں کمرے سے نکل گیا تھا۔اس کی آنکھوں سے قطرہ قطرہ آنسو بہنے لگے تھے مگر وہ آنسو دکھ کے نہیں خوشی کے، فخر کے آنسو تھے۔ننھے بچے کے کان میں اذان دینے کے بعد اسے گھٹی پلائی گئی تھی اور بیڈ پر نیم دراز شیریں کے پہلو میں گل گوتھنے سے بچے کو لٹا دیا گیا تھا۔

''بہت مبارک ہو شیریں۔جنت تمہارے قدموں تلے آ گئی ہے۔'' یمانی اپنے مخصوص نرم لہجے میں پیار سے کہتی اس کی پیشانی چوم گئی تھی۔

''بہت شکریہ آپی۔'' وہ یمانی کے بے ریا چہرے کو دیکھ کر بولی تھی۔

''آپی! آج میں آپ سے کچھ مانگوں گی تو کیا آپ دے دیں گی؟'' شیریں نے کانپتے لہجے میں یمانی سے سوال کیا تھا جو یکدم مسکرا دی تھی۔

''یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے، کبھی تمہیں کسی چیز کے لئے منع ہی کب کیا ہے جو آج ایسا کروں گی۔تم بلا جھجک مانگ لو جو میرا ہے وہ تمہارا بھی تو ہے اور آج تو تم نے ہم سب کو اتنی بڑی خوشی دی ہے۔مجھے آنی کے مرتبہ پر فائز کر دیا ہے آج تو جان بھی مانگ لو گی تو انکار نہیں کر پاؤں گی۔'' یمانی کے انداز میں شیریں کے لئے مخصوص چاہت کا دریا رواں تھا۔سب ان دونوں بہنوں کی ہی طرف متوجہ تھے ایک واحد شہیر تھا جس کی نگاہ اپنے جوتوں پر ٹھہری تھی۔

''میرے بیٹے کو اپنی ممتا کی چھاؤں میں لے لیں آپی۔''

کوئی بم تھا جو ان سب کی سماعتوں پر پھٹا تھا، یمانی کے ہاتھ سے شیریں کا ہاتھ چھوٹ گیا تھا وہ بے یقینی سے شیریں کو دیکھنے لگی تھی جبکہ ضبط کے کڑے مرحلوں سے گزرتے شہیر کی آنکھ سے ایک آنسو گرا تھا۔سالار مصطفیٰ بیٹے کے برابر آن کھڑے ہوئے تھے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا اس نے نظر اٹھا کر باپ کو دیکھا تھا انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ضبط کے تقاضے سمجھائے تھے اور وہ مسکرا دیا تھا۔

''پاپا! آپ کا بیٹا کمزور نہیں ہے۔آپ کا یہ بیٹا اپنوں کے لئے دل سے دے گا یہ قربانی، آپ پریشان نہ ہوں۔'' اس نے سرگوشی کی تھی یکدم سالار مصطفیٰ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگے تھے۔

''آئی ایم پراوڈ آف یو مائی سن۔'' انہوں نے جھلملاتی آنکھوں سے بیٹے کے شانے پر دباؤ ڈالا تھا، وہ مسکرا دیا تھا۔

''می ٹو پاپا'' اس نے باپ سے کہتے ہوئے ماں کے چہرے کی طرف نظر کی تھی۔رابعہ بیٹے کو دیکھ کر مسکرا دی تھی۔

''مجھے یقین ہے کچھ سالوں بعد تمہارے بیٹے کو بھی تم پر فخر ہو گا، ناز کرے گا تمہارا بیٹا کہ تم اس کے باپ ہو۔'' وہ اپنے مخصوص ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہتے شہیر کو ہمیشہ سے اچھے لگے تھے۔

''میرا فخر تو آپ اور مما ہیں پاپا۔'' وہ کہتے ساتھ ہی اب شیریں کی طرف متوجہ ہوا تھا جو بظاہر کتنی پرسکون لگ رہی تھی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہیں آپی۔ میرے بیٹے کی ماں بن جایئے نا، پلیز......''

یمانی کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے اور اس نے بستر پر لیٹے بچے کو احتیاط سے اٹھا کر بے یقین کھڑی نیر بہاتی یمانی کی طرف بڑھا دیا تھا۔

''میں اور شہیر اپنا بیٹا آپ کو اور شہباز بھائی کو سونپ رہے ہیں آپی! لیجئے، اپنا بیٹا سنبھالیے۔''

کمرے میں صرف شیریں کی آواز گردش کر رہی تھی اور سب کبھی ایک دوسرے کو دیکھتے یا شیریں کو دیکھنے لگتے تھے جو یمانی کو دیکھتی گلابی کمبل میں لپٹا بچہ اس کی طرف بڑھا گئی تھی۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟'' وہ شیریں کو دیکھتے ہوئے بہت روتے ہوئے بولی تھی۔

''دماغ خراب تو ہوتا ایسا فیصلہ لیتی کیا؟ یہ تو دل کا فیصلہ ہے۔ آپ کی محبت میں لیا ہے، دل کے فیصلوں کی تو قدر کرتے ہیں...... ہاتھ بڑھا کر محبت سے لیے اس فیصلے کو تھام لیجئے۔'' وہ نرمی سے بولی تھی اور اسے ڈپٹنے لگی تھی۔

''پاگل، میرے سکون کے لئے اپنا سکون برباد کرنے چلی ہو۔ میری سونی گود کے لیے اپنی گود خالی کر دینا چاہتی ہو مگر میں تمہیں ایسا ہرگز نہیں کرنے دوں گی۔'' وہ ایک بڑی بہن کی طرح اسے ڈانٹ رہی تھی۔

''میں اور آپ الگ نہیں ہیں آپی، تو میرا سکون کیا، کیا آپ کا سکون کیا......اور میرا بیٹا میری گود میں پل کر جوان ہو یا آپ کی گود میں پل کر جوان ہو، کیا فرق ہے ان دونوں باتوں میں......'' وہ بڑے سکون سے سوال کر گئی تھی۔

''بہت فرق ہے......اور اس فرق کو فرق ہی رہنے دو، تمہارے بیٹے پر صرف تمہارا حق ہے۔ تم اس کی ماں ہو۔''

''خالہ بھی تو ماں کے برابر ہوتی ہے۔'' وہ اس کی بات قطع کر کے ترنت سے بولی تھی۔

''ہاں ہوتی ہے شیریں اور مجھے میرے بھانجے کی آنی ہی رہنے دو۔ میرے لئے اتنی بڑی قربانی نہ دو۔'' آگے اس سے کچھ کہا ہی نہیں گیا تھا حلق میں آنسوؤں کا گولہ سا اٹک گیا تھا۔

''قربانی دینا تو میں نے آپ سے ہی سیکھا ہے آپی۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے تھے۔

''احسان اتارنا چاہتی ہو......'' وہ یکدم غرائی تھی۔

''بالکل نہیں آپی، کہ زندگی موت کا مقابلہ کہاں کر سکتی ہے۔'' اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔ یمانی یکدم دھیمی پڑ گئی تھی۔

''میں تمہارے جذبے کی قدر کرتی ہوں شیریں، مگر میں اتنی خود غرض نہیں ہوں کہ اپنی خوشیوں کے لئے تمہارا سکون ہی تم سے چھین لوں۔''

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی، حیران و ساکت کھڑے شہباز کے وجود میں یکدم جنبش ہوئی تھی اور وہ بیوی تک پہنچا تھا اور وہ اس

کے کاندھے سے لگی بلک اٹھی تھی۔ کمرے میں خاموشی تھی جسے یمانی کی سسکیاں چیرتی جا رہی تھیں۔

''شہباز بھائی۔ آپ سمجھائیے نا آپی کو۔ یہ انکار نہ کریں......''

''پلیز شیریں، چپ کر جائیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔'' وہ سرخ آنکھوں سے ضبط کرتے ہوئے بولا تھا۔

''کیوں نہیں ہو سکتا شہباز بھائی۔ کیا اس بچے پر آپ کا کوئی حق نہیں ہے۔'' وہ بچے کو واپس بستر پر لٹاتے ہوئے نم لہجے میں شہباز کو دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی تھی۔

''ہمارا حق ہے شیریں مگر آپ کے اور شہیر کے بعد......اور جو ہمارا حق ہے بس وہی رہنے دیں۔'' اس کا لہجہ ضبط کی شدت سے بھاری ہو رہا تھا کہ شیریں کی بات ان کے زخم تازہ کر گئی تھی انہیں اپنی خالی گود کا اتنا شدت سے احساس تو اس وقت بھی نہیں ہوا تھا جب ڈاکٹر نے سب کچھ ختم ہو جانے کے کہنے کے ساتھ بعد کی ہر آس تک مٹا ڈالی تھی اور وہ دونوں ضبط کرتے، صبر کی راہ اپناتے اس امید میں تھے کہ میڈیکل سائنس سے بڑھ کر بھی ایک ذات پاک ہے اور ناکام تو میڈیکل سائنس ہوئی تھی، امید تو میڈیکل سائنس نے ختم کی تھی اور وہ رب کی بڑائی، اس کی رحمت سے مایوس نہ تھے اور آج وہ ان کے صبر کا امتحان لے رہی تھی، رستے زخم پر یوں ہاتھ رکھا تھا کہ وہ تڑپ اٹھے تھے۔ کمرے میں یکدم خاموشی چھا گئی تھی۔ نیناں اور ارمان نے سالار مصطفیٰ کی جانب دیکھا تھا کہ فاطمہ مصطفیٰ اور سائرہ بیگم کی نگاہ بھی سوالیہ انداز میں انہی پر اٹھی تھی اور انہوں نے مسکرا کر اس بات کی تصدیق کر دی تھی کہ وہ اپنی بہو کے فیصلے کے ساتھ ہیں۔ یمانی، اس کے کاندھے سے سر اٹھاتی باہر کی طرف بڑھی تھی اور بہت روتی ہوئی یمانی کا شہیر ہاتھ تھام گیا تھا۔

''آپی، اپنا بیٹا ساتھ لے کر نہیں جائیں گی؟'' اس کے انداز میں اتنی اپنائیت و خلوص تھا کہ یمانی کی ذات پانی بن کر بہنے لگی تھی۔

''میری خاطر اتنا ظلم نہ کرو شہیر۔ میں جانتی ہوں اولاد کھونے کا درد کیسا ہوتا ہے اور جس درد سے گزرتی ہوں وہ درد شیریں کو نہیں دے سکتی۔ تم دونوں کے خلوصِ محبت کی قدر کرتی ہوں مگر تم دونوں پر اتنا بڑا ظلم نہیں کر سکتی۔'' وہ کہتے ہوئے شہیر کے کاندھے سے لگ کر سسک اٹھی تھی۔ اس کی تکلیف سے سب کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

''یہ ظلم نہیں ہے آپی، میرا بچہ آپ کے پاس رہے گا یا میرے پاس سچ میں ایک ہی بات ہے۔ بس اتنا سا ہی تو فرق پڑے گا نا کہ میرے پاس ہو گا تو آپ کو آنی اور مجھے ماں کہے گا اور آپ کے پاس ہو گا تو مجھے آنی اور آپ کو ماں کہے گا اور اس میں کہاں فرق ہے، ممتا کا روپ کب بدلتا ہے۔ ماں تو ہر روپ میں ماں ہوتی ہے۔'' وہ بستر سے اترنے لگی تھی کہ آگے بڑھ کر رو یحا نے اس کی مدد کی تھی اور وہ شہیر کے کاندھے سے لگی روتی ہوئی یمانی کے سامنے آن ٹھہری تھی۔

''بوا، آپ سمجھائیے نا اسے یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ آپ لوگ اسے سمجھاتے کیوں نہیں ہیں۔'' وہ خاموش کھڑی رابعہ اور سالار مصطفیٰ سے بولی تھی۔

''یہ تم لوگوں کا آپسی معاملہ ہے ہم درمیان میں نہیں بول سکتے۔'' رابعہ صاف ہری جھنڈی دکھا گئی تھیں اس نے ڈیڈی اور بڑی

ممی کو دیکھا تھا ان کا بھی یہی ارادہ محسوس کرتی وہ ماں کو دیکھنے لگی تھی۔

''شیریں......''

''نہیں بڑی ممی، آپ ہم دونوں میں سے کسی کی بھی نہ حمایت کریں گی، نہ ہی مخالفت...... یہ ہم دونوں بہنوں کے آپس کا معاملہ ہے، نرمی سے، لڑ جھگڑ کر، حق سے، جیسے چاہیں گے اس مسئلہ سے نبرد آزمائی کر لیں گے۔'' وہ یمنیٰ کو بولنے کا موقع دیئے بغیر بولی تھی۔ ان دونوں کا مطالبہ زور پکڑ رہا تھا اور وہ دونوں مستقل انکاری تھے۔ یہ اونٹ نہ جانے کس کروٹ بیٹھنے والا تھا کہ بچے نے رونا شروع کر دیا تھا۔

''آپی! یاد رکھیئے گا کہ اس بچے کو جس پل آپ کو دینے کا سوچا تھا اس وقت سے میں نے اسے اپنے پاس آپ کی امانت سمجھا، امانت کی طرح حفاظت کی اور آج میں امانت آپ تک پہنچانے میں سرخرو ہو گئی ہوں۔''

بچے کے رونے کی آواز شیریں کا دل کھینچ رہی تھی مگر وہ ضبط کرتے ہوئے کھڑی روتے ہوئے، روتی ہوئی یمانی سے کہتی چلی گئی تھی۔ وہ بہت چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''یہ فیصلہ ابھی لمحوں میں نہیں لیا۔ کئی ہفتوں اس کی آبیاری کی ہے اور آپی، میرا فرض ختم ہوا۔ اب یہ آپ کا فرض شروع ہوتا ہے میں اور شہیر ذہنی و قلبی آمادگی سے اپنے بچے کے تمام حقوق آپ کو اور شہباز بھائی کو سونپ رہے ہیں۔''

''اپنا بچہ لے لیں آپی، آپ کا بیٹا آپ کی گود میں آنے کو بے قرار ہے۔'' شیریں بول ہی رہی تھی کہ وہ بہت روتے ہوئے بچے کو اٹھا کر نہ صرف لایا تھا یمانی کی طرف بڑھا رہا تھا وہ شہیر کو دیکھتی نفی میں سر ہلانے لگی تھی جبکہ دل کی بھی عجیب حالت تھی۔

''پاگل مت بنو تم دونوں اور شیریں بہت ہو گیا ہے بس اب سب ختم کرو، بچہ بھوک سے رو رہا ہے۔ اسے فیڈ......''

''ماں آپ ہیں، آپ کریں اس کی بھوک مٹانے کا انتظام، میرا اس بچے سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔'' وہ یمانی کی بات قطع کر کے کہنے لگی تھی کہ یمانی کی برداشت ختم ہو گئی تھی۔

''تڑاخ...... بکواس بند کر دو۔ کیسی ماں ہو اپنا بچہ کسی اور کو دینا چاہتی ہو۔ کیسی ماں ہو تم شیریں جسے اپنے بچے کی تڑپ، اس کی بھوک کی بھی پرواہ نہیں۔'' وہ ہذیانی انداز میں چیخی تھی۔

''ہاں، نہیں ہے پرواہ کہ میرا بچہ تو اُس شام سیڑھیوں پر مر گیا تھا۔'' وہ یمانی سے زیادہ تیز آواز میں چیخی تھی یکدم کمرے میں سکوت چھا گیا تھا اور سکوت کو توڑتی ننھے بچے کے رونے کی آواز دل بند کر دینے کو کافی تھی۔

''میرے بچے کی موت ہوئی تھی اور ماتم آپ نے کیا تھا آپی، آپ کے آنسو، آپ کا رونا بلکنا آج بھی مجھے چین نہیں لینے دیتا...... اور آج آپ کے بچے کی پیدائش ہوئی ہے اور خوشی میں منا رہی ہوں تو آپ کے ہزار اعتراضات ہیں...... دکھ سانجھا تھا تو خوشی سانجھی کیوں نہیں ہے آپی؟'' وہ سانس روکے کھڑی یمانی کو شانوں سے تھام گئی تھی۔

''یاد ہے آپ کو جب آپ کا بچہ مر گیا تھا، میں کتنا روئی تھی اور آپ نے مجھ سے کہا تھا 'شیریں! اللہ کی امانت تھی، اللہ نے لے

لی۔اب میں آپ کو آپ کی امانت دینا چاہتی ہوں تو آپ اور شہباز بھائی کو ہزار اعتراضات ہیں اور آپ شہباز بھائی......'' وہ روتے ہوئے کہتی یمانی کو اس کی بات کا حوالہ دیتی یکدم دکھ کی تصویر بنے شہباز کی طرف مڑی تھی۔

''آپ کی بیوی اپنی اور آپ کی خوشیاں صرف میری وجہ سے داؤ پر لگا دے۔اپنی گود سونی کر لے تب آپ کچھ نہیں کہتے اور میں اگر آپ کو آپی کو آپ لوگوں کی خوشیاں لوٹانا چاہتی ہوں تو آپ نہیں مانتے......کیوں......بتائیے مجھے، کیا مجھے صرف لینے کا حق ہے، کیا میں کبھی کسی کو کچھ دے نہیں سکتی۔'' وہ شہباز کا بازو جھنجھوڑتے ہوئے سسک رہی تھی۔

''وہ اللہ کی مرضی تھی شیریں......'' شہباز کا ضبط بکھر گیا تھا اس کی آنکھ سے آنسو گرا تھا وہ ضبط کی آخری حد پر کھڑا تھا۔

''یہ بھی اللہ کی مرضی ہے شہباز بھائی کہ اللہ دکھ دینے پر قادر ہے تو خوشیاں بھی اللہ کے پاس ہیں۔اس نے دکھ دیا تھا تو آج خوشی بھی تو لوٹا رہا ہے۔بچہ لے لیا تھا تو بچے دے بھی تو رہا ہے۔صبر کیا تھا آپ نے تو کیا اب شکر نہیں کریں گے۔'' وہ شہباز کا بازو تھامے کہتی چلی گئی تھی۔

''شیریں! ہم اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہیں۔امید ہے اس پاک ذات سے کہ وہ ہمیں تاحیات محروم نہیں رکھے گا۔'' اس نے آنکھیں رگڑتے ہوئے شیریں کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

''ٹھیک کہا آپ نے شہباز بھائی......اور یہ اللہ کا ہی کرم ہے کہ اس نے ہمارے دل میں یہ بات ڈالی ورنہ ہماری کیا اوقات ہم کسی کے لئے کچھ کر پائیں۔''

چھوٹا بچہ روتے ہوئے ہلکان ہو رہا تھا اور وہ بچے کو گود میں اٹھائے شہباز کے سامنے آن رکا تھا۔

''زیادہ مت سوچیئے۔یہ اللہ کا فیصلہ ہے شہباز بھائی۔'' اس نے بچہ شہباز کی طرف بڑھایا مگر اس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ فاطمہ مصطفیٰ آنسو رگڑتی آگے بڑھی تھیں۔پوتے کی گود سے پڑپوتا لیا تھا اور شہباز کی طرف بڑھا دیا تھا۔

''یہاں موجود ہر ایک شخص یہی چاہتا ہے کہ اس بچے کو تم اپنی سائبانی میں لے لو شہباز بیٹا۔''

وہ سالار مصطفیٰ کو دیکھنے لگا تھا۔

''میرے لئے جیسے شیریں، ویسی ہی یمانی۔میں اپنے بیٹے، بہو کے فیصلے کے ساتھ ہوں۔'' وہ ماں کے پہلو میں آ کھڑے ہوئے تھے۔سب کے واضح اقرار کے بعد انکار کی گنجائش نہیں تھی مگر وہ اب بھی ہچکچاہٹ کا شکار تھا۔

''آپ کو لگتا ہے شہباز بھائی کہ اس بچے پر آپ اپنی باپتا نچھاور نہیں کر پائیں گے۔یہ بچہ آپ کا مان، آپ کا بازو بن پائے گا تو آپ صحیح کر رہے ہیں، اس بچے کو ایڈاپٹ نہ کرنے کا فیصلہ بالکل درست ہے آپ کا۔'' اس کی ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہوئے شہیر نے آخری چوٹ کی تھی شہباز تڑپ ہی تو اٹھا تھا۔

''کیا کبھی احساس سے بھی نفرت ہوتی ہے۔یہ بچہ ہمیں زندگی کا، خوشیوں کا احساس دے گا اور ہم اسے محبت نہیں دے پائیں

گے ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔'' شہباز کے آنسو گرنے لگے تھے اور سالار مصطفیٰ نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا اور ماں کی آغوش میں بلکتے پوتے کو لے کر شہباز کو پکڑا دیا تھا۔ شہباز معصوم چہرے والے بچے کو دیکھنے لگا تھا جو رو رو کر لہو رنگ ہو رہا تھا۔ وہ کچھ پل اسے تکتا یکدم اس پر جھکا تھا دیوانوں کی طرح پیار کرتا وہ ساتھ ہی روتا جا رہا تھا۔ شیریں نے ششدر کھڑی یمانی کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا اس کی آنکھیں تشکر سے جھلملانے لگی تھیں اور شیریں نے اسے شہباز کی طرف پیش قدمی کرنے کو کہا تھا۔

''شہباز! آپ اکیلے اکیلے ہی اپنے بیٹے کو پیار کرتے رہیں گے، میں نے بھی اپنے بیٹے کو پیار کرنا ہے۔'' وہ سسکتے ہوئے بولی تھی۔ بچے کو والہانہ پیار کرتے شہباز نے سرخ متورم چہرہ اونچا کر کے بیوی کو دیکھا تھا اور بچہ اس کی طرف بڑھا دیا تھا اس کے انداز میں بھی چاہت کا ٹھاٹھے مارتا سمندر تھا۔ شہیر اس کے پہلو میں آ کھڑا ہوا تھا۔

''اب تو خوش ہونا شیریں۔'' حسین منظر پر نگاہ جمائے اس نے شیریں کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

''بہت زیادہ۔'' وہ شہباز اور یمانی کو ایک ساتھ بچے کو پیار کرتے دیکھتی طمانیت سے مسکرائی تھی۔

''تم نے ٹھیک کہا تھا شیریں کہ ہمارا بچہ ہماری خوشی کا اور یمانی آپی اور شہباز بھائی کے سکون کا باعث ہوگا۔ ان دونوں کے چہرے پر پھیلا اطمینان ہمیں کبھی پچھتاوے کی راہ پر چلنے نہیں دے گا۔'' اس نے حسین منظر سے نگاہ ہٹا کر شیریں کو مسکراتی نظروں سے دیکھا تھا اور وہ آنکھوں میں نمی لیے طمانیت سے شہیر کو دیکھتی مسکرا دی تھی۔

☆......☆......☆

شہباز کے گھر ایک رونق سی لگی تھی، بچے کا نام رکھنے کے لئے باقاعدہ ان سب میں جھڑپ ہو رہی تھی کہ چھوٹے سے لے کر بڑے تک سب کی یہی آرزو تھی کہ بچے کا نام وہ رکھے گا۔ شیریں کو چونکہ ڈسچارج نہیں کیا گیا تھا اس لئے نیناں شیرازی اس کے ساتھ ہاسپٹل میں تھیں۔ باقی ادیان کے علاوہ نیناں ولاز اور مصطفیٰ ہاؤس کا ایک ایک فرد اس وقت شہباز کے گھر پر موجود تھا یہاں تک کہ شہیر بھی کہ حوصلہ دکھایا تھا تو حوصلوں کا مان بھی رکھنا تھا اسی لئے ایبان و خوشی کو نام رکھنے پر الجھتے دیکھ کر وہ پرسکون سا مسکرا رہا تھا کہ اسے بھی ہر بھائی کی طرح اپنی بہن بہت عزیز تھی۔ اسی وقت خوشی کرسی دھکیل کر اٹھی تھی اور منہ بنا کر چارپائی پر بیٹھے باپ اور بھائی کے درمیان جا کر بیٹھ گئی تھی۔

''پھر لڑائی ہوگئی ہے ایبان سے۔'' اس کے یوں وہاں آنے پر شہیر نے نرمی سے چھیڑا تھا۔

''شہیر بھیا! یہ ایبان کا بچہ نہ جانے خود کو کیا سمجھتا ہے۔ اب بات نہیں کروں گی۔'' وہ خفگی سے بولی تھی اور شہیر و سالار مصطفیٰ مسکرا دیئے۔

''کتنے سیکنڈز تک بات نہیں کرو گی۔'' سالار مصطفیٰ کے چھیڑنے پر وہ یکدم سرخ پڑ گئی تھی۔

''پاپا......'' وہ جھینپ مٹانے کو منمنا کر ان کے کاندھے پر سر ٹکا گئی تھی۔ ان کا ہاتھ مسکراتے ہوئے بیٹی کے رخسار تھپکنے لگا تھا۔ اسی وقت ایبان کی نگاہ اٹھی تھی اور اس نے فوراً ہی اسے منہ چڑایا تھا اور وہ اس وقت اپنی محفوظ پناہوں میں تھی دائیں بائیں سے کہ وہ نظر تک کو کھلی چھوٹ نہیں دے پایا جوابی کارروائی تو بہت دور کی بات تھی۔ نام رکھنے کی لڑائی اب طول پکڑنے لگی تھی تب ہی خاموشی سے سب کی نوک

جھونک انجوائے کرتی شانیہ بول پڑی تھی۔

''آنٹی! اگر آپ اجازت دیں تو اپنے بھتیجے کا نام میں رکھ دوں۔''

رابعہ پہلے حیران ہوئی تھیں یکدم مسکرادی تھیں۔

''اجازت کی کیا ضرورت، نام رکھنا تو ویسے بھی پھپھی کا ہی حق ہوتا ہے۔'' رابعہ کے چہرے پر نرمی تھی، شانیہ کے آنسو گرنے لگے تھے۔ وہ کوئی نام بتاتی کہ خواہش وریحا نے شور ڈال دیا تھا کہ وہ بھی پھپھو ہیں تو یہ حق ان دونوں کا بھی ہوا اور ان دونوں کے ہی حق کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا تھا اس لئے صورتحال یکدم ہی کافی گمبھیر ہوگئی تھی تب ہی وہ دونوں کورس میں بولی تھیں۔

''دو اچھی، پیاری پیاری پھپھو، ایک اچھی پھپھو کے لئے اپنے حق سے دستبردار ہورہی ہیں۔''

شانیہ نے ان دونوں کو دیکھا تھا وہ دونوں مسکراتے ہوئے اس کو دیکھ رہی تھیں اور اس نے مسکراتے ہوئے نام بتادیا تھا۔

''شاہ میر، نام کیسا ہے آنٹی؟'' وہ رابعہ کو دیکھ رہی تھی اور ان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ینگ پارٹی نے شاہ میر نام اوکے کردیا تھا۔

رابعہ بھی مسکرادی تھیں ان سب کی عجلت پر۔

''امی کی بڑی خواہش تھی کہ ان کے ہاں پوتا ہو اور وہ اپنے پوتے کا نام شاہ میر رکھیں۔'' وہ روتے ہوئے ماں کی ناآسودہ خواہش بتارہی تھی۔ رابعہ نے اسے کاندھے سے لگالیا تھا۔

''بہت پیارا نام ہے، وہاں آسمان پر شہناز آپی آج بہت خوش ہوں گی۔'' وہ شانیہ کی پیشانی چومتیں نرمی سے مسکرادی تھیں۔

''کچھ خواہش اتنی دیر میں تکمیل کے درشن دکھاتی ہیں کہ خواہش کرنے والی آنکھیں تھک کر سو جاتی ہیں۔ یہ خواہشات اتنی سنگدل کیوں ہوتی ہیں......'' وہ رابعہ کے کاندھے سے لگی بہک رہی تھی کہ اس کو آج ماں کی کمی شدت سے محسوس ہورہی تھی۔ وہ آگے سے کچھ کہنے کی بجائے بھرپور انداز میں اسے تسلی دے رہی تھیں کہ اس کا درد محسوس کرسکتی تھیں کہ ادیان کی بیماری کو لے کر تو وہ سب ہی مضطرب تھے پھر وہ تو اس کی چند دنوں کی سہاگن تھی جس نے سہاگ کی خوشبو محسوس تک نہ کی تھی اوپر سے ماں کی ابدی دوری، وہ اسے پانی پلاتے ہوئے سب کی شرارتوں میں شامل کرگئی تھیں شہیر سے اب وہاں بیٹھنا دشوار ہونے لگا تھا کہ اپنا آپ بہت خالی خالی لگ رہا تھا اس نے ایک نظر شانیہ کی گود میں مسکراتے بچے پر ڈالی تھی اور اس سے پہلے ضبط بکھرتا وہ مصروفیت کا بہانہ بناتا شہباز کے گھر سے نکل آیا تھا۔ دہلیز پار کرتے ہوئے شہیر کو لگا تھا کہ وہ اپنی متاع وہیں چھوڑے جارہا ہے اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں اور گاڑی میں بیٹھنے تک ضبط کی طنابیں ہاتھ سے چھوٹ گئی تھیں۔ وہ اسٹیئرنگ پر سر ٹکائے اونچا چوڑا نوجوان بچوں کی طرح رو رہا تھا۔

☆......☆......☆

''پلیز آنی، آپ سمجھائیے ناشیریں کو، اس طرح روئے گی تو اس کی طبیعت خراب ہوجائے گی۔'' کچھ دیر پہلے ہی تقریباً گیارہ گھنٹوں بعد ڈسچارج ہوکر گھر آئی تھی اور جب سے ہی بس روئے جارہی تھی اور اس کے رونے پر مضطرب ہوکر شہیر نے نیناں شیرازی سے کہا تھا۔

''شیریں، تمہارے اور شہیر کے اس قدم سے ہم سب بہت مطمئن ہیں۔ مجھے تم دونوں پر فخر محسوس ہو رہا ہے۔'' وہ بیٹی کو چپ کروانے کے بجائے بھیگے ہوئے لہجے میں بولی تھیں۔

''ممی! میں اپنے عمل سے بہت مطمئن ہوں مگر اپنا آپ بہت خالی خالی لگ رہا ہے۔'' وہ ماں کے شانے سے لگی بلک رہی تھی۔

''حوصلہ کیا ہے تو حوصلوں کا مان بھی رکھنا کہ یہ فیصلہ تو کچھ بھی نہیں ہے اس فیصلہ پر قائم رہنا سب کچھ ہے۔'' وہ بیٹی کو پانی پلاتے ہوئے بولی تھیں۔

''میرا حوصلہ کبھی نہیں بکھرے گا ممی، کہ مائیں کمزور نہیں ہوتیں یہ درد کا صحرا پار کرتے ہوئے جان گئی ہوں.....'' وہ گلاس واپس کرتے ہوئے بولی تھی اور انہوں نے بیٹی کا ماتھا چوم لیا تھا۔

''یو ڈونٹ وری شیریں۔ اللہ تمہارے اس ایثار کو کبھی رائیگاں نہیں جانے دے گا۔'' انہیں آج اپنی بیٹی پر بہت فخر ہو رہا تھا۔ وہ شدت جذبات سے بولی تھیں وہ روتے روتے سے مسکرا دی تھی وہ اسے دیکھتے ہوئے قدرے ریلیکس ہوا صوفے پر ٹک گیا تھا۔

''چلو شاباش۔ رونا دھونا بند کرو ویسے بھی میری دادی کہا کرتی تھیں کہ سہاگن کے پیچھے بچے کھڑے.....'' وہ ماں کو ہونق چہرے سے تکنے لگی تھی جبکہ وہ یکدم ہی مسکرا دی تھیں۔

''اس کا کیا مطلب ہوا؟'' وہ منہ بنا کر بولی تھی اور وہ ہنسی دباتیں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''میں اپنی دادی سے مطلب پوچھنا بھول گئی تھی۔'' وہ ہنستے ہوئے کہتیں اس کے کمرے سے نکل گئی تھیں۔

''آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟'' وہ ماں کی بات پر الجھی تھی کہ اسے ہنستے دیکھ کر چڑ سی گئی تھی۔

''تم ہونق چہرے کے ساتھ اتنی پیاری لگ رہی ہو کہ مجھے ہنسی آنے لگی۔'' وہ شیریں کی طرح احمق نہیں تھا محاورتاً بولی جانے والی بات سیاق و سباق کے ساتھ نہ سہی کچھ نہ کچھ تو وہ سمجھ ہی گیا تھا اس لئے ہنسی آ گئی تھی مگر اس سے کہہ نہیں سکتا تھا اس لئے اسے روٹھتے دیکھ کر شرارت کا سہارا لیا تھا اور وہ مطمئن ہو کر سونے کے لئے لیٹ گئی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ نیند دونوں کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ لگتا تھا سپنے ریت کی مانند ہاتھوں سے پھسل گئے۔ روتے روتے نہ جانے کب ان کی آنکھ لگ گئی تھی کہ سوئے نہ جانے کتنی دیر ہوئی تھی کہ شہیر کی آنکھ کھلی تھی اور شیریں کو روتے دیکھ کر وہ اٹھ بیٹھا تھا۔

''شیریں۔'' اس نے لائٹ جلا کر اسے پکارا تھا اور وہ اس کے کاندھے سے آ لگی تھی۔

''شہیر۔ ایک رات نہیں کٹ رہی...... پوری زندگی کیسے گزرے گی؟'' وہ سسکتے ہوئے شہیر کا دل مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔

''رات بھی کٹ جائے گی، زندگی بھی گزر جائے گی۔'' وہ ضبط سے بولا۔

''ہاں! لیکن وہ بہت یاد آئے گا شہیر۔ مجھے میرا بیٹا بہت یاد آ رہا ہے۔'' وہ اختلاف کئے بنا سسکتے ہوئے اپنی دلی کیفیت بیان کر رہی تھی اور اسے لگا تھا کہ شیریں نے اس کا حالِ دل بیان کر ڈالا ہے۔

''اپنا آپ بہت خالی لگ رہا ہے شہیر۔ ہم سب کچھ پا کر بھی تہی دست رہ گئے۔'' اس کی گریہ وزاری بڑھنے لگی تھی۔

''اپنا آپ خالی تو لگ رہا ہے مگر ہم تہی دست نہیں ہیں شیریں۔'' وہ اسے خود سے الگ کرتے ہوئے اپنے آنسو اپنے اندر اتارتے ہوئے بولا تھا کہ اسے شدت سے احساس ہوا تھا کہ شیریں نے جس ضبط کا مظاہرہ کیا ہے وہ بس بکھرنے کو ہے اور اسے خود کو سنبھالنا تھا کہ خود کو سنبھال کر ہی تو وہ اسے سنبھال سکتا تھا جس نے قرض اتارنے کو زندگی کی بازی لگا دی تھی۔

''ہمارے خالی ہاتھوں پر اپنوں کی خوشیاں رکھی ہیں شیریں اور جن ہاتھوں پر اپنوں کی خوشیاں مسکرا رہی ہوں کیا وہ ہاتھ کبھی تہی دست ہو سکتے ہیں۔'' وہ اسے شانوں سے تھامے خود کو کمپوز کیے نرمی سے کہتا سوال کر گیا تھا اس نے یکدم نفی میں گردن ہلائی تھی۔

''ارے یار اٹس پارٹ آف لائف...... تم کیوں اتنا رو رہی ہو...... ایک بچے پر زندگی ختم نہیں ہوئی دیکھنا ہم اپنے بچوں کی کرکٹ ٹیم بنائیں گے۔''

وہ شہیر کو دیکھتی رونا بھول گئی تھی اور وہ اس کی حیرت کو انجوائے کرتا یکدم دلکشی سے ہنس دیا تھا۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں شیریں۔ ہم پوری کرکٹ......''

''توبہ کریں شہیر۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو۔'' وہ حیا سے سرخ پڑتی منمنا کر وہاں سے اٹھنے کو تھی کہ وہ اس کا ہاتھ تھام گیا تھا۔

''اس میں حرج ہی کیا ہے؟'' وہ اس کی حیا و گریز کو محسوس کرتا دلکشی سے چھیڑ رہا تھا۔

''ارے کیسے حرج نہیں ہے۔ میری تو جان پر بن آئی تھی...... ہزار نصیحتیں...... سو تکلیفیں...... میں تو چند سالوں تک سوچوں بھی نا کہ آپ کو حرج کیوں لگے گا کہ سب تکلیفیں تو میں نے برداشت کیں۔ آپ تو مزے سے پاپا بن گئے۔'' وہ نروٹھے پن سے کہتی یکدم لب دانتوں تلے دبا گئی تھی۔ نچلے ہونٹ سے خون رسنے لگا تھا اور کمرے میں موت کا سا سکوت چھا گیا تھا۔

''آپ صحیح کہتے تھے شہیر کہ یہ سب اتنا آسان نہیں۔ پل پل مرنا ہو گا۔ ہر بات میں اس کی یادیں دستک دے گی کہ ہمیں خوشی میں بھی رونا اور دکھ میں بھی ہنسنا پڑے گا۔'' وہ اس کے کاندھے سے لگی بکھر رہی تھی اور وہ زندگی کو ضبط کے طریقے سے سکھا رہا تھا خود کو بکھرتا اسے سمیٹ رہا تھا کہ وہ اسے اتنی ہی عزیز تھی۔

''شہیر! آپ دکھی نہ ہوں کہ جب تک آپ کی شیریں آپ کے ساتھ ہے آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔''

وہ جو یہ سمجھ رہا تھا کہ اسے شیریں کو سنبھالنے کے لئے اپنا دکھ چھپانا پڑے گا۔ شیریں کے بھیگی مسکان کے ساتھ کہے جملے پر اس کا خیال باطل ہو گیا تھا اور وہ اس کے حسین متورم چہرے کو دیکھتا اس سے لپٹ گیا تھا۔

''بہت تکلیف میں ہوں شیریں...... اپنے وجود کا آدھا حصہ لگا کہ میں شہباز بھائی کی چوکھٹ پر چھوڑ آیا ہوں۔ ہم یہاں ہوں گے اور ہمارا بچہ وہاں ہو گا اور احساس کی ڈوری کبھی اس آنگن میں ہمیں کھینچ لے گی جہاں ہمارا بیٹا ہے کبھی اس آنگن میں لے آئے گی جہاں ہماری سانسوں کی ڈور بندھی ہے...... میں بکھرتا ہوں شیریں، پل پل مر رہا ہوں۔ مجھے سمیٹ لو۔ کچھ ایسا کرو کہ میرے دل کو قرار آ جائے کہ آج تمہارا شہیر بڑی تکلیف میں ہے۔''

وہ جب جب بکھری تھی، جب جب کسی تکلیف نے اسے رلایا تھا شہیر کے بازو اس کا مضبوط سہارا اسے یوں سمیٹ گیا تھا کہ تکلیف کا ہر احساس مٹ گیا تھا اور آج پہلی دفعہ وہ بکھر رہا تھا اور شیریں کو اس بکھرتے شخص کو سمیٹنا تھا جو آج تک سب کو سمیٹتا آیا تھا اور وہ اسے سنبھالتی خود بکھر رہی تھی مگر آج ضبط کرنے کی باری اس کی تھی کہ آج اس نے بکھرنا نہیں تھا، بکھرے، ٹوٹے شہیر کو سمیٹنا تھا اور وہ اس میں کامیاب ٹھہری تھی۔ طلوع ہونے والی صبح کافی روشن تھی کہ جس کام کی بنیاد میں اپنوں کا خیال، ان کی خوشی رکھی گئی تھی وہ ناکامیاب ٹھہر نہیں سکتا تھا وہ ایک دوسرے کو سنبھالتے زندگی کا نیا رمز سیکھ گئے تھے اور ان کے مطمئن آسودہ چہرے مصطفیٰ ہاؤس کے مکینوں کے لئے باعث افتخار تھے۔

ناشتہ کی ٹیبل پر ہنسی وقہقہہ بکھرے تھے، شیریں اور عبیر مل کر خواہش کو چھیڑ رہے تھے اور اس کا سب سے بڑا سپورٹر ہمیشہ کی طرح شہیر سالار تھا جس کی وجہ سے شیریں ان دونوں کو ہی منہ چڑاتی سالار مصطفیٰ کی سپورٹ حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہری تھی اور خوشی کا منہ بن گیا تھا۔

''خوشی، تم منہ نہ بناؤ کہ پاپا، شیریں سے ڈرتے ہیں ورنہ ساتھ تو یہ تمہارے ہی ہیں۔'' وہ جوس گھونٹ گھونٹ پیتا شرارت سے بولا تھا۔ رات کے روپ سے یکسر بدلے روپ کے ساتھ سب کے سامنے موجود تھا کہ سنجیدگی بچپن سے ہی اس کا طرۂ امتیاز رہی تھی مگر جب وہ شرارت کرتا تھا تو شرارت کو بھی اپنے ہونے پر ناز ہونے لگتا تھا۔

''شہیر، فضول بات کی نا تو جان سے ماردوں گی میں آپ کو......'' وہ اس کے ہاتھ سے گلاس جھپٹ کر ٹیبل پر رکھتی منہ بنا کر بولی تھی۔ دبی دبی ہنسی کمرے کی فضا میں گردش کرنے لگی تھی۔ عبیر نے جھٹ شہیر کا ادھ پیا جوس کا گلاس منہ سے لگا لیا تھا۔

''ارے ارے ایسے کیسے......ہمیں جان سے مارنے والے تو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے۔ یہ اور بات ہے کہ آپ کا حسن صبح وشام ہمارے قتل کے درپے رہتا ہے۔'' وہ چہرے پر شرارتی مسکان سجائے بولتا اس کے چہرے پر حجاب سی حیا کے زیر اثر لے گیا تھا وہ کہاں اتنا غیر محتاط تھا کہ والدین اور چھوٹے بھائی بہن کے سامنے ایسی کوئی بات کہہ جاتا جہاں وہ سب حیران تھے وہیں کافی مطمئن بھی تھے کہ شہیر اس وقت اتنا حسین نظر آ رہا تھا کہ رابعہ سالار نے ''ماشاءاللہ'' کہہ کر اس خیال سے نظر چرا لی تھی کہ بیٹے کو ان کی نظر نہ لگ جائے۔ عبیر کو اچھو لگ گیا تھا۔ سالار مصطفیٰ نے مسکراہٹ دباتے ہوئے عبیر کی پیٹھ پر دھپ لگائی تھی۔ ماحول یکدم بدل گیا تھا، شہیر کا پرسکون چہرہ، شیریں کی حیا سے لرزتی پلکیں، فاطمہ مصطفیٰ نے اپنے بچوں کی سلامتی اور خوشیوں کی دل سے دعا کی تھی اور خوشگوار ماحول میں ایک دوسرے کو تنگ کرتے وہ ناشتہ کرنے لگے تھے۔ رابعہ کے دیکھنے پر وہ فخر سے مسکرائے تھے کہ ان دونوں کے تیور یہ بتانے کو کافی تھے کہ ان دونوں نے جو فیصلہ لیا ہے وہ اس پر بہ خوشی راضی ہیں اور بچوں کو خوش دیکھ کر وہ دونوں میاں بیوی مطمئن سے مسکرا دیئے تھے۔

''مجھے لگتا ہے کہ مجھے پولیس اسٹیشن کے لئے نکلنا چاہیئے کہ آج برخوردار کے ارادے ٹھیک نہیں ہیں۔'' سالار مصطفیٰ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے شرارت سے باز نہیں آئے تھے یکدم شہیر کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔

''ارادے تو نیک ہیں پاپا......بس برابر بیٹھی محترمہ مجھ بے چارے معصوم کو بہکائیں نا تو......'' وہ ایک نظر شیریں کے پر حیا تیکھے نقش والے چہرے پر ڈالتا کرسی کھسکا کر اٹھ گیا تھا جبکہ وہ ہونقوں کی طرح منہ کھولے بیٹھی تھی۔ سالار مصطفیٰ مسکراتے ڈائننگ ہال سے نکل

گئے تھے۔عبیر نے اس کے انداز پر اسے چھیڑا تھا اور وہ ان سب کو مسکراتے دیکھ کر جھینپ کر خود بھی مسکرا دی تھی کہ زندگی کتنی حسین محسوس ہو رہی تھی مگر زندگی تب تک ہی حسین ہوتی ہے جب تک زندگی ہو اور زندگی ہی نہ رہے تو......!!!

☆......☆......☆

''آپ بے فکر رہیں ڈیڈ۔میں وقت پر پہنچ جاؤں گا۔'' وہ کسلمندی سے بستر پر پڑا ایک لمبا لیکچر سننے کے بعد لامحالہ بولا تھا۔

''بھروسہ نہیں رہا تم پر زعیزعہ، پھر بھی تمہیں نیا کام سونپ رہا ہوں کہ مجبوری ہے میری، اکلوتے بیٹے ہو تم میرے، چاہتے نہ چاہتے ہوئے بھی میرے تمام راستے تم پر آ رکتے ہیں۔'' وہ قدرے بے بسی سے بولے تھے اور وہ تو اشتعال میں آ گیا تھا۔

''واٹ ربش ڈیڈ! کم از کم مجھ سے اپنی بیوی کی زبان نہ بولا کریں، کہہ دیا کہ ہو جائے گا کام تو بس ہو جائے گا۔'' وہ نہایت بدلحاظی سے بولا تھا اور وہ بھی کہاں کم تھے۔

''اگر میں کسی عورت کی زبان بول رہا ہوں تو تم تو ایک عورت کے لئے خود کو برباد کر رہے ہو......اپنا کیریئر داؤ پر لگا دیا ہے۔''

حمزہ خان کی بات سن کر اس کا چہرہ ضبط سے لہو رنگ ہو گیا تھا۔

''ٹھیک ہے، میں نہیں آ رہا، رہ گئی آپ کی مجبوری تو اس مجبوری کے طوق کو گلے سے اتار پھینکیں اور میرا مشورہ مانیں تو ایک بچہ پلان کر لیں دیر سے ہی سہی وہ آپ کے مستقبل میں آپ کا ساتھ ضرور دے گا کہ میں تو ایک عورت کے لئے برباد ہو چکا، آپ کے کسی کام کا نہیں رہا۔'' وہ شرم لحاظ بالائے طاق رکھتا بدلحاظی کی انتہاؤں پر تھا اور وہ جو اس کی بدلحاظی کا سبب تھے اس کی بے باکی پر ان جیسے حیا و لحاظ سے عاری انسان کے کانوں سے بھی دھواں نکلنے لگا تھا۔

''رکھتا ہوں، امید ہے جلد خوشخبری دیں گے۔'' اس نے لائن کاٹ دی تھی اور بڑے سکون سے اٹھا تھا اور کراچی جانے کی تیاری کرنے لگا تھا کہ جب سے دل نے وصل کی آس جگا کر ہجر کاٹا تھا اسے کراچی سے خوف آنے لگا تھا کہ جگہ جگہ یادیں بکھری تھیں۔وہ تو پہلے ہی شہر، شہر ملک، ملک پھرا کرتا تھا جب سے ہجر کی آکاس بیل اس کے من کا روگ بنی تھی تب سے اس کا وقت کراچی میں سب سے کم گزرا تھا مگر قسمت اسے کھینچ کھانچ کر اسی شہر میں لے آئی تھی جہاں پہلے اسے سکون ملا کرتا تھا کہ یہ شہر اس کی جائے پیدائش تھا، جہاں اس کی اپنی ماں کے ساتھ حسین، خوشگوار یادیں تھیں مگر اب اس شہر سے اسے وحشت ہونے لگی تھی کہ راستے اجنبی سہی، منزلیں بے نشان سہی، دل انہی راستوں، انہی منزلوں کا تمنائی تھا۔اس نے شاور لے کر شیو بنائی تھی اور سیاہ پینٹ پر وائٹ شرٹ پہن کر خود پر جی بھر کے پرفیوم کا اسپرے کیا تھا اور خود کو آئینہ میں دیکھا تھا۔چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد، کسرتی جسم، شہابی رنگت، گہری سیاہ آنکھیں، بھرا بھرا چہرہ، عنابی لب، جن پر سگریٹ نوشی اپنا گہرا اثر چھوڑنے لگی تھی، جیسے آنکھوں کی خوبصورتی کبھی شراب نوشی کے باعث لالی اختیار کرنے پر کبھی ماند پڑ جاتی تو کبھی اس کی خوبصورتی میں اضافہ کا باعث، بلاشبہ وہ مردانہ وجاہت کا شاہکار تھا اور اس نے اپنی اسی وجاہت کے سبب کتنے دل تسخیر کئے تھے، کتنے دل فنا کر ڈالے تھے اور اب خود فنا ہو رہا تھا تو فنا کا مطلب سمجھ میں آیا تھا۔

''کبھی کبھی دل کرتا ہے انسان سب کام چھوڑ دے، سب کچھ ترک کر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے، اپنی ذات میں محو ہو جائے مگر یہ زندگی اتنی بے رحم ہوتی ہے زبردستی کھینچ کھانچ کر اسے پھر سے متحرک کر دیتی ہے۔اتنی حاسد کہ خود کو گزارنے اور جینے والے کے ساتھ یکساں معاملہ رکھتی ہے۔اپنی ذات سے محوِ کلام ہونے ہی نہیں دیتی۔'' اس نے آئینے میں نظر آتے اپنے عکس کو دیکھ کر سوچا تھا۔

''نہ میں تمہاری ذات تک پہنچ سکا، نہ ہی اپنی ذات پہچان سکا اور آج ہوا ہے احساس کہ خود فراموشی بھی کتنی بڑی نعمت ہے۔ پہلے برباد تھا تو آباد تھا۔اب آباد ہونا چاہتا ہوں تو تنکا تنکا ہو کر برباد ہو رہا ہوں اور جب میری تقدیر میں لکھی ہی اول و آخر یہ بربادی ہے تو برباد ہوں گے تو ذرا طریقے سے۔'' اس نے مسکرا کر طنز سے ہنکارا ابھرا تھا اور اپنی مضبوط کلائی میں قیمتی واچ باندھنے لگا تھا۔

''وہ کیا کہتے ہیں، محبوب کا جنازہ ہے ذرا دھوم دھام سے نکلے......'' اس نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے نہ جانے کب کی کوئی بات یاد کر کے خود سے کہا تھا اور بے ساختہ ہنستا چلا گیا تھا۔ ہجر کیا من سے آ لپٹا تھا، تن بھی اس سے وفا کرنے کو تیار نہ ہوتا تھا اس جیسا شخص جس نے کتنوں کو رلایا تھا، کتنی ہی زندگیاں برباد کی تھیں اب ہنستا تھا تو آنکھیں بھیگ جاتی تھیں۔

''تم میری نہیں ہو سکتیں۔میں اپنا رہ نہیں سکتا تو کیوں خود کو برباد کروں۔جب تم مجھے آباد نہ کر سکیں تو مجھے برباد کرنے کا بھی تمہیں کوئی حق نہیں ہے۔بہت سن چکا میں عورت کے پیچھے برباد ہونے کے طعنے، مزید نہیں......سنا تم نے مزید نہیں۔'' یکدم اسے آئینے میں نظر آتے اپنے عکس تلے شیریں کا عکس محسوس ہوا تھا اور وہ ہذیانی انداز میں چیختا قدِ آدم آئینہ پر پرفیوم کی بوتل مار گیا تھا۔ چھنا کے کی آواز کے ساتھ آئینہ چکنا چور ہو گیا تھا اور آواز دور تک سنی گئی تھی۔

آئینہ دل ٹوٹنے کی آواز نہیں ہوتی
ورنہ اس کے درِ دل تک ضرور جاتی

اس نے بریف کیس اٹھایا تھا اور سیل فون کان سے لگائے روم سے نکل آیا تھا۔رابطہ ہوتے ہی اس نے راحیل کو کچھ ہدایات دی تھیں۔راحیل حیران رہ گیا تھا کہ وہ یہ سب عرصہ ہوا چھوڑ چکا تھا۔

''بکواس نہیں کر رہا میں راحیل، کراچی آ رہا ہوں تو فارم ہاؤس پر 'خاص' انتظامات کر لے......بن پیئے بہت بہک چکا آج پی کر ہی بہکوں گا تو بہت عرصہ ہوا زعیزعہ خان سے ملے، آج زعیزعہ خان سے ملوں گا۔'' راحیل کی حیرت کے جواب میں کہہ کر اس نے لائن کاٹی اور کھلے بیک ڈور سے کار میں بیٹھ گیا۔وہ اگلے چند منٹوں میں ائیر پورٹ پر تھا اور کراچی واپسی کا سفر شروع ہو گیا تھا اور یہ محض واپسی نہ تھی۔ یہ زعیزعہ خان کی واپسی تھی جو خوش آئند ثابت ہونے والی تھی یا تباہیاں پھیلانے والی تھیں یہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

☆......☆......☆

شہیر اسے ڈھونڈتا ہوا لاؤنج تک آیا تھا اور وہ اسے ابیان و ابران کے درمیان کھڑی باتیں کرتی نظر آ گئی تھی اور اس پر نظر کیا اٹھی تھی ٹھہر گئی تھی، سرخ رنگ کی کامدانی پشواز، سلیقہ سے ہوئے میک اپ، بھاری گولڈ کی جیولری پہنے اور اپنے دراز بالوں کی یونہی پشت پر کھلا

چھوڑے حسین ترین لگ رہی تھی، ایان کی نگاہ اٹھی تھی اور شہیر کو یک ٹک شیریں کو دیکھ کر اسے ہنسی آنے لگی تھی۔ اس نے گلا کھنکار کر اسے متوجہ کیا تھا اور وہ جھینپ گیا تھا جبکہ ایان اسے چھیڑنے لگا تھا جس کا جواب دیئے بغیر اس نے شیریں کو اشارہ کیا تھا اور وہ دیکھ و سمجھ لینے کے باوجود منہ پھیر کر ابران سے بات کرنے لگی تھی۔

''کیا بات ہے، کچھ پریشان لگ رہے ہیں۔ شیریں ناراض ہوگئی ہے آپ سے......'' وہ جو شیریں کو کیسے اپنی طرف متوجہ کرنے کا سوچ رہا تھا ایان کی سرگوشی پر اسے دیکھنے لگا تھا۔

''دہشت گردی کا خطرہ ہے۔ میری ڈیوٹی لگی ہے۔ اپنے جانے کا بتایا تو شیریں روٹھ کر یہاں آ گئی۔'' اس نے دھیمے سے ایان کو بتایا تھا وہ ابران سے بات کر رہی تھی، ابران کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ شیریں کا ہاتھ پکڑ کر لے جاتا مگر ابران جتنا محتاط پسند جگہ اور لوگوں کو دیکھ کر بات کرنے اور قدم اٹھانے والا شخص تھا وہ اس کے سامنے ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ اسی الجھن میں تھا کہ ایان نے اپنی خدمات پیش کرنے کا کہا تھا اور وہ اسے ممنون نگاہوں سے دیکھتا واپس اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔ اس نے شیریں کو دھیمے سے کہا تھا کہ اسے شہیر بلا رہا ہے اور وہ سنے کو ان سنا کر گئی تو لامحالہ اسے ابران کے سامنے بولنا پڑا تھا اور وہ ایان کو گھورتی پہلی فرصت میں مڑ گئی تھی کہ ابران کے سامنے نہ ناراضگی، نہ غصہ کسی بات کا اظہار نہیں کر سکتی تھی۔ وہ وہاں سے تو ہٹ گئی تھی مگر اس کا کمرہ میں جانے کا کوئی ارادہ نہ تھا اور وہ تو شیریں کو اچھے سے جانتا تھا اس سے پہلے کہ وہ خواہش کے کمرے کی طرف بڑھتی وہ اس کے سامنے آ گیا تھا اور اس کے احتجاج کی پرواہ کئے بناء ہاتھ تھامے کمرے میں آ گیا تھا۔

''شہیر! ہاتھ چھوڑیں میرا......'' وہ قدرے غصہ سے بولی تھی اور شہیر اس کو دیکھنے لگا تھا وہ نک سک سے تیار اس کے ہوش اڑا رہی تھی۔

''تیرے ہاتھ میں میرا ہاتھ ہو
ساری جنتیں میرے پاس ہوں''

وہ اس کی کلائی پر گرفت کرتا دلکشی سے گنگنایا تھا۔

''پلیز شہیر، فضول چھچھوری حرکتیں کرنے کی ہرگز بھی ضرورت نہیں ہے، میں اس وقت شدید غصہ میں ہوں۔'' وہ ہاتھ چھڑاتی تڑاخ سے بولی تھی۔

''اللہ اللہ...... کیا ہو گیا ہے ڈیئر، کچھ تو حسن کی لالی ہے اور کچھ کمالات غصہ نے بھی دکھائے ہیں، میں بے چارہ ہوش سنبھالوں کہ دل تھاموں......'' وہ اس کی طرف پیش رفت کر رہا تھا اور وہ پیچھے ہوتے ہوتے دیوار کی پشت سے جا لگی تھی اور وہ دیوار پر دائیں بائیں اپنی چوڑی ہتھیلیاں جماتا اسے مخمور نگاہوں سے دیکھتا شرارت و جذبات کی آنچ لہجہ میں سموئے یوں بولا تھا کہ اس کا دل دھڑک اٹھا تھا۔

''اُف۔ کیا ہوتا جا رہا ہے آپ کو، آپ تو ایسے نہیں تھے۔'' وہ نظر چراتی منمنائی تھی۔

''ہاں، پہلے ایسا نہیں تھا مگر پہلے شادی بھی تو نہیں ہوئی تھی۔ پہلے حسین دوشیزہ کی رفاقت بھی تو نصیب نہ تھی۔ سب ایک حسینہ

کے جلوؤں کا اثر ہے کہ مجھ بے چارے کی شرافت اور سنجیدگی مشکوک ہو کر رہ گئی ہے۔‘‘ اس نے دائیں ہاتھ کا انگوٹھا اس کی ٹھوڑی پر ٹکا کر اس کا چہرہ اپنی اور کرنا چاہا تھا اور اس کی نظر کے اٹھتے ہی اس نے دلکشی سے کہہ کر آنکھ دبائی تھی۔

’’یہ ٹھیک رہی...... ہر بات کا الزام میرے سر پر ڈال کر خود بری الذمہ ہو جایا کیجئے...... کسی دن میرے ہاتھوں جان سے جائیں گے۔‘‘ وہ اس کا ہاتھ جھٹکتی، دھڑکنوں کو سنبھالتی محض اس کی خمار آلود نگاہوں اور باتوں کا اثر زائل کرنے کو بولتی آگے بڑھی تھی اور وہ راہ میں آ گیا تھا۔

’’کہاں ہاتھوں کو زحمت دو گی مسز، تمہاری تو ایک نگاہ ہی کافی ہے...... اٹھتی ہے تو لگتا ہے مجھے کہ میری جان اب نکلی کہ تب......‘‘ وہ ہنوز اپنے سابقہ موڈ میں بولا تھا اور شیریں کی جان پر بن آئی تھی۔ وہ لب کچلتی حیا سے سرخ پڑتی جا رہی تھی۔ راہ فرار نہ تھی۔ وہ بول رہا تھا اور اس کے بولنے پر جیسے اس کی نگاہ پابندی لگا گئی تھی۔ وہ لب کچلتی، نگاہ چرائے اس کے بہت نزدیک تھی اور وہ جسارتوں پر آمادہ تھا کہ کمرے کے خوابناک ماحول کو بجتی رنگ ٹون حقیقت کے جامے میں لے گئی تھی وہ اسے حصار سے آزاد کرتا لمحہ کے ہزارویں حصے میں بیڈ پر پڑے موبائل اٹھا کر کان سے لگا گیا تھا۔

’’شیریں! مجھے جانا ہوگا۔‘‘ وہ آفیسر سے بات کرنے کے بعد بڑی عجلت میں کہتا اس تک آیا تھا۔

’’تو جایئے، میں نے کون سا روکا ہے۔‘‘ وہ خود کو کمپوز کر چکی تھی، سادگی سے بولی تھی۔

’’پلیز۔ بی سیریئس شیریں، تم جب تک میری یونیفارم واپس نہیں کرو گی تو میں نہیں جا پاؤں گا، وقت کی نزاکت کو سمجھو، میرا جانا بہت ضروری ہے۔‘‘ وہ ملتجی ہوا تھا کہ پہلے ہی وہ گھنٹہ بھر بحث کر چکا تھا اور وہ اسے چکمہ دے کر روم سے ہی نکل گئی تھی اور جاتے جاتے اس کی یونیفارم چھپا دی تھی اسی لئے تو وہ اسے ڈھونڈتا ہوا روم سے نکلا تھا، باتوں کے ذریعے اسے منا نہیں پایا تھا تو پیار سے راضی کرنا چاہا تھا مگر وہ تو جیسے پروں پر پانی نہیں پڑنے دے رہی تھی۔

’’جتنا بھی ضروری ہو آج آپ نہیں جا سکتے۔ خود سوچئے آج شاہ میر کا عقیقہ ہے اور آپ کو ڈیوٹی کی پڑی ہے۔‘‘ وہ کمر پر ہاتھ جمائے منہ بنا کر بالکل لڑاکا بیویوں جیسی لگ رہی تھی۔

’’کچھ فرائض کی ادائیگی اتنی ضروری ہوتی ہے کہ بعض اوقات محبت کو بھی سائیڈ پر رکھنا پڑتا ہے کہ نماز کی قضا ہے ڈیئر، خدمت کی نہیں لہٰذا اپنے معصوم شوہر کو نمازِ محبت کی ادائیگی پر فی الحال مجبور نہ کرو کہ قضا نمازِ محبت پڑھ لوں گا، بس ابھی مجھے جانے دو کیوں میری نوکری کے پیچھے پڑی ہو حسن اور توجہ کا ہتھیار لے کر۔‘‘ وہ کہاں اس کو یوں روکا کرتی تھی مگر آج جیسے اسے جانے نہ دینے کی اس کے پاس وجہ تھی جس کے تحت وہ اسے روکتی گویا اسے اپنے پیچھے ہی تو لگا گئی تھی۔ اس کا چہرہ یکدم ہی حیا کی لالی چھلکانے لگا تھا اور اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی یونیفارم اسے تھمائی تھی اور کمرے سے جاتی کہ وہ منع کر گیا تھا۔

’’میں چینج کر کے آ رہا ہوں۔ تم جانا نہیں ورنہ آج تم میرے ہاتھوں ضائع ہو جاؤ گی۔‘‘ اس کے پھولے غبارے جیسے منہ کو دیکھ کر

ہنسی ضبط کرتے ہوئے وارننگ دی تھی اور وہ فرماں بردار بیویوں کی طرح جانے کا ارادہ ترک کرتی دراز سے نکال کر اس کے بیجز ڈریسنگ ٹیبل پر ڈھیر کرتی چلی گئی تھی۔

''ناراضگی تو دور کر لو کہ جانتی ہو کہ تم روٹھی ہوئی ہو تو مجھ سے کہیں جایا نہیں جاتا......'' وہ جلدی جلدی بیجز سیٹ کرتا اس کے پھولے ہوئے منہ کو دیکھ کر بولا تھا۔

''آپ کو جانا ہے، جائیے جب میری پرواہ ہی نہیں ہے تو میں کیوں آپ کی سنوں گی۔ خفا ہوں تو رہنے دیجئے خفا۔ میری ناراضگی کی آپ کو پرواہ ہی کب ہے۔'' اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''تمہاری تو اپنی جان سے زیادہ پرواہ ہے مگر کام بھی تو ضروری ہے نا، ایک ایس پی کی بیوی ہو یار، مضبوط بنو۔'' وہ کالر درست کرتا اسے تاسف سے دیکھ کر بولا تھا۔

''کچھ عرصہ سے مجھے آپ کی محبت محض ڈائیلاگز تک محدود ہوتی لگنے لگی ہے۔'' وہ سوں سوں کر رہی تھی۔

''میری محبت کے عملی مظاہرے ہضم ہی کہاں ہوتے ہیں تمہیں۔'' وہ اس کے نزدیک آتا شوخی سے بولا تھا اور اس کی ساری تیزی طراری ہوا ہونے لگی تھی۔

''سچ کہوں ناشیریں، آج تو میرا بھی جانے کا موڈ نہیں......اوپر سے تم نے راہ روکی ہوئی ہے۔ رحم کرو مجھ معصوم پر......'' اس کا لہجہ بوجھل ہو گیا تھا۔

''آپ کا بھی دل نہیں چاہ رہا تو مت جائیے کہ آج ہمارے شاہ میر کے عقیقہ کی تقریب ہے، سب ہوں گے آپ نہیں ہوں گے تو مجھے اور شاہ میر کو بہت برا لگے گا۔'' وہ پلٹتے ہوئے شہیر کا ہاتھ تھامتی معصومیت سے بولتی اس کے ضبط کا امتحان بن گئی تھی اور اسی وقت اس کا سیل پھر بج اٹھا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس کھینچی تھی۔

''ڈی آئی جی صاحب بھی موت کا پروانہ لگتے ہیں، کتنا ہی ٹالتے رہو ساتھ لیے بغیر ٹلتے ہی نہیں......'' وہ بڑبڑاتے ہوئے کال ریسیو کر گیا تھا۔ آگے سے اسے غیر ذمہ داری پر ایک لمبا لیکچر سننے کو ملا تھا وہ اسے دیکھ رہی تھی جس کی رنگت پل پل رنگ بدل رہی تھی اور اس نے دس منٹ میں پہنچنے کا کہہ کر رابطہ منقطع کیا تھا۔ گھڑی پہنی تھی، کیپ سر پر ٹکائی تھی وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

''بہت اچھے لگ رہے ہیں۔'' وہ اس کے دیکھنے پر کنفیوز ضرور ہوئی مگر نرمی سے اس کی تعریف کر گئی تھی۔

''تم تو لگتا ہے آج میری جان لے کر ہی ٹلو گی۔'' وہ اس کے بے ساختہ انداز پر بے قابو ہوتی دھڑکنوں کے ساتھ اس تک پہنچا تھا اور اسے خود سے لگا کر بولا تھا کہ جانے آنے والی رت کا کیا پیغام تھا کہ اس کا جانے کا دل نہیں کر رہا تھا ورنہ وہ ہمیشہ وقت سے پہلے ڈیوٹی جوائن کیا کرتا تھا آج قدم تھے کہ اٹھ نہیں رہے تھے، نگاہ تھی کہ شیریں کے چہرے سے ہٹنے کو راضی نہ تھی۔

''مریں آپ کے دشمن۔'' وہ اس کے لہجے کی آزردگی محسوس کرتی دہل کر بولی تھی۔

''ہمارا تو ایک زمانہ دشمن ہے مسز۔ کس کس کو مرنے کی دعائیں دیں گی۔'' وہ اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے بولا تھا اور دل کے نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے جلدی آنے کا وعدہ کر گیا تھا۔

''روٹھی نہ رہو کہ جانتی ہو کہ تمہیں ناراض چھوڑ کر گھر سے نہیں جاتا کہ مجھے خود نہیں پتہ ہوتا کہ اب کا گیا لوٹوں گا بھی یا نہیں۔'' اس کے لہجے میں نہ جانے کیا تھا وہ وحشت سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''کیسی باتیں کر رہے ہیں......'' اس کی آنکھوں کی سطح پر نمی پھیلتی چلی گئی تھی۔

''ایسی ہی باتیں کروں گا نا کہ ہمارے درمیان وہ ڈی آئی جی صاحب کے آرڈر جو آ گئے ہیں۔'' وہ ماحول کے بوجھل پن کو کم کرنے کو بولا تھا کہ نئی رت کی آہٹ اسے سہار رہی تھی۔ وہ اسے جانے نہیں دینا چاہتی تھی، وہ بھی جانا نہیں چاہتا تھا مگر جب رت کو بدلنا ہو تو کسی کے روکے سے بھی کہاں رکتی ہے اور آ کر رہتی ہے۔ ''آپ کو سب کی ناراضگی کی پرواہ ہے، ایک نہیں ہے تو میری ہی نہیں ہے۔'' اس کے آنسو گلابی رخساروں کو بھگونے لگے تھے اسے یکدم پھولوں پر شبنم کی سی نمی محسوس ہوئی تھی۔

''تم تو میری جان ہو نا، تمہیں تو کان پکڑ کر منا لوں گا۔ اب سب کو مناتا اچھا لگوں گا بھلا۔'' وہ اس کا موڈ بحال کرنے کو قدرے شرارت سے کہتا اپنے بجائے اس کے کان پکڑ گیا تھا۔

''آپ جلدی واپس آئیں گے ورنہ میں سچ مچ آپ سے روٹھ جاؤں گی۔'' وہ بھیگی پلکوں سے مسکرا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''کتنا روٹھی ہو جانِ شہیر۔ کبھی جو میں روٹھ گیا نا تو منا تک نہیں پاؤ گی۔'' وہ اس کا رخسار چومتا بڑی عجلت میں باہر نکل گیا تھا کہ کہیں وہ پھر اس کی آزمائش نہ بن جائے۔ اس نے ماں کو جانے کا بتایا تھا تب ہی عبیر اور خوشی لڑتے ہوئے اس کے سامنے آ گئے تھے۔ خوشی کو اس کی سپورٹ درکار تھی اور وہ عبیر کو سرزنش کرتا نگاہوں سے دیکھتا بہن کے چہرے پر در آنے والی مسکان نظروں میں بساتا آگے بڑھا تھا کہ یمانی ننھے شاہ میر کو لیے اس کے سامنے آ گئی تھی۔ اس نے اپنے سات دن کے گل گوتھنے سے بچے کو بہت پیار سے دیکھا تھا اور وہ اس کی پیشانی چومتا باہر کی طرف بڑھا تھا۔ دہلیز پر رک کر اس نے کمرے کے اطراف میں نگاہ ڈالی تھی سب ہی موجود تھے وہ سب کے چہرے نظروں میں سمائے باہر نکلا تھا۔ ان چہروں میں جس چہرے کی کمی کا احساس شدت سے ہوا تھا وہ چہرہ اسے لان میں نظر آ گیا تھا۔ آج صبح سے کمشنر سالار مصطفیٰ آن ڈیوٹی تھے۔ اب فارغ ہو کر آئے تھے۔ وہ باپ کو دیکھ کر مسکرایا تھا اور اپنے جانے کا بتا کر آگے بڑھا تھا سالار مصطفیٰ نے کتنی ہی نصیحتیں اس کے ساتھ کی تھیں کہ آج کراچی کے حالات کافی کشیدہ تھے۔ دہشت گردی کا شدید خطرہ تھا اسی لئے وہ پوتے کا عقیقہ بھلائے آن ڈیوٹی تھے اور وہ بھی ڈیوٹی پر جا چکا تھا۔ جس وقت شہباز و یمانی نے شاہ میر کے عقیقہ کی بات مصطفیٰ ہاؤس میں کرنے کے لئے کی تھی وہ ان دونوں کی محبت دیکھتے راضی ہو گئے تھے کہ انکار کی وجہ ہی نہ تھی۔ گھر میں رنگ و بو کی محفل سجی تھی۔ ایک دوسرے کو چھیڑتے وہ خوش گپیوں میں مصروف تھے اور شہیر کا انتظار تھا کہ اس کا تقریب چھوڑ کر جانا مجبوری تھا مگر اس کی کمی کا احساس شدید ترین تھا اور ان سب کا انتظار طویل ہونے لگا تھا اس لئے مہمانوں کو کھانا کھلا دیا گیا تھا اور محفل برخاست ہو گئی تھی مگر مصطفیٰ ہاؤس کے مکینوں نے کھانا نہیں کھایا تھا

کہ عادت تھی کہ جب بھی شہیر کی پوسٹنگ کراچی میں ہوئی تھی تو کھانے پر اس کا انتظار ہوتا تھا اور وہ جلدی آنے کا کہہ کر گیا تھا۔ سات گھنٹے گزرنے کے باوجود آیا تک نہ تھا لامحالہ تمام سچوئیشن سے واقف سالار مصطفیٰ نے کھانا لگوانے کو کہا تھا اور شیریں نے بڑی بے دلی سے چند لقمے زہر مار کیے تھے کہ دل تھا کہ ڈھلتے سورج کی مانند ڈوبتا ہی جا رہا تھا۔ رات کے ڈھائی بج گئے تھے اور وہ بیڈ پر کروٹیں بدلتی اس کی منتظر تھی کہ اسے یکدم باہر بہت ہلچل سی محسوس ہوئی تھی اور وہ دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکل آئی تھی اور آخری سیڑھی پر جو آواز سماعتوں کا حصہ بنی تھی اس کے قدم لڑکھڑا گئے تھے۔

''کراچی میں دہشت گردی کے پیش نظر حساس علاقوں میں پولیس کا عملہ تعینات کیا گیا تھا جس میں ایس پی شہیر سالار اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتے شہید ہو گئے۔''

خبر کیا تھی ہر شخص اپنی جگہ ساکت رہ گیا تھا کہ سالار مصطفیٰ صورتحال سے واقف تھے اور تقریباً گھنٹہ بھر پہلے تو وہ ایک راؤنڈ لگا کر آئے تھے اور سب کچھ تسلی بخش تھا اور وہ صورتحال سے واقف رہنے کے لئے ٹی وی کھول گئے تھے اور تقریباً چالیس منٹ بعد جو خبر ان کے کانوں نے سنی تھی ان کے دل نے بہرہ ہونے کی خواہش بڑی شدت سے کی تھی۔ شہیر خطرناک صورتحال میں گھر سے باہر ڈیوٹی کے فرائض سرانجام دے رہا تھا اس لئے رات کے ڈھائی بجے وہ ہی نہیں، رابعہ اور عبیر بھی ٹی وی کے سامنے ہی براجمان تھے اور اندوہناک خبر سن کر رابعہ کی چیخیں بلند ہوئی تھیں جن کو سن کر ہی وہ کمرے سے نکل آئی تھی اور دوڑ کر لاؤنج تک پہنچی تھی اور نظریں ٹی وی اسکرین پر جم کر رہ گئی تھیں۔

''ایس پی شہیر سالار، کمشنر مصطفیٰ سالار کے بیٹے ہیں اور ان کی شہادت کی تصدیق ہو چکی ہے۔ ملک ایک ایماندار آفیسر سے محروم ہو گیا ہے......''

نیوز کاسٹر کی زبان قینچی کی مانند چلتی جا رہی تھی اور وہ عبیر کو ان سب کو سنبھالنے کا کہتے باہر کی طرف دوڑ گئے تھے اور گھنٹہ بھر جب ان کی واپسی ہوئی تھی تو ان کی چال شکستہ اور امیدیں دم توڑ گئی تھیں کہ ان کا لاڈلا ان کا جوان سالہ بیٹا زندگی کی بازی ہار گیا تھا۔ بے رحم موت کے شکنجے میں یوں جکڑ کر وہ ان سب کو روتا چھوڑ گیا تھا کہ ان سب کی اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ زندگی رواں دواں تھی، ایک کی سانس کیا تھمی تھی ہر سانس آزار بن گئی تھی اور موت کی بے رحمی پر دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ آہ و بکا تھی، دل کرلا رہا تھا مگر ہر ایک بے بس تھا کہ زندگی نے موت کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

کاش! میرے پاس ایسا کوئی ہنر ہوتا
میں جانے والے کو واپس لا سکتا
مگر میں بے ہنر ہوں
اس کے کمالِ ہنر کے آگے
موت ہی موت بچھی ہے

زندگی کے آگے......!

زندگی کا کاسہ سمٹ گیا تھا، موت کی چادر چارسو پھیلی تھی۔ ماں کی آنکھیں نم تھیں، بہن کے آنسو تھمتے نہ تھے۔ باپ بکھر رہا تھا تو بھائی کا کاندھے پر بھائی کی لاش کا بوجھ آن ٹھہرا تھا۔ بیوی کی سسکیاں، آہوں میں اور آہیں فریاد میں بدل رہی تھیں مگر موت کا رنگ نہیں بدلا تھا کہ موت جدائی کا سب سے سنگدل روپ اور جب موت ہنستے بستے وجود کو اپنی لپیٹ میں لیتی ہے تو زندگی ہی ختم نہیں ہوتی اس زندگی سے وابستہ لوگ بھی اندر ہی اندر ختم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ وجود کی موت سب کو نظر آتی ہے مگر خوشیوں، ارمانوں، امیدوں، سہارے بکھرنے کی موت نہ نظر آتی ہے نہ دفنائی جاتی ہے اور وہ سب شہیر سالار کو تو دفنا آئے تھے اور کتنے فرد لاش بن گئے تھے۔ یہ فی الوقت کہا جانا ممکن ہی نہ تھا کہ سالار مصطفیٰ جو کڑے سے کڑے وقت میں صبر وشکر کا دامن تھامے رہے تھے آج جوان بیٹے کو قبر میں اتار کر یوں بکھر کر تڑپ تڑپ کر روئے تھے کہ ہر آنکھ نم ہوگئی تھی اور سب کی خوشیوں کا خیال کرنے والا سب کے لئے سایہ دار شجر ثابت ہونے والا سب کو تڑپتا چھوڑ کر مٹی اوڑھ کر سو گیا تھا کہ اس نے ملک کی حفاظت کا بیڑہ اپنے کاندھے پر اٹھایا تھا اور وہ اپنے فرائض کی ادائیگی سے گزرتا جان سے ہی گزر گیا تھا اور کسی کی بھی فریاد اب اسے واپس نہیں لاسکتی تھی کہ وہ ایسے سفر کا مسافر بنا تھا جہاں جانے کے بہت سے راستے تھے مگر وہاں سے واپسی کا ایک بھی در نہ تھا۔ گیا مسافر اب کبھی لوٹ کر نہیں آنے والا تھا۔ ویرانیاں تھیں کہ چارسو پھیل گئی تھیں۔ دل کی زمین آندھیوں کی زد پر تھی۔ سانس رک رک کر آرہی تھی۔ دھڑکنیں بکھرتی جارہی تھیں۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

☆......☆......☆

''ایس پی شہیر سالار کو سپردخاک کردیا گیا۔'' عمارہ کی کسی بات پر ہنستا زعیزعہ خان یکدم چونک گیا تھا اس نے ٹی وی اسکرین کی جانب دیکھا تھا لیکن راحیل چینل سوئچ کرچکا تھا اور اس نے واپس اسی چینل پر جانے کو کہا تھا۔

''ناظرین! ہم آپ کو بتاتے چلیں، کل رات ایس پی شہیر سالار کی گاڑی پر حملہ ہوا تھا اور معلومات کے مطابق دہشت گردی کی آڑ میں ایس پی شہیر سالار کو نشانہ بنایا گیا ہے۔'' وہ یکدم بیٹھے سے کھڑا ہوگیا تھا۔ راحیل ودانش اسے حیرانگی سے دیکھ رہے تھے کہ اس خبر پر اس کا ردعمل ان سب کی سمجھ سے باہر تھا۔

''ایس پی شہیر سالار ایک نہایت ایماندار آفیسر تھے۔ ملک ایک سچے، دیانتدار آفیسر سے محروم ہوگیا ہے۔ تحقیقات کا آغاز ہوچکا ہے۔'' نیوز کاسٹر آگے بھی تمام تفصیلات بتارہی تھی۔ شہیر سالار کے کیریئر کے آغاز سے انجام تک کی داستان اس نے پانچ سے سات منٹ میں نشر کردی تھی اور وہ ٹیبل پر پڑے اپنے موبائل کو اٹھا کر ایک نمبر پریس کرگیا تھا۔

''ڈیڈ! ایس پی شہیر سالار کی شہادت کی خبر میں کتنی سچائی ہے؟'' اس کا لہجہ واضح طور پر کانپ رہا تھا۔ کمرے میں بیٹھے باقی پانچ

نفوس ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔

"تم سچائی کی بات کرتے ہو زعیزعہ، وہ ایس پی شہیر سالار نہ صرف مر چکا ہے اسے دفنایا بھی جا چکا۔ کمشنر سالار مصطفیٰ کے گھر صفِ ماتم بچھی ہے۔" وہ قہقہہ لگا کر بولے تھے۔ اس کے ہاتھ سے موبائل چھوٹ گیا تھا۔ وہ صوفے پر پڑی اپنی شرٹ اٹھا کر پہنتا باہر کی جانب بڑھا تھا کہ اس کی نئی منظورِ نظر عمارہ لپک کر اس تک پہنچی تھی مگر وہ اسے پرے دھکیلتا باہر کی جانب بڑھتا چلا گیا تھا۔ راحیل نے دانش کی طرف دیکھا تھا اور وہ ان تینوں کو جانے کا اشارہ کرتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ زعیزعہ خان جس وقت ریش ڈرائیونگ کرتا قبرستان پہنچا تھا وہاں کسی کو نہ پا کر اسے شدید مایوسی ہوئی تھی مگر ستے ہوئے چہرے کے ساتھ گاڑی میں بیٹھتے ابران شیرازی کو دیکھ کر اسے پہلی دفعہ خبر کی سچائی کا احساس ہوا تھا اور وہ ابران تک پہنچا کہ وہ گاڑی میں بیٹھ کر جا چکا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ شہیر سالار کی موت اسے اتنا مضطرب کیوں کر گئی ہے۔ اس کی آنکھوں میں کیوں نمی اترتی جا رہی ہے۔ وہ بے مقصد گاڑی ایک سڑک سے دوسری سڑک پر دوڑاتا حقیقی معنوں میں صدمہ سے دوچار تھا۔ شہیر سالار کی اچھائی تھی کہ آج اس کا سب سے بڑا دشمن اس کی موت پر آنسو بہا رہا تھا اسے پل پل شیریں کا خیال آ رہا تھا کہ کیسے اس نے شہیر کا آخری دیدار کیا ہوگا۔ اسے سالار مصطفیٰ کی بے بسی کا خیال آ رہا تھا اس شخص کی اچھائی کا وہ اتنا معترف تھا کہ آج اس قیامت کی گھڑی میں وہ سالار مصطفیٰ کا دکھ محسوس کر رہا تھا مگر اس کی اپنی برائیاں اتنی تھیں کہ وہ ان سے جا کر دو حرف تسلی کے نہیں بول سکتا تھا۔ پورا میڈیا الرٹ ہو چکا تھا شہیر سالار کی تعریفوں میں رطب اللسان تھا فخریہ طور پر اسے قوم کے بیٹے کا خطاب دیا جا رہا تھا۔ بعد از شہادت تمغۂ جرأت سے نوازا گیا تھا۔ جانے والا جا چکا تھا، کوئی دکھی تھا، کوئی خوش، کوئی موت کو جھیل چکا تھا اور کوئی جھیلنے کی تکلیف سے نبرد آزما تھا۔ دوست ہی نہیں دشمن بھی شہیر سالار کی موت پر افسردہ تھے اور یہ اس کی اچھائی کے سبب ہی تھا کہ اس کے دشمن جہاں جان سکون میں آئی محسوس کر رہے تھے وہیں اس کی موت کا دکھ بھی تھا کہ انسان کی اچھائی کو مرنے کے بعد قبول کیا جائے یا اس کی زندگی میں ہی، کیا ضرور جاتا ہے کہ اچھائی رائیگاں نہیں جاتی۔

بارِ دنیا میں غم زدہ یا شاد رہو
کچھ ایسا کر چلو یاں کہ بہت یاد رہو

☆......☆......☆

"ارمان! آپ سنبھالیں خود کو۔ آپ اس طرح کریں گے تو سالار بھیا کو کیسے سنبھال پائیں گے۔ نیناں اور رابعہ کو کیسے سہارہ دے پائیں گے۔"

شہیر سالار کا سوئم ہو گیا تھا۔ فاتحہ خوانی کے بعد وہ یوں وہاں سے بھاگ آئے تھے جیسے موت کی ہولنا کی ان کی سانس کے درپے ہو کہ مصطفیٰ ہاؤس سے ان کا دہرا رشتہ تھا اسی لحاظ سے انہیں مصطفیٰ ہاؤس میں نہ کبھی اجنبیت کا احساس ہوا تھا نہ پرائے پن کا۔ اس گھر کے مکینوں نے رابعہ کے بھائی کی حیثیت سے بھی انہیں عزت دی تھی۔ سالار کے دوست کی حیثیت سے بھی مان دیا تھا اور نیناں مصطفیٰ کے

شوہر کی حیثیت سے تو انہیں اس قدر چاہت وعزت سے نوازا تھا کہ انہیں اپنا دامن چھوٹا پڑتا محسوس ہوتا تھا اور آج اسی گھر سے وہ وحشت زدہ ہو کر بھاگ آئے تھے کہ در و دیوار سے ٹپکتی یاسیت، روتے دل، بہتی آنکھیں کچھ بھی تو اپنا نہ تھا کہ وہاں ٹھہر پانے کی سبیل بن پاتی۔ انہوں نے بیوی کو دیکھا تھا اور یمنیٰ کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

''ایسا دکھ ملا ہے عمر کے اس دور میں کہ ہر سانس آزار بن گئی ہے۔ اپنے ہنستے مسکراتے جواں سالہ بیٹے کو قبر میں اتارتے ہم خود مر گئے ہیں یمنیٰ۔'' وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ کانپتے لہجے میں بولے تھے کہ آنکھوں کے سامنے بار بار وہی منظر تھا اور سالار مصطفیٰ کی حالت کا یاد آنا تھا کہ آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔

''شہیر کی موت کی تکلیف تو قبر میں بھی ستائے گی۔ آپ زندگی میں سنبھل جانے کی بات کر رہی ہیں۔'' وہ بیوی کے کاندھے پر سر ٹکائے رو رہے تھے۔ مشہود کے بعد اب یہ شہیر کی موت وہ اندر سے ٹوٹ گئے تھے۔

''مشہود کی موت کے بعد جیسے زندہ رہا ہوں، میں ہی جانتا ہوں لیکن لگتا ہے شہیر کی موت تو میری جان لے کر ہی جائے گی۔'' وہ خود اتنی تکلیف میں تھیں کہ ارمان شیرازی کو ایک حرف تسلی کا نہیں بول پا رہی تھیں۔ اگر ایک غم سے دوچار تھا اور ایک دوسرے کے لئے خود کو سنبھالنے کی کوشش میں لگا تھا کہ تکلیف ایسی تھی کہ مداوا ممکن نہ تھا۔ کوئی حرف تسلی، پہاڑ سا صبر بھی شہیر سالار کو واپس نہیں لا سکتا تھا بس اب صرف اس کے لئے دعا اور اپنے لیے سکون طلب کیا جا سکتا تھا اور وہ سب یہی کرتے زندگی کے بھاگتے، دوڑتے ظالم وقت میں اپنے اپنے حصہ کا بوجھ ڈھونڈ رہے تھے کہ زندگی شہیر سالار کی ختم ہوئی تھی اور زندگی سے وحشت انہیں ہونے لگی تھی مگر زندگی سے وحشت بھی ہو جائے تب بھی زندگی رہتی عزیز ہی ہے اس سے جب تک ناطہ توڑا ہی نہیں جا سکتا جب تک اس کی سہیلی موت اسے آ کر اپنی آغوش میں لے کر دنیا سے دور نہ لے جائے۔

دل پریشان ہے رات بھاری ہے
زندگی ہے کہ پھر بھی پیاری ہے

☆......☆......☆

''خوشی! جاؤ بیٹا رات بہت ہو گئی ہے۔ جا کر سو جاؤ۔''

آج شہیر سالار کا سوئم تھا مگر وقت تو ان سب کے لئے ٹھہر سا گیا تھا وہ نہ جانے کب سے یونہی بے مقصد لاؤنج میں بیٹھی تھی کہ باپ کی آواز پر چونک کر انہیں دیکھنے لگی تھی۔

''جی پاپا! بس جا رہی تھی......'' وہ اٹھتے ہوئے بولی تھی اس کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔

''غم بہت بڑا ہے تو صبر چھوٹا نہیں پڑنا چاہئے۔'' اس نے بہت تڑپ کر باپ کو دیکھا تھا۔ وہ کیسے تین دنوں میں ہی بوڑھے شکستہ حال لگنے لگے تھے۔ وہ لپک کر باپ کے کاندھے سے لگی تھی اور اس کی سسکیاں گونجنے لگی تھیں۔

''شہیر ہمارے پاس اللہ کی امانت تھا بیٹا۔اور امانت تو لوٹانی ہی پڑتی ہے۔'' وہ بھیگے ہوئے لہجے میں بیٹی کا سر تھپکتے ہوئے بولے تھے۔

''پاپا! موت اتنی ظالم کیوں ہوتی ہے۔ہم سے ہمارے اپنے چھین کر لے جاتی ہے اور ہم ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔شہیر بھیا کے بغیر ہم کیسے رہیں گے پاپا۔'' وہ بچوں کی طرح بلک رہی تھی۔

''موت ظالم نہیں ہوتی بیٹا۔بس زندگی ہی ہمیں اتنی اچھی لگتی ہے کہ موت پسند نہیں آتی اور ظالم لگتی ہے۔'' وہ اسے خود سے الگ کرتے ہوئے بولے تھے۔

''تم سنبھالو خود کو کہ تم اس طرح روؤ گی تو اپنی مما کو کیسے سنبھالو گی، جانتی ہو نا کہ غم بہت بڑا ہے اب ایک دوسرے کی خاطر ہی سہی زندگی سے سمجھوتہ تو کرنا ہی پڑے گا۔'' وہ بیٹی کے آنسو پونچھتے ہوئے بولے تھے۔

''کچھ سمجھوتے تو زندگی بھر کا تاوان مانگتے ہیں۔ہم کیسے دیں گے پاپا۔'' اس نے سسکاری لی تھی۔

''سب دیتے ہیں بیٹا تو ہم کیوں نہیں دیں گے۔صبر کر لیں گے تو بس زندگی آسان ہو جائے گی کہ موت برحق ہے۔روئیں گے، چلائیں گے زندگی لوٹ کر نہیں آئے گی اور جب شہیر کو لوٹ کر ہی نہیں آنا تو پھر خدا کی ناشکری کیوں؟ صبر سے دوری کیوں......؟ کہ حقیقت نہیں مٹے گی تو حقیقت کو رو دھو کر تسلیم کرنے کی بجائے اس کے حق کی طرح تسلیم کیوں نہ کیا جائے کہ ایسا کریں گے تب ہی تو اللہ کے مقرب بندوں میں شامل ہوں گے۔'' وہ خود کو بیٹے کی موت پر راضی کر چکے تھے۔قسمت کا لکھا تسلیم کر گئے تھے اور بہت نرمی سے بیٹی کو سمجھا رہے تھے۔

''سالار! یہ درد ایسا ہے کہ جان لے کر ہی جائے گا۔نہ صبر آئے گا نہ سکون......'' وہ نہ جانے کب سے ان دونوں سے ایک فاصلے پر کھڑی تھیں یکدم بولی تھیں اور وہ باپ، بیٹی رابعہ کو دیکھنے لگے تھے۔

''میں تو اللہ کی بہت گناہگار بندی ہوں۔کیوں اس نے میرا اتنا بڑا امتحان لے لیا ہے۔میں ہار رہی ہوں سالار، اللہ کے مقرب بندوں کی فہرست میں ایسے شامل ہوتے ہیں تو میں نہیں ہو پاؤں گی۔میرا شہیر نہیں رہا سالار، صبر کروں تو کہاں تک......؟'' رابعہ سالار تڑپ تڑپ کر رو رہی تھیں۔

''اللہ کے مقرب بندوں کی فہرست میں شامل ہونے سے ڈر رہی ہو رابی، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے پیارے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایثار کو کیا بھول گئی ہو......'' ان کا اپنا وہی مخصوص نرم ٹھہرا ہوا دل میں اتر جانے والا لہجہ تھا۔انہوں نے روتے ہوئے سر اٹھا کر سالار مصطفیٰ کو دیکھا تھا۔

''حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خواہش تھی، چاہت تھی کہ وہ اللہ کے مقرب بندوں کی فہرست میں جگہ پا لیں تو انہوں نے اپنی پیاری چیز اللہ کی راہ میں قربان کرنے میں لحظہ بھر نہیں سوچا تو ہم اپنے نبی و پیغمبروں کی پیروی نہیں کریں گے تو خود بتاؤ کس کی پیروی کریں گے؟ اپنے پیغمبر و رسولوں کی طرح ایثار کا مظاہرہ نہیں کریں گے......صبر کی راہ نہیں اپنائیں گے تو پھر کس کام کے ہوں گے ہم

مسلمان......؟ حضرت یعقوب علیہ السلام بیٹے کی جدائی میں نابینا ہو گئے مگر اف نہیں کیا تو ہم بیٹے کی جدائی میں اف کرنے والے کون ہوتے ہیں؟'' ان کا ٹھہرا ہوا لہجہ گونج رہا تھا اور رابعہ سالار کا دل ٹھہرتا جا رہا تھا۔

''وہ بھی اس صورت میں کہ ہمارے جینے کا سہارا تو عبیر اور خوشی بھی ہیں کہ اللہ نے ایک بیٹا لیا ہے، ایک بیٹا تو ہے نا ہمارے پاس۔''

ان کی نظر کچھ فاصلے پر موجود عبیر پر پڑی تھی اور وہ کہتے چلے گئے تھے۔

''پاپا ٹھیک کہتے ہیں مما، شہیر بھیا کی جگہ تو نہیں لے سکتا مگر کچھ تو آپ کا، پاپا اور خوشی کا سہارا بن سکتا ہوں۔'' وہ ماں کو خود سے لگا کر بولا تھا اور ان کے تڑپتے دل کو جیسے قرار سا آنے لگا تھا کہ وہی لوگ پرسکون رہتے ہیں جو غم کی دھوپ میں خوشی کا سایہ تلاش کر لیتے ہیں۔

انہوں نے ان دونوں کو جا کر سونے کا کہا تھا اور خود بھی اپنے کمرے کی طرف بڑھے تھے کہ بیوی کی بات پر اٹھتے قدم تھم سے گئے تھے۔

''خوشی! تم شیریں کے ساتھ اس کے کمرے میں سو جاؤ۔'' وہ بیٹی کو اپنے کمرے کی طرف بڑھتے دیکھ کر بولی تھیں اور وہ سر ہلا کر شہیر سالار کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

''شیریں ٹھیک ہے؟'' وہ کمرے میں آ کر پوچھ گئے تھے۔

''جس عمر میں لڑکیوں کی شادیاں تک نہیں ہوتیں وہ اس عمر میں بیوہ ہو گئی ہے..... ٹھیک کیسے ہو سکتی ہے۔'' وہ آزردگی سے بولی تھیں۔

''تم خود کو سنبھالو گی تب ہی شیریں کا سہارا بن پاؤ گی کہ یاد رکھنا ہمارے شہیر کی شیریں میں جان بستی تھی، شیریں اگر اداس ہو گی تو وہ چین نہیں پا سکے گا۔'' وہ افسردگی سے کہتے آنکھوں پر ہاتھ رکھ گئے تھے کہ بیٹے کے جذبات اس کی محبت کے امین تھے، جب انہوں نے شہیر کے سامنے شیریں کا نام لیا تھا کیسے اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا اور شیریں کے ساتھ کیسے خوش و مطمئن رہتا تھا اور اب جدائی نے سب کچھ بکھیر دیا تھا۔ ان کا ساتھ بھی، ان کی خوشیاں بھی کہ شہیر اسے جدائی دے کر جا چکا تھا۔ جدائی وہ خزاں رسیدہ موسم ہے جو ساری زندگی کے لئے ٹھہر جاتا ہے، جدائی کا ناگ جب ہنسی مسکراتی زندگی کو ڈستا ہے تو احساس ہوتا ہے کہ ہم نے محض ایک شخص نہیں، خوشیوں کا احساس بھی اسی کے ساتھ کھو دیا ہے کیونکہ ہم محبت تو کر سکتے ہیں، اسے نبھا بھی سکتے ہیں لیکن قسمت میں جدائی رقم ہو تو ملن کے بہت نزدیک جا کر پل بھر میں ملن کی راہ میں جدائی کا اتھاہ سمندر حائل ہو جاتا ہے، جس میں انسان کی ناتمام خواہشیں ڈوبتی چلی جاتی ہیں اور انسان ابھرنے کی چاہ میں ڈوبتا ہی چلا جاتا ہے کہ جدائی موت کا دوسرا نام ہی تو ہے اور وہ موت نہیں موت جیسی جدائی کا شکار شیریں کا سہارا تو بن سکتے تھے مگر اس کے لئے کچھ کر نہیں سکتے تھے کہ موت لاعلاج ہوتی ہے۔

موت بیٹھی تھی اس کے سرہانے
اور مر رہا تھا پل پل میں
موت لے جا رہی تھی اسے ساتھ اپنے
دور ہو رہا تھا زندگی سے میں

وقتِ رخصت پکارا بھی نہیں اس نے
انتظار کرتے آنسو بن گیا تھا میں
زندگی کی لاش پر بکھر گئے پھول ارمانوں کے
ساکن سا کن تھی، زندہ رہ گیا تھا میں
اس نے کہا تھا رکھنا امید، جلد آؤں گا
وہ آیا بھی تو ایسے، جیتے جی مر گیا تھا میں
اس کی قبر پر جل رہا ہے دیا نا تمام عشق کا
جو کہتا تھا جنونِ عشق کی روٹھی رت کو مناؤں گا میں

☆......☆......☆

''ادیان! میں تو تمہیں بہت حساس سمجھتا تھا۔''

وہ آج پھر ادیان سے بات کر رہا تھا۔شہیر کی موت کو گیارہ دن گزر گئے تھے اور وہ اس تک بلا ناغہ ہی آ تا رہا تھا۔

''مگر تم سا بے حس کوئی دنیا میں نہ ہوگا۔'' اس کے آنسو پلکوں کی دہلیز پر آ ٹھہرے تھے۔''تم یہاں مزے سے خرد سے بیگانہ ہوئے پڑے ہو اور ہم سب پر، ہماری شیریں پر قیامت ٹوٹ گئی...... آجاؤ ہوش میں اب تو آجاؤ ادیان...... ہمارا شہیر نہیں رہا...... ہمارے ماموں جان کا شہیر نہیں رہا...... ہماری شیریں کا شہیر اس کو دائمی جدائی دے گیا...... اب تو آجاؤ ہوش میں۔''

وہ اس کو شانوں سے تھامے جھنجھوڑتے ہوئے باقاعدہ رو رہا تھا اور اس کا سکتہ، اس کی خاموشی ہنوز تھی وہ دم سادھے پڑا تھا۔

''ہم سب کا شہیر مر گیا ہے ادیان! اور ہم سب دھیرے دھیرے مرتے جا رہے ہیں۔ کیوں ستا رہے ہو ہمیں، بس کر دو ہمیں ستانا۔ شہیر کی موت ہی نہیں ہو رہی برداشت، تمہاری موت کا صدمہ کیسے جھیلیں گے۔ اتنا نہ تڑپاؤ ادیان، کچھ تو رحم کرو ضرورت ہے سب کو تمہاری...... بس کر دو آجاؤ زندگی کی طرف، موت سے بہت ڈر گئے ہیں ادیان۔'' وہ اس کی پیشانی سے سر ٹکائے بلک رہا تھا۔

''پتا بھی ہلتا ہے تو ڈر جاتے ہیں کہ کہیں موت کی آہٹ نہ ہو...... موت نے پکارا نہ ہو...... بہت ظالم ہوتی ہے یہ موت۔ ہمارے شہیر کو ساتھ لے گئی، تم اس کے ساتھ نہ جانا ادیان۔ بڑی ممی تمہاری راہ دیکھ رہی ہیں۔ تم شہیر کی طرح بوا کو روتا نہ چھوڑ جانا۔ قسم ہے تمہیں شانیہ کی وفاؤں کی اس کی خاطر موت کو شکست دے کر زندگی کی طرف لوٹ آؤ۔ شیریں کا ہی دکھ نہیں سہا جا رہا، اس کی تڑپ ہی نہیں دیکھی جا رہی، شانیہ کو کیسے تڑپتا دیکھ پائیں گے۔ شہیر ہم سب کو آنسو دے گیا تم تو کچھ ان دکھوں کا مداوا کرو ادیان۔'' وہ اس کی زندگی کی رمق سے عاری پیشانی سے سر ٹکائے کہتا چلا گیا تھا اور اس کی تڑپ پر وہ ساکت ہی رہا تھا۔ ادیان کی بات کو حکم کا درجہ دینے والا اس کی تڑپ پر ساکت تھا۔ یہ زندگی کی آزمائش ہی تو تھی، محبت و عقیدت کا دیا سرِ راہ جل رہا تھا آندھیوں سے بچتا بھی تو کیسے، لوتھرتھراتی چلی جا رہی تھی، ہوا کا بس

نہیں چلتا تھا ایک جھٹکے میں اسے بجھا ڈالے مگر زندگی کہتی تھی ابھی نہ جاؤں...... کہیں زندگی نے کہا اب نہیں ٹھہر سکتی اور زندگی کا دیا یوں گل ہوا کہ ہر امید ہی دم توڑ گئی اور اب زندگی خود ہی آنکھ مچولی کا کھیل کھیل رہی تھی، نہ موت کو گلے لگا رہی تھی نہ زندگی، زندگی کی طرف لوٹ کر آ رہی تھی۔ قسمت نے نہ جانے ادیان کے ساتھ کیا معاملہ رکھنے کا سوچا تھا۔ لوٹ آنا تھا یا دائمی جدائی مقدر ہونے کو تھی۔

☆......☆......☆

''کیا ہو گیا ہے خوشی، شیریں کے کمرے میں سونے میں آخر قباحت ہی کیا ہے۔'' وہ خواہش کے بار بار انکار پر قدرے چڑ کر بولی تھیں۔ ''قباحت نہیں ہے مما، مگر میں شیریں کے روم میں نہیں ٹھہر سکتی۔'' اس کے آنسو گرنے لگے تھے اور رابعہ بیٹی کو حیرانگی سے دیکھنے لگی تھیں۔

''شہیر شہیر کی پکار کسی دن میرا دل بند کر دے گی مما۔'' وہ ماں کے سینے سے لگی بلک رہی تھی اور وہ ضبط کے مرحلوں سے گزرنے لگی تھیں۔

''جس طرح شیریں سوئی جاگی کیفیت میں شہیر بھیا کو پکارتی ہے...... جیسے ایک دم نیند سے شہیر چلاتی اٹھ بیٹھتی ہے، میرا دل بند ہو جائے گا مما! میں شیریں کو تڑپتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی، مجھ سے اس کا رونا، تڑپنا برداشت نہیں ہوتا۔'' وہ بری طرح رو رہی تھی۔ رابعہ سالار کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''حوصلہ کرو بیٹا کہ شیریں کو سنبھلنے کے لئے ایک عمر درکار ہے محض اٹھارہ دنوں میں وہ قسمت کی ستم ظریفی پر ہنسنا نہیں سیکھ سکتی۔ وہ عمر جس میں لڑکیاں خواب بنتی ہیں، سپنے سجاتی ہیں، ارمان جگاتی ہیں اس میں شیریں کے سارے سپنے، تمام ارمان بکھر گئے، زندگی کے اس تلخ روپ کو سمجھنے میں وقت لگے گا۔'' وہ آنسو گرتے ہوئے بولی تھیں۔ وہ ماں کو دیکھنے لگی تھی کیسے ضبط سے گزر رہی تھیں حوصلہ بکھر رہا تھا مگر وہ خود کو مضبوط ظاہر کر رہی تھیں۔ اس نے شہیر کی وفات کی شب کے بعد باپ کو اور سوئم کی شب کے بعد ماں کو شکوہ کرتے یا روتے بین کرتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ کیسے صبر سے جوان بیٹے کی موت برداشت کر رہے تھے۔

''تم شیریں کی دوست ہو، اسے بہلانے کی، زندگی کی طرف لانے کی کوشش کرو کہ شہیر کو کھو چکے، شیریں کو کھونے کا حوصلہ نہیں ہے۔'' ان کا لہجہ بھیگا ہوا تھا، خوشی اپنے آنسو صاف کرتی اثبات میں گردن ہلا گئی تھی۔

''تم جانتی ہو نا تمہارے پاپا کے لئے شیریں کیا معنی رکھتی ہے، کتنی عزیز ہے۔ شہیر کی موت کا ہی صدمہ کم نہیں ہے کہ شیریں کی بیوگی کا دکھ سانسیں چھین رہا ہے مگر اس قیامت کی گھڑی میں بھی ضبط لازم ہے کہ قسمت سے نہیں لڑ سکتے اس لئے تم بھی بچوں کی طرح بی ہیو کرنا چھوڑ دو کہ خود روتی رہو گی تو شیریں کے آنسو کب صاف کرو گی۔ کیا نہیں جانتیں کہ ہمارے شہیر کو شیریں کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر کیسی تکلیف ہوتی تھی۔'' وہ ایسے صوفے پر گری تھیں جیسے سب کچھ لٹا بیٹھی ہوں مگر سب کچھ لٹا دینے کے بعد اب جو بچا تھا اس کا خیال ایسا تھا کہ مرنے تک نہیں دے رہا تھا۔

''مما! تکلیف میں نہ دیکھ پانے والے ہی تکلیف کیوں دے جاتے ہیں۔ جو آنسو نہیں دیکھ پائے وہی کیوں آنسوؤں کا سیلاب

بن جاتے ہیں۔ ساتھ چلنے کا وعدہ کرنے والے کیسے راہ میں چھوڑ جاتے ہیں۔ کیوں ہمارے اپنے یکدم اتنے بے رحم بن جاتے ہیں۔ کیوں وہ اپنوں کے لئے موت کو ناکام و نامراد نہیں لوٹا پاتے۔ کیوں یہ موت ہمارے پیاروں کو اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔ کیوں ہوتی ہے موت اتنی ظالم، کیا اس کے اپنے پیارے نہیں ہوتے۔ کیا اسے نہیں پتہ ہوتا کہ جدائی کیسے تڑپاتی ہے۔ کیوں کرتی ہے موت اتنی سنگدلی کا مظاہرہ، کیا ملتا ہے موت کو ایسا کر کے۔'' وہ چلتی ہوئی نیچے کارپٹ پر بیٹھ گئی تھی اور سر ماں کی گود میں رکھ دیا تھا۔

''موت ظالم نہیں ہوتی کہ موت تو خود صدیوں زندگی کا انتظار کرتی ہے کہ کب زندگی کا ناطہ زندگی سے ٹوٹے اور موت و زندگی ہم آغوش ہوں کہ موت بڑا لمبا بن باس کاٹتی ہے۔ اسے ظالم نہ کہو کہ زندگی اگر جینے کا تاوان دیتی ہے تو موت مرنے کی سزا کاٹتی ہے۔'' ان کا ہاتھ بیٹی کے سر پر آ ٹھہرا تھا۔ ان کی آواز سرگوشی کے مشابہ تھی۔ پل پل گزرتی رات گہری ہوتی جا رہی تھی اور وہ اٹھی تھی، نہ چاہتے ہوئے بھی شیریں کے کمرے تک چلی آئی تھی۔ آہٹ پر گھٹنوں میں دیا سر اس نے اٹھایا تھا اور لپک کر دروازے تک پہنچی تھی۔

''شہیر! آپ آ گئے۔'' کمرے کی خاموشی میں اس کا بھاری لہجہ ہمکلام ہوا تھا اور خوشی نے ضبط کرتے ہوئے کمرے کی تمام لائٹس آن کر دی تھیں۔

''تم سوئی نہیں ابھی تک......؟'' وہ یکدم روشنی سے گھبرا کر ہاتھ آنکھوں پر رکھ گئی تھی اور اسے دیکھتے ہوئے خوشی دھیمے سے بولی تھی۔

''شہیر ابھی تک نہیں آئے اور وہ جب تک نہ آئیں میں کیسے سو سکتی ہوں۔'' وہ ہاتھ نیچے گراتی خاموش کھڑی خوشی کو دیکھنے لگی تھی۔

''میں تو سمجھی تھی کہ شہیر آ گئے مگر دیکھا تو تم تھیں۔ تمہیں کوئی کام ہے جو اس وقت کمرے میں......''

''بس کر دو شیریں، تمہاری یہ باتیں میرا دل بند کر دیں گی۔'' وہ اس کی بات کے درمیان میں چیخی تھی۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں، ایسے کیوں چیخ رہی ہو۔ جانتی ہو نا شہیر کو لڑکیوں کا زور سے بولنا نہیں پسند۔ آئیں گے تو شکایت کروں گی تمہاری۔'' وہ اسے ناگواری سے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''تم نے دیکھا نہیں تھا آئے تو تھے شہیر بھیا، خون میں ڈوبے، چار کاندھوں پر دیکھی نہیں تھی خون میں ڈوبی ان کی لاش، جو ابھی بھی ان کے آنے کی آس لگائے بیٹھی ہو۔ جو آئے اور ہمیشہ کے لئے چلے گئے۔ سن لو غور سے شیریں۔ شہیر بھیا مر گئے ہیں۔ اب کبھی نہیں آئیں گے وہ۔ کس سے کرو گی میری شکایت۔'' وہ اسے کاندھوں سے تھامے جھنجھوڑتے ہوئے بولتی چلی گئی تھی۔

''عبیر بھیا اور میری لڑائی میں ہمیشہ مجھے سپورٹ کرنے والے شہیر بھیا مر گئے ہیں......تم کس سے کرو گی میری شکایت......'' وہ ایک جھٹکے سے اس کے شانے پر اپنی گرفت سے آزاد کر گئی تھی۔

'' بکواس بند کر دو خوشی۔ بار بار شہیر کے لئے مر گئے کا لفظ استعمال نہ کرو۔ وہ نہیں مرے، وہ نہیں مر سکتے۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا، جلدی آنے کا، لوٹ آنے کا وعدہ شاہ میر کے لئے، میرے لئے وہ ڈیوٹی آف کر کے آنے والے تھے اور تم جانتی ہو نا اپنے بھیا کو وہ وعدہ خلاف نہیں ہیں۔'' وہ خالی خالی نظروں سے بلکتی ہوئی خواہش کو دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔

''بھیا تو وعدہ خلاف نہیں تھے مگر ان کی زندگی نے ہی ان سے وفا نہ کی۔ وہ محبت سے بنی ہر تصویر کو ادھورا چھوڑ گئے۔ کر لو یقین کہ مر گئے شہیر بھیا، اب کبھی نہیں آئیں گے شہیر بھیا کہ موت تک جانے کے ہزار راستے ہوتے ہیں موت سے گزر کر آنے کا ایک بھی راستہ نہیں ہوتا۔'' خواہش کی ہچکیاں سسکیوں میں ڈھلنے لگی تھیں۔

''تم خود بتاؤ خوشی، شہیر میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں۔ کیسے مجھے چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔'' وہ اس کے سامنے رکتی بے بسی سے پوچھ رہی تھی۔ اس کے پاس جواب ہی نہیں تھا کہ سارے سوال، تمام جواب زندگی تک ہوتے ہیں موت بناء سوال کے بھی ایسا جواب ہے کہ کبھی بھی برداشت نہیں ہوتا۔

''وہ تو جانتے ہیں کہ مجھے اندھیروں سے ڈر لگتا ہے۔ ان کی شیریں راستوں میں بھی ڈر جاتی ہے تو وہ اسے کیسے بیچ راستے میں اندھیری راہ میں مجھے چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔ اتنے بے رحم تو شہیر کبھی بھی نہیں تھے۔ وہ تو کہتے تھے کہ جب میں انہیں پکاروں گی انہیں اپنے آس پاس پاؤں گی مگر اب وہ مجھے کہیں دکھائی نہیں دے رہے۔ میں روتی تھی تو مجھے چپ کرواتے تھے۔ کہتے تھے کہ میری شیریں روتے ہوئے اچھی لگتی ہے مگر بہت زیادہ اچھی نہیں لگتی اور انہیں مجھ پر پیار جب آتا ہے جب میں بہت زیادہ اچھی لگتی ہوں۔ کیا اب میں انہیں اچھی نہیں لگتی۔ انہیں اب مجھ پر پیار نہیں آتا جو مجھے یوں روتا چھوڑ گئے۔'' اس کی افسردگی، رنجیدگی میں ڈھلتی لفظوں کی صورت یوں بہہ رہی تھی کہ خواہش کے ضبط کا امتحان بن گئی تھی وہ اسے چپ کروا دینا چاہتی تھی لیکن نہ اسے چپ کروانے کی ہمت تھی نہ ہی تسلی دینے کا حوصلہ اس لئے وہ اسے تڑپتا دیکھ رہی تھی اور یہ بے بسی کی انتہا ہی تو تھی۔

''خوشی! یہ شہیر اتنے اچھے کیوں تھے۔ کبھی کسی کو، کسی بھی بات کے لئے بھی انکار نہیں کر پاتے تھے۔ موت کو بھی انکار نہیں کیا۔ سب کو خوش کرتے کرتے موت کو بھی خوش کر گئے۔ موت کو ہی کم از کم انکار کر دیتے۔ موت سے کہہ دیتے کہ وہ ان کے ساتھ نہیں جا سکتے۔ ان کی شیریں ان کی راہ دیکھ رہی ہے۔ شدتوں سے ان کی منتظر ہے۔ موت کے ساتھ چلے جائیں گے تو ان کی شیریں بہت اکیلی پڑ جائے گی۔ کیوں نہیں کہہ سکتے وہ موت سے ایسا کیوں میرے لئے بھی وہ موت کو نہ ٹال پائے اور زندگی کو، اپنی شیریں کو ہی الوداع کہہ گئے۔'' وہ خواہش کے کاندھے سے لگی بلک رہی تھی۔

یہ اٹھارہ دنوں میں پہلی دفعہ تھا کہ وہ یوں روئی تھی ورنہ تو شہیر کا راستہ دیکھ کر اسے سکتہ ہو گیا۔ ایک چپ سی لگ گئی تھی آج اس کی چپ ٹوٹی تھی اور اس کی تڑپ دیکھتے خواہش کا ضبط بکھرتا جا رہا تھا وہ اسے خود سے دور کرتی روم سے ہی نکل گئی تھی۔ اس سے زیادہ اس میں حوصلہ نہ تھا۔ بدلتی رت نے انہیں تہی دست کر ڈالا تھا آنسو خشک ہو گئے تھے اور بہنے پر آئے تھے تو یوں پلکوں کی دہلیز سے ٹپکتے تھے جیسے دسمبر کی بارش! وہ چلتی ہوئی سائیڈ ٹیبل تک گئی تھی اور اپنی شادی کی تصویر اٹھا لی تھی۔ وہ سرخ عروسی جوڑے میں نگاہ جھکائے شرمائی سی کھڑی تھی اور شہیر کی نگاہیں اس کے چہرے پر ٹکی تھیں۔ منظر نہایت حسین اور مکمل تھا۔ یہ ان کی شادی کی تصویروں میں سے سب سے حسین تصویر تھی جسے شہیر نے فریم کروا کر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھا تھا اور اس کو تنگ کرنے کو اکثر بڑی ترنگ میں آ کر تصویر کو چوم لیا کرتا تھا اور اسے چھیڑنے کو بولا تھا۔

''تم سے اچھی تو تمہاری تصویر ہے، کم از کم پیار کرنے پر تو پابندی نہیں لگاتی......'' وہ محض اسے گھور کر اپنی تصویر اس سے چھین کر چھپا دیا کرتی تھی اور جب تک وہ تصویر اس کی جگہ پر نہیں رکھتی تھی وہ اسے اتنا ستاتا تھا کہ وہ تنگ آ کر تصویر جگہ پر رکھ دیتی تھی۔ اس کی مخروطی انگلیاں شہیر کے نقش پر دھیرے دھیرے ثبت ہونے لگی تھیں۔ آنسو قطرہ قطرہ تصویر پر گرتے جا رہے تھے اور نمی اسے اپنے دل پر محسوس ہو رہی تھی۔

''آپ نے اچھا نہیں کیا شہیر، مجھے مناتے مناتے خود یوں روٹھ گئے ہیں کہ میں سچ میں آپ کو نہیں منا پا رہی۔ ایک بار آ جائیے کہیں سے، آپ بن نہیں جیا جاتا شہیر۔ آپ بن بہت نامکمل، بہت ادھوری، بہت اکیلی پڑ گئی ہوں۔'' اس نے سسکتے ہوئے لب تصویر پر رکھ دیئے تھے اور وہ تڑپ تڑپ کر روتی چلی گئی تھی۔

یہ کس منظر میں تم نے ساتھ چھوڑا
میری تصویر آدھی رہ گئی ہے۔

''بڑے صاحب! زعیزعہ خان آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔'' ملازمہ کی بات پر جیسے ڈائننگ ہال کا سناٹا قدرے بڑھ گیا تھا۔اس نے بڑی ہراساں نگاہوں سے ماموں کی طرف دیکھا تھا اور وہ بڑی حیرانگی سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ملازمہ کو اسے ڈرائنگ روم میں لے جانے کو کہا تھا۔

''زعیزعہ یہاں کیوں آیا ہے؟'' رابعہ سالار کے لہجے میں ناگواری وغصہ کی آمیزش تھی۔وہ ان سب کے ہراساں چہروں کو دیکھ کر ریلکس رہنے کا کہتے ڈرائنگ روم کی جانب بڑھ گئے تھے۔آج وہ پہلی دفعہ ان کے گھر تک آیا تھا اور وہ ٹھہرے بامروت انسان اس لئے داخل ہوتے ہی اس پر سلامتی بھیجی تھی اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا جسے وہ بڑی خاموشی سے تھام گیا تھا۔

''بیٹھ جاؤ زعیزعہ۔'' آداب میزبانی نبھاتے تھے۔وہ کچھ کہے بناء صوفے پر ٹک گیا تھا۔

''شہیر کی موت کی خبر سنی تھی،تعزیت کے لئے آنا چاہ رہا تھا مگر میری برائیاں راہ میں رکاوٹ بنی رہیں لیکن آج قدم خود بہ خود یہاں تک چلے آئے۔'' وہ دھیمے دھیمے آنے کا مقصد بتا رہا تھا۔

''بہت شکریہ زعیزعہ خان کہ تم میرے دکھ میں شریک ہونے آئے۔''ان کا اپنا ہی ٹھہرا ہوا انداز تھا وہ انہیں بے یقینی سے دیکھ رہا تھا کہ وہ کتنے پرسکون لگ رہے تھے۔

''شہیر کی موت کا بہت دکھ ہے مجھے۔''انہوں نے اسے حیرت سے دیکھا تھا جیسے یقین نہ آیا ہو۔''کمشنر۔تم میری برائیوں سے واقف ہو مگر میں تمہاری واقفیت سے بڑھ کر برا ہوں اور مجھے نہ کوئی افسوس ہے نہ شرمندگی مگر آج میری برائی کی نہیں ایس پی شہیر کی اچھائی کی ہے کہ شہیر کے رقیب ماننے،شدید نفرت رکھنے کے باوجود میں کبھی اسے اچھے انسان کو کوئی تکلیف نہ پہنچا سکا کہ اس کی اچھائی نے میرے ہاتھ ہمیشہ باندھے رکھے،اس کی اچھائی کا یہ اعتراف کیا کم ہے کہ میں اس کا سب سے بڑا دشمن اس کی خوبیوں کا معترف ہوں۔'' وہ ان کی بے یقینی بھانپ لینے کے باوجود گہری سنجیدگی سے بولا تھا اور ان کے اعصاب ڈھیلے پڑتے چلے گئے تھے۔

''مجھے شہیر کی موت کا ملال ہے تو صرف اس لئے کہ دنیا ایک اچھے انسان سے محروم ہوگئی ہے۔کمشنر مگر تم میری یہاں موجودگی کا سبب کسی بات کو،کسی مقصد کو نہ سمجھنا کہ آج میں یہاں صرف شہیر کے لئے آیا ہوں۔اس کی اچھائی مجھے یہاں تک لائی ہے اور تم یقین نہ کرو پھر بھی میں آج ایک اعتراف تو تم سے کروں گا کہ میں نے بہت چاہت کے باوجود بھی کبھی شہیر کو نقصان نہیں پہنچایا اور اس کی موت کا بہت دکھ ہے مجھے۔''

وہ پل پل حیران کر رہا تھا۔

''یہی دکھ تو اب میری زندگی ہے زعیزعہ خان۔اس لئے جانے دو اور بتاؤ کیا لو گے۔کافی یا سوفٹ ڈرنک؟'' وہ سرخ آنکھوں سے گہری افسردگی سے کہتے یکدم خود کو سنبھال کر آدابِ میزبانی نبھا گئے تھے۔

''نہیں، اب اجازت چاہوں گا۔'' وہ یکدم ہی کھڑا ہو گیا تھا اور اسی وقت شیریں وہاں چلی آئی تھی۔

''آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔ میرے شہیر کو مار کو سکون نہیں ملا تھا۔'' وہ اس دشمنِ جاں کو دیکھ کر ہی نہیں سنبھلا تھا کہ اس کا الزام وہ تڑپ ہی تو اٹھا تھا۔

''میں نے ایس پی شہیر کی جان نہیں لی ہے۔''

''بکواس بند کیجئے اپنی۔ میرے شہیر کی جان لے لی اور اب یہاں کرنے کیا آئے ہیں۔'' وہ چیل کی طرح اس پر جھپٹنے کو تھی کہ سالار مصطفیٰ اس کی راہ میں آ گئے تھے۔

''شیریں! اپنے کمرے میں جاؤ۔'' وہ خود کو کمپوز کر کے بولے تھے۔

''نہیں ماموں جان۔ میں اس شخص کی جان لے لوں گی۔ یہی ہیں جنہوں نے ہمارے شہیر کو مار ڈالا ہے۔ مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے کہتے کہتے بالآخر میرے شہیر کو مجھ سے چھین لیا۔ یہی ہیں ہمارے شہیر کے قاتل۔'' وہ ان کے حصار میں تڑپ رہی تھی اور اس کی آنکھیں ضبط سے لہو رنگ ہو گئی تھیں۔

''کمشنر! میں بہت برا ہوں۔ سچ بولنے کا دعویٰ بھی نہیں کرتا کہ صبح و شام اتنے جھوٹ بولتا ہوں کہ جھوٹ بھی حیران رہ جاتا ہے مگر اتنا یاد رکھنا کہ اس وقت میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ شہیر کی موت میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے کہ اسے قتل کرنا ہی ہوتا تو سال بھر انتظار نہ کرتا۔'' وہ اسے بلکتے پہلی دفعہ دیکھ رہا تھا اور اس کا تڑپنا اس کے اعصاب پر کاری وار کر گیا تھا۔ وہ ضبط کی کڑی منزلوں سے گزرتا بھاری لہجے میں بولا تھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

''آپ میرا یقین کریں ماموں جان، شہیر کی موت کا ذمہ دار زعیز عہ خان کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔'' وہ ان کے کاندھے سے لگی تڑپتے ہوئے لہجے میں بولی تھی اور وہ دہری اذیت کا شکار ہونے لگے تھے کہ جانتے تھے کہ ان کے اور ان کے بیٹے کے دشمن کم نہیں مگر زعیز عہ خان کے علاوہ فی الحال یہ حرکت انہیں کسی اور کی نہیں لگ رہی تھی مگر آج اس کی آمد نے ان کے اعصاب کو جھنجوڑ ڈالا تھا کہ ان کا دماغ جو کہتا تھا اور جو شیریں کہہ رہی تھی وہ زعیز عہ خان نہیں کہہ رہا تھا اور اس پر یقین تو کر ہی نہیں سکتے تھے مگر اس کی آنکھوں میں جو سچائی آج انہوں نے دیکھی تھی وہ انہیں ہلا کر رکھ گئی تھی۔ انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ آج سچے دل سے تعزیت کو آیا تھا اور تعزیت کے پیچھے چھپے مقصد کو وہ محسوس کر گئے تھے انہیں صاف لگا تھا کہ وہ یہ یقین دلانے آیا تھا کہ شہیر کی موت میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں اور وہ یہ یقین کیوں دلانا چاہتا تھا یہ سوال ایسا تھا کہ ان کی راتوں کی نیند ہی اڑ گئی تھی کہ انہیں یہ خیال ستانے لگا تھا کہ اس کی آمد بے مقصد نہ تھی اس کی آمد کے پیچھے بس گھوم پھر کر ایک مقصد تھا اور وہ شیریں کے حصول کے علاوہ کوئی اور مقصد کیسے ہو سکتا تھا اور شیریں کا سوچ کر وہ اپنا دل بیٹھتا محسوس کرنے لگے تھے کہ شیریں انہیں اپنی جان سے بڑھ کر عزیز تھی مگر شہیر کے حوالے سے وہ انہیں جان و آن سے بھی بڑھ کر تھی۔ اب زعیز عہ خان کی آمد اور اس کے پیچھے چھپے مقصد کو محسوس کرتے وہ بے چین تھے تو ایسا کچھ غلط بھی نہ تھا کہ انہوں نے بھانجی کی محبت میں بیٹے کو گویا تختہ دار پر لٹکایا تھا اور وہ

نہیں رہا تھا تو پھر سے شیریں کا مسئلہ اٹھ کھڑے ہونے کو بے قرار تھا۔ وہ جتنا سوچ رہے تھے اتنا ہی الجھ رہے تھے کہ ابھی تو ان کے بیٹے کا کفن بھی میلا نہیں ہوا تھا محض بائیس دن ہی تو گزرے تھے ابھی تو چہلم تک نہ ہوا تھا ایسے میں وہ کچھ اور سوچنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ زعیزعہ خان تو ان کا رہا سہا چین بھی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

☆......☆......☆

''کیا سوچ رہی ہو یمانی۔'' شاہ میر کو تھپکتی یمانی آواز پر چونک اٹھی تھی۔

''کچھ بھی تو نہیں۔'' نفی میں گردن ہلاتی وہ واپس اپنے کام میں مشغول ہو گئی تھی۔

''تم پریشان نہ ہو میں سالار انکل سے دوبارہ بات کروں گا۔'' شہباز کی نرم آواز پر اس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

''ماموں جان کسی قیمت پر نہیں مانیں گے۔ وہ اصولوں کے بہت پکے ہیں اور جو کام شہیر نے نیک نیتی سے کیا وہ اسے لوٹا نہیں سکتے۔'' اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''یہ سب میں بھی محسوس کر رہا ہوں یمانی! مگر شاہ میر پر ان کا حق سب سے زیادہ ہے۔'' وہ سوئے بیٹے پر ایک نظر ڈالتے ہوئے بولنا شروع ہو گیا تھا۔

''شہیر اور شیریں کا یہ احسان تو میں زندگی بھر تو کیا مر کر بھی نہیں اتار سکتا۔ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی شہیر کی محبت اور خلوص کا مان رکھا...... ورنہ کیا میں اولاد کھونے کا دکھ نہیں جانتا تھا جو شہیر کی پدرانہ شفقت اور شیریں کا ممتا کا امتحان لیتا...... مگر ان دونوں کی محبت اور جذبۂ ایثار نے مجھے زیر بار کر دیا۔'' کمرے کی خاموش فضا میں شہباز کی آواز گردش کر رہی تھی۔ وہ شاہ میر کو ایڈاپٹ کرنے کے بعد آج پہلی دفعہ اس موضوع پر اپنے قلبی جذبات کا اظہار کر رہا تھا۔

''شہیر کی اچانک موت نے تو مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ سالار انکل اور رابعہ آنٹی کی حالت کیا ہو گی محض اندازہ لگا سکتا ہوں کہ ان کا درد محسوس کر کے بھی نہیں کر پا رہا کہ جس بچے کو دیکھا تک نہ تھا اس کی موت آج بھی آنکھیں نم کر دیتی ہیں تو شہیر تو ان کا جواں بیٹا، جسے بہت ارمانوں سے خونِ جگر دے کر پالا تھا آج ان سے بچھڑ چکا ہے اور میں ان کے لئے بہت چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ بس اسی لئے چاہتا ہوں کہ ان کا خون انہیں لوٹا دوں کہ چاہے تیس دنوں میں شاہ میر میرے لئے زندگی سے بڑھ کر اہم ہو گیا ہے مگر سالار انکل کے حق کو میری پدرانہ بھی چیلنج نہیں کر سکتی۔ بیٹا تو رہا نہیں کم از کم بیٹے کا خون، ان کا پوتا، بیٹے کی آخری نشانی ان کے پاس ہو گا تو زخمی تڑپتے دل کو کچھ تو راحت میسر آ جائے گی۔'' وہ نم لہجے میں بول رہا تھا۔

''آپ کی ہر بات سے اتفاق کرتی ہوں اسی لئے تو ہم نے شہیر کی سوئم کی شام ماموں جان سے بات کی تھی۔ شاہ میر ان کا پوتا انہیں دینا چاہا تھا مگر وہ راضی ہی نہیں ہوئے اور جتنا میں ماموں جان کو جانتی ہوں وہ کبھی راضی نہیں ہوں گے۔ اس لئے میں بس کوئی دوسرا حل سوچتی رہتی ہوں۔ ایسا راستہ کہ شاہ میر ہمارے پاس رہے اور ماموں جان کی بھی نظروں میں رہے مگر مجھے بہت سوچنے کے بعد بھی کوئی حل نظر

نہیں آتا۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ ایسا کیا کروں کہ شیریں کے دکھوں کا مداوا بن جاؤں۔'' وہ باقاعدہ رو رہی تھی اور اپنے ساتھ ساتھ شہباز کو بھی نئی سوچ کی طرف ڈال گئی تھی۔ وہ بھی یہی سوچنے لگا مگر اسے بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ راستہ جس پر چل کر وہ محبتوں کا قرض اتار سکتے۔

''مگر آپ پریشان نہ ہوں۔ اللہ سب بہتر کرے گا۔ کوئی نہ کوئی راستہ اللہ خود نکال دے گا کہ اگر شہیر اور شیریں کی نیت میں کوئی کھوٹ نہ تھا تو ہم بھی ان کے لئے سچے دل سے کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ محبت کا قرض، محبت سے، خلوص سے اتارنا چاہتے ہیں۔'' وہ اپنے آنسو رگڑتے ہوئے بولی تھی۔ وہ آگے سے کچھ نہیں بولا تھا کہ کچھ باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ جنہیں واضح کرنے کے لئے لفظ کم پڑ جاتے ہیں کہ جذبات کی کوئی زبان نہیں ہوتی۔

☆......☆......☆

''کیسی ہو جانِ زعیز۔'' وہ نہایت خوبصورت فروا کا اوپر سے نیچے تک جائزہ لیتا دلکشی سے پوچھ رہا تھا اور وہ سرخ پڑ گئی تھی کہ چاہے کتنی ہی بولڈ تھی زعیز عہ خان کے سامنے ٹھہر جانا اس کے بس کی بات نہ تھی۔

''میں ٹھیک ہوں...... آپ کیسے ہیں؟'' وہ دھیمے سے بولی تھی۔ وہ کچھ اور اس کی جانب متوجہ ہوا تھا کہ فروا اس کی خالہ زاد تھی، اس سے اچھی دوستی تھی مگر محض دوستی...... کہ اس نے دوستی کو کبھی کسی تعلق میں بدلنے کا سوچا ہی نہ تھا اور آج ایک طویل عرصہ کے بعد اس سے ملا تھا اور اسے دیکھتے ہوئے تعلق بنانے کا سوچنے لگا تھا۔

''آج بہت اچھی لگ رہی ہو۔ مجھ پر بجلیاں گرانے کا ارادہ ہے تو فار یور کائنڈ انفارمیشن مس فروا الغاری کہ میں تو پہلے ہی آپ کے حسن کے آگے زیر ہوا پڑا ہوں۔'' معنی خیزی سے کہتے ہوئے اس کا گلابوں سے رخسار چھوا تھا اور وہ بہت چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی کہ وہ اس ٹون میں تو اس سے بات کرتا ہی نہیں تھا اور آج کر رہا تھا تو اس کا پہلے سے اس کا اسیر دل، مچل ہی اٹھا تھا۔

''میرا حسن مگر لگتا ہے کہ آپ پہلی دفعہ دیکھا ہے...... ورنہ آپ اور میری تعریف کریں ایسا پہلے تو کبھی نہیں ہوا۔'' وہ اپنی فطری بولڈنیس کا مظاہرہ کرتی بولی تھی اور وہ قہقہہ لگا گیا تھا۔ اس نے انجانے میں ہی سچ بات کہہ دی تھی۔ مگر وہ اس پر ظاہر کیے بنا دلکشی سے بولا تھا۔

''تم تو اپنی جان ہو ڈیئر۔'' وہ اس کی کلائی تھام کر اسے یوں جھٹکا دے گیا تھا کہ وہ اس کے سینے سے آ لگی تھی۔

''اتنی محبت کرتے ہیں مجھ سے......؟'' وہ گھبرائی ضرور تھی مگر جس سوسائٹی سے تعلق تھا یہ بات انتہائی معمولی سی تھی اس لئے خود کو اس نے کمپوز ہی رکھا تھا اور اس کا سوال تھا کہ کوئی ڈنگ وہ اس کو یوں فاصلے پر کر گیا تھا جیسے وہ اسے کھا جانے کو تھی۔

''محبت کہاں سے آئے گی ڈیئر؟'' وہ چبا چبا کر بولا تھا جبکہ اب حیران ہونے کی باری فروا کی تھی۔ ''میں تو ہزاروں لڑکیوں سے یونہی التفات کا مظاہرہ کیا کرتا ہوں تو کیا سب سے محبت ہے مجھے۔'' وہ نہایت ناگواری سے اس کے حسین چہرے کو دیکھ رہا تھا جس کے چہرے کی رنگت بدل گئی تھی۔

''مطلب کیا ہے آپ کی بات کا......'' وہ بھی اس کے نہایت خوبرو چہرے کو نہایت ناگواری سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ اس

نے یکدم فروا کا بازو جکڑ لیا تھا۔

''مطلب صاف ہے فروالغاری.....تم نا سمجھنے کی ایکٹنگ کرو تو تمہاری مرضی۔''

اس کی آنکھوں میں جو وہ دیکھ رہی تھی کوئی بہت نیا سا احساس تھا فروا کی ریڑھ کی ہڈی تک سنسنی دوڑ گئی تھی کہ وہ محض اپنی سوسائٹی کے تقاضوں کو سمجھتی تھی کبھی ان پر عمل نہیں کیا تھا اس لئے وہ یکدم بہت ہراساں ہوگئی تھی اور اس جیسا گھاگ شکاری جو دشمن کے تیور بھانپ لیتا تھا وہ اپنے سے دگنی عمر چھوٹی لڑکی کے تیور نہ بھانپ پاتا تو مقامِ حیرت ہوتا۔اس نے یکدم اس کے بازو پر گرفت سخت کی تھی۔

''محبت کی داستان لے کر مجھ تک تو کبھی نہ آنا فری کہ میں من وارنے پر نہیں تن وارنے پر راحت محسوس کرتا ہوں۔تم سے کبھی نہیں کہا کہ تمہارے بارے میں ایسا کبھی سوچا ہی نہیں کہ تمہیں دوست سمجھا۔تعلق بنانا نہیں چاہا مگر تم قصہ ٔ محبت لے بیٹھی ہو تو کہہ رہا ہوں کہ کسی بھی لڑکی سے میرا تعلق محض چند ملاقاتوں کا ہی ہوتا ہے جس کا اختتام ون نائٹ ریلیشن شپ پر ہوتا ہے۔تم نے وقت گزارنا چاہا میں نے تمہیں وقت دیا اب رات گزارنا چاہو تو موسٹ ویلکم......بس یہ محبت کا راگ میرے سامنے نہ الاپنا کہ محبت نہیں کرتا۔تعلق قائم کرسکتا ہوں۔'' وہ اس کی جھیل سی آنکھوں میں دیکھتا آج اس پر اپنی ہر برائی عیاں کر گیا تھا اور وہ تو ساکت ہی رہ گئی تھی کہ کہاں امید تھی کہ وہ اس کے بارے میں اس طرح سوچے ہوئے تھا اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔

''میں نے آپ سے تعلق بنانا نہیں چاہا کہ آپ سے محبت کرتی ہوں، رشتہ بنانا چاہتی ہوں۔'' وہ سسکتے ہوئے بولی تھی اور وہ قہقہہ لگا گیا تھا۔

''تم لڑکیاں ہنس کر بات کر لینے کو محبت کیوں سمجھ بیٹھتی ہو؟'' وہ اس پر چوٹ کر رہا تھا۔

''ہم محبت سمجھ نہیں لیتیں، ہمیں سمجھائی ہی محبت جاتی ہے، آپ کا ہر انداز مجھ سے کہتا رہا کہ آپ کو محبت ہے اور آج آپ کہتے ہیں کہ محبت ہی نہیں۔صرف تعلق کی چاہ ہے۔جب تعلق ہی بنانا تھا تو اپنی گھٹیا سوچ پہلے کیوں نہ بیان کی۔کیوں جواب دیجئے زعیزعہ۔'' وہ اس کا گریبان مٹھیوں میں جکڑے ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی اور وہ پل بھر کے لئے خاموش رہ گیا تھا کہ وہ کہہ تو صحیح ہی رہی تھی کہ محبت نہیں تھی مگر تمام انداز محبت کے ہی تھے،لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنسانے کو نرمی و توجہ کا وہ اپنا ایسا جال بچھاتا تھا کہ اس کے ہر سرے پر محبت کے رنگ بکھرے ہوتے تھے ایسی محبت کے رنگ جو مقابل کے لئے فنا کے مترادف ہوتے تھے اسے محبت نہیں تھی مگر محبت اس کا ہمیشہ سے ہتھیار رہی تھی اور اس کند ہتھیار سے اس نے کتنے ہی دل ذبح کئے تھے اور جب خود محبت کا شکار ہوا تھا تو سارے کس بل نکل گئے تھے یہی وجہ تھی کہ آج فروا کی تڑپ اسے صاف محسوس ہوئی تھی وہ ایک جھٹکے سے اپنا گریبان آزاد کرواتا باہر کی جانب بڑھا تھا کہ فروا کی بلکتی ہوئی صدا پیروں کی زنجیر بننے لگی تھی۔

''زعیزعہ! آپ میرے ساتھ اتنا برا نہیں کر سکتے۔میں نے محبت کی اور آپ میری محبت کی اتنی توہین نہیں کر سکتے۔'' اس کی آنکھوں میں وحشت سی اترنے لگی تھی اور وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا نکلتا چلا گیا تھا پیچھے وہ رہ گئی تھی آہوں، کراہوں کے ساتھ کہ وقت اس کے

ساتھ ایک بھیانک چال چل گیا تھا جسے رہبر سمجھا تھا وہی رہزن نکلا تھا۔ وہ زندگی کے اس مقام پر بالکل ہی ٹوٹ گئی تھی، زندگی کا احساس کھو سا گیا تھا اور زندہ رہنے کی لگن و چاہت مرسی گئی تھی۔

☆......☆......☆

''آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا۔'' اس نے بہت ٹھہرے ہوئے لہجے پر سر اٹھا کر آواز کی سمت دیکھا تھا سالار مصطفیٰ فل یونیفارم میں اس کے سامنے موجود تھے۔

''مجھے حوالات میں پا کر کسی خوش فہمی کا شکار نہ ہونا کمشنر، کہ میں یہاں چند گھنٹوں سے زیادہ تمہاری خوشی کے لئے بھی نہیں رہ سکتا۔'' وہ سلاخوں پر اپنے مضبوط ہاتھ جمائے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تمسخر سے بولا تھا۔

''رئیلی......؟ یہ مت بھولو کہ اس بار تمہیں یہاں تک تمہارے ہی جیسے لوگ لائے ہیں۔ اب رہائی ممکن نہیں۔'' وہ اس کے تمسخر کو گویا چٹکیوں میں اڑا گئے تھے اور اس نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔

''اب ہی تو رہائی ممکن ہے ڈیئر کمشنر، کہ تمہیں لگتا ہے کہ اسفند لغاری نے مجھے اریسٹ کروایا ہے تو میں اب رہا نہیں ہو پاؤں گا تو غلط فہمی ہے تمہاری کہ اسفند لغاری کی زندگی میرے قدموں میں پڑی اپنی بقاء کی جنگ لڑ رہی ہے اور اسفند لغاری چند منٹوں میں اپنے عمل پر پچھتاوؤں کے ساتھ خود میری رہائی کے لئے وکیل لے کر آئے گا۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا تھا اور سالار مصطفیٰ نے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

''یار کمشنر۔ یہ لڑکیاں اتنی احمق کیوں ہوتی ہیں۔ ذرا سی دل لگی کو دل کی لگی سمجھنے لگتی ہیں۔ اسفند لغاری کی اکلوتی بیٹی فروا لغاری میرے عشق میں گوڈے گوڈے ڈوبی میرے لیے اپنی جان لینے چلی تھی اور بیٹی کی خودکشی اسفند لغاری برداشت نہیں کر پایا مجھے اریسٹ کروا دیا مگر دیکھنا کمشنر کچھ دیر میں وہ میری بیل کروانے آئے گا کہ اس کی جان، اس کی بیٹی فروا تو اب بھی میری مٹھی میں ہے، فروا کو میرے حوالات میں ہونے کا جیسے ہی پتہ چلے گا وہ اسفند لغاری دوڑا دوڑا مجھے رہا کروانے آئے گا۔ تم اپنا وقت ضائع نہ کرو جا کر آرام کرو، کل ہی تو جوان بیٹے کا چہلم نمٹا کر بیٹھے ہو خود کو ریلیکس کرو کمشنر، یہ فرائض کی ادائیگی کب تک کرو گے کہ ان کو ادا کرتے تمہارا بیٹا جان سے چلا گیا۔ ایک دن تم بھی جان سے جاؤ گے کیوں تم لوگ خود اپنی جان کے دشمن ہو کمشنر! رحم کرو خود پر، اپنے حوصلوں کو اتنا نہ آزماؤ۔'' وہ درشت لہجے میں سب ہی کچھ تو کہہ گیا تھا اور اسے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی سننے پر مجبور تھے کہ اس کا آخری حوالہ ان کو جھنجوڑ گیا تھا کہ شہیر کی موت کا معاملہ تو ایسا تھا کہ وہ بھولتے ہی نہیں تھے اور جس طرح اس نے پوائنٹ آؤٹ کیا تھا ان کی آنکھیں ضبط سے لہو رنگ ہو گئی تھیں۔ کچھ دن پہلے والا زعیز عہ خان کہیں نہ تھا جوان سے ہمدردی کو چل کر ان کے گھر تک آیا تھا آج پھر ان کے سامنے بے رحم، سفاک زعیز عہ خان کھڑا تھا۔ وہ آگے سے کچھ کہتے کہ حوالدار نے اسفند لغاری اور ایڈووکیٹ جبار خان کے آنے کی اطلاع دی تھی اور زعیز عہ خان کی طرف ان کی نگاہ رُکی تھی جس تمسخر اڑاتی نگاہ سے اس نے سالار مصطفیٰ کو دیکھا تھا ان کے قدم لڑکھڑا سے گئے تھے۔

''میری جان کمشنر، تم جیسے ایماندار آفیسر آٹے میں نمک کے برابر ہیں اس لئے تم تبدیلی و بہتری کا محض سوچ سکتے ہو بہتری لا نہیں

سکتے اس لئے جان گنوانا، وقت برباد کرنا چھوڑ دو۔ ہم جیسی کالی بھیڑوں سے ساز باز کرلو کچھ ہمارا ہی بھلا ہو جائے گا۔'' وہ ان کے زرد پڑتے چہرے کو دیکھ کر تضحیک وتحقیر سے بولا تھا اور وہ بڑی تیزی میں اپنے آفس میں آ گئے تھے انہوں نے اسفند لغاری کے ایف آئی آر واپس لینے اور زعیزعہ خان کو رہا کر دینے کی تمام باتیں خاموشی سے سن کر یکدم ریفوز کر دی تھیں یہاں تک کہ کورٹ کے آرڈرز بھی ایڈووکیٹ کے سامنے پٹخ دیئے تھے۔ اسفند لغاری کو غصہ تو بہت آیا تھا مگر وہ جانتے تھے کہ کمشنر سالار مصطفیٰ آسان ہدف ہرگز نہیں اس لئے انہیں ہی تحمل کا مظاہرہ کرنا ہوگا کہ وہ پہلے ہی طیش میں کافی کچھ غلط کر گئے تھے جب انہوں نے اپنی اکلوتی بیٹی کو زندگی اور موت کی کشمکش میں دیکھا تھا۔ وہ غصہ میں زعیزعہ خان کو اریسٹ کروا گئے تھے مگر جیسے ہی فروا کو پتہ چلا تھا اس نے پورا ہاسپٹل سر پر اٹھا لیا تھا اور دوبارہ خودکشی کی کوشش کی تھی اور وہ جیسے ہار گئے تھے اور اسے رہا کروانے آ گئے تھے وگرنہ آج انہیں جتنا غصہ زعیزعہ خان پر تھا وہ اس کا قتل کر دیتے تو بھی کم تھا اور کہاں وہ ایف آئی آر ہی کینسل کروا رہے تھے، بیٹی کی چاہت میں وہ ہر لحاظ سے مجبور ہو گئے تھے۔ آج جتنا بے بس ولاچار انہوں نے خود کو محسوس کیا تھا ایسا زندگی میں کبھی نہ کیا تھا کہ جب فروا نے ہوش میں آتے ہی کہا تھا کہ وہ جینا نہیں چاہتی کہ زعیز اس سے محبت نہیں کرتا اور زعیز نہیں ملا تو وہ مر جائے گی۔ وہ زعیز کے بغیر مر جانا چاہتی ہے، وہ الٹے قدموں ''خان ہاؤس'' پہنچے تھے اور زعیزعہ خان سے بات کی تھی، بیٹی کا پرپوزل دیا تھا جسے زعیزعہ خان بے دردی سے ریفوز کر گیا تھا اور وہ اتنی انسلٹ پر غصہ سے کھولتے اسے اریسٹ کروا گئے تھے، اس کے خلاف ایسے ثبوت فراہم کئے تھے کہ وہ سالوں تک رہائی کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا مگر بیٹی نے انہیں چند گھنٹوں میں ہی بے بس کر ڈالا تھا اور وہ خود چل کر اس کی رہائی کو آ گئے تھے۔ کمشنر سالار مصطفیٰ نے انہیں تو انکار کر دیا تھا مگر منسٹر کی کال کے بعد ان کے اقرار وانکار کی گنجائش ختم ہو گئی تھی تمام ثبوت ان پر ہنس رہے تھے اور تمسخر تو زعیزعہ خان بھی اڑا رہا تھا انہوں نے بس ایک نظر اسے دیکھا تھا اور نگاہ چرا لی تھی کہ اس نے جو چیلنج دیا تھا وہ جیت گیا تھا اور وہ اس بار بھی ایمانداری کی راہ پر چلتے ہار گئے تھے، آج بھی شکست اچھائی کی، ایمانداری کی ہوئی تھی اور برائی سر اٹھا کر ان کے سامنے سے چلی گئی تھی ان کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی اور ذہن ودل فیصلہ کن انداز میں سوچنے لگے تھے، کچھ لمحے لگے تھے انہیں جان لیوا فیصلہ لینے میں مگر آج وہ یہ فیصلہ بھی کر گئے تھے، ایک صفحہ پر چند سطریں گھسیٹی تھیں، دستخط کرتے ہوئے ہاتھ کانپا تھا مگر وہ دستخط کر گئے تھے۔ اس صفحہ پر نگاہ دوڑائی تھی ایک آنسو صفحہ پر گرا تھا روشنائی بکھری تھی اور انہوں نے وہ صفحہ تہ کر کے ایک اینولپ میں رکھا تھا اور کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے، آفس پر ایک الوداعی نگاہ ڈالی تھی اور شکستہ قدموں سے اس آفس سے نکل آئے تھے جہاں ہمیشہ بڑے حق وتفاخر سے داخل ہوا کرتے تھے انہوں نے وہ اینولپ ڈی آئی جی سندھ کے سامنے رکھا تھا اور ان کے سوالوں کو سوال بنا چھوڑ کر آخری سلام کرتے پولیس اسٹیشن سے لمحہ بہ لمحہ دور ہوتے چلے گئے تھے مگر لمحہ بہ لمحہ لگ رہا تھا کہ وہ زندگی سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ وہ واپسی کا سفر کر رہے تھے اور واپسی کا سفر تو ہمیشہ ہی تکلیف دہ تھکان کا باعث ہوتا ہے اور وہ بھی خود کو ہارا ہوا، تھکا ہوا ایک ایسا مسافر سمجھ رہے تھے جس نے ایک طویل سفر کرنے کے بعد آج جانا تھا کہ سفر لاحاصل رہا، وہ ایسا سفر کرتے رہے جس کی کوئی منزل نہ تھی اور جس منزل کا تعین خود انہوں نے کیا تھا وہ ان کا مقدر نہ بن سکی آج انہوں نے اپنی شکست تسلیم کر لی تھی، مان لیا تھا کہ سفر رائیگاں گیا۔ محنت لاحاصل ٹھہری، جنوں کسی کام نہ آیا، عشق

معراج کو نہ پہنچ سکا، بس لا حاصل کا روگ، شکستِ منزل ان کے قدموں سے آلپٹی ہے اور اب عمر اسی روگ کے ساتھ تمام ہو گی کہ سفر تمام ہو گیا تھا مگر زندگی اب بھی سفر میں تھی۔ انہوں نے اپنے آنسو صاف کیے تھے اور گھر کی طرف بڑھنے لگے تھے کہ شکست خوردہ شخص کو بھی جو پناہ دے وہی تو گھر ہوتا ہے اور وہ اب اپنے گھر کی طرف رواں دواں تھے انہیں یقین تھا کہ ان کا گھر اور اس گھر کے مکین ان کے بکھرے، ٹوٹے شکست خوردہ وجود اور حوصلوں کو سنبھال لیں گے۔ وہ جو ہار گئے ہیں وہ تو لوٹا نہ سکیں گے مگر ان کے بکھرے وجود کو یوں سمیٹ لیں گے کہ آگے زندگی کے لئے زادِ راہ میسر آجائے گا۔

زندگی کی تلاش میں ہم
موت کے کتنے پاس آگئے

☆......☆......☆

''سالار! تم نے استعفیٰ دے دیا ہے......'' انہیں گھر پہنچے کوئی دس منٹ ہوئے تھے کہ حیران پریشان ارمان شیرازی کی آمد اور ان کا سوال فاطمہ بیگم اور رابعہ سالار انہیں بے یقینی سے دیکھنے لگی تھیں کہ وہ دونوں ہی ان کی پریشانی کو محسوس کر گئی تھیں مگر وہ محض انہیں ٹال گئے تھے اور ارمان شیرازی جنہوں نے ٹی وی پر ہیڈ لائنیں دیکھی تھیں دوڑے دوڑے ان تک آئے تھے اور انہوں نے کسی بات کی تردید کرنے کے بجائے تصدیق کر دی تھی۔

''ہاں! میں استعفیٰ دے چکا ہوں۔'' ان کا سرد لہجہ وہ دونوں خواتین اور ارمان شیرازی کو مضطرب کر گیا تھا۔

''کیوں بھیا......'' کافی فاصلے پر ٹھہریں نیناں شیرازی ان تک پہنچی تھیں۔ وہ صوفے پر بیٹھے تھے اور وہ کارپٹ پر ان کے پیروں کے پاس بیٹھی گھٹنے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بھیگے لہجے میں پوچھ گئی تھیں۔

''ہر کیوں کا جواب نہیں ہوتا نینی۔'' وہ خود کو کمپوز رکھے نہایت دھیمے سے بولے تھے۔ اسی وقت ملازم نے آکر صحافیوں کی آمد کی اطلاع دی تھی اور وہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ارمان ان کی راہ میں آئے تھے مگر وہ ان کی آنکھوں میں ٹھہرے سوالوں، التجاؤں کو نظر انداز کرتے باہر آگئے تھے جہاں رپورٹرز انہیں دیکھ کر الرٹ ہو گئے تھے۔

''ہم نے سنا ہے آپ نے اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ اس خبر میں کتنی سچائی ہے؟''

''اس طرح اچانک استعفیٰ دینے کی کوئی خاص وجہ؟''

وہ کچھ کہتے کہ دوسرا سوال ہوا تھا اور وہ تلخی سے مسکرا دیئے تھے۔

''میں سالار مصطفیٰ اس خبر کی تصدیق کرتا ہوں کہ میں نے اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا ہے جس کی کوئی خاص وجہ ہرگز نہیں ہے۔''

''وجہ تو ضرور ہے...... ورنہ یوں اچانک استعفیٰ دینے کی کیا ضرورت تھی؟'' ایک صحافی نے ان کی بات کاٹی تھی۔

''آپ نے استعفیٰ کسی کے دباؤ میں آ کر دیا ہے......؟''

''میں نے دباؤ میں آ کر فیصلہ تو اپنے کیئریر کے عروج میں بھی نہیں لیا.....مگر مجھے لگتا ہے کہ اب مجھ پر دباؤ بڑھنے والا تھا اس لئے میں نے پہلے ہی خود سے ہی استعفیٰ دے دیا۔''

''یعنی آپ ڈر گئے......'' سوال کیا تھا کوئی برچھی تھی جوان کے سینے کے آر پار ہو گئی تھی۔

''ٹھیک کہا ہے آپ نے، کمشنر سالار مصطفیٰ ڈر گیا ہے کہ زندگی عجیب دوراہے پر لے آئی ہے۔ میں نے وطن کی سلامتی اور ملک کے تحفظ کے لئے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی مگر آج میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ میں ہار گیا۔ میں وہ سب نہ کر سکا جس کے عزائم لے کر اس فیلڈ میں داخل ہوا......میرا ایک خواب بھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔''

تمام رپورٹرز الرٹ ہو گئے تھے کہ کسی کو بھی ان سے اتنی صاف گوئی کی امید نہ تھی اور وہ جو کہہ رہے تھے وہ ٹی وی چینلز پر براہِ راست ٹیلی کاسٹ ہو رہا تھا یہ جانتے ہوئے بھی وہ سچ بول رہے تھے کہ جھوٹ کا سہارا تو انہوں نے کبھی مشکل سے مشکل وقت میں بھی نہ لیا تھا۔

''ہم جاننا چاہتے ہیں کہ اچانک ایسا کیا ہوا کہ آپ اس قدر دل برداشتہ ہوئے کہ اپنے عہدے سے ہی مستعفی ہو گئے۔''

''اچانک کچھ نہیں ہوتا۔ ہر کام کی وقت برسوں پرورش کرتا ہے۔ ہر چیز ارتقاء کے عمل سے گزرتی ہے۔ عذاب سہتی ہے پھر کہیں جا کر عمل میں آتی ہے۔ میں نے ملک وقوم کی تقدیر بدلنی چاہی تھی۔ میں نے اکائی کی طاقت کو ہی سب کچھ سمجھا تھا مگر آج میں کہتا ہوں کہ جب دو لوگ برے ہوں اور دو لوگ اچھے ہوں اور دو لوگ اچھے صاف ظاہری طور پر ہوں اور درحقیقت وہی برے ہوں ایسے ہی لوگ زیادہ تباہیاں پھیلاتے ہیں۔ میں دشمن سے نہیں ہارا کہ مجھے کسی دشمن نے شکست نہیں دی، مجھے آستین کے سانپوں نے ڈسا ہے۔ مجھے دوستوں نے شکست دی ہے۔ میں برائی سے نہیں ہارا، اچھائی نظر آتی برائی نے مجھے منہ کے بل گرا دیا ہے اس لیے میں اب مزید خود کو اور آپ سب کو دھوکا نہیں دے سکتا اس لئے استعفیٰ دے دیا ہے۔'' وہ گہری یاسیت سے کہتے چلے گئے۔

''آپ کو کیا لگتا ہے کہ آپ جیسے ایماندار آفیسر یونہی آستین کے سانپوں کی چالوں میں آ کر مستعفی ہوتے رہے، اپنے قدم پیچھے ہٹاتے رہے تو ملک وقوم کی خدمت کون کرے گا؟''

''عوام کو خود اپنی خدمت کرنی ہو گی کہ پاکستان میں جو سسٹم چل رہا ہے اسے عوام کی طاقت بدل سکتی ہے، ہم جیسے آٹے میں نمک کے برابر آفیسرز تبدیلی نہیں لا سکتے کہ ایسا ممکن ہوتا تو میں ایسا کرنے میں کامیاب ہو چکا ہوتا مگر میں بری طرح ناکام ہوا ہوں۔ میں اعتراف کر رہا ہوں اپنی شکست کا کہ میں ملک وقوم کے لئے کچھ بھی نہ کر سکا۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ میری اور میرے جیسے ایماندار آفیسرز کی حیثیت مداری سے بڑھ کر نہیں ہے۔ ہم جیسے مخلص آفیسرز جو ملک کے لئے کچھ کرنا چاہتے ہیں ہمیشہ ہماری حیثیت کٹھ پتلی کی سی رہتی ہے۔ ہم اپنے سے بڑے عہدیداران کے اشاروں پر ناچنے کے علاوہ تمام عمر کچھ نہیں کرتے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے کہتے کئی انکشافات کرنے کے موڈ میں لگ رہے تھے۔ حیران و پریشان ارمان نے آگے بڑھ کر ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا کہ وہ سالار مصطفیٰ کی اتنی سچائی

سے ہمیشہ خائف رہتے تھے کہ اسی سچائی کے سبب تو کیئریر کے آغاز میں وہ پوسٹنگ کے عذاب سے گزرے تھے۔ان کی یہی سچائی ان کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنتی رہی تھی مگر وہ پھر بھی مطمئن تھے کہ ان کا ماننا تھا کہ کوئی کتنا ہی غلط سہی وہ تو غلط نہیں، آٹے میں نمک کے برابر ہی سہی تبدیلی تو لا رہے ہیں مگر آج وہ جان گئے تھے کہ تبدیلی محض ایک خیال تھا اور خیال ٹوٹ کر بکھر چکا تھا، آنکھیں کھلی تھیں تو رنگین خواب ساتھ چھوڑ گیا تھا تعبیر تو بہت دور کی بات تھی۔

''آپ کے کہنے کا مطلب ہے کہ آپ کچھ نہیں کر پائے تو سبب تمام وہ عہدیداران ہیں جو آپ سے بڑی پوسٹ پر موجود ہیں؟''

''نہیں کہ سبب میں ہوں کہ میں اتنا طاقتور نہیں بن سکا کہ اشاروں پر ناچنے سے انکار کر پاتا، خیر جو میں کہہ رہا ہوں یہ ملک کی اسی فیصد آبادی مانتی ہے، سمجھتی ہے۔میرے کہنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ میں اپنی بڑائی ثابت کر کے باقی سب کو کمتر ثابت کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے تو بس آئینہ میں اپنی کمزوری دیکھی، خود کو نا اہل دیکھا تو مستعفی ہو گیا۔اپنی شکست تسلیم کر لی۔اب جس نے جو سوچنا، سمجھنا ہے۔ سمجھے۔'' ان کے کاندھے پر ارمان شیرازی کے ہاتھ کا دباؤ بڑھا تھا اور وہ بات سمیٹ گئے تھے۔

''جس طرح آپ مستعفی ہوئے ہیں اور اپنی شکست کا عوام کے سامنے اعتراف کر رہے ہیں آپ کو نہیں لگتا کہ جو نوجوان اس فیلڈ میں آپ کو رول ماڈل بنا کر آنا چاہتے ہیں ان کے عزائم کس طرح بکھر جائیں گے۔ملک ایک کمشنر سالار مصطفیٰ سے نہیں ہزاروں آپ سے ایماندار آفیسرز سے محروم ہو جائے گا۔''

''نہیں، مجھے نہیں لگتا کہ ایسا ہو گا کہ میں ابھی بھی مثبت زاویہ نظر سے ہر چیز کو دیکھ رہا ہوں۔آج میں نے اپنی شکست تسلیم کی ہے مگر مجھے امید ہے کہ مجھ جیسے آفیسرز کو رول ماڈل بنا کر اس فیلڈ میں آنے والے نئے عزائم کے ساتھ آئیں گے تا کہ وہ ہماری شکست کا بھی بدلہ لے سکیں جو ہم نہ کر سکے وہ کرنے کا عزم لے کر اس فیلڈ میں آئیں گے۔'' انہوں نے صحافی کی بات کی کلی طور پر تردید کر دی تھی۔

''بکھرے ہوئے حوصلوں کو رول ماڈل بنا کر آنے والے کیا ملک وقوم کے لئے سچ مچ کچھ کر پائیں گے؟'' طنز میں ڈوبا سوال ہوا تھا اور وہ ہنس دیئے تھے۔

''ہاں۔'' ان کی ہنسی ہی بے یقینی کا باعث تھی کہ ان کا مثبت جواب صحافیوں کے لئے ہی ٹی وی اسکرینز کے سامنے براجمان عوام کے لئے بھی بے یقینی کا باعث تھا۔

''آج میں نے استعفیٰ اپنے لئے نہیں دیا۔میں نے استعفیٰ ان نوجوانوں کے لئے دیا ہے جو مجھے رول ماڈل بنا کر اس فیلڈ میں آنا چاہتے ہیں۔'' انہوں نے اپنی بات کو آگے بڑھایا تھا۔

''مجھے چند سالوں بعد ریٹائر ہو جانا تھا۔میں شان وشوکت سے تمام اعزازات کے ساتھ ریٹائر ہوتا۔لوگ مجھے ایک کامیاب آفیسر ٹھہراتے۔مجھے رول ماڈل بنا کر اس فیلڈ میں آتے اور میری ہی طرح بہت سے عزائم لے کر نا کام عزائم کے ساتھ ریٹائرمنٹ کی زندگی بسر کرتے مگر میں نہیں چاہتا کہ مجھے رول ماڈل بنایا جائے کہ میں ایک ہارا ہوا شخص ہوں۔میں نے وردی پہنی مگر وردی پہن کر بھی میں

کچھ نہ کر سکا۔ کبھی میرے حوصلوں نے ساتھ نہ دیا تو کبھی مجھے مداری بنا دیا گیا اور میں ناچتا چلا گیا۔ مجھے کہا گیا کہ مجرم پکڑنا ہے میں نے بھاگ کر مجرم پکڑ لیا۔ مجھے کہا گیا کہ مجرم کو چھوڑنا ہے میں نے ہاتھ جوڑ کر مجرم کو چھوڑ دیا۔ ایسے شخص کو رول ماڈل بنا کر جو اس فیلڈ میں آئے گا وہ اسی طرح کے کارنامے سرانجام دے گا، ناچے گا بس اور کیا کرے گا۔" انہوں نے سامنے موجود صحافیوں کی آنکھوں میں جھانکا یکدم موت کا سا سکوت چھا گیا تھا۔" اور میں نہیں چاہتا تھا کہ آنے والی نسلیں بھی صرف ناچنے کا فن سیکھ کر اس معتبر فیلڈ میں آئیں، کٹھ پتلی کے انداز اپنا کر، مداری کی سی حیثیت سے وردی پہنیں، آج میں نے وردی اتار دی ہے کہ وردی کا حق ادا نہ کر سکا۔ اب کم از کم کوئی مجھے رول ماڈل بنا کر کٹھ پتلی نہیں بنے گا۔ میرے استعفیٰ سے کوئی ایک بھی ایسا آفیسر آ گیا جو مجھ جیسا کٹھ پتلی آفیسر نہ ہو تو میں سمجھوں گا کہ میں نے اپنی زندگی کے جو بتیس سال اس فیلڈ کو دیئے وہ کامیاب ہوئے، مجھے اعزازات کے ساتھ اس فیلڈ سے رخصت نہیں ہونا کہ اس فیلڈ کو میں چاہ کر بھی کچھ نہ دے سکا۔ تو لینے کا بھی حق نہیں میرا۔ میں بس آنے والے آفیسرز کو ایک پیغام دینا چاہتا ہوں کہ اس فیلڈ میں کوئی نہ آئے کہ کٹھ پتلی سے آفیسرز کی ضرورت نہیں اس فیلڈ میں کٹھ پتلی آفیسرز بھرے پڑے ہیں۔ اس فیلڈ کو ایسے آفیسرز کی ضرورت ہے جو کالی بھیڑوں سے ساز باز نہ کرے اور ناچنا نہ آتا ہو اسے بلکہ نچانا آتا ہو، اشاروں پر نچانے والے ایسے آفیسر کی ضرورت ہے جسے پنڈی کے بھرے مجمع میں گولی مار کر شہید کر دیا جائے۔ ایسے محبِّ وطن کی ضرورت ہے جسے جان نہیں، اپنی آن نہیں ملک وقوم کی بھلائی اور آن منظور ہو۔"

انہوں نے اپنی آنکھ میں آیا آنسو بڑی سرعت سے صاف کیا تھا اور صحافیوں کے باقی سوال ادھورے چھوڑ کر وہ اندر کی طرف بڑھ گئے تھے۔

"ناظرین! آج کمشنر سالار نے جس نکتہ کی جانب نشاندہی کی ہے اس بارے میں جاننے کے باوجود کبھی کسی نے سوچنے یا فیصلہ لینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ تبدیلی کا عمل نیچے کی طرف سے نہیں اوپر کی طرف سے شروع کیا جائے کہ ہر بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھاتی ہے کے مصداق ہر بڑا آفیسر اپنے سے چھوٹے آفیسر کو مجبور کر کے اپنے عہدہ کی ذمہ داریاں پوری کرنے کا محض دعویٰ ہی کرتا ہے اور اب دعوؤں کا نہیں، پریکٹیکلی ہر کام کر کے دکھانے کا وقت ہے کہ ایسا ہی چلتا رہا تو آج ایک کمشنر نے استعفیٰ دیا ہے یونہی ایماندار آفیسرز مستعفی ہوتے رہیں گے یا عہدہ سے برخاست کئے جاتے رہیں گے اور ملک دشمن عناصر، ملک دشمن آستین کے سانپ نما آفیسرز اپنی جڑیں مضبوط اور ملک وقوم کی جڑیں کھوکھلی کرتے رہیں گے اس لئے ملک دشمن عناصر کی سرکوبی کے لئے عوام کو سراپا احتجاج بننا ہوگا کہ آج کمشنر سالار مصطفیٰ کا استعفیٰ منظور ہونا ملک وقوم کے لئے تباہی کا باعث بنے گا کہ آج بھی ملک کو کمشنر سالار مصطفیٰ جیسے آفیسرز کی ضرورت ہے کہ اگر اتنی تباہ حالی کے باوجود ملک سلامت ہے تو کمشنر سالار جیسے گنے چنے ایماندار آفیسرز کی وجہ سے اور یہ مایوس ہو کر جاتے رہے تو ملک وقوم کا اللہ ہی حافظ ہے۔" نیوز کاسٹر نے تمام صحافیوں اور سالار مصطفیٰ کے سوالوں اور جواب کی روشنی میں اپنی حتمی رائے دی تھی اور ذہن جو تخلیقی عمل سے گزر رہے تھے، سوچ کی پرواز عمل میں آ چکی تھی کہ یکدم مشہور پراڈکٹ کا اشتہار ٹی وی اسکرین پر جگمگانے لگا تھا، ذہن پھر تاریک ہونے لگے تھے، سوال جواب بھولنے لگے تھے، چکا چوند میں ذہن ڈوبنے لگے تھے، تجزیئے تھے، تبصرے تھے، ہنسی تھی،

قہقہے تھے اور لگتا تھا کہ اگلے منٹوں میں سب کچھ معمول پر آتا جا رہا تھا کہ زندگی تو چلتے رہنے کا نام ہے، کوئی آتا ہے، کوئی جاتا ہے۔ ہزار ایماندار آفیسر آئے اور چلے گئے۔ کمشنر سالار مصطفیٰ کی کمی کون سے خزانہ مٹا ڈالنے والی تھی، کون سی کامیابی کی کنجی کھولنے والی تھی کہ قوم کو ہی اپنی حالت بدلنے کا خیال نہ تھا کہ ترقی کی ان دیکھی چکا چوند، جھوٹی شان وشوکت کی عادی قوم تباہ حالیوں کے باوجود سو رہی تھی۔ خواب غفلت کے مزے لوٹ رہی تھی اس لئے کتنے ہی آئے اور چلے گئے، اپنے اور غیر کی پہچان نہ ہو سکی محض خسارہ ہی مقدر بنا، طویل سالوں کے گزر جانے کے باوجود ترقی پذیر ممالک کی صف میں کاسہ لیے کھڑا رہا کہ ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل ہونے کے لئے کشکول توڑنا پڑتا ہے اور کشکول کے عادی ترقی پذیر ممالک کی صف میں ہی آگے پیچھے ہوتے رہے ہیں مگر کمشنر سالار مصطفیٰ جیسے ایماندار افراد کی محنت بھی تو کبھی تو رنگ لائے گی یہ امید کی کرن کہیں نہ کہیں اپنا وجود رکھتی تھی کہ ہر رات کے بعد سحر آتی ہے، غلامی کے بعد آزادی کی پرنور فضا بیدار ہوتی ہے۔ آزادی تو مل گئی تھی بس اب اس پر ذہنوں کو پھر سے آزادی کی ضرورت تھی اور اب کوئی اقبال یا قائد نہیں آنے والا تھا کہ اپنی مدد آپ کرنی تھی اپنا اقبال خود بلند کرنا تھا۔

☆......☆......☆

”سالار!“ ارمان شیرازی کچھ کہتے کہ وہ ہاتھ کے اشارے سے روکتے آگے بڑھے تھے اور نیناں شیرازی ان کی راہ میں آ گئی تھیں وہ ان کی بھیگی آنکھیں نظرانداز کرتے سائیڈ سے نکلنے لگے تھے کہ وہ ان کا بازو تھام گئی تھیں۔

”سالار بھیا!“

”فار گاڈ سیک۔ تنہا چھوڑ دو مجھے...... میں اکیلا رہنا چاہتا ہوں۔“ وہ بہن کا ہاتھ جھٹکتے چیخ ہی تو پڑے تھے وہ ساکت رہ گئی تھیں کہ سالار مصطفیٰ نے تو کبھی ان سے ان کے بچپن میں بھی ایسے بات نہ کی تھی اور آج وہ کس بے دردی سے ہاتھ جھٹکتے چیخے تھے، ان کی آنکھ سے آنسو گرا تھا اور وہ آگے بڑھتے چلے گئے تھے مگر وہ اتنے رشتوں میں گھرے تھے کہ وہ چاہ کر بھی بھاگ نہیں سکتے تھے، ماں کو دیکھ کر ان کو رکنا پڑا تھا کہ دوست کو تنبیہہ کرتے، بہن کو ڈانٹتے وہ یہاں تک تو پہنچ گئے تھے مگر ماں کو کیسے نظرانداز کرتے جو آنکھوں میں آنسو لیے ان کے لئے مضطرب سی کھڑی تھیں جو جوان پوتے کی موت کے صدمہ کے زیراثر آج تک تھیں اور اپنی عمر سے کہیں زیادہ بوڑھی محسوس ہونے لگی تھیں۔

”سالار!“

”امی۔ میں اس وقت اکیلا رہنا چاہتا ہوں۔ پلیز۔“ ان کا لہجہ بھیگ گیا تھا اور وہ بیٹے کا ہاتھ تھام گئی تھیں۔

”میرا بیٹا جب زندگی کے بڑے بڑے دکھ صبر سے جھیل گیا تو آج کیا ہو گیا ایسا کہ میرا بیٹا صبر نہ دکھا سکا۔ برداشت بکھر گئی۔“ فاطمہ مصطفیٰ کا لہجہ بھیگا ہوا تھا اور ان کی آنکھوں میں آنسو ٹھہرنے لگے تھے۔

”زندگی کی سب سے بڑی راحت، زندگی کا سب سے بڑا سکون آج ہار دیا ہے۔ صبر نہیں ٹوٹا بس ہمت بکھر گئی ہے۔“ وہ ضبط کے کڑے مرحلوں سے گزرتے ہوئے بولے تھے اور وہ ان کا ہاتھ تھامتے لاؤنج میں لے آئی تھیں، فاطمہ بیگم کے اشارے پر مضطرب سی رابعہ

سالار پانی لینے چلی گئی تھیں۔

''راحتیں تو تمہارے اردگرد اب بھی موجود ہیں سالار، ہمت کیسے بکھر سکتی ہے۔'' گلاس واپس لیتے ہوئے سوال کیا تھا۔ وہ سرخ آنکھوں سے ماں کو دیکھنے لگے تھے۔

''آپ جانتی ہیں میرا شوق، میری لگن، میرا جنوں، میرا عشق، آج ساتھ چھوڑ گیا ہے بہت خالی خالی محسوس کر رہا ہوں خود کو۔'' آنکھوں کے گوشے پھر بھیگنے لگے تھے مگر ضبط ایسا تھا کہ آنکھیں چھلکی نہ تھیں مگر دل کے تار بھیگتے محسوس ہو رہے تھے۔

''سب جانتی ہوں اپنے بیٹے کا جنوں بھی، عشق بھی۔ آج جنوں کا ساتھ چھوٹا عشق کا پیالہ ٹوٹ گیا کہ زندگی ہی فانی ہے تو کبھی بھی جذبے ساتھ کیسے فانی کی باہنوں میں پنپ سکتا ہے؟'' فاطمہ مصطفیٰ کا بھی اپنا ہی انداز تھا۔ ''جب سب فنا ہونا ہے تو اتنا سا ساتھ بکھرنے پر، شوق سے جدائی پر جنوں کے لاحاصل رہ جانے پر دکھ کیسا سالار؟''

''دکھ نہیں ہے امی، بس آج سالار مصطفیٰ کی موت ہوگئی ہے۔ میرا جنوں، عشق کی راہ پر چلتا مجھ سے روٹھ گیا ہے۔ میرے خواب بکھر گئے ہیں، میری حقیقتیں آج شرمندہ ہیں۔ میں ہار گیا، ناکام ہوگیا، کچھ نہیں کر سکا۔ میرا تو ایک عزم کوئی ایک ارادہ بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ میں خالی ہاتھ رہ گیا۔ میرا جنوں مجھ سے روٹھ گیا۔'' وہ صوفے سے اٹھتے سر ہاتھوں میں تھامے چیخے تھے۔ کمرے کے نفوس ہی نہیں در و دیوار بھی سالار مصطفیٰ کے اس روپ سے انجان حیرت سے انہیں تک رہے تھے۔

''آپ کا بیٹا برائی سے شکست کھا گیا۔ سب کچھ ختم ہوگیا، کچھ میں نے اپنے ہاتھوں سے ختم کر ڈالا۔ میری تہی دامنی یوں عیاں ہوئی ہے کہ میں آج اپنے آپ سے شرمندہ ہوں، خود سے نظر ملانے کے قابل نہیں رہا...... اور آپ کہتی ہیں آج بھی برداشت کروں تو کیسے کروں برداشت۔ کیسے کروں، زعیزعہ خان کی رہائی برداشت کیسے کروں اس کی تذلیل لٹاتی نگاہیں...... کیسے کروں برداشت۔ اس کے الفاظ جو میری روح تک کو گھائل کر گئے۔ آج لگا کہ میں آسمان سے نیچے زمین پر آ گرا ہوں۔ میرے سامنے زعیزعہ خان رہائی پا گیا میں نے خود زعیزعہ خان کو رہائی دے دی...... اور برداشت بھی میں کروں تو نہیں ہو رہا آج مجھ سے برداشت۔ میں چاہ کر بھی اس کی زبان بند نہ کر سکا۔ چاہ کر بھی اسے جیل کی سلاخوں میں مقید نہ کر سکا۔ میں چاہ کر بھی اپنے عہدے پر بحال نہ رہ سکا۔ میں نے استعفیٰ دے دیا اپنے عہدے سے۔ میں مستعفی ہوگیا اپنے عشق سے، میں نے جنوں کی رت کو از خود استعفی دے دیا۔ سب کچھ خود کیا میں نے، قید بھی کیا...... رہائی بھی دی۔ عہدہ بھی سنبھالا...... عہدہ چھوڑا بھی...... سب میں نے کیا خود کیا میں نے سب مگر بس برداشت نہیں کر پا رہا۔'' وہ ہذیانی انداز میں چیخ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں ٹھہرے آنسو بہنے کو بے قرار تھے مگر وہ کمال کا ضبط ساتھ رکھے ہوئے تھے کہ ان کی بے چینی و تڑپ کو محسوس کرتیں ان کی ماں، بہن، بیوی، بیٹی، بہو اور ان کے دوست ارمان شیرازی ضبط کھو گئے تھے۔ ان سب کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ وہاں موجود ایک ایک فرد ان کے جنوں سے واقف، ان کے عشق کا امین تھا تو آج وہ از خود اگر اپنے عشق کو آدھے راستے میں چھوڑ آئے تھے تو ان کی تڑپ کا وہ محض اندازہ نہیں لگا رہے تھے محسوس کر رہے تھے کہ کسی اپنے کی تکلیف تو اپنی تکلیف سے بڑھ کر محسوس ہوتی

ہے۔وہ اپنی آنکھیں رگڑتے سالار مصطفیٰ کی جانب بڑھے تھے۔

''کیا ضرورت تھی شیریں کے لئے خود کو قربان کرنے کی۔'' ارمان شیرازی کی آواز پر انہوں نے سرخ آنکھوں سے انہیں دیکھا تھا جن کی آنکھیں شدت ضبط سے لہو رنگ ہو رہی تھیں۔

''شہیر قربان ہو تو گیا تھا سالار، تمہیں اپنی قربانی دینے کی کیا ضرورت تھی۔'' وہ کہہ رہے تھے کہ سالار مصطفیٰ نے ان کا گریبان جارحانہ انداز میں مٹھیوں میں جکڑ لیا تھا۔

''یہ کہہ بھی کیسے سکتے ہو کیا ضرورت تھی۔تم نہیں جانتے کہ کیا ضرورت تھی۔'' ان کا انداز ہذیانی تھا اور سب ان کے انداز پر پریشانی بھول گئے تھے۔رابعہ آگے بڑھی تھیں اور وہ انہیں دور دھکیل گئے تھے۔

''سب کو لگتا ہے کہ میں بنا بات کا تماشہ کر رہا ہوں۔پاگل ہو گیا ہوں میں۔'' وہ بیوی کو گھور رہے تھے۔

''بی ہیو یور سیلف سالار۔'' انہیں اپنا گریبان پکڑنا برا نہیں لگا تھا بہن کا دھکیلا جانا بہت برا لگا تھا۔

''اندازہ ہے مجھے کہ کچھ بہت برا ہوا ہے۔بہت غلط جس نے تمہیں اس قدر توڑ کر رکھ دیا ہے مگر اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ تم یوں چیخو چلاؤ، رابی کے ساتھ مس بی ہیو کرو۔'' وہ یکدم گہری سنجیدگی کے زیر اثر چلے گئے تھے، رابعہ سالار نے آگے بڑھ کر بھائی کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''سالار! آپ کمرے میں جایئے پلیز۔آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔'' وہ بھائی کے برابر کھڑی نہایت نرمی سے بولی تھیں اور وہ محض ایک نظر بیوی پر ڈالتے آگے بڑھے تھے کہ شیریں ان کا امتحان بن گئی تھی۔

''آپ نے میرے لئے استعفیٰ دے دیا۔'' آنسو گرے تھے۔

''تم باپ بیٹی اپنی غلط فہمی دور کر لو تمہارے لئے کچھ نہیں کیا۔'' وہ اب چیخ نہیں تھے ان کا انداز شکستہ ضرور تھا۔

''میرے لئے اتنا کچھ کیا، سب کچھ قربان کر دیا۔شہیر کے بعد اپنی جاب کو قربان کر ڈالا۔صرف میرے لئے۔'' وہ ان کے صاف مکرنے سے ہرگز بھی متاثر نہ ہوئی تھی اور سسکتے ہوئے بولی تھی۔

''زعیزعہ خان نے کہا کہ میں کمزور ہوں، کمشنر سالار مصطفیٰ کمزور ہے کہ اس کے ہاتھ قانون نے باندھے ہوئے ہیں۔میں نے اپنی کمزوری کا چولا، اپنی وردی اتار دی۔'' وہ اس کے سامنے سے ہٹ گئے تھے اور ہارے ہوئے انداز میں صوفے پر بیٹھے کیا تھے گر سے گئے تھے۔

''صحیح ہی تو کہا زعیزعہ خان نے کہ میں بہت کمزور ہوں۔میرے ہاتھ قانون کی ہتھکڑی میں جکڑے ہیں۔زعیزعہ خان نے میری بھانجی کو ہراساں کیا میں قانون کی ڈگڈگی بجاتا رہا، زعیزعہ خان نے میری بھانجی کو کڈنیپ کیا میں قانون کے پنے پلٹتا رہا، زعیزعہ خان نے میری بیٹی کو ہراساں کیا میں قانون کا ڈھول گلے میں لٹکائے اسے خود ہی بجاتا رہا۔کمزور ہی تو ہوں اس شوق وعزم سے پہنی وردی نے مجھے

کمزور بنا دیا۔ مجھے حکم ملا تو میں نے بھاگ کر مجرم پکڑا، مجھے حکم ملا تو ہاتھ جوڑ کر مجرم کو چھوڑ دیا۔ میری ایمانداری، میری شرافت میرے لئے گالی بن گئی، میرے منہ پر میری شرافت طمانچہ کی طرح آ لگی۔ میری ایمانداری میری آنکھوں میں چبھنے لگی۔'' ضبط بکھر گیا تھا آواز کانپ رہی تھی آنسو چہرہ بھگونے لگے تھے ان سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔

''میرا جنوں، میرا عشق میری وردی میرے لئے گالی بن گئی۔ میں نے اتار پھینکی وہ وردی جو میرے گلے کا طوق بن گئی تھی کہ کہنے کو باعزت وردی مگر اس سے نہ مجھے کچھ حاصل ہوا نہ میں کسی کے لئے کچھ کر سکا۔ قانون نے میرے ہاتھ باندھے رکھے کہ میں قانون کا بندہ قانون کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ باقی سب چاہے کتنی ہی قانون کی تذلیل کیوں نہ کریں مجھ پر احترام لازم تھا آج احترام کا رشتہ توڑ ڈالا میں نے، وردی اتار دی کہ اس باعزت وردی سے کہیں بہتر تو سرکس کا رنگ برنگا لباس ہوگا کہ وردی پہن کر کچھ حاصل نہ کر سکا۔ سرکس کا لباس پہن کر زندگی کے طویل سال گزارے ہوتے تو کم از کم بچے تو مجھے دیکھ کر خوش ہوتے رہتے...... وردی اتار دی کہ میں وردی کے قابل نہیں تھا۔ میں تو سرکس کے رنگ برنگے لباس کے قابل تھا کہ ایمانداری و شرافت مجھے راس نہ آئی...... یہ خاکی وردی جو بہت لگن سے سالوں کی محنت کے بعد میرے تن کی زینت بنی تھی مجھے راس نہ آئی۔ جس کے ذریعے عزت چاہی تھی اسی کے ذریعے ذلت میرا نصیب بن گئی اور آپ سب کہتے ہیں برداشت کروں تو خود بتایئے اپنی تذلیل کیسے برداشت کروں۔'' وہ شکستگی کے ایسے پہاڑ پر کھڑے تھے کہ لگتا تھا کسی بھی پل زمین بوس ہو جائیں گے مگر انکا حوصلہ بھی کمال کا تھا وہ خود کو کافی حد تک کمپوز کئے زعیزعہ خان سے ہوئی گفتگو دہراتے چلے گئے تھے ان کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔ ان کی آواز کے علاوہ ہر طرح سے خاموشی تھی۔

☆......☆......☆

''یار کمشنر! مجھے یہاں رکھنے کے خواب جاگتی آنکھوں سے نہ دیکھو، آنکھوں میں شکست کی کرچیاں بھر جائیں گی اور تم سونے کے تو کیا سوئی آنکھوں سے بھی خواب دیکھنے کے لائق نہ رہو گے۔'' اس کی آنکھوں میں تمسخر تھا یکدم انہوں نے لب بھینچ لئے تھے۔

''دیکھو کمشنر بہت ہو گئی دشمنی کیوں نہ اختلافات کو، دشمنی کو ایک طرف رکھ دیں اور رشتہ داری کا بندھن جوڑ لیں۔'' وہ بے حد چونک کر اس کو دیکھنے لگے تھے جس نے لمحہ میں موضوع بدلا تھا۔

''شیریں۔''

''خبردار زعیزعہ خان! بھول کر بھی کبھی شیریں کا نام زبان پر نہ لانا۔'' وہ اسے گھور رہے تھے جس نے یکدم ہی قہقہہ لگایا تھا۔

''جس نام کا ورد کوئی سال بھر سے صبح و شام لے رہا ہوں، اس نام کو لینے پر تم پابندی لگاؤ گے۔ کیا ہو گیا ہے تمہاری عقل کو کمشنر۔'' اس کے انداز میں تمسخر و بے تکلفی کا عجب امتزاج تھا۔

''اپنی فضول بکواس بند کرو زعیزعہ خان۔ میرے ضبط کو نہ آزمایا کرو، کسی دن جان سے جاؤ گے۔'' وہ چبا چبا کر بولے تھے۔

''جان سے جانے کی خواہش بہت پرانی ہو گئی، جان دینے کی آرزو ہار دی کہ جان مٹانے کی تمنا سر اٹھانے لگی ہے۔ اپنے مقدر کا

ہجر میں کاٹ چکا۔ ہجر کی رت کو خیر باد کہہ چکا اب تو وصل کی رت گلے لگانے کو ہے۔ وصل یار بانہیں پھیلائے منتظر ہے۔ جان سے نہیں جاؤں گا کمشنر، اب تو جان واردوں گا۔'' اس کے لہجے میں کچھ ایسا امید کا دیا روشن تھا کہ وہ غصہ بھول کر اسے حیرانگی سے تکنے لگے تھے اس کی آنکھوں میں جو روشنی تھی وہ دیکھ کر وہ خائف ہو گئے تھے اور کانوں میں بیٹے کا جملہ گونج اٹھا تھا۔

''پاپا! اس کی نگاہوں میں اپنے لیے نفرت دیکھی ہے تو شیریں کے لئے محبت بھی اس کی آنکھوں میں دیکھ آیا ہوں اور اس کی آنکھوں میں محبت کے سوا کچھ بھی ہوتا تو میں اسے نکال پھینک نہ بھی پاتا، کوشش ضرور کرتا مگر محبت کو نکالنے کی کوشش کیسے کر سکتا ہوں کہ محبت ایسے نہ زور زبردستی آنکھوں سے ہوتی ہے من میں اترتی ہے تو نہ من کے راستے سے ہو کر آنکھوں سے نکلتی ہے۔ محبت تو ایک بار جس دل میں بسیرا کر لے، آنکھوں کو محبت کرنا سکھا دیتی ہے اور جب اس کی نگاہ شیریں پر غلاظت سے اٹھتی ہی نہیں تو قدغن لگاؤں بھی تو کیسے...... کہ روکا تو برائی سے جاتا ہے اور محبت برائی تو نہیں۔''

جس محبت کو زعیزعہ خان کی آنکھوں میں محسوس کر کے شہیر دن ورات بے چین سا ان دیکھی آگ میں جلتا رہا تھا آج اس کی آنچ سالار مصطفیٰ تک چلی آئی تھی۔

''ابھی یہاں وقت ضائع نہ کرو کہ میں نے یہاں سے چلے جانا ہے۔ تم گھر جاؤ اور میرے پرپوزل کا سوچو۔''

''زعیزعہ خان!'' وہ خود کو کمپوز کرتے ٹوک گئے تھے۔

''یاد رکھنا کمشنر تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی نہیں۔ پرپوزل دے رہا ہوں اور اب اقرار ہی سنوں گا کہ پہلے انکار پر ضبط سے گزر گیا اب ضبط کے تقاضے پورے نہیں کر پاؤں گا۔'' وہ انہیں بولنے کا موقع دیئے بغیر بہت کچھ باور کروا گیا تھا۔

''سنہرے خواب دیکھنا چھوڑ دو زعیزعہ خان کہ جو تم کل نہیں پا سکے تھے آج بھی نہیں پا سکتے کہ تم نہ کل ہماری بچی کے قابل تھے نہ آج ہو۔'' وہ نہایت سنجیدگی سے بولے تھے اور اس کا چہرہ دہک اٹھا تھا۔

''قابل تو میں کبھی شیریں کے بن ہی نہیں پاؤں گا مگر اب میری برائی، میری محبت کی دشمن نہیں بنے گی۔ میں اپنی برائی سے، اپنی قسمت سے اپنی محبت کو چھین لوں گا۔ ہر بار نارسائی کا دکھ میرا مقدر نہیں بنے گا کمشنر۔'' وہ آنچ دیتے لہجے میں بولا تھا۔

''تمہارا مقدر آج بھی تہی دست ہے کہ تمہاری راہ کی ہر خوشی کو تمہاری برائی نے روکا ہوا ہے۔ اس لئے ذہن و دل سے نکال دو کہ تم کبھی شیریں تک رسائی حاصل کر پاؤ گے۔'' وہ اس کے انداز سے متاثر ہوئے بنا درشتگی سے بولے تھے۔

''رسائی تو اب حاصل کر کے رہنی ہے کمشنر، یاد رکھنا اس دفعہ میرے ساتھ چالاکی کی تو میں تمہارے خاندان کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔'' وہ چیلنج دے گیا تھا۔

''ہمیں کمزور سمجھنے کی کوشش بھی نہ کرنا کہ غیرت و حیا ہماری کمزوری ہرگز نہیں۔ خود پر اٹھنے والی نگاہ و انگلی کو مصلحتاً مروت میں نظر انداز کر دیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم کمزور ہیں۔''

''محبت کے لئے، اگر محبت کی جدائی سہہ گیا تھا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں کمزور ہوں۔ اس وقت چاہتا تو تم اور وہ ارمان شیرازی کبھی شیریں کو ایس پی شہیر کا بنانے میں کامیاب نہ ہو پاتے، محبت نے ہاتھ باندھ لئے، مجھے کمزور کر دیا تو میری طاقت کی پرواز کو آواز نہ دو کہ میں طاقت دکھانے پر آیا تو تم ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے کہ میری برائی، تمہاری اچھائی سے سو گنا زیادہ ہے، تم تو مروت میں مجھے گالی دینا دور سوچ تک نہیں سکتے مگر میں اب اتنا بامروت نہیں ہوں یاد رکھنا کہ تم قانون کا پٹہ گلے میں ڈال کر پھرتے ہو، قانون کی ہاتھ جوڑ کر غلامی کرتے ہو پھر بھی غیر محفوظ رہتے ہو۔'' وہ ہر حد پھلانگتا جا رہا تھا اور وہ سانپ سونگھے ساکت کھڑے تھے۔

''میں نے تمہاری بھانجی کو ہراساں کیا، تم قانون کے رکھوالے ہو کر بھی میرا کچھ نہ بگاڑ سکے..... تمہاری بھانجی کو اغوا کیا طاقت رکھنے کے باوجود تم حیا وغیرت کا پرچار کرتے رہے یاد رکھنا کہ تم کمزور ہو اور کمزور ہی رہو گے چاہے تمہیں کتنے ہی اختیارات دے دیئے جائیں گے کہ تم نے وردی مجرم پکڑنے کے لئے نہیں مجرم آزاد کرنے کے لئے پہنی ہے اور تمہاری یہی کمزور ہم جیسوں کو طاقت ور بناتی ہے اور اب کہ تم نے الٹی چال چلنے کی کوشش کی تو میں ہر چال تم پر الٹ دوں گا، بتاؤں گا کہ میں کتنا طاقتور ہوں کہ اب شیریں کو میرا بننے سے اس کا باپ تو کیا وہ خود بھی نہیں روک سکتی اس لئے جا کر شادی کی تیاریاں کر لو اور یہ وردی اتار پھینک دو کہ اس میں نہ تمہارے لئے تحفظ ہے نہ تمہاری نسلوں کے لئے کہ تم سے زیادہ بااختیار و طاقت ور میں کہ میں اپنی مرضی کا بادشاہ ہوں اور تم قانون کے غلام، بھاگ کر مجرم پکڑتے ہو، فون کال ریسیو کر کے چھوڑ دیتے ہو اس لئے میری خاطر تواضع کی فکر نہ کرو گھر جا کر آرام کرو کہ تم جیسے لوگوں کا کام اس فیلڈ میں محض شرٹ پر اسٹارز لگانے کا ہوتا ہے کہ خود سوچو یار اس فیلڈ کا کیا فائدہ جو تمہیں، تمہاری فیملی کو تحفظ نہ دے سکے کہ تم قانون کے رکھوالے ہو، قانون کے پابند ہو، قانون کی پاسداری صرف تم پر لاگو ہوتی ہے باقی سب قانون کی پاسداری سے مستثنیٰ ہوتے ہیں اس لئے بے دھڑک قانون توڑتے ہیں...... میں نے تمہاری بھانجی کو ہراساں کر کے قانون توڑا کیا بگاڑ لیا کسی نے میرا، میں نے تمہاری بھانجی کو اغوا کر کے قانون کے منہ پر طمانچہ لگایا کیا بگاڑ لیا تمہارے قانون نے میرا، اور آج کیا بگاڑ لے گا، کتنا ہی میری میزبانی کا شرف حاصل کرنے کا خواب دیکھو گے ایک کال پر چکنا چور ہو جائے گا ہاتھ جوڑ کر مجھے آزادی دو گے اور یہاں سے آزاد ہو کر آؤں گا تم سے ملنے، دشمنی کو رشتہ داری میں بدلنے......'' وہ اور بھی بہت کچھ کہتا جا رہا تھا اور وہ شکستگی و غیرت سے مرنے کے قریب ہو گئے، تب ہی اسفند لغاری کی آمد کی خبر نے رہی سہی کسر بھی پوری کر ڈالی تھی اور پرائم منسٹر کی کال پر اسے رہا کرتے ہوئے انہیں اس کی کہی بات سچ لگی تھی اور انہوں نے استعفیٰ دے دیا تھا کہ اس سے زیادہ ذلت نہیں اٹھا سکتے تھے۔

☆......☆......☆

''خود بتاؤ تم ارمان، کیا غلط کہا عزیزعہ خان نے، میری کمزوری میرے دشمن پر عیاں ہو گئی۔ میری عزت سرعام نیلام ہو گئی۔'' وہ تمام تفصیل بتاتے جیسے نئے سرے سے مر سے گئے تھے۔ شیریں نے ایک نظر ان پر ڈالی تھی اتنا شکستہ تو اس نے انہیں شہیر کی موت پر بھی نہیں دیکھا تھا۔

''حوصلہ رکھو سالار کہ زندگی میں ہار، جیت لگی رہتی ہے مگر تم کسی کے کہہ دینے سے نہ کمزور ثابت ہوتے ہو نہ ہارے ہوئے انسان کہ تمہاری بظاہر نظر آنے والی کمزوری ہی تمہاری طاقت تھی ایسا نہ ہوتا تو کبھی تمہیں ایک شہر سے دوسرے شہر پوسٹنگ کا عذاب نہ سہنا

پڑتا، تم اتنے کمزور ہوتے تو ہرگز بھی تمہاری ترقی کی راہیں مفلوج نہ کی جاتیں۔ زندگی میں جو تم نے حاصل کرنا چاہا تھا، جس عزم و جنوں سے اس فیلڈ کا انتخاب کیا تھا وہ سب کا سب ناکام نہیں ہوا تمہارے کریڈٹ پر اس ملک نے کتنی کامیابیاں دیکھیں، کتنے مجرم کفیر کردار کو پہنچے جو نہیں پہنچ پائے اس میں تمہاری کمزوری کا ہاتھ نہیں...... یہ سمجھ لو اللہ کو ان کی رسی دراز کرنی ہے ابھی اور جب وہ رسی کھینچنے پر آئے گا تمام بت پاش پاش ہو جائیں گے۔ تم دوسرے کی کمزوری کو اپنی کمزوری نہ سمجھو کہ ایمانداری کا مقابلہ بے ایمانی نہیں کرسکتی اور نہ ہی برائی، اچھائی کے مدمقابل آسکتی ہے۔'' وہ دوست کے برابر براجمان اس کا ہاتھ تھامے نہایت نرم دوستانہ و ناصحانہ انداز میں کہتے چلے گئے تھے۔

''میں جانتا ہوں یہ فیلڈ تمہارا پروفیشن نہیں تمہارا اپیشن تھا، آج تمہارے خوابوں کو ٹھیس پہنچی مگر کسی کتے کے بھونکنے پر راہ نہیں بدلتے۔ کتے کے آگے ہڈی ڈال کر اس کا منہ بند کر دیتے ہیں، شکست تسلیم کرنے کی بجائے اسے اس کی اوقات بتاتے مگر تم نے جو کیا وہ بھی ٹھیک کیا کہ صحیح کیا تم نے کہ کچھ تم نے اس فیلڈ میں رہ کر کیا اور کچھ اس فیلڈ کو چھوڑنے پر ممکن ہو جائے گا کہ تمہاری محنت، نیک نیتی رائیگاں نہیں جائے گی اور شیریں کو لے کر بھی پریشان نہ ہو، اس کا اللہ محافظ ہے اور تم اور میں ہیں نا، وہ زعیزعہ خان ہماری شیریں کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔ چلو اٹھو، جاؤ جا کر فریش ہو کر آؤ۔ پھر ساتھ چائے پئیں گے۔'' ارمان شیرازی ان کے نفس آشنا تھے کہ زندگی کا طویل وقت ساتھ جیا تھا۔ مل کر گزارا تھا۔ ان کا نرم لہجہ شکستگی کے رنگ پھیکے کر گیا تھا انہیں پھر سے زندگی محسوس ہونے لگی تھی وہ دوست کو دیکھتے اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور کسی کو بھی دیکھے بنا لاؤنج سے نکل گئے تھے انہوں نے اتنی جذباتیت کا ثبوت کبھی بھی نہیں دیا تھا مگر آج زعیزعہ خان کی باتیں ان کی روح کو جھنجوڑ گئی تھیں اب وہ تمام عمر اس گفتگو کے حصار سے نہیں نکلنے والے تھے کہ جسم کی تکلیف وقت کے ساتھ دور ہو جاتی ہے جبکہ روح کو پہنچنے والی تکلیف وقت کے ساتھ اور بڑھتی جاتی ہے کہ کچھ تکالیف کا مداوا میڈیسنز سے تو کیا جذبات کی میٹھی گولی سے بھی نہیں کیا جاسکتا کہ کچھ زخموں کو دور ہو کر ایسے ہرا رہنا ہوتا ہے جیسے بارش کے بعد سبزہ نکھر آتا ہے۔

☆......☆......☆

''ادیان! زندگی بہت بدل گئی ہے۔ بالکل اجنبی لگنے لگی ہے آپ ساتھ نہیں ہو تو پیار کی رت بھی خزاں کا مژدہ سناتی ہے۔ کیسے کہوں آپ سے کہ آپ میرے لیے کیا ہو، زندگی آپ کی رک گئی ہے، سانس مجھے نہیں آتی۔'' رات ڈھائی بجے کا عمل تھا اور وہ رائٹنگ ٹیبل پر ڈائری رکھے بڑی روانی سے لکھتی جا رہی تھی۔

''بچپن کا وہ بے فکرا وقت جب آپ نے درِ دل پر دستک دی، لڑکپن تک دستک کا شور دھڑکنوں تک آ پہنچا، عمر نہیں گزری لگتا ہے سانس کے ساتھ آپ کی محبت کو جیا ہے، جوانی کی دہلیز پر رکھا امید کا دیا محبت سے روشن کیا تھا، آپ کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھا تھا، زبان تو جھوٹ بول جاتی ہے کبھی عادتاً، کبھی مصلحتاً مگر آنکھیں تو صرف سچ کی زبان جانتی ہیں آپ کی آنکھوں میں دیکھا تو خود کو پالیا میں نے، زندگی کو محسوس کیا آپ کی آنکھوں میں اور آپ کے تو لب کبھی کھلے ہی نہ تھے آپ کی آنکھوں کے سہارے زندگی کی کتنی ہی بہاریں گزاریں، 'میں'، 'تم' اور 'تم' سے 'ہم' کا سفر کیا اور آپ کی آنکھیں مر گئیں۔ آپ کی جن آنکھوں میں اپنا آپ دیکھا تھا وہیں عقیدت کے

رنگ دیکھے تو جیتے جی مرگئی میں ادیان! کیسے زندہ رہتی کہ محبت نے عقیدت کی چادر اوڑھ لی اور محبت کا مقدر در بدری ٹھہر گیا۔ مجھے محبت کی اب اتنی بھی سزا نہ دیجئے کہ ابران بھیا کی محبت کے لئے میری محبت کو میرے لئے سزا نہ بنایئے۔'' آنسو تحریر پر گرنے لگے تھے اور وہ لفظ جو دل کی گہرائیوں سے، تکلیف کے ہر ایک احساس میں ڈوب کر صفحہ قرطاس پر بکھیرے تھے چند آنسوؤں سے دھندلانے لگے تھے کہ دکھ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو ایک دن دھندلا جاتا ہے، مندمل ہو جاتا ہے کہ نئے دکھ کی آبیاری کو پرانے دکھوں کو جسم کی دہلیز پر سلانا پڑتا ہے کہ دکھ ایک دفعہ جس دہلیز کا رخ کر لیں دہلیز کے وجود تک ساتھ نہیں چھوڑتے کہ دکھ بھی باوفا ہوتے ہیں۔ ابران بھیا بھی صرف تمہاری وجہ سے بہت تکلیف میں ہیں۔ جس شخص سے عشق ہے تمہیں، جس شخص کے لئے تمہارے دل میں لامحدود عقیدت ہے، جس کا تم نے کبھی برا نہی چاہا، جسے تکلیف نہ پہنچے اس خیال نے تمہارے لئے تکلیف کی راہیں کھول دیں آج وہ شخص تمہیں تکلیف میں دیکھ کر تکلیف میں ہے۔ اپنی طرف سے لاپرواہ ہو کر تمہارے لئے ہلکان ہوتا رہتا ہے۔ تم تو وہاں سکون سے حالتِ کومہ میں پڑے ہو، تکلیف سے تو میں نبرد آزمائی کر رہی ہوں۔ اصل تکلیف سے تو ابران بھیا گزر رہے ہیں۔ وہ ابران بھیا جن کے عشق میں تم نے میری چاہت بھلا دی، وہ ابران بھیا صرف تمہاری وجہ سے، تمہاری خاطر تکلیف میں ہیں اب اتنی بھی سزا نہ دو انہیں ادیان کہ محبت تو بڑا بے اختیاری جذبہ ہے اور انہوں نے اس بے اختیاری جذبے کی کیسے لاج رکھی۔ محبت کے لئے محبت چھوڑ دی۔ رویحا بھابھی کی محبت کے لئے، تمہاری محبت کے لئے اور تم ابران بھیا کے لئے موت کے ساتھ جانے کی ضد سے دست بردار نہیں ہو سکتے، کہاں ہے وہ عشق جس نے عقیدت کی پوشاک پہن لی، کہاں ہے وہ عقیدت جس نے میری محبت بھلا دی، مت کرو خود پر ظلم، مت دو مجھے سزا، مت آزماؤ اتنا ابران بھیا کو کہ وہ نہیں سہہ پائیں گے تمہاری موت کا صدمہ کہ ابھی انہوں نے کچھ کیا نہیں تو ایک ایک سے شرمندہ ہیں گر تم موت کو گلے لگا گئے تو یہ شرمندگی کتنی بڑھے گی، کتنوں سے نظر چرانے پر مجبور کرے گی، مت کرواتنا ظلم، نہ بنو اتنا ظالم، موت کو خیر باد کہہ دو۔ میرے لئے، میری محبت کے لئے، ابران بھیا کے ساتھ، ان کی خوشی، ان کی عقیدت کے لئے چلے آؤ زندگی کی طرف ادیان کہ تمہارا زندگی کو خوش آمدید کہنا بہت ضروری ہے کہ تمہاری سانسوں کی ڈور کے ساتھ کتنے ہی لوگوں کی سانسیں جڑی ہوں۔ خود مر رہے ہو، باقی سب کو جیتے جی مار رہے ہو، بہت ستا لیا ہے مجھے، بہت تنگ کر لیا ابران بھیا کو، بہت روٹھ لئے ان سے اب مان جاؤ ادیان پلیز، ادیان، زندگی تمہاری منتظر ہے۔''

وہ یکدم تھک گئی تھی اس نے قلم ہاتھ سے چھوڑا تھا، سر کھلی ڈائری کے اوپر رکھ دیا تھا۔ کمرے کی خاموش فضا میں اس کی سسکیاں گونجنے لگی تھیں۔ ہوا سے ایک پنہ کھلا تھا کہ درد کھل گیا تھا۔

تجھے کھو کر بھی تجھے پاؤں، جہاں تک دیکھوں
جس یزداں سے تجھے حسن بتا تک دیکھوں
تو نے یوں دیکھا ہے، جیسے کبھی دیکھا ہی نہ تھا
میں تو دل میں ترے قدموں کے نشاں تک دیکھوں

میرے ویرانۂ جاں میں تری یادوں کے طفیل
پھول کھلتے نظر آتے ہیں، جہاں تک دیکھوں
وقت نے ذہن میں دھندلا دیئے ہیں تیرے خدوخال
یوں تو میں ٹوٹتے تاروں کا دھواں تک دیکھوں
دل گیا تھا تو یہ آنکھیں بھی کوئی لے جاتا
میں فقط ایک ہی تصویر کہاں تک دیکھوں

☆......☆......☆

''سالار!'' وہ ان کی خاموشی سے گھبرا کر انہیں پکار گئی تھیں۔

''رابی! پریشان مت ہو، میں ٹھیک ہوں۔'' وہی مخصوص سادہ لہجہ کمرے کی فضا کو معطر کر گیا تھا۔

''مجھے آپ ٹھیک نہیں لگ رہے۔'' آنسو گالوں پر لڑھکتے چلے گئے تھے۔

''میں ٹھیک ہوں رابی، زندگی میں کبھی اتنی جذباتیت و شکستگی کا مظاہرہ نہیں کیا مگر عیاں کر دینے کے بعد نارمل ہوں۔ تکلیف میں ہوں، پریشان نہیں ہوں کہ اس بار صبر کیا نہیں ہے صبر آ گیا ہے۔'' ان کے انداز میں رتی برابر تبدیلی نہیں آئی تھی۔

''ملک کی خدمت کرنا، پولیس لائن میں آنا ہمیشہ مجھے فیسی نیٹ کرتا تھا۔ جس وقت بچے بے فکری سے کھیل کود کیا کرتے تھے میرے ذہن میں پولیس یونیفارم، اس پر سجے ستارے، خوبصورت کیپ، ہتھکڑی، جیل کی سلاخیں، عزائم و حوصلے کی بلند و بالا اسٹک یوں میرے ساتھ چلتی کہ دھیرے دھیرے اس فیلڈ میں جانا میرا اپشن بن گیا۔ جنوں تھا مجھے کہ میں اس فیلڈ کو اپناؤں اس میں اپنا نام کماؤں اور نام کما بھی لیا مگر بہت کچھ پا کر بھی نہ پا سکا۔ زعیزعہ خان کی گفتگو نے روح پر وار کیا۔ شکستگی کا ایسا احساس کہ روح تڑپ اٹھی مگر میں مایوس نہیں ہوا کہ میں اپنے رب کی رحمت سے مایوس نہیں ہو سکتا۔''

''آپ نے استعفیٰ کیوں دے دیا اور استعفیٰ واپس لینے کے لئے آپ سے کہا جا رہا ناتو مان کیوں نہیں لیتے آپ؟'' وہ ان کی بات قطع کر کے بولی تھیں۔

''میں نے زعیزعہ خان کی گفتگو سے متاثر ہو کر استعفیٰ نہیں دیا۔ استعفیٰ کا فیصلہ میں نے اس وقت لیا تھا جب میرے علم میں یہ بات آئی کہ شہیر کی شہادت میں ملک دشمن عناصر کے ساتھ ملک کے محافظ بھی ملے ہوئے ہیں۔ میں نے اسی پل سوچ لیا تھا کہ میں مستعفی ہو جاؤں گا تا کہ میرے اس طرح استعفیٰ دینے پر کوئی تو اتنا حوصلہ پکڑے کہ وہ آستین کے سانپوں، کالی بھیڑوں کو منہ توڑ جواب دے سکے میں نے استعفیٰ اپنے لیے نہیں ملک کے لئے دیا کہ میری جاب کے چند سال بچے ہیں مگر کسی نے ابھی کیریئر کا آغاز کرنا ہے۔ مجھے رول ماڈل بنا کر آنے والے مجھے فالو کریں گے اس لئے میں نے ایک نئی راہ دی ہے۔''

''بیچ راہ میں، راہ بدل لینے کی راہ، آپ یہ کیوں نہیں سوچ رہے کہ آپ کی سوچ کو، آپ کے قدم کو ایک فیصد لوگ مثبت لیں گے۔'' وہ زندگی کے طویل سالوں کے بعد پہلی دفعہ ان کی کسی بات کی مخالفت کر رہی تھیں۔

''بہتری کا آغاز ہمیشہ ایک سے ''میں'' سے ہوتا ہے کہ 'ہم' مل کر تو وہی ہوتا ہے جو برسوں سے اس ملک میں ہوتا آ رہا ہے۔ 'میں' نے جس 'میں' کی بنیاد رکھی وہ کمزور تھی کہ میں تقلید کا پابند تھا اب 'میں' نے جس 'میں' کی بنیاد ڈالی ہے وہ بغاوت کے خمیر سے اٹھے گی کہ یاد رکھنا رابی لوہا لوہے کو کاٹتا ہے، اچھائی تو ہر حال میں ہر سمت میں اچھائی رہے گی اس لئے میرے راہ بدلنے سے کچھ نہیں ہوتا کہ مجھ جیسے کتنا ہی چلیں گے رکیں گے وہیں آ کر جہاں سے چلیں گے، جس سوچ کو لے کر میں نے اپنے کیرئیر کا آغاز کیا وہ صرف پچیس فیصد کامیاب رہی مگر اب میں نے ایک نئی سوچ دی ہے اس سے بھی کچھ نہ کچھ بہتری ضرور آئے گی اور نہیں آئی تو بھی کوئی نقصان نہیں ہوگا کہ یہ یاد رکھنا کہ جو اچھا ہوگا اسے کسی سالار مصطفیٰ کی ضرورت نہیں کہ سالار مصطفیٰ تو یونہی ہر موڑ پر مل جاتے ہیں کہ اب وقت ہے اپنا شاہین پیدا کرنے کی دوسرے کے کاندھے پر رکھ کر بندوق بہت چلا لی۔ ضرورت ہے اب اس بات کی کہ لوہا لوہے کو کاٹے، اچھائی برائی کے آگے بے بس نہ ہو، اچھائی، برائی کو پچھاڑ دے، ایک تجربہ کیا ہے میں نے، اب وقت بتائے گا کہ یہ کامیاب رہا یا ناکام ہوگیا کہ یاد رکھنا کہ یہ تجربہ کامیاب ہوا تو فائدہ ہوگا اور اگر تجربہ ناکامیاب ہوگیا تب بھی فائدہ ہوگا کہ ناکامیابی کے بعد سالار مصطفیٰ پھر سے زندہ ہوگا کہ کسی چیز کی قدر اس کے دور جانے کے بعد شدت سے ہوتی ہے اور جس کی کمی کا احساس جاگ جائے اس کی بہت قدر رہتی ہے اور جس کی قدر ہو اسے ذرہ ذرہ میں تلاشا جاتا ہے اور اتنی بڑی کائنات میں ایک اور تو سالار مصطفیٰ ضرور ہوگا یہ مجھے امید ہے کیونکہ میرا ملک میرے کاندھوں پر نہیں رکھا، مجھے اس ملک کی مٹی میں ملنا ہے اور مجھے مٹی میں ملانے والوں میں ہی کوئی اس مٹی کی حفاظت کا عزم لیے اس مٹی کے لوگوں میں سے نکل کر ایک دن یوں سامنے آئے گا کہ دشمن کے ارادے بھی مٹی مٹی ہو جائیں گے کہ اچھائی کا ساتھ دینے کا وعدہ میرے رب نے کیا ہے اور رب کے وعدے نعوذ باللہ جھوٹے نہیں ہوا کرتے۔'' وہ اپنے لیے فیصلے پر مطمئن تھے، سوچ الگ تھی، دیر سے ہضم ہونے والی تھی مگر تجدید نو کرنے سے ہی حاصل ہوتا ہے کہ تجربے کے بنا تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا وہ آگے سے کچھ نہیں بولی تھیں وہ مکمل طور پر قائل تو نہ ہوئی تھیں مگر خاموش ضرور ہوگئی تھیں کہ جانتی تھیں کہ سالار مصطفیٰ کو ان کے ارادے سے ہٹانا ممکن نہیں، وہ تو خود نہیں جانتے کہ یکدم رونما ہونے والی تبدیلی مثبت تھی کہ منفی مگر وہ اس پر چلتے عمل کی بنیاد رکھ گئے تھے اس بات سے انجان و بالاتر ہو کر کہ فائدہ کیا حاصل ہونے والا تھا۔ انہوں نے تو بس ایک تجربہ کی بنیاد رکھی تھی اور جیسے ضروری نہیں کہ ہر تجربہ کامیاب ہو اسی طرح ضروری نہیں ہوتا کہ ہر کیا جانے والا تجربہ ناکام ہی ہوگا کہ ناکامی کے ڈر سے تجربہ کرنا بھی چھوڑا نہیں جا سکتا کہ ایسا ہوتا تو دنیا اتنی ترقی ہرگز نہ کر پاتی۔ آئے دن نت نئی ایجادات تجربوں سے گزر کر وجود میں نہ آتیں کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے اور تجربہ کامیابی کی سیڑھی، جس پر قدم رکھے بغیر کسی بھی چیز کا حصول ممکن ہی نہیں۔

☆......☆......☆

''ارمان انکل! میں اپنی پڑھائی کنٹی نیو کرنا چاہتی ہوں۔'' خاموشی سے چائے کے گھونٹ بھرتے ارمان شیرازی ہی نہیں یمنیٰ

شیرازی نے بھی بہو کو حیرانگی سے دیکھا تھا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" ان سے پہلے یمنیٰ بول پڑی تھیں اور وہ قدرے مطمئن ہو کر سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگی تھی جنہوں نے دوسرے ہی پل اس کے فیصلے کو نہ صرف سراہا تھا اسے اجازت بھی دے دی تھی مگر اس کی اگلی بات ان دونوں کے لئے ہی خلاف توقع تھی۔ یمنیٰ بے چینی سے اسے دیکھنے لگی تھیں، شانیہ ان کی نگاہیں خود پر محسوس کرتی مضطرب ہو گئی تھیں۔

"تمہیں اس گھر میں کوئی پریشانی ہے، کسی نے کچھ کہا تم سے۔" وہ بھیگتی آنکھوں سے پوچھ گئی تھیں۔ اس نے فوراً نفی میں گردن ہلائی تھی۔

"پھر کیوں جانے کی بات کی۔" ان کے آنسو گرنے لگے تھے۔ بھیگی پلکیں اس پر ٹکی تھیں جو انہیں کتنی عزیز تھی وہ یہ کسی سے تو کیا اس سے بھی نہیں کہہ سکتی تھیں کہ وہ ان کے اکلوتے بیٹے کی چاہت تھی، وہ بیٹے کی وجہ سے ہمیشہ اسے بہت دل کے قریب محسوس کرتی تھیں اور جن حالات میں وہ رخصت ہو کر آئی تھی اور ان کا بیٹا ہاسپٹل کا ہو کر رہ گیا تھا یہ سب اتنا تکلیف دہ تھا کہ وہ بہو کا سکھ نہیں اٹھا پائی تھیں کہ ایک دن بھی تو انہوں نے بیٹے کو بہو کے ساتھ نہیں دیکھا تھا، شانیہ کا سادہ چہرہ، اداس آنکھیں اسے چند ماہ کی سہاگن کہیں سے بھی تو ظاہر نہ کرتی تھیں کہ سہاگن کا سکھ اسے نصیب ہی کب ہوا تھا کہ بس وہ تو کاغذی طور پر شانیہ حیدری سے شانیہ ادیان ہو گئی تھی اور یہ اتنی بڑی تبدیلی نہ تھی کہ اس کا انگ انگ مسرت کے نور بکھیرتا، اسے خوش ظاہر کرتا کہ ایک کاغذ کا پرزہ اس کی آزادی سلب کر گیا تھا۔ اس کی مسرت کی راہیں دشوار کر دی تھیں اسے ایسے شخص کا پابند کر گیا تھا جو اس سے ہی نہیں خود سے بھی بے خبر ہو چلا تھا ایسے میں اس کو دیکھ کر جس تکلیف سے وہ سب خاص کر یمنیٰ اور شہباز گزرتے تھے یہ وہی جانتے تھے مگر کہتے کس سے کہ یہ نصیب کا وار تھا اور مقدر کی لڑائی تو حوصلے سے لڑنی پڑتی ہے اور وہ بھی تو یہی کر رہی تھی اور وہ سب اس کے مقدر کے بدلنے کی دعا کرتے اس کا حوصلہ بننے کی کوشش کرتے تھے کبھی کامیاب ہو جاتے تھے اور کبھی ناکام جیسے اس وقت وہ ناکام ہو گئی تھی۔ اس کے گھر جانے کا کہنے پر بالکل ہی بکھر گئی تھیں۔

"مامی! یقین کریں میرا، اس گھر میں مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے کہ اپنے گھر میں کیسی تکلیف...... مگر میں شہباز بھائی کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں...... بھائی کے گھر میں رہ کر اپنی تعلیم مکمل کرنا چاہتی ہوں...... یہاں سب میرا بہت خیال رکھتے ہیں مگر مجھ سے یہاں نہیں رہا جاتا کہ یہاں مجھے آپ سب کے پیار کے باوجود اجنبیت کا احساس ہوتا ہے کہ جس شخص کے حوالے سے میں یہاں آئی جب وہی نہیں ہے یہاں تو یہاں مجھ سے نہیں رہا جاتا۔ اس لئے پلیز مجھے بھائی کے گھر جانے دیں۔ ادیان جیسے ہی ٹھیک ہوں گے میں واپس آ جاؤں گی۔" وہ آنسو پینے کی کوشش کرتی زارو قطار روتے ہوئے ملتجی تھی وہ آگے سے کچھ کہنے لگی تھیں کہ ارمان ان کے ہاتھ پر ہاتھ ڈالتے انہیں چپ رہنے کا کہتے روتی ہوئی شانیہ سے مخاطب ہوئے تھے۔

"تم جانا چاہو گی تو ہم نہیں روکیں گے مگر بات صرف اتنی سی ہے بیٹا کہ اب تمہارا گھر یہ ہے، یہاں رہو گی تو ہی اجنبیت کی دیوار گرے گی کہ ادیان کا مضبوط حوالہ تمہارے نام کے ساتھ جڑا ہے۔ اس گھر کی بہو ہو تم، تمہارا اس گھر پر، اس گھر کی ہر چیز پر حق ہے اور حق

چھوڑ کر کہیں نہیں جاتے بلکہ اپنی جگہ بناتے ہیں۔'' وہ نہایت دھیمے سے ناصحانہ انداز میں بولے تھے۔

''انکل! آپ کی کسی بات سے انکار نہیں ہے مگر جو حالت ادیان کی ہے میں اپنے احساسات، اپنے جذبات چاہ کر بھی کسی سے بھی نہیں کہہ سکتی، مجھے بس خود کو سنبھالنے کے لئے وقت درکار ہے، میں فرار نہیں چاہتی کہ ادیان کا حوالہ مجھے بھی عزیز ہے، میں ان کے ٹھیک ہوتے ہی لوٹ آؤں گی بس کچھ دن کے لئے میں یہاں سے اپنے گھر سے جانا چاہتی ہوں۔'' وہ آنسو بہاتے ہوئے دل گرفتگی سے بولی تھی اور انہوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اجازت دے دی تھی وہ ان کا شکریہ ادا کرتی اٹھ گئی تھی۔

''آپ نے کیوں اجازت دے دی ارمان۔'' یمنیٰ کو اختلاف ہوا تھا۔

''شانیہ کا فیصلہ پسند تو نہیں آیا مجھے بھی مگر کہیں نہ کہیں اس کا یہ فیصلہ درست بھی ہے۔ اسے سنبھلنے کا موقع دینے کے لئے میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اجازت دی ہے۔'' وہ ان کے اختلافی پہلو کو صاف نظر انداز کر گئے تھے کہ وہ تو وہ بھی جانتے تھے جو وہ نہیں جانتی تھی کہ ابران نے ان سے کچھ نہیں چھپایا تھا مگر انہوں نے یمنیٰ کو نہیں بتایا تھا کہ ابران و ادیان کا بھرم رکھنا بھی ضروری تھا جس جس کو پتہ چلتا مسئلے مسائل ہوتے کہ رویحا و شانیہ کے لئے بھی بات کا پوشیدہ رہنا ضروری تھا کہ رویحا کے علم میں کچھ نہ تھا اور وہ اسے لاعلم ہی رکھنا چاہتے تھے کہ آگاہی بعض اوقات بڑی جان لیوا ہوتی ہے کہ شانیہ کی نسبت رویحا سکون میں تھی کہ رویحا کچھ نہیں جانتی تھی البتہ شانیہ کو کچھ نہ کرنے کے باوجود رویحا سے ایک عجیب سا گلٹ فیل ہوتا تھا اور یہ ڈر کہ اسے ابران کی محبت کا پتہ چلا تو اس کا کیا ری ایکشن ہوگا؟ اور ان دونوں کے درمیان فاصلے نہ آئیں اس لئے لاعلمی اور لاعلمی کا پرچار ضروری تھا۔

''لیکن ارمان! شانیہ اس طرح شہباز کے پاس جائے گی تو وہ نہ جانے کیا سمجھے اور اگر شہباز کو پتہ چلا کہ ادیان شادی ہی نہیں کرنا چاہتا تھا تو سمجھیں قیامت ہی آ جائے گی۔'' وہ خوف جو کئی ماہ سے سر اٹھا رہا تھا آج زبان پر آ گیا تھا۔

''ادیان کا رویہ جب تک کوئی شہباز کو نہیں بتائے گا اسے پتہ نہیں چلے گا۔ اس گھر کا کوئی فرد یہ حرکت کر نہیں سکتا اور شانیہ بیٹی نے ایسا کرنا ہوتا تو کب کا کر چکی ہوتی اس لئے ذہن سے فضول خیالات نکال دیں۔ جیسے اب تک اچھا ہوا ہے آگے بھی سب اچھا ہوگا۔'' بیوی کا ہاتھ تھام کر بھرپور انداز میں تسلی دی تھی۔

''اوہوں! بس ایک وہم سا ہی رہتا ہے۔ اس سب کی وجہ صرف میں ہوں ادیان کو نہ میں شادی کے لئے مجبور کرتی نہ ہی اس کی یہ حالت ہوتی اور نہ ہی شانیہ بیٹی کی زندگی امتحان کی نذر ہوتی۔'' وہ اس سب کا خود کو کتنی ہی دفعہ موردِ الزام ٹھہرا چکی تھیں آج بھی اپنے فیصلے پر پچھتا رہی تھیں۔

''جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں یمنیٰ، زمین پر تو صرف فیصلے ہوتے ہیں، ادیان و شانیہ کا ساتھ اللہ نے مقدر کیا تھا کسی کے چاہنے نہ چاہنے سے کچھ نہیں ہو سکتا، خود کو الزام دینا چھوڑ کر بس دعا کیا کریں کہ اللہ ادیان کو صحت دے اور شانیہ کا امتحان و آزمائش ختم کر دے۔''

وہ ہر بار کی طرح مثبت سمت کی جانب ان کی توجہ مبذول کروا گئے تھے وہ آگے سے کچھ نہیں بولی تھیں کہ آج کل یہی دعا تو وہ صبح و شام کر رہی

تھیں مگر ابھی دعاؤں کی قبولیت کا وقت نہیں آیا تھا۔

☆......☆......☆

عکاشہ اسے بے یقینی سے دیکھ رہی تھی کہ کہاں امید تھی کہ آج وہ یہ سب کہہ دے گا۔

''خاموش کیوں ہو، جواب دو چلی جاؤ گی یا نہیں؟'' وہ اس کی آنکھوں میں حیرت محسوس کرتے ہوئے چڑ گیا تھا۔

''تم اس لڑکی کے لئے اتنے سیریئس ہو۔'' وہ ناگواری سے بولی تھی۔

''اب میں تمہیں اپنے سیریئس ہونے کا کیا ثبوت فراہم کروں؟'' وہ سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے سوال کر رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو مچلنے لگے تھے۔

''زعیزعہ، اس میں ایسا کیا ہے جو مجھ میں نہیں۔ جو تمہارا میں نظرِ انتخاب تک نہ بن سکی۔'' اس کے آنسو گرنے لگے تھے اور وہ لب بھینچا ضبط سے گزرنے لگا تھا۔

''دیکھو عکاشہ، اس وقت میں بحث کے موڈ میں نہیں، پہلی دفعہ ڈیڈ کے رشتے سے تم سے کچھ پوچھا ہے، تمہاری مدد چاہی ہے، تم صاف انکار کر دو یا اقرار کر لو، گزشتہ کسی بات کا ذکر جانے دو۔'' وہ خود کو کمپوز کرتا درشتگی سے بولا تھا اور اس نے آنکھیں رگڑتے ہوئے انکار کر دیا تھا۔

''یہ ہی فرق ہے تم میں اور اس میں، تم صرف اپنے محبت کے مطالب بھی نہیں جانتیں عکاشہ، کہ تم نے وقتی اٹریکشن کو محبت کا نام دیا اور کہنے کو مجھ سے بدلہ لینے کو میرے باپ سے شادی کر لی۔ شرم و حیا نام کو نہیں تم میں اور یہی فرق ہے تم میں اور اس میں کہ وہ حیا کا پیکر، اس کو دیکھ کر نظر اٹھتی نہیں ہے، محبت و عقیدت سے جھک جاتی ہے۔'' اس کا انکار تو اسے انگارہ بنا گیا تھا اور وہ جو ہر لحاظ سے مروت کا مظاہرہ کرتے بات نہیں کرنا چاہ رہا تھا یکدم کہتا چلا گیا تھا اپنی برائی اور شیریں کی تعریف کہاں اس سے برداشت ہوئی تھی۔

''شادی کے خواب دیکھ رہے ہو زعیزعہ! مگر یہ کبھی مت بھولنا کہ کمشنر سالار اس سب کے لئے کبھی راضی نہ ہوں گے، شیریں کو پانا اتنا آسان ہوتا تمہارے لئے تو کبھی بھی وہ ایس پی شہیر کی بیوی نہ بنتی، اس کی موت کے بعد تم اگر ملن کے سپنے سجا بیٹھے ہو تو یہ فراموش پھر بھی نہ کرنا کہ تمہیں تو ایک طوائف بھی ان چھوئی چاہئے ہوتی تھی اور کہاں اب تم ایس پی شہیر کی اترن کو بیوی بنانے کے سپنے سجا رہے ہو اور ایسا کرتے۔''

''تڑاخ! بکواس بند کرو۔'' اس کو وہ کافی ضبط سے سن رہا تھا مگر اس کا آخری جملہ اس کو اشتعال کے نزدیک کر گیا تھا۔

''حقیقت کو تم کبھی بھی مٹا نہ سکو گے زعیزعہ خان۔'' وہ گال پر ہاتھ رکھے چیخی تھی۔

''میرے سامنے سے دفع ہو جاؤ ورنہ جان سے مار دوں گا میں تمہیں۔''

''دفع تو میں ہو جاؤں گی مگر یاد رکھنا کہ میں اگر تمہیں نہیں پا سکی تھی تو تم بھی کبھی شیریں کو چاہ نہیں سکو گے، پانا تو بہت دور کی بات ہے۔'' وہ اسے گھورتی تن فن کرتی نکلتی چلی گئی تھی اور وہ سامنے آئی ہر شے کو ٹھوکر پر اڑاتا کمرے میں چلا آیا تھا۔ عکاشہ اور وہ کلاس فیلو تھے

دونوں میں کافی اچھی دوستی رہی تھی، زعیزعہ خان نے عکاشہ کو دوست سے بڑھ کر کوئی اہمیت نہیں دی تھی اور وہ اس کی محبت میں مبتلا ہوتی اس کے ساتھ کے خواب آنکھوں میں سجا بیٹھی تھی اور ایک دن اس سے اظہار محبت کر بیٹھی تھی جس پر اس نے عکاشہ کا بہت مذاق بنایا تھا اور وہ ہرٹ تو بہت ہوئی تھی مگر اپنی محبت سے مجبور اس کے آگے پیچھے تھی اور اس نے تو یکدم توجہ کا کاسہ بھی سمیٹ لیا تھا اور وہ تڑپ تو اٹھی تھی۔

''کیوں کر رہے ہو تم ایسا زعیزعہ، بہت محبت کرتی ہوں میں تم سے......کیا برائی ہے مجھ میں کہ تم مجھ سے شادی نہیں کر سکتے۔'' وہ اس کا گریبان مٹھیوں میں جکڑے کہہ رہی تھی اس نے عکاشہ کے ہاتھ بے دردی سے جھٹک دیئے تھے۔

''اوقات میں رہو اپنی عکاشہ، کہ میں محبت کے وجود پر ہی یقین نہیں رکھتا، میرے نزدیک محبت کسی گالی سے کم نہیں۔ اپنی محبت کی داستان مجھے نہ سنانا کہ محبت وحبت کچھ نہیں ہوتی، وقت گزار سکتا ہوں بس تمہارے ساتھ، تمہیں اپنا وقت دے نہیں سکتا اس فرق کو ہمیشہ یاد رکھنا۔ لمحوں کے لئے، گھنٹوں کے لئے تم پر مہربان ہو سکتا ہوں، عمر بھر کے لئے تمہیں خود پر سوار نہیں کر سکتا کہ میرا نہ محبت پر ایمان ہے نہ شادی کا ارادہ۔ اس لئے اپنی محبت کی بھیک مجھ سے نہ مانگو۔'' وہ لحاظ بالائے طاق رکھ کر اسے اس کی اوقات بتا گیا تھا اور وہ اپنی اتنی بے عزتی، کھلی آفر پر تلملا اٹھی تھی اس نے سوچ لیا تھا کہ زعیزعہ خان کا مزاج ٹھکانے لگا کر ہی رہے گی مگر دو سال کا عرصہ بیت گیا تھا وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر پائی تھی اور تب ہی اس کی ملاقات ایک پارٹی میں حمزہ خان سے ہوئی تھی اور اس نے زعیزعہ خان سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لئے اس کے باپ سے شادی کر لی تھی۔ وار بڑا کاری تھا مگر زعیزعہ خان کو خود پر کمال کا کنٹرول حاصل تھا اس نے کسی قسم کا ری ایکشن کم از کم عکاشہ کے سامنے ظاہر نہ کیا تھا ورنہ اسے آگ تو بڑی لگی ہوئی تھی اسی لیے وہ اس سے سیدھے منہ بات تک نہیں کرتا تھا اور وہ اس کو ضبط سے گزرتے دیکھ کر خود کو برداشت کے لئے ہمہ وقت تیار محسوس کرتی تھی۔

''بیوی تم بنانا نہیں چاہتے تھے، دوسرا کوئی ریلیشن میں بنا نہیں سکتی تھی اس لئے تمہارے ضبط کا امتحان بن کر چلی آئی ہوں۔ ماں نہ بھی سمجھو گے تو مجھے فرق نہیں پڑے گا کہ ہم کبھی اچھے یار رہے ہیں۔'' یہ کوئی حمزہ خان سے نکاح کی تیسری شام اس نے زعیزعہ خان سے کہا تھا۔

''تم عورتوں سے اسی لئے نفرت ہے مجھے، گھن آتی ہے تم جیسی عورتوں سے جو اپنی نفسیاتی خواہشات کے لئے محبت اور مذہب کو ڈھال بناتی ہیں۔'' وہ سرخ آنکھوں سے اسے گھورتے ہوئے بولا تھا اور وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی تھی۔

''تمہاری خواہش پوری کر دیتی تب میں نفسانی خواہشات کی ماری غلیظ عورت نہ ہوتی، تمہیں تمہارے ارادوں میں کامیاب نہ ہونے دیا تو میں نفسانی خواہشات کی ماری ایک غلیظ عورت ہو گئی۔ واہ کیا دہرا معیار ہے زعیزعہ خان، مگر اتنا یاد رکھنا کہ میں نے حمزہ سے صرف تم سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کو شادی کی ہے ورنہ تمہارا بڈھا باپ میرے لائق ہرگز نہ تھا۔ میں بدلہ کی آگ میں اپنا سب کچھ جلا بیٹھی ہوں تو اب یہ آگ تم تک ضرور پہنچے گی۔'' وہ اسے باور کراتے لہجے میں بولی تھی اس نے مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔

''تم اپنی لگائی آگ میں خود ہی جل جل کر مرو گی۔ مر مر کر بھی جلو گی مگر یہ آگ مجھ تک کبھی نہیں پہنچے گی۔ یاد رکھنا بھول کر بھی کبھی ڈیڈ کو یہ نہ بتانا کہ تم اور میں دوست رہ چکے ہیں۔ میری محبت کا دم بھرتی تھیں تم۔''

''بھرتی تھی، نہیں بھرتی ہوں۔'' اس نے بات ایک ادا سے قطع کی تھی اس نے یکدم لب بھینچ لیے تھے۔

''ڈر گئے ہو کہ حمزہ کو کچھ پتہ چلا تو کیا ہوگا۔'' اس کو ضبط سے گزرتے دیکھ کر وہ اطمینان سے بولی تھی۔

''ڈرتی ہے میری جوتی۔ اوقات ہی کیا ہے تمہاری میرے سامنے۔ آج ابھی اسی وقت تمہیں غائب کروا دوں تو تمہیں خود اپنا نشان تک کہیں نہیں ملے گا اور میں تم جیسی عورت سے کیوں ڈرنے لگا، یاد رکھنا مجھے فرق نہیں پڑتا گر یقین نہیں تو ڈیڈ کو تمام سچائی بتا دینا مگر پھر اپنا بوریا بستر بھی سمیٹ لینا کہ جس دن ڈیڈ کو ہمارے ریلیشن شپ کا پتہ چلے گا وہ دن اس گھر میں تمہارا آخری دن ہوگا اس لئے ڈیڈ کو اپنا کارنامہ اس وقت بتانا جب ڈیڈ سے تمہارا دل بھر جائے۔ جب تک دل لگا ہے انجوائے کرو کہ بیٹا نہ سہی باپ سہی۔'' وہ خود کو کمپوز کرتا گہری سنجیدگی سے کہتا چلا گیا تھا اور وہ حیران و پریشان سی اس کو تکنے لگی تھی جس نے آخری جملہ نہایت معنی خیزی سے ادا کیا تھا اور آنکھ دبا کر اس کا گال تھپتھپاتا اسے پیچ و تاب کھاتا چھوڑ کر نکلتا چلا گیا تھا اور وہ حقیقتاً کبھی چاہ کر بھی یہ سب حمزہ خان کو بتا نہیں سکتی تھی کہ وہ تو اداؤں سے محبت و توجہ کا ہتھیار لے کر حمزہ خان کے حواسوں پر سوار ہوتی ان سے اپنی جائز و ناجائز منوالیا کرتی تھی۔ ان باپ بیٹے میں پہلے مثالی ہم آہنگی، یگانگت و محبت کی فضا قائم تھی مگر دھیرے دھیرے وہ ان باپ بیٹے کو دور کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ دونوں کو ایک دوسرے سے ہزار اختلافات ہوگئے تھے اور وہ تو جانتا تھا اس سب کے سبب مگر کہتا، کرتا کچھ نہ تھا کہ اس نے عکاشہ پر اس کی حرکتوں پر کبھی غور کرنے یا ردعمل ظاہر کرنے کی کوشش کرنا تو دور سوچا تک نہ تھا۔ وہ تو اس سے بات تک کرنا پسند نہیں کرتا تھا اور سب سے بڑی وجہ ان دونوں باپ بیٹے کے اختلاف کی تھی وہ یہی تھی کہ حمزہ خان چاہتے تھے کہ وہ عکاشہ کی ان کی زندگی میں حیثیت کو سمجھ کر اسے اس کے مقام کے لحاظ سے اہمیت دے مگر وہ ایسا کر ہی نہیں سکتا تھا اس لئے جیسے جیسے وہ اختلاف ظاہر کرتا تھا ان کے درمیان اختلاف کی نہ ختم ہونے والی خلیج حائل ہوتی جاتی تھی اور تمام غصہ و نفرت کے باوجود آج اس نے عکاشہ سے کہا تھا کہ وہ ڈیڈ کے ساتھ اس کا پرپوزل لے کر جائے اور وہ صاف انکار کرتی زعیزعہ خان کو گویا اپنے پیچھے لگا گئی تھی اس نے آج پہلی دفعہ تہیہ کیا تھا کہ وہ اسے اپنے ڈیڈ کی زندگی سے نکال کر ہی دم لے گا جبکہ ایسا اس نے پہلے کبھی نہیں سوچا تھا اس کی ہر سازش کے باوجود اس کی ہر گھٹیا حرکت و سازش جان لینے کے باوجود وہ درگزر سے کام لیتا رہا تھا، برداشت کا مظاہرہ کرتا رہا تھا مگر اب وہ اسے اس کے انجام تک پہنچانے کا فیصلہ کر چکا تھا کیسے یہ طے ہونا باقی تھا۔

''ابران بھیا۔'' وہ لان میں اکیلا بیٹھا تھا کچھ سوچ کر اس نے موبائل اٹھا کر فراز کا نمبر ڈائل کرنا ہی چاہا تھا کہ اسے کسی نے پکارا تھا۔ آواز پہچان لینے کے باوجود محض بے یقینی سے نکلنے کو اس نے نگاہ اٹھائی تھی سامنے ہی تو وہ کھڑی تھی سیاہ رنگ کے لباس میں ڈھلے ہوئے چہرے کے سامنے لانبے بالوں کی چٹیا بنائے، دوپٹہ سلیقہ سے شانوں پر پھیلائے وہ اداس آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔'' وہ اس کے متوجہ ہوتے ہی بولی تھی اور وہ خود کو کمپوز کرتا اسے بیٹھنے کا کہہ گیا تھا اور اسے سمجھ نہیں آیا تھا کہ بات کہاں سے، کیسے شروع کرے وہ اسی الجھن میں تھی کہ ابران کی آواز نے سماعت پر دستک دی تھی وہ الجھن سے نکل کر اس کے خوبرو چہرے کو دیکھنے لگی تھی وہ بلاشبہ اس قدر وجیہہ تھا کہ کسی بھی لڑکی کا خواب ہو سکتا تھا۔ وہ چاہ کر بھی اس کے وجیہہ چہرے سے نگاہ نہیں ہٹا پائی تھی یہ اور بات تھی کہ وہ اسے محض دیکھ رہی تھی اسے محسوس کر رہی تھی اور وہ اسے دیکھ نہیں رہا تھا صرف محسوس کر رہا تھا۔

''کیا بات کرنی ہے آپ نے۔ بلا جھجک کہہ سکتی ہیں۔''

وہ نظر کا زاویہ بدل گئی تھی۔

''میں آپ سے ادیان کے حوالے سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ میں ارمان انکل سے بھی بات کر سکتی تھی مگر مجھے لگا کہ آپ زیادہ بہتر مشورہ دے سکیں گے۔''

وہ چند دنوں سے اس کی نظر کی بے نیازی و نرمی کو محسوس تو کر رہا تھا مگر اب یقین سا آنے لگا تھا کہ اسے دیکھ کر جو نفرت اس کی آنکھوں کی دہلیز پر آ ٹھہری تھی وہ اس نے چند دنوں سے محسوس نہیں کی تھی اور آج وہ اسے اتنا قابل اعتبار ٹھہرا گئی تھی اس کی مگر وہ حالت تھی 'خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا' وہ آگے سے کچھ نہیں بولا تھا۔

''میں چاہتی ہوں کہ ادیان کو ہاسپٹل سے گھر شفٹ کروالیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔'' اس نے دھیمے سے کہا تھا وہ حیران ہوا تھا اور خود کو سنبھال گیا تھا۔

''میری بھی یہی مرضی تھی مگر ڈیڈی نہیں مانتے کہ ڈاکٹرز بھی اس بات کے خلاف تھے کہ گھر پر کتنی ہی سہولیات حاصل کر لی جائیں گی مگر وہ تمام سہولیات ہاسپٹل کی سہولیات کا مقابلہ نہیں کر پائیں گی۔'' وہ اپنے مخصوص سادہ لہجے میں سنجیدگی سے بولا تھا۔

''یہ میں نے بھی سوچا مگر ہاسپٹل کی سہولیات گھر پر حاصل کر لی جائیں گی اور گھر پر گھر والوں کا ساتھ، ان کی توجہ میں جو کمی رہ جائے گی اس کا نعم البدل ثابت ہوں گی۔''

اس کی بات ماننے والی تھی وہ لحظہ بھر کو چپ ہو گیا تھا۔

''گھر پر سب مل کر ادیان پر توجہ دیں گے تو ادیان جلدی ٹھیک ہو جائیں گے۔'' اس کی آنکھیں ہی نہیں لہجہ بھی بھیگ گیا تھا۔ وہ اس سے یہ نہیں کہہ سکا تھا کہ ادیان میں زندگی کی کوئی رمق نہ تھی اس کے احساسات، اس کے محسوسات سو گئے تھے ایسے میں اسے توجہ کی نہیں

معجزہ کی ضرورت تھی۔

''میں ڈیڈی سے بات کرتا ہوں، امید ہے وہ مان جائیں گے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا تھا اس نے اپنے آنسو دوپٹے کے کونے میں جذب کیے تھے اور اس کو دیکھا تھا جس سے اس کی نفرت سی ہو چلی تھی۔ یہ شخص تو انتہائی بے ضرر سا تھا اس نے ذہن میں لفظوں کو ترتیب دیا تھا اور دھیمے سے بولی تھی۔

''ابران بھیا! مجھے میرے سابقہ ہر برے رویے کے لئے پلیز معاف کر دیں۔'' وہ جو اس کی آمد سے ہی مضطرب تھا، اس کے بات کرنے پر حیران تھا اس جملے نے تو رہی سہی کسر پوری کر ڈالی تھی اس نے گویا تڑپ کر اسے دیکھا تھا۔

''میں مانتی ہوں ادیان کے رویے میں آپ کا کوئی قصور نہیں، اس سب میں آپ کا بھی کم نقصان نہیں ہوا مگر یہ سمجھنے میں مجھے کافی وقت لگا، ہو سکے تو مجھے میرے برے سلوک، خراب رویے کے لئے معاف کر دیجئے گا۔'' آنسو مژگانوں کو تر کرتے چلے گئے تھے اسے خود کو کمپوز رکھنا دشوار لگنے لگا تھا۔

''شانیہ! معافی مانگ کر آپ مجھے شرمندہ نہ کریں کہ آپ اپنے رویے میں حق بجانب تھیں۔'' وہ بمشکل خود کو کمپوز رکھے ہوئے تھے، اندر کیسے ہی طوفان اٹھ رہے تھے بظاہر وہ بہت پرسکون نظر آ رہا تھا۔

''نہیں، حق بجانب ہی تو نہ تھی کہ اگر میرے ساتھ کوئی زیادتی گر ہوئی تھی تو ادیان کی طرف سے، آپ تو اس معاملے میں بے قصور تھے، مگر جن حالات میں ادیان کومہ میں گئے ہیں اپنے سوچنے سمجھنے کی ہر صلاحیت ہی کھو بیٹھی تھی مگر مجھے اپنی غلطی کا، برے رویے کا احساس ہو گیا ہے۔ پلیز مجھے معاف کر دیں۔'' وہ تفصیل سے بولی تھی اس نے کم گو سی شانیہ کو دکھ و حیرت سے سنا تھا اور محض اس کی تسلی کو بولا تھا۔

''میں آپ کو قصوروار نہیں مانتا شانیہ، اور نہ ہی مجھے آپ کا رویہ برا لگا۔ آپ اطمینان رکھیئے۔'' اس کے سنجیدگی سے کہنے پر وہ حیران ہوئی تھی۔

''ادیان آپ سے بہت محبت کرتے ہیں، جب بھی ہمارے گھر آئے امی سے صرف آپ کی ہی باتیں کرتے تھے، آپ سے بے پناہ عقیدت ہے ادیان کو اور جس شخص سے ادیان کو بے پناہ عشق ہے، جس کا ادیان بے پناہ احترام کرتے ہیں میں اتنا روڈ بی ہیو کرتی رہی، میں بہت شرمندہ ہوں۔''

اس نے جب سے ہاسپٹل میں ادیان سے کی گئی باتیں سنی تھیں وہ بے حد شرمندہ تھی اور آج کھل کر بولی تھی۔

''اب آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں شانیہ۔'' وہ آگے بھی کچھ کہہ رہی تھی کہ وہ ٹوک گیا تھا۔

''کہا نہ آپ حق بجانب تھیں، مجھے آپ سے کوئی شکوہ نہیں۔ جانے انجانے میں، میں آپ کی تکلیف کا سبب بن گیا ہوں اگر ہو سکے تو آپ مجھے معاف کر دیجئے گا۔'' وہ کرسی دھکیل کر اٹھا تھا اور نکلتا چلا گیا تھا۔ پیچھے وہ دکھ و ملال کے ساتھ رہ گئی تھی کہ اکثر جنہیں ہم غلط سمجھتے ہیں وہی درحقیقت ہمارے سکھ کا سبب بن جاتے ہیں۔ اس نے ادیان کے کومے میں جانے کے بعد اس کے ساتھ بہت برا بی ہیو کیا

تھا اور اس کے ماتھے پر ایک شکن نہ آئی تھی اور آج اسے حق بجانب ٹھہرا کر الٹی معافی مانگ کر چلا گیا تھا۔ اسے اس کی اچھائی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔

''میں ہمیشہ سوچتی تھی کہ ابران بھیا میں ایسا کیا ہے کہ ادیان کی ہر بات ان سے شروع ہو کر ان پر ختم ہوتی ہے، کیوں ادیان، ابران بھیا سے اتنی شدید محبت کرتے ہیں آج محسوس ہوا کہ کیوں کرتے ہیں کہ کچھ لوگ ہوتے ہی اتنے اچھے ہیں کہ انہیں چاہا جائے، ان سے عقیدت رکھی جائے، اسے اپنی ذات ادیان کی ذات سے ملی محسوس ہوئی تھی اسے لگا تھا کہ وہ بھی دھیرے دھیرے ادیان کی طرح ابران کے عشق میں مبتلا ہونے لگی ہے، ایک عقیدت سی اسے بھی ادیان کی مانند محسوس ہونے لگی تھی۔ زندگی میں کچھ لوگوں سے کوئی رشتہ نہیں ہوتا مگر وہ ہمارے لئے بہت خاص ہوتے ہیں اور وہ لوگ تو بہت ہی خاص ہوتے ہیں جن سے جذبۂ محبت نہیں جذبۂ عقیدت جڑا ہوتا ہے کہ جن سے محبت ہوتی ہے وہ کبھی کسی ایک کمزور لمحہ میں برے لگ سکتے ہیں مگر جن سے عقیدت ہو وہ ہر حال میں، ہر انداز میں، خوبی و خامی کے ہر رنگ میں اچھے لگتے ہیں کہ عقیدت کا رنگ اتنا گہرا ہوتا ہے کہ اس کے آگے ہر رنگ بے رنگ ہو جاتا ہے۔ اسے ابران کا سوچتے ادیان شدت سے یاد آیا تھا کہ وہ اس سے زیادہ بات تو نہیں کرتا تھا مگر جب بھی کرتا تھا اس میں ابران کا ذکر لازمی ہوتا تھا اور وہ چڑ کر گھنٹوں اس پر کڑھا کرتی تھی مگر اب اسے ادیان کی کیفیت سمجھ میں آنے لگی تھی اس نے اپنے آنسو صاف کئے تھے اور ابران سے معافی طلب کر لینے کے بعد ایک سکون سا محسوس کرتی وہ کمرے میں چلی آئی تھی کہ آج اس نے شہباز کے گھر جانا تھا۔ اس کی تمام تیاری مکمل تھی بس ابران سے معافی مانگنا رہتی تھی اور وہ یہ بھی کر گئی تھی اور اس کے جانے کا سن کر ابران کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا مگر اس نے ظاہر کچھ نہ کیا تھا اسے اس کے جانے کا سبب سمجھ آ گیا تھا کہ وہ ادیان کو اس گھر میں واپس دیکھنا چاہتی تھی اور جس طرح اسے ادیان سے دور رکھا جا رہا تھا ایسے میں اس کی موجودگی میں ممکن نہ تھا اس لئے اس نے جس دن یہ محسوس کیا تھا کہ اسے ہاسپٹل شعوری کوشش سے نہیں لے جایا جاتا اس نے اسی دن شہباز کے پاس جانے کا فیصلہ کر لیا تھا کہ اسے ادیان کی بھلائی منظور تھی کہ اس کی پہلی و آخری چاہت صرف ادیان تھا اور وہ ادیان کو صحت یاب دیکھنا چاہتی تھی، وہ دو گھنٹے پہلے شہباز کے ساتھ چلی گئی تھی اور اس کے جانے کے بعد جب اس نے ادیان کو گھر لانے کی بات کی تھی تو سب ہی شانیہ کے فرار کا سبب سمجھ گئے تھے۔ یکدم ایک خاموشی سی چھا گئی تھی اور جب ٹوٹی تو اقرار ساتھ لائی تھی ابران نے اگلے دن ہی ڈاکٹرز سے بات کی تھی اور انہیں بمشکل راضی کر کے ادیان کو گھر لے آیا تھا۔ ابران کے آرام و ذہنی سکون کے لئے شانیہ نے جو قربانی دی تھی اور جس لگن سے وہ ادیان کو وقت دے رہا تھا امید تو تھی کہ ادیان زندگی کی طرف لوٹ آئے گا مگر صرف امید کہ زندگی کہیں کھو سی گئی تھی۔

☆......☆......☆

''سالار! مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔ پلیز آپ تحمل سے میری بات سنیئے گا'' وہ بیوی کی غیر معمولی سنجیدگی پر انہیں دیکھنے لگے تھے۔

''خیریت ہے سب رابی؟'' انہوں نے اثبات میں گردن ہلائی تھی۔

''میں شیریں کو لے کر بہت پریشان ہوں سالار'' ان کی آنکھوں میں آنسو ٹھہرنے لگے تھے۔

''پریشان ہونے سے کیا حاصل جو دکھ اسے ملا ہے سنبھلنے کو وقت درکار ہے۔'' وہ اضطراب کی سی کیفیت میں بولے تھے۔

''ٹھیک کہا آپ نے مگر جب سے آپ نے زعیزعہ خان کے پروپوزل کا بتایا ہے بہت ڈر گئی ہوں۔ شہیر کو تو کھو چکی ہوں اب شیریں کو کھونے کا حوصلہ نہیں ہے۔ جانتے ہیں نا ہمارے شہیر کو وہ کتنی عزیز تھی کیسے اس کی صحبت میں ہمارا بیٹا یکسر بدل گیا تھا، خوش رہنے لگا تھا۔'' ان کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''مجھ سے کہتا تھا 'مما! شیریں بہت عزیز ہے، بہت پیاری ہے مجھے اس کی آنکھوں میں آنسو برداشت نہیں ہوتے، کبھی اس کے آس پاس نہ ہوں تو میں اس کی شیریں کا خیال رکھوں کہ شیریں کی اداسی کا خیال ہی مضطرب کر دیتا ہے' بچپن دن سے شیریں کی آنکھوں میں آنسو ہیں، مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ میں کیسے ہماری شیریں کی، اپنے شہیر کی شیریں کی آنکھوں سے آنسو چن لوں۔'' وہ اب باقاعدہ رو رہی تھیں اور ان کا رہا سہا سکون غارت ہونے لگا تھا وہ لب بھینچے بیٹھے تھے۔

''میں شیریں کو اپنے پاس رکھنا چاہتی ہوں، شہیر تو رہا نہیں۔ اس سے قبل کہ زعیزعہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہو وہ شیریں کو ہم سے چھین کر لے جائے اس سے قبل ہی میں شیریں کے عبیر کے حوالے سے اپنے پاس رکھ لینا چاہتی ہوں۔''

وہ کوئی بم ان کی سماعتوں کی نذر کر گئی تھیں۔ وہ بے حد حیرانگی سے بیوی کو دیکھ رہے تھے۔

''یہ کیا بول رہی ہو رابی۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ عبیر اور شیریں۔'' جملہ تک مکمل ادا نہ کر پائے تھے۔

''بہت مشکل ہے مگر بہت ضروری بھی کہ عبیر ہی ہے جو شیریں کو سنبھال سکتا ہے۔''

''واٹ ربش! یہ کہیں سے بھی کسی بھی اینگل سے درست نہیں ہے۔'' وہ انہیں ٹوک گئے تھے۔

''کیوں نہیں ہے۔ شہیر اور شیریں کی شادی ہو سکتی ہے تو عبیر اور شیریں کی کیوں نہیں؟'' وہ الٹا سوال کرنے لگی تھیں۔

''ایسا ممکن نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی اس کے لئے راضی نہیں ہوگا۔'' وہ صاف گوئی سے بولے تھے۔

''یہ بولیں نا کہ کوئی راضی نہیں ہوگا یہ مت بولیں کہ ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ ناممکن نہیں ہے۔ سب کو راضی کیا جا سکتا ہے۔''

''پلیز رابی! ایک بیٹے کی خوشی کے لئے دوسرے بیٹے کی خوشیاں داؤ پر نہیں لگا سکتے ہم۔ یہ سوچنا بھی دشوار لگ رہا ہے کہ شیریں کو ہمیشہ شہیر کے ساتھ دیکھا، جب وہ شہیر کی دلہن بن کر اس گھر میں آئی دونوں کو ساتھ دیکھ کر روح تک شانت ہو گئی تھی، ایک سکون کا سا احساس ہوتا تھا، دونوں ساتھ اتنے مکمل لگتے تھے کبھی گماں ہی نہیں ہوتا تھا کہ دو ہوں ایک لگتے تھے شہیر، ادھورا پن شیریں کے ہی نہیں ہمارے نصیب میں بھی لکھ دیا گیا ہے، شیریں آدھی لگنے لگی ہے ادھوری تصویر۔''

''وہی تصویر تو میں مکمل کرنا چاہتی ہوں سالار! ہم شیریں کو ساری عمر بٹھا کر نہیں رکھ پائیں گے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے بارے میں سوچنا پڑے گا۔ اس کے لئے نیا جیون ساتھی ڈھونڈنا پڑے گا، اپنے شہیر کی جگہ خود کسی اور کو دینی ہوگی تو یہ جگہ عبیر کو دے دیں گے تو مطمئن رہیں گے، یہ عبیر کے ساتھ زیادتی ہوگی مگر عبیر ہمارا بیٹا ہے ہم صرف اپنے بیٹے کی گارنٹی لے سکتے ہیں، اپنے بیٹے کو پیار سے، حق

سے مجبور کر سکتے ہیں کسی اور کو نہیں۔آپ خود بتایئے کہ شیریں کو ہم شہیر کے نام پر کتنے سال بٹھا پائیں گے......اور جس کو شیریں کی ذمہ داری دیں گے کیا گارنٹی ہوگی کہ وہ ہماری شیریں کا اتنا ہی خیال رکھے گا جتنا ہمارا شہیر رکھتا تھا۔ یہ گارنٹی تو ہمیں بس اپنے بیٹے سے مل سکتی ہے۔صرف عبیر کے ذریعے شیریں کی خوشیاں لوٹ کر آسکتی ہیں۔''

جس دن سالار مصطفیٰ نے استعفیٰ دیا تھا جو تفصیلات ان کے علم میں آئی تھیں وہ تب سے بے چین تھیں، مضطرب تھیں اور یہ حل نکال لائی تھیں جسے سن کر سالار مصطفیٰ ششدر رہ گئے تھے۔

''تمہارا لفظ لفظ ایسا ہے کہ دل جھک رہا ہے مگر عبیر کا اس سب میں کوئی لینا دینا نہیں، ہمارا کوئی حق نہیں ہے کہ ہم اپنے عبیر کو یوں مجبور کریں۔اس سے اس کی مرضی، اس کی خوشی چھین لیں کہ جب زعیزعہ خان سے شیریں کو محفوظ کرنا تھا تو لمحہ نہیں لگا تھا شیریں اور شہیر کا نکاح کا فیصلہ لینے میں کہ ہم اپنے بیٹے کی دلی خواہش جانتے تھے۔ایک لمحہ کے لئے بھی ہمیں اپنے فیصلہ پر پچھتانا نہیں پڑا، شہیر نے ہمیشہ شیریں کو پروٹیکٹ کیا، عبیر نے شیریں کو ہمیشہ خوشی کی طرح سمجھا ہے، شہیر کے رشتے سے وہ اس کی بہت عزت کرتا ہے، رشتے کے معنی بدل جائیں تو پل صراط سے گزرنے کا گماں ہوتا ہے، ارمان کی بے بسی اس کی حالت سے انجان نہیں ہوں، جس سبب ارمان کو تڑپتے دیکھا اسی صورتحال سے عبیر کو دوچار ہوتے نہیں دیکھ پاؤں گا رابی، کہ رشتے اگر اپنے اصل مقام پر رہیں تو ہی خوبصورت لگتے ہیں، آزمائش سے گزر کر رشتے بدلتے ہیں تو انسان ہی بدل جاتا ہے۔بظاہر ارمان، یمنیٰ بھابھی کے ساتھ ایک نارمل ازدواجی زندگی گزار رہا ہے مگر اس گزارنے میں وہ کیسے حالات و جذبات سے گزر رہا ہے خوب اندازہ ہے مجھے کہ ذہن و دل خود سے بدلے رشتے کو قبول کر کے اپنائیں تو حالات کچھ اور ہوتے ہیں۔زبردستی رشتے میں باندھ کر قبول کرنے پر مجبور کیا جائے تو مجبوری زندگی کا سب سے بڑا طوق بن جاتی ہے اور مجبوری کے ساتھ زندگی 'جی' نہیں جاتی 'گزاری' جاتی ہے اور اگر نہ گزاری جائے تو زندگی وہیں ٹھہر جاتی ہے جس مقام پر ادیان کھڑا ہے۔'' وہ بہت آزردگی سے کہتے چلے گئے تھے وہ ان کی کسی بات سے انکار نہیں کر پائی تھیں مگر اپنے فیصلے سے ہٹنے کو تیار بھی نہ تھیں اور جب کل حمزہ خان بیٹے کا پروپوزل لے کر آئے تھے تو وہ مزید اپنے فیصلہ پر قائم رہنے پر مجبور ہو گئی تھیں اور سالار کے منع کرنے، سمجھانے کے باوجود وہ عبیر سے کہہ گئی تھیں اور بیٹے کے چہرے کی اور دیکھتے سالار مصطفیٰ کو لگا تھا جیسے وہ برسوں پیچھے چلے گئے ہوں ان کے سامنے عبیر نہیں ارمان کھڑا ہو اور پل پل جان کنی کے مرحلے سے گزر رہا ہو۔

''خدارا عبیر! انکار نہ کرنا کہ ہمارے پاس شیریں کی حفاظت کے لئے اور کوئی حل نہیں ہے۔''

وہ تو اپنا نام شیریں کے ساتھ سن کر ہی نہیں سنبھلا تھا کہ ماں کے جڑے ہاتھ دیکھ کر تڑپ اٹھا تھا۔

''کیا ہو گیا ہے آپ کو مما۔مت کریں ایسی باتیں۔مجھے وہ کرنے کو مت کہیں جو میں کرنا تو دور سوچ بھی نہیں سکتا۔'' وہ ماں کے ہاتھ تھام کر بولا تھا انہیں اپنا بیٹا زندگی میں پہلی دفعہ اتنا غیر معمولی سنجیدہ لگا تھا۔

''اس میں حرج ہی کیا ہے عبیر، تمہارا اور شیریں کا نکاح شرعاً جائز ہے۔'' وہ بیٹے کی حالت محسوس کرنے کے باوجود اپنی کہے جا

رہی تھیں۔

''پاپا! پلیز سمجھائیے مما کو، ایسے کیوں بول رہی ہیں یہ، منع کریں انہیں، خدا کے لئے۔'' وہ ماں کے ہاتھ چھوڑتا باپ کی حمایت کی آس میں ان تک آیا تھا اور وہ جو رات تک بیوی کے سب بے مخالفین میں سے تھے یکدم ان کے سب سے بڑے حمایتی بن گئے تھے اور باپ کو ماں کا حمایتی پا کر وہ یکدم بالکل اکیلا پڑ گیا تھا اس کی آنکھوں میں اپنا ہی وجود چبھنے لگا تھا۔

''تمہاری مما کے فیصلے میں، میں ان کے ساتھ ہوں۔''

جہاں وہ اکیلا پڑ گیا تھا وہیں وہ کچھ مطمئن بھی ہو گئی تھیں کہ انہیں ڈر تھا کہ بیٹے کے سامنے بھی انہوں نے مخالفت کی تو وہ کیسے بیٹے کو راضی کر پائیں گی مگر اب یہ فکر نہیں رہی تھی کہ جانتی تھیں کہ اب وہ دونوں مل کر اسے منا لیں گے۔ اس نے بس ایک نظر باپ کے چہرے پر ڈالی تھی اور وہ برسوں پرانی نظر کا حصار اپنے اردگرد محسوس کرنے لگے تھے کہ ارمان کہاں راضی تھا انہوں نے ہی تو اسے مرتے ہوئے مشہود کی پرواہ کرنے پر مجبور کیا تھا اور جس نگاہ سے اس وقت ارمان نے انہیں دیکھا تھا جب جب وہ یمنیٰ اور اپنے رشتے کو لے کر مضطرب ہوتا تھا وہ اس نگاہ کے حصار میں چلے جاتے تھے آج وہی تاثر وہ اپنے بیٹے کی نگاہوں میں دیکھ رہے تھے اس وقت ارمان کی نگاہ کی بے چینی مرتے ہوئے مشہود کی پرواہ کے خیال سے وہ نظر انداز کرنے پر مجبور تھے اور آج چھوٹے بیٹے کی مضطرب آس میں لپٹی نگاہ کو وہ مرے ہوئے بیٹے اور شیریں کو زندہ رکھنے کی آرزو میں نظر انداز کر گئے تھے اور اسے قائل کرنے، راضی کرنے کو دلائل دینے لگے تھے۔ شریعت کا سہارا لے گئے تھے کہ ڈوبتے سفینہ کہ ہمیشہ کسی اپنے کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے اور کسی مسلمان کے لئے دین اسلام سے بڑھ کر کون سا سہارا تھا۔ اس نے بس ایک نظر ماں باپ کے چہروں کی طرف دیکھا تھا اور اقرار و انکار کسی قسم کا جواب دیئے بغیر ان کے کمرے سے باہر نکل گیا تھا اور وہ ہارے ہوئے انداز میں بیڈ پر گر سے گئے تھے۔

''آج میں عبیر کا بھی مجرم بن گیا ہوں۔ آج تک ارمان سے نظر نہیں ملا پاتا، اس کی نگاہ کا وہ تاثر کبھی بھول نہیں پایا جب جب ذہن و دل پر اس کی نگاہ نے دستک دی بے چین رہا اور آج میری بے چینی سوا ہو گئی ہے۔ ارمان کی طرح عبیر کی بھی آس توڑ ڈالی میں نے، پہلے مشہود کا خیال تھا اب شہیر کا خیال ہے، پہلے ارمان کو ناراض کر دیا تھا آج عبیر کو ناراض کر گیا ہوں۔ عبیر نئے رشتے کے لئے خود کو راضی بھی کر لے تو ارمان کی مانند میں کبھی عبیر کو بھی منا نہیں پاؤں گا کہ میں ہمیشہ زندگی میں ایسے دوراہے پر آ کھڑا ہوتا ہوں کہ میں صرف ایک کی خوشی رکھ پاتا ہوں آج تک نیناں کہ گلے ہی کم نہ ہوئے تھے کہ اب شیریں مجھ سے روٹھ جانے کو ہے، نہ جانے کیوں میں ایک وقت میں سب کی خوشیاں رکھ پاتا کسی ایک کی تکلیف دوسرے کا سکھ نہ جانے کیوں بنتی ہے اور سبب میں بن جاتا ہوں۔ نیناں کے بعد کیسے شیریں کو خود سے روٹھا برداشت کر پاؤں گا رابی! زندگی کیوں ہمیشہ میرے گرد ایک جال بن دیتی ہے اسے کاٹتے اس سے نکلتے میری انگلیاں لہولہان ہو جاتی ہیں۔ میرے ہاتھ کی لکیروں میں ہی ایک کا سکھ تو دوسرے کا دکھ لکھا ہے میری انگلیوں میں ہی اتنی سکت نہیں کہ ایک ساتھ سارے کانٹے چن لوں اس لئے کسی کو مناتے کسی کو روٹھا چھوڑ دیتا ہوں کہ اپنے سکھوں کو مناتا ہوں تو میرے دکھ مجھ سے روٹھ جاتے ہیں، دکھ

منانے نکلتا ہوں تو میری خوشیاں روٹھ سی جاتی ہیں۔‘‘ وہ ہارے ہوئے انداز میں کہہ رہے تھے کہ جانتے تھے کہ جس طرح نہ چاہتے ہوئے بھی ارمان راضی ہوا تھا عبیر بھی مان جائے گا مگر جو ارمان نے کھویا تھا اور وہ عبیر کھونے والا تھا۔ اس کو کھونے کا اضطراب ان سے بھی آ لپٹا تھا کہ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ بدقسمتی کہ راضی کرنے کی ذمہ داری ہمیشہ ان کے کاندھوں پر آن پڑتی تھی۔

’’مکمل جہاں تو کسی کو بھی نہیں ملتا سالار۔ یہ اور بات کہ کچھ ادھورے احساس بھی انسان کی تکمیل کا باعث بن جاتے ہیں۔ کبھی کسی کا مان جانا زندگی کا آزار تو کبھی کسی کا روٹھ جانا زندگی کا حاصل، کہ زندگی ہمیشہ اپنی مرضی کے سوال دیتی ہے تو اپنی مرضی کے ہی جواب دیتی ہے، نہ سوال کرنے کی اجازت، نہ جواب دینے کا حوصلہ، زندگی جیسے چاہے اپنے گزارنے و جینے والے کے ساتھ سلوک کرے، ’اف‘ کرنے کی کس کی مجال......‘‘ وہ ان کا ہاتھ تھامے دھیمے سے بولی تھیں وہ آگے سے کچھ نہیں بولے تھے کہ اب وہ یہ سوچنے لگے تھے کہ کیسے تمام بات و فیصلہ ارمان و نیناں تک پہنچانا ہے۔

☆......☆......☆

’’آپ کو میرا یہاں آنا کیا برا لگا ہے۔‘‘ یمانی اس کے یہاں آنے پر معترض ضرور تھی، اس نے شہباز کی حمایت پر مخالفت بھی کی تھی مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ اسے شانیہ کا آنا برا لگا تھا۔

’’تم میری فکر کو غلط رنگ دے رہی ہو شانیہ کہ مجھے تمہارا یہاں آنا کبھی برا نہیں لگ سکتا تم اس گھر کی بیٹی ہو اور بیٹیوں کا حق شادی کے بعد کم نہیں ہوتا اور بڑھ جاتا ہے۔‘‘ یمانی اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولی تھی اور اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

’’تم ہمت کبھی نہ ہارنا، امید رکھنا کہ ادیان کو کچھ نہیں ہوگا اور اس مشکل وقت میں ہم سب تمہارے ساتھ ہیں، کبھی خود کو اکیلا نہ سمجھنا۔‘‘ یمانی کے انداز میں نرمی تھی اس کے آنسو ٹھہرنے لگے تھے۔ اسے ادیان ہی نہیں شانیہ بھی عزیز تھی کہ ادیان اگر بھائی تھا تو وہ شہباز کی بہن تھی اور جس کے لئے اس کا شوہر دن رات پریشان رہتا تھا وہ اس لڑکی کے دکھ پر کم از کم راحت محسوس نہیں کرسکتی تھی اس لئے اب تک وہ اس کا بہت بڑا سہارا ثابت ہوئی تھی، آج بھی اتنی نرمی سے اسے مثبت و پر امید رہنے کا کہہ گئی تھی کہ شانیہ کو یکدم اپنا دکھ کم ہوتا محسوس ہونے لگا تھا۔

’’ناامید نہیں ہوں آپی، کبھی کبھی ہمت ٹوٹنے لگتی ہے کہ امی اتنی اچانک سے چھوڑ گئیں اور ادیان کی بیماری نے تو میری جان سولی پر اٹکا دی ہے۔ انہیں کھونے سے ڈر لگتا ہے، میں ادیان کو کھونا نہیں چاہتی۔‘‘ وہ روتے ہوئے بولی تھی اور اسے جو بھی لگا تھا کہ شانیہ ادیان کو پسند کرتی ہے آج اس کا واضح اقرار جہاں طمانیت کا باعث تھا وہیں دل دکھ سے بھر گیا تھا وہ اس کے لئے کچھ اور شدت سے دعا گو ہوگئی تھی، ادیان کی صحت یابی کی دعاؤں میں شدت آگئی تھی کہ وہ محبت سے دوری کی تکلیف سے گزر رہی تھی، گزر رہی تھی اس لئے دعا گو تھی کہ یہ تکلیف شانیہ کا مقدر کبھی نہ بنے۔

☆......☆......☆

ارمان شیرازی کے تو وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ ''مصطفیٰ ہاؤس'' بلالئے جانے کا یہ مقصد ہوگا۔ وہ ششدر رہ گئے تھے، بے یقینی سے سالار مصطفیٰ کو دیکھنے لگے تھے۔

''مسٹر اینڈ مسز حمزہ خان آئے تھے، زعیزعہ خان کا پروپوزل لے کر......''

''آپ نے اسی وقت صاف انکار کردینا تھا۔'' نیناں شیرازی ترنت سے بولی تھیں۔

''میں نے فی الحال اقرار، انکار کچھ نہیں کیا۔ سوچ کر جواب دینے کا کہا ہے۔'' وہ ملازمہ کے چائے لے کر آنے کے سبب کچھ دیر کے لئے خاموش ہوگئے تھے۔

''آپ نے وقت کیوں لیا، جب ہمیں اس گھٹیا شخص سے اپنی شیریں کی شادی کرنی ہی نہیں ہے۔'' وہ بھائی پر خفا ہوئی تھیں۔

''جس طبقے سے ہمارا تعلق ہے نینی! ہم مصلحتوں، روایتوں سے چاہ کر بھی باہر نہیں آسکتے، وہ چاہئے کیسے بھی لوگ ہوں، چل کر ہمارے گھر آئے، مہمان تھے ہمارے، ہم پر ان کا احترام لازم ہوگیا۔'' وہ چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے بولے تھے اور وہ دھیمی پڑ گئی تھیں کہ ان کی تربیت و پرورش ایک ہی ماحول میں ہوئی تھی گر انہوں نے اچھی تربیت والدین سے لی تھی تو ان کی تربیت میں تو سالار مصطفیٰ کا بھی ہاتھ تھا۔

''میں کب سے سالار سے کہہ رہی ہوں کہ ہم سب باہر شفٹ ہوجاتے ہیں، کم از کم شہیر و شیریں کو باہر سیٹل کردیتے ہیں مگر سالار نے میری ایک نہیں سنی، شہیر نہیں رہا اور شیریں پر پھر تلوار لٹکنے لگی ہے۔'' وہ جوان لوگوں کے آنے کے بعد پریشان تھیں، مضطرب سی بولی تھیں۔

''مجھے سمجھ نہیں آتا کہ پاکستان میں رہتے ہوئے ذرا بھی کچھ ہوا نہیں کہ اپنا ملک چھوڑ کر جانے کی پلاننگ ہونے لگی۔ کیا باہر ممالک میں مسائل نہیں...... یا وہاں رہتے ہوئے لوگوں کو موت نہیں آتی۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولے تھے۔

''تمہاری یہ سوچ ہر مسئلے میں اپلائی نہیں ہوسکتی سالار کہ تقدیر اگر بار بار پلٹا کر، بھگا کر ایک ہی کٹھن راستے پر لا رہی ہو تو منزل پر پہنچنے کے لئے راستہ بدلنا بھی پڑتا ہے، تقدیر سے ملنے والی مشکل راہ کو تدبیر سے آسان راہ میں بدلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنا پڑتے ہیں تب ہی منزل ملتی ہے کہ موت تو آنی ہے یہ کہہ کر خودکشی کر لینا کہاں کی دانشمندی ہے۔'' وہ شاید پہلی دفعہ سالار مصطفیٰ کی بات سے اختلاف کر گئے تھے۔

''تقدیر و تدبیر پر بحث فضول ہے، میں بس اتنا جانتا ہوں کہ راستہ چاہے کتنا کٹھن ہو نیک منزل کی طرف جاتا ہے تو سفر کی کٹھنائیوں کا برداشت کر لینا ہی دانشمندی ہے کہ اچھی کامیاب زندگی پلیٹ میں رکھ کر کبھی بھی کسی کو نہیں ملتی۔'' انہوں نے خالی مگ ٹیبل پر منتقل کیا تھا۔ پانچ نفوس میں وہ واحد تھے جنہوں نے اپنا کپ خالی کیا تھا باقی کسی نے تو چائے کی طرف نگاہ تک اٹھا کر نہ دیکھی تھی پینا تو دور کی بات تھی۔

''آپ سب کی چائے ٹھنڈی ہو گئی ہے۔ بہتر ہو گا چائے پئیں آپ سب اور شیریں کی ٹینشن چھوڑ دیں کہ وہ میری ذمہ داری ہے پہلے میں اپنے دل سے مجبور تھا اب اپنے بیٹے کے دل سے بھی مجبور ہوں۔ اپنی آخری سانس تک شیریں کا تحفظ کروں گا اس کی خوشیاں کسی زعیزعہ خان کو ہرگز بھی چھیننے نہیں دوں گا۔'' انہوں نے تینوں خواتین کے پریشان چہروں کی اور نظر کی تھی اور ٹھنڈی چائے کا مگ سنگل صوفے پر بیٹھے ارمان کی طرف بڑھا دیا تھا۔

''پی لو یار کبھی کبھی ٹھنڈی چائے بھی وہ مزہ دیتی ہے جو گرم نہیں دیتی۔'' وہ ان کے گھورنے پر ہنستے ہوئے بولے تھے۔

''تم جو اتنے ریلکس نظر آ رہے ہو تو یقیناً تم کچھ نہ کچھ حل نکال چکے ہو مگر اتنا یاد رکھنا کہ تمہاری پلاننگ میں دور دور تک عبیر نہیں ہونا چاہئے۔'' وہ مگ پکڑتے ہوئے بولے تھے اور سالار کے یکدم مضطرب ہو جانے پر گھونٹ گھونٹ کر کے چائے پینے لگے تھے۔

''عبیر۔''

''تمہارا نفس آشنا ہوں، جتنا تم خود کو نہیں جانتے ہو آگے اتنا میں تمہیں جانتا ہوں۔'' انہوں نے بیٹے کا نام ہی لیا تھا کہ ارمان شیرازی بول پڑے تھے جبکہ وہ تینوں نا سمجھ آنے والے انداز میں ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔

''شہیر کا پروپوزل تم نے سامنے رکھا میں نے قبول کیا...... تم نے تمام صورتحال کے بعد فوراً نکاح کا کہا میں نے شیریں کا شہیر سے نکاح پڑھوا دیا مگر اب صورتحال چاہئے کتنی گھمبیر ہو یہ ممکن نہیں ہے۔'' وہ کپ ٹیبل پر منتقل کر گئے تھے۔ ان تینوں میں اب رابعہ سالار کافی مطمئن نظر آنے لگی تھیں کہ یہ حل سامنے تو سالار مصطفیٰ کے انہوں نے ہی رکھا تھا۔

''کیوں ممکن نہیں ہے بھیا! آخر عبیر میں برائی کیا ہے؟''

انہوں نے بہن کو ناگواری سے دیکھا تھا۔

''برائی عبیر میں نہیں شیریں میں ہے یہ مت بھولو تم دونوں۔'' وہ قدرے غصہ سے بولے تھے۔ وہیں آتی شیریں باپ کی بات پر ٹھٹک کر رک سی گئی تھی۔

''فضول بات نہ کرنا ارمان۔'' وہ ٹوک گئے تھے۔

''فضول بات میں نہیں تم دونوں کر رہے ہو۔ عبیر اور شیریں کی شادی کا تم دونوں سوچ بھی کیسے سکتے ہو۔'' وہ جو سر جھٹک کر آگے بڑھنے لگی تھی یکدم اس کے قدم ٹھہر سے گئے تھے، اپنا نام عبیر کے ساتھ سن کر وہ ساکت سی رہ گئی تھی نگاہ اٹھی تھی کچھ فاصلے پر ہی تو یہ سب کہتے اس کے ڈیڈی بیٹھے تھے۔

''سوچ نہیں رہے، عبیر کا پروپوزل دے رہے ہیں۔'' ان کی سنجیدگی میں فرض نہیں آیا تھا اور اب وہ ماموں کو دیکھنے لگی تھی کہ لاڈ تو اس نے سب سے اٹھوائے تھے مگر باپ سے زیادہ اس نے اپنے ماموں سے اٹھوائے تھے اسے چھینک بھی آتی تھی وہ اس کے پاس موجود ہوتے تھے اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

''شہیر کے بعد اب عبیر کی جان کے دشمن کیوں بن گئے ہیں آپ بھیا، کہ شہیر کے بعد عبیر نے آپ کو سنبھال لیا عبیر کو کھو دیں تو کون ہوگا آپ کو سنبھالنے والا۔'' نیناں شیرازی کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''ہمارا اللہ ہمارا حامی و ناصر ہے تم دونوں الجھنے کی بجائے بات کی گھمبیرتا کو سمجھو کہ یہ فیصلہ لینا آسان نہیں تھا مگر صرف شیریں کے لئے لینا پڑا ہے۔'' سالار مصطفیٰ دھیمے سے بولے تھے۔

''شیریں کے لئے عبیر کی خوشیاں اس کی زندگی داؤ پر لگانے کی ضرورت ہرگز نہیں ہے۔'' ارمان دوٹوک انداز میں بولے تھے۔

''پلیز بھیا! یہ فیصلہ نہیں ہے محض میری خواہش ہے۔'' رابعہ سالار کی آنسوؤں میں بھیگی آواز سب ہی انہیں دیکھنے لگے تھے۔

''میں خودغرض بننا نہیں چاہتی مگر شہیر کے سکون، شیریں کی خوشی کے لئے مجھے خودغرض بننا پڑ رہا ہے۔ عبیر کا سکون، اس کی خوشیاں ہم داؤ پر لگا رہے ہیں مگر مجبور ہیں کہ اپنے بیٹے کے علاوہ کسی اور پر بھروسہ ہی نہیں کر سکتے۔'' انہوں نے اسباب سے ہی نہیں اپنے احساسات سے بھی ان سب کو آگاہ کیا تھا اسی وقت وہاں عبیر کی آمد ہوئی تھی اور اس کی آمد سے انجان نیناں شیرازی بولی تھیں۔

''ہم لاکھ مجبور سہی عبیر کی خوشیاں داؤ پر ہرگز نہیں لگائیں گے، شیریں کے لئے عبیر سے قربانی نہیں لیں گے کہ اسے اپنی زندگی میں اپنی مرضی و پسند کا لائف پارٹنر چننے کا پورا حق حاصل ہے اور ہم شیریں کے تحفظ کے لئے عبیر سے یہ حق چھین نہیں سکتے۔'' وہ صاف انکاری تھیں اور ارمان شیرازی ان کے ہمنوا تھے جبھی ان کی نگاہ عبیر پر پڑی تھی اور وہ ان لوگوں کے درمیان چلا آیا تھا۔

''اپنوں کے لئے قربانی دینی پڑتی ہے اور میں بہ خوشی راضی ہوں۔'' وہ دھیمے سے بولتا اپنے والدین کو مطمئن کر گیا تھا کہ وہ اسے وہاں اچانک دیکھ کر ڈر گئے تھے کہ رات تو وہ خاموشی سے چلا گیا تھا اور انہیں ڈر تھا کہ وہ ان سب کے سامنے انکار نہ کر دے مگر ان کے بیٹے نے ثابت کیا تھا کہ وہ اگر اس پر اعتبار کر رہے تھے تو غلط نہیں کر رہے تھے۔

''اپنے باپ کی زبان مت بولنا عبیر!'' وہ اس کے واضح اقرار پر غصہ سے پیچ و تاب کھاتے بولے تھے۔

''اٹھو نیناں۔'' وہ ان دونوں کو ہی اٹھنے کا اشارہ کر گئے تھے۔ یمنیٰ پہلی فرصت میں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں اور نیناں کو اٹھتے نہ دیکھ کر انہوں نے قدرے ناگواری سے انہیں چلنے کو کہا تھا اور وہ لامحالہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''آپ کو شادی پر اعتراض ہے یا میری قربانی دینے پر......'' وہ سالار کے روکنے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آگے بڑھے تھے کہ عبیر سوال کر گیا تھا۔ وہ اسے ناگواری سے دیکھنے لگے تھے۔

''اگر شادی سے اس لئے انکار ہے کہ میرے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے یا میں قربانی دے رہا ہوں، میری خوشیاں داؤ پر لگ رہی ہیں تو آپ کا انکار بے معنی ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہو رہا میرے ساتھ......اور اگر میں قربانی دے بھی رہا ہوں تو میں نے قربانی دینا سیکھا ہے شہیر بھیا اور شیریں سے ہی ہے اور اپنوں کی خوشی کے لئے شہیر بھیا اور شیریں قربانی دے سکتے ہیں تو میں آپ سب کی خوشی کے لئے قربانی کیوں نہیں دے سکتا۔'' اس کا لہجہ نہایت ہموار اور ٹھہرا ہوا تھا۔ اس نے چند جملوں میں ہی سب کچھ تو کہہ دیا تھا۔ وہ اسے محض ایک نظر دیکھتے

واپس بیٹھ گئے تھے۔ یکدم شیریں پلٹی تھی اور باہر کی جانب بڑھتی چلی گئی تھی۔ ارمان شیرازی کے واپس بیٹھنے پر وہ سب مطمئن ہو گئے تھے مگر یہ اطمینان چند منٹوں میں ہی غارت ہو گیا تھا کہ وہ اپنے مؤقف پر ابھی بھی قائم تھے اور الٹا ان تینوں کو سمجھا رہے تھے۔ سالار مصطفیٰ کافی دیر ان کے دلائل سننے کے بعد نرمی سے بولے تھے۔

”الجھنا، بحث کرنا بے کار ہے کہ میں فیصلہ لے چکا ہوں اور میں اپنی بیٹی کے لئے کوئی غلط فیصلہ نہیں لوں گا اس لئے ضرورت سمجھنے کی مجھے نہیں تم دونوں میاں بیوی کو ہے۔“

سالار مصطفیٰ کی گہری سنجیدگی پر وہ لب بھینچ گئے تھے۔

”ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں سالار، آپ مان کیوں نہیں لیتے؟“ وہ بھائی کے پاس ان کے برابر بیٹھتے ہوئے بولی تھیں۔

”تم دونوں کی محبت پر کوئی شک نہیں ہے مجھے، بس عبیر کی فکر ہے جیسے شیریں عزیز ہے، عبیر بھی پیارا ہے اور ایک اولاد کے لئے دوسری اولاد کے ساتھ ناانصافی کرنا غیر مناسب فعل ہے کہ جس وقت ارجنٹلی شہیر وہ شیریں کی شادی کا فیصلہ کرنا اس وقت ایک اطمینان تھا کیونکہ ہم سب کی یہی مرضی تھی اور شہیر کی خواہش تھی مگر اب ہم سب کی مرضی تو ہو سکتی ہے عبیر کی خواہش اور خوشی نہیں اور جب پہلے شہیر کی خوشی اس کی مرضی کا خیال رکھا گیا تھا تو اب عبیر کی مرضی و خوشی کا خیال کیوں نہیں رکھیں گے، اتنی خود غرضی کیوں دکھائیں گے ہم، کیوں تم سب عبیر سے اس کی مرضی چھین لینا چاہتے ہو، زبردستی کے رشتے سانس کا آزار بن جاتے ہیں، لمحہ لمحہ جان کنی کے مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے، مت گھسیٹو سالار، عبیر کو ان کانٹوں پر کہ یہ سانس بھی نہ لے سکے۔“ وہ اپنی کیفیات و زندگی بھر کا نچوڑ جیسے چند جملوں میں کہہ گئے تھے۔ مزید کہہ رہے تھے کہ نگاہ یمنیٰ تک گئی تھی اور ان کے دھواں دھواں چہرے کو دیکھ کر یکدم وہ لب بھینچ گئے تھے کہ وہ کیسی ہی کیفیات و تکلیف سے دوچار رہے ہوں کبھی یوں برملا اظہار نہ کیا تھا آج چند جملوں میں یمنیٰ کو لگا تھا کہ وہ زندگی بھر ارمان شیرازی کے ساتھ چلنے کے باوجود کبھی ان کے ساتھ نہیں تھیں یہ احساس تو زندگی بھر ان کے ساتھ چلا تھا مگر آج جس کی شدت اتنی تھی کہ انہیں اپنی ذات بے معنی لگنے لگی تھی یہ اور بات تھی کہ انہوں نے ارمان شیرازی کی ہمرائی میں صرف رشتوں کو جیا تھا اپنے لئے، محبت کے لئے جینا تو انہوں نے اسی وقت چھوڑ دیا تھا جب مشہود زندگی کی بازی ہار گیا تھا اور وہ زندگی جینے کی آرزو میں محض زندگی گزارتی آئی تھیں اور آج گزری زندگی کی تلخیاں سب کے سامنے بیان ہونے پر تڑپ اٹھی تھیں مگر تمام عمر مہر بہ لب رہی تھیں، اپنے آنسو خود سے ہی چھپائی ہوئی تھیں تو اب سرِ محفل کچھ کہہ کر، آنسو بہا کر اپنے ضبط کی توہین نہیں کر سکتی تھیں اس لئے وہ دونوں ہی لمحہ کے ہزارویں حصے میں خود کو کمپوز کر گئے تھے، کمرے کی فضا میں یکدم خاموشی پھیل گئی تھی۔

”آپ کچھ بھی کہیں ہمیں اس میں کوئی حرج نظر نہیں آ رہا کہ ہمیں شیریں کی سیفٹی کی بس ایک یہی راہ نظر آ رہی ہے دوسری کوئی راہ ہے تو ٹھیک ہے اپنے خود بتا دیجئے۔“ یہ فیصلہ خالصتاً رابعہ سالار کا تھا اس لئے وہ سب سے بڑی حامی تھیں اسی لئے انہیں راضی نہ ہوتے دیکھ کر ناپسندیدگی سے کہہ گئی تھیں اور وہ یکدم ہی چپ کے چپ رہ گئے تھے کہ کمرے کی خاموش فضا میں کب سے خاموش بیٹھیں یمنیٰ شیرازی

کی چپ بھی بالآخر ٹوٹ ہی گئی تھی۔

''فیصلہ درست ہے یا نہیں یہ بعد کی بات ہے مگر فی الحال غور طلب بات یہ ہے کہ یہ قدم مناسب وقت پر اٹھایا بھی جا رہا ہے یا نہیں؟''

سب کی نظروں کا وہ یکدم ہی مرکز بن گئی تھیں۔ ''زعیزعہ خان نے پہلے شیریں کی شادی پر کوئی ایکشن نہیں لیا تو ضروری نہیں کہ اس بار بھی اس کے ساتھ پہلے جیسا ہو اور وہ خاموش رہے کہ بار بار اپنی توہین کوئی برداشت نہیں کرتا۔''

''بھابھی! آپ کہنا کیا چاہتی ہیں۔'' سالار مصطفیٰ درمیان میں ہی بول پڑے تھے۔

''شادی کا فی الحال فیصلہ درست نہیں کہ مجھے لگتا ہے کہ پہلے جیسا ہوا تو اس بار زعیزعہ خان بالکل برداشت نہیں کرے گا، شادی سے کہیں بہتر یہ ہوگا کہ شیریں کو باہر بھیج دیا جائے کہ شہیر کی موت کے بعد ابھی وہ سنبھلی نہیں ایسے میں وہ شادی اور خاص کر عبیر سے شادی قبول نہیں کر پائے گی۔'' انہوں نے فی الحال ان سب میں سب سے زیادہ سمجھداری اور دانشمندی کا ثبوت فراہم کیا تھا۔

''یمنیٰ نے بالکل درست جانب اشارہ کیا ہے۔'' نیناں ان کے خاموش ہوتے ہی بولی تھیں۔

نئی بحث چھڑ چکی تھی طول پکڑتی کہ آہٹ پر سالار مصطفیٰ نے نگاہ اٹھائی تھی اور چوکیدار کو دیکھ کر وہ ناگواری سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''خان! تم ادھر کیا کر رہے ہو؟'' قدرے غصہ سے پوچھا تھا۔

''ام معافی چاہتا ہے صاحب، مگر ام کو آنا پڑا کہ چھوٹی بی بی کہیں چلی گئی ہے۔'' وہ ترنت سے بولا تھا اور وہ نا سمجھ آنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگے تھے۔

''تم کس کی بات کر رہے ہو؟''

''ام شہیر صاحب کی دلہن کی بات کرتا ہے صاحب، وہ کہیں چلی گئی ہے، ہمارے روکنے پر بھی نہیں رکی۔''

انہیں اپنے قدموں سے زمین سرکتی محسوس ہوئی تھی۔

''یہ کیا بکواس ہے خان، شیریں ایسے کب کہیں جاتی ہے تو جائے گی۔''

''ام جانتا ہے صاحب کہ بی بی اکیلے کہیں نہیں جاتی، اسی لئے ام نے روکا مگر وہ نہیں رکا، ہم زبردستی بھی نہیں کر سکتا تھا صاحب اس لئے بھاگم بھاگ بتانے آیا کہ ہماری کال بھی کسی نے ریسیو نہیں کی۔'' وہ عجلت میں تمام تفصیل کہتا چلا گیا تھا۔ وہ بدحواس سے باہر کی طرف لپکے ان کے پیچھے ہی عبیر اور ارمان تھے۔ انہوں نے عبیر کو ارمان کے ساتھ جانے کا کہا تھا اور گیراج میں کھڑی اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گئے تھے جس وقت ان کی گاڑی کھلے گیٹ سے باہر نکلی تھی ارمان شیرازی کو باہر اپنی گاڑی میں گئے کوئی پانچ منٹ ہو گئے تھے۔ وہ گاڑی آگے بڑھاتے تے کہ اسی پل ان کے برابر بینگلو میں مقیم ولید انصاری ان کی گاڑی کے سامنے آ گیا تھا۔ انہیں لامحالہ بریک لگانے پڑے تھے۔

''انکل۔''

''ولید۔میں اس وقت بہت جلدی میں ہوں بیٹا۔آ کر تم سے بات کرتا ہوں۔'' وہ اس کے کچھ کہنے سے پہلے بولتے گاڑی آگے بڑھا لینا چاہئے تھا مگر ولید انصاری کا جملہ سن کر ایسا کر نہیں پائے تھے اور گاڑی میں بیٹھے بیٹھے شیشے پر قدرے جھکے ولید انصاری کو دیکھنے لگے تھے۔

''تمہیں یقین ہے کہ شیریں ہی تھی؟'' وہ گاڑی سے باہر آتے ہوئے بولے تھے۔

''انکل۔میں ٹیرس کی چھت پر کھڑا تھا تب میں نے بھابھی کو پیدل ہی وہ بھی اکیلے کہیں جاتے دیکھا، مجھے بے حد حیرانگی ہوئی تھی کہ سب ہی جانتے ہیں کہ آپ کے گھر کی خواتین کبھی گھر سے اکیلے نہیں نکلتیں۔'' وہ آنکھوں دیکھی سناتا جا رہا تھا اور پل پل ان کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔

''میں پہلی ہی حیرانگی سے نہیں نکلا تھا کہ یکدم میں نے دیکھا کہ کافی دیر سے ہماری اسٹریٹ پر چکراتی فقیرنی یکدم الرٹ ہوگئی اور بھابھی کے سامنے رک کر اس نے ہاتھ پھیلا دیا، زیادہ فاصلہ ہونے کی وجہ سے یہ صاف تو نہیں دیکھ پایا کہ ان دونوں نے ایک دوسرے سے کیا کہا اور کیسے یکدم وہ عورت بھابھی کا ہاتھ تھامے کچھ فاصلے پر ٹھہری گاڑی تک لے گئی اور انہیں زبردستی اس میں بٹھایا یا بھابھی اس کے ساتھ اپنی مرضی سے بیٹھیں اور گاڑی میری نظروں سے آناً فاناً دور ہوگئی۔''

تمام تفصیل وہ سالار مصطفیٰ کے گوش گزار کر گیا تھا۔

''تمہیں یقین ہے بیٹا کہ وہ شیریں ہی تھی۔'' یہ جملہ کچھ دیر قبل بھی ان کے لبوں سے آزاد ہوا تھا۔تمام تفصیل سن کر یکدم زعیزعہ خان کا خیال آیا تھا اور وہ بے چینی سے جملہ دوہرا گئے تھے اور اس نے اثبات میں گردن ہلا دی تھی اور اس سے گاڑی کا کلر اور عورت کا حلیہ پوچھتے اس کا شکریہ ادا کرتے گاڑی میں بیٹھے تھے اور گاڑی ''خان ولاز'' کے راستوں پر ڈال دی تھی کہ زعیزعہ خان کے علاوہ ان کا شک کسی پر جا ہی نہیں سکتا تھا۔

☆......☆......☆

''شیریں کہاں ہے زعیزعہ خان۔'' دروازہ ایک جھٹکے سے کھول کر وہ کمرے میں داخل ہوئے تھے۔بیڈ پر دراز زعیزعہ خان انہیں دیکھ کر ہی نہیں سنبھلا تھا کہ ان کا سوال اسے ششدر کر گیا تھا۔

''مجھے کیا معلوم شیریں کہاں ہے۔'' وہ بستر چھوڑ کر ان کے مدمقابل آن کھڑا ہوا تھا اور انہوں نے الٹے ہاتھ کا ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر لگایا تھا اور اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔

''تڑاخ! بکواس بند کر کے سیدھی طرح سے بتاؤ کہ شیریں کہاں ہے۔'' وہ اشتعال کی حدود کو چھوتے اس کا گریبان جکڑ گئے تھے۔

''دیکھو کمشنر، میں واقعی کچھ نہیں جانتا، تمہاری بات، تمہاری یہاں آمد مجھے الجھا گئی ہے۔'' وہ گریبان ایک جھٹکے سے آزاد کرواتے ہوئے بولنے لگا تھا کہ وہ درمیان میں چیخے تھے۔

''ڈرامے بند کرو زعیزعہ خان، صاف صاف بتاؤ شیریں کہاں ہے۔''

ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا قتل کر دیں۔

''مجھے کیا پتہ، شیریں کہاں ہے۔'' اب کہ وہ بھی چیخا تھا۔

''شیریں کڈنیپ ہو چکی ہے زعیزعہ خان۔'' کوئی دھماکہ کیا گیا تھا وہ بے یقینی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

''یہ حرکت تمہارے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا، سیدھی طرح سے بتاؤ شیریں کہاں ہے، کہاں رکھا ہے تم نے شیریں کو۔'' ان کا لہجہ بے بسی سمیٹ لایا تھا۔

''اپنے دماغ کا علاج کرواؤ کمشنر، میں کیوں شیریں کو کڈنیپ کرواؤں گا، جب کڈنیپ کروانے کا وقت تھا تب نہیں کروایا تو اب کیوں کرواؤں گا۔''

دونوں اپنے اپنے مؤقف پر قائم تھے وہ سو فیصدی یقین کے ساتھ کہہ رہے تھے کہ اس نے شیریں کو کڈنیپ کیا ہے اور وہ ان کے یقین سے لبریز الزام پر خود کو کمپوز کرتا گہری سنجیدگی سے بولا تھا۔

''خدا کے لئے زعیزعہ خان، بند کرو ڈرامہ بتاؤ مجھے شیریں کو کہاں چھپا کر رکھا ہے۔'' وہ اب کے ملتجی ہوئے تھے۔

''شیریں کو زعیزعہ خان نے اپنے دل میں چھپا کر رکھا ہے۔ لے جا سکتے ہو تو لے جاؤ کہ یہ شیریں کی نہیں میری اسیری ہے۔ میں آزاد ہونا چاہتا ہوں شیریں سے، شیریں کے حصار سے، شیریں کی محبت سے، شیریں کے عشق سے۔ لے جاؤ نکال کر میرے دل سے شیریں کو۔ لے جاؤ میرا دل کمشنر۔'' وہ سینے پر ہاتھ باندھے گہری یاسیت سے بولا تھا لحظہ بھر کو سالار مصطفیٰ اس کے انداز میں جکڑ گئے تھے کہ اس کا انداز صاف اس کے من کی سچائی کو عیاں کر رہا تھا اور ان کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر وہ بولا تھا۔

''یقین کرو کمشنر کہ میں نے شیریں کو کڈنیپ نہیں کیا کہ یہی اوچھی حرکتیں کرنی ہوتیں تو وہ تمہاری بہو نہ بنتی۔''

''دیکھو زعیزعہ، میں بہت پریشان ہوں، ہاتھ جوڑتا ہوں تمہارے آگے، خدا کے لئے جھوٹ مت بولو، سچ کہہ دو کہاں ہے شیریں، اس کی طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے۔ مر جائے گی وہ، خدا کے لئے رحم کرو زعیزعہ۔''

ساتھ ہی انہوں نے باقاعدہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

''میرے سچ پر یقین کب کرتے ہو تم لوگ، نہ کبھی میرے من کی سچائی پر شیریں کو یقین آیا، نہ ہی میرے لفظوں کی سچائی پر یقین کرنے کی کوشش کی۔ تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ میں کچھ نہیں جانتا، میں نے شیریں کو کڈنیپ نہیں کیا۔ شیریں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کمشنر میں نے یہ ذلیل حرکت نہیں کی۔''

وہ اسے دیکھ رہے تھے اس کے چہرے پر سچائی نور کی مانند پھیلی ہوئی تھی ان کے قدم لڑکھڑا گئے تھے۔

''دیکھو کمشنر، شیریں کی کڈنیپنگ کوئی عام بات ہرگز نہیں، اسے ڈھونڈو، وقت ضائع نہ کرو۔ مجھے بتاؤ یہ سب کیا، کیسے ہوا، میں تمہاری مدد کروں گا۔''

انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس پر یقین کریں یا نہ کریں کہ اس نے دھیمے سے کہتے ہوئے آفر کر دی تھی اور انہوں نے ولید انصاری سے ملنے والی معلومات اس کے گوش گزار کر دی تھیں۔

''تم شیریں کو ڈھونڈو۔ میں بھی کوشش کرتا ہوں، یقین ہے مجھے تمہیں مجھ پر یقین نہیں مگر یاد رکھنا کمشنر کہ تمہارا اور میرا نقصان ایک ہے مگر یہ تم کبھی نہیں سمجھو گے، کبھی نہیں سمجھو گے کہ زعیزعہ خان نے شیریں کے لئے اپنا کیا کچھ نہیں تیاگ دیا۔ شیریں سے محبت کیا ہوئی بدل گیا میں، شیریں کا عشق مجھے برا کرنے نہیں دیتا، شیریں کے ساتھ کیسے برا کر سکتا ہوں، میرا جنوں میرے من کا روگ سہی کمشنر مگر میرا عشق مجھے وہ کرنے نہیں دیتا جو میں چاہتا ہوں کہ میرا عشق میرے ہاتھ نہ باندھتا تو آج تمہیں میرے پاس شیریں کا پوچھنے نہ آنا پڑتا کہ وہ پہلے ہی میری دسترس میں ہوتی میرے عشق کی سچائی نے کبھی مجھے شیریں کو حاصل کرنے نہیں دیا۔ میں اسے پانا چاہتا تھا، حاصل کرنے اور پا لینے میں زمین آسمان کا فرق ہے کمشنر، اور جس بات کی جواب طلبی کو تم مجھ تک آئے ہو یہ حاصل کی راہ ہے جو میں نے کبھی نہیں چنی اس لئے وقت ضائع نہ کرو شیریں کو میری نظر سے ڈھونڈو گے تو میرے آس پاس وہی نظر آئے گی۔ اپنی نظر سے ڈھونڈو گے تو وہ میرے آس پاس تو کیا کوسوں دور بھی نظر نہیں آئے گی اس لئے وقت ضائع نہ کرو اور اسے کہیں اور تلاش کرو کہ من میں چھپی چیزوں کو قسمت سے چرا لینے کی چاہ تو بہت ہوتی ہے مگر یہ من کی راہیں، عشق کی جنوں خیزیاں کبھی اس چاہ کو خود ہی پورا نہیں ہونے دیتیں کہ قسمت سے تو عشق بھی نہیں لڑ سکتا، جو من چھپا ہے وہ بس من میں ہی چھپا ہے، گھر میں نہیں چھپ سکتا کہ من سے مندر تک لانے میں قسمت بیچ میں پڑی ہے اور من تو ہمیشہ ٹھہرتا ہی اس پر ہے جو قسمت سے دور ہوتا ہے، من کے مکین، گھر کے مکین نہیں بنتے کہ مقدر کی مار 'من' کے نصیب میں تنہائیاں لکھ دیتی ہیں، من میں چھپے ہوئے لوگوں کو گھر میں نہیں ڈھونڈتے کمشنر، کہ من میں چھپی تصویر کو دیکھنے کے لئے بصیرت اور گھر میں چھپی تصویر کو دیکھنے کے لئے بصارت کی ضرورت ہوتی ہے اور بصارت کہاں بصیرت کا سامنا کر سکتی ہے۔ میرے من کی آنکھ سے نہ دیکھو کہ شیریں چار سو ہے، اپنے دماغ کی آنکھ سے دیکھو اور لوٹ جاؤ کہ یہاں تمہیں صرف شیریں کا احساس ملے گا، شیریں تمہیں نہیں مل سکتی۔'' آج زعیزعہ خان ان کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ گیا تھا۔ بارہا انہیں اس کی سچائی محسوس ہوئی تھی اور آج تو لگتا تھا کہ وہ اس کے جذبات کے آگے ہار رہے ہوں، انہیں شدت سے احساس ہوا تھا کہ 'عشق' کا اگر کوئی مجسم روپ ہوتا تو وہ زعیزعہ خان کو سامنے رکھ سکتے تھے۔ انہوں نے اس کی بھیگی آنکھیں دیکھی تھیں۔

''کمشنر جب سے عشق کیا ہے من تو کیا تن بھی مجھ سے وفا نہیں کرتا عشق کا ذکر کرتا ہوں تو من کی دہلیز آندھیوں کی زد پر ہوتی ہے اور آنکھ کی دہلیز نمی سمیٹ لاتی ہے۔'' وہ ان کی بے یقینی بھانپتا آنسو پور پر چنتا، ہوا میں اچھالتے ہوئے بولا تھا اور وہ کچھ کہے بغیر پلٹ گئے تھے کہ آج زعیزعہ خان نے اتنا کچھ کہہ دیا تھا کہ ان کے کہنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی تھی۔

''کمشنر، شیریں مل جائے تو ایک فون ضرور کر دینا۔ میری لگن، میری کوشش کامیاب ہوئی تو میں خود شیریں کو تمہارے پاس چھوڑنے آؤں گا کہ میں اسے قسمت سے چرانا نہیں چاہتا۔ قسمت سے پانا چاہتا ہوں۔'' ان کے کانوں میں اس کی آواز پڑی تھی اور وہ

کمرے سے نکل آئے تھے۔ وہ پلٹا تھا ریوالور، وائلٹ اور موبائل اٹھا کر جیب میں ٹھونسے تھے اور بڑی عجلت میں کمرے سے نکلا تھا۔

''زعیزعہ۔'' عکاشہ کی آواز پر اس کے اٹھتے قدم تھم سے گئے تھے۔

''عکاشہ۔ اس وقت بہت جلدی میں ہوں، تم سے آ کر بات کرتا ہوں۔'' وہ نظر انداز کرتا آگے بڑھا تھا کہ وہ اس کی راہ میں آ گئی تھی اور وہ اسے گھورتے ہوئے بولا تھا۔

''تمہارے پاس میرے لئے وقت کیوں نہیں ہوتا۔''

اس نے عکاشہ کو پرے دھکیل کر نکلنا چاہا تھا اور وہ لڑکھڑائی تھی، اشتعال میں آئی تھی اور سنبھل کر اس کی پھر راہ میں آ گئی تھی۔

''بکواس بند کرو اور ہٹو میرے راستے سے۔'' وہ اس کی حرکت پر پیچ و تاب کھاتے ہوئے غرایا تھا۔

''آج میں تمہیں کہیں جانے نہیں دوں گی۔ میں نے تمہارے لئے اپنی زندگی برباد کر دی اور تمہاری یہ بے نیازی ہی ختم نہیں ہوتی۔'' وہ اس کا بازو جکڑ گئی تھی۔

''تراخ! اپنی حد میں رہو عکاشہ ورنہ جان سے مار دوں گا۔'' وہ اشتعال کو چھوتا غرایا تھا۔

''مار تو تم نے دیا ہے مجھے زعیزعہ خان، جان نکلنا رہ گئی تھی۔ آج جان بھی نکال لو مگر آج کہیں نہ جاؤ، کبھی تو میری محبت کو سمجھو۔ تمہاری خاطر، تمہارے قریب رہنے کے لئے تمہارے باپ سے شادی کر لی اور تم مجھے میسر ہی نہیں آتے۔ اتنی بھی کیا سنگدلی، ایسی بھی کیا نفرت۔'' وہ تھپڑ کھا کر بے یقین تھی رخسار پر ہاتھ رکھے آنسوؤں سے لبریز آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''بکواس بند کرو عکاشہ، میرے پاس وقت نہیں تمہاری گھٹیا باتیں سننے کے لئے۔'' وہ نفرت سے پھنکارتا اس پر ایک قہر آلود نگاہ ڈالتا آگے بڑھا تھا۔

''میں اگر شیریں کا بتاؤں گی تب بھی تم مجھے وقت نہیں دے پاؤ گے؟'' عکاشہ کی سرد آواز کانوں میں کیا پڑی تھی قدم ٹھہر گئے تھے اور اس کو پلٹ کر دیکھا تھا جو اس کے دیکھنے پر مسکرا دی تھی۔

''شیریں کے بارے میں تم کیا جانتی ہو۔'' وہ اس کے عین سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔

''یہ پوچھو کہ شیریں کے بارے میں کیا نہیں جانتی ہوں۔'' وہ معنی خیزی سے بولی تھی۔

''اس تمام بکواس کا مطلب......''

''بکواس، چلو ٹھیک ہے بکواس کرتی ہوں میں......تو چپ کر جاتی ہوں کہ اب عکاشہ کم از کم تمہاری کوئی بات نہیں ٹال سکتی۔'' وہ اس کی بات اچک کر معنی خیزی سے بولی تھی۔ ''مگر پھر تم یہ کیسے جان سکو گے کہ شیریں کہاں ہے؟''

وہ پر سوچ انداز میں کہتی زعیزعہ خان کو پوری طرح اپنی جانب متوجہ کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

''شیریں کے بارے میں کیا جانتی ہو، بتاؤ مجھے۔'' وہ اس کے عین سامنے رکتے ہوئے بولا تھا۔

''میں تو سب ہی کچھ جانتی ہوں۔تم مجھ سے کیا جاننا چاہتے ہو۔'' اس نے ایک ادا سے اپنے شولڈر کٹ سلکی بال جھٹکے تھے اور زعیز عہ خان کا ضبط بکھرنے لگا تھا۔

''میں اس وقت بہت پریشان ہوں عکاشہ! بہتر ہوگا اپنی بکواس بند کردو۔'' وہ لب بھینچ کر بولا تھا اور وہ ہنستی چلی گئی تھی۔

''بند کردی بکواس کہ میری جان، تمہاری تو کوئی بھی بات ٹالی نہیں جاتی۔'' وہ ہنستی ہوئی اس تک پہنچی تھی ان دونوں کے درمیان محض انچ بھر کا فاصلہ تھا اس کے آنکھ دبا کر کہنے پر وہ لب بھینچ کر اسے دل ہی دل میں گالی دیتے ہوئے آگے بڑھتا کہ وہ اس کے بازو پر گرفت کرگئی تھی۔

''اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ شیریں کو کس نے کڈنیپ کیا ہے، وہ کہاں ہے اس وقت، تو مجھے نظر انداز کر کے جاسکو گے؟'' وہ چبا چبا کر گہرے طنز سے بولی تھی اور وہ تو لمحہ بھر کو آسمان وزمین کے درمیان معلق ہوکر رہ گیا تھا۔

''کیا کہا تم نے؟'' اس کے لب میکانکی انداز میں ہلے تھے اور وہ قہقہہ لگادی تھی۔

''وہی جو تم نے سنا زعیز۔'' وہ اس کو معنی خیزی سے دیکھتے ہوئے اس کا بازو چھوڑتی صوفے تک بڑھی تھی اور ایک ادا سے ٹانگ پر ٹانگ جما کر بیٹھ گئی تھی وہ جتنا بے سکون ہو چکا تھا وہ اتنے ہی سکون میں تھی۔

''تم شیریں کی کڈنیپنگ کے بارے میں کیسے اور کیا جانتی ہو بتاؤ مجھے۔'' اس کے سکون سے چڑ کر وہ چیخا تھا۔

''ڈیئر زعیز! تم نے مجھے بکواس نہ کرنے کو کہا تھا۔قسم سے تمہاری کوئی بات نہیں ٹال سکتی اس لئے اب چپ ہوں ورنہ بتادیتی سب۔'' وہ زعیز عہ خان کے ضبط کو آزما رہی تھی۔

''فضول بکواس بند کر کے مجھے بتاؤ کہ تم کیا جانتی ہو۔'' وہ غرایا تھا۔

''میں نہ بتاؤں تو......؟'' اس کو چیلنجنگ انداز میں دیکھا تھا۔

''عکاشہ! تم سچ میں جانتی ہو یا بس یونہی میرا وقت برباد کر رہی ہو۔'' وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس کی بات کا یقین کرے یا نہ کرے کیونکہ وہ اس وقت خود کو یقین کرنے پر مجبور پا رہا تھا کہ جو بات صرف شیریں کے گھر والوں کے علم میں تھی اگر وہ اس بارے میں کچھ کہہ گئی تھی تو یقین نہ کرنے کا جواز نہ تھا کہ یقین کرنے کے لئے تو یہی بات کافی تھی کہ اس نے شیریں کے کڈنیپ کا ذکر کیا تھا اور یہ ذکر آگاہی پر ہی تو مبنی تھا لاعلمی میں وہ ہوا میں تیر نہیں چلا سکتی تھی۔

''اپنا وقت تمہارے پیچھے اتنا برباد کرچکی کہ اب دل کرتا ہے کہ تم میرے لئے وقت برباد کرو مگر تمہارے پاس تو آج بھی میرے لئے وقت نہیں......تم جاسکتے ہو زعیز، میں تمہیں ہرگز بھی نہیں روکوں گی۔'' وہ اٹھی تھی اور اس کے سامنے ٹھہر کر گہری سنجیدگی سے کہتی آگے بڑھی تھی کہ اب وہ اس کا بازو جکڑ گیا تھا۔

''عکاشہ! اگر تم شیریں کی کڈنیپنگ کے بارے میں کچھ بھی جانتی ہو تو پلیز بتاؤ مجھے۔'' اس کا بس چلتا تو حلق میں انگلی ڈال کر اگلوا

لیتا مگر مجبوری ہی تو یہ تھی کہ اس کا بس نہیں چل سکتا تھا اس لئے نہایت نرمی سے بولا تھا اور دلکشی سے ہنس دی تھی۔

''پلیز! یہ سورج کہاں سے نکلا ہے کہ زعیزعہ خان اور 'پلیز' واؤ...... خوشی سے مر نہ جاتی اگر اعتبار ہوتا۔'' وہ اس کی خوبصورت سرخ ڈوروں والی دلنشین آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی تھی۔

''میرے ضبط کو نہ آزماؤ عکاشہ......'' وہ خود پر کنٹرول کرتا اس کے بال گدی سے جکڑ گیا تھا ایک تکلیف دہ احساس عکاشہ کو رگ و پے میں اترتا محسوس ہوا تھا۔

''یہ مت فراموش کرو زعیزعہ کہ میں سچ میں شیریں کی کڈنیپنگ کے بارے میں جانتی ہوں...... ہرگز بھی ہوا میں تیر نہیں چلا رہی۔'' وہ بال چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے تکلیف سے کراہی تھی یکدم اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی وہ جتنا اس سے نرمی سے پوچھ رہا تھا اتنے ہی اس کے نخرے بڑھتے جا رہے تھے اور اس کی برداشت نے جواب دے دیا تھا اس نے جیب سے ریوالور نکال کر اس کی پیشانی پر ٹکا دی تھی۔ یکدم وہ ہنس دی تھی۔

''مجھے تم شوق سے گولی مار دو زعیزعہ! مگر یہ مت بھولنا کہ میں مر گئی تو کس سے پوچھو گے اپنے عشق کا پتہ...... کون بتائے گا تمہیں کہ شیریں کو کس نے کڈنیپ کیا ہے کہاں ہے وہ اس وقت......'' وہ ریوالور سے ہی نہیں اس کے جارحانہ اشتعال انگیز تیوروں سے بھی ہرگز خائف تک نہ ہوئی تھی۔ یکدم اسے احساس ہوا تھا کہ آج بازی اس کے ہاتھ میں نہیں اور جو بازی اپنے ہاتھ میں نہ ہو، شکست بہت قریب ہوتی ہے اور اس شکست کو فتح میں نرمی سے ذرا سا جھک کر ہی بدلا جا سکتا تھا اور پینترا بدلنے میں تو اسے ملکہ حاصل تھا۔ وہ ریوالور واپس جیب میں رکھتا خود کو کمپوز کرتا سوچ رہا تھا کہ ایسا کیا کہے، ایسا کیا کرے کہ وہ اس کے قابو میں آ جائے اس نے عکاشہ کے چہرے کی طرف دیکھا تھا آج وہ ہر دن سے زیادہ چالباز و چالاک لگی تھی اس سے اچھے کی توقع ہی عبث تھی۔ لمحہ لگا تھا یہ جاننے میں کہ وہ سب کچھ جاننے کے باوجود بھی اسے کچھ نہیں بتائے گی اور اس سے اگلوانے کے لئے اسے کچھ کرنا پڑے گا کیا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ یکدم اس کے دماغ میں کچھ کلک ہوا تھا اور جیب میں ریوالور رکھتا ہاتھ تھم سا گیا تھا۔ اس نے عکاشہ کے حسین چہرے کی طرف نظر کی تھی۔

''تم بتا رہی ہو مجھے شیریں کے بارے میں یا نہیں؟'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا تھا اور وہ صاف انکار کر گئی تھی۔

''میں کیوں بتاؤں، مجھے کیا فائدہ جو میں تمہاری مدد کروں۔ تمہارے پاس میرے لئے کبھی ایک لمحہ کا بھی وقت نہیں ہوتا تو آج میں تمہاری مدد کروں تو کیوں؟'' وہ اس کے حسین خوبرو چہرے کو دیکھ رہی تھی ہمیشہ وہ چاند کی مانند رہا تھا اس کے لئے، دسترس سے دور اور نگاہ و دل کے سب سے قریب تر۔ اس نے نگاہ کا زاویہ بدل ڈالا تھا کہ اس کا چہرہ نارسائی کی آگ کو بھڑکا دیتا تھا۔

''شیریں میری زندگی ہے عکاشہ! اگر میں آج اس تک نہ پہنچ سکا تو زندگی بے معنی ہے میرے لئے۔''

وہ کہتے ساتھ ہی ریوالور اپنی کنپٹی پر رکھ گیا تھا۔ وہ کچھ مضطرب ہو گئی تھی۔

''تم مجھے بتا رہی ہو شیریں کہاں ہے یا میں اپنی جان لے لوں۔'' وہ یکدم بہت سفاک لگا تھا وہی زعیزعہ خان جس سے وہ

خائف رہتی تھی، جس نے اس کی محبت اس سے چھین کر اسے ہجر کی آگ میں جھونک دیا تھا۔

''یہ کیا بکواس ہے زعیز......'' وہ بے چینی سے اس کی طرف بڑھی تھی۔

''تم جانتی ہو مجھے کہ جو سوچ لوں کر کے رہتا ہوں۔ اس لئے اپنی کہوں بتا رہی ہو مجھے کہ شیریں کو کس نے کڈنیپ کیا ہے یا نہیں؟'' وہ سختی سے باور کراتے بے لچک لہجہ میں بولا تھا اور وہ جیسے ہار گئی تھی کہ اسے زعیز عہ خان بہت عزیز تھا۔

''تم ریوالور نیچے کرلو زعیز، میں سب کچھ تمہیں بتا دوں گی۔'' اس کے لہجہ میں اس کی شکست بول رہی تھی کہ اس نے سوچا تھا کہ آج وہ زعیز عہ خان کو مانگ لے گی مگر وہ اسے کس نہج پر لے گیا تھا۔

''تم صرف زبان کھولو، ریوالور خود ہی جیب میں منتقل ہو جائے گی۔'' وہ اپنے منصوبہ کی کامیابی پر خود کو داد و تحسین سے نوازتے ہوئے بظاہر گہری سنجیدگی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

''شیریں کو حمزہ نے کڈنیپ کروایا ہے۔''

وہ بے یقینی سے عکاشہ کو دیکھ رہا تھا۔

''ایسا نہیں ہوسکتا جھوٹ کیوں بول رہی ہو۔'' اس کا ہاتھ خود بہ خود نیچے ہو گیا تھا اور اس کے لب ہلے تھے وہ کوئی جواب دیتی کہ کب سے ان دونوں کو آپس میں الجھتے دیکھ، اپنی آنکھوں سے بے خبری کی پٹی اتارتے جا رہے تھے یکدم ان کے درمیان آ گئے تھے۔

''یہ جھوٹ نہیں ہے۔ اس لڑکی کو میں نے ہی کڈنیپ کروایا ہے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولے تھے اور وہ حیرانگی سے نکلتا وجہ دریافت کر گیا تھا۔

''جب سے تم اس لڑکی کے چکر میں پڑے ہو نا کارہ ہو کر رہ گئے ہو، اسے راستے سے ہٹانے کو کیا ہے یہ سب۔'' وہ اس کے غصہ کو کسی خاطر میں لائے بغیر بولے تھے۔

''اس بارے میں آپ سے بعد میں بات کروں گا، آپ فی الحال صرف اتنا بتائیے کہ شیریں کہاں ہے؟'' وہ تنفر و غصہ سے بولا تھا۔

''یہ تو میں بتانے سے رہا۔'' وہ صاف انکاری ہو گئے تھے۔

''ڈیڈ! پلیز، یہ حرکتیں زیب نہیں دیتیں آپ کو، مجھے شیریں کا بتائیے۔''

''تمہیں زیب دیتی ہیں تمام حرکتیں، تم جو چاہے کرتے پھرو، جو چاہے باپ سے کہہ دو، لحاظ شرم کچھ نہیں ہے تمہارے اندر، تو یاد رکھو میں تمہارا باپ ہوں جو چاہے کروں گا، تم جواب طلبی کرنے والے ہوتے کون ہو۔'' وہ اس سے پہلے ہی خفا تھے اور پر سے فون پر اس کی بکواس سن کر تو شدید غصہ میں اٹھے اور غصہ و ناراضگی کے باوجود شیریں کے لئے اس کا رشتہ لے کر گئے تھے اور انکار پر اشتعال میں آ گئے تھے کہ انہوں نے واضح انکار نہ کرنے کے باوجود اپنا انکار ان تک صاف پہنچا دیا تھا اور وہ بیٹے کے تیوروں سے خائف تھے کہ وہ جس طرح پہلے ان کے امیدوں پر پورا اترتا تھا بلکہ انکی امید سے بڑھ کر رزلٹ دیتا تھا وہ سب ناپید ہو گیا تھا اس لئے انہوں نے شیریں کو راستے سے

ہٹانے کی پلاننگ کی تھی اور یہ ان کی خوش نصیبی تھی کہ وہ آج ہی اپنے منصوبہ کو پایۂ تکمیل پہنچانے میں کامیاب ہو گئے تھے کہ شیریں نے سب کی باتیں سنی تھیں اور غصہ میں دلبر داشتہ ہو کر اکیلے ہی گھر سے نکل گئی تھی، زندگی میں پہلی دفعہ یہ حماقت کی تھی جو پہلی ہی دفعہ میں جان کا عذاب بن گئی تھی۔

''میں آپ سے فی الحال الجھنا نہیں چاہتا ڈیڈ۔ مجھے بتایئے آپ نے شیریں کو کہاں رکھا ہے۔'' وہ باپ کے غصہ پر لب بھینچتا گہری سنجیدگی سے بولا تھا۔

''آپ سمجھ کیوں نہیں رہے ڈیڈ، وہ لڑکی میری زندگی ہے، عشق ہے وہ میرا، آپ میرے راستے کے کانٹے چن نہیں سکتے تو کم از کم ان راستوں کو اور دشوار نہ کریں کہ آپ کے لئے تو میری خوشی عزیز ہونی چاہئے، میری پرواہ ہونی چاہئے مگر ہمیشہ آپ کو میرے علاوہ اپنی اور سب کی پرواہ رہتی ہے۔'' وہ کہہ غصہ میں رہا تھا مگر اس کے لہجے میں نہ جانے کیا دکھ تھا کہ حمزہ خان بے چین ہونے لگے تھے کہ وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا ان کی امیدوں، محبتوں کا واحد مرکز۔

''میں اگر برا ہوں تو سبب آپ بھی ہیں کہ آپ نے مجھے کبھی اچھے و برے کا فرق نہیں بتایا اور میں آپ کو کاپی کرتا آپ جیسا بن گیا۔ اور آپ جیسا بننے کے بعد میں نے بہت کچھ حاصل کیا مگر آپ جیسا بننے کے بعد میں اپنی محبت کو پا نہیں سکا، میری برائیاں میری محبت کی راہ میں آ گئیں، آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ کیا غلط ہے کیا صحیح اور اب میں اچھائی کی طرف جانا چاہتا ہوں تو آپ مجھے برائی کی طرف کھینچتے رہتے ہیں اور میں کھنچ کر آپ تک پہنچ بھی جاتا ہوں کہ برائیاں میری اور میں برائیوں کا عادی ہو چکا ہوں مگر دل کا کیا کروں ڈیڈ، جو محبت کے لئے خود کو بدلنا چاہتا ہے، ہجر کو وصل میں بدلنے کی خواہش میں کبھی برائی کی اور بڑھتا تو کبھی اچھائی کی طرف کھنچنے لگتا ہے، مجھ پر اتنا رحم کریں کہ میری محبت کو میرا نصیب نہیں بنا سکتے تو کم از کم میری راہوں میں مزید کانٹے نہ بکھیریں کہ میں شیریں کے بغیر زندہ ہو کر بھی زندہ نہیں، مجھے وہ لڑکی اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے، اسے پانا چاہتا ہوں، اپنا بنانا چاہتا ہوں، اسی لئے اس کا پروپوزل بھیجا اور آپ نے آج اسے کڈنیپ کر کے ہلکی سی امید بھی شعلوں کی نذر کر دی ہے، مت کریں ایسا ڈیڈ......''

وہ دونوں ہی حیران سے کھڑے تھے اس کی بے بسی، اس کی چاہت نے ان کے لب سی دیئے تھے، اختلاف کی خواہش دم توڑ گئی تھی اور انہوں نے اسے بتا دیا تھا کہ انہوں نے شیریں کو اپنے فارم ہاؤس پر رکھا ہے وہ جیسے ہی باہر کی جانب بڑھا تھا عاکاشہ ان سے الجھنے لگی تھی اور انہوں نے اسے تھپڑ کھینچ مارا تھا۔

''میں سوچتا تھا کہ زعیزعہ اور میرے درمیان فاصلے کیوں ہونے لگے ہیں آج پتہ چلا سبب تم ہو۔ میں نے تمہاری ساری بکواس سن لی ہے، نفرت ہونے لگی ہے تم سے......تم زعیزعہ کی گرل فرینڈ تھیں صرف اس سے بدلہ لینے کو مجھ سے شادی کی، لعنت ہے تم جیسی عورتوں پر......'' وہ پھنکارے تھے۔

''زبان سنبھال کر بات کریں حمزہ۔''

''زبان تم بند رکھو ورنہ جان سے مار دوں گا، اگر میں بدلہ لینے پر آیا تو کسی کو تمہارا نام ونشان بھی نہیں ملے گا۔'' وہ اس سے کچھ بولنے کا موقع دیئے بغیر غرائے تھے۔ یکدم وہ ہنس دی تھی۔

''تم مجھے کمزور مت سمجھنا، میں عزت کوئی شیریں کی طرح ہتھیلی میں چھپائے نہیں بیٹھی کہ ڈروں گی تم سے، اینٹ کا جواب پتھر سے دوں گی۔'' وہ معنی خیزی سے بولی تھی اور وہ اشتعال میں آ کر اس کا بازو دبوچ گئے تھے۔

''بکواس بند رکھو اپنی، ایک لمحے لگے گا تمہیں طلاق دے کر یہاں سے دفع کرنے میں۔''

''شوق سے اپنا یہ شوق پورا کرنا مگر اتنا یاد رکھنا کہ تم مجھے طلاق دو گے تو اس گھر سے میں نہیں تم دفع ہو گے۔'' وہ ان کے اشتعال سے ہرگز متاثر ہوئے بغیر بولی تھی اور اس کی اگلی بات ان کے قدموں تلے سے زمین سرک گئی تھی کہ اس نے اپنے باپ کے کہنے پر ان کی کافی جائیداد اور یہ بنگلہ اپنے نام کروالیا تھا۔

''تم باپ بیٹے نے مجھے سمجھا کیا ہے، تم دونوں کو میں تگنی کا ناچ نچادوں گی۔''

وہ ایک جھٹکے سے اپنا بازو آزاد کرواتی ہائی ہیل سے ٹھک ٹھک کرتی نکلی چلی گئی تھی۔ پیچھے وہ ساکت کھڑے رہ گئے تھے جنہیں اب اسے اپنی زندگی سے نکالنے کی پلاننگ کرنی تھی کہ اب وہ اسے اپنی زندگی میں اپنے آس پاس ہرگز بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

☆......☆......☆

زعیزعہ خان آندھی طوفان کی مانند زندگی کی تیز ترین ڈرائیونگ کرتا فارم ہاؤس پہنچا تھا اس نے حمزہ خان کی خاص ملازمہ سے چابی لی تھی اور لاک کر کے جس پل اس نے کمرے میں قدم رکھا تھا سالار مصطفیٰ کو اس کے پاس سے گئے کوئی تین گھنٹے ہو گئے تھے، وہ جو کارپٹ پر صوفے پر سر رکھے بیٹھی آہٹ پر بہت چونک کر سر اٹھا کر دیکھا تھا اور زعیزعہ خان کو دیکھ کر چیل کی طرح اس پر جھپٹی تھی۔

''آپ کا کیا بگاڑا ہے میں نے، کیوں آپ مجھے چین سے جینے نہیں دے سکتے۔''

وہ اس کے سرخ متورم چہرے کو دیکھ رہا تھا، حسین آنکھیں گریہ وزاری کے سبب لہو رنگ تھیں، اس کے دل کو کچھ ہونے لگا تھا۔

''شیریں۔'' وہ اس کا گریبان جکڑے ہوئے تھی زعیزعہ خان اس کا ہاتھ تھام گیا تھا اور وہ کرنٹ کھا کر دور ہو گئی تھی۔

''میرے شہیر کی جان لے کر سکون نہیں ملا تھا آپ کو جو مجھے یہاں لے آئے ہیں، بخش دیں مجھے۔'' وہ گھٹنوں کے بل کارپٹ پر گرتی چہرہ ہاتھوں میں چھپائے بری طرح رو رہی تھی اور اس کی برداشت چھلکنے لگی تھی۔

''شیریں! یقین کرو شہیر کو میں نے......'' وہ اسی کی مانند گھٹنوں کے بل عین اس کے سامنے بیٹھتا صفائی دینے کو تھا۔

''بند کر دیں یہ جھوٹی باتیں، جھوٹے دعوے۔ مار ڈالا آپ نے میرے شہیر کو، میری بھی جان لے لیں مجھے کیوں زندہ چھوڑ دیا ہے...... اپنے لیے۔'' وہ پیچھے کی طرف کھسکتے ہوئے ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔ آخری دو لفظ ایسے تھے کہ وہ اسے دیکھنے لگا تھا جو اس کی وہاں موجودگی سے خائف سہی نہیں ہراساں بھی تھی۔

''تو یاد رکھیئے گا کہ آپ اپنے مذموم ارادوں میں کبھی کامیاب نہیں ہو پائیں گے۔ مجھے پانا تو دور، حاصل تک نہیں کر سکتے آپ، نفرت ہے مجھے آپ سے، آپ کی شکل سے کراہت محسوس ہوتی ہے، آپ کے وجود سے نفرت محسوس ہوتی ہے۔'' وہ دھیرے دھیرے پیچھے کی طرف کھسکتے ہوئے روئے جا رہی تھی اور کہتی جا رہی تھی۔

''کیوں کرتی ہو مجھ سے نفرت، کیا کیا ہے برا تمہارے ساتھ......'' وہ اس سے ہراساں ضرور رہتی تھی مگر یوں برملا نفرت کا اظہار نہیں کیا تھا کبھی، اور جس لڑکی سے اسے عشق تھا وہ اس سے اتنی بدگمان تھی، اپنے شوہر کی موت کا ذمے دار سمجھتی، نفرت کا اظہار کر رہی تھی، وہ اٹھ کر اس تک پہنچا تھا اور بازو سے تھام کر ایک جھٹکے سے اسے وہ اپنے مقابل کھڑا کر گیا تھا اس کی یہ حرکت اس کے ہراس میں اضافہ کا سبب بنی تھی وہ جواب طلبی کر رہا تھا اور وہ باقاعدہ کانپ رہی تھی۔

''میرے شہیر کو مار ڈالا ہے آپ نے، اس سے زیادہ برا کیا کر سکتے تھے آپ......'' اس نے سسکاری لی تھی۔

''کہہ رہا ہوں نا کہ میں نے شہیر کو نہیں مارا، اسے مارنا ہوتا تو پنڈی سے بھری ریوالور لے کر لوٹ نہ آتا۔'' اس کی حالت پر وہ بے بسی سے بولا تھا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے آپ اچھائی کی آڑ میں اپنے مذموم ارادوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں گے اور میں آپ کی بات کا یقین کر لوں گی تو یاد رکھیئے میں اتنی بھی احمق نہیں۔ اس لئے اپنی جھوٹی داستانیں اپنے پاس رکھیں کہ جب گناہ کر سکتے ہیں تو اعتراف کرنا بھی سیکھیئے قتل کرتے ڈر نہیں لگا تو قتل کا اعتراف کرتے ڈر کیسا...... کہ آپ میرے سامنے اقرار کر بھی لیں گے تب بھی میں نے آپ کا کیا بگاڑ لینا ہے، کون سا آپ کو تختہ دار پر لٹکا دوں گی میں، کہ موت تو میرے شہیر جیسے نیک صفت لوگوں کو آتی ہے آپ جیسے گھٹیا لوگ تو دوسروں کی زندگی برباد کرنے کے لئے بڑی لمبی عمر جیا کرتے ہیں۔'' وہ بازو آزاد کرواتی پھنکاری تھی اور وہ اسے بے یقینی سے دیکھ رہا تھا کہ اس نے تو اب تک شیریں کا معصوم، چلبلا انداز دیکھا تھا اس کو اپنے سامنے ہراساں ہوتے چپ ہوتے دیکھا تھا اور آج وہ شعلہ جوالہ بنی ایک بہترین مقررہ لگ رہی تھی۔

''مجھ سے اتنی نفرت صرف اس لئے کہ میں بہت برا ہوں مگر میں نے کبھی اپنی برائی تم پر عیاں ہی کب کی۔'' وہ خود کو کمپوز کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''قتل تو بڑا ثواب کا کام ہے۔ اس کے عوض تو آپ جنت میں جائیں گے۔'' وہ گہرے طنز سے بولی تھی۔

''کہہ رہا ہوں نا میں نے قتل نہیں کیا...... نہ میں نے قتل کروایا...... شہیر کی موت سے میرا کوئی لینا دینا نہیں، میری بات کا تم یقین کیوں نہیں کر رہی ہو......'' وہ اشتعال میں آتا اس کا بازو دبوچ گیا تھا اس کی چیخ بڑی بے ساختہ تھی۔

''شہیر کی جان کا میں اتنا ہی دشمن ہوتا تو تم گیارہ ماہ اس کے ساتھ نہ رہتیں، اتنا احمق سمجھا ہے تم نے مجھے کہ میں ایک قتل کے لئے سال بھر انتظار کروں منٹوں میں جس کا چاہتا ہوں کام تمام کر دیتا ہوں۔ میرے ایک اشارے پر لاشوں کے ڈھیر لگتے ہیں اور تمہیں لگتا ہے

کہ میں نے شہیر کو مروانے کو گیارہ ماہ انتظار کیا۔ اتنا کمزور سمجھا ہے تم نے مجھے۔......'' اس کے بازو پر سخت گرفت کیے وہ بول کیا رہا تھا پھنکار رہا تھا اس کے چہرے کی رنگت سیاہ سپید پڑ گئی تھی۔ وہ بے بسی سے منمنائی تھی۔

''میرا بازو چھوڑیں زعیزعہ! مجھے درد ہو رہی ہے۔'' آنسو مژگانوں پر لڑھکتے چلے گئے تھے۔

''اپنی ذرا سی تکلیف کا کتنا احساس ہے۔ میرا سوچا ہے میں کتنے طویل مہینوں سے کس قدر تکلیف میں ہوں۔ تمہاری دوری کیسے سہتا رہا ہوں۔ کیسے تمہارا ہجر کاٹا ہے، کیسے تمہاری بے رخی سہتا آیا ہوں۔ کیسے تمہاری نفرت برداشت کر رہا ہوں'' وہ یکدم گرفت کچھ اور مزید کرتے ہوئے پھنکارا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اس پھنکار میں بھی اس کی محبت عیاں تھی جنوں کی بلاخیزیاں تھیں جن کی وہ کم از کم تاب نہیں لاسکتی تھی۔

''چھوڑیں میرا ہاتھ، نہیں ہے مجھے آپ سے محبت۔ میں نہیں کر سکتی آپ سے محبت، نہیں ہے آپ پر مجھے یقین...... ہے آپ سے نفرت میں اپنے شہیر کے قاتل سے محبت کر ہی نہیں سکتی۔ سنا آپ نے ایس پی شہیر سالار کی بیوہ شیریں شہیر کو صرف شہیر سالار سے محبت ہے۔ آپ شہیر کو میری زندگی سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے مگر میرے دل سے نکالنے میں کامیاب نہیں ہوں گے۔ ہو ہی نہیں سکتے آپ کبھی شہیر کو اس کی شیریں کے دل سے نہیں نکال پائیں گے۔'' وہ حلق کے بل چلا رہی تھی، پل پل اس کے بازو پر گرفت تیز ہو رہی تھی اس کی سسکیاں، ہچکیوں میں بندھنے لگی تھیں اور اس نے یکدم اس کے بازو کو آزاد کیا تھا وہ لڑکھڑائی تھی، سنبھلی بھی نہ تھی کہ وہ اسے شانوں سے تھام گیا تھا۔

''تم نے ابھی صرف زعیزعہ خان کی نرمی دیکھی ہے، سختی برداشت نہیں کر پاؤ گی۔ میرے جنوں کی آگ اگر تم تک پہنچی تو جل کر خاکستر ہو جاؤ گی۔ تمہیں فنا ہونے سے گر ڈر محسوس نہیں ہو رہا تو میری سفاکیت سے تم لاعلم ہو مجھے فنا کرنے میں لمحہ نہیں لگے گا۔ فنا ہونے کی تکلیف بڑی جان لیوا ہوتی ہے۔ تم سہار نہیں پاؤ گی اور میں کہاں اس تکلیف سے نبرد آزمائی کرتے آرام کے معنی بھی بھولنے لگا ہوں۔ خوشی و سکھ میری لغت سے حرف غلط کی مانند مٹ گئے ہیں۔ تمہیں خوش دیکھنے کی آرزو میں، میں نے ہجر کاٹا اور تمہیں یقین نہیں ہے مجھ پر...... تمہارے سکھ کے لئے میں نے دکھ کی چادر اوڑھ لی اور تمہیں اعتبار نہیں مجھ پر...... صرف تمہارے لئے، میں کیا سے کیا ہو گیا شیریں اور تم محبت تو کیا کرتیں مجھ سے...... میری محبت پر بھروسہ تک نہیں، میری زبان پر بھروسہ نہیں تھا۔ میری آنکھوں پر اعتبار نہیں۔ میرے قول کا یقین نہیں، میرے عمل پر اعتماد نہیں۔ جب میں کچھ نہیں، جب میں کہیں نہیں تو میں وہ کیوں نہ کروں جیسا تم مجھے سمجھتی ہو۔'' اسے شانوں سے تھامے کہتا جا رہا تھا اور وہ گرفت سے باہر آنے میں ناکام ہوتی نیر بہاتی گویا اس کے رحم و کرم پر تھی۔

''میری محبت کی جیت نہ سہی، تمہاری نفرت کی جیت سہی، میرے عشق کے نصیب میں روٹھنا ہی لکھا ہے اور میں نارسائی کی آگ میں بھی جلوں اور تمہیں بھی جھوٹا ثابت کروں تو آخر کیوں کہ میری کسی بات پر اعتبار نہیں تمہیں تو اب تمہاری بے اعتباری کی ہی جیت سہی کہ میرے مقدر کی شکست تو نہ ایسے بدلے گی نہ ویسے بدلے گی مگر تمہارے گماں کو میں یقین ضرور دوں گا۔ تمہیں یقین ہے میری برائی پر تو میں تمہارے یقین کو بکھرنے نہیں دوں گا، برائی ثابت کروں گا، بتاؤ تمہیں کہ میں کتنا برا تھا اور کتنا اچھا بن گیا تھا اور تم نے میری برائی کو گر سلا دیا تھا تو میری برائی کو جگا بھی دیا ہے۔ مجھے دھتکارنے نے، نفرت کرنے نے مجھے اس حد تک آنے پر مجبور کر دیا ہے کہ اب میں دل کی نہیں سن سکتا کہ

میرے دل کے ایوانوں پر تمہاری نفرت دستک دے رہی ہے اور میں تمہیں خالی ہاتھ نہیں لوٹاؤں گا۔ تمہیں تمہارے یقین کی جیت سونپ کر رخصت کروں گا۔'' وہ رونا بھول گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ہراس کی گہری لہر سفر کر رہی تھی۔ چہرے کا رنگ پل پل بدلتا جا رہا تھا، وجود پر لرزہ طاری تھا، لب کچھ کہنے کی چاہ میں پھڑ پھڑا کر رہ گئے تھے۔ اسے لگا تھا کہ وہ کسی بھی پل اپنے پورے وجود کے ساتھ زمین بوس ہو جائے گی۔ وہ اس کی حالت دیکھ رہا تھا، سمجھ بھی رہا تھا، اس کے فرار کی کوشش پر الجھ رہا تھا مگر کچھ بھی محسوس نہیں کر رہا تھا کہ جو وہ محسوس کر گیا تھا اس کے بعد زعیزعہ خان بیدار ہو گیا تھا۔ وہ زعیزعہ خان جو معاف کرنے پر آئے تو سب کچھ درگزر کر دے اور سزا دینے پر آئے تو سب کچھ فنا کر دے۔ اس نے بس ایک نظر میں اس کے چہرے پر ناچتی وحشت اور آنکھوں میں دوڑتا ہراس بھانپا تھا اور ہنس دیا تھا۔

''ہرنی! اتنا ہراساں میں نے تمہیں کبھی نہیں پایا، تم اس شب ہوٹل میں کئی گھنٹے ساتھ رہی تھیں میرے، ڈری ہوئی تھیں، ہراساں تھیں مگر اتنی ہراساں نہیں تھی پتہ ہے کیوں۔'' وہ ایک ہاتھ سے بازو جکڑے اور دوسرے ہاتھ سے اس کا چہرہ اونچا کرتے ہوئے بولا تھا۔

''کیونکہ اس شب میں نے تم سے صرف ایک وعدہ چاہا تھا۔ تم میرے رحم و کرم پر تھیں مگر میں نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تھا کیونکہ میں اٹھانا نہیں چاہتا تھا...... آج بھی تم میرے رحم و کرم پر ہو اور آج تمہارے گماں کو یقین میں بدلنے کو میں موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ ایسا صاف تو میں نے کہا نہیں مگر تم میری آنکھوں میں سب کچھ فنا کر دینے کا رنگ صاف دیکھ سکتی ہو اور آج میں ایسا ہی کروں گا۔ تمہارے یقین کو سچ ثابت کر کے۔'' اس نے غراتے ہوئے چبا چبا کر بات مکمل کی تھی اور یکدم اسے اپنی گرفت سے آزاد کیا تھا اور وہ بری طرح لڑکھڑا گئی تھی۔

''آپ کو کیا لگتا ہے آپ اپنے مذموم ارادوں کے ساتھ میری جانب پیش رفت کریں گے اور میں آپ کو کامیاب ہونے دوں گی۔'' وہ سنبھلتے ہوئے نم لہجے میں بولی تھی اور وہ قہقہہ لگا گیا تھا۔

''میں کچھ کرنا چاہوں تو تم روک نہیں سکتیں۔'' وہ یکدم دھیمی چال سے اس کی طرف بڑھنے لگا تھا اور وہ پیچھے ہونے کی بجائے وہیں ٹھہری رہی تھی وہ جو اس کے پیچھے ہوئے چلے جانے کے خیال سے آگے بڑھتا جا رہا تھا یکدم اس نے قدم روکے تھے اور اس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا اس کی کھلی کتاب جیسے چہرے پر اس وقت کوئی تاثر نہ تھا۔ وہ نہ سمجھی سے اسے دیکھتا چلا جا رہا تھا۔

''ٹھیک کہا آپ نے، میں روک نہیں سکتی اور اب میں روکنا بھی نہیں چاہتی۔'' وہ یکدم بے یقینی کا شکار ہو گیا تھا۔

''اگر آپ میں شہیر سالار کی اترن کو گلے لگانے کا شوق ہے تو آج میں ہوں آپ کے سامنے، اپنا ہر شوق، شوق سے پورا کیجئے۔'' وہ چند قدموں کی دوری مٹاتی عین اس کے سامنے انچ بھر کے فاصلے پر ٹھہری تھی اور کاندھوں پر پھیلا سبز آنچل اس کے قدموں میں ڈھیر کر گئی تھی۔

''آپ کو ہمیشہ سے شیریں ارمان کے تن کی چاہ تھی، من کی چاہ کا ڈھنڈورا پیٹتے رہے مگر اب بس بند کر دیں اپنے جھوٹ، شیریں ارمان تن من سے صرف شہیر سالار کی ہو چکی، حوصلہ ہے شہیر سالار کی اترن، اس کی محبت کو اپنے قریب کرنے کا تو باخدا آج میں آپ کو نہیں روکوں گی کہ میں تنگ آ گئی ہوں۔ ڈر ڈر کر جینے سے، محبت کی رسوائی سے، شہیر کی موت نے مجھے ہراساں کر دیا ہے، عبیر بھیا کی موت کا میں سبب نہیں بننا چاہتی، سب کی جان ایسے چھوٹنے والی ہے تو ٹھیک ہے آپ اپنے مذموم ارادوں کو کامیابی کے درشن کرائیے۔ میں آپ کی اچھائی کے دعوے بہت سن چکی۔ آپ بس اب اپنی برائی ثابت کیجیے۔ ہوں میں آپ کے سامنے...... کر لیجیے اپنی خواہش پوری۔''

''تڑاخ! زعیز عہ خان کو کم از کم شیریں کے تن کی چاہ نہ تھی ورنہ کب کا میں اپنی خواہش پوری کر چکا ہوتا۔'' وہ غصہ میں بدلحاظی سے اسے خود نہیں پتہ تھا کیا کر گئی تھی، کیا کہتی چلی گئی تھی کہ اس نے زوردار تھپڑ لگا کر اس کی بولتی ہی بند کر دی تھی۔

''میں نے اگر ہر موڑ پر، ہر قدم پر اپنی محبت کی لاج رکھی ہے تو تمہیں کوئی حق نہیں ہے کہ تم میری توہین کرو، میری نیت پر، میرے ہر عمل کو شک کی نگاہ سے دیکھو...... کہ میں اگر کچھ بھی کبھی بھی کرنا چاہتا تو تم کبھی بھی مجھے میری کسی بھی اچھی، بری حرکت سے باز نہیں رکھ سکتی تھیں، میری چاہتوں کی اتنی تذلیل، دل کرتا ہے آج تمہارے ہر شک کو یقین سونپ دوں...... تمہیں بتاؤں کہ تمہاری چاہت میں کتنا اچھا ہو گیا تھا میں کہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔'' وہ اسے شانوں سے تھامے جھنجھوڑتا ہوا بولا تھا اور جھٹکے سے اسے اپنی جارحانہ گرفت سے آزاد کرتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکلتا چلا گیا تھا۔ پیچھے وہ کارپٹ پر بیٹھی روتی چلی گئی تھی۔ اس کی سسکیاں کمرے کی فضا میں گونج رہی تھیں، اسے لگا تھا کہ اب وہ کبھی یہاں سے نکل نہیں پائے گی، زندگی کا دائرہ اسے خود پر تنگ ہوتا محسوس ہو رہا تھا، لبوں سے سسکیاں آزاد ہو رہی تھیں اور دل سے ایک ہی صدا بلند ہو رہی تھی۔

''شہیر......! وہ گھٹنوں میں سر دیئے ''شہیر...... شہیر'' کی گردان کرتی جا رہی تھی۔ اسے یوں گریہ وزاری کرتے کوئی گھنٹہ گزر گیا تھا اور اس نے وہاں سے جنبش تک نہ کی تھی، فرار کی راہ ڈھونڈنا تو دور کی بات تھی کہ اسے فرار کی کوئی راہ سجھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ رو کر تھکنے لگی تھی کہ دروازہ پھر سے کھلتا چلا گیا تھا۔ اس نے گھٹنوں میں دیا سر اٹھایا تھا اور اس نے بے تاثر نگاہوں سے اس کا سرخ بھیگا چہرہ اور سوجی ہوئی آنکھیں دیکھی تھیں اور ایک فائل اس کے قدموں میں ڈال دی تھی۔

''سائن کرو۔''

وہ خالی خالی نظروں سے کبھی زعیز عہ خان کو تو کبھی سامنے پڑی فائل کو دیکھ رہی تھی اور اس نے اپنی بات دہرائی تھی۔

''سائن کرو۔'' اس نے سخت لہجے میں کہا تھا اور اس کا سر نفی میں ہلتا چلا گیا تھا۔

''انکار نہیں سنوں گا میں ہرنی!'' وہ لب بھینچ کر بولا تھا۔

''مجھے نہیں کرنے سائن، پلیز مجھے جانے دیں۔'' آنسو قطار در قطار بھیگے رخساروں پر لڑھکتے ان کی رعنائی میں اضافہ کرتے چلے

گئے تھے۔

''میں نہ تمہیں یہاں لایا تھا، نہ تمہیں یہاں رکھنے والا تھا۔ میں تو تمہیں یہاں سے لے جانے آیا تھا، نہ شہیر کی موت کا میں ذمہ دار ہوں، نہ تمہاری کڈنیپنگ میں میرا ہاتھ ہے۔ یہ جو نکاح نامہ تمہارے سامنے پڑا ہے، اس کی وجہ آج تم خود بنی ہو، تمہارے کہے پر الزام کا جواب اچھے سے دے سکتا ہوں مگر بات ہے عشق کی، عشق کے لئے ہجر جھیل گیا، عشق کی رسوائی منظور نہیں، تمہارے کہے کو پورا کر نہیں سکتا اور نہ ہی تمہیں پھر اپنی تذلیل کا موقع دے سکتا ہوں، اس لئے لمحہ کی تاخیر کے بغیر سائن کر دو۔'' وہ چہرے پر چٹانوں کی سی سختی لیے بہت درشتگی سے بولا تھا۔ اسے بہت کچھ باور کروا گیا تھا اور وہ اس کے تیوروں سے ہراساں ہونے کے باوجود صاف انکاری ہوگئی تھی۔

''میں نہیں کروں گی...... مجھے یہاں سے جانا ہے، پلیز مجھے جانے دیں۔'' اس وقت اس کے اختیار میں کچھ بھی نہیں تھا، اس کے آنسو تک نہیں۔

''سائن کیے بغیر تو اب تم جانے سے رہیں۔ میں ہوں یہیں پر، تم فیصلہ کر لو۔'' وہ غیر معمولی سنجیدگی کا مظاہرہ کرتا بستر کے کونے پر ٹک گیا تھا۔

''مجھے فیصلہ کرنے کی ہرگز بھی ضرورت نہیں ہے۔ سمجھے آپ......'' وہ چیخی تھی۔

''چیخنا ہے، چلانا ہے جتنا غصہ کرنا ہے، واویلا کرنا ہے شوق سے کرو مگر اتنا یاد رکھنا کہ اب ہوگا وہی جو میں چاہتا ہوں، تمہارے لئے بھی میں اب کم از کم نرمی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا......اور یاد رکھنا جتنی دیر لگاؤ گی اتنا ہی خود کو مشکل میں پاؤ گی اور اپنے سبب تمام اپنے گھر والوں کو بھی مشکل میں گرفتار کرو گی۔'' وہ معمول کی گفتگو کے سے انداز میں بولتا ہاتھ بڑھا کر دراز کھول گیا تھا اور اس میں سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر نکالا تھا۔

''آپ میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔ مجھے آپ سے شادی نہیں کرنی ہے۔ میں نہیں کرتی آپ سے محبت۔'' وہ بے یقینی کی انتہاؤں پر تھی۔ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کیسے اس عفریت سے اپنی جان بچائے۔

''نفرت کرتی ہو۔ تم نے صرف شہیر سے محبت کی ہے۔ تمہیں مجھ سے گھن آتی ہے۔ سب کچھ جانتا ہوں، بار بار دہرا کر اپنی انرجی ضائع نہ کرو کہ مجھے سب کچھ ازبر ہو چکا۔'' وہ اس کی بات درمیان سے اچک کر گہری سنجیدگی سے کہہ کر سگریٹ لبوں کے درمیان پھنسا کر شعلہ دکھا گیا تھا اور یکدم اس کے ہراس میں اضافہ ہوگیا تھا اس نے سختی سے آنکھیں میچ لی تھیں۔

''کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے سے خطرہ ٹلے گا نہیں ہرنی۔'' دھواں فضا میں آزاد کرتے ہوئے بولا تھا اور وہ بس محض ایک نظر اس پر ڈالتے ہوئے باہر کی طرف بڑھی تھی۔

''ہر کوشش بے کار ہے، تھک جاؤ گی مگر راستہ نہیں بدلے گا، نہ ہی منزل، کہ تمہاری منزل کا میں تعین کر چکا۔'' وہ اسے دروازہ پیٹتے دیکھ کر نہایت سکون سے بولا تھا۔

''میری منزل آپ کبھی بھی نہیں ہوسکتے، میں اپنی جان تو دے سکتی ہوں مگر آپ کی خواہش پوری نہیں کرسکتی۔'' وہ کمرے میں پھیلتی سگریٹ کی ناگوار بُو سے اریٹیٹ ہوتی بے تحاشہ کھانستے ہوئے بولی تھی۔

''تم میری خواہش پوری نہیں کرسکتیں، میں تمہاری فرمائش پوری نہیں کرسکتا......تم سائن نہیں کرو گی، میں جانے نہیں دوں گا، زندگی ہی تو گزارنی ہے چلو ایک دوسرے سے منہ پھیر کر گزار لیتے ہیں۔'' وہ اس کی حالت کے پیش نظر تیسری سگریٹ جلانے کا ارادہ موقوف کرتا گہری سنجیدگی سے کہتا کھڑکی کے پردے ہٹا گیا تھا۔ شام کا وقت تھا سورج اپنے گھر جانے کی تیاریوں میں تھا، نیلے آسمان نے سورج کا رنگ مستعار لیا ہوا تھا، نارنجی آسمان پر پل پل ڈوبتا سورج اور کمرے میں کھڑی شیریں کا لمحہ بہ لمحہ ڈوبتا دل ایک سی اذیت کا شکار تھے۔ سورج گھر جانے کی اذیت سہہ رہا تھا اور وہ گھر نہ جاسکنے کی اذیت سے دوچار تھی۔

''میں نے آخر آپ کا بگاڑا کیا ہے۔ آپ کیوں مجھے پریشان کررہے ہیں۔ سچ میں آپ سے محبت نہیں ہے مجھے...... مجھے جانے دیں۔ میں آپ کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں بنانا چاہتی، میری زندگی شہیر کے جانے کے بعد بے رنگ ہوگئی ہے۔ آپ مزید مجھے کانٹوں پر نہ کھینچیں، خدا کا واسطہ ہے مجھے جانے دیں۔'' ناگوار بُو اور دھواں جیسے ہی چھٹا تھا اس کی طبیعت کچھ بحال ہوئی تھی اور وہ چلتی ہوئی اس تک گئی تھی اور باقاعدہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔ اس نے شیریں پر نظر اٹھائی تھی یہ وہ لڑکی تھی جسے زعیزعہ خان نے عشق کی شدتوں سے عشق کی پاکیزگی کے ساتھ چاہا تھا وہ اس کا جنوں تھی مگر اس کے سکھ کے لئے اس نے اپنے جنوں کو اس کا خسارہ بننے نہیں دیا تھا، قیامت سے ضبط کا مظاہرہ کیا تھا اور اب تک بے تاثر سفا کی کا مظاہرہ کرتا زعیزعہ یکدم بے چین ہوگیا تھا۔ آج کچھ اور شدت سے احساس ہوا تھا کہ وہ اس لڑکی کو دکھی نہیں دیکھ سکتا۔ اس کے دل کو کچھ ہونے لگا تھا، دل میں آئی تھی کہ اس کی مان لے اور اسے جانے دیں کہ دماغ ہزار تاویلیں لئے اس کے سامنے آ گیا تھا۔ دماغ کہتا تھا کہ آج گئی تو پھر کبھی نہیں آئے گی۔ یہی آخری موقع ہے جب وہ اسے اپنے نام کرسکتا ہے، زبردستی کرنے پر دل متاسف تھا اور دماغ کہتا تھا یہی آخری آپشن ہے دل کی سنتا تو اس پر رحم آنے لگتا، دماغ کی تاویلوں پر جاتا تو بس خود کو قابل رحم پاتا۔ وہ الجھ گیا تھا کہ دماغ کی تاویلیں بھی کہاں غلط تھیں کہ یہ بس آج آخری موقع تھا۔ دماغ ضد پکڑنے لگا تھا اور دل نفی کرتا جارہا تھا۔ حاصل اور پانے میں فرق تلاش کررہا تھا، دماغ کہہ رہا تھا آج حاصل کرلو، کل پالو گے کہ آج حاصل ہی نہیں کرپاؤ گے تو پاؤ گے کیسے؟ کہ آج اگر نفرت ہے تو کل محبت بھی ہوجائے گی، اگر آج لوٹ گئی تو بس نفرت ہی ٹھہر جائے گی۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ دل وہ دماغ کی اس جنگ میں فتح کس کا مقدر بنے گی۔ وہ اس کے سامنے فریاد کناں تھی اور وہ خود سے سوال جواب کا کھیل کھیلتا جارہا تھا، اس کی طرف تو گویا متوجہ ہی نہ تھا۔ آج جیت نہ جانے دل کی ہونی تھی کہ دماغ کی......وہ اس سوال کے گرد چکرا رہا تھا۔

''تمہاری بھول ہے ہرنی کہ تم سائن کیے بغیر یہاں سے جاؤ گی اس لئے اول و آخر جب ایک کام کرنا ہے تو وقت ضائع کرنا لاحاصل ہوگا اس لئے دستخط کرو تاکہ ہم یہاں سے جاسکیں کہ تمہاری وجہ سے تمہارے گھر والے بہت پریشان ہیں......اپنے ساتھ ساتھ سب کی کیوں دشمن بن رہی ہو۔'' وہ خود سے الجھتا کسی نتیجے پر پہنچ کر بولا تھا۔

''آپ کان کھول کر سن لیں، میں کسی قیمت پر دستخط نہیں کروں گی۔'' وہ اس کے بہت پرسکون انداز پر بل کھاتی اشتعال کی حدوں کو چھوتے ہوئے چیخی تھی۔

''چلو کوئی بات نہیں، نہ کرو میں بھی زبردستی نہیں کروں گا۔ رہو جتنے دن دل کرے، ضدا کسائے رہو یہاں، میں بھی آج کل بڑی فرصت سے ہوں، مل کر اپنی اپنی تنہائی...... اپنے اپنے دکھ...... اپنی اپنی محبتیں...... اپنے اپنے سکھ...... اپنا اپنا جیون...... اپنا اپنا عشق انجوائے کریں گے۔'' اس کے سکون میں ذرا برابر کمی نہیں آئی تھی۔

''آپ کا دماغ خراب ہوگیا ہے، میں یہاں مزید ایک منٹ نہیں رکوں گی۔'' وہ حلق کے بل چلائی تھی۔

''انرجی ضائع نہ کرو کہ میرا دماغ کم ازکم ٹھکانے پر آگیا ہے اور یہ یاد رکھو کہ تمہاری ایک نہیں چلنے والی...... اب وہی ہوگا جو میں چاہتا ہوں اور یہ مت بھولو کہ یہاں جتنی دیر رہو گی میرے حق میں سارے فیصلے ازخود ہوجائیں گے، تمہاری نیک نامی میرے تو کم ازکم کسی کام نہیں آئی مگر بدنامی میرے بڑے کام آئے گی، عزت سے رشتہ بھیجا تو صاف انکار، عزت سے چھوڑ آنا چاہا تو الزامات کی بوچھاڑ...... میرے ساتھ رہو گی چند گھنٹہ تو نیک نامی پر حرف ضرور آئے گا اور اسی 'حرف' کو ہتھیار بنا کر تم سے دستخط کرواؤں گا کہ یہ تو طے ہوچکا کہ آئیں یہاں شہیر سالار کے حوالے کے ساتھ تھیں جب لوٹوں گی تو میرا نام لے کر...... اب میرا نام عزت سے اپنے نام کے ساتھ جوڑتی ہو یا اپنے مرحوم شوہر کی عزت کا جنازہ نکالنے کے بعد جوڑو گی یہ سب تم پر چھوڑ دیا۔'' وہ سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے اس کے سوگوار ہارے ہوئے روپ کو دیکھ رہا تھا اس کی آنکھوں میں آنسو ٹھہر گئے تھے۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی کہ اگر وہ جو سمجھانا چاہ رہا تھا وہ وہی سمجھ رہی تھی تو خسارے اس کے تعاقب میں تھے۔

''اتنی بے یقینی سے نہ دیکھو کہ غلط کچھ نہیں کہہ رہا۔ چند گھنٹہ اور گزرے تو تمہارا باپ اور وہ ماموں کبھی بھی تمہارے کڈنیپنگ کی خبر کو چھپا کر نہیں رکھ پائے گا اور جیسے ہی یہ خبر زبان زدعام ہوئی ویسے ہی تم ہی نہیں شہیر سالار کی بدنامی کی خبر بھی عام ہوجائے گی کہ تم یہاں میرے سامنے اسی کے حوالے سے موجود ہو، شہید ایس پی شہیر سالار کی بیوہ، شیریں شہیر، ایکس کمشنر سالار مصطفیٰ کی بھانجی، مرحوم بیٹے کی بیوی اس کی بہو۔ یہ حوالے ہی نہیں بکھریں گے ذلت بھی مقدر بنے گی تب ہوگا تمہیں احساس کہ میں کیا کرسکتا تھا اور کیا نہیں تھا صرف تمہاری محبت میں......'' وہ صحیح معنوں میں اب اس پر کچھ دیر قبل کا رویہ ظاہر کر پایا تھا۔ وہ جو سب کچھ تہس نہس کرنے کا کہہ رہا تھا تو یہ ہتھیار تھا اس کے پاس اور وہ نہ جانے کیا سمجھی تھی اور اپنی ناسمجھی میں، کچھ محبت اور کچھ نفرت میں اس پر یوں برسی تھی کہ وہ صحرا ہوگیا تھا اور اب وہ اس کے سامنے سر پٹخ سکتی تھی، فریاد کرسکتی تھی مگر لاحاصل، کہ جنوں کا زمانہ عروج پر تھا، عشق ہاتھ باندھے کھڑا تھا کہ حاصل ولاحاصل کی جنگ چل پڑی تھی اور اب اس نے اپنے آپ کو صحیح ثابت کرنا تھا چاہے وہ ایسا غلط راہ پر چل کر کرتا مگر اس کے سر پر خود کو، اپنی محبت کو ثابت کرنے کی دھن سوار ہوگئی تھی، وہ اسے بتانا، باور کرانا چاہتا تھا کہ اس نے صرف اس کے لئے کیا کچھ سہا تھا اب وہ سہہ کر تو دکھائے کہ اس کے لئے تو وہ جان دینے چلا تھا۔ وہ اپنی نفرت کے ساتھ ہی سہی اس کی جان کا صدقہ تو بنے کہ اب اس نے صرف اپنی محبت کے حصول کا سوچنا تھا

کہ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ کچھ چیزیں اپنی محبت کے لئے نہیں دوسروں کی نفرت کے لئے بھی حاصل کرنا پڑتی ہیں کہ چاہتیں جب سوال بننے لگیں تو چاہتوں کے ہتھیار سے ہی ان سوالوں کے جواب دینا پڑتا ہے کہ نفرت و محبت کی جنگ میں جیت محبت کی ہونی چاہئے اور اس نے سوچ لیا تھا غلط راہ پر چل کر ہی سہی اس نے آج محبت کو حاصل کرنا تھا اور پھر اپنی راہیں سنوار کر محبت کو پانا تھا وہ اس کی مگر صرف منفی سوچ کو محسوس کر رہی تھی، اسے صرف اس کا برا عمل نظر آ رہا تھا اس کا جھکانا اور اپنا جھکنا تڑپا رہا تھا مگر وہ بے بس ہو گئی تھی اور اس کی بے بسی بھی کیسے اس کے دل کو تڑپا گئی تھی وہ مگر یہ اس سے کہہ نہیں سکتا تھا، اس نے بہتی آنکھوں، کانپتے ہاتھوں سے نکاح نامہ پر دستخط کئے تھے اور پیپرز اس کے منہ پر دے مارے تھے۔ آج وہ ہار گئی تھی اور وہ جیت گیا تھا مگر وہ قدموں میں پڑے کاغذ کو دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ کیا وہ واقعی جیت گیا ہے۔

☆......☆......☆

شانیہ کی زندگی ایک ڈگر پر چل پڑی تھی، صبح سے دوپہر تک کالج اور شام سے رات تک وہ ہوتی تھی اور اس کی پینٹنگز، ہر گزرتے دن کے ساتھ درد کی کیفیت میں جہاں اضافہ ہو رہا تھا وہیں اس کی تصویریں نکھرتی جا رہی تھیں، جس تصویر پر آج کل وہ کام کر رہی تھی وہ ادھوری تصویر تھی چیخ چیخ کر کہتی تھی کوئی شاہکار تخلیق کے مراحل میں ہے۔ اس نے بڑی مہارت سے چند اسٹروک لگائے تھے کہ ہوا کی سرسراہٹ کے ساتھ پردہ ہلا تھا اور اس کی توجہ کے سرے منتشر ہو گئے تھے۔ اس نے ہوا سے لہراتے پردے کو دیکھا تھا اور نگاہ کیا اٹھی تھی آسمان پر ٹھہر گئی تھی اور قدم خود بہ خود اس کے اٹھنے لگے تھے۔ وہ کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی تھی نیلگوں آسمان پر تاریکی کی چادر پھیلی تھی اور اس چادر سے جھانکتا چاند اس کی نظر کا مرکز بن گیا تھا۔

''ادیان! تم ہمیشہ چاند کی مانند میری دسترس سے دور رہے ہو، جب جب تمہیں اپنے آس پاس محسوس کرنا چاہا تو یونہی لگا کہ جیسے تم میرا چاند بن گئے ہو، نظر کے پاس، دل کے قریب اور پھر بھی آسمان برابر دوریاں۔''

وہ چاند کی نرم روشنی کے عکس تلے روشن ہوتے ادیان کے عکس کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

''تم نہیں ہو آس پاس مگر تمہارے احساس کی خوشبو کبھی مدھم نہیں پڑتی، جب تم شدت سے یاد آتے ہو لگتا ہے کہ میری سانسوں میں خوشبو کی مانند تحلیل ہونے لگے ہو، جب نہیں رہنا میرے ساتھ، جب ہے مجھے ستانا تو کیوں میرے آس پاس احساس کی مانند رہتے ہو، مجھے بھی تو حق ہے نا کہ میں کھل کر سانس لوں مگر تم مجھ سے دوریاں بنا کر...... فاصلوں پر جا کر سانسوں میں زندگی کی مانند شامل ہو گئے ہو...... سانس آتی ہے تو تم یاد آتے ہو...... سانس چلتی ہے تو تم محسوس ہوتے ہو اور کبھی لگے کہ تم آس پاس نہیں ہو تو سانس رکنے لگتی ہے...... زندگی تھمنے لگتی ہے...... صحیح کہا تھا تم سے ابران بھیا نے کہ تم خود کو بہت حساس کہتے ہو...... ظاہر کرتے ہو مگر بے حس ہو...... میں یہاں تمہارے لئے تڑپتی ہوں اور تم وہاں سکون سے پڑے رہتے ہو۔ یہ سنگدلی اگر تمہاری حساسیت ہے تو خدا کے لئے حساسیت سے نکل آؤ، بے حس بن جاؤ، سنگدل بن جاؤ مگر حساسیت کی آڑ میں میرے دل کا، میرے ارمانوں کا خون نہ کرو کہ چند دن اور یوں چلا نہ ادیان تو سچ میں میری سانس تھم جائے گی۔ تم بن نہیں جیا جاتا، لوٹ آؤ ادیان، میں آج بھی، کئی ماہ بعد بھی، شدتوں سے تمہاری راہ تک رہی ہوں، تمہاری شانیہ تمہاری منتظر ہے۔''

اس نے چمکتے چاند پر نظر جمائے دل کی گہرائیوں سے کہا تھا کہ اس کا تو رواں رواں ادیان کی صحت یابی کے لئے دعا گو تھا مگر ادیان کو زندگی کی طرف لوٹ آنے کو نہ جانے کون سی دعا کی ضرورت تھی جو ابھی تک یا تو لبوں سے آزاد نہیں ہوئی تھی یا اب تک فرش سے عرش تک پہنچی ہی نہیں تھی۔

تم بن جیا جائے کیسے
کیسے جیا جائے تم بن
صدیوں سے لمبی ہیں راتیں
صدیوں سے لمبے ہوئے دن
آجاؤ، لوٹ کر تم
یہ دل کہہ رہا ہے
پھر شامِ تنہائی جاگی
پھر یاد تم آ رہے ہو
پھر جاں نکلنے لگی ہے
پھر مجھ کو تڑپا رہے ہو
اس دن میں یادوں کے میلے ہیں
تم بن بہت ہم اکیلے ہیں
آجاؤ لوٹ کر تم
یہ دل کہہ رہا ہے
کیا کیا نہ سوچا تھا میں نے
کیا کیا نہ سپنے سجائے
کیا کیا نہ چاہا تھا دل نے
کیا کیا نہ ارمان جگائے
اس دل سے طوفان گزرتے ہیں
تم بن تو جیتے نہ مرتے ہیں
آجاؤ لوٹ کر تم
یہ دل کہہ رہا ہے

☆......☆......☆

''آپ، آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟'' وہ اسے دیکھ کر ہراساں سی اٹھ بیٹھی تھی اور اس کی عجلت اس کی ہی دشمن بن گئی تھی اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام کر نیڈلز سیٹ کی تھیں کہ اسے ڈرپ لگی ہوئی تھی اور بہ عجلت اٹھنے کی وجہ سے ڈرپ نکل گئی تھی جبکہ اس نے اپنا ہاتھ کھینچنے کی کوشش کی تھی جسے وہ ناکام بنا گیا تھا۔

''ہرنی! ذرا ذرا سی بات پر اتنا سخت ردعمل ظاہر نہ کیا کرو، ذرا سا ہاتھ ہی تو پکڑا ہے، کھا نہیں جاؤں گا تمہیں۔'' وہ ناگواری سے بولتا بڑی مہارت سے ڈرپ سیٹ کر گیا تھا۔

''آپ چلے جائیں یہاں سے۔'' وہ بے بسی سے بولی تھی۔

''یہاں تمہاری ڈرپ سیٹ کرنے تو آیا نہیں تھا کہ کام ہو گیا تو میں جا سکتا ہوں۔'' وہ اس کے زرد چہرے کو دیکھتے ہوئے اطمینان سے بولتا اسٹول گھسیٹ کر اس پر بیٹھ گیا تھا۔

''آپ یہاں آئے کیوں ہیں؟ جائیں یہاں سے۔'' وہ تپ کر بولی تھی۔

''اپنی بیوی سے ملنے آیا ہوں، حال احوال لئے بغیر تو جانے سے رہا۔'' وہ اس کا غصہ محسوس کرتے ہوئے دلکشی سے مسکرایا تھا۔

''آپ کو مجھ سے ملنے کی ہرگز بھی ضرورت نہیں، آپ جائیں یہاں سے۔'' وہ اس کے انداز پر چیخ کر رہ گئی تھی، غصہ کنٹرول کرنا دشوار کن امر لگنے لگا تھا مگر وہ ضبط کا مظاہرہ کر گئی تھی۔

''ضرورت تو واقعی نہیں، ہاں اسے چاہت ضرور کہہ سکتی ہو۔'' وہ اسے ضبط سے سرخ پڑتے دیکھ کر شرارت سے بولا تھا۔

''اپنی بکواس بند کر کے یہاں سے جائیں ورنہ میں چیخ چیخ کر سب کو جمع کر لوں گی۔'' وہ چیختے لہجے میں بولی تھی اور وہ ذلت کے احساس سے مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے مجھے کسی کی ڈری پڑی ہے۔'' وہ اسٹول سے اٹھتا قدرے جھک کر اس کا چہرہ ہتھیلی میں دبوچتا درشتگی سے بولا تھا۔ ''یاد رکھنا مجھ سے اس انداز میں آخری دفعہ بات کی ہے میں اس طرح کے رویوں کا ہرگز بھی عادی نہیں، نرمی بھول گیا تو تمہارا شدید نقصان ہوگا۔''

اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے اور وہ ہرگز متاثر ہوئے بغیر بولا تھا اور نہ صرف ہاتھ پیچھے کیا تھا سیدھا کھڑا ہو گیا تھا۔

''یاد رکھنا، تمہارا چیخنا تمہارے لئے نہیں میرے لئے سودمند ثابت ہوگا، جو بات ابھی کسی کے علم میں نہیں وہ سب کے علم میں آ جائے گی۔''

یکدم وہ بہت ہراساں ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے سیلِ رواں جاری تھا اور وہ لب بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔

''بہت دن تم سکون سے رہ لیں، اب اس ہاسپٹل کا پیچھا چھوڑ کر اپنے گھر جاؤ تاکہ میں اس ایکس کمشنر سے ہماری رخصتی کی بات کر سکوں۔'' گہری سنجیدگی سے بولا تھا اس کا سر بے ساختہ نفی میں ہلنے لگا تھا۔

''نہ تمہارے انکار کی پہلے کوئی وقعت تھی نہ اب ہو گی کہ تمہارے اقرار کی چاہ میں بہت خوار ہو چکا، اب تم جتنی شدت سے انکار کرو گی میں اسے اتنا ہی تمہارا اقرار سمجھوں گا کہ مرضی میری، فیصلہ میرا۔تم نے جبراً یا خوشی سے صرف میرا ساتھ دینا ہے اس لئے اپنی بیماری کو خیر باد کہہ کر اپنے گھر جاؤ اور رخصتی کے لئے اپنا مائینڈ میک اپ کر لو۔'' وہ اس کی سنے بغیر اپنی کہتا جیسے آیا تھا ویسے ہی چلا گیا تھا اور وہ تکیہ میں منہ دیئے بری طرح سسکنے لگی تھی۔نکاح نامہ پر سائن کرنے کے ایک گھنٹہ بعد وہ اپنے گھر لوٹ آئی تھی کہ سائن کروانے کے بعد اس نے شیریں کو خود مصطفیٰ ہاؤس چھوڑ دیا تھا جس وقت وہ شکستہ قدموں سے لاؤنج میں داخل ہوئی تھی اسے دیکھ کر سب ہی اس کی طرف لپکے تھے، سب کی آنکھوں میں ہزار الجھنیں، ہزار سوال تھے مگر لب یوں ساکت تھے جیسے بولنا ہی نہ جانتے ہوں۔ نیناں شیرازی نے بیٹی کو شانوں سے تھاما تھا اور وہ ماں کے کاندھے سے لگی بلک اٹھی تھی، یوں روئی تھی کہ ان سب کو رلا گئی تھی، وہ بیٹی کے ساتھ ساتھ تڑپ تڑپ کر رو رہی تھیں حوصلہ کر کے سالار مصطفیٰ آگے بڑھے تھے ارادہ انہیں چپ کروانے کا تھا مگر شیریں کے بازو کو تھام کر جیسے ہی اسے ماں سے الگ کرنا چاہتا تھا وہ ٹوٹی ہوئی شاخ کی مانند زمین بوس ہوتی چلی گئی تھی۔ پریشانی کا سبب کیا بدلا تھا وہ لوگ اسے ہاسپٹل لے کر دوڑے تھے۔اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا تقریباً گیارہ گھنٹے بعد وہ موت کو شکست دینے میں کامیاب ہوئی تھی اور تقریباً تین دن سے ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھی نہ اس سے کسی نے کچھ پوچھا تھا نہ ہی اس نے کچھ بتایا تھا وہ جس واقعہ کو یاد رکھنا ہی نہیں چاہتی تھی وہ اسے یاد دلانے چلا آیا تھا نہ صرف یاد دلانے اس واقعہ کو تاعمر یاد رکھنے کا سندیسہ لینے چلا آیا تھا وہ بری طرح بلک رہی تھی، سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ سب کو کیسے بتائے گی، کیسے سب کا سامنا کرے گی، کئی سوال اس کو پریشان کر رہے تھے اور وہ اپنی الجھنوں میں الجھی صحت یابی کی طرف قدم نہیں اٹھا پا رہی تھی اس کی حالت سنورنے کی جانب بڑھتے نہ دیکھ کر وہ سب ہی متفکر تھے اور کچھ سوچ کر سالار مصطفیٰ اسے ڈسچارج کروا کر گھر لے آئے تھے اس کی کڈنیپنگ کو پندرہ دن گزر گئے تھے، آہٹ بھی ہوتی تھی تو اسے لگتا تھا کہ کہیں زعیزعہ خان نہ ہو، وہ نکاح نامہ لے کر نہ آ گیا ہو اور سترہویں دن اس کے ڈر کی جیت ہو گئی تھی اور وہ زعیزعہ خان کی آمد سے انجان نماز پڑھنے میں مشغول تھی، دعا کو ہاتھ اٹھے تھے تو اس نے شدت سے دعا کی تھی کہ اس کی زعیزعہ خان نامی عفریت سے جان چھوٹ جائے مگر اس کی دعا قبول نہ ہوئی تھی۔ زعیزعہ خان نے سالار مصطفیٰ کے سامنے ایک بار پھر اپنا پرپوزل دیا تھا اور اس بار بھی ان کا صاف انکار تھا اور اب کے اس نے کچھ کہے بغیر، کسی قسم کا ردعمل ظاہر کئے بناء ان کی طرف ایک کاغذ بڑھایا تھا اور وہ کاغذ کیا تھا ان کی موت کا پروانہ تھا۔ وہ زعیزعہ خان کو مضطرب نگاہوں سے دیکھتے خود کو زمین و آسماں کے درمیان معلق محسوس کرنے لگے تھے اور ان کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے وہ تمام تر تفصیل ان کے گوش گزار کر گیا تھا۔

''اس جبر پر مجھے شیریں نے مجبور کیا، اور آگے میں کچھ بھی غلط کرنے پر مجبور پاؤں گا خود کو تو سبب آپ ہوں گے۔ اس لئے نکاح نامہ کی کاپی رکھیئے اپنے پاس، اس کی جتنی چھان بین کروانی ہو اصلی و نقلی کا فرق تلاشنا ہو، جو کچھ کرنا ہو کر گزریئے مگر اس سب کے لئے آپ کے پاس محض پندرہ دن ہیں اس مہینہ کی چھبیس کو میں اپنے چند عزیز و اقارب کے ساتھ رخصتی کے لئے آؤں گا۔ اب سب کچھ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ آپ نے شیریں کو میرے ساتھ عزت سے رخصت کرنا ہے یا جیسے جبراً نکاح نامہ پر سائن کروائے اسی طرح رخصت بھی کرا

لے جاؤں۔'' وہ انہیں ساکت چھوڑ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا نکلتا چلا گیا تھا۔ وہ یکدم خود کو بہت شکستہ محسوس کرنے لگے تھے۔ انہیں لگا تھا جیسے سامنے شہیر کھڑا ہوانہوں نے خالی خالی نظر اٹھائی تھی، سامنے ہی تو کھڑا تھا ان کا بیٹا آنکھوں میں ہزار شکوے لئے، یکدم ان کی شکستگی کئی گنا بڑھ گئی تھی اور سینے میں یکدم تکلیف کا ایسا احساس جاگا تھا کہ سامنے کے منظر سے وہ نظر چراتے داہنے ہاتھ سے سینہ مسلنے لگے تھے۔ عبیر جو یونیورسٹی سے لوٹا تھا اس نے محض زعیزعہ خان کی جھلک دیکھتی تھی وہ مضطرب سا ماں سے اس کی آمد کی وجہ دریافت کر گیا تھا۔ رابعہ سالار نے لاعلمی ظاہر کر کے سالار مصطفیٰ ڈرائنگ روم میں ہیں، بتایا تھا اور وہ وہیں پہنچ گیا تھا اور باپ کے سفید پڑتے چہرے پر جیسے ہی نظر پڑی تھی وہ لپک کر ان تک پہنچا تھا۔

''پاپا!'' عبیر نے انہیں پکارا تھا اور انہیں لگا تھا جیسے شہیر نے انہیں پکارا ہو۔

''میں ہار گیا شہی! میں تمہاری شیریں کی حفاظت کرنے میں ناکام ہو گیا۔'' وہ بڑبڑائے تھے، وہ پریشانی کے ساتھ اب کچھ متحیر بھی ہوا تھا ان کی حالت بگڑ رہی تھی اور وہ حیرت و پریشانی کو ساتھ لیے انہیں لے کر ہاسپٹل دوڑا تھا۔ رابعہ بھی اس کے ساتھ تھیں اور وہ خوشی کو فاطمہ مصطفیٰ اور شیریں کو کچھ بھی بتانے سے منع کرنے کی ہدایت کرتا ریش ڈرائیونگ کر کے ہاسپٹل پہنچا تھا اور وہ دونوں ہی سالار مصطفیٰ کے صحت یابی کے لئے دعا گو تھے۔ عبیر نے ارمان شیرازی کو کال کر دی تھی اگلے بیس منٹوں میں ارمان، نیناں اور ابران ہاسپٹل میں موجود تھے۔

''پیشنٹ کو پہلے بھی کبھی ہارٹ پرابلم ہوئی ہے؟'' ڈاکٹر نے بیٹھنے کا اشارہ کر کے پوچھا تھا۔ ارمان شیرازی کا سر فوراً ہی نفی میں ہلتا چلا گیا تھا۔

''ہارٹ اٹیک سیوئیر تھا، پیشنٹ کو اب آپ نے ہر قسم کی ٹینشن سے دور رکھنا ہو گا۔ یہ پہلا اٹیک تھا، زندگی تھی محض اس لئے بچ گئے، دوسرا اٹیک جان لیوا بھی ثابت ہو سکتا ہے اس لئے آپ پیشنٹ کا جتنا خیال رکھ سکتے ہیں، جتنی کیئر کر سکتے ہیں کریں۔'' ڈاکٹر نے دھیمے سے پیشہ ورانہ انداز میں کہا تھا۔

''پاپا ابھی تو ٹھیک ہیں نا، کوئی خطرے والی بات تو نہیں۔'' عبیر نے پریشانی سے استفسار کیا تھا جواب میں ڈاکٹر نے تسلی دلاتے ہوئے کیئر کرنے کی ہدایت دی تھی۔

''ایسا ہوا کیا تھا، پھر کوئی بات ہوئی ہے جو سالار بھیا.....'' نیناں شیرازی سسکنے لگی تھیں۔ عبیر نے آگے بڑھ کر انہیں خود سے لگا لیا تھا۔

''آنی! پریشان نہ ہوں، پاپا اب ٹھیک ہیں۔'' وہ نرمی سے دلاسہ دینے والے انداز میں بولا تھا۔

''اس سب کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ تو رہی ہو گی۔ بتاؤ مجھے عبیر۔'' وہ نم لہجے میں بولی تھیں۔

''یہ جگہ ان باتوں کے لئے مناسب نہیں، ہم گھر جا کر بات کریں گے۔ آپ خود کو سنبھالیں، پاپا آپ کو اس حالت میں دیکھیں گے تو پریشان ہوں گے اور ڈاکٹر نے پاپا کو ٹینشن فری رکھنے کو کہا ہے۔'' اس نے دھیمے سے کہا تھا اور وہ اپنے آنسو صاف کر گئی تھیں۔ وہ سب سالار مصطفیٰ کے سامنے یوں گئے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ یہ اور بات تھی کہ قیامت سی خبر تو انہی کے پاس تھی۔ وہ سب ان کی کیئر کر رہے

تھے۔ان کا دھیان بٹانے کی کوشش میں تھے کہ وہ چیخ اٹھے تھے۔

''آپ سب جاؤ یہاں سے، مجھے اکیلا چھوڑ دو۔میں کچھ وقت اکیلا رہنا چاہتا ہوں۔'' انہوں نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا تھا اور ارمان شیرازی کے ایک اشارے پر پورا کمرہ خالی ہو گیا تھا۔انہوں نے عبیر کو سب کو گھر لے جانے کی ہدایت دی تھی اور خود چلتے ہوئے اسٹول گھسیٹ کر اس پر بیٹھ گئے تھے۔

''سالار!'' دھیمے سے پکارا تھا۔

''ارمان! سب کچھ ختم ہو گیا۔'' وہ آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے بولے تھے اور ان کی پریشانی یکدم ہی بڑھ گئی تھی اور یہ پریشانی اس وقت سوا ہو گئی تھی جب سالار مصطفیٰ نے انہیں زعیز عہ خان کے کارنامے کی تفصیل بتائی تھی۔

''مجھے سمجھ نہیں آ رہا ارمان کہ اب کیا ہو گا؟'' وہ متفکر سے بولے تھے اور بات تھی تو پریشانی والی مگر وہ اپنی پریشانی کو اپنے اندر چھپائے یکدم سالار مصطفیٰ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ گئے تھے۔

''تم پریشان نہ ہو سالار، اللہ سب بہتر کر دے گا۔تمہیں ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں۔''

''کیسے ضرورت نہیں، تم نہیں جانتے کہ زعیز عہ خان کس قماش کا انسان ہے اور نکاح کوئی معمولی بات نہیں ہے۔اب ہم چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتے...... نکاح کو نہیں جھٹلا سکتے ہم۔'' وہ ارمان کی بات کاٹتے ہوئے دبے دبے غصہ سے چلائے تھے۔

''کہا نہ تم ابھی فی الحال ٹینشن نہ لو، ہم سب مل کر کوئی نہ کوئی حل نکال لیں گے۔'' انہوں نے سالار مصطفیٰ کو ریلیکس رہنے کا کہا تھا۔

''کیا حل نکالیں گے ہم......؟ اب کوئی حل نہیں بچا۔زعیز عہ خان نے پندرہ دن کا ٹائم دیا ہے ہمیں اس کی بات ماننی ہی پڑے گی کہ ہم نکاح کو چیلنج نہیں کر سکتے اور اس کی بات نہیں مانیں گے تو محض تماشہ لگے گا، دنیا کو کیا منہ دِکھائیں گے۔جس عزت کے لئے اب تک خاموش رہے کیا اب وہ خود سرِ عام نیلام کر دیں گے......'' وہ بے بسی و شکستگی سے گویا ہوئے تھے۔

''جو کھیل ہم نے پہلے کھیلا تھا وہی کھیل وہ کھیل گیا ہے...... جیسے شیریں و شہیر کے نکاح کی خبر اسے شکست سے دوچار کر گئی تھی۔اب ہم نکاح نامہ کے پابند ہو گئے ہیں......''

ارمان شیرازی یکدم بہت خاموش ہو گئے تھے اور وہ نقاہت زدہ لہجے میں کہتے چلے گئے تھے۔

''مگر ہم اس نکاح کو ہرگز نہیں مان سکتے۔زعیز عہ خان کے ساتھ میں اپنی بیٹی کو ہرگز بھی رخصت نہیں کروں گا۔اسے شیریں کو طلاق دینی ہو گی۔'' ارمان شیرازی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ زعیز عہ خان کو سولی پر لٹکا دیں۔

''فضول بچوں جیسی باتیں نہ کرو ارمان! کہ طلاق ہی دینی ہوتی تو نکاح ہی کیوں کرتا وہ......'' انہوں نے ارمان شیرازی کو ڈپٹا تھا۔

''اس بارے میں بعد میں بات کریں گے، تم خود کو اسٹریس مت دو۔''

ان کی بات میں ایسی سچائی تھی کہ انہوں نے جس کو جھٹلا نہ پانے کے سبب بات ہی بدل ڈالی تھی اور اب کے وہ بھی آگے سے کچھ

نہیں بولے تھے کہ اب بولنے کو کچھ نہیں بچا تھا، زعیزعہ خان نے ایسا کاری وار کیا تھا کہ ان کی تدبیر ہار گئی تھی اور تقدیر جیت گئی تھی۔اب فیصلہ ہونا تھا کہ وہ مقابلہ کرتے ہیں یا قسمت کے اس وار پر سر تسلیم خم کرتے ہیں۔؟

☆......☆......☆

''شیریں! سنبھالو خود کو، پاپا ٹھیک ہیں، یو ڈونٹ وری......''

اسے جیسے ہی پتہ چلا تھا اس نے رو رو کر حشر کر لیا تھا اور ایک ہی رٹ تھی کہ ہاسپٹل جانا ہے اسے سمجھانے میں ناکام ہو کر خواہش نے عبیر کو کال کی تھی اور وہ ارمان شیرازی کے کہنے پر نہ چاہتے ہوئے بھی گھر آ رہا تھا اس نے خوشی کو پانچ منٹ میں لینے کا کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا تھا اور وہ عبیر کو دیکھ کر لپک کر اس تک آئی تھی اور عبیر نے نہایت نرمی سے اسے تسلی دی تھی۔

''کیسے پریشان نہ ہوں، ماموں جان ہاسپٹل میں ہیں اور میں...... مجھے ان کے پاس جانا ہے...... پلیز عبیر بھیا مجھے ماموں جان کے پاس لے جائیں۔'' وہ اس کا بازو تھام کر ملتجی ہوتے ہوئے سسکی تھی۔

''شیریں! کہا نہ پاپا ٹھیک ہیں...... دیکھو سب گھر آ گئے ہیں۔ پاپا کی اللہ نہ کرے طبیعت اچھی نہ ہوتی تو ہم سب گھر کیسے آ سکتے تھے......'' اس نے آگے پیچھے لاؤنج میں داخل ہوتیں نیناں اور رابعہ کے ساتھ ابران کو دیکھ کر کہا تھا اور وہ لپک کر ابران تک پہنچی تھی۔

''ابران بھیا! میری کوئی بھی نہیں سن رہا، میں نے ماموں جان کے پاس جانا ہے...... آپ مجھے لے چلیئے نا پلیز......'' وہ اس کا بازو تھامے سسک رہی تھی۔ ابران نے اسے کاندھے سے لگا لیا تھا۔

''ماموں جان کو ہارٹ اٹیک آیا ہے شیریں، مگر اب وہ کافی بہتر ہیں مگر تم یوں روتے ہوئے ان کے سامنے جاؤ گی تو انہیں بہت تکلیف ہوگی، تم جانتی ہو نا کتنا چاہتے ہیں وہ تمہیں۔'' وہ روتی ہوئی بہن کا سر تھپکتے ہوئے بولا تھا۔

''میں اب بالکل نہیں روؤں گی، آپ مجھے ہاسپٹل لے چلیں، میں جب تک اپنی آنکھوں سے ماموں جان کو نہیں دیکھوں گی مجھے سکون نہیں ملے گا، مجھے پلیز ماموں جان کے پاس لے چلیں میں انہیں بالکل پریشان نہیں کروں گی۔ میں انہیں دیکھ کر آپ کے ساتھ ہی واپس آ جاؤں گی پلیز......'' وہ اس کے شانے سے لگی بری طرح رو رہی تھی اور اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی حامی بھر لی تھی اور وہ اسے لیے ہاسپٹل پہنچ گیا تھا۔ شیریں کو دیکھ کر انہیں لگا تھا کہ انہوں نے اسے کھو دیا ہے۔ عجیب سی بے چارگی و بے بسی ان کے گرد گھیرا تنگ کرنے لگی تھی۔

''ماموں جان! آپ فکر مند نہ ہوں میرے لئے خود کو پریشان نہ کریں۔ میں ٹھیک ہوں بس آپ کو اس حالت میں نہیں دیکھ پا رہی۔'' اس نے سالار مصطفیٰ کا ہاتھ، ہاتھ میں لیا ہوا تھا اور دھیمے دھیمے بولنے لگی تھی۔ ''میں جانتی ہوں آپ کی اس حالت کی وجہ میں ہوں...... ہمیشہ میں آپ سب کی تکلیف کی وجہ بن جاتی ہوں۔''

وہ سسک رہی تھی وہ اسے ٹوکنا چاہتے تھے مگر اس نے موقع ہی نہیں دیا تھا۔ ''مجھے معلوم ہے آج زعیزعہ خان آپ کے پاس آپ سے ملنے آئے تھے اور آپ کی حالت کی وجہ صرف وہ بات ہے جو آپ تصور بھی نہیں کر سکتے مگر یقین رکھیں کہ میں بہت مجبور ہو گئی تھی......''

وہ ان کے ہاتھ پر سر ٹکائے اب بری طرح بلک رہی تھی۔

''صفائی دینے کی ضرورت نہیں ہیں شیریں، اپنی بچی پر ہمیں یقین ہے، تم ایسا کچھ نہ کہو جو ہماری تکلیف کا سبب بنے......ہمیں بے اعتبار کردے۔'' وہ ابران کی مدد سے، اس کے سہارے پر اٹھ کر بیٹھ گئے تھے اور نقاہت زدہ لہجے میں بولے تھے۔

''میں کیوں ہمیشہ آپ سب کی تکلیف کی وجہ بن جاتی ہوں......صرف میری وجہ سے شہیر نہیں رہے، میرے حصول کے لیے زعیز عہ خان نے شہیر کی جان لے لی......آپ کی جدوجہد، ڈیڈی کی کوششیں، شہیر کی قربانی، ان کی محبت، آپ سب کی چاہت وایثار کچھ بھی میرے کام نہیں آیا......میرے مقدر کی سیاہی کو آپ سب لوگ مل کر بھی مٹا نہیں سکے......میرے مقدر کی سیاہی شہیر کے خون سے بھی نہ دھل سکی، میں ہار گئی ماموں جان۔ میں زعیز عہ خان کی طاقت، اس کی برائی کے آگے ہار گئی۔ میں نے اپنی شکست تسلیم کر لی۔ میں نے شہیر سے بے وفائی کی۔ میں نے شہیر کی چاہتیں......ان کی قربانی فراموش کر دی......میں ان کا حوالہ چھوڑنے پر مجبور کر دی گئی......میرے پاس کچھ نہیں بچا......میں تہی دست رہ گئی......آپ سب لوگوں نے مجھے دنیا بھر کی خوشیاں دینی چاہیں اور میں پھر آج تہی دست ہوں کہ میرے ہاتھ کی لکیروں میں زعیز عہ خان کا نام لکھا ہے۔ اس شخص کے مقدر کی سیاہی میرے مقدر سے آلپٹی ہے......میرے پاس کچھ نہیں بچا......مجھے معاف کر دیں......میں نے آپ سب کو دھوکا دیا......آپ سب کے ساتھ وفا نہیں کر سکی......عزت کی بقا کے لئے......شہیر کی عزت کی سلامتی کے لئے میں نے اس شخص کا ساتھ قبول کر لیا......مجھے معاف کر دیں مجھے معاف کر دیں آپ سب لوگ مجھے معاف کر دیں......'' وہ بیڈ کے کنارے پر ان کے نزدیک بیٹھی بری طرح سسک رہی تھی۔ نہ ان میں ہمت تھی کہ اسے چپ کرواتے، اسے تسلی دیتے اور نہ ہی اس کے باپ اور بھائی میں اتنا حوصلہ تھا کہ وہ سب لاکھ تدبیریں کرنے کے باوجود آج تقدیر کے آگے سرنگوں ہو گئے تھے۔ بہت حوصلہ کر کے ارمان شیرازی آگے بڑھے تھے اور وہ باپ سے لپٹ کر بچوں کی طرح رو رہی تھی۔

''ڈیڈی......! اس شخص نے مجھے مجبور کر دیا......اور میں......''

''چپ کر جاؤ شیریں! تم پر بھروسہ ہے ہمیں......تم ہمیں صفائیاں نہ دو......اور یہ بھی مت سوچو کہ ہماری تکلیف کا سبب ہو تم......کہ تم ہماری راحت کا سبب ہو......ہم ہی تمہاری حفاظت کرنے میں ناکام ہو گئے......ہماری تدبیر، تقدیر سے ہار گئی......'' وہ بیٹی کو تھپکتے اپنی آنکھوں میں آنسو جمع ہوتے محسوس کر رہے تھے۔

''کیوں ڈیڈی، کیوں! کیوں ہو رہا ہے میرے ساتھ ایسا......آخر کیا بگاڑا ہے میں نے کسی کا......کیوں چلے گئے شہیر مجھے چھوڑ کر۔ کیسے چلے گئے وہ اپنی شیریں کو بے آسرا کر کے......کہ کوئی بھی اپنی حکومت چلا لے مجھ پر اپنی طاقت کا سکہ آزما لے......شہیر نے تو وعدہ کیا تھا میری حفاظت کا، ساتھ نبھانے کا......تو کیسے وعدہ توڑ کر چلے گئے وہ......کیوں کی شہیر نے مجھ سے بے وفائی......کیوں سہانے سپنے دکھا کر شہیر نے میری بینائی ہی چھین لی۔ مجھے اندھی کھائی میں دھکیل دیا۔ اب میں کیسے نکلوں گی اس کھائی سے جس کے چہار طرف وہ شخص گھات لگائے بیٹھا ہے......مجھے بچا لیں ڈیڈی اس شخص سے بچا لیں مجھے......مجھے زعیز عہ خان کے چنگل سے نکال لیں......آپ کو اللہ

کا واسطہ ڈیڈی......آپ کو شہیر کی قسم......!'' وہ باپ کے سینے سے لگی بری طرح تڑپ رہی تھی اور تڑپ تو وہ بھی رہے تھے مگر ضبط لازم تھا کہ اس کو سنبھالنا تھا جو بالکل ٹوٹ گئی تھی، شہیر کی موت کا صدمہ ہی نہیں جھیلا گیا تھا کہ نئی افتاد وہ سب ہی شکست و ریخت کا شکار تھے تو اس سے کیا حوصلے کی توقع کر سکتے تھے وہ خود روتی انہیں رلا رہی تھی، ابران سے برداشت نہیں ہوا تھا وہ یکدم پلٹا تھا اور وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا جبکہ سالار مصطفیٰ بھیگی پلکوں سے بہت کچھ سوچ رہے تھے اور سوچ تو ارمان شیرازی بھی بہت کچھ رہے تھے مگر جال ان کے گرد ایسا بنا گیا تھا کہ اس سے نکلنے کا کوئی راستہ ہی نہیں تھا۔ وہ بوجھل ذہن و دل کے ساتھ اسے بھرپور انداز میں تسلی دے رہے تھے جس کے حوصلے، جس کی ہمت بالکل ہی ٹوٹ گئی تھی اور ان سب نے نہ صرف اس مسئلہ کا حل نکالنا تھا اس کی ہمت بھی بندھانی تھی اس کا کھویا مان، کھویا اعتبار بھی دلانا تھا مگر وہ خود ابھی یقین و گماں کی کشمکش میں تھے۔ اسے کہاں سے یکدم صحرا سے نکال لیتے کہ زندگی وہی تھی مگر رت بدل گئی تھی اور بدلی ہوئی رت ہر کسی کو کہاں راس آتی ہے۔ کبھی بہار کی رت بھی کسی کے لئے خزاں کا پیغام بن جاتی ہے تو کسی کے لئے خزاں کی رت بہار کا پیغام لے کر آتی ہے۔

میں خزاں کی دھوپ ہوں

تو پیام ہے بہار کا!

اور بہار کی رت تو شہیر سالار کی زندگی کا سورج کیا ڈوبا تھا خزاں کا پیرہن اوڑھ گئی تھی اور اب بدلتی رت اس کے لیے بہار کا پیغام بننے والی تھی کہ خزاں کی دھوپ یہ فیصلہ ہونے میں زیادہ وقت تو نہیں تھا کہ زعیزعہ خان نے انہیں پندرہ دن کا وقت دیا تھا اور جب بندہ گزارنا نہ چاہے تو تب ہی تو شدت سے لگتا ہے کہ وقت چٹکی بجاتے میں گزر گیا۔

☆......☆......☆

''اتنے خاموش کیوں ہیں......کیا ناراض ہیں......؟'' ڈرائیونگ کرتا ابیان بے طرح چونک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

''نہیں تو......میں تم سے کیوں ناراض ہوں گا۔ اور کیا میں تم سے ناراض ہو سکتا ہوں......'' وہ اس کے متفکر چہرے کو دیکھ کر مسکرایا تھا۔ یکدم وہ ہلکی پھلکی ہوگئی تھی کہ ابیان سالار مصطفیٰ کی خیریت دریافت کرنے مصطفیٰ ہاؤس گیا تھا اور عبیر کا انتظار کرتیں رابعہ سالار نے خوشی کو کالج سے لانے کی ذمہ داری اس پر ڈال دی تھی اور وہ بذلہ سنج، شوخ مزاج ابیان کی غیر معمولی سنجیدگی و خاموشی سے گھبرا کر سوال کر گئی تھی جس کا جواب اس نے اپنی عادت کے برخلاف کافی ٹھہرے ہوئے لہجے میں دیا تھا مگر وہ پھر بھی مطمئن ہوگئی تھی۔

''آج کل ماموں جان کی طبیعت کی وجہ سے سب ہی پریشان ہیں تو بس میں بھی اپنے اکلوتے سسر صاحب کو لے کر ہی پریشان ہوں۔'' وہ اب کے اپنے مخصوص شوخ انداز میں بولا تھا وہ یکدم ہی ہنس دی تھی۔

''توبہ ہے آپ سے تو ابیان، سسر اکلوتے ہی ہوتے ہیں سب کے۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔ وہ بھی اس کے ساتھ ساتھ ہی ہنس دیا تھا۔

''زندگی یکدم ہی بہت کٹھن ہوگئی ہے، بالکل ہی پرائی پرائی سی، اجنبی سی محسوس ہونے لگی ہے...... ہر دن کے ساتھ نئی پریشانی یوں وارد ہورہی ہے کہ سکھ کے مطالب بھولنے لگے ہیں......'' وہ موڑ کاٹتے ہوئے یکدم گہری سنجیدگی سے بولا تھا۔

وہ ابیان کے اس نئے روپ پر حیران ہوتی دھیمے سے بولی تھی۔

''ایسے کیوں بول رہے ہیں ابیان! مایوسی کفر ہے۔ حالات کتنے ہی برے سہی مگر حالات ہی تو ہیں ایک دن ٹھیک ہو جائیں گے......'' اس کا لہجہ پرامید تھا۔

''کب ہو جائیں گے، پے در پے وارد ہونے والی آفتیں تو جانے کا نام ہی نہیں لے رہیں۔ پہلے ادیان کومہ میں چلا گیا آج کتنے ماہ گزر گئے، سب کتنے پریشان ہیں مگر ادیان کی حالت ہنوز ہے......ادیان کی بیماری سے ہی نہیں سنبھلے تھے کہ شہیر بھیا کی فوتگی۔ شیریں کی حالت، بے در پے صدمے۔ شیریں کی کڈنیپنگ، زعیزعہ خان کا زبردستی نکاح پڑھوانا، ماموں جان کی بیماری، کچھ بھی ایسا ہوا ہے اس دوران کہ زندگی اپنی اپنی سی محسوس ہو۔ سب کو پریشان دیکھ کر ایک دوسرے سے دکھ چھپا کر خوش نظر آنے کی کوشش کرتے اپنوں کو دیکھ کر دل تکلیف سے گزر رہا ہے خوشی۔ یہ سمجھ نہیں آتا ایسا کیا کروں کہ سب پھر سے مسکرانے لگیں...... میں زندگی سے مایوس نہیں ہوا مگر مایوسی مجھے اپنی اور کھینچنے لگتی ہے......شیریں کی حالت نہیں دیکھی جاتی مجھ سے......جس بہن کی آنکھ میں آنسو نہیں آنے دیا اس کی پوری زندگی آنسو بن کر رہ گئی ہے ایسے میں، میں مایوس نہ ہوں تو تم ہی بتاؤ، کیا کروں میں......'' اس نے گاڑی سائیڈ پر روک دی تھی اور دھیمے لہجے میں بول رہا تھا اس کی آنکھوں کی سرخی گئی گنا بڑھ گئی تھی یکدم اس نے ابیان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا۔

''مایوسی کفر ہے ابیان! اس لئے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ جہاں غموں کے قافلے رکتے ہیں وہیں ذرا فاصلے پر خوشیاں موجود ہوتی ہیں جنہیں ہماری دکھی آنکھیں شناخت کرنے سے قاصر رہتی ہیں مگر اکثر جہاں ہماری سوچ کی پرواز تھمتی ہے، وہیں اندھیرے مٹتے اور اجالا پھوٹتا ہے اس لئے خوش امید رہنا سیکھئے کہ مایوسی دیمک کی طرح ہوتی ہے جو خوشیوں کو کھوکھلا کر دیتی ہے......'' وہ نرم حلاوت بھرے لہجے میں اسے امید کی کرن دکھا رہی تھی۔

''لیکن خوشی......!''

''لیکن، ویکن کیا ابیان، سکھ و دکھ کے امتزاج کا نام ہی تو زندگی ہے۔ دکھ جائیں گے، سکھ آجائیں گے آپ اتنے مایوس نہ ہوں......اور امید رکھیں کہ شیریں کو بھی خوشیاں ملیں گی......شہیر بھیا اور اس کا ساتھ بہت مختصر تھا مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب اللہ نہ کرے کہ خوشیاں ہی اس کے مقدر میں نہیں کہ زندگی شہیر بھیا کی ختم ہوئی ہے اور جب تک شیریں کی زندگی ہے اللہ اسے دکھ دے گا تو راحتیں بھی دے گا کہ یہی زندگی ہے، کبھی دکھ، تو کبھی سکھ......زعیزعہ خان بے شک ہماری شیریں کے لائق نہیں مگر یہ فیصلہ اللہ کا ہے کہ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں......'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بول رہی تھی اور وہ جو اسے بہت غور سے سن رہا تھا یکدم حیرانگی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔ ''زعیزعہ خان ہمیں غلط لگتا ہے ابیان، مگر اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ اپنی حکمت سے لیا ہے اور اللہ کی حکمت تک ہم نہیں پہنچ سکتے۔ کیا پتہ ایک بھٹکے ہوئے

انسان کو راہِ راست پر لانے کے لئے اللہ نے یہ جوڑی بنائی ہو جو ہم سب کو بالکل بے جوڑ لگ رہی ہے.....'' وہ گہری سنجیدگی سے اس کی حیرانگی محسوس کرنے کے باوجود بولی تھی۔

''خوشی! تمہیں یہ سب ٹھیک لگتا ہے۔''

''ٹھیک نہیں لگتا کہ ٹھیک نہیں ہے.....مگر نا ٹھیک کو ٹھیک کیا تو جا سکتا ہے کہ اچھے انسان کے ساتھ تو سب گزارہ کر لیتے ہیں ایک برے انسان کے ساتھ گزارہ کر کے دکھائیں تب مزے داری ہوتی ہے۔'' وہ گہرے مدبرانہ انداز میں بولی تھی۔ آج وہ صحیح معنوں میں سالار مصطفیٰ کی بیٹی لگ رہی تھی جو برائی میں سے بھی اچھائی کا پہلو نکال لیتے ہیں۔

''تم اتنی آسانی سے کہہ سکتی ہو کہ تم شیریں کے حالت سے محض واقف ہو اس اذیت سے گزری نہیں ہو.....'' وہ تلخی سے کہہ کر گاڑی اسٹارٹ کر گیا تھا۔

''شیریں کی حالت سے تو آپ بھی محض واقف ہیں۔ حالات سے گزرے تو آپ بھی نہیں.....'' وہ اب کے تلخی سے بولی تھی وہ یکدم ہی اپنے آپ میں چور سا بن گیا تھا۔

''یہی بات ہے ایان! زندگی کو ہم اپنے انداز سے محسوس کرتے ہیں.....اپنوں کی تکلیف بھی محسوس ہو جاتی ہے.....شیریں کی تکلیف سے ہم گزر رہے ہیں مگر بابا ٹھیک کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ اللہ کا ہے اور اللہ کا فیصلہ بلا چوں چرا مان لینا ہی اللہ کے بندوں کا فرض ہے اور ہم اس فرض سے کوتاہی کیوں برتیں.....'' وہ دھیمے سے پوچھ رہی تھی۔

''تم ٹھیک کہتی ہو خوشی۔ مگر کچھ حقیقتیں تسلیم تو کر لی جاتی ہیں مگر انہیں برداشت کر پانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ زندگی اس دوراہے پر لے آئی ہے جہاں اتنی مصیبتیں ساتھ ساتھ رواں دواں ہیں کہ حقیقت کو جھٹلانا ہی سب سے آساں لگتا ہے.....شہیر بھیا کی موت کا صدمہ ہی برداشت نہیں ہوتا کہ شیریں کی حالت بھی ناقابل برداشت ہے.....ایک غم ہو تو برداشت بھی ہو جائے غموں کی تو لگتا ہے چار سو برسات ہونے لگی ہے۔ انسان بچے تو کہاں تک.....؟'' وہ آزردگی سے بولا تھا۔

''سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیں کہ جب ہمیں شیریں کی اتنی پرواہ ہے تو اللہ کو شیریں ہم سے زیادہ عزیز ہے کہ اللہ اپنے بندے کو ستر ماؤں سے بڑھ کر چاہتا ہے وہ شیریں کی اتنی ہی آزمائش لے گا جتنی کہ وہ مکمل ہو سکے گی۔ مایوس ہونے کی بجائے اس کا سہارا بنیں کہ دکھ کے وقت میں اپنوں کا سہارا ہی دکھوں کے خاتمہ کی دلیل ہوتا ہے۔'' وہ اس کو دیکھ کر مسکرائی تھی اور اس نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''مجھے اندازہ ہی نہیں تھا کہ میری خوشی اتنی مثبت سوچ رکھتی ہے۔ اتنی اچھی تعمیراتی سوچ رکھتی ہے۔'' وہ اتنے عرصہ سے مضطرب تھا مگر دل کا بوجھ آج ہلکا کیا تھا۔ وہ سکون سا رگ و پے میں اترتا محسوس کرتا دلکشی سے مسکرایا تھا۔ لگتا تھا کہ سچی مسکراہٹ نے ایک طویل عرصہ بعد لبوں کو چھوا تھا۔

''میں اتنی ہی اچھی ہوں، بس آپ کو ہی کبھی یقین نہیں ہوتا۔'' وہ اس کو پر سکون محسوس کرتی شرارت سے بولی تھی۔

''خوش فہمی نہیں ہے جناب کو......'' ہوا سے اڑتے اس کے بالوں کو نرمی سے چھوتے ہوئے چھیڑ رہا تھا۔

''خود شناسی کہتے ہیں اسے......'' وہ کھلکھلائی تھی اور وہ بھی ہنس دیا تھا۔

''اچھی لگتی ہو، ہنستی رہا کرو......'' اس کی بے ساختہ تعریف پر وہ جھینپ کر سرخ پڑ گئی تھی۔

''گاڑی کی اسپیڈ بڑھائیں۔ مما انتظار کر رہی ہوں گی۔'' جھینپ مٹانے کو منمنائی تھی۔

''ویسے بہت بولتی ہو اور جہاں میں بولنے لگتا ہوں وہیں تمہاری بولتی بند......ارے بھئی رومینس بھی کرنے دیا کرو، آخر کو اکلوتی منکوحہ ہو......'' بھرپور انداز میں اس کے موضوع بدلنے پر چوٹ کی تھی۔ وہ آگے سے کچھ نہیں بولی تھی۔ ''سوچ رہا ہوں تم تو رومینس کی اجازت دیتی نہیں ہو اپنی اتنی فینز میں سے کسی کے ساتھ رومینس کا کوٹہ پورا کر لیا کروں......'' اسپیڈ بڑھاتے ہوئے شوخی سے بول رہا تھا۔ بظاہر نہایت سنجیدہ اور آنکھیں شرارت کا مظہر بنی ہوئی تھیں۔

''فضول سوچا نا آپ نے تو جان سے ماردوں گی میں آپ کو......'' وہ اس کی شرارت سے انجان تپ کر بولی تھی اس نے بے ساختہ قہقہہ لگا لیا تھا۔

''اتنی محبت ہے مجھ سے......'' شرارت سے چھیڑا تھا۔

''آپ کی سوچ سے بھی زیادہ اس لئے فضول میں اپنی سوچوں کو پراگندہ کرنے کی ضرورت نہیں کہ آپ پر ہی نہیں آپ کی سوچ پر بھی صرف میرا حق ہے۔ اسی لئے تو میں نہیں چاہتی تھی کہ آپ اس فیلڈ کو چوز کریں......مگر اب کر لیا ہے تو مت بھولیں میں بالکل برداشت نہیں کروں گی۔ کسی فین سے بات بھی کی نا تو اپنی اور آپ کی جان ایک کر دوں گی......آپ پر صرف میرا حق ہے......صرف میرا......''

گاڑی دھیمی رفتار سے مصطفیٰ ہاؤس کی حدود میں داخل ہوئی تھی اور گیراج میں جا کر رک گئی تھی تب وہ بے حد جذباتی لہجے میں بولی تھی۔

''آج لگی ہو مسز ابیان شیرازی......'' اسے بازو سے تھام کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے شوخی سے بولا تھا اور وہ سرخ پڑ گئی تھی۔

''میں بہت سیریئس ہوں ابیان! سچ میں مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا کہ آپ کسی اور لڑکی سے بات بھی کریں۔'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

''زندگی ہے ڈیئر، بہت سے لوگوں سے رابطے کرنے پڑتے ہیں بس تم اتنا یاد رکھنا کہ میں کہیں بھی جاؤں گا مگر جب واپسی کو قدم اٹھیں گے تو تمہاری طرف......واپسی کو قدم اٹھیں گے تو تمہاری خاطر......تم بے فکر رہا کرو کہ ابیان شیرازی تم سے بے وفائی نہیں کر سکتا کہ تم میری منزل ہو......میری زندگی کا حاصل......'' وہ اس کے لئے مخصوص چاہت سے بولا تھا اور وہ یکدم ہی گماں سے نکل کر یقین کی حدود میں داخل ہو گئی تھی اور اس کو پرسکون محسوس کرتے ہوئے وہ سکون سا محسوس کرتا ایک شوخ شرارت کے بعد اسے اپنی گرفت سے آزاد کر دیا تھا، ایک نرم سی سرگوشی کے ساتھ اور وہ حیا سے مسکرا دی تھی۔

☆......☆......☆

''پلیز سالار! یہ ممکن نہیں ہے......''

دس دن گزر گئے تھے آج زعیزعہ خان کی ملازمہ شیریں کے لئے سہاگ کا جوڑا اور کافی کچھ لے کر آئی تھی اور اس پر رابعہ سالار خفا ہونے لگی تھیں، عادت وفطرت کے برخلاف غصہ ہوئیں اسے سامان واپس لے جانے کا کہہ گئی تھیں مگر سالار مصطفیٰ نے وہ رکھ کر ملازمہ کو جانے کا کہہ دیا تھا اور وہ سامان رکھ لینے پر خائف سی بولی تھیں۔

''ممکن ہو گیا ہے رابی جسے ہم جھٹلا نہیں سکتے......شادی کوئی گڈے گڑیا کا کھیل نہیں ہے کہ ہم اسے اپنی مرضی سے انجام دے لیں، دل چاہا تو شادی، دل بھر گیا تو سب ختم......نکاح ہوا ہے اور جو مذاق نہیں ہے، پر نکاح کی حقیقت جھٹلا نہیں سکتے......''

''حقیقت مٹا تو سکتے ہیں......'' وہ ان کی بات قطع کر کے ترنت بولی تھیں۔

''بچوں جیسی باتیں نہ کرو رابی! کہ ڈائیورس کا آپشن ہے ضرور مگر ہم اسے یوز نہیں کر سکتے۔'' ان کا انداز تھکن لیے ہوئے تھا۔

''آخر کیوں......؟ ہم کیوں زعیزعہ خان کے دباؤ میں آئیں وہ اتنا طاقتور ہے کہ جو چاہے کرتا پھرے اور ہم اتنے کمزور کہ اس کے اشاروں پر ناچنے لگیں تو ایسا نہیں ہو گا سالار! آپ خلع کا کیس دائر کر دیں بس......!'' صلح جو نرم فطرت رابعہ سالار قدرے غصہ سے بولی تھیں۔

''ٹھیک ہے ایسا ہی ہو گا، مگر اتنا یاد رکھنا کہ آگے کی تباہیوں کی صرف تم ذمہ دار ہو گی۔'' وہ سرد مہری سے کہتے لاؤنج سے نکلتے چلے گئے تھے جبکہ وہ ساکت کھڑی رہ گئی تھیں۔

''سالار غلط نہیں کہہ رہا......پَر جب کٹ جاتے ہیں تو اڑا نہیں جاتا محض اڑنے کی خواہش رہ جاتی ہے......'' فاطمہ مصطفیٰ دل گرفتگی سے بولی تھیں۔

''خواہش رہ جاتی ہے نا تو خواہش کوشش کا دوسرا نام ہے......ہم چاہے بے بس ہیں......ہمارے اختیار میں کچھ نہیں......مگر ہم کوشش کیوں ترک کریں......کیوں شکست تسلیم کریں ہم......کیا اتنے ہی کمزور ہیں ہم کہ زعیزعہ خان کے آگے ہتھیار ڈال دیں۔'' وہ گہری یاسیت بھری سنجیدگی سے بولی تھیں۔

''افہام وتفہیم کے ذریعے مسائل حل ہو سکتے ہوں تو ہتھیار نہ اٹھانا ہی عقل مندی ہوتی ہے کہ فہم وفراست اسی میں ہے کہ اس مسئلے کو مزید الجھایا نہ جائے۔'' وہ ان کی کیفیت سمجھتی تھیں اس لئے نرمی سے بولی تھیں اور وہ ساس کو دکھ سے دیکھنے لگی تھیں۔

''پلیز امی! آپ کم از کم سالار کی زبان نہ بولیے کہ میں یہ برداشت نہیں کر سکتی......شہیر کی دلہن کو کسی اور کا بنتے دیکھنے کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں......ابھی تو میرے بیٹے کا کفن بھی میلا نہیں ہوا اور آپ سب چاہتے ہیں کہ میں اس کی بیوہ کو اس گھر سے بہ خوشی رخصت کر دوں تو اتنی ہمت نہیں ہے مجھ میں......'' وہ بری طرح روتے ہوئے کہتی چلی گئی تھیں۔

''شیریں کی بھلائی کی نیت سے جب تم عبیر سے اس کے نکاح کی از خود بات چلا سکتی ہو تو شیریں کی بھلائی کے لئے زعیزعہ خان کو بھی قبول کر لو۔''

وہ بہو کو متاسف نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی تھیں۔

''میں نہیں کر سکتی...... جس دل سے عبیر کے لئے راضی ہوئی تھیں میں جانتی ہوں یا میرا اللہ...... کہ میں نے شہیر اور شیریں کے لئے عبیر کی خوشی پس پشت ڈال دی تھی...... میرا بیٹا جس لڑکی کی خوشی کے لئے، جس کو تحفظ دیتے خود جان سے چلا گیا...... میں اس کی خوشی کے لئے عبیر کی خوشی بھول گئی...... مگر یہ نہیں کر سکتی امی...... اتنا حوصلہ نہیں مجھ میں کہ میں اپنے بیٹے کے قاتل کو اپنی بہو کا شوہر مان لوں...... ہر جگہ، ہر وقت صبر کیا شکر کی راہ چنی...... بیٹے کی موت کو بھی صبر سے برداشت کر گئی مگر یہ میری برداشت سے باہر کی بات ہے......'' وہ سسکتے ہوئے صاف انکاری تھیں۔ آگے سے اب وہ کچھ بول نہیں پائی تھیں کہ رابعہ غلط نہیں کہہ رہی تھیں۔

''آپ خود بتائیے کیا میں اتنی خود غرض ہوں کہ میں شیریں کی خوشی نہیں چاہتی...... مجھے شیریں کی خوشی عزیز ہے اور میں جانتی ہوں وہ زعیزعہ خان، شیریں کے لائق نہیں ہے اس کی بری خصلتیں...... اس کی بری عادتیں...... اس کی گندی سوچ...... خراب کردار کیا یہ سب اس لائق ہے کہ وہ شخص شیریں کا نصیب ہے...... ہمارے ہی بیٹے کا قاتل ہماری بچی کا سہاگ بن جائے بتائیے کیسے ہو سکتا ہے یہ...... کیسے......'' رابعہ سالار کی تیز آواز پر در و دیوار حیران تھے کہ اس عورت کو ہمیشہ دھیما مزاج پایا تھا اور آج وہ روتے ہوئے چیخ رہی تھیں کہ آج صبر نہیں ہو رہا تھا۔ آج صبر بکھر گیا تھا۔

''بہت مشکل ہے زندگی کے اس موڑ پر صبر کرنا، برداشت و تحمل سے کام لینا مگر صبر بھی لاگو ہوتا ہے، برداشت بھی کرنا ہو گا کہ یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے...... سالار ٹھیک کہتا ہے کہ ایک بھٹکے ہوئے شخص کو اللہ سیدھی راہ پر لانا چاہتا ہے تو اسے ایسے شخص کا ساتھ سونپ دیتا ہے جو اجالوں سا ہو...... شیریں کے من کی پاکیزگی، کردار کا اجلا پن اس شخص کو ڈیز رو نہیں کرتا کیونکہ اللہ نے خود فرمایا ہے پاکیزہ، با کردار، پاکدامن عورتوں کے لئے با کردار پاک دامن ہی مرد اور بدکردار مردوں کے لئے بدکردار عورتیں...... مگر اللہ ہی خود فرماتا ہے میں کسی کو دے کر آزماتا ہوں۔ کسی سے لے کر آزماتا ہوں...... شیریں کو لینا بھی آزمائش...... زعیزعہ کا ساتھ بھی آزمائش...... اب اللہ نے ڈالا ہے اس آزمائش میں تو وہی نکالے گا کہ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں۔ شیریں اور زعیزعہ خان کا جوڑ ہمیں بے جوڑ لگتا ہے مگر بنایا تو اللہ نے ہے اس کے پیچھے اللہ کی کیا حکمت ہے ہم یہ جاننا تو دور اندازہ تک نہیں کر سکتے...... اس لئے اس رشتے کے محض منفی پہلو مت دیکھو رابی! اس کے مثبت پہلو بھی دیکھو کہ سکے کے دونوں پہلوؤں کو دیکھنا، پرکھنا ہی اصل دانشمندی ہے ایک پہلو پر نظر رکھ کر دوسرے کو نظر انداز کر دینا خود بتاؤ کیا عقلمندی کے تقاضے پورے کر پائے گا؟'' وہ اپنے مخصوص شیریں لہجے میں نرمی و حلاوت سے کہتی چلی گئی تھیں اور ان کا سر انکار میں ہلتا چلا گیا تھا۔

''ہر بات مانتی ہوں...... ہر حقیقت کے آگے سر تسلیم خم ہے مگر دل نہیں مانتا...... شہیر کی موت کا صدمہ ہی نہیں برداشت ہوتا...... اس کی امانت کی حفاظت نہ کر پانے کا دکھ سانسیں چھیننے لگتا ہے۔ سچ میں مجھ میں اتنا حوصلہ ہی نہیں...... میں سب کو سمجھنے کے باوجود اپنے شہیر کی دلہن کو کسی کے ساتھ رخصت کر پانے کا حوصلہ مجتمع نہیں کر پاتی۔''

آنسو قطرہ قطرہ ان کی آنکھوں سے گرنے لگے تھے شہیر کی موت اور پے در پے پڑنے والے صدمات نے ان کی جیسے توانائیاں ہی چھین لی تھیں۔ وہ اپنی عمر سے کوئی گیارہ، پندرہ سال آگے بڑھ گئی تھیں، صدیوں کی تھکن لئے، آزردہ چہرہ یکدم انہیں بہت بوڑھا ظاہر کرنے لگا تھا۔

''سب کچھ ہمیشہ کی طرح اللہ پر چھوڑ دو وہ ضرور تمہارے قلب کو سکون دے گا...... تمہاری ماما کو راحت دے گا...... پریشان نہ ہو کہ زندگی امتحان سے گزر جائے گی بس تم حوصلہ نہ ہارو کہ تم ہی ہو جو ارمان کو راضی کر سکتی ہو...... تم ہی شیریں کو نئے خاردار سفر کے لئے آمادہ کر سکتی ہو تم ہی ہمت نہیں پکڑو گی تو شیریں کی راہ کے کانٹے کون چنے گا؟'' وہ انہیں نئی سوچ دے رہی تھیں اور وہ نم پلکوں سے ساس کو دیکھنے لگی تھیں کہ وہ اپنے درد میں ڈوبیں شیریں کو یکسر فراموش کئے ہوئے تھیں۔ یکدم ہی بے چین ہو گئی تھیں۔

''جن حالات میں نکاح ہوا ہے شیریں کو جذباتی سہارے کی ضرورت ہے اور اسے بھی اس سب کے لئے راضی کرنا ہے کہ اصل امتحان تو اسی کا ہے جو مہکے گلستاں سے یکدم صحرا میں جا کھڑی ہوئی ہے۔'' وہ اب کے آزردگی سے بولی تھیں کہ شیریں ان سب کو جتنی عزیز تھی، جتنا اس کو تکلیف سے بچانا چاہا تھا آج وہ اتنی ہی تکلیف میں تھی اور اس کی تکلیف پر وہ سب تکلیف میں تھے مگر چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتے تھے کہ ان کی ہر تدبیر، تقدیر کے آگے سرنگوں ہو گئی تھی۔

''میرا دل نہیں مانتا...... مگر میں کوشش ضرور کروں گی کہ تقدیر کے اس وار کا مقابلہ کر سکوں۔'' وہ دھیمے سے کہتیں وہاں ٹھہری نہ تھیں اور فاطمہ مصطفیٰ کے لئے ان کا بے دلی سے کیا اقرار بھی بہت تھا کہ اب انہیں یقین ہو چلا تھا کہ وہ ارمان شیرازی کو بھی منالیں گی اور ہوا بھی یہی تھا کہ وہ سب نہ چاہتے ہوئے بھی سر جھکا گئے تھے کہ تقدیر سے نہیں لڑ سکتے تھے مگر وہ تو کسی طور پر راضی نہ تھی۔ کتنا واویلا کیا تھا، کتنا روئی تڑپی تھی مگر وہ سب اندھے، بہرے ہو گئے تھے اور گھر میں سوگوار سی ہلچل شروع ہو گئی تھی رخصتی کی تیاریاں کہنے کو اپنے عروج پر تھیں مگر ارمانوں کا خون ایسے شامل تھا کہ لگتا تھا کہ کسی کی تدفین کی تیاریاں ہو رہی ہوں اور وہ ایک ایک سے فریاد کرتی ہزار دلیلیں، ہزار منطقیں، صبر کی تلقین سن سن کر ان سب سے خائف کچھ روٹھ سی گئی تھی اور اسے روٹھنے نہ دینے والوں نے اس کو روٹھ جانے دیا کہ ایک شخص کے چلے جانے سے رت ہی بدل گئی تھی، انداز زندگی، انداز سوچ بدل گئے تھے کہ جانے والا اپنے پیچھے تباہیاں چھوڑ گیا تھا کہ صرف شہیر کا ساتھ نہیں چھوٹا تھا، زندگی کی حسین رت روٹھ گئی تھی، حسین رت کی جبر کی قید میں تھی، اسیری خود اسیر تھی ایسے میں تڑپا تو جا سکتا تھا، چرچا نہیں کر سکتے کہ آدابِ محفل اور آدابِ عشق اور...... تڑپنا اور تڑپ کر رہ جانا اور...... وہ تڑپ نہیں رہی تھی مگر حالت تڑپنے والوں میں تھی۔ پندرہ دن گزر گئے تھے، تین دن قبل رخصتی کے لئے زعیزعہ خان کے باپ سے بات ہو گئی تھی اور رخصتی کے لئے مقررہ دن اپنے جلو میں کئی ویرانیاں لئے جلوہ گر ہو گیا تھا۔ وہ صبح سے بہت بے چین تھی ایک ایک کے سامنے پھر فریاد کناں ہوئی تھی مگر سننے کو ان سنا بڑی خوبی سے کیا گیا تھا اور اس کے تن پر عروسی جوڑا سج گیا تھا۔ وہ آئینہ میں نظر آتے اپنے اجنبی سے روپ کو دیکھ کر یکدم بلک اٹھی تھی۔ لبوں سے فریاد آزاد ہوئی تھی، وہ گھٹنوں کے بل کارپٹ پر گرتی چلی گئی تھی۔

''شہیر !'' وہ سسکی تھی، کمرے کی ہر چیز اس کے بین میں شامل ہوگئی تھی۔

''شہیر! میں آپ کو مناتے ہار گئی ہوں، مت روٹھیں اتنا کہ میری سانس تھم جائے...... کہیں سے لوٹ آئیں شہیر! زندگی کو روٹھنے سے بچالیں...... آپ کی شیریں کو ضرورت ہے آپ کی...... ایسا بھی کیا روٹھنا شہیر...... مت ستائیں لوٹ آئیں، اپنی شیریں کے لئے لوٹ آئیں، موت سے کہہ دیں کہ زندگی کو آپ کی ضرورت ہے، زندگی کے لئے زندگی کو ایک بار مانگ لائیں، وعدہ رہا آپ سے کہ اب آپ کو روٹھنے نہیں دوں گی، آپ کو آپ کے عشق کا واسطہ شہیر، زندگی کی طرف لوٹ آئیں، آجائیں کہیں سے کہ آپ بن جیا نہیں جاتا، جینے کی کوشش کر رہی تھی کہ اذنِ سفر ملا ہے، اس سفر سے بچالیں مجھے شہیر، آپ کو ہمارے اچھے وقت کی قسم، عشق کی اس حسین رت کی قسم جو ساتھ گزاری تھی۔ آپ کو آپ کی شیریں کی قسم، عشق کو روٹھنے سے بچالیں۔ مان جائیں شہیر، واپس آجائیں، خدا کے لئے واپس آجائیں۔'' وہ رورو کر تھکنے لگی تھی کہ اٹھی تھی اور اپنی شادی کی تصویر پر نظر جمائے انگلیاں پھیرتی شدت سے بولی تھی، کمرے کی ہر چیز اس کے ساتھ ساتھ رو رہی تھی، تصویر پر اس کے آنسو کیا گرے تھے لگا تھا کہ شہیر کی تصویر بھی رو پڑی ہے مگر رونے والوں کے ساتھ رویا تو جاسکتا ہے مگر جب اذنِ سفر موت کی وادی کا مل جاتا ہے تو رونے والوں کے ساتھ رویا تو جاسکتا ہے آنسو نہیں پونچھے جاسکتے۔ اگر وہ رو رہی تھی، تڑپ رہی تھی تو روح تو اس کی بھی بے چین تھی مگر وہ لوٹ کر نہیں آسکتا تھا کہ موت کی گھاٹی سے کون لوٹ کر آتا ہے۔ موت کا سفر اپنوں کے لئے شروع تو کیا جاسکتا ہے اپنوں کی خاطر روکا نہیں جاسکتا۔ اس کی انگلیاں شہیر سالار کے نقش پر ثبت ہوتی جارہی تھیں مگر جو ڈر کنڈلی مارے اندر بیٹھا تھا وہ اتنا شدید تھا کہ خوشبو محسوس ہو رہی تھی مگر لمس کہیں بکھر سا جارہا تھا۔ اسے اپنی پوریں زخمی ہوتی محسوس ہوئی تھیں۔

عین وصل کی رت میں جب وہ کچھ کہتا نہیں
میں ہجر کی آہٹ سنتا ہوں او ر رو دیتا ہوں
وصلِ امید جب کرتی ہے بین میرے اندر
میں ہجر یاراں سے کچھ نہیں کہتا اور رو دیتا ہوں
جنونِ عشق کی روٹھی رت لگائی ہے جب گلے
حسین رت کی آس میں بکھرتا ہوں اور رو دیتا ہوں
رت ہو بہار کی، پیار کی، کسی انتظار کی
گزرے عشق کو کرتا ہوں یاد اور رو دیتا ہوں
کچھ بھی نہ بچا پاس میرے، مٹ گئے احساس میرے
ہجر کی دہلیز پر جلاتا ہوں دیا عشق کا اور رو دیتا ہوں

☆......☆......☆

''ممی!'' وہ ماں کی سرخ آنکھیں دیکھ کر بے چینی سی محسوس کرتا ان کے قریب آن رکا تھا اور وہ خالی خالی نظروں سے ابران کو دیکھنے لگی تھیں۔ ابران نے سرخ پڑتی آنکھوں کے ساتھ نہایت ضبط سے گزرتے ہوئے ماں کو خود سے لگالیا اور وہ بیٹے کا مضبوط سہارہ پا کر یکدم شدتوں سے رو پڑی تھیں۔

''ممی، حوصلہ رکھیئے، زندگی کی اس کڑی آزمائش سے بھی نہ چاہتے ہوئے بھی گزرنا پڑے گا'' وخود کو ضبط کی تلقین کرتا ماں کا سہارہ بنا ہوا تھا۔

''زندگی کیوں کھینچ کھانچ کر مجھے تپتے صحرا میں کھڑا کر دیتی ہے۔ جب لگتا ہے کہ زندگی راحت تلے آ گئی ہے یکدم دھوپ ستانے لگتی ہے ابر، اس کڑی آزمائش سے نہیں گزرا جارہا، سینے میں سانس اٹکنے لگی ہے کہ ہماری شیریں تکلیف میں ہے اور ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ تقدیر ہاتھ پاؤں کھلے چھوڑ کر ایسے کیسے باندھ دیتی ہے کہ ہاتھ پاؤں مارنے کی بھی سکت نہیں رہتی۔'' وہ بیٹے کے شانے سے لگیں رو رہی تھیں۔

''میں خود زندگی کے اس موڑ پر ساکت کھڑا ہوں کہ بھائی تو بہنوں کے محافظ ہوتے ہیں اور میں اپنی بہن کو تحفظ دینے میں ناکام ٹھہرا ہوں۔ اپنی شکستگی پر خود سے نادم ہوں، اپنے آپ سے نظر ملانے سے گریزاں ہوں، کاش! کہ میں کچھ کر پاتا شیریں کے لئے، کاش...... میں اپنی بہن کے دکھوں کا مداوہ بن جاتا...... کاش میں اپنی ماں کی آنکھوں کی مسرت لوٹا پاتا، کاش...... باپ کے جھکے کاندھوں پر تسلی بھرا ہاتھ رکھ کر انہیں پھر سے توانا کر دیتا مگر میں بہت بے کس ہوں۔'' وہ آزردگی وملال سے کہتا نیناں شیرازی کے آنسو ٹھہرا گیا تھا۔

انہوں نے بیٹے کے سینے سے سر اٹھایا تھا اور اس کی آنکھوں میں مچلتے آنسو دیکھ کر ان کے اپنے آنسو ٹھہر گئے تھے کہ انہیں یکدم شدت سے احساس ہوا تھا کہ جذباتیت کے مظاہرے کے لئے انہوں نے غلط شخص کا انتخاب کیا تھا کہ وہ تو ماں سے بڑھ کر جذباتی تھا۔ اس کا پر ملال انداز ان کے دل میں ترازو ہونے لگا تھا۔

''میں ہمیشہ سے بہت کمزور ہوں۔ میں کبھی کسی کے لئے کچھ نہیں کر پاتا۔ بس سب کی مشکلات میں، دکھوں میں اضافہ کا سبب ہی بنتا ہوں۔ میں شیریں کا بھائی ہوں۔ میرے ہوتے تو اسے ہوا بھی چھو کر نہیں گزر سکتی تھی مگر نہیں، میرے ہوتے وہ شخص اپنے مذموم ارادوں میں کامیاب ہو گیا اور میری کمزوری کی انتہا کہ آج میں اس محفل میں جانے کے لئے تیار ہوا ہوں جہاں میری غیرت میرے قدموں میں گری مجھے ذلیل کرے گی۔ میں زعیزعہ خان کو بتانا چاہتا ہوں کہ اس نے ہماری عزت پر ہاتھ ڈال کر اچھا نہیں کیا۔ میری غیرت کو للکار کر اچھا نہیں کیا۔ شیریں کے بھائی نے چوڑیاں نہیں پہنیں وہ اسے اس کے انجام تک پہنچا کر ہی دم لے گا۔ مگر میں بہت کمزور ہوں کہ ہماری شرافت ہماری بزدلی بن گئی ہے اور اس شخص کی کمینگی اس کی سب سے بڑی طاقت...... اور بزدلی وطاقت آپس میں ٹکرائیں گے تو پاش پاش تو ہمیں ہی ہونا پڑے گا، تذلیل ہر طرف سے ہماری ہے مگر یہ ذلت چین نہیں لینے دے رہی۔ کاش کہ میں ایک قتل کر سکتا مگر میری مجبور سی شرافت مجھے قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتی، میری غیرت مجھ پر ہنس رہی ہے۔ میں اپنی حالت پر شرمندہ ہوں مگر کچھ کر نہیں سکتا کہ میرے ہاتھ شرافت کی قید میں ہیں۔'' وہ اتنے دن کا غبار نکال رہا تھا اور اس کی ٹوٹی پھوٹی حالت ان کی پریشانی ودکھ میں اضافہ کا

سبب بنتی چلی گئی تھی اور وہ اپنی تکلیف بھلائے اپنا احساسِ شکست فراموش کئے یکدم چٹان سے حوصلے کی مالک بن کر اس کی دلجوئی کرنے لگی تھیں، اسے سمجھانے لگی تھیں، زندگی کے امتحان سے لڑنے کا حوصلہ دینے لگی تھیں۔

''ممی! کچھ وقت ایسے بھی آتے ہیں زندگی میں کہ جب حوصلہ بکھرتا نہیں، مگر حوصلہ سلامت بھی نہیں رہتا۔'' وہ پلٹا تھا اور نکلتا چلا گیا تھا کہ وہ سب جس امتحان میں گرفتار تھے اس سے بچاؤ کا راستہ ہی نہ تھا۔ ان کے آنسو مژگانوں پر بکھرتے چلے گئے تھے۔۔

''نیناں! سنبھالو خود کو، زندگی گر امتحان لے تو فرار نہیں ہوتے، حوصلہ وہمت سے امتحان میں کامیابی کی کوشش کرتے ہیں۔''
انہیں وہاں کھڑے نہ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا کہ اس طرف سالار مصطفیٰ نکل آئے تھے اور وہ بھائی کے سامنے پھر ضبط کھونے لگی تھیں اور وہ اپنے مخصوص نرم انداز میں ان کا سہارا بن گئے تھے۔
''آپ جانتے ہیں بھیا! یہ وقت بہت کڑا ہے۔ یہ امتحان بہت سخت ہے۔ آج مجھے قائل نہ کریں پلیز، آج آپ قائل ہو جائیں۔ مان لیں میری بات، روک دیں رخصتی کو۔ ہماری شیریں کے وہ شخص ہرگز بھی قابل نہیں ہے۔'' وہ بھائی کے کاندھے سے اٹھا نہیں سکی تھیں۔
''کون قابل ہے کون نہیں، یہ بات اب معنی نہیں رکھتی۔ نکاح بچوں کا کھیل نہیں ہے، تم سب لوگ کیوں نہیں سمجھ رہے ہو۔''
لگتا تھا اس محاذ پر وہ اکیلے کھڑے ہوں کہ کوئی بھی تو راضی نہیں تھا۔ ارمان شیرازی تک نہیں۔ وہ ایک ایک کو راضی کرتے پھر رہے تھے۔ ایک مانتا تھا تو دوسرا منکر ہو جاتا تھا۔ خود ان کے لئے بھی یہ سب کافی ناپسندیدہ تھا مگر وہ قسمت کے لکھے کو تسلیم کر گئے تھے یہی ان سب کو بھی باور کرانا چاہتے تھے مگر وہ سب جیسے سمجھ کر بھی ناسمجھی کا مظاہرہ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔
''آگے شیریں کے ساتھ کچھ بھی غلط ہوگا، اس کے ہر دکھ کا سبب آپ ہوں گے بھیا۔'' وہ آنسو گرتے ہوئے قدرے ناراضگی سے بولی تھیں۔
''ٹھیک ہے میں رخصتی روک دیتا ہوں پھر جو ہوگا تم سب مل کر سنبھال لینا کہ میں بھی انسان ہوں تنگ آ گیا ہوں۔ تم لوگ میرے گلے پر بندوق رکھ کر چلانا چاہتے ہو، جسے دیکھو مجھ سے روٹھ کر بیٹھ جاتا ہے۔'' وہ دکھ وتلخی سے بولتے نیناں شیرازی کو ہی نہیں وہاں کچھ دیر قبل ہی آئے ارمان شیرازی کو بھی متحیر کر گئے تھے۔
''مرتے ہوئے مشہود کی حالت نہ دیکھی گئی تو ارمان سے ریکوئسٹ کی کہ یہ مشہود کی بات مان لے۔ اس نے بات مان لی مگر مجھ سے خفا ہو گیا۔ تمام عمر اس کی ناراضگی سہی، جب تمہیں پتہ چلا کہ ارمان پر مشہود سے وعدہ کرنے پر میں نے اکسایا تھا تم مجھ سے خفا ہو گئیں۔ جب تمہیں ارمان کی زندگی میں لوٹ جانے کا کہا تم نے ناراضگی کو بڑھا لیا، آج تم مجھ سے خفا ہی ہو۔ بھابھی بھی ناراض ہیں کہ نہ میں ارمان کو مجبور کرتا نہ ہی ارمان وعدہ کر کے ان سب سے شادی کرتا۔ زعیزعہ خان کے اقدام سے میں بھی خوش نہیں وقت وحالات کے مطابق جو بھی فیصلہ لیتا ہوں تم لوگ مجھے کٹہرے میں کھڑا کر کے ناراضگی کی سزا سنا دیتے ہو۔ تم سب کے سہارے کی مجھے بھی ضرورت ہے۔ میں بھی دکھی ہوں، بیٹا کھویا میں نے، اب بہو کو رخصت کر رہا ہوں۔ کس دل سے کر رہا ہوں میں ہی جانتا ہوں، تم سب کا حوصلہ بڑھا رہا ہوں، قسمت پر قادر رہنے کا گر بتا رہا ہوں تو کیا میں سہارے کی امید ہی چھوڑ دوں۔'' وہ پھٹ پڑے تھے اور وہ دونوں اپنے آپ میں چور بن گئے تھے کہ سالار مصطفیٰ کے لفظ لفظ میں تلخ سچائی پنہاں تھی۔ ان دونوں کی ہی آگے سے کچھ کہنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی تھی کہ کہنے کو کچھ رہا ہی نہیں تھا۔

''زعیز عہ خان پسند نہیں ہے مجھے مگر میں نے اس شخص کی آنکھوں میں محبت محسوس کی ہے اور وہی محبت بھروسہ کرنے پر اکسا رہی ہے۔ دماغ کہتا ہے کہ زعیز عہ خان کو پتھر کا جواب اینٹ سے دوں گا مگر جب تدبیر نا کام ہوئی ہے، تقدیر جیتتی ہے تو مجھے دماغ مجبور کرتا ہے کہ میں زعیز عہ خان پر بھروسہ کروں، تم لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں اس شخص کو، اس شخص کی برائی کو مگر بھروسہ کرنا مجبوری ہے۔ اس کی محبت مگر اس مجبوری کو امید بخش رہی ہے اور اسی امید کے سہارے اگر میں رخصتی کی مخالفت نہیں کر رہا تو غلط کیسے ہو گیا کہ تم سب کو جو صحیح لگتا ہے وہ کرلو مگر یاد رکھنا ایک شخص برائی کو چھوڑ کر اچھائی کی طرف بڑھنا چاہتا ہے اگر ہم مقابلہ پر آئے تو جیت ضرور جائیں گے مگر یہ جیت اچھائی کی نہیں برائی کی ہوگی کہ زعیز عہ خان پھر کبھی اچھائی کی طرف نہیں بڑھ سکے گا۔ اگر شیریں کی قربانی سے، اس کے حوصلہ سے ایک شخص برائی کو چھوڑ کر نیکی کی طرف، صراط مستقیم کی طرف پلٹ سکتا ہے تو قربانی دینے میں، حوصلہ دکھانے میں کیا حرج ہے کہ اچھوں کے ساتھ اچھائی سب کر لیتے ہیں، برے کے ساتھ اچھائی دکھانے میں ہی انسانیت کی معراج ہے، یہ محض رخصتی نہیں، انسان سے انسانیت کا سفر ہے۔ جو میں سوچ رہا ہوں، جہاں تک دیکھ رہا ہوں وہ سوچ کر دیکھیے، وہاں تک محسوس کر کے دیکھیے، میرا فیصلہ درست لگے گا۔'' وہ بول بول کر تھک گئے تھے کہ نڈھال ہو کر صوفے پر گرے تھے۔ اس کے بعد کوئی کچھ نہیں بولا تھا کہ سالار مصطفیٰ کی بات میں سچائی بھلے نہ ہو آس صاف جھلک رہی تھی اور نیکی کی آس زعیز عہ خان کے بدل جانے کی آس پر وہ سب نہ چاہتے ہوئے بھی شیریں کو رخصت کر گئے تھے۔ سرخ عروسی جوڑے میں سولہ سنگھار کیے وہ سوگواریت کے ساتھ بہت حسین لگ رہی تھی مگر ان میں سے کسی نے بھی اس کی طرف نگاہ تک نہ اٹھائی تھی، رخصتی کی گھڑی ارمان کی تاکید پر سب دور دور ہی رہے تھے اور وہ بڑی آس سے ایک ایک کو دیکھ رہی تھی اور کوئی اس کی طرف دیکھ ہی نہیں رہا تھا اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی، شہیر بھی آپ کو کبھی معاف نہیں کریں گے۔'' وہ بہت روتے ہوئے سالار مصطفیٰ سے بولی کیا تھی ان کے جرم بڑھے تھے اور ان کی سزا بھی بڑھ گئی تھی اور وہ ایک ناراض نظر ان پر ڈالتی سب سے روٹھ کر زعیز عہ خان کے ساتھ رخصت ہو گئی تھی اور اس کے منظر سے ہٹتے ہی خواتین دھاڑیں مار مار کر روئی تھیں اور مرد ضبط کرتے یوں منظر سے غائب ہوئے تھے کہ وہاں ٹھہرے تو ضبط بکھر جانا لازمی تھا۔

☆......☆......☆

وہ کسی ساکت بے جان مجسمہ کی مانند بیٹھی تھی، آہٹ پر چونکی تک نہیں تھی، وہ دھیمی سی چال چلتا بیڈ کے کنارے آن بیٹھا تھا اور نظر اٹھی تھی گویا ٹھہر جانے کے لیے وہ سجی سنوری اس حسن کی مورت کو دیکھ رہا تھا جس کے لیے ہجر کا ایک وسیع دریا عبور کیا تھا، وصل کی گھڑی اس کے چہرے کو دیکھتی یکسر اجنبی سی لگی تھی، وہ یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا اور اس کی پوزیشن میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اس نے گھٹنے پر رکھے حنائی ہاتھ کو تھاما تھا اور برف پگھلنے لگی تھی۔ اس نے نگاہ اس کے چہرے کی طرف اٹھائی اس کی نگاہ میں بے زاری، نفرت، غصہ، بے بسی کیا کچھ تھا یکدم زعیز عہ خان کے ہاتھ سے اس کا ہاتھ نکلتا چلا گیا تھا اور وہ اس کے گلاب سے رخساروں پر آنسوؤں کی لکیریں سی بنتے دیکھنے لگا تھا۔

''شیریں۔'' بے اختیار سا اسے پکار گیا تھا اور وہ اسے بھیگی پلکوں سے دیکھنے لگی تھی۔

''میں نے ایسا کبھی نہیں چاہا تھا۔ میں تمہیں تمہاری رضامندی سے پانا چاہتا تھا مگر میری زندگی میرے اختیار کی حدود سے اس شام نکل گئی تھی جب تمہیں پزاہٹ میں دیکھا تھا۔ میں بااختیار بندہ محبت کے حصار میں آیا تو بہت بے اختیار ہو گیا۔ میں۔''

''لفظوں کے داؤ پیچ وہاں آزمائے جاتے ہیں جہاں کسی کو اسیر ہونا ہو۔ میں تو پہلے ہی شہیر کی اسیر ہوں اور ایک اسیر زادی کو آپ لفظوں سے اسیر کرنا چاہتے ہیں تو کوشش ترک کر دیں کہ محبت یوں لفظوں کے آگے ڈھیر نہیں ہوتی۔'' اس کا سرد لہجہ اس کی بات کاٹ گیا تھا۔ اس نے یکدم لب بھینچ لئے تھے۔

''دیکھو شیریں! اپنے برے رویے پر تم سے معافی تو مانگ سکتا ہوں مگر یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں اپنے عمل پر شرمندہ ہوں کہ جو بھی کر نہ پایا تو سبب تم تھیں اور جو اب کر گیا ہوں تو بھی سبب تم ہو...... تمہیں تم سے جیت لینے کی خواہش میں برہنہ پا چلا ہوں مگر اب زبردستی کا بندھن سہی مگر تم سے رشتہ ہے میرا۔ تم یوں مجھے بے اعتبار نہیں کر سکتیں۔ شہیر سالار کا نام لے کر مجھے ٹیز نہیں کر سکتیں۔'' اس کا لفظ لفظ جیسے تیر کی مانند چبھا تھا مگر شہیر کا نام تو کوئی برچھی اس کے من کے آر پار کر گیا تھا اس لئے وہ بہت چاہ کر بھی برداشت کا مظاہرہ نہیں کر سکتا تھا اور وہ یکدم ہی ہنس دی تھی۔ ٹوٹے کانچ کی کھنک لئے ہنسی جو مقابل کو محض تڑپا گئی تھی۔

''شہیر سالار کا نام برداشت نہیں کر سکتے، شہیر سالار کی بیوہ کو برداشت کر لیں گے۔ شہیر سالار کی محبت کو برداشت کر لیں گے؟ شہیر سالار کا عشق مجسم ہو کر آپ کے سامنے موجود ہے کیا برداشت کر لیں گے؟'' وہ بے خوفی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتی پوچھ کیا رہی تھی اسے برزخ میں اتارتی چلی گئی تھی۔

''یاد رکھیئے گا زعیزعہ خان، کہ محبت تو شیریں نے صرف شہیر سے ہی کی ہے، شہیر میرے عشق کی وہ رت ہیں جو مجھ سے روٹھ گئی ہے۔ سر راہ مجھ سے بچھڑ گئی ہے، عشق اگر راہ میں بچھڑ جائے تو عشق دل سے نکلتا نہیں۔ من کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ مجھے تو زبردستی اپنا گئے، اپنا نام بھی دے دیا، پہچان بھی دے دی، شہیر کو دور بھی کر دیا اپنی طاقت کی دھاک بھی بٹھا لی مگر شیریں کے دل سے شہیر کی محبت کیسے نکالیں گے؟ تن کے حصول کو محبت سمجھتے ہیں آپ تو معاف کیجئے گا کہ محبت تو من سے ہوتی ہے اور میں تن من سے شہیر سے محبت کر چکی، محبت کرتی ہوں، محبت کرتی رہوں گی۔ میرے دل میں صرف شہیر کی تصویر بسی ہے اور گھر میں تو روز ہزاروں تصویریں سجائی جا سکتی ہیں مگر من میں صرف ایک بار ایک پل میں جو تصویر لگے وہ مر کے بھی نہیں نکلتی، ایک بار جو تصویر سج گئی تو بس سج گئی۔''

قطرہ قطرہ آنسو اس کی آنکھوں سے جدا ہو رہے تھے اور لحظہ لحظہ اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ اس نے شیریں کے سرد چہرے کی جانب دیکھا تھا آج وہ اس سے انچ بھر کے فاصلے پر تھی اور بہت مطمئن تھی بالکل بھی ہراساں تو کیا خائف تک نہ تھی، کیسے سکون سے بیٹھی اس سے بات کر رہی تھی جس پر نظر پڑتے ہی چہرے و آنکھوں میں ہراس آ ٹھہرتا تھا مگر آج وہ اس سے بالکل ہراساں نہ تھی اور کشتیاں تو اس کی بھی ساری جل گئی تھیں، کس بل تو اس کے بھی سارے نکل گئے تھے اس لئے دکھ، غصہ و حیرانگی سے اس کا یکسر بدلا روپ دیکھ رہا تھا کہ کچھ کہنے کی

پوزیشن میں ہی نہ تھا کہ دکھ اس سے کہہ نہیں سکتا تھا کہ اس کے نزدیک دکھ اصل وہی دکھ تھا جو اس کا اپنا تھا اسے کم از کم زعیزعہ خان کے دکھ سے تو کوئی سروکار نہ تھا۔ ایسے میں وہ اس پر دکھ ظاہر کرتا بھی تو کیسے؟ اشتعال میں تھا مگر اس پر غصہ کیسے نکالتا جو راحتِ جان تھی۔ سنگدل تھی، اس کی ہو کر بھی اس کی نہیں تھی مگر تھی تو اس کا عشق اور عشق اگر سنگدل بھی ہو تو سکونِ قلب کا آسرا ہوتا ہے۔ وہ حیرت اس پر ظاہر کرتا مگر جب دکھ ہی نہیں کہا تھا تو حیرت کیسے کہتا، بڑی خامشی سے اس کے سامنے سے اٹھا تھا کہ وہ کر گئی تھی جس کا وہ کم از کم مر کر بھی تصور نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اپنی کلائی کو اس کی ہتھیلی میں قید دیکھ رہا تھا وہ اس کو جانے سے روکنے کو اس کا ہاتھ تھام گئی تھی اور اسے لگا تھا کہ اس دشمن جاں نے کراہتے دل پر ہاتھ رکھ دیا ہے۔ اس نے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی میں قید شیشی اس کے ہاتھ پر دھر دی تھی۔ وہ تو اس کے جان لیوا اقدام سے ہی نہیں سنبھلا تھا کہ پوائزن دیکھ کر تو اس کی جان نکل گئی تھی۔ وہ یکدم اسے شانوں سے تھام گیا تھا کہ یہ احساس بڑا جان لیوا تھا کہ وہ زہر کھا چکی ہے۔ وہ اسے جھنجوڑ رہا تھا، اسے اس کی حرکت پر ڈانٹ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں ہراس نے آنسو بھر دیئے تھے اور وہ اس کی آنکھوں میں ناچتی نمی کو دیکھ کر ہنسی چلی گئی تھی اور زعیزعہ خان کو اس کی دماغی حالت مشکوک لگنے لگی تھی۔

''زہر کا پیالہ ہاتھ میں دیکھ کر ہی جان نکل گئی زعیزعہ خان، میرا سوچا ہے زہر کا پیالہ پی کر بھی زندہ ہوں۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہہ کر کب سے بند کی داہنی مٹھی اس کے سامنے کھول دی تھی جو گولیوں سے بھری ہوئی تھی، یکدم اسے سکون کا سا احساس ہوا تھا۔

''میں اپنی محبت سے مجبور ہو گیا تھا، سچ کچھ اور دن تم سے دور رہتا تو خدا کی قسم مر جاتا۔'' وہ اس کا ہاتھ تھامے عین اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

''کسی کے ہجر میں مرا جاتا تو شہیر کا ہجر کب کا مجھے موت کی میٹھی نیند سلا چکا ہوتا مگر مجھے تو ہجر بھی راس آ گیا ہے۔ شہیر مر گئے، میں زندہ ہوں۔ ہجر مجھے زندہ رکھے ہوئے ہے تو آپ کیسے میرے ہجر میں مرے جا رہے تھے؟ بند کر دیں اپنی خواہش کو محبت کا نام دینا کہ اب تو میں نہ چاہتے ہوئے بھی آپ تک چلی آئی ہوں۔ اب تو مجھے آپ سے ڈر بھی نہیں لگ رہا۔'' اس نے ہاتھ آزاد کروانے کی کوشش نہیں کی تھی البتہ قطرہ قطرہ آنسو مژگانوں پر لڑھکنے لگے تھے کہ آنسوؤں کا بھی ہم سے ایک عجیب ناطہ ہوتا ہے۔ ہم تڑپتے ہیں اور یہ برستے ہیں کبھی ہماری تڑپ پر، ہمیں تنہا نہیں کرتے، بہتے ہیں اور دکھوں کو بھگو ڈالتے ہیں اور وہ اپنے ہی دکھ میں بھیگتی جا رہی تھی۔

''یاد رکھیئے گا کہ شیریں شیرازی آپ سے کبھی نہیں ڈری، آپ سے ہراساں تو میرے اندر کی لڑکی رہی کہ میں آپ سے نہیں، اپنی عزت کے جانے سے ڈرتی تھی۔ اب وہ ڈر نہیں رہا کہ مجھے میری زندگی نے بہت بھگایا اور تھکا کر آپ کے قدموں میں لا ڈالا ہے۔'' وہ رو رہی تھی۔ اپنے ڈر کی وجہ بتا دی تھی اب کا نڈر انداز کا سبب اس سے کہہ رہی تھی اس کی آنکھیں تاثر سے خالی تھیں، اس کا چہرہ ہر تاثر سے مبرا تھا اس کے ہاتھ پر یکدم گرفت ڈھیلی پڑنے لگی تھی۔

''شہیر کے ساتھ میں محبت تھی، مان تھا، میں سر اٹھا کر فخر سے چلی، آپ کے ساتھ میں نفرت ہے، جبر ہے میں سر اٹھا کر کیسے چلوں گی کہ جہاں دل جھکا سر اٹھا گیا یہاں سر جھکا اور دل ٹوٹ گیا۔'' اس کے لہجے میں کانچ کھنکنے لگا تھا یکدم ہاتھ پر سے گرفت مکمل ختم ہو گئی تھی۔

''میں آپ سے پہلے بھی بہت بھاگی، بچنا چاہا آپ سے اور میں تو پہلے بھی ناکام ہو جاتی مگر شہیر کی قسمت میرا بخت بن گئی میں بچ گئی آپ سے...... شہیر کی محفوظ پناہ میں آپ کا ڈر ہیولا بن کر ساتھ چلا مگر شہیر کا ساتھ مجھے ہر ڈر سے آزاد کرتا چلا گیا اور شہیر کیا گئے ہزار ڈر پھر مجھ سے آ لپٹے۔ فرار کی جدوجہد پھر شروع ہو گئی اور اس بار شہیر نہیں تھے اس لئے فرار کی ہر راہ مسدود ہو گئی۔ میں اپنے پورے قد کے ساتھ، اپنے فخر و مان کے ساتھ جبر کے ہاتھوں لٹ کر آپ کے قدموں میں آ گری۔ جس شخص نے میرا مان میرے پاس نہیں رہنے دیا کیا میں اس شخص پر اعتبار کر سکتی ہوں۔ میرا چھوڑیئے، اپنا کہیئے، آپ ہوتے تو کر پاتے اعتبار؟'' وہ دکھ سے کہتی یکدم اس سے بڑے دوستانہ انداز میں پوچھ گئی تھی۔

''اعتبار کا پیالہ توڑ کر کہتے ہیں اعتبار کرو، تو کیسے کروں، کیسے اپنے شوہر کے قاتل کی راحت کا سبب بنوں، مجھے آپ بتا دیجئے کہ میں تو اس سوال کے جواب کو ڈھونڈتے ہار گئی ہوں۔ میں تو زندگی سے بھی جیت نہ پائی اور موت نے بھی مجھے تو کم از کم جیتنے نہیں دیا۔'' وہ اس کے چہرے سے نگاہ ہٹا گئی تھی کہ اس چہرے سے اتنی نفرت تھی کہ دو سیکنڈ سے زیادہ دیکھ پانا اس کے اختیار میں نہ تھا کہ وہ جیسے شہیر سے محبت کرنے میں بے اختیار تھی، زعیزعہ خان سے نفرت کرنے کے لئے بھی بے اختیار تھی۔ اس کے اختیار میں نہ محبت کرنا تھا نہ ہی نفرت چھوڑنا کہ محبت و نفرت لاکھ متضاد جذبے سہی مگر ٹکراتے تھے تو سب فنا کر دیتے تھے۔ کچھ فنا ہو گیا تھا اور کچھ فنا ہونے کو تھا کہ محبت کا مجسم روپ شہیر سالار نہیں رہا تھا اور اس کے لیے نفرت کا مجسم روپ زعیزعہ خان اس کے سامنے تھا اس کے اختیار میں مگر اتنا بھی نہیں تھا کہ اس کی نہ سہی اپنی ہی جان لے لیتی۔

''میں نے آپ سے بہت بچنا چاہا، ایک ایک سے فریاد کی کہ مجھے آپ سے بچا لیا جائے مگر میں ناکام رہی۔ میں نے سوچا کہ میں زہر کھا لوں گی پل پل مرنے سے بہتر ایک بار ہی موت کو گلے لگا لوں گی مگر میں تو ایسا بھی نہیں کر پائی۔ میری زندگی میرے ہاتھوں سے نکل گئی اور میں مر تک نہ سکی۔ موت کو ہتھیلی میں قید کر لیا مگر سانس تھم نہ سکی۔ مجھ میں اتنا حوصلہ ہی نہ تھا کہ میں زندگی سے فرار حاصل کر لیتی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی حرام زندگی تک تو میں آ گئی۔ مگر بہت چاہ کر بھی حرام موت کو گلے نہ لگا سکی۔'' اس نے کہتے ہوئے ہتھیلی خالی کر دی تھی۔ کچھ گولیاں بیڈ پر گری تھیں اور کچھ زعیزعہ خان کے قدموں میں ڈھیر ہو گئی تھیں۔

''میں کیوں اتنی بے بس ہوں، کیوں میں وہ نہیں کر سکتی جو چاہتی ہوں۔ اس شب میں شہیر کو جانے نہیں دینا چاہتی تھی مگر روک نہ سکی۔ شہیر کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکی تھی مگر کتنا مچلی تھی شہیر کا بے جان لاشہ اپنے پاس رکھ لینے پر مگر میں ایسا بھی نہیں کر سکی۔ آپ سے فرار حاصل کرتی رہی۔ آج آپ تک بھی آ گئی ہوں۔ کیوں میری ہی زندگی پر میرا اختیار نہیں زعیزعہ خان۔'' وہ بھاری شرارہ چٹکیوں سے اونچا کرتی بیڈ سے اتری تھی اور صنم بکم بنے زعیزعہ خان کے سامنے آن ٹھہری تھی۔ وہ خواب سی لڑکی اس کے کتنے قریب تھی مگر جانتا تھا کہ شیریں اس کا خواب ہے اور خواب ہی رہے گی کہ ہاتھ بڑھا کر چھونا چاہے گا تب بھی خواب بکھر جائے گا۔ خواب کی تعبیر کے خوف سے دور رہے گا تب بھی لاحاصل کا دکھ سہنا پڑے گا کہ خواب جاگتی آنکھوں کا ہو یا سوئی آنکھوں میں جگمگائے خواب تو خواب ہوتا ہے یہ زعیزعہ خان کو آج

سمجھ آیا تھا جب اپنے ہی خوابوں کی قبر پر بستر لگانا پڑا تھا کہ سب کچھ حاصل کرنے کے بعد بھی وہ تہی دست کھڑا تھا کہ کچھ لوگ سب کچھ پا کر بھی تشنگی کا عذاب سہتے ہیں اور احساس تشنگی تو لاحاصل سے بڑھ کر اذیت ناک ہوتا ہے۔ وہ اپنی آنکھوں میں ہزار ہا ملال و دکھ لئے اسے دیکھ رہا تھا جس کا تمام میک اپ آنسوؤں کی نذر ہو چکا تھا۔ تیکھے نین نقش آنسوؤں کی بارش میں نہا کر کچھ اور دیدہ زیب ہو گئے تھے۔ کھڑی ناک کیسے سرخ پڑ گئی تھی، ساگری آنکھوں میں بھی سرخ ڈورے تھے مجسم حسن اس کے سامنے تھا وہ نظر بچاتا بھی تو کہاں تک، اس کی نگاہ بے اختیار ہو گئی تھی۔

''مجھے بے بس کر کے آپ فتح کا جشن منائیں گے تو ایسا کبھی نہیں ہو گا زعیزعہ خان کہ جو رحم دلی سے واقف ہوتے ہیں سفاکیت سے ناواقف ہرگز نہیں ہوتے، میری نرمی میری دشمن بن گئی، میری کمزوری آپ کی طاقت بن گئی، میرے گھر والوں کی شرافت آپ کی بدمعاشی بن گئی، ہمارا صبر آپ کا جبر بن گیا اور سچ کہوں تو آج بھی میں بہت بے بس بہت کمزور ہوں، میری کمزوری آپ کی طاقت کے سامنے صاف عیاں ہے۔ میں چاہ کر بھی آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی، میں بہت چاہ کر بھی آپ سے ریا کی انسلٹ کرنے پر آپ کی انسلٹ نہیں کر سکتی، میں چاہوں بھی تو خوشی کو پریشان کرنے کے سبب آپ کو پریشان نہیں کر سکتی۔ میرے اختیار میں ہی نہیں کہ میں اپنے والدین کے مجرم کو سزا دوں، ماموں جان کی تکلیف کے مداوے کو آپ کی پوری زندگی کی نذر کر دوں۔ نہیں ہے میرے اختیار میں کہ میں اپنے شوہر شہیر سالار کے قاتل کو کیفر کردار تک پہنچاؤں کیونکہ میں بہت کمزور، بہت بزدل ہوں۔'' وہ اب رو نہیں ہنس رہی تھی غیر معمولی سنجیدہ لہجہ میں کہتی چلی گئی تھی۔

''مگر کمزوری، طاقت میں بھی تو بدل سکتی ہے، رحم، ظلم کے قالب میں بھی تو ڈھل سکتا ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے نا زعیزعہ خان؟'' وہ یکدم اس کی آنکھوں میں دیکھتی مسکرائی تھی اور اس کی آنکھوں میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ آج وہ سہم گیا تھا۔ وقت نے کیسی بازی چلی تھی ڈرانے والے آج خود ڈرے ہوئے تھے۔ شیریں کی اس پر نظر پڑتی تھی تو لگتا تھا کہ اب جان نکلی کہ تب نکلی اور آج شیریں کو دیکھ کر اسے لگتا تھا کہ جان بس نکلنے کو ہے۔ وہ اس کے تیوروں سے خائف کھڑا تھا۔ ابھی ٹھیک سے سمجھا بھی نہ تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ اس کے کیا ارادے ہیں کہ اس نے یکدم چند قدم پیچھے لئے تھے اور اپنا حنائی سرخ کانچ کی چوڑیوں سے سجا مومی ہاتھ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینہ پر دے مارا تھا۔ چھناکے کی آواز کے ساتھ آئینہ کے ٹکڑے ہوتے چلے گئے تھے اور وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہ اس کے بے تاثر چہرے سے ہوتی ہاتھ تک گئی تھی۔ وہ تیزی سے لہو رنگ ہو رہا تھا وہ تڑپ کر اس تک پہنچا تھا۔ اس کا لہو رنگ ہاتھ تھامتا کہ وہ پیچھے ہو گئی تھی۔

''اپنی حد سے بڑھنے کی بہت کوشش کر چکے آپ، مگر مزید نہیں۔'' وہ حلق کے بل چلائی تھی۔ ''میں بہت کمزور تھی زعیزعہ خان، اسی لئے آپ نے مجھے باآسانی ٹریپ کر لیا۔ جبراً نکاح نامہ پر دستخط کروا لئے مگر اب میں کمزور نہیں رہی کہ وہ وجہ ختم ہو گئی جس کے سبب میں آپ کے سامنے کمزور پڑ جاتی تھی، اب میری کمزوری ہی میری سب سے بڑی طاقت ہے۔''

خون تیزی سے بہہ رہا تھا مگر وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ بولتی چلی گئی تھی۔

''شیریں! تمہارے ہاتھ سے بہت خون بہہ رہا ہے، میں ڈریسنگ کر دیتا ہوں۔'' وہ اس کی دیوانگی کی تاب نہ لاتے ہوئے فرسٹ ایڈ بوکس اٹھا کر لے آیا تھا اور بہت نرمی سے بولا تھا۔

''مجھے درد نہیں ہو رہا عزیزعہ خان کہ مُردوں کو تکلیف نہیں ہوتی۔'' وہ خود اذیتی سے بولی تھی اور اس کی برداشت جواب دے گئی تھی اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''بیٹھو یہاں، کوئی ایسا بھی کرتا ہے بھلا، دیکھو کتنا خون نکل رہا ہے۔'' وہ اسے بہت حق سے، اپنائیت کے ساتھ ڈپٹ رہا تھا۔

''میں آپ کو بہت چاہ کر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ مگر خود کو تو نقصان پہنچا سکتی ہوں۔'' تکلیف برداشت کرنا برداشت سے باہر ہو رہا تھا مگر وہ اپنے ضبط سے بڑھ کر ضبط کا مظاہرہ کرتی لب پر لب جماتی، حوصلے مجتمع کرتی بیڈ پر ٹکی ہارے ہوئے انداز میں بولی تھی۔

''آپ کہتے تھے کہ آپ مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے اس لئے آپ نے صرف اپنی بات سچ کرنے کو مجھے کچھ نہیں کہا، مگر شہیر کی جان لے لی، آپ کی تو میں جان نہیں لے سکتی، اپنی بھی نہیں لے سکتی حوصلہ ہی نہیں مگر جیسے جیسے قطرہ قطرہ کر کے زندگی میرے وجود سے آپ نے چھینی ہے، میں بھی ایسا ہی کروں گی۔ آپ مجھے تکلیف نہیں دے سکتے، میں خود تو خود کو تکلیف دے سکتی ہوں، میں نے تو کیونکہ یہ دعویٰ کبھی کیا ہی نہیں، آپ کو نہیں میں خود کو نقصان پہنچاؤں گی قطرہ قطرہ زندگی آپ کے ہاتھوں سے بھی پھسلتی جائے گی۔'' وہ اس کا ہاتھ جھٹک گئی تھی۔ تیزی سے بہتا خون، چٹختے اعصاب، بھوک پیاس سے نڈھال وہ بے ہوش ہو گئی تھی کہ اس نے رابعہ سالار کے بہت فورس کرنے پر بھی کل رات سے کچھ نہیں کھایا تھا کہ سالار مصطفیٰ کی بھی نہ رکھی تھی کہ بھوک ہڑتال کے ذریعے ان سب کو ان کے فیصلے سے ہٹانا چاہا تھا مگر کچھ فیصلے ناک سے لکیریں کھینچ لینے کے بعد بھی نہیں بدلتے۔ اور وہ جو پہلے ہی ہراساں تھا، اس کے تیوروں سے خائف تھا اس کی بے ہوشی پر تڑپ اٹھا تھا۔ پہلے اس نے بہتے خون کو روکنے کی تدبیر کی تھی اور اب اسے ہوش میں لانے کے جتن کر رہا تھا مگر اس کی پلکوں میں ہلکا سا بھی ارتعاش نہ ہوا تھا کہ یکدم ایک خیال اسے سانپ کی مانند ڈس گیا تھا اور اس کی بے چینی سوا ہو گئی تھی وہ اسے بری طرح جھنجوڑ رہا تھا۔ رہ رہ کر خیال آ رہا تھا کہ کہیں اس نے وہ گولیاں کھا تو نہیں لی تھیں۔ اس کی تشویش بڑھتی کہ اس کی پلکیں لرزنے لگی تھیں اسے گونا گو سکون کا احساس ہوا تھا مگر اسے مکمل ہوش میں نہ آتے دیکھ کر وہ اسے اٹھائے ہاسپٹل کی طرف دوڑ گیا تھا کہ وہ اسے اتنی ہی عزیز نہیں عزیز تر تھی۔

☆......☆......☆

''کیا ہوا ہے نیناں! اتنا کیوں رو رہی ہو۔'' انہوں نے جیسے ہی کمرے میں قدم رکھا تھا نگاہ بے تحاشا روتی ہوئی بیوی پر پڑی تھی۔ وہ فطری طور پر پریشان ہوئے ان تک پہنچے تھے انہوں نے خالی خالی نظروں سے ارمان شیرازی کو دیکھا تھا اور رونے میں شدت آ گئی تھی۔

''اب روتی ہی رہو گی یا بتاؤ گی بھی کہ کیا ہوا ہے۔'' وہ ان کے بلک بلک کر رونے پر پریشان ہوتے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے پریشانی سے بولے تھے اور وہ ان سے لپٹ کر کچھ اور شدت سے رونے کیا لگی تھیں ارمان شیرازی کی پریشانی میں اضافہ کر گئی تھیں اور بلکتے ہوئے جو بولی تھیں اسے سن کر تو انہیں لگا تھا کہ پیروں تلے سے زمین ہی سرک گئی ہے۔

''فراز نہیں رہا ارمان۔''

کچھ گھنٹے قبل ہی تو نہ چاہتے ہوئے بھی شیریں کو زعیزعہ خان کے ساتھ رخصت کیا تھا اور اس دکھ سے ہی نہیں سنبھلے تھے کہ دوسرا دکھ ان کے گرد حصار باندھ گیا تھا۔

''اناللہ وانا الیہ راجعون۔'' وہ بوجھل ہوتے ذہن و دل کے ساتھ دھیمے سے بولتے انہیں تسلی دینے لگے تھے۔

''آپ جانتے ہیں فراز کو کبھی ابیان سے کم نہیں سمجھا۔ اس بچے نے بھی ہمیشہ مجھے کتنی عزت دی، مان بھری چاہت دی۔ اس کے لئے 'تھا' کا لفظ استعمال کرنا میری سانس روک رہا ہے ارمان! کیوں پے در پے صدمات ہماری اور چلے آ رہے ہیں۔ شہیر کی موت سے ہی نہیں سنبھلے کہ فراز۔'' وہ ان کے سینے سے لگیں مچل مچل کر رو رہی تھیں اور وہ خاموش تھے کہ کچھ دکھوں کا مداوا ممکن نہیں ہوتا۔ انہیں نرمی سے خود سے الگ کر کے جگ سے پانی نکال کر ان کی طرف گلاس بڑھایا تھا وہ چند گھونٹ پانی پینے کے بعد گلاس واپس کر گئی تھیں۔

''ابران کو بتانے کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں ارمان، آپ جانتے ہیں نا فراز کیا حیثیت رکھتا ہے ہمارے ابران کی زندگی میں۔'' انہوں نے پوچھا تھا کہ اس بارے میں ابران کو پتہ ہے کہ نہیں تب انہوں نے نفی میں جواب دیتے ہوئے آزردگی سے کہا تھا کہ فراز کی ماما کی کال ان کے پاس آئی تھی کہ نہ جانے ابران کی خوش قسمتی تھی کہ بدقسمتی کہ ابران کا موبائل چارج نہیں تھا اس کا نمبر سوئچ آف آ رہا تھا اس لئے فراز کی ماما نے نیناں شیرازی کو کال کی تھی۔

''ابران کو تو بتانا ہی ہوگا۔ تم جا کر ابران کو بتاؤ میں ہمارے جانے کے ٹکٹ کنفرم کرواتا ہوں۔'' وہ گھڑی پر نگاہ دوڑاتے ہوئے بولے تھے جو ساڑھے گیارہ کا وقت بتا رہی تھی۔ وہ صاف انکاری ہوگئی تھی۔

''بچوں جیسی حرکتیں مت کیا کرو نیناں۔ تم حوصلہ ہار دوگی تو ابران کو کیسے سنبھالوگی۔'' وہ نرمی سے ڈپٹ کر بولے تھے اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھی تھی، منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر کمرے سے نکلی تھیں اور ابران کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹاتے ان کا ہاتھ باقاعدہ کانپ رہا تھا۔ سوئے اتفاق دروازہ اسی نے کھولا تھا ماں کو دیکھ کر فطری طور پر مضطرب ہوا تھا۔ ان کے چہرے کو دیکھ کر پریشان ہوا تھا مگر بولا کچھ نہ تھا کہ شیریں کو رخصت کرتے وقت تو وہ خود رویا تھا، ماں کو سہارا دیتے ہوئے خود کتنی بار بکھرا تھا اسے اس وقت بھی شیریں کا ہی خیال آیا تھا اور وہ کچھ کہتا کہ وہ اس کا ہاتھ تھام گئی تھیں اور دھیمے سے اسے فراز کا بتایا تھا جسے سن کر وہ پتھر کا ہوگیا تھا۔ حیرانگی سے، بے یقینی سے منہ کھولے ماں کو دیکھ رہا تھا جو تلخ حقیقت اس کے گوش گزار کرنے کے بعد ضبط کا مظاہرہ کرنے کو لب بھینچ گئی تھیں آنسو قطرہ قطرہ رخساروں پر لڑھکنے لگے تھے۔ ابران کی آنکھیں ضبط سے لہو رنگ ہونے لگی تھیں وہ اسے تسلی دینا چاہتی تھیں مگر ہمت ہی نہیں پڑی تھی یکدم پلٹی تھیں اور کمرے میں آ کر ہی دم لیا تھا جبکہ ساکت کھڑے ابران کو لگا تھا کہ فراز نہیں خود اس کی موت ہوگئی ہے کہ فراز اس کے لئے بہت اہمیت رکھتا تھا اس کے سکھ دکھ کا ساتھی، اس کا جگری یار جس کے ساتھ اس نے زندگی کا ہر سکھ، ہر دکھ بانٹا تھا۔ اپنے دل کی ہر بات اس سے کہتا تھا اور آج اس کا جگری یار فراز زندگی کی بازی ہار گیا تھا۔ ضبط کرتے کرتے بھی چند آنسو آنکھوں کی دہلیز پھلانگ آئے تھے اس نے کرب سے آنکھیں میچ لی

تھیں۔تقریباً ساڑھے بارہ بجے کے قریب وہ ائیر پورٹ کے لئے نکلے تھے کہ ایک بجے کی فلائٹ تھی۔ارمان شیرازی نے تو اپنی اور ان ماں بیٹے کا ٹکٹ کنفرم کیا تھا مگر دکھ سے پتھر ہوئے ابران نے رویحا کو بھی ساتھ چلنے کا کہا تھا اور یوں وہ بھی ان تینوں کے ساتھ جا رہی تھی۔ ساڑھے بارہ بجے کے قریب زعیزعہ خان نے مصطفیٰ ہاؤس کال کر کے شیریں کو ہاسپٹل لانے کا بتایا تھا۔سالار مصطفیٰ نے ارمان شیرازی کا نمبر ڈائل کیا تھا اس وقت وہ ائیر پورٹ پہنچے ہی تھے اور شیریں کا سن کر پریشان ہوئے تھے لیکن وہ اس وقت اپنی پریشانی ظاہر نہیں کر سکتے تھے کہ فراز کی آخری رسومات میں شرکت لازمی تھی اس لئے انہوں نے سالار مصطفیٰ کو فراز کا بتا کر جانے کا بتایا تھا تب سالار مصطفیٰ نے بھی نیناں اور ابران کے سامنے شیریں کا کچھ بتانے سے منع کر کے کہا تھا کہ وہ یہاں سنبھال لیں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ لندن جائیں۔ سالار مصطفیٰ کے ہوتے وہ کسی قسم کی ٹینشن کو محسوس نہیں کر سکتے تھے اس لئے شیریں کی خیریت کی اطلاع دینے کا کہتے رابطہ منقطع کرتے لندن پرواز کر گئے تھے۔یہ اور بات تھی کہ وہ شیریں کی جانب سے کچھ اور متفکر ہو گئے تھے اور آزردگی سے سوچ رہے تھے۔

”زندگی نے بھی نہ جانے کیا سوچا ہے۔ہر دن نیا غم......نئی پریشانی......یا اللہ بس ایک تیرا ہی آسرا ہے،تو ہمیں دکھ کی اس گھڑی سے نکال دے،ہم تیری آزمائشوں کے متحمل نہیں ہو سکتے،تو ہماری آزمائش ختم کر دے۔ہماری بچی کو اپنے حفظ و امان میں رکھنا یا رب...... زندگی میں اتنے دکھ دیکھ لئے اب مزید حوصلہ نہیں۔اللہ تجھ سے رحمت طلب کرتا ہوں۔اپنی رحمت سے ہماری پریشانی کو دور فرما دے۔“وہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے رب سے مناجات میں مصروف تھے کہ زندگی جب انسان کو ہر طرح سے بھگا کر تھکا دیتی ہے تو اللہ شدت سے یاد آتا ہے اور وہ اس وقت اپنے رب کو دل کی گہرائیوں سے پکار رہے تھے۔

ہیں خالقِ کونین ترے کام نرالے
بے رنگ ہے تو ایسا کہ ہر رنگ ترا ہے
انسان بے چارہ تجھے کیا جان سکے گا
ادراک کی دنیا میں تجھے ڈھونڈ رہا ہے
میں نے بھی تجھے دیکھا ہے کب یاد نہیں ہے
بھولا ہوں میں خود کو کہ تجھے یاد کیا ہے
یہ زیست شبِ غم ہے کہ مر مر کہ کٹی ہے
لے لے کے تیرا نام یہ غم دور ہوا ہے

☆......☆......☆

زعیزعہ خان ایک طرف کھڑا ان سب کو بس مضطرب دیکھ رہا تھا،سالار مصطفیٰ کے چہرے سے ٹپکتی وحشت دیکھ کر اسے شیریں پر رشک آیا تھا کہ وہ ان سب کے لئے کس قدر معنی رکھتی تھی وہ گہری سوچ میں ڈوبا کھڑا تھا کہ آئی سی یو کا دروازہ کھلا تھا۔وہ آگے بڑھنا چاہتا تھا

مگر شیریں کے وہاں اتنے اپنے اور چاہنے والے رشتے موجود تھے کہ اس کے قدم آگے بڑھنے سے انکاری ہو گئے تھے کہ آج شیریں کی جو بھی حالت تھی سبب وہ تھا ایسے میں اس کے قدم تھمتے نہیں تو اور کیا کرتے...... وہ جس طرح ڈاکٹر کو دیکھ کر لپکے تھے وہ سب سے پیچھے رہ گیا تھا مگر اس کے جسم کا ہر عضو کان بنا ڈاکٹر کی جانب متوجہ تھا اور ان سب کی مانند شیریں کے خطرے سے باہر ہونے کی اطلاع اسے بھی پرسکون کر گئی تھی اور جس وقت اسے روم میں شفٹ کیا گیا تھا وہ سب دیوانہ وار کمرے کی طرف لپکے تھے۔ ایک وہ واحد جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا رہ گیا تھا اس کی آنکھوں میں ضبط کی لالی بڑھنے لگی تھی۔ دل کہتا تھا بس ایک نظر دیکھ لے دشمن جاں کو...... مگر دل کی دماغ نے ایک نہیں چلنے دی تھی۔ اس کے قدم شکستہ انداز میں باہر کی طرف اٹھنے لگے تھے کہ اس نے دل کی صدا پر کان ہی نہیں دھرے تھے۔

ہم سمجھتے ہیں محبت کے تقاضے لیکن
کیسے اس در پہ کوئی بن کے سوالی جائے

شکستہ قدموں سے محبت بے بسی کی مانند آ لپٹی تھی اس کے قدم تھمے تھے، وہ پلٹا تھا مگر قدم آگے بڑھنے سے انکاری ہوئے تھے اور وہ یکدم بڑی تیزی میں وہاں سے نکلا تھا جس پل وہ ریش ڈرائیونگ کرتا گھر پہنچا اسے لگا تھا کہ وہ زندگی کہیں دور بہت دور چھوڑ آیا ہے۔ کمرے میں قدم رکھتے ہی نظر خون پر پڑی تھی اور دل شدتِ کرب سے سینے میں مچل اٹھا تھا۔ ہجر کی رات طویل تر ہونے لگی تھی۔ وصل کی امید ہی دم توڑ گئی تھی کہ شیریں کے تیور ہی نہیں اس کی حالت بھی اسے ہراساں کر گئی تھی۔ اسے آج شدت سے احساس ہوا تھا۔ گن پوائنٹ پر مال و متاع تو چھینا جا سکتا ہے مگر محبت نہیں۔ کہ وہ حاصل کر چکا تھا مگر حاصل میں کیا لاحاصل ہاتھ لگا تھا کہ اس کے سارے کس بل نکل گئے تھے کہ اس نے تاحیات لوگوں کو تڑپایا تھا مگر کبھی سوچنے کی زحمت تک نہ کی تھی کیسے کیسے دکھ اس نے دوسروں کے ساتھ کر دیئے ہیں مگر آج دکھ سے یوں آشنا ہوا تھا کہ تڑپنا بھی آ گیا تھا۔ تڑپ کے معنی بھی سمجھ گیا تھا۔ دل آندھیوں کی زد پر پھڑ پھڑا رہا تھا اور اف کرنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ اسے لگا تھا کہ آج اس نے صحیح معنوں میں شیریں کو کھو دیا ہے۔ اس نے سگریٹ سلگائی تھی۔ تن من ایسی آگ میں جل رہے تھے کہ کسی پل اسے قرار نہ تھا۔ دم گھٹ رہا تھا اور بے بسی کا عالم کہ سانس لینا بھی ضروری تھا۔ وہ ٹیرس پر چلا آیا تھا۔ چار سو اندھیرے کا راج تھا ساڑھے تین بج رہے تھے۔ خاموشی بڑی با معنی گفتگو کر رہی تھی اسے اس کی اوقات بتا رہی تھی کہ وہ اب تک 'شاہ' رہا تھا اور عشق نے اسے 'گدا' بنا دیا تھا۔ اس کا کشکول پھیلا تھا مگر خالی تھا کہ جنوں سے عشق حاصل نہیں ہوتا کہ عشق تو مقدر سے نصیب ہوتا ہے اور وہ اتنا با نصیب نہیں تھا۔ شدت سے دل نے چاہا تھا کہ دل سینے سے نکال کر پھینک دے مگر تڑپتا دل ہی تو اب جینے کا سہارا تھا۔ ایسے میں وہ دل نکال کر کیسے پھینک سکتا تھا۔ اس دل کو جس میں کسی کا نقش عشق کی سچی تصویر کی مانند کندا تھا۔ جنوں کہتا تھا کہ سب کچھ فنا کر ڈالو اور عشق کہتا تھا بس خود فنا ہو جاؤ۔ کبھی جنوں سر اٹھاتا، کبھی عشق مسکرانے لگتا۔ وہ خود سے لڑتے ہارنے لگا تھا۔ گھٹنوں کے بل زمین پر گرا تھا۔ آسمان تک نگاہ گئی تھی۔ لب فریاد کناں ہوئے تھے۔ دل امید سے بھرنے لگا تھا۔ وصل کی چاہ سر اٹھانے لگی تھی۔ اس نے خدا سے کبھی کچھ نہیں مانگا تھا مگر آج وہ اپنی زندگی کی مانگ رہا تھا کہ اس کا غرور پاش پاش ہو گیا تھا۔ اس کی برائی نے اسے تھکا ڈالا تھا اور تھکے ہارے شخص کا ٹھکانہ تو ایک ہی

تھا۔ کوئی مالکِ حقیقی کے در سے دور ہوتا تو کوئی اس در کے قریب نہیں ہوتا۔ در کب قریب ہو جائے کسے معلوم۔ اس کی نگاہ آسمان پر جمی تھی اور وہ ہاتھ اٹھائے مناجات کر رہا تھا کہ اس کے اندر کی برائی کیا مری تھی اچھائی زندہ ہو گئی تھی۔ ہجر کیا آن لپٹا تھا۔ وصل کی خواہش نے انگڑائی لی تھی۔

سنا ہے جنونِ عشق کی روٹھی رت بھی دعا دیتی ہے اسے
جو ہجر کی رات میں وصل امید کو پھر سے زندہ کر دے

☆......☆......☆

''دوست میں تیرے غم میں سانسیں
کاٹ رہا ہوں ایسے
کوئی پنچھی پر کٹوا کہ
اڑنا چاہے جیسے......''

رویحا نے بس ایک نظر کھڑکی میں کھڑے ابران پر ڈالی تھی اور سی ڈی پلیئر آف کر دیا تھا۔ سونگ کی آواز کا گلا گھٹتے ہی کمرے میں خاموشی سی چھا گئی تھی اور وہ چونک اٹھا تھا اسے کمرے کے وسط میں خود پر نگاہ جمائے دیکھ کر وہ مسکرایا تھا اور عین اس کے سامنے آن ٹھہرا تھا۔

''میری بیوی کچھ غصہ میں لگ رہی ہے۔'' انداز قدرے شرارت لیے ہوئے تھا۔

''ابران پلیز۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو ٹھہرنے لگے تھے۔

''ریا! کیا ہوا ہے۔'' وہ مضطرب ہوا تھا اور اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''ابران! آپ اتنے اچھے کیسے ہو سکتے ہیں۔'' وہ سسکی تھی اور وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''میں جس وقت کمرے میں آئی آپ کو دیکھا تو آپ کتنے دکھی لگے تھے مجھے...... میں نے سوچا تھا آج تو آپ مجھ سے اپنا درد کہیں گے، آج تو میرے کاندھے پر سر رکھ کر فراز بھائی کی موت کا افسوس کریں گے مگر ہمیشہ میری سوچ، میری خواہش بن کر نا تمام رہ جاتی ہے۔ آپ مجھے دکھ نہ ہو اس لئے اپنا دکھ اپنے اندر ہی چھپا لیتے ہیں مگر ابران میرا بھی دل کرتا ہے کہ جیسے آپ میرے آنسو پونچھ لیتے ہیں، میں بھی آپ کے دکھ میں آپ کا سہارا بنوں۔ آپ کے آنسو اپنی پوروں پر چن لوں مگر آپ مجھے یہ حق کبھی نہیں دیتے۔ لوگوں کی تو برائیاں ستاتی ہیں، مجھے تو آپ کی اچھائی ستا رہی ہے۔ آپ نے مجھ سے اپنا درد کبھی نہیں کہا۔ میاں بیوی تو سکھ دکھ کے ساتھی ہوتے ہیں اور میں کیسی جیون ساتھی ہوں کہ صرف سکھ میں آپ کے ہمقدم ہوتی ہوں، دکھ میں نہیں کہ میرا شوہر مجھ سے اپنا دکھ کہتا ہی نہیں۔ مجھے اتنا حق ہی نہیں کہ میں آپ کے دکھ جان سکوں۔ دکھ دور کر سکوں، آپ کو سنبھال سکوں۔ آپ کو سمیٹ سکوں کہ میں تو بس آپ کی راحتوں کی ساتھی ہوں، دکھ کی ساتھی نہیں ہوں۔ میں آپ کے دکھ کی وجہ تو بنتی ہوں، دکھ مٹانے کا ذریعہ نہیں بنتی۔'' وہ اپنے کاندھے سے اس کا ہاتھ جھٹکتی شدتوں سے روتے ہوئے بولی تھی۔

''تمہیں کیسے بتاؤں، کیسے یقین دلاؤں ریا کہ تم میرے دکھ کا نہیں۔ میری راحتوں کا سبب ہو، تم سے اپنا کون سا دکھ کہوں کہ تمہیں دیکھ لیتا ہوں تو دکھ، دکھ کب رہتا ہے۔ زندگی کا سب سے بڑا سکھ بن جاتا ہے، کیسے تمہیں یقین سونپوں ریا کہ میرے لئے تمہارا ساتھ ہی زندگی کا سب سے بڑا سکھ ہے۔ تمہارے چہرے کی طرف جب نظر پڑتی ہے دکھ کے بادل چھٹ جاتے ہیں، آنکھیں جگمگا اٹھتی ہیں۔ دل گنگنانے لگتا ہے، لب مسکرانے لگتے ہیں، تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ تم میرے لئے کیا ہو۔ میرے سکھ کی سب سے حسین وجہ ہو تم۔'' وہ اپنے مخصوص دھیمے یقین دلانے والے انداز میں بولا تھا۔

''مجھے آپ پر یقین ہے ابران مگر...... دکھ اتنی آسانی سے کہاں بھولے جاتے ہیں۔ آپ مجھ سے کہاں کریں نا اپنا دکھ، سچ مجھے بہت اچھا لگے گا۔ اپنائیت کا احساس ہوگا۔ ابھی مجھے بہت غیریت سی محسوس ہوتی ہے۔ آپ کے کہے پر بھی یقین ہے مگر دل کو یقین بھی نہیں آتا۔ اس لئے آپ مجھ سے اپنی باتیں شیئر کیا کریں نا پلیز۔'' وہ اسے چاہ کر بھی جھٹلا ہی نہیں سکی تھی کہ کچھ دیر قبل اگر اس کے چہرے پر کرب دیکھا تھا تو اب سکون بھی صاف محسوس ہو رہا تھا اور اس کا یہ پل پل بدلتا روپ ہی تو اسے خائف کرتا تھا۔ وہم میں ڈالتا تھا۔ الجھنے پر مجبور کرتا تھا وہ چہرے پر معصومیت لئے نرمی سے ریکوئسٹ کر رہی تھی وہ یکدم ہی ہنس دیا تھا۔

''میری بیوی دنیا کی نرالی عورت ہوگی جو شوہر کو ہنستا مسکراتا نہیں، روتا منہ بسورتا دیکھنا چاہتی ہے۔'' وہ حیران ہوئی تھی کہ اس کے نزدیک فی الوقت ہنسنے کی کوئی وجہ ہی نہیں تھی کہ اس کے جملے نے ہنسنے کی وجہ بیان کر دی تھی۔

''ایسا نہیں کہاں میں نے۔ آپ میری بات کو مذاق میں مت اڑایا کریں۔'' اس کا منہ بن گیا تھا اس کے حسین چہرے پر ناراضگی کتنی بھلی لگتی تھی دل کرتا تھا کہ بس اسے روٹھا رہنے دے مگر وہ دل کی یہ بات نہیں سن سکتا تھا کہ وہ اس کی خوشیوں کی چابی تھی ایسے میں اسے وہ روٹھا کیسے چھوڑ سکتا تھا۔

''ریا! تمہیں لگتا ہے کہ میں اپنے دکھ تم سے نہیں کہتا مگر کوئی دکھ ہو تو کہوں۔'' وہ کچھ سوچ کر بولنے لگا تھا۔

''آپ کو فراز بھائی کی موت کا دکھ نہیں ہے۔'' وہ اس کی بات کے درمیان بولی تھی۔

''فراز میرے لئے کیا تھا یہ میں خود بھی نہیں جانتا بس اتنا ہے کہ جب سے فراز گیا ہے زندگی میں ایک خلا سا آ گیا ہے۔ فراز کا سوچتا ہوں تو دل درد سے بھر جاتا ہے مگر جب رب کی اتنی نعمتیں جو مجھے میسر ہیں، یاد آتی ہیں تو تڑپتے دل کو قرار آنے لگتا ہے۔'' وہ اپنے ازلی نرم لہجے میں کہنا شروع ہوا تھا اور وہ بس بے یقینی سے اس کے حسین چہرے کو تک رہی تھی جہاں سچائی نور بن کر ٹپکتی تھی۔

''تم جس وقت کمرے میں آئیں میں فراز کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔ فراز کی موت کا خیال ہی مجھے دکھ کی کیفیت کے زیرِ اثر لے گیا تھا کہ مجھے تمہاری آمد کی بھی خبر نہیں ہوئی تھی مگر جب تم نے اپنی موجودگی کا احساس بخشا، تمہارے چہرے تک نظر گئی سکھ کی وہ ہوا چلی کہ دکھ اس میں کہیں مدغم ہو گیا کہ سکھ، دکھ سب انسان کے اندر ہوتے ہیں، دکھی ہونے کو پرانی یادیں، بہت اپنے پیارے چہروں سے دوری کا احساس ہی کافی ہوتا ہے اور سکھ کے لئے سکھ کا احساس۔ کچھ پیارے اپنوں کا ساتھ ہونا ہی کافی ہے۔ فراز نگاہ سے دور تھا اس لئے

دل غم کے قریب تھا۔تم نگاہ کے قریب ہو اس لئے دل غم سے دور ہے۔'' اس کی اپنی ہی سوچ تھی۔ اپنی ہی منطق تھی۔ اپنا ہی نظریہ تھا۔ جس سے قائل وہ کبھی نہیں ہوئی تھی مگر دل اس کا جھک جاتا تھا قائل نہیں ہوتی تھی بس مان جاتی تھی۔

''کبھی کبھی مجھے آپ سے بہت ڈر محسوس ہوتا ہے ابران۔'' وہ اس کے چہرے سے عیاں اطمینان کو دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''ہاں، کبھی کبھی۔ بیوی...... تمہیں مجھ سے روز ڈرنا چاہئے۔ مجازی خدا ہوں تمہارا۔'' وہ اس کی بات سمجھے بنا شرارت سے بولا تھا۔

''مذاق مت کریں میں سیریئس ہوں۔'' وہ ناک چڑھا کر بولی تھی اور اسے پھر سے سنجیدہ ہونا پڑا تھا۔

''ڈر کیوں محسوس ہوتا ہے اتنا تو پیارا ہوں۔ کتنی ہی لڑکیوں کی آنکھوں کا تارا ہوں۔'' اسے بولنے پر آمادہ نہ دیکھ کر وہ کچھ شوخ ہوا تھا اور سنجیدہ سے ابران کا یہ شوخ روپ بھی کتنا دلکش تھا۔ اس کا دل دھڑک اٹھا تھا۔

''فضول مت بولیں۔'' وہ اسے باتوں میں الجھا گیا تھا اسی لئے وہ چڑ کر منمنائی تھی اور اس نے فوراً کان پکڑ لئے تھے اور وہ اسے دیکھتے ہوئے یکدم کھلکھلا دی تھی۔

''ایسے ہی ہنستی رہا کرو اور یہ شک کا کیڑا ذرا دماغ سے نکال دو۔ میرے لئے تم سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہے۔ دکھ بھی نہیں کہ میرے سکھ کی گھڑی ہو تم۔ میرے سکھ کا پل۔ میری زیست کا حاصل۔ دکھ کو بھلانا آسان نہیں ہوتا مگر انسان بھلانا چاہئے تو مشکل بھی نہیں رہتا۔ تم چاہتی ہو نا کہ میں خوش رہوں تو بس میرے آس پاس رہا کرو۔ میں خوش رہوں گا اور ایسا نہیں ہے کہ میں تم سے اپنا دکھ نہیں کہتا۔ کہ اگر میں نہیں کہتا تو تمہیں کیسے پتہ چلتا ہے کہ میں دکھی ہوں۔'' وہ اس کی ستواں ناک میں چمکتی ہیرے کی لونگ کو انگلی سے چھیڑتے ہوئے پوچھ رہا تھا اور وہ یکدم ہی لاجواب ہو گئی تھی۔

''کچھ باتیں انسان زبان سے کہتا ہے۔ کچھ باتیں دل سے کہتا ہے۔ زبان کی باتیں کان سن لیتے ہیں اور دل کی باتیں دل والے محسوس کر لیتے ہیں۔ میں جب بھی دکھی ہوتا ہوں کسی سے کہتا نہیں کہ مجھے دکھ ہو کہ سکھ لفظوں میں بیان نہیں کرنا آتا۔ جب ممی سے دور تھا تو دکھی رہتا تھا۔ ممی کو محسوس کرتا تھا تو سکھ کو اپنے بہت قریب پاتا تھا۔ میں اپنوں سے اتنا دور رہا کہ مجھے اپنا سکھ، دکھ بیان کرنا کبھی نہیں آیا۔ مگر میرے اپنوں نے مجھے ہمیشہ اپنے رویوں سے احساس دلایا کہ وہ سب دور ہو کر بھی میرے ساتھ ہیں۔ تم سے بھی میں کچھ چاہ کر بھی کہہ نہیں پاتا مگر تم اسے محسوس کرتی ہو۔ اور تمہارا یہ محسوس کرنا جب میں محسوس کرتا ہوں تو سکھ کو اپنے قریب پاتا ہوں۔ مطمئن ہو جاتا ہوں مگر تمہیں میرے لفظ ہی یقین سونپ سکتے ہیں تو میں یہ کوشش بھی ضرور کروں گا تمہارے لئے کہ میری جان تمہیں اداس نہیں کر سکتا۔ تمہیں روٹھنے نہیں دے سکتا۔''

وہ اپنا دل آج صحیح معنوں میں کھول کر اس کے سامنے رکھ گیا تھا اس کے انداز میں سچائی تھی، جذبوں کی آنچ تھی اس کا دل ٹھہرنے لگا تھا۔

''میں بھی یہی چاہتی ہوں ابران کہ ایک دنیا مجھ سے روٹھ جائے مگر آپ نہیں کہ آپ میرے لئے، مجھ سے زیادہ اہم ہیں۔ آپ

بن مانگی دعا کی مانند میری زندگی میں یوں شامل ہوئے کہ زندگی دعاؤں کا ثمر لگتی ہے۔آئی لو یو۔'' وہ نم لہجے میں محبت کی سچائی و گہرائی سے بول رہی تھی۔

''آئی لو یو ٹو۔'' وہ اسے اپنے قریب کرتے ہوئے سرگوشی میں بولا تھا اور وہ طمانیت سے مسکرا دی تھی کہ اسے یقین تھا کہ اس کا ہمسفر ساتھ نبھانے والا تھا، رت بدل سکتی تھی مگر دعا' 'محبت' سایہ شخص کبھی نہیں بدلے گا کہ کچھ لوگ ریت کی طرح ہوتے ہیں کہ کسی بھی آن میں بدل جائیں کچھ لوگ تو 'عین' کی طرح ہوتے ہیں کتنا ہی بدلنا چاہو، کتنا ہی موڑ توڑ دو، فرق ہی نہیں پڑتا کہ عین سے سفر عشق بنتا ہے اور عشق کہاں اپنی راہیں بدلتا ہے۔ یہ تو ایک بار جس چوکھٹ کو پکڑ لے وہیں کا ہو رہتا ہے۔ رویحا کو مطمئن پا کر اس نے اطمینان محسوس کرتے ہوئے اپنے رب کا شکرادا کیا تھا۔ دل کے سب سے نچلے خانے سے ایک محبت نے سر اٹھایا تھا، آنکھ نم ہوئی تھی مگر اس نے تو عشق کی راہ چنی تھی اس لئے ثابت قدم تھا کہ اس نے جنوں کی راہ ہنس کر چنی تھی کہ جنوں کمزور کر دیتا ہے، قدم اکھاڑ دیتا ہے، جنوں اپنی کم مائیگی پر آنسو بہتا اس کی چوکھٹ سے چلا گیا تھا کہ اس کی چوکھٹ پر تو عشق براجمان تھا اور جہاں عشق براجمان ہو وہاں محبت فاصلے پر ٹھہر کر بس مسکراتی رہتی ہے۔ وہ بھی مسکرا دیا تھا۔

داغِ دل ہم کو یاد آنے لگے
لوگ اپنے دیئے جلانے لگے
کچھ نہ پا کر بھی مطمئن ہیں ہم
عشق میں ہاتھ کیا خزانے لگے

☆......☆......☆

سالار مصطفیٰ اسے بے یقینی سے تک رہے تھے کہ کہاں امید تھی کہ ایک ہفتہ بعد اسے خود کال کر کے بلائیں گے اور وہ آئے گا تو یہ سب کہے گا کہ وہ ہاسپٹل سے جس وقت کسی کو بھی بناء بتائے گیا تھا اس کے بعد نہ اس نے رابطہ کیا تھا نہ ہی انہوں نے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ ایک ہفتہ میں شیریں کی طبیعت ذرا سنبھل گئی تھی تو سالار مصطفیٰ نے خود اسے کال کر کے مصطفیٰ ہاؤس آنے کو کہا تھا اور وہ تو جیسے ان کے بلانے کا ہی منتظر تھا چھ گھنٹہ بعد ہی ان کے سامنے تھا۔ انہوں نے اس سے نہ کچھ کہا تھا نہ ہی پوچھا تھا ایک داماد عزت اور اہمیت ڈیزرو کرتا ہے وہ اسے دے رہے تھے اور وہ تو پہلے ہی ان کی اچھائی و نیک نیتی کے آگے زیر بار تھا کچھ اور اپنے آپ میں شرمندہ ہوا تھا تب ہی وہاں رابعہ سالار چلی آئی تھیں اسے دیکھ کر ان کے چہرے کے عضلات تن گئے تھے۔ چہرے کے حساس حصے سرخی چھلکانے لگے تھے وہ احتراماً کھڑا ہوا تھا اور وہ اس کے سلام کا جواب دیئے بغیر پلٹ گئی تھیں۔ جہاں سالار مصطفیٰ کا دل زعیز عہ خان کے اقدام سے اطمینان سے بھر گیا تھا وہیں بیوی کا اقدام انہیں غصہ دلا گیا تھا اور وہ انہیں پکارنے لگے تھے انہوں نے پلٹ کر شوہر کی طرف دیکھا تھا ان کی نگاہ میں غصہ بھی تھا اور انہیں جوائن کرنے کا اشارہ بھی تھا اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی سنگل صوفے پر براجمان ہو گئی تھیں۔ وہ زعیز عہ خان کی آمد سے یکسر

انجان تھیں اگر علم ہوتا تو ہرگز بھی یہاں نہ آتیں۔ کچھ دیر قبل جو سالار مصطفیٰ نے اسے اپنائیت کا احساس سونپا تھا وہ یکسر کہیں دور چلا گیا تھا کمرے کی فضا یکدم ہی مکدر ہوگئی تھی۔ زعیز عہ خان کو وہاں اپنی موجودگی بری طرح کھلی تھی اسی وقت اس کا سیل بج اٹھا تھا اور وہ معذرت کرتا اٹھ گیا تھا کہ کال پرائیویٹ تھی وہ وہاں ٹھہر نہیں سکتا تھا لاؤنج سے نکلتا چلا گیا تھا۔

''یہ کیا حرکت تھی رابی۔'' اس کے منظر سے ہٹتے ہی وہ بیوی پر خفا ہوئے تھے۔

''میرا آپ جتنا حوصلہ نہیں ہے سالار۔ جن مجبوریوں کے طوق کو گلے میں لٹکا کر شیریں کو اس کے سنگ رخصت کیا ہے آپ جانتے ہیں۔ نہ دل اس حقیقت کو تسلیم کر پایا ہے نہ دماغ۔ مگر مجبوری ایسی تھی، قسمت کا ستم ایسا تھا کہ مہر بہ لب ہونا پڑا لیکن جس حالت میں شیریں کو دیکھا ہر مجبوری طمانچہ کی مانند منہ کو آ لگی۔ آپ جانتے ہیں یہ میری برداشت سے باہر کی بات ہے۔ اس شخص کا سامنا میں برداشت نہیں کر سکتی۔ ذرا سا اختیار ملے تو اسے جان سے مار دوں۔'' وہ نہایت دھیمے لہجے میں انہیں ان کی غلطی کا احساس دلا رہے تھے اور وہ تو جیسے بھری بیٹھی تھیں تلخی سے کہتی چلی گئی تھیں، آواز بھی قدرے اونچی ہوگئی تھی اور باہر کھڑا زعیز عہ خان لب بھینچ گیا تھا کہ اس نے اتنا برا ہونے کے باوجود کبھی غصہ و نفرت کا سامنا نہیں کیا تھا کہ وہ خود جیسا تھا ویسے ہی لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا تھا اسی لئے تو کبھی ادراک ہی نہیں ہوا تھا کہ وہ کن برائیوں میں مبتلا ہے اب اچھے لوگوں تک آیا تھا تو ادراک کے لمحے اس پر گزرتے جا رہے تھے اسے اپنی اب تک کی گزری زندگی پر ندامت ہونے لگی تھی اور ان سب کے سامنے تو وہ خود کو بہت چھوٹا محسوس کرنے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی اتر رہی تھی اور وہ لب بھینچے اندر سے آتی سالار مصطفیٰ کی آواز کو سن کانوں سے رہا تھا مگر محسوس دل سے کر رہا تھا۔

''فضول بات کرنے کی ہرگز بھی ضرورت نہیں ہے رابی کہ اب زعیز عہ خان جیسا بھی ہے اس گھر کا داماد ہے۔ اسے اتنی ہی عزت واہمیت ملے گی جتنا اس کا حق ہے اور میں یہ بالکل برداشت نہیں کروں گا کہ تم یا کوئی بھی زعیز عہ خان کے ساتھ مس بی ہیو کرے کہ یاد رکھنا وہ برا ہے مگر ہم چاہیں تو برا رہے گا نہیں کہ اچھے لوگوں کے ساتھ تو اچھائی سے اخلاق کا مظاہرہ تو سب ہی کر لیتے ہیں۔ ایک برے انسان کے ساتھ اخلاق کا مظاہرہ کیا جائے تب کہا جا سکتا ہے کہ ہاں آپ نے کچھ کیا ہے...... آپ اعلیٰ اخلاق کے مالک ہیں۔'' وہ بیوی کو ناگواری سے دیکھ رہے تھے۔

''میں بداخلاق تو بداخلاق ہی بھلی۔'' وہ انہیں ناراضگی سے دیکھتیں نکلتی چلی گئی تھیں اور خاموشی کے ہوتے ہی وہ اندر آ گیا تھا۔ سالار مصطفیٰ نے اس سے کہا تھا کہ شیریں کی طبیعت اب ذرا بہتر ہے وہ جب چاہے اپنی بیوی کو اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے اور اس نے جواباً جو کہا تھا اسے سن کر وہ سناٹے میں آ گئے تھے۔

''میں شیریں کے لئے بدلنا چاہتا ہوں۔ ہر وہ کام کرنا چاہتا ہوں جس سے شیریں کا حصول آسان ہو سکے، شیریں کی نفرت محبت کے قالب میں ڈھل سکے۔'' وہ ان کی بے یقینی محسوس کرنے کے باوجود بھی بولتا چلا گیا تھا یکدم انہوں نے اطمینان بھرا سانس لیا تھا کہ سب کی مخالفت مول لے کر اگر انہوں نے خلع کا مقدمہ دائر نہیں کیا تھا تو سبب اتنا ہی تھا کہ انہوں نے زعیز عہ خان کی آنکھوں میں شیریں کے

لئے موجود عشق کی گہرائی کو جانچ لیا تھا اور انہیں یقین تھا کہ وہ بدلے گا اور آج وہ بدلنے کا ارادہ ساتھ لے کر آیا تھا وہ کوئی بوجھ سا سر سے اترتا محسوس کرنے لگے تھے اور اس کی اگلی بات نے اس کے ارادے کی پختگی کو صاف عیاں کر دیا تھا وہ اپنے ہر اس جرم کا ان کے سامنے اعتراف کر رہا تھا جس سے وہ واقف تھے اور یہ اور بات تھی کہ وہ کبھی اسے سزا نہ دلا پائے تھے اور آج وہ خود سے سزا کی راہ پر چل رہا تھا اپنے خلاف ثبوت ان کے حوالے کر گیا تھا۔

''تم جانتے ہو تمہاری یہ کوشش تمہیں پھانسی کے پھندے تک لے جا سکتی ہے اور جس محبت کا حصول تم چاہتے ہو وہ تمہاری دسترس سے بہت دور ہو جائے گی کہ نفرت ہو کہ محبت، سب زندگی کے جھمیلے ہیں زندگی ہی نہ رہے گی تمہاری تو تم محبت کا کیا کرو گے کہ بہتر نہیں کہ زندگی چلتی رہے۔ نفرت کے سائے سائے۔'' وہ ٹیبل پر لگے اس کے خلاف ثبوتوں کے انبار کو دیکھ کر گہری سنجیدگی سے بولے تھے۔

''نفرت بڑا جان لیوا جذبہ ہے۔ پل پل مر رہا ہوں۔ اب تو بس جینا چاہتا ہوں، زندگی کی بانہوں میں نہ سہی۔ موت کی بانہوں میں سہی کہ میں چاہتا ہوں کہ مرنے سے پہلے کچھ ایسا کر جاؤں کہ مرنے کے بعد مجھے کوئی نہیں کم از کم شیریں تو یاد رکھے اور میں جانتا ہوں جتنا میں برا ہوں، شیریں کم از کم مجھے یاد نہیں کر سکتی۔ اس لئے شیریں مجھے یاد رکھے اس کے لئے مجھے موت کی دہلیز تک جانا ہو گا تو بھی مجھے منظور ہے۔ میں نے عشق کی راہ چنی ہے اور عشق میں کبھی 'حاصل' 'عشق' ہوتا ہے تو کبھی 'لاحاصل' ہی اصل عشق ہوتا ہے۔'' وہ انہیں غیر معمولی سنجیدہ لگا تھا۔

''میں تمہارے ساتھ ہوں زعیزعہ، ہر طرح سے تمہاری مدد کروں گا۔'' وہ اٹھ کر اس تک پہنچے تھے اور اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ نم پلکوں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''مدد کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑنا ایکس کمشنر کہ میں ہر سزا کو تیار ہوں۔ بس مرنے سے ڈرتا ہوں۔ جب سے عشق کرنے لگا ہوں زندگی سے محبت سی ہو چلی ہے۔ پوری زندگی نہ سہی۔ بس ایک لمحہ زندگی سے خیرات میں ہی دلوا دینا کہ بس ایک لمحہ...... کہ جس میں صرف میں ہوں، میرا عشق ہو اور زندگی ختم ہو جائے۔'' وہ پلٹا تھا اور نکلتا چلا گیا تھا۔ زعیزعہ خان نے خود اتنے ثبوت فراہم کئے تھے کہ اگلے دو گھنٹہ میں وہ حوالات میں تھا۔ چند ماہ بعد کیس چلا تھا اس نے بھری عدالت میں اپنے ہر جرم کا اعتراف کیا تھا۔ امید یہی تھی کہ پہلی پیشی ہی آخری پیشی ثابت ہو گی۔ کمرۂ عدالت میں ارمان شیرازی اور سالار مصطفیٰ بھی موجود تھے۔ ہر گزرتا لمحہ ان پر بھاری تھا۔ سالار مصطفیٰ کی دلی خواہش تھی کہ اسے پھانسی کی سزا نہ سنائی جائے۔ انہوں نے نظر اٹھائی تھی اور کٹہرے میں کھڑے زعیزعہ خان کو دیکھا تھا وہ بہت پرسکون لگا تھا۔ انہیں یکدم شیریں پر رشک آیا تھا کہ ایک شخص اسے اتنا چاہتا تھا صرف اس کے لئے برائی کو خیرباد کہہ چکا تھا۔ اچھائی کی طرف بڑھ رہا تھا بنا کسی خوف و خطر کے جب کہ جس راستے کی طرف وہ بڑھ رہا تھا وہ انتہائی خطرناک تھا۔ اس کی جان بھی جا سکتی تھی مگر اسے جیسے پرواہ ہی نہ تھی۔ ارمان شیرازی کی نگاہ بھی اس کے چہرے کا طواف کرنے لگی تھی۔ یہ وہ شخص تھا جس نے انہیں بہت ستایا تھا۔ خون کے آنسو رلایا تھا۔ ان کی اچھی بھلی پرسکون زندگی میں عذاب بھر دیئے تھے مگر وہ آج اس شخص کے لئے فکر مند تھے کہ ان کے اندر کی اچھائی مری نہ تھی۔ وہ

آج بھی انسانیت کو سمجھتے۔ اہمیت دینا چاہتے تھے اور سب سے بڑھ کر وہ تو عشق کو بھی سمجھتے تھے۔ عشق کی مجبوریوں کو بھی انہوں نے بھی تو نیناں ان کا عشق تھیں اور نیناں کے لئے انہوں نے کیا کچھ نہیں تیاگ دیا تھا اپنی مرضی، اپنی انا یہاں تک کہ خود کو بھی یکسر فراموش کر ڈالا تھا۔ مجبوری کی راہ پر چلے تھے۔ دوست سے کیا عہد نبھایا تھا تو عشق ان سے روٹھ گیا تھا اور وہ اپنے روٹھ جانے والے عشق کو نہ عشق سے منا پائے تھے۔ نہ جنوں نے اپنا رنگ دکھایا تھا۔ ان کا جنوں بھی تو ان کے عشق کو نہیں مٹا پایا تھا اور اس کے باوجود بھی آج کئی طویل برسوں بعد بھی وہ اسی عورت کو دیوانوں کی طرح چاہتے تھے جو برسوں سے ان سے روٹھی ہوئی تھی۔ طویل سالوں سے آج تک اسے منانے کو کوشاں تھے کہ عشق کے راستے تو ہوتے ہی دشوار کن ہیں اور وہ ان راستوں پر برہنہ پا چلے تھے مگر اف نہیں کیا تھا اور انہیں زعیز عہ خان مجسم عشق لگ رہا تھا تو کون سا غلط تھا کہ وہ عشق کی راہ پر چلتا ہی تو یہاں تک پہنچا تھا۔ کمرۂ عدالت میں وکلاء کی بحث زور و شور سے جاری تھی۔ اس کے خلاف ثبوت کے انبار لگے تھے۔ اس کا ہر جرم بیان ہو رہا تھا اور وہ محض تصدیق کرتا جا رہا تھا۔ اقبالِ جرم کرتا چلا گیا تھا اور پہلی پیشی ہی آخری پیشی ثابت ہوئی تھی کہ مجرم کے اقبالِ جرم کے بعد تو محض سزا سنانے کا فریضہ رہ جاتا تھا کسی پیشی کی گنجائش نہیں نکلتی تھی۔ اس کے خلاف بیانات جاری ہو رہے تھے اور وہ خود وہاں ہو کر بھی نہیں تھا کہ اس کی نگاہ کے سامنے تو گزرے مناظر گھوم رہے تھے۔ وہ شام جب اس نے پہلی دفعہ شیریں کو دیکھا تھا۔ اپنے بھائی سے پزا کے لئے الجھتی، ناک چڑھا کر اس کا کارڈ اچھال کر گاڑی میں بیٹھتی، وہ کالج کی دوپہر جب وہ کالج کے پرنسپل کو ہراساں کر کے، شیریں سے ملاقات کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ وہ رات جب وہ سجی سنوری ہوٹل کے باہر ہراساں سی ملتی تھی اور اس انگلی میں انگوٹھی دیکھ کر وہ کیسے ہراساں ہوا تھا اور اسے پرپوز کر بیٹھا تھا۔ اس سے زبردستی لیا وعدہ یاد آیا تھا۔ اس کی تلاش میں کالج کا چکر کاٹنا، پھر خود کو تکلیف پہنچانا، شہیر کے قتل کے ارادے سے راولپنڈی پہنچنا اور اس کے آنسوؤں کے آگے ہار کر اپنی شکست کو تسلیم کر لینا۔ ہر اس راستے سے بچنے کی کوشش کرنا جہاں وہ ٹکرائی تھی۔ جہاں اس کے ملنے کی امید تھی، مما کے گھر پارٹی میں کئی ماہ بعد سامنا ہونا ضبط کے نئے تقاضوں سے آشنائی کا ذریعہ بنا وہ رات جب وہ اور شہیر ایک فلائیٹ میں سفر کر رہے تھے اس رات تو وہ جیسے مر سا گیا تھا۔ شیریں، ماں بننے والی ہے اس خبر نے کیسے بے چین کیا تھا۔ جیسے وہ خود سے بھاگتا پھرا تھا۔ شہیر کی موت، مصطفیٰ ہاؤس میں شیریں کا سامنا، اس کا الزام اور وہ کمرہ جہاں اس پر الزامات کی بارش ہوئی تھی اور اس نے ضبط کھو کر تو کچھ دل سے مجبور ہو کر، نہ چاہتے ہوئے بھی زبردستی کی راہ چنی تھی۔ اس سے نکاح نامہ پر دستخط کروائے، ہاسپٹل میں سامنا اور رخصتی کی شام، وہ ان کی آخری ملاقات تھی۔ تقریباً دو ماہ سے تو اس نے اس دشمنِ جاں کو دیکھا تک نہ تھا۔ اس نے کیا سوچا تھا اور ہوا کیا تھا۔ وہ لڑکی جس کی نرمی و کوملتا نے اسے اپنے حصار میں باندھا ہوا تھا وہ کیسے اس کے سامنے شعلہ جوالا بنی کھڑی تھی۔ نفرت و بے زاریت کا اظہار کر رہی تھی اور اس کا تو یہ روپ بھی دلکش تھا کہ محبوب کی تو ہر ادا ہی نرالی، ہر ادا ہی پیاری نزدگی کا احساس بخشتی۔ مگر وہ اپنی ہی جان کی دشمن ہو چلی تھی اور وہ یہ کہاں برداشت کر سکتا تھا۔ خون اس کے ہاتھ سے بہہ رہا تھا اور اس کے احساس کو چوٹ پڑ رہی تھی۔ آنسو اس کے بہہ رہے تھے، تکلیف اس کو ہو رہی تھی۔ اس کے خالف ہر جرم ثابت ہو گیا تھا۔

''ٹھک ٹھک'' کی آواز کے ساتھ ''آرڈر، آرڈر'' کی صدا گونجی تھی اور ان دونوں کے دل کی دھڑکن تھم سی گئی تھی جبکہ وہ کورٹ کی

کارروائی سے یکسر لاتعلق، انجان بیتے لمحوں کو سوچ رہا تھا کہ کیسے وہ اس کی طرف بڑھا تھا، بہتے لہو والا ہاتھ تھام لینا چاہا تھا مگر اس نے کہاں اسے موقع دیا تھا۔

''مت کرو ایسا شیریں، سزا دینی ہے تو مجھے دو، تکلیف پہنچانی ہے تو مجھے پہنچاؤ۔ میں ہر سزا کے لئے، ہر تکلیف کے لئے تیار ہوں۔ بس خود کو تکلیف نہ دو۔ میں تمہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔''

معزز جج نے فیصلہ کن کارروائی کا آغاز کیا تھا مگر اس کے کانوں میں تو اپنی ہی صدا گونج رہی تھی۔ جج کیا کہہ رہا تھا، اس پر فرد جرم عائد ہو جانے کی کیا سزا سنا رہا تھا، اسے کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ وہاں ہو کر بھی نہ تھا۔ سالار مصطفیٰ نے اس کی طرف نگاہ کی تھی جو بے قرار سا کھڑا تھا اس کی بے قراری ہر دیکھنے والی آنکھ نے دیکھی تھی اور یہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ وہ سزا ملنے کے خیال سے بے چین ہے، مگر نہیں دو آنکھیں ایسی تھیں جو اس کے اندر تک اترتیں اس کا حال جان گئی تھیں کہ محسوس کرنے والی آنکھ نے محسوس کیا تھا کہ یہ بے قراری سزا کے ڈر کی نہیں تھی کہ یہ بے قراری تو حیات سے دوری کی تھی کہ یہ بے قراری تو ہجر کی آہٹ کی تھی کہ یہ بے قراری تو کسی کو تلاشتی نگاہ کی تھی، جو کمرۂ عدالت میں یوں سفر کر رہی تھی جیسے کسی بہت اپنے کو ڈھونڈ رہی ہو جبکہ وہ نگاہ جانتی تھی کہ یہ تلاش لاحاصل ہے۔ وہ دشمنِ جاں یہاں نہیں آسکتی، کہ وہ وہاں آنا ہی نہیں چاہے گی اور یہ جانتے ہوئے بھی وہ اسے وہاں لگے لوگوں کے جم غفیر میں ڈھونڈ رہا تھا کہ دل سا خوش فہم کوئی تھا ہی نہیں زمانے میں۔ اس کی نگاہ کی بے قراری، چہرے پر رقصاں عشق کو محسوس کرتے ہوئے ارمان شیرازی اور سالار مصطفیٰ دل ہی دل میں، دل کی گہرائیوں سے مالکِ کائنات، اپنے غفور الرحیم اللہ کو پکار رہے تھے۔ اس شخص کی زندگی کی دعا جس شخص نے ان کی زندگی کو موت سے بدتر بنا دیا تھا، ان کے لئے زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا تھا مگر ان دونوں کے دل میں موجود خوفِ خدا، جذبہ انسانیت اس قدر بااثر تھا کہ وہ آج اس شخص کی زندگی کی دعا طلب کر رہے تھے۔

''یا اللہ۔ وہ فیصلہ کرنا جس میں شیریں کی بھلائی ہو، اپنے بیٹے کی موت سے نہیں سنبھلا ابھی میں، اپنی بہو کی بیوگی کا دکھ نہیں سہار پایا، شیریں کے لئے اس شخص کو نہ چاہتے ہوئے بھی صرف تیری رضا جان کر اپنایا اور یہ شخص بدل رہا ہے، بدلنا چاہتا ہے، بس ایک موقع اسے ضرور دینا میرے اللہ، ایک دفعہ تو شیریں بیوگی کی چادر اوڑھ چکی اے میرے مالک، اب کے تو شیریں کے سہاگ کو اپنی خاص رحمت سے سلامت رکھنا۔ اس شخص کو شیریں کے لئے تو نے چنا ہے، تو بس اس شخص کو شیریں کے حق میں بہتر کر کے اسے شیریں کا ساتھ عطا کر دے۔ اس شخص کی توبہ قبول کر لے۔ میری التجا رد نہ کرنا میرے مالک۔'' سالار مصطفیٰ کی سماعتیں جج کی طرف لگی تھی مگر روم روم مالک کائنات کو سچے دل سے پکارتا، مناجات میں مصروف تھا اور جس کی زندگی و موت کا فیصلہ ہونا تھا وہ اب بھی وہاں ہو کر بھی نہ تھا اس کے کانوں میں اب یکدم شیریں کی آواز گونجی تھی۔

''آپ کو ہی تو سزا نہیں دے سکتی میں زعیزعہ خان، آپ کو تکلیف نہیں پہنچا سکتی مگر خود کو سزا دے سکتی ہوں، خود کو تکلیف پہنچا سکتی ہوں اور وہی کر رہی ہوں کہ میں یہ سب کرنے پر خود کو بہت مجبور پاتی ہوں۔'' وہ اس کے سمجھتے تک، اس کے روکنے تک، کانچ کا ٹکڑا اٹھاتی

بائیں ہتھیلی میں قید کر گئی تھی۔

''فار گاڈ سیک۔شیریں، بند کردو پاگل پن۔'' وہ لمحہ کے ہزارویں حصے میں اس تک پہنچتا اس کا ہاتھ تھام گیا تھا مگر وہ اس کی مٹھی کھلوانے میں ناکامیاب ہوتا جارہا تھا۔

''مجھے تکلیف میں دیکھ کر تکلیف ہو رہی ہے۔میں بھی گزری ہوں ایسی ہی تکلیف سے جب آپ نے میرے حصول کے لئے میرے پیاروں کو پریشان کیا، انہیں تکلیف دی۔شہیر کی جان لے لی، شہیر کی موت پر ماموں جان خون کے آنسو روئے، بوا کی آنکھ آج بھی پرنم ہے، میرے دکھ پر میرے والدین مضطرب ہیں، ابران بھیا کو یہ دکھ مار رہا ہے کہ وہ میرے لئے کچھ نہیں کر پائے، عبیر بھیا سے میرے لئے، میری خوشیوں کے لئے قربانی طلب کی گئی، ایبان بھیا نے میری آنکھ میں آنسو ہیں اس لئے مسکرانا چھوڑ دیا، کیا میں نہیں گزری تکلیف سے، گزری زعیزعہ خان، صرف آپ کی وجہ سے گزری۔آپ نے کتنا ستایا مجھے۔آج میں سود سمیت بدلہ لے رہی ہوں تو تڑپ اٹھے۔مگر اے تڑپانے والے آج بتا مجھے تڑپنا کیسا لگتا ہے۔'' وہ لہو رنگ ہاتھوں سے اس کا گریبان جکڑ گئی تھی اور اس کی تو وہ حالت تھی کہ کاٹو تو بدن سے خون کا ایک قطرہ بھی نہ ٹپکے۔

''مجھے یہاں تک مجبور کر کے لائے نا آپ، مگر اب مجبوری کو میں نے آپ کے گلے کا پھندا نہ بنا دیا تو میرا بھی نام شیریں شہیر نہیں۔'' وہ ایک جھٹکے سے اس کا گریبان آزاد کرتی فاصلے پر ہوئی تھی۔

''آپ کا نام میرے نام کے ساتھ بظاہر جڑ گیا ہے مگر کاغذوں پر لکھے نام کبھی دل پر نقش نہیں ہوتے۔میں کل بھی شہیر سے محبت کرتی تھی، آج بھی میری محبت شہیر ہیں، مرتے دم تک میری محبت شہیر رہیں گے، شہیر میرا وہ عشق جو مجھ سے آپ کے سبب روٹھ گیا۔میری زندگی کی وہ حسین رت جو آپ کے سبب مجھ سے روٹھ گئی اور میں اپنے قاتل سے محبت نہیں کر سکتی۔میں اپنے شہیر کے قاتل سے محبت نہیں کر سکتی۔میرے تن پر سجی اس عروسی پوشاک میں میرے ارمانوں کا خون شامل ہے زعیزعہ خان۔میرے تن پہ سجا یہ عروسی جوڑا بے شک آپ کے نام کا ہے مگر اس پر شہیر کے خون کے چھینٹے مجھے صاف دکھائی دے رہے ہیں، صاف عیاں ہو رہے ہیں تو میں کیسے یقین کروں کہ میری پہچان بدل گئی ہے، بتایئے مجھے کہ میں جس نے کبھی حرام کا ایک لقمہ بھی حلق سے نیچے نہیں اتارا، وہ حرام کی کمائی سے سجی سنوری کھڑی ہے تو اسے اپنا سجنا سنورنا برا کیوں نہ لگے؟''

وہ چیخ رہی تھی اور وہ پل پل اس کے بدلتے روپ سے ہراساں، اس کے بہتے خون سے خائف۔اس کے سوالوں پر لاجواب ہوتا، اس کی تکلیف پر تڑپتا، اس کے کسی بھی سوال کا جواب نہ دے جانے کی شرمندگی لئے اس کے سامنے کھڑا تھا کہ اس کے عروج کے دن چلے گئے تھے۔

''مجھے آپ برے نہیں لگے کبھی کہ مجھے انسانوں سے نفرت کرنا نہیں سکھایا گیا۔مجھے برائی سے نفرت کرنا سکھایا گیا اور آپ جب میرے سامنے آئے تب آپ کی ایک برائی عیاں ہوئی مجھ پر، اچھائی و برائی کا تعلق دیکھنے سے نہیں محسوس کرنے سے ہوتا ہے اور جب

میرے محسوسات آپ کی برائی کی طرف لگ گئے تو میں آپ کی اچھائی کو کیسے محسوس کرتی۔ ہوں گے آپ اچھے مگر میرے لئے کب اچھے ہوئے، کبھی چاہ کر، تو کبھی نہ چاہتے ہوئے مجھے اذیت دی۔ میری خوشیاں چھین لیں، آپ کی برائی نے مجھے کہیں کا نہ چھوڑا، اور آپ کہتے ہیں کہ میں آپ سے محبت کروں، کیسے کروں میں محبت کہ میرے سامنے اچھائی کا حسن نہیں برائی کی غلاظت ہے اور غلاظت سے، برائی سے کون کرتا ہے محبت، آپ کر سکتے ہیں، بتایئے مجھے زعیز عہ خان۔'' اس نے آگے بڑھ کر اسے بازو سے تھام کر جھنجھوڑ ڈالا۔

''بتایئے مجھے میں ہوتی بدصورت، بدکردار تو کرتے آپ مجھ سے محبت، کہ محبت یا تو ظاہر سے ہوتی ہے یا باطن سے، اور میں ظاہر پر مر مٹنے والی لڑکی نہیں ہوں۔ میں نے کبھی بہت اونچے اونچے خواب نہیں دیکھے، میں نے ہمیشہ عزت و مان سمیٹا، تو بس اس کی سلامتی کی دعا کی اور آپ نے میرا مان بکھیر دیا۔ عزت کو ہتھیار بنا کر نکاح نامہ پر سائن کروائے، میرا نسوانی غرور چھین لیا اور کہتے ہیں محبت کرو تو کیسے کروں، میں نہیں کر سکتی زعیز عہ خان، میں محبتوں کی لاکھ عادی ہوں مگر مجھے آن کی خاطر جان قربان کرنے کا گر سکھایا گیا ہے۔ ظاہری خوبصورتی کی جگہ باطنی خوبصورتی کو اہمیت دینے کا درس دیا گیا۔ میں والدین کی تربیت کیسے بھلا دوں، کیسے آپ کو چاہوں جس کا باطن گندا ہے، نہ عمل اچھا، نہ کردار اچھا، مجھے پارسائی کا دعویٰ نہیں ہے زعیز عہ خان مگر کچھ تو میرے جینے کا سہارا مجھے دیں آپ کہ میں حرام کی کمائی کا لباس پہن کر نہیں جی سکتی، حرام کے لقمے حلق میں اتار کر میں زندہ نہیں رہ سکتی، بہت چاہت سے مجھے لائے ہیں نہ تو میں اگر آپ سے کچھ مانگوں تو کیا دیں گے آپ، کیا دے سکتے ہیں مجھے، حرام دولت...... حرام زندگی، تو نہیں چاہئے مجھے۔ مجھے اپنے باپ کی گھر کی سوکھی روٹی قبول ہے، مجھے آپ کا ساتھ نہیں قبول، مجھے نہیں رہنا آپ کی پہچان کے ساتھ، مجھے بخش دیں۔ مجھے جانے دیں کہ میں آپ کی برائی سے ڈرتی ہوں۔ مجھے آپ کی برائی سے خوف آتا ہے، مجھے آپ سے ڈر نہیں لگا، مجھے آپ کے اعمال سے ڈر لگتا ہے۔ مجھے زندگی سے نہیں، موت سے ڈر لگتا ہے۔'' اس کے کانوں میں شیریں کی آواز گونج رہی تھی اور آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے اور اسی وقت معزز جج نے فیصلہ سنایا تھا۔ سالار مصطفیٰ اور ارمان شیرازی کی کب سے رکی سانس پھر سے چلنے لگی تھی اور زعیز عہ خان بے طرح چونک کر جج کو دیکھنے لگا تھا جس نے اسے سزا سنادی تھی۔

''اتنا پریشان مت ہو نیناں، اللہ سب بہتر کرے گا۔'' وہ جلے پیر کی بلی کی مانند چکراتی پھر رہی تھیں، سائرہ بیگم سے رہا نہیں گیا تھا تو بالآخر کہہ گئی تھیں اور وہ ساس کو دیکھتیں لامحالہ صوفے پر ٹک گئی تھیں۔

''وہاں کورٹ میں جانے کیا ہو رہا ہوگا۔ وہاں نہ جانے کیا فیصلہ ہوگا۔ میرا دل بیٹھ رہا ہے۔'' ان کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے تھے۔

''سب کچھ اللہ پر چھوڑ دو۔ اللہ شیریں کے حق میں جو بہتر سمجھے گا وہی فیصلہ کرے گا۔ تم پریشان ہونے کی بجائے بس دعا کرو۔'' وہ دھیمے سے بولی تھیں۔

''مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ دعا کروں تو کیا...... کیسے۔'' بے بسی سے ہونٹ ہلے تھے۔

''کیوں سمجھ نہیں آرہا نیناں، سب کچھ تو کتنا واضح ہے۔ زعیزعہ نے اپنے ہر گناہ کا اعتراف کرلیا ہے، توبہ کرلی ہے اور جب اللہ معاف کردیتا ہے تو ہم بندے کیوں نہیں۔ ہم کیوں اس شخص کی ان برائیوں پر نظر رکھیں جو وہ ترک کرچکا ہے۔ جن کی سزا اس کی طرف بڑھ رہی ہے۔'' سائرہ بیگم کے انداز میں نرمی تھی۔

''سزا نہیں دینا چاہتی میں کہ میرا تو روم روم اس کی سلامتی کے لئے دعا گو ہے کیونکہ اس نے بدی کی راہ چھوڑ دی ہے۔ میں نے اس شخص کا برا کبھی نہیں چاہا تو اب کیسے چاہ سکتی ہوں۔ وہ بھی جب، جب اس نے ہر غلط کام ترک کردیا ہے۔ میں تو بس یہ نہیں سمجھ پا رہی کہ میں اللہ سے زعیزعہ کی خوشی مانگوں یا شیریں کی، کہ زعیزعہ کی خوشی شیریں سے وابستہ ہے اور شیریں کی خوشی تو کیا مرضی بھی زعیزعہ خان سے وابستہ نہیں۔ ایسے میں ایک کی بھلائی چاہ کر دوسرے کے حق میں برا کرنے کا خیال مجھے دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے نہیں دے رہا۔'' آنسو گرنے لگے تھے۔

''تم بس یہ دعا کرو کہ یا اللہ تو وہ فیصلہ فرما جو ہماری شیریں کے حق میں بہتر ہو...... اور اگر زعیزعہ، شیریں کے حق میں بہتر ہوگا تو زعیزعہ خان کے ساتھ بھی کبھی غلط نہیں ہوگا اور نہ ہی شیریں کے ساتھ کہ دعا کو دعا برائے دعا کی مانند نہیں مانگنا چاہئے، دعا کو دعا برائے حق مانگنی چاہئے کہ جو حق ہو، جو بہتر ہو وہ نصیب بنے۔ اللہ تو ہمیں اپنی رضا میں راضی کرے بس تم یہ دعا کرو اللہ باقی سب خود دیکھ لے گا کہ اس کی حکمت تک ہم نہیں پہنچ سکتے۔'' سائرہ بیگم کا ٹھہرا ہوا لہجہ ان کی سماعتوں میں جیسے رس گھولتا جا رہا تھا۔ وہ اپنے اندر سکون سا اترتا محسوس کرنے لگی تھیں۔

''زندگی میں وہ نہیں ملتا جو ہم چاہتے ہیں کہ ہماری چاہت بہت کم، بہت مختصر سی ہوتی ہے اور اللہ ہمیں بہت زیادہ، بہت ساری نعمتوں سے اپنی رحمت کے ساتھ نوازنا چاہتا ہے...... اور جب اللہ زیادہ دینے کا فیصلہ کردے ہم کم لینے پر اصرار کریں تو اللہ اپنی حکمت چلاتا ہے۔ اپنے انداز سے وہ ہم تک وہ پہنچاتا ہے جو ہمیں دینا چاہتا ہے۔ شیریں اور شہیر کا ساتھ مختصر تھا، امید رکھو شیریں اور زعیزعہ کا ساتھ

طویل ہوگا کہ اللہ اپنے بندوں پر اتنی ہی آزمائشیں ڈالتا ہے جتنی اس کے بندے سہار سکتے ہیں۔شیریں کی زندگی کی دھوپ میں ڈھلنے کو ہے کہ شہیر اگر میٹھی چھاؤں کی مانند تھا تو زعیزعہ بھی بہاروں کی رت کی مانند ہماری شیریں کی زندگی کو گل گلزار بنا دے گا کہ شہیر کا ساتھ، شہیر کا بچھڑنا سب رب کی رضا......زعیزعہ کا ساتھ بھی رب کی رضا......اور مجھے امید ہے کہ زعیزعہ جلد لوٹ کر آئے گا اور شیریں اس کے ساتھ ایک اچھی خوشگوار ازدواجی زندگی بسر کرے گی۔بس یہ جو دشوار خزاں کی رت ہے اسے گزارنا ہوگا اور اس کے لئے ہم سب کو شیریں کے لئے نرم چھاؤں سا بننا ہوگا۔اس کا حوصلہ بڑھانا ہوگا۔اسے زعیزعہ کی قربانی کا احساس دلا کر اس کی محبت کو جگانا ہوگا کہ اگر اس شخص نے شیریں کے لئے اتنا کچھ کیا ہے تو شیریں کا بھی کچھ فرض بنتا ہے۔کچھ فرض تو کچھ قرض شیریں کو بھی ادا کرنے ہوں گے اور ہم سب کو بھی......کہ زعیزعہ نے ہم سب کو ستایا تو جیل جانے سے قبل معافی بھی مانگ لی اب ہمیں ظرف بڑا کر کے اسے معاف کر کے سچے دل سے اسے اپنانا ہوگا کہ وہی بات کہ ناخن بڑھ جائیں تو ناخن کاٹے جاتے ہیں انگلیاں نہیں، رشتوں کے لئے تھوڑا سا جھکنا پڑتا ہے اور یہ تم سے بہتر کون جانتا ہوگا۔'' وہ دھیمے سے تفصیلاً کہتیں انہیں نرمی سے سمجھاتیں، نئی راہ دکھاتیں یکدم ان کو دیکھتیں رک گئی تھیں اور وہ توجہ سے ساس کو سنتیں یکدم بری طرح گڑبڑائی تھیں اور ان کی گڑبڑاہٹ محسوس کرتیں سائرہ بیگم نرمی سے مسکرا دی تھیں۔

''تمہاری قربانی، تمہارا ظرف، تمہارا حوصلہ، سنہرے حروف میں لکھے جانے کے لائق ہے۔بچوں کے لئے، رشتوں کے لئے تم نے اپنے اندر کی عورت کو مار کر رشتوں کو نئی جہت دی ہے۔دل سے قدر ہے تمہاری کہ اعتراف تو کروں گی کہ میرا بیٹا تمام عمر تمہارے پیچھے دیوانہ ہوا پھرتا رہا تو ایسا کچھ غلط بھی نہ کیا کہ تم ظاہری، باطنی ہر لحاظ سے اس قابل تھیں کہ تمہیں یوں دیوانہ وار چاہا جاتا، تمہاری اچھائی تمہاری فطرت کو نرمی و کوملتا، رشتوں کا احساس سب کچھ مل کر تمہیں بہت خاص بنا دیتے ہیں۔بہت خاص، اتنا خاص کہ کوئی بھی تمہارے عشق میں مبتلا ہو جائے۔''

''ماما'' وہ ان کی گہری سنجیدگی سے گھبرا کر انہیں ٹوک گئی تھیں اور سائرہ بیگم یکدم ہنس دی تھیں۔

''کچھ غلط نہیں کہہ رہی، اپنے بیٹے کو عقل کے ناخن لینے کی تنبیہہ کرتی رہی تمام عمر مگر میں خود تمہاری اچھائیوں کی معترف رہی ہوں۔تم جیسا حوصلہ دکھانا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔''

''حوصلہ میں نے اکیلی نے تو نہیں دکھایا، یمنیٰ کو آپ کیسے بھول سکتی ہیں۔سب کچھ اس کے تعاون سے ہوا۔میں نے تو زندگی کے ہر موڑ پر جذباتیت بھی دکھائی اور کچھ میری شدت پسندی نے بھی اپنے کمالات دکھائے۔آفرین تو یمنیٰ پر ہے کہ جس نے کبھی اف تک نہیں کیا۔''

بات کہاں سے کہاں نکل گئی تھی اور وہ ساس کی بات درمیان میں قطع کر کے نرمی سے بولی تھیں۔

یمنیٰ کا حوصلہ بھی کمال کا تھا مگر سچ یہی ہے کہ زیادہ اذیت میں تمام عمر نیناں رہیں کہ ان کے اختیار میں تھا کہ وہ یمنیٰ کو گھر سے نکال کر باہر کھڑا کر سکتی تھیں مگر ان کے اندر کی اچھائی نے ایسا کرنے نہیں دیا۔یمنیٰ اس ڈر سے خاموش رہیں کہ مقابلے پر آئیں تو جو ہے وہ

بھی نہ چلا جائے۔ دونوں الگ تھیں۔ دونوں کی سوچ ونظریہ الگ تھا۔ ایک عشق کو جی رہی تھیں، ایک نے مجبوریوں کو جیا تھا۔ ایک نے تمام عمر دل کی مانی تھی اور دوسری نے تمام عمر دماغ کی سنی تھی اور دل ودماغ کہاں ایک ہوتے ہیں۔ وہ ساس کی تعریفوں پر بند باندھتیں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں کہ چاہے کتنی ہی اعلیٰ ظرفی دکھائی تھی مگر برملا اس موضوع پر بات کرنے کی ہمت کبھی نہیں لا پائی تھیں کہ وقت پرانا ہوتا چلا گیا تھا مگر احساس تو ہر وقت میں، ہر عمر میں، ہر صدی میں ''نیا'' رہتا ہے۔ اجلا رہتا ہے اور وہ اجلے من کی عورت، جب جب جیتنے لگی تھی، فرار ہو جاتی تھی کہ کسی کو شکست دینا آسان تو بہت تھا مگر شکست دینے کی چاہ ہی نہیں تھی۔ سائرہ بیگم خاموش ہو گئی تھیں اور وہ جانے کے لئے کھڑی ہو گئی تھیں۔

''بہت بڑا حوصلہ بھی دکھایا، رشتوں کو بھی جی لیا مگر ارمان کو معاف نہیں کیا۔ اسے معاف بھی کر دو۔''

نیناں شیرازی نے ساس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔

''میرا بیٹا ہے...... اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ لگتا ہے صدیاں بیت گئی ہیں اسے مسکرائے۔ تم اس سے خفا ہو تو وہ کیسے مسکرا سکتا ہے۔ بہت سا وقت بیت گیا نیناں۔ اب بھلا دو سب ذہن کشادہ کیا، دل کو بھی کشادہ کر لو۔ معاف کر دو ارمان کو۔ بھول کر سب کچھ مان جاؤ کہ تم اس سے روٹھی ہوئی ہو اور وہ خود سے روٹھا ہوا ہے۔ سالوں سے میرا بیٹا یونہی بے کل سا پھرا ہے تمہارے عشق میں۔ اس کے جنوں پر اقرار کی پھوار کر دو کہ زندگی کی کتنی رتیں روٹھتے، منانے کی چاہ میں گزر گئیں۔ بس اب جو زندگی کے کچھ پل بچے ہیں انہیں اپنے لیے، ارمان کے لئے جی لو۔ کچھ نہیں رکھا روٹھنے میں، مان جاؤ اب۔''

آج سائرہ بیگم بہو سے وہ بھی کہہ گئی تھیں جو کبھی کہہ نہیں پائی تھیں کہ کچھ خود انہوں نے محسوس کیا تھا۔ کچھ آنکھوں سے دیکھا تھا اور کچھ ان کے لاڈلے نے ان سے شیئر کیا تھا کہ وہ زندگی بھر سب کچھ ماں سے نہیں چھپایا تھا کہ ساس تو اولاد کا آئینہ ہوتی ہیں اور آج وہ بیٹے کی وکیل بن گئی تھیں۔

''ماما! آپ کو نہیں لگتا کہ یہ میرا اور ارمان شیرازی کا نجی معاملہ ہے؟'' وہ یکدم بہت سنجیدہ، قدرے روڈ نظر آنے لگی تھیں۔

''تمہاری اسی ناراضگی کے ڈر سے برسوں خاموش رہی ہوں۔ تمہیں اپنے شوہر پر ترس نہیں آتا ہو گا لیکن مجھے اپنا بیٹا قابل رحم بھی لگتا ہے اور اس کا جرم قابل معافی بھی۔ اس لئے نہ چاہتے ہوئے بھی آج بول پڑی ہوں کہ یاد رکھنا کہ تم سے یہ بات تمہاری ماں یا ساس بن کر نہیں کہی کہ یہ بات...... یہ عاجزانہ درخواست تم سے ایک ماں نے کی ہے۔ ارمان شیرازی کی بے کس، مجبور ماں نے، جو برسوں سے اپنے بیٹے کو مسرور دیکھنے کی چاہ میں جی رہی ہے۔''

وہ اگر تلخ ہوئی تھیں تو سائرہ بیگم نے بھی صاف گوئی کی حد کر دی تھی انہوں نے سرخ پڑتیں آنکھوں سے سائرہ بیگم کو دیکھا تھا وہ غصہ میں بھی لگی تھیں، ناراض بھی اور ان سے درخواست کرتی بھی صاف محسوس ہوئی تھیں۔

''ماما! دل کے معاملے منطق پر انحصار نہیں کرتے، کسی منطق کو نہیں مانتے، کسی حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے، جہاں تک دماغ جا سکتا

تھا، جتنے فیصلے لے سکتا تھا، جتنا سہار سکتا تھا، میں دماغ کی بات پر لبیک کہتی گئی، دل نے جہاں جہاں مجبور کیا وہاں وہاں انا، ضد، میں، سب کچھ فراموش کرتی گئی، قابل رحم اگر ارمان ہیں تو میں بھی کم قابل رحم نہیں ہوں کہ ارمان اپنے عشق کے ہاتھوں مجبور ہیں اور میں اپنے جنوں کے ہاتھوں لاچار، دماغ نے قسمت کے لکھے کو تسلیم کروایا، دل راہ میں آیا اور زندگی، زندگی سے روٹھ گئی، بڑی چاہ رہی تمام عمر کے زندگی کو زندگی سے مانگ لوں مگر یہ ُدل' کبھی مانگنے کی راہ پر نہیں چلا کہ ُدل' مانگنے پر یقین ہی نہیں کرتا، بس لٹانے پر ایمان رکھتا ہے اور میں نے بھی سب ہی کچھ تو لٹا دیا۔ زندگی کو زندگی بخش دی، بس ُجنوں' ہی ُعشق' سے روٹھا رہا کہ دل سے منطق کو مان ہی نہیں پایا۔ حقیقت تسلیم نہیں ہوئی کہ ُدل' کو سب کچھ چاہئے ہوتا ہے، ُدل' کبھی بھی تھوڑے پر اکتفا نہیں کرتا کہ تھوڑے پر تو دماغ، دلیل کے ساتھ اکتفا کرتا ہے اور تسلیم کی راہ کا مسافر ہو جاتا ہے۔ میں تسلیم کی راہ پر چلی، ارمان شیرازی کے رشتوں کو قبول کیا، بس میرا ُدل' اکتفا نہیں کر پایا کہ دل ایک بار روٹھ جائے تو دھڑکن تو چلتی ہے مگر ساتھ نہیں دیتی، میری دھڑکن میرا ساتھ نہیں دیتی، میرا دل مجھے منانے نہیں دیتا۔ میرا دل مجھے روٹھے رہنے پر اکساتا ہے کہ دل ُاکتفا' نہیں کرتا، کر ہی نہیں پاتا، کر ہی نہیں پایا۔'' وہ بہتی آنکھوں سے کہتی نکلتی چلی گئی تھیں۔ سائرہ بیگم ہی نہیں دہلیز پر ارمان شیرازی بھی ساکت کھڑے تھے کہ اس عورت کی شدت پسندی نے تو انہیں خون کے آنسو رلایا تھا کہ ان کی زندگی تشنگی کی بانہوں میں پلتی رہی تھی سب کچھ حاصل ہونے کے ساتھ لاحاصل کا دکھ ایسا تھا کہ ہر حسین رت روٹھ کر گزر گئی تھی۔

☆......☆......☆

معزز جج نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا اور کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ معزز عدالت کے احترام میں کمرۂ عدالت میں موجود لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور وہ آہٹوں پر چونک اٹھا تھا۔ اس نے جج کی طرف دیکھا تو اسے پتہ ہی نہیں تھا کہ اسے کیا سزا سنائی جا چکی ہے۔ پولیس افسر اس تک پہنچا تھا اور وہ دونوں بھی اس تک چلے آئے تھے۔ وہ سالار مصطفیٰ کو دیکھنے لگا تھا کہ اس کڑے وقت میں وہ اس کی ڈھال ثابت ہوئے تھے۔ درست رہنمائی کرتے، پل پل حوصلہ بڑھاتے سالار مصطفیٰ سے اسے چند دنوں میں گہری اپنائیت محسوس ہونے لگی تھی کہ باپ تو اپنی جان بچانے کو ملک سے فرار ہو گیا تھا اور اس کی محبت کا راگ الاپتی عکاشہ بھی ان کے ساتھ روانہ ہو چکی تھی۔ ام فروا کو اسفند لغاری زندگی کی طرف لانے میں کامیاب ہو گئے تھے کہ طرز زندگی الگ تھا اس کی اپنی ڈیمانڈز تھیں، محبت کے لئے زندگی برباد کرنے والے تو نایاب لوگ ہوتے ہیں، نہایت کمیاب ہوتے ہیں اور عکاشہ اور ام فروا ان نایاب لوگوں میں سے نہیں تھیں، خوشحالی کے دور کی محبت کرنے والی جدیدیت کی داعی عورتیں جو چند ملاقاتوں کو محبت سمجھ کر اپنی اور دوسروں کی زندگی کو تباہ کرتی ہیں اور خود پر مظلوم کا ٹیگ لگا کر زندگی کے اصل مزے سے لطف اندوز ہوتی ہیں کہ بعض اوقات جو سیدھی راہ سے نصیب نہیں ہوتا وہ ٹیڑھی راہ سے مقدر ہو جاتا ہے...... مگر یہ تو سمجھنے والے ہی سمجھتے ہیں کہ یہ ُحاصل' کس قدر تباہ کن ہے اور جو اس ُحاصل' کی تباہیوں کو سمجھ لیتے ہیں ان کا واپسی کا سفر شروع ہوتا ہے، نیکی کا سفر وہ سفر جو زعیزعہ خان نے طے کیا تھا، اس کی آنکھیں جھلملا رہی تھیں، سالار مصطفیٰ نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے حوصلہ رکھنے، آس نہ چھوڑنے کی ہدایت کی تھی اسے سمجھایا تھا کہ زندگی جب تک ہے تب تک اس نے آس نہیں چھوڑنی۔ اسے عمر قید بامشقت کی

سزا سنائی گئی تھی اور سالار مصطفیٰ اسے یقین دلا رہے تھے کہ وہ سپریم کورٹ میں اپیل کریں گے اور پوری کوشش ہوگی ان کی کہ اس کی سزا کی میعاد میں کمی ہو جائے۔ وہ ان کی فکر پر، نرم سی اپنائیت پر انہیں دیکھتا دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''اب تک تو میں اپنے لیے جیا تھا، اب زندگی کے لئے زندگی جینے جا رہا ہوں۔ دعا کرنا کہ زندگی میں زندگی مل جائے۔'' وہ دھیمے سے بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا تھا کہ وہ اپنی سزا سے مطمئن تھا کہ اسے صرف زندگی درکار تھی کہ زندگی ہو تو زندگی کو زندگی کے رنگ خود ہی مل جاتے ہیں۔ زندگی خود رنگوں کو ڈھونڈ لیتی ہے اور نہ ڈھونڈ پائے تو بھی فرق کب پڑتا ہے کہ زندگی تو بے رنگ بھی اچھی ہی لگتی ہے کہ کچھ چیزیں، کچھ رشتے کتنی ہی اذیت اور تکلیف کیوں نہ دیں وہ عزیز رہتے ہیں۔ برے نہیں لگتے، نفرت نہیں ہوتی اور زندگی بھی تو ایسی ہی ہے دکھ کی مار مارے یا سکھ کی راہیں پروان چڑھائے اپنی اپنی سی لگتی ہے۔

''جنوں کی راہ پر چل کر یہاں تک آیا ہوں۔ یہی جنوں اب عشق تک پہنچنے کا واحد سہارہ بھی ہے۔''

سوچ کیا بدلی تھی انداز ہی بدل گیا تھا، نرمی و دھیمے پن سے بولتا وہ انہیں اتنا برا نہیں لگا تھا جتنا لگتا کہ انہیں برائی سے نفرت تھی، برائی کرنے والے سے نہیں اس لئے برے انسان نے برائی کیا چھوڑی تھی وہ انہیں اچھا لگنے لگا تھا۔ اپنا اپنا سا لگنے لگا تھا۔ افسر کے اشارے پر وہ دونوں پیچھے ہٹ گئے تھے اور وہ اسے نئے سفر کا مسافر بنا کر واپس لوٹ آئے تھے۔ واپسی کا سفر ہمیشہ دشوار کن ہوتا ہے مگر آس ایسی لپٹی تھی کہ دشواری میں آسانی کی راہ کھلتی جا رہی تھی۔ وہ دونوں جس وقت کچھ افسردہ مگر قدرے مطمئن سے نیناں ولاز پہنچے تھے کافی طویل عرصہ بعد خوشی ان کی منتظر تھی۔ طویل ماہ کے انتظار کے بعد ادیان کومہ سے باہر آ گیا تھا۔ اسے معجزاتی طور پر رب نے دوسری زندگی بخشی تھی۔ گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی ایک غم کے ساتھ کتنی خوشیاں آئی ہیں یہ انہیں آج شدت سے احساس ہوا تھا۔ وہ سب خوش بھی تھے اور بے حد مطمئن بھی، نیناں ولاز میں محفل میلاد کا اہتمام کیا گیا تھا اور ادیان کے ہوش میں آنے کے اگلے ہی دن شانیہ کو گھر واپس لانے کے لئے یمنیٰ شیرازی اور ارمان شیرازی خود گئے تھے اور اس نے بعد میں آ جانے کا کہا تھا اور وہ اسے ساتھ لانے میں ناکامیاب ہوئے قدرے مضطرب سے لوٹ آئے تھے مگر اب شہباز اور یمانی کے ساتھ آئی شانیہ کو دیکھ کر سب کے چہرے مسرت و اطمینان کا مظہر لگنے لگے تھے۔ محفل میلاد کا باقاعدہ آغاز ہوا تھا، نعت خوانی میں ہمیشہ کی طرح شانیہ پیش پیش تھی کہ اسے نعت خوانی سے بچپن سے ہی خاص لگاؤ رہا تھا۔ اسکول، کالج میں مقابلہ نعت خوانی میں حصہ لیتی رہی تھی۔

ایک ہفتہ میں ادیان کی طبیعت کافی بہتر تھی مگر وہ اپنے کمرے سے آج پہلی بار ابران کے سہارے پر باہر آیا تھا اور پہلے ہی موڑ پر اس کے قدم لڑکھڑا گئے تھے کہ لان سے آتی آواز کو تو وہ لاکھوں میں بھی پہچان سکتا تھا۔ شانیہ کی آواز اس کے قدم لڑکھڑا گئی تھی۔ ابران نے اس کے سفید پڑتے چہرے کو دیکھا تھا اور اس کے کاندھے پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی تھی۔

''بہت سی تلخ حقیقتوں کو زندگی کی سب سے بڑی حقیقت سمجھ کر قبول کر لینا چاہئے ادیان۔'' وہ نرمی سے بولا تھا اور وہ نظر تک نہیں اٹھا پایا تھا۔

''میں تمہیں اور شانیہ کو ایک ساتھ، ایک اچھی خوشگوار زندگی گزارتے دیکھنا چاہتا ہوں ادیان۔''

اس نے اب کے واضح الفاظ میں اپنی بات اس تک پہنچائی تھی اور ادیان نے گویا تڑپ کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

''کچھ دکھ کبھی کسی سے نہیں کہے جاتے کہ ہمت نہیں پڑتی ادیان۔ مگر آج میں بہت حوصلہ دکھا کر تم سے ایک بات شیئر کر رہا ہوں۔'' وہ اس کے ہاتھ تھامے اس کے ساتھ لاؤنج کی طرف بڑھتے ہوئے دھیمے سے بولا تھا اور وہ اس سے کہنا چاہتا تھا کہ وہ کچھ نہ کہیں کہ وہ برداشت نہیں کر پا رہا آج بھی نہیں کر پا رہا۔ سانس سینے میں گھٹنے لگی ہے۔ زندگی بھر خواب پریشان کی مانند آنکھوں سے روٹھنے لگی ہے۔''فراز زندگی کی بازی ہار گیا اور میں جیتے جی مر گیا ادیان جب مجھے یہ پتہ لگا کہ فراز کی محبت کوئی اور نہیں رویحا ہے۔''

اس نے بہت چونک کر ابران کو دیکھا تھا جس کا چہرہ ضبط کا گواہ تھا اور آنکھیں انتہائی لہورنگ، ایسا لگتا کہ ابھی لہو چھلکانے لگیں گی اور وہ ادیان کو تمام تلخ حقائق بتاتا چلا گیا تھا۔

''یاد رکھنا ادیان! کہ زندگی میں کسی کو بھی اپنی چاہت کے عین مطابق نہیں ملتا۔ اور تمہارے سامنے تو ڈیڈ کی زندہ مثال موجود ہے کہ کیسے انہوں نے دو کشتیوں میں سوار ہو کر زندگی گزار دی، لیکن اف تک نہیں کیا کہ قسمت کے لکھے کو تسلیم جو کر لیتے ہیں وہ ڈیڈ کی مانند پرسکون زندگی گزارتے ہیں اور جو قسمت سے لڑنے کی کوشش کرتے ہیں وہ میرے جیسی اضطراب کی بانہوں میں پلتی زندگی گزارتے ہیں۔''

وہ بہت غور سے ابران کو سنتا یکدم اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا تھا اور آج وہ اس کے سامنے سب کچھ عیاں کر گیا تھا۔ ایک شام جو اس نے ہاسپٹل میں ادیان سے کہا تھا وہ بھی کہہ گیا تھا۔ ادیان کی اداس آنکھوں میں پل پل حیرانگی بڑھتی چلی گئی تھی اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ ابران اس کے بارے میں اس طرح سوچتا ہے۔ اس کے لئے گفٹس لے کر رکھے ہوئے تھے مگر وہ تو بے یقینی ظاہر کر کے ابران پر کم از کم شک نہیں کر سکتا تھا وہ جیسے ہی اسے بہت کچھ بتا کر، سمجھا کر زندگی گزارنے کے کچھ گُر سکھا کر خاموش ہوا تھا کہ وہ بول پڑا تھا۔

''ابران بھیا! مجھے وہ سب گفٹس دے دیں نا جو آپ نے میرے لئے رکھے ہیں۔''

ابران نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا اس کا خوبصورت چہرہ جو حزن و ملال کا سا منظر پیش کرتا یکدم اسے بہار کی مانند کھل اٹھا تھا۔ وہ ادیان کو دیکھتے ہوئے ایک طمانیت سی محسوس کرتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''دو دن بعد تمہاری سالگرہ ہے، تمام گفٹس ایک ساتھ ہی تمہیں دوں گا۔'' ابران نے اپنی پلاننگ اس سے کہی تھی۔ وہ یکدم مایوس نظر آنے لگا تھا۔

''تمہاری یہ خاموشی، تمہاری یہ اداسی بہت بری لگی ہے مجھے، کہ تم چاہتے ہو مجھ سے ضد کر سکتے تھے...... اور تم مجھ سے حق سے، مان سے، پیار سے، ضد کر کے کہتے کہ تم نے تمام گفٹس آج ابھی اسی وقت دیکھنے ہیں تو میں تمہیں انکار نہ کر پاتا۔ مجھے تمہارا ضد کرنا بہت اچھا لگتا ادیان۔'' وہ ادیان کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے زندگی کے ایک نئے روپ کا احساس سونپ گیا تھا۔

''ضد نہیں کر سکتا ابران بھیا کہ آپ نے جو سوچا ہے بہتر ہی سوچا ہے۔'' وہ دھیمے سے بولا تھا۔

''ہاں بھئی، سوچا تو اپنے لحاظ سے بہت بہتر، ایک دم پرفیکٹ ہی ہے مگر کبھی ایان کے لئے سوچتا ہوں تو وہ ضد کر کے لڑ کر میری سوچ کو بدلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے کہ بعض لوگوں کے لئے ہار جانا بہت اچھا لگتا ہے۔ زندگی میں کئی مقام پر تم نے میرے لئے، میری خوشی کے لئے اپنی شکست تسلیم کی۔ میں بھی ایسا کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے بھی تمہاری پرواہ ہے۔ تم سے جیتنا کبھی اچھا نہیں لگا ادیان مگر تم سے ہارنا بہت اچھا لگے گا۔''

ابران اس کی نرمی سے متاثر ہوئے بغیر رہ نہیں سکا تھا۔ دھیمے سے اسے مان بخش گیا تھا۔

''میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی، انجانے میں آپ کو دکھ دیا ہے۔ آپ سے نظر ملانے کے قابل نہیں رہا کہاں آپ سے لڑوں گا۔'' اس کی آنکھوں میں ملال سا اترنے لگا تھا۔

''میرے دکھ کا سبب تم نہیں ہو کہ میری قسمت میں ہی رویحا کا ساتھ لکھا تھا۔ رویحا میری محبت نہیں مگر میری زندگی کی اساس ہے، رویحا کے دم سے میری خوشیاں ہیں۔ میں زندگی سے سمجھوتہ کر چکا، جو ملا مقدر سے اسے محبت سمجھنے لگا ہوں، زندگی کو رویحا میں محسوس کرنے لگا ہوں۔ مشکل تھا بہت مشکل مگر جب میں نے قسمت کے لکھے کو تسلیم کیا تو سب کچھ آسان ہوتا گیا۔ جو لڑکی بن مانگی دعا کی مانند زندگی کا حصہ بنی وہ اب دعا کا سب سے اولین حصہ ہے۔ میرا اقرار، میری چاہت، میرے رشتے کا اعتبار میری زندگی اور اصل میں زندگی وہی ہے جو ہمیں قسمت سے ودیعت کی جاتی ہے کہ ہم خود تو محض سراب کے پیچھے بھاگتے رہے ہیں۔ تم اس سرابوں سے نکل آؤ، اذیت نہ دو خود کو قسمت کے لکھے کو تسلیم کر لو۔ شانیہ صرف تمہاری ہے کہ اسے تمہارے لئے اللہ نے بنایا ہے اور اللہ کے فیصلے غلط کبھی نہیں ہوتے۔ بھول جاؤ وہ سب جو تمہیں اذیت دیتا ہے اور شانیہ کے ساتھ ایک نئی زندگی شروع کرو کہ یہی اللہ چاہتا ہے وگرنہ تم کتنے ماہ کومہ میں رہے زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں رہی تھی مگر اللہ نے تمہیں نئی زندگی بخشی صرف شانیہ کے لئے...... وہ تم سے محبت کرتی ہے۔ تم اس سے محبت کرتے ہو اور اللہ تم دونوں سے محبت کرتا ہے۔ تم دونوں کو ساتھ دیکھنا چاہتا ہے اور اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہنا چاہتا، زندگی تمہاری، فیصلہ تمہارا مگر شانیہ کو تم گر خوش نہیں رکھ پائے تو میں ایک ملال میں رہوں گا تمام عمر کہ میری وجہ سے کسی کی خوشیاں اس سے روٹھ گئیں۔'' وہ اس کے برابر سے اٹھ گیا تھا اس نے آج ادیان سے سب ہی کچھ تو کہہ ڈالا تھا اور وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔ وہاں ادیان اکیلا رہ گیا تھا لیکن نہیں وہ اکیلا کب تھا۔ ابران اس کے اردگرد اپنے تجربات کا نچوڑ، اپنے جذبات ومحسوسات کی روشنی اس کے اردگرد، ہرسوں میں، خیالات وجذبات چھوڑ گیا تھا اب تو یہ ادیان پر منحصر تھا کہ وہ کتنا اس کے جذبات کو محسوس کر پایا تھا، کتنا اس کے تجربات سے سیکھ پایا تھا۔ وہ گہری سوچ میں تھا جب یکدم لان سے آتی خواتین کی آواز آنا بند ہو گئی تھی اور وہ سوچ میں ہی ڈوبا ہوا تھا کہ یکدم ایک آواز نے سماعت پر دستک دی تھی۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

مرادیں غریبوں کی برلانے والا

مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا

وہ نبیوں میں رحمت............!

شانیہ اپنی پسندیدہ ترین نعت جو وہ اسکول لائف سے اب تک کتنی ہی محافل میلاد میں پڑھ چکی تھی، وہ آنکھیں بند کئے ایک جذب کے ساتھ وجد کی سی کیفیت میں نعت خوانی کر رہی تھی۔اس کی بند پلکوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گلابی رخسار تر کرتے جارہے تھے اور اس کی میٹھی زندگی کی نوید دیتی آواز ادیان کو اپنے حصار میں باندھنے لگی تھی اس نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لی تھیں کہ انسان کچھ چیزوں سے، کچھ رشتوں سے جتنا بھاگنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے قسمت اسے اتنا ہی لاچار کر دیتی ہے۔دوڑاتی، بھگاتی ہے اور وہیں لے جا کر کھڑا کر دیتی ہے جہاں سے فرار کا سفر شروع ہوا تھا اور وہ بھی زندگی سے بھاگتا تھک سا گیا تھا۔

بڑی اداسی ہے یہاں یارو

آؤ زندگی میں

زندگی کو ڈھونڈتے ہیں

اس نے داہنے ہاتھ کی پشت سے چہرے کو رگڑا تھا اس کا ہاتھ اپنے ہی آنسوؤں کی نمی سمیٹ لایا تھا۔اس نے شدت کرب سے گزرتے ہوئے دل کی گہرائیوں سے اللہ کو پکارا تھا۔یکدم اس کے قلب کو سکون سا ملنے لگا تھا۔شانیہ کی پرسوز آواز ذہن و دل کی گرہ کھولتی جارہی تھی۔

فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ

یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ

خطا کار سے درگزر کرنے والا

بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

وہ دل ہی دل میں رب سے مناجات کرتا اپنے رشتے کو سچے دل سے ذہن و دل کی آمادگی سے نبھانے کا فیصلہ کرتا، رب کی رضا کو دعا میں مانگتا خود کو پرسکون محسوس کرنے لگا تھا کہ بے شک دلوں کا سکون تو رب کے ذکر میں ہی، اس کی رضا میں ہی پوشیدہ ہے۔

☆......☆......☆

''شانیہ۔''

اس کے اٹھتے قدم یکدم رک گئے تھے۔اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ کئی طویل ساعتوں کے بعد وہ یہ آواز سن پائے گی۔وہ تو جیسے پتھر کی ہوگئی تھی اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ پلٹ کر آواز دینے والے کو دیکھتی کہ وہ خود ہی اس کے سامنے آ گیا تھا۔اس کی نظر اٹھی تھی۔ادیان کے خوبرو چہرے پر لحہ بھر کو ٹھہرتی نمی سے بھرتی جھکتی چلی گئی تھی۔

''شانیہ، آپ شہباز بھائی کے ساتھ گھر نہ جائیں کہ میں زندگی کی طرف لوٹ آیا ہوں اور اپنی نئی زندگی آپ کے ساتھ شروع کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ پہلے ہی جھٹکے سے نہیں سنبھلی تھی کہ وہ اس کے سامنے ٹھہرا گہری سنجیدگی سے بولتا اس کو ہزار وولٹ کا جھٹکا دے گیا تھا۔ وہ اپنی سحر انگیز آنکھوں میں نمی لئے حیرانگی سے اس کو دیکھتی جا رہی تھی۔ وہ دونوں لان کے بیچ و بیچ کھڑے تھے ایک دوسرے سے چند قدموں کے فاصلے پر مگر یہ فاصلے تو صدیوں کے فاصلے تھے اور ادیان جو اسے نہ صرف روک گیا تھا، روکنے کا مقصد بھی کہہ گیا تھا مگر آگے سے اس کی بے یقینی کو کیسے سمیٹ لے، کیسے اسے یقین سونپے اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ خود کو کمپوز کرتی کہہ اٹھی تھی۔

''میں جانتی تھی کہ یہاں میرے لئے کوئی جگہ نہیں اس لئے میں آپ کی صحت یابی سے پہلے ہی اپنے گھر لوٹ گئی تھی تا کہ آپ کو مجھے دیکھ کر کوئی دکھ نہ ہو۔ میں یہاں آنا نہیں چاہتی تھی مگر اتنے لوگوں کا مان بکھیر نہیں سکی، شہباز بھائی کو کافی عرصہ بعد خوش و مطمئن دیکھ کر میں ان کے اطمینان میں ضرب نہیں لگا پائی اور ارمان انکل کو مایوس لوٹانے کے بعد آج یہاں آ گئی سب کو خوش و مطمئن دیکھ کر کافی مطمئن رہی مگر میں پھر بھی یہاں ٹھہر نہیں سکتی کہ یہ جگہ، یہ مقام میرا نہیں ہے اور جہاں آپ کے لئے جگہ نہ ہو وہاں ٹھہرنا نہیں چاہئے۔''

اس کے آنسو بڑی روانی سے بہہ رہے تھے۔

''جگہ بعض اوقات ہوتی نہیں ہے نکالنی پڑتی ہے۔'' وہ اپنی ازلی سنجیدگی و متانت سے بولا تھا اور وہ اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی چلی گئی تھی۔

''میں کوئی دعویٰ نہیں کروں گا شانیہ کہ ذہن الجھا ہوا ہے۔ دل صدا کر رہا ہے اور ابران بھیا کہتے ہیں کہ دل و دماغ کی جنگ میں جیت ہمیشہ دل کی ہونی چاہئے کہ دماغ فائدہ و نقصان کی تاویل سے بندھ کر فیصلہ کرتا ہے جبکہ دل کا فیصلہ سچا، بے لوث، ریا سے پاک ہوتا ہے۔ میں اس رشتے کو آج بھی سمجھ نہیں پا رہا۔ اس رشتہ کو نبھانا نہیں چاہتا۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہتا اسے آندھیوں کی زد پر لے گیا تھا۔ ''مگر میرا دل مجھے اس رشتہ کی طرف کھینچ رہا ہے۔ رشتہ نبھانے کے لئے اکسا رہا ہے۔ میں ایک کوشش ضرور کرنا چاہتا ہوں شانیہ۔''

اس کا رکا ہوا سانس بحال ہوا تھا۔ ٹھہرا ہوا آنسو پلکوں کی دہلیز سے رخسار تک چلا آیا تھا۔

''زندگی سب کو دوسرا موقع نہیں دیتی، مجھے قسمت سے یہ موقع ملا ہے تو میں گنوانا نہیں چاہتا۔ میرے لئے مشکل آج بھی ہے کہ ابران بھیا میرے لئے کیا معنی رکھتے ہیں میں یہ لفظوں میں تو کیا اپنے کسی ایک عمل سے بھی ظاہر نہیں کر سکتا۔''

''آپ اگر ابران بھیا کے لئے رشتہ نبھانا چاہتے ہیں تو آپ پل صراط پر چل کر ایسا کوئی فیصلہ نہ لیں کہ میں......'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولنے لگی تھی مگر حلق میں آنسوؤں کا گولہ ایسا اٹکا تھا کہ وہ ایک لفظ مزید بول نہیں پائی تھی۔

''میں ہمارا رشتہ ابران بھیا کے لئے نہیں تمہارے لئے، اپنے لئے، ہمارے لئے نبھانا چاہتا ہوں۔'' وہ دھیمے سے کہتا اس پر شادیٔ مرگ طاری کر گیا تھا۔

''میں یہ فیصلہ ابران بھائی کے قائل کرنے کے بعد لے پایا ہوں مگر اس فیصلہ کو میں ہمارے لئے پایۂ تکمیل تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ میں جان گیا ہوں کہ زندگی بہت سی تلخیوں کا نام ہے اور ان تلخیوں سے اٹھتے شیریں لمحات کو میں ضائع کر کے ناشکروں کی فہرست

میں شمولیت اختیار نہیں کرنا چاہتا۔ میں ہمارا رشتہ اللہ کی رضا جان کر، قسمت کا فیصلہ سمجھ کر آگے بڑھانا چاہتا ہوں۔ میں تمہاری رضا، تمہارا ساتھ درکار ہے۔''

وہ اتنی دیر میں اب پہلی بار اس کے چہرے کی طرف نگاہ کر گیا تھا۔ اس کے چہرے کی ملائمت، تیکھے نین نقش کی جاذبیت اسے اپنی طرف مائل کرنے لگی تھی کہ ہزاروں چہروں میں ایک واحد ہی چہرہ تو نظر سے گزرتا من میں سما گیا تھا اور من میں سمائے چہرے کہاں اتنی آسانی سے اپنا ٹھکانہ بدلتے ہیں۔ شانیہ کے رونے میں یکدم اضافہ ہو گیا تھا۔

''میرا ساتھ تو ہمیشہ سے آپ کے ساتھ ہی ہے۔ جب آپ کومہ میں تھے میں نے دل کی گہرائیوں سے آپ کی زندگی کی دعا مانگی تھی۔'' وہ چند قدموں کی دوری مٹاتی اس کے کاندھے پر سر رکھ گئی تھی۔

''میں نے کبھی خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا کہ آپ کی نگاہ کی زباں بدل جائے گی۔ میں نے مر مر کر دن گزارے ہیں۔ آپ کے لوٹ آنے کی راتوں کو جاگ جاگ کر مناجات کیں، آپ کا ساتھ قبول نہ کرنے کا تو جواز ہی نہیں کہ جنہیں بہت دعاؤں کے بعد پایا جاتا ہے انہیں خالی ہاتھ، مایوس نہیں لوٹایا جاتا۔'' وہ اس کے شانے پر سر رکھے سسکتے ہوئے اپنے جذبات اور اذیت کی داستان کہہ رہی تھی۔ ادیان کے لئے بہت مشکل تھا، بہت کٹھن اس کی نگاہ آسمان تک اٹھی تھی گہرے سیاہ آسمان پر ستارے روشنی کی نوید بن کر چمک رہے تھے اس کے بے چین دل کو قرار آنے لگا تھا اس نے آنکھ میں آئی نمی کو پور پر چنا تھا اور اس کے بلکتے وجود کے گرد حصار کھینچ گیا تھا کہ زندگی میں بہت سے فیصلے من چاہے بھی ہوتے ہیں۔ زندگی کے کچھ رشتے آزمائش کی مانند ہوتے ہیں جن کو نباہتے پل صراط سے گزرنے کا گماں ہوتا اور وہ ان کھٹنائیوں سے نبرد آزمائی کے لئے خود کو کافی حد تک تیار کر چکا تھا کہ وہ جان گیا تھا کہ فرار اس کے نصیب میں نہیں کہ اس کا نصیب دوڑا کر، بھگا کر، بالآخر تھکا کر اسے اس راہ تک لے آیا تھا جہاں چلنے کی کبھی بڑی آرزو تھی مگر جنوں کیا روٹھا تھا، عشق کی چال بھی بدل گئی تھی مگر عشق پھر سے کب چال بدل کر رت ہی بدل ڈالے یہ کس کو خبر تھی کہ عشق وہ جنوں تھا کہ جس کا کوئی انجام ہی نہ تھا۔

جنونِ عشق کی رت تو گزر گئی
کبھی روٹھے تو کبھی مناتے
آ، اس گزرتے وقت کو امر کر دے
جنوں کی رت کو روٹھا ہی رہنے دے
عشق کی رت کو معتبر کر دے
جنوں میں اکثر ہاتھ لگتا ہے خسارہ ہی
نفع و نقصان سے ہو کر بالاتر
آ، اس عشق کی نئی رت کو

خوشی کا گہوارہ کر دے
نہ میں کچھ طلب کروں تجھ سے
نہ تو کر فراموش روٹھی ہوئی رت کو
آنے والی رتوں کا کریں گے مل کر استقبال
کوئی اک امیدِ سحر میرے ہمراہ کر دے
نہ مانگوں گا کبھی تجھے، تجھ سے
یہ ہے وعدہ میرا تجھ سے
بس اک التجا ہے میری
جنونِ عشق کی وہ رت جو روٹھی رہی سدا مجھ سے
وہ رت منانے کی لگن میں ساتھ اپنا
اے جانِ جاں میرے ہمقدم کر دے
سنا ہے جنونِ عشق کی روٹھی رت بھی دعا دیتی ہے اسے
جو ہجر کی رات میں وصلِ امید کو پھر سے زندہ کر دے

☆......☆......☆

یمانی کافی خوشگوار حیرت سے شہباز کو دیکھ رہی تھی کہ اس کے تو وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اسے خوشی کا کوئی مژدہ سنانے والا ہے اور اس نے مسکرا کر یمانی کی حیرت کو انجوائے کیا تھا۔

''آپ سچ کہہ رہے ہیں شہباز۔''

وہ چلتی ہوئی عین اس کے سامنے آٹھہری تھی اور اس نے کلائی تھام کر اسے بیڈ پر اپنے بہت پاس بٹھا لیا تھا۔

''جھوٹ بولنا چاہتا ہوں تم سے مگر بول ہی نہیں پاتا۔ کبھی جھوٹ میں بھی نہیں کہہ پاتا کہ تم اچھی نہیں ہو ڈیئر۔'' اس نے شرارت سے کہہ کر اس کی ناک کھینچی تھی اور وہ شہباز کے انداز سے محظوظ ہوتی ہنس دی تھی۔

''موصوف کے مزاج تو آج کافی خوشگواریت کی لے پر سر دھن رہے ہیں۔'' وہ اسی کے انداز میں بولی تھی اس برجستگی پر شہباز کا قہقہہ بڑا بے ساختہ تھا۔

''اب بتا بھی چکیں...... مجھ سے صبر نہیں ہو رہا کہ میرا تو روٹھنا بھی بنتا ہے کہ آپ نے مجھے کچھ بتانا تو دور بھنک تک نہیں پڑنے دی۔'' وہ اس کے سامنے سے اٹھتی ایک نظر کارٹ میں سوئے شاہ میر پر ڈالتی بیٹے کو پرسکون سا سوئے دیکھ کر مطمئن سی شہباز کی داہنی طرف

آن بیٹھی تھی اور قدرے نروٹھے پن سے بولی تھی اور وہ دھیمے لہجے میں کہتا چلا گیا تھا۔

''میں تمہیں بتانا چاہتا تھا مگر اس سوچ نے مجھے باندھے رکھا کہ اگر میں اس میں کامیاب نہ ہو سکا تو تم ہرٹ ہو گی۔'' وہ نرمی سے اس کے تیکھے نین نقش والے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ ''میں کسی بھی طرح چاہتا تھا کہ شاہ میر، سالار انکل کی آنکھوں کے سامنے رہے۔ میں نے دل کے نہ چاہنے کے باوجود صرف سالار انکل کی خوشی کے لئے دل سے شاہ میر کو انہیں سونپنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا کہ سالار انکل تو ان لوگوں میں سے ہیں جو نیکی کر کے بھول جاتے ہیں مگر میں ان کی نیکی کو بھول نہیں سکتا، کبھی بھی نہیں۔ اس لئے میں شہیر کی وفات کے بعد اسی سوچ میں رہا کہ ایسا کیا کروں کہ ہمیں بھی تکلیف نہ ہو، شاہ میر ہماری نظروں سے بھی دور نہ ہو اور سالار انکل کی فیملی بھی نظروں میں رہے۔''

وہ لیمپ آن کر کے نیم دراز ہو گیا تھا۔ یمانی اس کے کاندھے پر سر رکھے لیٹی بہت توجہ سے اسے سن رہی تھی۔

''جب مجھے پتہ چلا کہ مجاہد انکل اپنا بینگلو فروخت کر رہے ہیں تب میرے ذہن میں آیا کہ اگر ہم وہ بینگلو خرید لیں تو یہ ممکن ہے کہ شاہ میر ہمارے پاس رہے اور سالار انکل سے بھی دور نہ ہو۔ میں مجاہد انکل سے ملا اور میں نے قیمت بہت زیادہ ہونے کے باوجود ان کے گھر کو خریدنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں تمہیں بتاتا مگر میں پیسوں کو ارینجمنٹ نہیں کر پا رہا تھا اس لئے نہیں بتایا کہ نہیں چاہتا تھا کہ تم ہرٹ ہو اور میرے ذہن کی بات، میری کوشش ناکام ہو اور میرے ساتھ ملال تمہیں بھی ہو۔'' وہ اس کے گھنیری بالوں والے سر میں نرمی سے انگلیاں چلاتا دھیمے لہجے میں بول رہا تھا۔

''آپ نے پھر پیسوں کا ارینجمنٹ کیسے کیا؟'' اس نے ذرا کی ذرا پلکیں اٹھا کر شہباز کے چہرے کو دیکھا تھا جو اس کے سوال پر دھیمے سے مسکرا کر اپنی بات پھر شروع کر گیا تھا۔

''میں نے ہمارا گھر فروخت کر دیا ہے۔''

شہباز کی بات دھماکے سے کم نہیں تھی۔ وہ گویا تڑپ کر سیدھی ہوئی تھی وہ کمرے میں ملگجی سی روشنی میں اس کے ہوائیاں اڑاتے حسین چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' اس کے لب ہلے تھے۔

''وہی جو تم نے سنا کہ میرے پاس دوسرا کوئی حل نہیں تھا۔''

وہ اس کا ہاتھ نرمی سے اپنے ہاتھ میں دباتا دھیمے لہجے میں باقی تفصیل کہتا چلا گیا تھا کہ اس نے مجاہد انکل کا بینگلو خریدنے کے لئے گھر بیچ دیا تھا۔ کچھ اس کے پاس سیونگ تھی اور باقی رقم اس نے بینک سے لون لی تھی۔

''آپ نے گھر کیوں بیچ دیا شہباز، اس گھر سے آپ کے پیرنٹس کی کتنی یادیں جڑی ہیں۔ ہماری کتنی یادیں وابستہ ہیں۔ گھر تو اس کی پہچان ہوتا ہے۔''

اس کی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی تھی۔

''ٹھیک کہہ رہی ہو یمانی! مگر دیواروں سے زیادہ لوگ اہم ہوتے ہیں۔ گھر لوگوں سے مل کر بنتے ہیں اگر اپنے نہ ہوں تو دیواریں کبھی گھر نہ بنیں۔ میرے لئے مشکل تھا کہ میں جانتا ہوں یہ گھر امی اور بابا کے لئے کیا معنی رکھتا تھا مگر مجھے شہیر اور شیریں کا قرض چکانا تھا اور مجھے اس کے علاوہ دوسرا کوئی حل نظر ہی نہیں آیا۔ میں نے گھر بیچ کر مکان خریدا ہے۔ جسے تم، میں اور شاہ مل کر گھر بنائیں گے۔ مشکل ہوگا یمانی مگر ہم ایسا کرلیں گے۔''

اس نے بھیگی پلکوں سے شہباز کی طرف دیکھا تھا جو خود کو چاہے بہت نارمل ظاہر کررہا تھا مگر اس کے چہرے پر بکھرا حزن و گہری یاسیت یمانی کو کچھ اور مضطرب کرگئی تھی کہ اس نے شہیر کے ایثار کا قرض چکانے کو بہت بڑی قربانی دے ڈالی تھی۔

''آپ بالکل بھی اچھے نہیں ہیں شہباز، آپ نے اتنا بڑا فیصلہ لے لیا، مجھے کانوں کان خبر نہیں ہونے دی۔ یہ گھر صرف آپ کا نہیں تھا آپ نے خود سے ہی فیصلہ کرکے اسے بیچ ڈالا یہ گھر میرا بھی ہے۔ یہ گھر شانیہ کا بھی ہے اور اسے فروخت کرنے سے قبل آپ کو میری اور شانیہ کی بھی اجازت ضرور ہی لینی چاہیے تھی۔'' وہ قدرے نروٹھے انداز میں بولی تھی اور وہ مسکرادیا تھا۔

''بہت بڑی خوشی کے لئے اگر کبھی چھوٹی خوشی کو پس پشت ڈالنا پڑے تو گھبرانا نہیں چاہئے یہی سوچ کر میں نے تم سے اور شانی سے بھی کچھ نہیں کہا کہ میں جانتا تھا کہ تم دونوں خفا ہوگی مگر میرے اس عمل کے پیچھے چھپے مقصد اور نیت کے سبب اپنی ناراضگی دور کرلوگی کہ میں نے یہ صرف شہیر کی فیملی کے لئے کیا ہے کہ جو قربانی شہیر نے دی تھی میں اس کا قرض لے کر مرنا نہیں چاہتا تھا۔ شہیر زندہ ہوتا تو شاید مجھے ایسا فیصلہ نہ لینا پڑتا مگر وہ نہیں رہا اس لئے میں چاہتا تھا کہ کسی طرح شاہ میر کو شہیر کے پیرنٹس کے نزدیک کردوں اور اس کے لئے میں نے مصطفیٰ ہاؤس کے ساتھ والا گھر خرید لیا ہے۔''

شہباز کا اپنا ہی دھیما انداز تھا یمانی کو وہ شخص آج ہر دن سے زیادہ اچھا لگا تھا کہ اس کی یہی باطنی خصوصیات، نیک نیتی ہی تو تھی جو وہ اپنی پہلی محبت کو فراموش کر کے زندگی کا سفر اس کے ساتھ شروع کرگئی تھی جب جب اس کی روٹھی محبت اسے ستاتی تھی شہباز کا مہربان ساتھ اسے بکھرنے سے بچالیتا تھا کہ وہ خود اس کے لئے کڑی دھوپ کی مانند ثابت ہوئی تھی مگر شہباز ہر لحظہ اس کے لئے مہربان، محبت کی میٹھی چھاؤں کی مانند ہی رہا تھا۔ وہ اکثر بہت بے چین ہوجاتی تھی، یکدم اس سے فاصلے پر چلی جاتی، یکسر اجنبی بن جاتی تھی اور وہ ضبط و حوصلہ سے کام لیتا اف نہ کرتے ہوئے بس محبت کے تقاضے پورے کئے جاتا تھا کہ اگر یمانی اپنی روٹھی محبت سے مجبور تھی تو شہباز بھی تو اپنی محبت کے آگے بے بس تھا کہ اگر یمانی کی محبت ابران رہا تھا تو اس کی محبت بھی تو یمانی تھی اور وہ محبت ہی کیا جو ظرف کرنا نہ سکھائے، وہ محبت ہی کیا محبّ کی خوشی میں اپنی خوشی نہ ڈھونڈ لے۔ وہ اس کے سینے پر سر رکھے اس کی تعریفوں میں رطب اللسان تھی۔ اس کے فیصلے پر اسے سراہ رہی تھی۔ مسرور تھی اور وہ اس کو خوش محسوس کرکے طمانیت سی محسوس کرنے لگا تھا کہ شہباز نے فیصلہ اپنے بیوی بچوں کے لئے ہی تو لیا تھا وہ اس کے بے ساختہ انداز میں تعریف کرنے پر اسے چھیڑنے لگا تھا اور وہ جھینپ کر مسکرادی تھی کہ دکھ و پریشانی کا موسم ڈھل گیا تھا آنے والی

ہر رت حسین تھی کہ دکھ ہو یا سکھ اگر ہمسفر ساتھ دینے والے، ساتھ نباہنے والے ہوں تو عین خزاں کی رت میں بہاریں رقص کرنے لگتی ہیں۔
شہباز نے اس کی پیشانی پر لب رکھے تھے اور مطمئن سا آنکھیں موند گیا تھا۔

☆......☆......☆

''آنی۔ آپ سڑے ہوئے بینگن جیسا منہ بنائے بنائے تھکتی نہیں ہیں۔''
آٹھ سالہ شاہ میر کی بات پر جہاں سالار مصطفیٰ اور رابعہ سالار کے لبوں پر مسکان مچل اٹھی تھی وہیں چائے کے گگ کو ہاتھ میں لیئے بیٹھی شیریں بے حد چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ اس کے چہرے پر شرارت بھی تھی، جھنجلاہٹ بھی، یکدم اس کا ذہن ماضی میں ڈوبتا چلا گیا تھا کہ شاہ میر کا چہرہ تو شہیر کا عکس تھا۔ اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں کہ وہ شہیر کو یہی لقب تو دیئے بیٹھی تھی یہ اور بات تھی کہ اپنے نادر خیالات کا جب اس نے شہیر سے ذکر کیا تھا تو اس کے چہرے پر ایسی ہی تو خفگی و جھنجلاہٹ تھی جو اس وقت وہ ننھے شاہ میر کے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔
''آپ کی چائے بھی ٹھنڈی ہوگئی ہے اور چائے تو گرم پیتے ہیں اور آپ چائے کو شربت سمجھ کر پیتی ہیں۔ ناٹ فیئر نا۔''
وہ اس کی بھٹکتی سوچ سے انجان اپنی ہی کہہ رہا تھا اور وہ کچھ اور ماضی میں گرفتار ہوگئی تھی کہ اسے چائے سے اتنی رغبت نہیں تھی اور شہیر کو چائے اتنی ہی مرغوب تھی، وہ چائے گرم پیتا تھا اور وہ چائے کا مگ ہاتھ میں لئے پینے نہ پینے کی کیفیت سے دوچار رہی تھی اور شہیر اکثر چڑا کر یہی کہہ جاتا تھا جو آج اس کا بیٹا کہہ رہا تھا۔ اس نے پلکیں جھپکی تھیں، آنسو اپنے اندر اتارنے چاہے تھے مگر پلکوں کی دہلیز خالی ہونے لگی تھی۔ آنسو رخسار بھگونے لگے تھے وہ یکدم اٹھی تھی اور نکلتی چلی گئی تھی۔
''دادا جان! میں نے کچھ رونگ کیا جو آنی خفا ہو کر چلی گئیں۔ ہر وقت تو سڑی مولی جیسا منہ بنا کر رکھتی ہیں جبکہ آنی تو مسکراتی ہوئی اچھی لگتی ہیں۔ سچی میں نے آنی کی پکس دیکھی ہیں، کتنی پیاری اسمائیل ہے آنی کی مگر اب آنی مسکراتی کیوں نہیں ہیں۔ کیا میں آنی کو اچھا نہیں لگتا۔''
اس کا یوں اٹھ کر جانا ننھے شاہ میر کو مضطرب کر گیا تھا اور اس کا روئے سخن خاموش بیٹھے سالار مصطفیٰ کی جانب ہو گیا تھا وہ آگے سے کچھ نہیں بولے تھے کہ وہ شاہ میر کو کیا بتاتے کہ اس کی ماں کو کیا دکھ لاحق ہے، اس کی ماں کی مسکراہٹ تو اس کا باپ اپنی زندگی کے ساتھ ہی لے گیا تھا۔ شیریں کے قدم تھم سے گئے تھے کہ جب بھی وہ منہ بنا کر کچھ کہتی تھی تو شہیر اسے سڑی ہوئی مولی ہی تو کہہ کر تنگ کرتا تھا۔ وہ رک تو گئی تھی مگر پلٹ نہیں سکتی تھی، شاہ میر تک پہنچ کر یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ اسے دو ہی لوگ تو بہت پیارے تھے۔ ایک وہ شخص جو اس کی زندگی کے کانٹے چنتا راہی عدم سدھار گیا اور ایک وہ جو اس کے جینے کا احساس تھا کہ شاہ میر کے چہرے میں شہیر کی بے حد مشابہت تھی وہ اسے کیسے برا لگ سکتا تھا۔ اپنی ہی اولاد کیسے بری لگ سکتی تھی۔ وہ اسے عزیز نہیں تھا، جان سے زیادہ عزیز تھا مگر وہ یہ شاہ میر سے کبھی کہہ نہیں پاتی تھی کہ اس نے شاہ میر کو یمانی کی گود میں ڈال کر اسے پرایا ہی تو کر دیا تھا اور یمانی و شہباز نے ان کی محبت میں جو برسوں قبل قدم اٹھایا تھا وہ ان کے اس نیک قدم و نیک نیتی کی آزمائش نہیں بن سکتی تھی کہ برسوں پہلے جب شہباز و یمانی ننھے شاہ میر کے ساتھ مجاہد انکل کا بنگلہ خرید کر

اس میں شفٹ ہوئے تھے اسے ہی نہیں رابعہ سالار اور سالار مصطفیٰ کو بھی گونا گوسکون کا احساس ہوا تھا، یمانی شعوری کوشش سے شاہ میر کو مصطفیٰ ہاؤس چھوڑ جاتی تھی، لان کی پچھلی سائیڈ سے راستہ نکال کر آنے جانے کا مسئلہ بھی دور کر دیا گیا تھا۔شاہ میر زیادہ وقت رابعہ سالار کے پاس رہتا تھا۔شیریں کی مامتا تو جوشاہ میر کے دور ہونے کے سبب کرلائی تھی اسے سامنے دیکھ کر ہمکنے لگی تھی اور وہ کبھی اس کو بہت پیار کرتی، کبھی اسے بالکل نظرانداز کر دیتی کہ شہیر کی وفات کے بعد تو وہ سنبھل ہی نہیں پائی تھی اوپر سے زعیزعہ خان کا اقدام، زبردستی نکاح، پھر جبراً رخصتی، اس کا بیمار ہو کر واپس مصطفیٰ ہاؤس لوٹ آنا اور زعیزعہ خان کا اعتراف جرم اور عمر قید کی سزا۔اس کا ایک بار شیریں سے ملنے کی خواہش کا اظہار کرنا شیریں کا منع کر دینا۔سالار مصطفیٰ کا قائل کرنا اور اس کا قائل نہ ہونا، سالار مصطفیٰ کا زعیزعہ خان کے سامنے شرمندہ ہونا۔زعیزعہ خان کا حوصلہ کا مظاہرہ کرنا۔دھیرے دھیرے وقت کا گزرتے چلے جانا۔سات سال پلک جھپکنے میں گزر گئے تھے اور وہ اب تک آٹھ سال پہلے کی اس شب میں زندہ تھی جب خوشبو سا شخص زندگی کی بازی ہار کر منوں مٹی تلے جا سویا تھا مگر فضا میں اس کی خوشبو آج بھی محسوس ہوتی تھی۔سات سالوں میں کیا نہیں بدل گیا تھا۔فاطمہ مصطفیٰ اور سائرہ بیگم یکے بعد دیگرے وفات پا گئی تھیں۔ان سب کی زندگی ایک ڈگر پر چل پڑی تھی۔ایک ہی مقام پر گر کوئی ٹھہرا تھا تو وہ شیریں ہی تھی وگرنہ سب چاہتے، نہ چاہتے ہوئے زندگی میں بہت آگے بڑھ گئے تھے۔ابران کو لاکھ درد سہی، لاکھ اس کا دل آج بھی اس کے اختیار میں نہ تھا مگر وہ ایسے ضبط کرتا تھا کہ ضبط بھی حیران رہ جاتا تھا۔اس کا اور رویحا کا ایک ہی بیٹا تھا ان کی کل کائنات اور نیناں شیرازی کی آنکھوں کا تارا کہ اگر انہیں ابران عزیز رہا تھا تو ابران کا بیٹا عزیز تر تھا ننھے پانچ سالہ امان شیرازی میں تو ان کی جان بستی تھی اور امان بھی تو دادی کا دیوانہ تھا۔ادیان اور شانیہ کی زندگی نے بھی کچھ رنگ زندگی سے مستعار لئے تھے اور کچھ رنگ زندگی میں محبت کی قوس وقزح بن کر شامل ہو گئے تھے۔

شانیہ نے نہ صرف اپنی تعلیم مکمل کی تھی اپنی ایک آرٹ گیلری بھی بنائی تھی جب جب ادیان خود سے ہی بیگانہ سا محسوس ہوتا تھا تب اس کا وقت آرٹ گیلری میں ہی گزرتا تھا گزرے سات سالوں میں کئی کامیاب ایگزیبشن کر چکی تھی اس کا شمار ملک کے چند نامور مصوروں میں ہوتا تھا اپنی بے رنگ سی زندگی کے رنگ کینوس میں اتار کر وہ کافی حد تک مطمئن تھی کہ ادیان اس کے لئے کبھی دھوپ تو کبھی چھاؤں کی مانند ثابت ہوا تھا اور اس کی خوشی اور خوشی سے بڑھ کر اطمینان کے لئے تو اس کے بچے بھی بہت تھے کہ مینا شیرازی اور رعیان شیرازی دونوں جڑواں تھے۔ادیان اور شانیہ کی کل کائنات، یمنیٰ کو بھی اپنے پوتا پوتی بے حد عزیز تھے اور ان کی پیدائش سے ساڑھے تین سال تک انہوں نے دونوں کے خوب لاڈ بھی اٹھائے تھے مگر سال بھر پہلے ان کی وفات کے بعد ان دونوں کے لاڈ بھی نیناں شیرازی ہی اٹھایا کرتی تھیں۔سال بھر پہلے یمنیٰ شیرازی وفات پا گئی تھیں۔ایک زندگی کے روٹھ جانے سے ایک زندگی کو لگا تھا کہ روٹھے لمحے مان جائیں گے مگر زندگی کی یہ خام خیالی تھی کیونکہ زندگی تو درد کی عادی ہو چکی تھی۔نیناں شیرازی کو اکثر محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ارمان شیرازی کی نگاہ کہہ رہی ہو۔''اب تو معاف کر دو۔'' اور وہ دل کو کہیں اندر ہی اندر ڈوبتا محسوس کرتیں سوچتی تھیں کہ ''اب کیوں کہ اب ایسا ہوا ہی کیا ہے کہ فاصلے کی وجہ یمنیٰ کا وجود نہ تھا کہ فاصلوں میں تو وہ ایک شدید احساس سانسیں لے رہا تھا کہ 'میں' کیسے بھول گئی۔'میں' ایک سخت فیصلہ

لیتے وقت فراموش کیسے ہوگئی۔ جب زندگی کی حسین رت روٹھے روٹھے گزر گئی تو زندگی کی آخری شام بھی تو اسی روٹھی رت کے ساتھ دہلیز جاں پر قدم رکھے گی کہ فاصلے کسی کے ہونے سے نہ تھے تو فاصلے کسی کے درمیان سے نکل جانے پر مٹ کیسے سکتے تھے کہ فاصلے تو شدت کا نتیجہ تھے۔ محبت کی دین، عشق کا حاصل اور جب عشق کا حاصل روٹھنے کو مان لیا تھا تو 'مان' جانے کی گنجائش ہی کہاں بچتی تھی۔ ان کی یہ سوچ پڑھتے ارمان شیرازی کبھی خود کو بہت خوش بخت تصور کرتے کہ ایک عورت کی شدتوں کی داستان تھی وہ اور کبھی خود کو بہت بدقسمت کہ ایک عورت کی شدتیں، ان کی حسین رت کو روٹھا چھوڑ کر حیات سے نکل چلی گئی تھی۔

مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ
میں نے سمجھا تھا کہ تو ہے تو درخشاں ہے حیات
تیرا غم ہے تو غم دہر کا جھگڑا کیا ہے
تیری صورت سے ہے عالم میں بہاروں کو ثبات
تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے
تو جو مل جائے تو تقدیر نگوں ہو جائے
یوں نہ تھا میں نے فقط چاہا تھا یوں ہو جائے
اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا
مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ

اور اب زندگی اس موڑ میں داخل ہوگئی تھی کہ درد بھی پیارا تھا منانے کی چاہ ہی نہ تھی کہ یہ روٹھنے منانے کے سلسلے ہی زیست کا حاصل تھے۔ ارمان شیرازی کی نگاہ کیا خاموش ہوئی تھی نیناں شیرازی کے قلب کو منانے کی چاہ ستانے لگی تھی کہ طویل ساعتوں کے بعد انہیں لگا تھا کہ انہیں مناتے وہ 'عشق'، 'جنوں' کا پیکر خود روٹھ گیا ہے۔

کبھی تو سن غور سے میں تیری آواز ہوں
منا لے ذرا پیار سے ذرا سا ناراض ہوں
میری ہر ایک دعا ہے تیرے واسطے
منتظر ہیں تیرے میرے سب راستے
آج بھی وہ میری پلکوں میں قید ہے
گزرے لمحات کے لمحات جو خاص ہے

جس کا انجام تو، میں وہ آغاز ہوں

منالے ذرا پیار سے ذرا سا ناراض ہوں

سایہ ہوں میں تیرا، کب تجھ سے دور ہوں

جب سے ملا ہے تو، تب سے مغرور ہوں

ہے تیرے عشق کی یہ سب نوازشیں

لکھا جو تیرے عشق نے، میں وہ الفاظ ہوں

منالے ذرا پیار سے ذرا سا ناراض ہوں

زندگی کے لمحوں سے خوشیاں کشید کرنے اور دکھوں کو بھول جانے کی کوشش میں کوشاں مصطفیٰ ہاؤس اور نیناں ولاز کے مکین زندگی کی نئی آہٹ سے کچھ مطمئن تو کچھ مضطرب بھی تھے کہ زعیز عہ خان سات سال بعد رہا ہو گیا تھا، وعدہ معاف گواہ بننا اور گزرے سالوں میں اس کا نیک چال چلن اس کی سزا کی میعاد کو مختصر کر گیا تھا۔ اس کی واپسی جہاں ان سب کے لئے اطمینان کا باعث تھی وہیں اضطراب کی کروٹیں بھی صاف محسوس ہو رہی تھیں کہ شیریں آگے بڑھنے کو تیار نہ تھی، آج بھی اسے زعیز عہ خان کی برائی، اس کی اچھائی سے کوئی لینا دینا نہ تھا۔ اسے کس حد تک کوشش کی گئی تھی کہ وہ گزری ساعتوں کو بھول کر نئی رت کے لئے خود کو تیار کرے کہ ان میں سے کوئی بھی نہیں چاہتا تھا کہ زعیز عہ خان جو اپنے ہر جرم کی سزا کاٹ آیا تھا شیریں کے رویے سے، اس کی نفرت سے دلبرداشتہ ہو جائے کہ اس کے اندر کی اچھائی کو روشنی شیریں کے عشق سے ملی تھی تو عشق، کی کایا بھی تو پلٹ سکتی تھی کہ عشق میں زعہ، سے عشق حقیقی، کا سفر کرتا وہ شخص آج بھی زندگی اسی کو مانتا تھا جسے دیکھ زندگی کا احساس ملا تھا جس کے ساتھ زندگی گزارنے کی چاہ میں اسے اپنی زندگی کی دعا بڑی شدتوں سے مانگی تھی اور سات سال کیسے اس نے گن گن کے گزارے تھے یہ بس وہ جانتا تھا، اس کا 'عشق' واقف تھا یہ اس کا رب کہ جس نے اس بھٹکے ہوئے شخص کو عشق کی راہ دے کر سنوار دیا تھا اور تین دن ہو گئے تھے اسے رہائی ملے مگر اسے زندگی اب بھی قید ہی لگتی تھی کہ نگاہ دیدار کو ترس رہی تھی، وہ کسی کے بھی تو قائل کرنے پر قائل نہ ہوئی تھی، سب نے ہر ممکن کوشش کروائی تھی مگر اس کی 'نہ'، 'ہاں' میں نہیں بدلی تھی۔ آج کل مصطفیٰ ہاؤس میں خواہش اور عبیر کی شادی کے ہنگامے برپا تھے اور وہ ان میں مقدور بھر حصہ لیتی زندگی کا حصہ ہو کر بھی زندگی سے بہت دور تھی۔ ایان اسپیشلائزیشن کے لئے باہر چلا گیا تھا، اس کی واپسی پر ارمان شیرازی نے اس کے ہاسپٹل کی عمارت گفٹ کر کے اس کو سرپرائز ہی تو کر ڈالا تھا اور وہ گزشتہ دو سالوں سے ہاسپٹل کی عمارت کو ہاسپٹل بنانے کو ششوں میں کوشاں تھا اور کسی حد تک کامیاب بھی ہو گیا تھا مگر اس سب میں اس کا شوق، موسیقی، کافی حد تک متاثر ہوا تھا اس نے ہاسپٹل کے لئے اپنے دن رات وقف کر دیئے تھے۔ بمشکل چند ایک ہی کنسرٹ کر پایا تھا مگر مطمئن تھا کہ اس کے ہر عمل سے اس کے والدین خوش و مطمئن تھے بس اس نے مصروف زندگی گزارنے کے لئے چند مختصر سے لمحے بھی نہ رکھے تھے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ کوئی اس کا شدتوں سے منتظر ہے۔ خواہش اور شیریں نے خود کو مصروف رکھنے کے لئے جامعہ کراچی میں

انگریزی ادب سے وابستگی اختیار کر لی تھی۔ ان کا وقت اچھا گزر گیا تھا کہ مصروفیت بھی دکھ کو بھلانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے اور آج وہ دونوں ماسٹرز ڈگری ہولڈر تھیں اور کافی حد تک اپنی زندگی سے مطمئن بھی، گزرے سالوں میں خواہش کی رخصتی کے لئے کئی بار کوشش کی گئی مگر ایان نے پروں پر پانی نہیں پڑنے دیا تھا کہ وہ پہلے خود کو منوانا چاہتا تھا اور جب اپنی کامیابی سے خود مطمئن ہوا تھا تو زندگی کو بھی منانا تھا کہ جسے وہ کیرئیر بنانے کی چاہ میں نظر انداز کر گیا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ وہ ایان سے ہرگز بھی خفا نہ تھی کہ وہ بہت کامیاب، بہت کامیاب ایان کے ساتھ پر برملا فخر محسوس کرتی تھی مگر اس نے سوچا ہوا تھا کہ جتنا اس نے اسے ستایا تھا وہ گن گن کر بدلے لے گی کہ ایان اس کی پہلی چاہت اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی، وہ کافی سال اس کی نگاہ سے دور ایبروڈ میں رہا تھا، اور پاکستان لوٹ آنے کے بعد ہاسپٹل اور میوزک کی مصروفیت میں اسے نظر انداز کر گیا تھا اور اب وہ شادی کی تیاریوں میں مگن اسے ستانے کے ارادے بناتی رہتی تھی یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ایسا کر نہیں پائے گی کہ جن سے محبت ہوتی ہے انہیں تو بس چاہا جاتا ہے، چاہت کا مان سونپا جاتا ہے کہ انہیں ستایا نہیں جاتا کہ دل اس روش پر چل ہی تو نہیں پاتا رہ گیا تھا۔ عبیر نے پیرنٹس کے بہت مجبور کرنے پر بھی شادی نہیں کی تھی کہ وہ پہلے خواہش اور شیریں کو اپنے گھر میں بسا دیکھنا چاہتا تھا۔ خواہش کی شادی کی تاریخ طے ہوئی تھی تو اس نے بھی شادی کے لئے ہاں کر دی تھی۔

انابیہ اس کی کلاس فیلو تھی جس سے قلبی وابستگی تو نہیں ذہنی ہم آہنگی ضرور تھی اور یہی ذہنی ہم آہنگی ان کو جوڑنے کا سبب بن رہی تھی۔ اس امید کے ساتھ کہ زندگی محبت کا قالب خود ڈھونڈ لے گی۔ مہندی کی رسم کا اہتمام مصطفیٰ ہاؤس کے لان میں کیا گیا تھا، تیاری کے دوران شیریں کو وہ خوشبو سا شخص لحہ لحہ یاد آیا تھا جو بچھڑ کر بھی زندگی میں سانسوں کی مانند شامل تھا، اس کی سوگواریت ان سب کے من کا روگ بنتی جا رہی تھی۔ مگر کوئی کچھ بولا نہ تھا۔ خواہش کے ہاتھ پر ایان کے نام کی مہندی لگی تھی تب ہی رابعہ سالار نے اس سے بھی کہا تھا کہ وہ بھی مہندی لگوا لے اور وہ صاف انکاری ہو گئی تھی مگر ان کے ڈپٹ کر حکمیہ انداز میں کہنے پر ان کو ناراضگی سے دیکھتی خاموشی سے مہندی لگوا گئی تھی کہ برسوں پہلے اسے مہندی کی خوشبو ایری ٹیٹ کرتی تھی مگر خوشبوؤں کا دلدادہ شہیر سالار اسے کافی حد تک خوشبوؤں کا عادی کر گیا تھا کہ اسے مہندی کی خوشبو ایری ٹیٹ کرتی تھی اور شہیر کو مہندی کی خوشبو ہی نہیں مہندی سے سجے اس کے گلابی ہاتھ بھی کافی بھلے لگتے تھے۔ جب جب وہ اس کے کہنے پر مہندی لگاتی تھی اس کے اپنے ہی واویلے ہوئے تھے اور کچھ وہ بھی تو محسوس کرتا تھا مگر جان کر انجان بنا اس کی خوشبو لٹاتی بانہیں تھامے اسے باتوں میں لگا کر اس کو کافی حد تک سنبھال لیتا تھا اور آج کئی طویل سالوں بعد مہندی کی خوشبو اس کی ناک تک پہنچی تھی، سانس متاثر ہو رہی تھی مگر وہ نگاہ اپنے ہاتھوں پر جمائے شہیر کو سوچتی خود کو سنبھالنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی۔ جب مشکل لگنے لگا تھا تو ہاتھ دھو ڈالے تھے۔ بھینی بھینی خوشبو اس کے ساتھ تھی اور دل کو رلا رہا تھا، کتنے ہی شکوے زباں پر آ کر رک گئے تھے اور وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے سسک اٹھی تھی اور اسے کئی بار کی طرح آج بھی شدت سے محسوس ہوا تھا کہ شہیر اس کے بہت آس پاس ہے۔ اس نے ہاتھ چہرے سے ہٹانے کی کوشش نہیں کی تھی کہ وہ ڈرتی تھی کہ ایسا کرے گی تو اس کا الوژن بکھر جائے گا، فضا کو معطر کرتی شہیر سالار کی خوشبو ہوا میں تحلیل ہو جائے گی جبکہ وہ تو سانسوں میں اتار لینا چاہتی تھی کہ اسے ہاتھوں پر ایک جانا پہچانا بہت مانوس سا لمس محسوس ہوا تھا اس نے

آنکھیں کھولی تھیں۔ وہ سامنے ہی تو اس کے ہاتھ تھامے نگاہ اس کے حنائی ہاتھوں پر جمائے بیٹھا تھا اور فضا میں اس کی آواز کی لے ساز بجا رہی تھی۔

ہماری سانسو میں آج تک وہ حنا کی خوشبو مہک رہی ہے
لبوں پہ نغمے مچل رہے ہیں، نظر سے مستی چھلک رہی ہے
وہ میرے نزدیک آتے آتے حیا سے ایک دن سمٹ گئے تھے
میرے خیالوں میں آج تک وہ بدن کی ڈالی لچک رہی ہے
صدا جو دل سے نکل رہی ہے وہ شعر و نغموں میں ڈھل رہی ہے
کہ دل کے آنگن میں جیسے کوئی غزل کی جھانجر چھنک رہی ہے
تڑپ میرے بے قرار دل کی کبھی تو ان پہ اثر کرے گی
کبھی تو وہ بھی جلیں گے اس میں جو آگ دل میں دہک رہی ہے
ہماری سانسوں میں آج تک وہ حنا کی خوشبو مہک رہی ہے

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو.....'' اس نے شیریں کی نگاہ کے سامنے چٹکی بجائی تھی اور اس نے ہاتھ شہیر کی گرفت سے نکالا تھا اور ہاتھ اس کے چہرے کو چھو گیا تھا۔

''آپ کہاں چلے گئے تھے شہیر.....'' وہ بے یقینی کی کیفیت میں بولی تھی۔

''میں تو کہیں گیا ہی نہیں تھا کہ میں تو ازل سے اپنی شیریں کے دل میں ہوں.....'' اس کے لب شوخی سے مسکرائے تھے اور وہ اس کے کاندھے پر سر رکھے بلک اٹھی تھی۔

''آپ کہیں مت جایئے گا شہیر، ایک پل کے لئے آپ دور جاتے ہیں تو میری سانس تھمنے لگتی ہے.....آپ کے بناء ایک لمحہ نہیں گزرتا۔''

وہ اس کے بہت قریب تھی اور وہ اسے اپنے حصار میں لیتا نرمی سے بولا تھا۔

''جانے والوں کو روکا نہیں کرتے شیریں.....'' اس نے شہیر کی نرمی سے کہی بات پر اس کے کاندھے سے سر اٹھا کر اسے ناراضگی سے دیکھا تھا۔

''جب آپ کو پتہ ہو کہ کوئی آپ کی خاطر، آپ کے لئے جی رہا ہے تو پھر جانے کی ضد کیوں کی جائے.....''

اس کے عنابی لبوں سے محبت صور کی مانند پھونکی گئی تھی شہیر یکدم لاجواب ہو کر رہ گیا تھا۔

''اگر آپ کہ یہ پتہ ہو کہ جانے والا بے حد مجبور ہے تب ضد چھوڑ دینی چاہئے، محبت کے لئے محبت کی مان لینی چاہیے۔'' وہ نرمی

سے اس کی آنکھوں کے آنسو پوروں پر چنتا نرمی سے بولا تھا اور اس کی خفگی بڑھ گئی تھی۔

''محبت کے لئے محبت کو سزا دینے کی چاہ ترک کر دینی چاہئے شہیر، کہ سچ میں، میں آپ کے بن جی نہیں سکتی.....'' وہ گویا ملتجی ہوئی تھی۔

''کبھی کبھی نہ چاہتے ہوئے بھی بہت سخت فیصلے لینا پڑتے ہیں، میں بھی نہیں چاہتا تمہارے پاس سے دور جانا میں بھی تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں، تمہیں ناراض نہیں کرنا چاہتا مگر بہت مجبور ہوں کہ زندگی میں نہیں ڈھونڈ سکتا، میرا راستہ الگ ہو گیا ہے۔ تسلیم کرلو کہ حقیقت کو فراموش کرنے کی چاہ سر اٹھا تو سکتی ہے کامیابی کی دلیل نہیں بن سکتی۔'' وہ اس کے سامنے سے اٹھ گیا تھا۔

''اب آپ نے جانے کی بات کی تو میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گی شہیر.....'' وہ مسمسی سی صورت بنا کر بولی تھی۔

''جو خود زندگی سے روٹھ جانے کو ہو اس سے روٹھا نہیں کرتے شیریں.....'' وہ آنکھوں میں آنسو لئے اس کو دیکھ رہا تھا جس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا لحہ بہ لحہ زردی کے زیر اثر جا رہا تھا۔

''کیا آپ کا جانا بہت ضروری ہے.....'' وہ بستر سے اتر کر اس تک پہنچی تھی۔

''بہت زیادہ.....زندگی سے بھی زیادہ.....'' وہ اپنے کاندھے پر رکھے اس کے حنائی ہاتھ کو تھامتے ہوئے بے بسی سے بولا تھا۔

''میں آپ کے بغیر کیسے جیوں گی.....جانے کی ضد چھوڑ دیجئے، ہم دونوں مل کر زندگی میں زندگی کو ڈھونڈ لیں گے.....'' اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''زندگی کی دہلیز پر موت قدم رکھ چکی اور آنے والے کو خالی ہاتھ نہیں لوٹایا کرتے..... جب تم محبت بن کر زندگی میں آئیں تمہیں دل میں ہی نہیں گھر و زندگی میں بھی جگہ دی اب زندگی ہی ہاتھوں سے جا رہی ہے تو خود کو ٹھہروں تو کیسے.....'' وہ اس کے دونوں ہاتھ تھام گیا تھا۔''میری مشکلوں کو نہ بڑھاؤ شیریں، مجھے جانے دو کہ میں تم سے خفا نہیں ہوں، زندگی بھی تم سے خفا نہیں ہے بس جنون عشق کی رت ہی ہم سے روٹھ گئی ہے اور اب اسے منانا ہمارے اختیار سے باہر ہے..... ہاتھ یا پاؤں بس اپنے اختیار تک ہی مارے جاتے ہیں.....بس کر دو تکلیف دینا.....تکلیف میں رہنا..... میں یہی نہیں کہوں گا کہ مجھے اپنی محبت سے آزاد کر دو میں اتنا کہوں گا کہ زندگی میں آگے بڑھ جاؤ کہ تمہاری آنکھوں کے آنسو مجھے چین نہیں لینے دیتے..... میں تمہاری خوشی چاہتا ہوں۔ تمہیں مزید خوشی نہیں دے سکتا تو اس کا ہاتھ تھام کر زندگی میں زندگی کو ڈھونڈ لو جو تمہیں خوشی دے سکتا ہے.....'' وہ نرمی سے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں قید کیے کہتا چلا گیا تھا۔ اس کا سر نفی میں مستقل ہل رہا تھا۔

''میں نہیں کر سکتی شہیر.....آپ سمجھ کیوں نہیں رہے.....'' وہ سسکی تھی۔

''سمجھنے کی ضرورت مجھے نہیں تمہیں ہے جانِ شہیر، ایک بار میری مان لو، صرف یہ بات مان لو، وعدہ رہا تم سے پھر کچھ بھی تم سے طلب نہیں کروں گا.....میرے اختتام کو اپنی ابتداء میں بدل دو کہ محبت تھی اور رہے گی، جنوں تھمے گا نہیں، عشق کا سفر جاوداں ہے چلتا رہے گا بس اس

حقیقت کو تسلیم کر لو کہ میں تمہارا ہو کر بھی تمہارا نہیں رہا...... ہمارے درمیان صدیوں کے فاصلے آ گئے اور درمیاں جب فاصلے آ جائیں تو راستہ بدل لینا چاہیے ورنہ دلوں میں دیواریں بن جاتی ہیں...... بہت کچھ ان کہا رہ گیا، بہت کچھ حاصل ہو کر لاحاصل کا دکھ سہہ رہا ہے بس یہی تقدیر ہے سمجھو شیریں کہ زندگی تمہیں ڈھونڈ رہی ہے......" وہ اسے خود سے لگائے جذبات سے چُور لہجے میں بولا تھا اور وہ اس کے سینے پر سر ٹکائے "نہیں...... نہیں" کی گردان کرتی جا رہی تھی۔ اس نے اسے خود سے الگ کیا تھا اور اس کی پیشانی پر لب رکھے تھے اور زیرِ لب بڑبڑایا تھا۔

"الوداع شیریں......!"

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی، سانس دھونکنی کی مانند چل رہی تھی، پورا جسم پسینے میں تربتر ہو رہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہوا ہے، کیا ہو رہا ہے۔ وہ گہرے گہرے سانس لیتی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کچھ دیر میں جیسے ہی سانس معمول پر آئی تھی اس نے کمرے کی لائٹ آن کی تھی، مؤذن کی آواز کانوں میں پڑنے لگی تھی کہ ایک آواز کی بازگشت نے ساتھ ہی سر اٹھایا تھا۔

"الوداع شیریں......"

اس کی نگاہ بے چینی سے کمرے میں چکرانے لگی تھی، ذہن و دل سے صدا آئی تھی کہ ابھی وہ یہیں تو تھا، بہت قریب، بہت پاس، کانوں میں بازگشت بڑھنے لگی تھی اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے تھے، مؤذن کی آواز کا سحر فضا کو جیسے حصار میں لینے لگا تھا۔ وہ بری طرح رو رہی تھی، لحہ بہ لحہ آواز کی بازگشت دور ہو رہی تھی اور اذان کی آواز اسے بھی اپنے حصار میں لینے لگی تھی۔ وہ گھٹنوں میں سر دیئے بلکنے لگی تھی اس وقت آخری سوچ یہی تھی کہ وہ خواب تھا، جو اب بکھر چکا تھا کہ اس کی زندگی بھی تو خواب کی مانند ہی بسر ہوئی تھی اور خواب ایک شخص کے جاتے ہی ٹوٹ کر بکھر گئے تھے اور وہ تنہا رہ گئی تھی۔ بہت ہی تلخ حقیقتوں کے ساتھ اور حقائق کو نظر انداز تو کیا جا سکتا ہے مگر فراموش کرنا ممکن نہیں، وہ خواب اور حقیقت کے درمیان منجدھار میں بیٹھی تھی کوئی فیصلہ نہیں لے پا رہی تھی کہ اسے کیا کرنا چاہیے کہ خواب اسے اپنی عام جزئیات کے ساتھ یاد تھا اور جو بات خواب نے اسے محسوس کروانے کی کوشش کی تھی۔ اس کے محسوسات، جذبات سے ٹکرانے لگے تھے، صبح ہو گئی تھی مگر اسے اب بھی لگتا تھا کہ رات ٹھہر گئی ہے۔ مصطفیٰ ہاؤس میں بہت ہلچل تھی، اس کے بھائی کی شادی تھی مگر وہ خواہش کی طرف سے ہی شریک ہو رہی تھی جس پر ابیان کتنا خفا ہوا تھا اور اس نے محض مسکرا کر بات ہی ختم کر دی تھی کہ اگر سالار مصطفیٰ نے اسے خواہش سے بڑھ کر مان و چاہت دی تھی تو اس نے بھی ہر حق ادا کیا تھا۔ جتنا وہ کر سکی تھی بس ان کے کسی احسان کا بدلہ نہ چکا سکتی تھی، نہ چکانا چاہتی تھی کہ انہوں نے چاہت و مان کے دریا بہائے تھے اور وہ والدین کی محبت کو نہ احسان سمجھتی نہ قرض اتارنا چاہتی تھی کہ اسے جو کچھ دیا گیا تھا حق کی طرح دیا گیا اور اس نے حق سمجھ کر ہی وصول کیا تھا، عصر کی نماز ادا کر کے جس وقت وہ کمرے سے باہر آئی تھی ابران کو دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی جو اسے نیناں ولاز لے جانے آیا تھا کہ وہ سب ہی چاہتے تھے کہ کم از کم ان کی اکلوتی بیٹی، اکلوتی بہن سہرا بندی کی رسم میں تو شریک ہو اور اس نے انکار کرنے کے بجائے صرف سالار مصطفیٰ کو بتا کر آنے تک کا ویٹ کرنے کا کہا تھا۔ ابران وہیں لاؤنج میں ٹھہر گیا تھا جبکہ وہ سالار مصطفیٰ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی اور اندر سے آتی آواز پر دستک کو اٹھا ہاتھ اٹھا ہی رہ گیا تھا۔

''سات سال کم نہیں ہوتے رابی! اس شخص نے اپنا کیئریئر، اپنی کامیابی، نام، اپنا سب کچھ صرف شیریں کے لئے داؤ پر لگا دیا......اور شیریں آج بھی اس سے اتنی ہی انجان ہے جتنی برسوں قبل تھی اور یہ بات درست نہیں ہے کہ زعیز عہ خان برا تھا، برا ہے، نہیں......اور اس کا ایثار ضائع نہیں ہونا چاہئے کہ ایسا ہوا تو برائی کو چھوڑ کر اچھائی کو اپنانے کی راہ دشوار ترین ہو جائے گی کہ زعیز عہ خان اپنے حصہ کی سزا کاٹ آیا اور پھر بھی تہی دست رہے تو یہ اب اس کے ساتھ ناانصافی ہو گی مگر یہ میں شیریں کو نہیں سمجھا پا رہا......وہ زعیز عہ خان کا نام بھی سننا نہیں چاہتی......اس نے گزشتہ برسوں میں یہ فراموش کئے رکھا کہ وہ زعیز عہ خان کے نکاح میں ہے مگر اب یہ ممکن نہیں رہا......شیریں کو سمجھاؤ پلیز کہ ایک شخص کی اچھائی کا وہ وسیلہ بنی ہے اور یوں اس شخص سے بے اعتنائی کا مظاہرہ کر کے اسے اجالوں سے اندھیروں کا مسافر نہ بنائے کہ شہیر مر چکا ہے......اور وہ اب کبھی نہیں آئے گا اس لئے شیریں کو زندگی میں آگے بڑھ جانا چاہیے۔اس شخص کے ساتھ زندگی کی ابتداء کرنی چاہیے جو اس کے لئے زندگی کی بازی کھیل کر ایک نئی زندگی لے کر آیا ہے...... جب اللہ نے اسے بخش دیا ہے تو شیریں کو بھی اسے اپنا لینا چاہیے......''

سالار مصطفیٰ نے جس دن پہلے اسے ہر طرح سے منانے، قائل کرنے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہے تھے جبکہ وہ تو یہی چاہتے تھے کہ خواہش کے ساتھ اس کی بھی رخصتی کر دی جائے لیکن اس نے تو پروں پر پانی نہیں پڑنے دیا تھا، کل ہی تو وہ زعیز عہ خان سے ملے تھے اس نے زبان سے کچھ نہ کہہ کر بھی آنکھوں سے بہت کچھ کہا تھا کہ وہ جب جب اس سے ملنے جیل گئے تھے اس کی آنکھیں کچھ کہتی ہی لگی تھیں اور اس کے پاس شیریں کے علاوہ کچھ کہنے کو کبھی تھا بھی تو اب نہیں رہا تھا وہ اس کی تحریر کو نظر انداز کر کے آ جاتے تھے مگر کل وہ نظر انداز تو کر آئے تھے مگر اضطراب و بے بسی ساتھ لے آئے تھے کہ ان کے اندر کا اچھا انسان زعیز عہ خان کو دکھی نہیں دیکھ پایا تھا اور وہ جب برا تھا وہ تب اس کا برا نہیں چاہ سکے تھے تو اب تو وہ 'برا' ہی نہیں رہا تھا۔ برائی کو پیچھے چھوڑ آیا تھا اور اس پیچھے چھوڑے میں کیا کچھ اس سے نہیں بچھڑ گیا تھا مگر اس کے لب پر شکوہ نہ تھا بس ایک آس تھی شیریں کے لوٹ آنے کی آس اور شیریں تھی کہ اسے ناامید کرنے پر تلی تھی۔ سالار مصطفیٰ خاموش ہو گئے تھے۔اب رابعہ کچھ کہہ رہی تھیں اور دہلیز پر جمی شیریں کی آنکھوں سے سیل رواں جاری تھا۔ وہ وہاں سے پلٹ جانا چاہتی تھی مگر جا نہیں سکی تھی اور اس کے کانوں میں چند دن پہلے کی گفتگو جو سالار مصطفیٰ سے ہوئی تھی نئے سرے سے گونجنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

''دو دن قبل زعیز عہ خان جیل سے رہا ہو گیا ہے۔''

انہوں نے شیریں کو اپنے کمرے میں بلایا تھا اور اس کے وہم و گماں میں بھی نہ تھا کہ ان کے بلانے کے پیچھے یہ اندوہناک خبر چھپی ہو گی وہ ہراساں نظروں سے انہیں دیکھنے لگی تھی جبکہ وہ اس ہراساں انداز کو خاطر میں لائے بغیر نہ صرف تمام تفصیل سے اسے آگاہ کر گئے تھے اپنے فیصلے سے بھی اسے مطلع کر دیا تھا اور وہ بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگی تھی۔

''دیکھو شیریں! زندگی میں کسی بھی انسان کو وہ سب نہیں ملتا جو وہ چاہتا ہے اور کچھ حاصل کرنے کے بعد کھو دیتے ہیں کہ جب اللہ کو

آزمائش مطلوب ہوتی ہے تو کبھی دے کر آزماتا ہے تو کبھی لے کر آزماتا ہے...... اور اللہ کے نیک بندے صبر و استقامت سے شکر کی راہ پر چل کر اپنی زندگی کی ہر آزمائش سے صرف اللہ کے لئے نبرد آزمائی کرتے ہیں۔ سکھ میں تو سب شکر کر لیتے ہیں، دکھ میں شکر ربی کیا جائے تب شکر کا حق ادا ہوتا ہے اور تم چاہتے نہ چاہتے ہوئے شکر کی، صبر کی راہ سے ہٹ گئی ہو۔'' وہ اس کو زعیز عہ خان کے ساتھ رخصت کرنے کا ارادہ بنا گئے تھے اور وہ صاف انکاری ہوگئی تھی اور کمرے سے جاتی کہ وہ اپنے مخصوص مدھم ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہتے چلے گئے تھے۔ ان کے لفظ اتنے اثر پذیر تھے کہ اس کے پیروں کی زنجیر بن گئے تھے وہ پلٹ کر انہیں دیکھنے لگی تھی جن کی محبت اور خلوص پر وہ کبھی شک کر ہی نہیں سکتی تھی۔

''میں بہت مجبور ہوگئی ہوں ماموں جان کہ مجھے شہیر کی موت کا یقین ہی نہیں ہوتا۔ ان کی موت پر صبر آئے تو کیونکر...... اور ان کے جانے کے بعد تو زندگی ہی کھو گئی...... شکر کروں تو کس بات کا، اس بات کا کہ زعیز عہ خان مجھے با آسانی ٹریپ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔'' وہ ہارے ہوئے انداز میں بولی تھی۔

''تمہارے شکر کے لئے تو یہ بھی کافی ہے شیریں کہ ایک بھٹکا ہوا شخص تمہاری چاہت میں راہ راست پر آ گیا۔ تمہارے عشق میں وہ برائی کی دلدل سے نکل آیا، اجالوں کا سفر شروع کیا اور تم......''

''مجھے وہ شخص نہیں پسند...... میں ان کی کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ یکدم ہی ان کی بات منقطع کر گئی تھی۔ انہوں نے اسے تاسف بھری نگاہ سے دیکھا تھا۔

''تم شکر کی راہ سے ہٹ کر اللہ کی نافرمانی کی مرتکب ہو رہی ہو شیریں کہ اللہ نے تمہیں ایک بھٹکے ہوئے شخص کی راہنمائی کا ذریعہ بنایا اور تم اس پر شکر ادا کرنے کے بجائے، اس شخص کو آگے بڑھ کر تھامنے کے بجائے اللہ کی ناشکری کر رہی ہو۔ اپنے حصہ کی سعادت کو ناشکری کی راہ پر چل کر دھتکار رہی ہو۔ یہ مت بھولو کہ بھٹکے ہوئے کو راستہ دکھانے کا ذریعہ بننے کا شرف اللہ بہت کم لوگوں کو بخشتا ہے۔ تمہیں رب نے یہ سعادت نصیب فرمائی ہے، تمہارے لئے، تمہاری خاطر، ایک بھٹکا ہوا شخص راہ راست کا مسافر بن گیا اور تم ہو کہ اللہ کا شکر ادا کرنے کے بجائے اس شخص کے لئے روشنی بننے کے بجائے خود اندھیروں کی طرف بڑھ رہی ہو۔ سوچو شیریں، اللہ کے فیصلے غلط نہیں ہوتے، اللہ نے اپنی حکمت کے تحت شہیر کو اپنے پاس بلا لیا اور زعیز عہ خان کہ تمہارے مقدر میں لکھا۔ تقدیر سے لڑو گی تو شکست قدموں کی زنجیر بن جائے گی۔ تقدیر کو مان لو گی تو سکون قلب کی راحت نصیب ہو جائے گی۔ تمہارے لئے زعیز عہ خان نے اجالوں کا سفر کیا اسے آگے بڑھ کر تھام لو نہ خود اندھیروں کی طرف بڑھو نہ اسے بڑھنے دو کہ اگر اب کے وہ اندھیروں کا مسافر بنا تو کبھی اجالے اس کے ہمنوا نہ ہو سکیں گے۔ اس کی ہمنوائی، اس کا ساتھ، اس کے لئے قبول کر لو، اس کے لئے قبول نہیں کر سکتیں تو اللہ کے لئے کر لو، اللہ کی ناشکری نہ کرو، ہاتھ آئی سعادت کو مت ٹھکراؤ، زندگی ہر کسی کو ایسا موقع نہیں دیتی۔''

سالار مصطفیٰ نے انتہا پر جا کر اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی اور وہ سمجھ تو گئی تھی مگر قبول نہیں کر پا رہی تھی کہ اس کے دل میں موجود شہیر کی محبت راہ کی رکاوٹ بنی ہوئی تھی کہ اس کا دل ابھی صنم خانہ تھا، عشق مجازی کا منہ بولتا ثبوت ایسے میں عشق مصطفیٰ کے رنگ اسے اپنی

اور کھینچ تو رہے تھے مگر وہ اتنی بخت آور ابھی نہیں ہوئی تھی کہ عشق حقیقی کا سفر کر پاتی۔ اس کا انکار سالار مصطفیٰ کو دکھ سے دوچار کر گیا تھا اسے قائل کرنے کی وہ کوششیں ہی ترک کر گئے تھے کہ اب کہنے کو کچھ نہیں بچا تھا کہ وہ احساس دلانے کی اپنی سی کوشش کر چکے تھے اور اب ناکام ہو گئے تھے۔ اب احساس اسے خود سے ہوتا تب ہی اس کی زندگی بدل سکتی تھی اور اسے احساس تو ہونے لگا تھا مگر اعتراف کی منزل تھی کہ روٹھی ہوئی تھی اور صبح فجر کی اذان کے ساتھ ٹوٹنے والا خواب اسے اعتراف کی منزل تک پہنچا گیا تھا اور یکدم اس نے سالار مصطفیٰ کے کمرے کا دروازہ کھولا تھا اور اعتراف کی منزل عبور کر لی تھی۔

''آپ زعیزعہ خان کو بلا لیں، میں اپنی باقی زندگی ان کے ساتھ گزارنے کے لئے راضی ہوں۔''

وہ دونوں اس کو اچانک سامنے دیکھ کر متحیر ہوئے تھے اور اس کی بات پر ان پر جیسے شادیٔ مرگ طاری ہو گیا تھا۔

''دعا کیجئے گا کہ میں شہیر کو بھلا کر زعیزعہ خان کی صحیح جیون ساتھی ثابت ہوں۔ میرے لئے ان کا ساتھ کسی حسین رت کی مانند ہو اور وہ اپنے عشق کی روٹھی ہر رت کو منا لینے میں کامیاب ہو جائیں۔'' وہ زار و قطار روتے ہوئے بولی تھی اور انہوں نے آگے بڑھ کر اسے خود سے لگا لیا تھا اور وہ روتے ہوئے انہیں اپنا خواب بتا گئی تھی۔

''شہیر بھی یہی چاہتے ہیں ماموں جان کہ میں زندگی میں آگے بڑھ جاؤں اور میں شہیر کے لئے، آپ سب کے لئے ہی نہیں اپنے لئے بھی زندگی میں آگے بڑھنا چاہتی ہوں کہ میں چاہتے نہ چاہتے ہوئے اپنے رب کی بہت ناشکری کر چکی۔ آپ اللہ سے دعا کیجئے گا کہ وہ میری بھٹکی ہوئی سوچ اور میری ناشکری کے لئے مجھے معاف کر دے اور مجھے آسانیاں عطا فرمائے۔'' وہ ان کے کاندھے سے لگی بول رہی تھی انہوں نے ہی نہیں رابعہ سالار نے بھی بھیگتی آنکھوں سے دل کی گہرائیوں کے ساتھ اطمینانِ قلب محسوس کرتے ہوئے 'آمین' کہا تھا کہ ان دونوں میاں بیوی کو یقین تھا کہ دکھ کی رت، خزاں کا موسم ڈھل گیا ہے، سکھ کی رت، بہاروں کا پیغام لے کر آ رہی تھی اور وہ رب کا شکر ادا کرتے بہار کی رت کو خوش آمدید کرنے کو تیار تھے انہوں نے شیریں کے سر پر ہاتھ رکھا تھا اور اس کے کمرے سے نکلتے ہی زعیزعہ خان کا نمبر ملایا تھا کہ اسے بتانا تھا کہ وہ زندگی کے ہر محاذ پر اپنی بدلی سوچ اور نیک نیتی کے باعث کامیاب ٹھہرا ہے۔ شیریں نے اس کے عشق کو نہیں تو خیر اس کے ساتھ کو قبول کرنے کا عندیہ دے دیا ہے اور جب وہ ساتھ چلیں گے تو منزل خود ہی مل جائے گی کہ 'عشق' کا سفر کبھی رائیگاں نہیں جاتا۔ جس وقت انہوں نے زعیزعہ خان کو شیریں کی رضامندی کا عندیہ دے کر آج ہی رخصتی کا کہا تھا کہ آج خواہش، ایمان کی ہمراہی میں زندگی کا نیا جیون شروع کرنے جا رہی تھی تو وہ آج ہی شیریں کے بھی فرض سے سبکدوش ہو جانا چاہتے تھے۔ سالار مصطفیٰ کی بات اس پر شادیٔ مرگ طاری کر گئی تھی۔ بے ساختہ اس کے لبوں سے شکر کا کلمہ ادا ہوا تھا اور وہ رابطہ منقطع کر کے سجدے میں جا گرا تھا۔ کتنے ہی تشکر کے آنسو پلکوں سے ٹوٹ کر گرے تھے۔ مصطفیٰ ہاؤس سے نکل کر خبر نیناں ولاز تک پہنچی تھی ایک طویل عرصہ بعد نیناں شیرازی کے چہرے پر خوشی نے اپنی بہار دکھائی تھی۔ ارمان شیرازی اپنی مسرت بھلائے اس عورت کی مسرت میں کھو سے گئے تھے جو انہیں خود سے بڑھ کر عزیز تھی انہیں یک ٹک خود کو تکتا پا کر وہ طویل سالوں بعد بھی کنفیوز ہو گئی تھیں، چہرہ الگ سرخ پڑ گیا تھا کہ توجہ کی نظر تو ہر عمر پر

یکساں اثر کرتی ہے اور وہ دلچسپی سے ان کے حیا سے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ کر مسکرا دیئے تھے کہ وہ روٹھی ہوئی تھیں مگر تھیں تو ان کی ہی اور ان کا ساتھ ہونا ہی زندگی کا حاصل تھا۔ ابران کی سہرا بندی کی رسم میں رویحا اور شانیہ پیش پیش تھیں۔ سرمہ لگائی کا ٹھیکہ اس نے دونوں بھابیوں کو دیا تھا، شیریں کے چہرے پر اداسی تھی مگر آنکھوں میں ٹھہرا سکون ان سب کے سکون کا باعث تھا کہ زندگی آگے سہل گزرنے والی تھی۔ سہرا بندی کی رسم کے بعد ابران اسے مصطفیٰ ہاؤس چھوڑ آیا تھا اس نے رابعہ سالار کی دی سرخ رنگ کی پشواز خاموشی سے پہن لی تھی اس کے تیکھے نین نقوش کو بیوٹیشن نے بڑی مہارت سے سنوار دیا تھا۔ کراچی کے مشہور ترین ہوٹل میں جس وقت ایان شیرازی کی برات پہنچی تھی، میڈیا پہلے سے ہی نہ صرف موجود تھا الرٹ بھی تھا کہ ملک کے مایہ ناز سنگر کی شادی کی تقریب کی کوریج اس کے شایان شان کی گئی تھی۔ فوٹو سیشن کے ساتھ ہی کھانا کھل گیا تھا مگر زعیزعہ خان کا کہیں اتا پتہ نہ تھا۔ نیناں شیرازی بھائی سے کتنی ہی بار کہہ چکی تھیں کہ وہ اسے کال کریں مگر وہ دھیمی سی مسکان کے ساتھ ٹال گئے تھے کہ انہیں یقین تھا کہ وہ ضرور آئے گا اور ان کا یقین ہمیشہ کی طرح جیت گیا تھا۔ تقریباً رات کے ساڑھے گیارہ بجے وہ وہاں پہنچا تھا اس پر پہلی نظر ابران شیرازی کی پڑی تھی اور وہ سب کچھ فراموش کئے پرتپاک انداز میں ملا تھا اور وہ خود کافی پرسکون نظر آ رہا تھا مگر اس کا سکون اسٹیج پر بیٹھی دشمن جاں کو دیکھتے ہوئے کافور ہو گیا تھا۔ اس پر نظر کے پڑتے ہی لمحات تھم گئے تھے۔ وہ یک ٹک اسے کئی طویل سالوں کے بعد دیکھ رہا تھا۔ نظر پیاسی تھی، دل تشنہ تھا اور اس کی مبہوت حالت ان سب کے لبوں پر سکون بھری مسکان بکھیر گئی تھی کہ انہیں شیریں کا مستقبل کافی روشن نظر آ رہا تھا کہ دیر سے ہی سہی اس کی زندگی کے اندھیرے دور ہو جانے کو تھے۔

ایان جو سرشار و سرخرو سا خواہش کے پہلو میں بیٹھا تھا اسے دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس تک پہنچا تھا اور اس کی محویت کا ارتکاز بکھر گیا تھا۔ ایان بھی ادیان و ابران کی مانند خوش دلی سے ملا تھا اور سالار مصطفیٰ کے ایک اشارے پر وہ اسٹیج پر خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی شیریں کے پہلو میں ٹک گیا تھا۔ شیریں کے سکون میں دراڑیں پڑنے لگی تھیں مگر وہ ضبط کا مظاہرہ کر گئی تھی۔ آنسوؤں اور دعاؤں کے سائے تلے وہ دونوں رخصت ہو گئی تھیں۔ زعیزعہ خان کے پاس کچھ رہا نہیں تھا اسے سب کچھ گھر سے لے کر آسائشات تک سالار مصطفیٰ نے فراہم کی تھیں وہ انکاری تھا مگر وہ اسے قائل کر گئے تھے۔

”دیکھو زعیزعہ، اگر ہم سے کچھ لینے سے انکار کرو گے تو تمہیں سیٹل ہونے میں بہت وقت لگے گا اور زندگی کا بہت سا وقت پہلے ہی گزر گیا اس لئے اب وقت ضائع نہ کرو کہ ہم تم پر کچھ احسان نہیں کر رہے سب کچھ شیریں کو دے رہے ہیں کہ بیٹیوں کو خالی ہاتھ رخصت نہیں کیا جاتا۔“

ان کی بات میں وزن تھا اور وہ خود خالی ہاتھ ایسے میں وہ خاموش ہو گیا تھا اسے ارمان شیرازی نے اپنے آفس میں ایک بہترین جاب بھی آفر کی تھی جسے وہ چند دن بعد جوائن کرنے والا تھا کہ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ ان کی مدد نہیں لے گا تو اسے خود کو اکیلے منوانے کے لئے بہت سا وقت درکار ہو گا وہ ان کی مدد کے سہارے چل کر زندگی میں ایک اعلیٰ مقام تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اس کی نیت نیک تھی اور نیت نیک ہو تو منزل بھی نیک ہی نصیب ہوتی ہے۔ زعیزعہ خان ڈرائیونگ ڈور کھول کر باہر نکلا تھا اور گھوم کر آ کر فرنٹ ڈور اوپن کیا تھا۔

وہ نہ صرف گاڑی سے باہر آئی تھی اس کے ہمقدم ہوگئی تھی۔اس نے شیریں کے لئے اپنے بیڈروم کا دروازہ کھولا تھا وہ کمرے میں داخل ہوگئی تھی۔ کمرہ نہایت سادہ مگر دیدہ زیب لگ رہا تھا لائٹ بلو کلر اسکیمنگ سے سجا کمرہ کہیں سے بھی نہیں لگ رہا تھا کہ کسی کا منتظر ہو یا استقبال کرنے کو بے قرار ہو۔ شیریں نے اتنے عرصہ میں پہلی دفعہ اس کے چہرے پر نظر کی تھی۔ ماہ وسال کی گردش ایام اسے چھوئے بغیر گزرے تھے کہ اس کے اس صبر کی لاٹھی اور استقامت کا ساتھ تھا اس کا خوبرو چہرہ سنجیدگی کا مظہر تھا۔اس کی سرخ آنکھوں میں شیریں کا عکس جاوداں تھا۔اس کی نظر یکدم جھکتی چلی گئی تھی۔

''میں سمجھ نہیں پا رہا کہ تم سے کہوں تو کیا...... کہ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ وہ الفاظ جو تم سے میرا عشق بیان کر دیں۔''

کمرے کی خاموش فضا میں زعیزعہ خان کا ٹھہرا ہوا لہجہ ہلچل سی مچا گیا تھا جبکہ اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے تھے۔

''لفظوں کی ضرورت وہاں پڑتی ہے زعیزعہ، جہاں عمل کم ہو۔آپ تو عمل کی بنیاد رکھ چکے ہیں اس لئے لفظوں کے بہلاوے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔'' وہ نم لہجے میں اس کی بات کو قطع کر کے بولی تھی اور وہ اسے بے یقینی سے دیکھنے لگا تھا اور وہ اس کی بے یقینی کو محسوس کرتے ہوئے مزید بولی تھی۔

''پہلے میں نے تمام فیصلے جبراً لئے تھے، نہ دل آمادہ تھا نہ ذہن اور آج میں ذہنی آمادگی سے یہاں موجود ہوں۔ رشتہ کی ابتداء کی خواہش کے ساتھ۔بس ابھی دل نہیں ہوا راضی کہ دل کو سمجھانے میں کچھ وقت لگے گا اور میں امید کرتی ہوں کہ جہاں آپ نے اتنا کچھ برداشت کیا ہے، اتنا انتظار کیا ہے، دل کے ٹھہرنے تک کا مزید انتظار کرلیں گے۔شہیر کو مصطفیٰ ہاؤس چھوڑ آئی ہوں مگر دل کے ساتھ جو ان کا عشق باندھ لائی ہوں اسے فراموش کرنے کو، دل سے نکال کر آپ کے عشق کو جگہ دینے کے لئے ابھی مزید وقت درکار ہے۔کیا آپ مجھے اتنی مہلت دے دیں گے؟''

وہ آنکھوں میں آنسو لئے اسے دیکھ رہی تھی اور وہ کہاں انکار کرسکتا تھا کہ اس کے لئے تو اس کی ذہنی آمادگی بھی بہت معنی رکھتی تھی کہ پتھر میں جونک تو لگ گئی تھی آج دماغ راضی ہوا تھا،کل دل نے بھی راضی ہوجانا تھا کہ دل، دل تک کا سفر دیر سے ہی سہی کر ہی لیتا ہے کہ دل سے نکلی بات تو دعا کی مانند ہوتی ہے جو فرش سے عرش تک جاتی ہے۔وہ اس کو مسکراتے دیکھ کر قدرے حیران ہوئی تھی۔

''تم نے کہا اور میں نے مان لیا کہ میرے لئے صرف تم اہم ہو، تمہاری خوشی اہم ہے، تمہاری مرضی کی اہمیت ہے۔آج تمہارا چھوٹا سا اقرار میرے لئے زندگی کی مانند ہے۔'' وہ نرمی سے بولا تھا اور وہ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر تو رونا ہی بھول گئی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے تک اسے زعیزعہ خان کی بات سمجھ نہیں آئی تھی مگر اب جب اس نے شہیر کے عشق میں ساڑھے سات سال بسر کئے تھے تو اسے 'عشق' بھی سمجھ آیا تھا۔'عشق' کے معنی بھی، عشق کے مطالب بھی اور عشق کے روگ بھی، عشق کے سنجوگ بھی۔ عشق کے روگ سے نکل کر وہ اب عشق کے سنجوگ میں قدم رکھ گئی تھی کہ اس کا عشق روٹھ گیا تھا اور وہ اب زعیزعہ خان کے عشق کو روٹھنے سے بچانا چاہتی تھی اسی طرح اس کے قرض ادا کرسکتی تھی وہ نم پلکوں سے مسکراتا اس کی طرف ہاتھ بڑھا گیا تھا۔اس نے زعیزعہ خان کا بڑھا ہوا ہاتھ تھاما تھا اور خود سپردگی کے عالم میں

اس کے کاندھے پر سر رکھ گئی تھی۔ آنکھ کا کونا بھیگ رہا تھا مگر اسے لگا تھا کہ کہیں آس پاس موجود شہیر طویل عرصہ بعد دل سے مسکرایا ہے اور وہ چونک اٹھی تھی۔ سامنے ہی تو زعیزعہ خان اپنے من کی سچائی کے ساتھ موجود تھا۔ وہ اسے مسکراتے دیکھ کر خود بھی نرمی سے مسکرا دی تھی۔

سنا ہے جنونِ عشق کی روٹھی رت بھی دعا دیتی ہے اسے
ہجر کی رات میں وصل امید کو جو پھر سے زندہ کردے

☆......☆......☆

''ڈیڈی! آپ سمجھالیں ابیان بھیا کو، یہ مجھے فضول میں تنگ کررہے ہیں۔''

ڈائننگ ہال کی خاموش فضا میں خفگی کا تاثر لئے جھنجلائی ہوئی آواز یکدم ارتعاش پیدا کر گئی تھی۔ ارمان شیرازی نے اپنی لاڈلی کو دیکھا تھا جس کے حسین چہرے سے جھنجلاہٹ صاف محسوس کی جاسکتی تھی۔ انہوں نے بیٹی سے نظر ہٹا کر بیٹے کی جانب دیکھا تھا اور وہ پل بھر میں ساری بات سمجھ گئی تھی کہ ابیان کی توجہ اپنی پلیٹ پر کم جبکہ شیریں کی پلیٹ پر زیادہ تھی اسی لئے اس نے صدائے احتجاج بلند کی تھی۔

''کیوں تمہیں تنگ کرنے کا ٹیکس لگتا ہے جو ابیان کو اپنی حرکت سے باز آجانا چاہئے۔'' عین اس کے سامنے چیئر پر بیٹھے عبیر سالار کے لہجے میں شرارت تھی اور وہ اسے ناگواری سے دیکھنے لگی تھی۔ ڈائننگ ہال کی فضا یکدم بدل گئی تھی۔ وہ ایک دوسرے کو تنگ کرنے کے ساتھ ہی پرتکلف کھانے سے بھی لطف اندوز ہورہے تھے کہ سالار مصطفیٰ نے دونوں بیٹیوں کی اپنے گھر دعوت کی تھی۔ گزرے ہفتہ میں کافی کچھ معمول پر آگیا تھا۔ وہ سب ہی ہنسی مذاق میں لگے تھے محض شیریں کے داہنی طرف بیٹھا زعیزعہ خان خاموشی سے ان سب کی نوک جھونک انجوائے کررہا تھا۔

''آپ سب میرے پیچھے ہی کیوں پڑ جاتے ہیں۔ یہ خوشی وروبحا بھی تو ہیں کوئی ان کو بھی کچھ کہہ دے۔''

اس کے آگے رکھا کولڈ ڈرنک کا گلاس جیسے ہی ابیان نے اٹھایا تھا وہ بلبلا اٹھی تھی مگر کسی نے بھی اس کی سائیڈ نہیں لی تھی اور ابیان کی جیسے ہی رابعہ سالار نے سائیڈ لی تھی وہ قدرے تپ کر رہ گئی تھی۔

''تنگ اسے کیا جاتا ہے جو تنگ ہورہا ہوتا ہے کہ میں اب اپنی بیوی کو چھیڑتا ہوا وہ بھی سب کے سامنے بالکل اچھا نہیں لگوں گا۔'' ابیان کا بے تکلف سا انداز خوشی کے چہرے کو حیا کے رنگ دے گیا تھا باقی سب کی دبی دبی ہنسی گونجی۔

''ابیان لگتا ہے کہ میرا بیٹا ہے۔ ابران وادیان تو ماما زبوائے ہیں۔'' ارمان شیرازی بیٹے کی بے تکلفی کو گویا حظ اٹھاتے بیوی کو چھیڑ گئے تھے۔ وہ محض انہیں گھور کر رہ گئی تھیں۔ سب کو اپنے پیچھے پڑے دیکھ کر اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے یکدم وہ سب سنجیدہ ہوگئے تھے۔

''خبردار! جو تم لوگوں نے میری بیٹی کو اب تنگ کیا تو...... جانتے ہونا آنسوؤں کی ٹنکی ہے ہماری شیریں کے پاس جس کا نل ہمیشہ ہی کھلا رہتا ہے۔'' سالار مصطفیٰ کے انداز پر قہقہے بکھر گئے تھے اور وہ ہونقوں کی طرح انہیں دیکھ رہی تھی۔ ابیان نے اس کے ادھ کھلے لبوں کے درمیان فرنچ فرائز رکھ دی تھی۔

''بہت کیوٹ لگ رہی ہو۔'' عبیر اس کی تصویر کھینچ گیا تھا کب سے سنجیدگی سے بیٹھے زعیزعہ خان نے ذرا گردن ترچھی کر کے ساتھ بیٹھی شیریں پر نظر کی تھی اس کا قہقہہ بڑا بے ساختہ تھا وہ سب کے بعد زعیزعہ خان کو بھی ہنستے دیکھ کر چڑ ہی تو گئی تھی اس نے برا سامنہ بنا کر زعیزعہ خان کی طرف دیکھا تھا۔

''سوری۔ بٹ یو لکنگ سو پریٹی۔'' اس نے بہت مدھم سی سرگوشی کی تھی اس کا چہرہ یکدم گلنار ہو گیا تھا اور ان دونوں کو دیکھ کر ان سب کے چہروں پر اطمینان امڈ آیا تھا اور لب بے ساختہ شکر ربی بجا لائے تھے۔ کھانے کے بعد چائے، کافی کا دور چلا تھا اس میں عبیر اپنا گٹار اٹھا لایا تھا اور ایان و عبیر نے حاضرین محفل سے اجازت طلب کی تھی اور اجازت کے ملتے ہی کمرے کی خاموش فضا میں ان دونوں کی آواز کا سحر جادو جگانے لگا تھا۔

زندگی کو گزارنے کے لئے
تجھ سے ملنا بہت ضروری ہے
سنگ میرے صنم یونہی تجھ کو
ساتھ چلنا بہت ضروری ہے

یہ گانا زعیزعہ خان کو کیا کچھ نہیں یاد دلا گیا تھا۔ کالج کا وہ آڈیٹوریم، وہ انارکلی کا کردار، وہ سحر انگیز لڑکی جو اس کا دل باندھ گئی تھی اور یہ گانا کتنا خوبصورت گایا تھا اس نے وہ سامنے خواہش کے ساتھ بیٹھی شیریں کو دیکھنے لگا تھا جو اس کی طرف کہاں متوجہ تھی خوشی نے اسے کہنی ماری تھی وہ جو رویحا سے بات کر رہی تھی 'سی' کرتی اسے دیکھنے لگی تھی جس نے اس کی توجہ زعیزعہ خان کی طرف دلائی تھی وہ کتنی محویت سے اس کو تک رہا تھا۔ وہ یکدم ہی سرخ پڑ گئی تھی اوپر سے خواہش کی مدھم سرگوشی وہ خوشی کو ڈھنگ سے گھور بھی نہیں پائی تھی کہ وہ اسے مستقل چھیڑ رہی تھی۔

''میری جان چھوڑو، اپنی فکر کرو اتنے دل سے ایان بھیا صرف تمہارے لئے گا رہے ہیں۔ پیار سے دیکھ بھی تمہیں ہی رہے ہیں۔'' وہ اپنی جان چھڑانے کو دھیمے سے اس کی توجہ ایان کی طرف مبذول کروا گئی تھی۔ اس نے نظر اٹھا کے سامنے دیکھا تھا۔ ایان کی تمام تر توجہ اسی کی جانب مرکوز تھی اس کے چہرے کی رنگت یکدم بدل گئی تھی۔ اس وقت ایان و عبیر کی آواز میں ارمان شیرازی کی آواز بھی شامل ہو گئی تھی کہ یہ گیت ان کا پسندیدہ ترین تھا جو وہ ہر محفل میں اکثر اوقات نیناں کے لئے اتنا گا چکے تھے کہ ان کی اولادوں کو بھی ازبر ہو چکا تھا۔

فیصلہ کر لیا ہے یہ دل نے
چاہتوں میں تیری سفر کرنا
زندگی کی بہار ہے جب تک
ساتھ تیرے ہی جینا و مرنا
جان بھی جائے پر وفا کا بھرم

یونہی رکھنا بہت ضروری ہے
سنگ میرے صنم یونہی تجھ کو
ساتھ چلنا بہت ضروری ہے

نیناں شیرازی نے ان کی جانب دیکھا تھا جو کافی طویل عرصہ بعد یہ گیت گا رہے تھے ان کی آواز میں محبت کی سچائی تھی کہ انہوں نے تاحیات وفا کا بھرم رکھا تھا۔ وفا کا بھرم رکھتے کیسی کیسی اذیتوں سے گزرے تھے مگر ان کی چاہتوں نے انہیں گرنے نہیں دیا، ان کے حوصلے بکھرے نہیں تھے اور آج وہ اپنی چاہتوں میں سرخرو تھے، وہ ان کو دیکھ رہی تھیں جن کی نگاہ پھر سوالی ہوگئی تھی۔ مان جانے کی استدعا کرتی نگاہ، روٹھے محبوب پر ٹھہری ہوئی تھی گویا کہہ رہی تھی۔ ''اب تو مان جاؤ، جنون کی رت کو اب تو مان جانے دو۔ عشق کی گھڑی کو ایک لمحہ دے دو، فقط ایک لمحہ جس میں عشق اپنی شدتوں کے ساتھ ہو۔ جس میں نہ فاصلے ہوں، نہ دوریاں ہوں، نہ گلے ہوں، نہ شکایتیں ہوں، نہ روٹھنا ہو، نہ منانا ہو بس ایک لمحہ فقط ان کے لئے ہو، فقط ان کی عشق کی شدتوں کے لئے ہو۔'' انہیں کچھ درکار نہیں تھا فقط ایک 'مکمل' 'لمحہ' کے جوان کی تکمیل کا باعث ہوتا اور وہ ہر بار کی طرح نگاہ چرا گئی تھیں کہ انہیں آج بھی تکمیل کے لئے ایک لمحہ درکار تھا اور وہ 'نامکمل' احساس کو ہی تکمیل کا ذریعہ مان گئی تھیں ایسے میں روٹھنے منانے کا سلسلہ تو رک ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ آج بھی عشق کو منانے کی چاہ میں تھے اور ان کا ماننا تھا کہ جنون عشق کی رت گر ایک بار روٹھی تو بس روٹھ گئی جنون عشق کی روٹھی رت کو منانا ممکن ہی نہیں۔

''کتنی ظالم ہو تم نیناں، نہ خود پر تمہیں رحم آتا ہے نہ ہی مجھ پر۔ میرا عشق آج بھی تم پر فدا، تم پر مہربان، تمہارا عشق بھی صرف میرے لئے، میرے نام، مگر تمہاری یہ شدتیں تو میری جان لے کر ہی ٹلیں گی۔ کیا تھا اگر تم مان جاتیں، میری ایک خطا کو بخش دیتیں مگر نہیں تمہاری یہ شدت پسندی کہ جو ہو 'مکمل' ہو ورنہ نہ ہو مجھے اس سوچ نے تمام عمر کیسے تڑپایا ہے میں ہی جانتا ہوں...... اور میری بے بسی دیکھو کہ تم مجھے پھر بھی عزیز ہو کہ میرا عشق ہو، میرا جنون ہو۔''

وہ ان کے پل پل رنگ بدلتے چہرے کو دیکھ کر دل ہی دل میں ان سے مخاطب تھے جن کی آنکھوں میں ان کا اپنا ہی عشق چھبنے لگا تھا وہ آنسو ہاتھ کی پشت سے رگڑتیں وہاں سے اٹھی تھیں اور نکلتی چلی گئی تھیں اور ارمان شیرازی کو لگا تھا کہ ہر چیز پر ویرانی چھا گئی کہ ان کے لئے تو سب کچھ نیناں ہی تھیں۔ زندگی بھی اور زندگی کا احساس بھی۔ ایان نے اب نئے مصرعہ کی تان اٹھائی تھی اور اس کی آواز میں اب کے جو آواز شامل ہوئی تھی سب اس کی طرف متوجہ ہوگئے تھے کہ کسی کو کہاں امید تھی کہ زعیزعہ خان کو بھی یہ گیت آتا ہوگا جب کہ کوئی زعیزعہ خان سے پوچھتا تو وہ کہتا کہ ہاں اسے تو بس ایک ہی گیت آتا ہے کہ اس نے یہ گیت شیریں کے لبوں سے سنا تھا اور وہ اس کی کہی ہر بات کو کسی صحیفہ کی مانند آج بھی یاد رکھے ہوئے تھا چاہے وہ نفرت ہو کہ محبت...... اور یہ تو پھر ایک گانا ہی تھا جو یاد رہ گیا تھا۔

تجھ کو پانے کی آرزو میں صنم
میں نے برسوں دعائیں مانگی ہیں

پیار سے مجھ کو دیکھتی جو رہے
وہ خدا سے دعائیں مانگی ہیں
تو ملا تو مجھے ملی منزل
اب سنبھلنا بہت ضروری ہے
سنگ میرے صنم یونہی تجھ کو
ساتھ چلنا بہت ضروری ہے

اس نے اپنے عشق کی ہر کوشش ہی نہیں اپنی خواہش بھی سر محفل بتا دی تھی وہ نیناں شیرازی کی طرح بائس نہیں تھی کہ محفل سے کوچ کر جاتی بھیگتی آنکھوں کے ساتھ وہیں بیٹھی رہی تھی کہ ابھی عشق نے عشق کو پہچانا ہی نہیں تھا کہ وہ عشق ابھی جسم وجاں سے آکاس بیل کی مانند لگا تھا جو کب کا روٹھ چکا تھا۔ اس کو روتے دیکھ کر وہ یکدم لب بھینچ گیا تھا تب ہی ایان اس کے پیچھے پڑ گیا تھا کہ آگے وہ سونگ کو گائے وہ صاف انکاری تھی مگر ابران کے کہنے پر اسے مانتے ہی بنی تھی کہ وہ ابران کو کبھی کسی بات کے لئے منع نہیں کر پاتی تھی جیسے ہی اس نے سر پکڑا تھا ابران نے دور بیٹھی رویحا کو جیسے کہا تھا کہ دیکھو آپ بھی تو گایئے مگر وہ محض اسے مسکرا کر دیکھتی اس کی فرمائش بڑی خوبصورتی سے ٹال گئی تھی۔

یہ میری جان میرا وعدہ ہے
میں فقط ہوں تیری وفا کے لئے
مانگ کر رب سے تیری چاہت کو
ہاتھ اٹھتے نہیں دعا کے لئے
اب نہ تجھ کو اداس میں دیکھوں
تیرا ہنسنا بہت ضروری ہے
سنگ میرے صنم یونہی تجھ کو
ساتھ چلنا بہت ضروری ہے
زندگی کو گزارنے کے لئے

اس کی آنکھیں بند تھیں، شہیر کا عکس پتلیوں پر رقص کرنے لگا تھا کہ اس نے آنکھیں کھول دی تھیں سامنے ہی تو زعیزعہ خان اپنے عشق وجنوں کے ساتھ براجمان تھا اس نے اپنے آنسو صاف کئے تھے اور دھیمے سے مسکرا دی تھی اور شیریں کی مسکراہٹ خوش آئند تھی۔ آنے والی رتوں کو اس کے ساتھ مل کر انجوائے کرنے کی دلیل، زعیزعہ خان رب کا شکر ادا کرتا اس کے ساتھ ہی مسکرا دیا تھا کہ عشق کا سفر

رواں دواں تھا، کبھی عشق، روٹھے تو زندگی کا حاصل اور کبھی عشق مان جائے تو زندگی کی تکمیل کے زندگی و عشق کبھی ٹھہرتے نہیں رواں دواں رہتے ہیں اور جس میں ٹھہراؤ نہ ہو وہ شدتوں تک جا پہنچتا ہے اور زندگی کے اصل معنی پتہ چلتے ہیں کہ محبت ہی تو زندگی ہے۔

سنا ہے جنونِ عشق کی روٹھی رت بھی دعا دیتی ہے اسے
ہجر کی رات میں وصل امید کو جو پھر سے زندہ کردے

ختم شد